تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّہ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّہ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمۃ

ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

مَن یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّینِ (الحدیث)

الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد شانزدھم ۱۸

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ——— ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ——— ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۔ پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون نمبر: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ـــــــ فتاوٰی رضویہ جلد ۱۸

تصنیف ـــــــ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

فیضانِ کرامت ـــــــ

سرپرستی ـــــــ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

اہتمام ـــــــ مولانا صاحبزادہ محمد عبد المصطفٰی ہزاروی ناظمِ اعلٰی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

ـــــــ مولانا صاحبزادہ قاری نصیر احمد ہزاروی ناظم شعبۂ نشر و اشاعت

ترجمہ عربی عبارات ـــــــ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

ـــــــ حافظ محمد عبد الستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ـــــــ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

ترتیب فہرست ـــــــ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

تخریج و تصحیح ـــــــ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرام اللہ بٹ، مولانا محمد عبد اللہ

کتابت ـــــــ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالہ)

پیسٹنگ ـــــــ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ـــــــ ۷۴۸

اشاعت ـــــــ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ / جولائی ۲۰۰۰ء

مطبع ـــــــ

ناشر ـــــــ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ـــــــ

○

ملنے کے پتے:

○ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

○ مکتبۂ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

○ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

○ شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائنِ علمیہ اور ذخائرِ فقہیہ کو جدید انداز میں عہدِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظرِ عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج و ترجمہ کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/ مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہٗ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً گیارہ سال کے مختصر عرصہ میں اٹھارھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، اور کتاب الکفالہ پر مشتمل سترہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے،

جلد نمبر	عنوانات	استفتاء جوابات	رسائل تعداد	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارت	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ — مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	"	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ — نومبر ۱۹۹۱	۷۱۰
۳	"	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ — فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	"	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ — جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاول ۱۴۱۴ — ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	"	۴۵۷	۴	ربیع الاول ۱۴۱۵ — اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	"	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ — دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	"	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ — جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ — اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب الزکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاول ۱۴۱۷ — اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ — مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب النکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ — نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب الطلاق، ایمان، حدود و تعزیر	۲۹۴	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ — مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الآخر ۱۴۱۹ — ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	" (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ — اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولٰی ۱۴۲۰ — ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۲۰ — فروری ۲۰۰۰	۷۱۶

اٹھارھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہفتم مطبوعہ سُنّی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڈھ بھارت کے صفحہ ۲۹۱ سے آخر تک ۱۵۲ سوالوں کے جوابات اور ۷۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے۔ اس سے قبل گیارھویں، بارھویں، تیرھویں، سولھویں اور سترھویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔ پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشہادۃ اور کتاب القضاء والدعاوی

کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے، تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کیلئے تیار کردی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دو رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) انفس الحکومۃ فی فصل الخصومۃ (۱۳۲۱ھ)

شرکت ومیراث کے اُلجھے ہوئے ایک مسئلہ کا انتہائی شاندار فیصلہ

(۲) الھبۃ الاحمدیۃ فی الولایۃ الشرعیۃ والعرفیۃ (۱۳۳۳ھ)

دینی اور دنیاوی ولایت وحکومت کی مجتہدانہ تحقیق اور اس بارے میں ایک غلط فتوے کا رد بلیغ۔

○

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
جولائی ۲۰۰۰ء

فہرست مضامین مفصل

کتاب الشہادۃ

کتاب القضاء والدعاوی

کسی عالم مستجمع شرائط صالح قضاء کو قاضی بنادیں تو وہ شرعاً بھی قاضی ہوجاتا ہے، کسی مقدمہ کے فریق اس کو معزول نہیں کرسکتے۔ ۱۹۱

مسلمان امیر نے جن جن امور میں قضاء کا اختیار دیا سب کا یہ مجاز ہوگا۔ ۱۹۱

کافر کے قاضی بنانے سے قاضی نہ ہوگا۔ ۱۹۲

جہاں کفار کا تغلب ہو وہاں مسلمانوں پر کسی کا قاضی بنانا واجب ہے۔ ۱۹۲

کافر کے بنانے سے مسلمان حکم بھی نہیں ہوسکتا۔ ۱۹۳

ابتداءً اول بدل کے ذریعہ بیع ہوجاتی ہے لیکن جس چیز کا عقد بیع فاسد کے ذریعہ کیا اب اس کو تعاطی کے ذریعہ بیع نہیں کرسکتے۔ ۱۹۳

ایک عورت کو پوری جائداد و مہر کے عوض بیع کردی دوسری کو اس میں کوئی حق نہ پہنچے گا ہاں دوسری کو محروم کرنے کی نیت سے ایسا کیا تو مجرم ہوا ۱۹۴

مہر کے لئے فوراً یا تاخیر سے ادائیگی کی کوئی تصریح نہ ہو تو مدار وہاں کے عرف پر ہوگا۔ ۱۹۴

ان بلاد کا عرف یہی ہے کہ موت یا تفریق کے بعد طلب کرتے ہیں تو اس سے قبل عورت کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا ۱۹۴

ورثہ میں سے کسی نے تبرعاً مورث کی طرف سے مہر ادا کردیا تو اس کو دوسرے ورثہ سے مطالبہ کا حق نہیں اور تبرع نہ ہو تو وصول کرسکتا ہے اور اس کی ادائیگی کے لئے مورث کی جائداد کی بیع روک سکتا ہے۔ ۱۹۴

دین اگر ترکہ کو مستغرق نہ ہو تو وارث اپنا حصہ بیع کرسکتا ہے۔ ۱۹۴

دین ادا کرنے سے قبل ترکہ میں اور میت کے دین میں مرہون جائداد میں ورثہ کا تصرف نافذ نہ ہوگا۔ ۱۹۵

کسی وارث کا مورث کے دین سے حصہ رسدی ادا کرنا اس کے تصرفات کو جائز نہ کرے گا تا وقتیکہ کل دین ادا نہ ہوجائے۔ ۱۹۵

ایک جائداد میں کوئی مالکانہ تصرف کرتا ہے دوسرے کو اس کی تملیک کرتا ہے، پھر ایک مدعی جو شہر میں موجود ہو ان حالات سے مطلع ہو دعویٰ کرے کہ یہ میری ملک ہے دعویٰ مسموع نہ ہوگا۔ ۱۹۶

کسی جائداد میں غیر کو تصرفات کرتے ہوئے کسی کا چپ رہنا اپنی اجنبیت اور متصرف کی ملکیت کا صریح اقرار ہوگا۔ ۱۹۷

مذکورہ مسئلہ کے بارے میں کتب ائمہ سے جزئیات متعددہ۔ ۱۹۷

شفعہ کے بارے میں ایک استفتاء۔ ۲۰۰

جو دیوار کسی کے استعمال میں ہو بحکم ظاہر اسی کی ہے کسی نے کسی چیز کا دعویٰ کیا تو یہ دعویٰ اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ مدعا علیہ کا اس چیز پر قبضہ ہے۔ ۲۰۱

دعویٰ دلیل شرعی (گواہ) سے ثابت ہوتا ہے۔ ۲۰۱

بیع نامہ کی اطلاع پانے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے ہر ہر لفظ سے آگاہ ہوا، نہ اس

2

○ الھبۃ الاحمدیۃ فی الولایۃ

مستور کی گواہی جب تک دلائل صادقہ سے غلبۂ ظن نہ ہوجائے مردود ہے۔ ۲۲ء

قاضی کو گواہ کے کذب کا گمان غالب ہو یا کذب و صدق دونوں کا مساوی گمان ہو بیع باطل ہے۔ ۲۲ء

مدعا علیہ کو گواہوں کی ضرورت نہیں۔ ۲۴ء

مدعا علیہ کے گواہوں پر فیصلہ کی تنقیدوں کا جواب ۲۴ء

مستور الحال ہونا مطلقاً مردود نہیں، اور فی مانحن فیہ میں طرفین کے گواہ مستور الحال ہیں ۲۴ء

قیمت زائد لکھوانا بیع کے فرضی ہونے کی دلیل نہیں

رجسٹرار کے سامنے بیع ثمن ادا نہ کرنا بھی بیع کے فرضی ہونے کی دلیل نہیں ۲۵ء

رجسٹرار کے سامنے زرِ ثمن کی پیشگی ادائیگی بھی بیع کے فرضی ہونے کا ثبوت نہیں۔ ۲۵ء

بائع کا رجسٹری آفس سے دستاویز چھڑانا بھی فرضیت بیع کی دلیل نہیں۔ ۲۵ء

فیصلہ نے دس گواہوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا اس لئے کہ وہ سب ناقابل ذکر تھے اس سے فیصلہ پر اثر نہیں پڑتا۔ ۲۶ء

حکم شرعی، فیصلہ قابل منسوخی ہے۔ ۲۷ء

مورث کے ترکہ سے کس دین کی ادا مقدم ہے۔ ۲۷ء

راہن نے مکان مرہونہ پر قبضہ کا دعوٰی گواہوں سے ثابت کردیا تو رہن ثابت ہوگی، اگر راہن کا اس مکان پر قبضہ ہو تو مرتہن کی طرف سے عاریۃً مانی جائے گی۔ ۲۷ء

ایسی صورت میں راہن کا قبضہ سب قرضخواہوں پر مقدم ہوگا۔ ۲۸ء

مشاع کا رہن فاسد ہے مگر رہن میں صحیح و فاسد سب کا حکم ایک ہے۔ ۲۸ء

راہن نے صرف رہن کا دعوٰی کیا تو دعوٰی مسموع نہیں اگرچہ گواہوں نے قبضہ کی بھی گواہی دی۔ ۲۹ء

راہن نے قبضہ کا بھی دعوی کیا لیکن قبضہ کے گواہ نہ پیش کرے گا تب بھی رہن ثابت نہ ہوگا۔ ۳۰ء

مرہون پر مرتہن کے قبضہ سے پہلے راہن کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ ۳۰ء

صرف دستاویز میں قبضہ کا ذکر ہو اور گواہوں سے اس کی تصدیق نہ ہوسکی تو بھی رہن ثابت نہیں۔ ۳۰ء

مہر عام قرضوں کی طرح ہے۔ ۳۱ء

مکان کا پختہ قبضہ ہے اور قبضہ دلیلِ ملک۔ ۳۳ء

ناہدان قدیم سے جدھر ہے اسی طرف بہانے کا حق حاصل ہے، اس کے خلاف تصرف بیجا ہے ۳۳ء

وقف کے کرایہ دار کی بدنیتی ظاہر ہو تو قاضی جائداد اس کے ہاتھ سے نکال لے۔ ۳۵ء

کرایہ بڑھ گیا اور وقف کی جائداد کا مستاجر کرایہ دینا نہ چاہے تو اجارہ فسخ کردیا جائے۔ ۳۵ء

مدعا علیہ کا صرف زبانی بیان قابلِ سماعت نہیں، نہ اس کے سبب خصومت کسی دوسرے کی طرف منتقل ہوسکتی ہے۔ ۳۵ء

قاضی پر واجب ہے کہ مدعی جب دعوٰی ثابت کردے فیصلہ اس کے حق میں کردے مقدمہ مزید کارروائی کے لئے آگے بڑھانا جائز نہیں۔ ۳۵ء

دعوٰی اس کے خلاف ہوگا جس کا قبضہ ہو۔	۳۶ ،	دستاویز حجت نہیں۔
		۳۷ ،

فہرست ضمنی مسائل

فوائد تفسیریہ

فوائد حدیثیہ

عقائد وکلام

مہر

طلاق

نسب

شرکت

بیع

وقف

وکالت

اقرار

امانت

عاریت

ہبہ

اجارہ

شفعہ

قسمت

رہن

یمین

"خدا کی قسم سچ کہوں گا" یمین منعقدہ ہے۔ ۴۶۲

یمین منعقدہ میں کفارہ کی ادائیگی سے کام نکل سکتا ہے۔ ۴۶۲

ہفت اقلیم اور لاکھ روزے بھی یمین غموس کا کفارہ نہیں ہو سکتے۔ ۴۶۲

قسم اور مقسم میں جو زیادتی تاکید کے لئے ہو وہ مضر نہیں۔ ۴۷۶

قسم اور مقسم میں سکوت سے فاصلہ ہو تو قسم صحیح نہیں۔ ۴۷۷

حظر و اباحت

گواہ کے لئے پابندِ نماز پابندِ جماعت ہونا ضروری ہے ورنہ گواہی تسلیم نہ کی جائے گی۔ ۱۰۳

جاہل کی گواہی بھی نامقبول، جاہل فاسق ہوتا ہے ۱۰۳

راشی، فاسق، پاگل، نابالغ، فاتر العقل کی گواہی مقبول نہیں۔ ۱۲۰

شہادت کے لئے اسلام شرط ہے غیر مسلم کی شہادت نامقبول ہے۔ ۱۲۳

داڑھی خشخشی کرانے والا مردود الشہادت ہے ۱۲۶

آجکل عموماً فیشن ایبل ہوٹلوں میں ملازمین کو شراب اور سور کے گوشت کا اہتمام کرنا ہوتا ہے یہ فسق ہے۔ ۱۲۹

فاسق شرعاً گواہ نہیں ہو سکتا۔ ۱۲۹

باپ کی گواہی اولاد کے حق میں معتبر نہیں۔ ۱۲۹

جن لوگوں کے پیشے علانیہ فسق کے ہوں جیسے دلال، وکلاء، ان کی گواہی نامقبول، اور ان کو کوئی اعزاز کا منصب دینا جائز نہیں۔ ۱۳۷

کوچہ غیر نافذہ میں انھیں لوگوں کا حق ہے جن کے دروازے قدیم سے اس کوچہ میں ہوں۔ ۱۴۱

ایسے راستہ میں تصرف کے لئے اس کے ہر ہر ساکن کی اجازت ضروری ہے۔ ۱۴۲

ایسے کوچہ میں اپنی حد سے اوپر نیا دروازہ قائم کرنا ظلم ہے۔ ۱۴۲

کوچہ غیر نافذہ کے تمام شرکاء دروازہ کیلئے راضی ہو گئے کہ ایک نے اپنا مکان بیچ دیا، نیا پڑوسی آیا وہ راضی نہیں تو دروازہ نہیں توڑا جا سکتا۔ ۱۴۲

باپ نے بیٹے کو کچھ دینے کے لئے کہا، اور نہیں دیا تو باپ پر جبر نہیں ہو سکتا۔ ۱۶۷

جو شخص کسی قسم کا قہر و تسلط رکھتا ہو اس کو کسی قسم کا تحفہ اور دعوت خاصہ قبول کرنے کا اختیار نہیں۔ ۱۷۰

ماتحت اپنے افسر کی دعوت قبول کر سکتا ہے جس پر اس کا دباؤ نہ ہو۔ ۱۷۰

ایسے شخص سے ہدیہ و دعوت بھی قبول کر سکتا ہے جو اس منصب سے پہلے بھی اس قسم کا معاملہ رکھتا تھا۔ ۱۷۰

اپنے قریبی محارم کا ہدیہ قبول کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ ۱۷۰

کام پڑنے کے وقت مذکورہ بالا اصحاب سے بھی

وصیّت

میراث

فوائد اصولیہ

ولایت

افتاء و رسم المفتی

منطق

لغت

فوائد فقہیہ

ضمان وتاوان

ترغیب وترہیب

فضائل ومناقب

تاریخ وتذکرہ

قرض

اسماء الرجال

جرح و تعدیل

بر و صلہ

متفرقات

☆ ☆ ☆

کتابُ الشّہادۃ

(گواہی کا بیان)

مسئلہ ۱ از دولت پور ضلع بلند شہر مسئولہ رئیس بشیر محمد خاں صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

از روئے شرع شریف کے شاہد کی کیا تعریف ہے اور کون سی شہادت شرع شریف میں مانی جاتی ہے؟ بتفصیل ارقام فرمائیں۔

الجواب

شاہد وہ جو مجلس قضا میں بلفظ اشھد یا گواہی میدہم (میں گواہی دیتا ہوں ۔ ت) یا گواہی دیتا ہوں کسی حق کے ثابت کرنے کی خبر دے، اور قبول شہادت کے لئے شاہد کا عاقل، بالغ، صحیح یاد والا، انکھیارا اور مدعا علیہ پر اپنی گواہی سے الزام قائم کرنے کی لیاقت والا ہونا لازم ہے، اور یہ کہ اسی شہادت میں بوجہ قرابت ولادت یا زوجیت یا عداوت وغیرہا اس پر تہمت نہ ہو، اور فاسق کی گواہی بھی مردود ہے اور قبول کرنے والا گنہگار، اور تفصیل تمام کتبِ فقہ میں ہے، درمختار میں ہے،

اخبار صدق لاثبات حق بلفظ الشھادۃ فی مجلس القاضی شرطھا العقل الکامل والضبط والولایۃ فیشترط

کسی حق کو ثابت کرنے کے لئے مجلسِ قاضی میں لفظِ شہادت کے ساتھ سچی خبر دینا (شہادت شرعی ہے) شہادت کی شرطیں یہ ہیں شاہد کا عاقل، بالغ، صحیح یادداشت والا اور مدعا علیہ پر ولایت رکھنے والا

الاسلام لو المدعی علیہ مسلما وعدم قرابۃ ولاد او زوجیۃ او عداوۃ دنیویۃ او دفع مغرم او جر مغنم[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

ہوتا چنانچہ اگر مدعا علیہ مسلمان ہو تو شاہد کا مسلمان ہونا شرط ہوگا (نیز یہ بھی شرط ہے کہ) شاہد کو مشہود لہٗ کے ساتھ ولادت یا زوجیت کے اعتبار سے قرابت حاصل نہ ہو اور نہ ہی کوئی دنیوی عداوت ہو، اور شاہد کو اس گواہی سے دفعِ تاوان یا حصولِ منفعت جیسی سہولت بھی حاصل نہ ہوتی ہو۔ (ت)

مسئلہ ۲ ازرامپور مرسلہ مولانا ظہور الحسن صاحب و مولوی ارشد علی صاحب ۲۸ ذوالقعدہ ۱۳۱۹ھ

سوال از حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب، فتوٰی محررہ مولوی منور علی صاحب دربارہ مقدمہ فردوس بیگم مدعیہ میں جو جناب والا نے یہ لفظ تحریر فرماکر مُہر کی ہے: اگر شہادت شہود مندرجہ سوال جامع شرائط شہادت ہے تو فیصلہ بحق مدعیہ ہونا چاہئے، آیا شرائط شہادت میں سے تعیین مشہود بہ ساتھ حدود بیان کرنے کے اگر مشہود بہ اراضی یا مکان ہو ہے یا نہیں؟ اور صرف مکان متنازعہ بول دینا بلا بیان حدود صحتِ شہادت کے واسطے کافی ہے یا نہیں؟ اور تعیین مشہود علیہ و مشہود لہٗ ساتھ ذکر اسم اب وجد کے اگر مشہودین میں سے نہ ہوں شرطِ شہادت ہے یا نہیں؟ اور لفظ اشھد شہادت کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟ اگر یوں شہادت لی جاتی ہو کہ گواہ سے اوّل یوں حلف لیا اشھد باللہ سچ کہوں گا بعدہ اس سے دریافت کیا فلاں مقدمہ میں کیا جانتے ہو اس نے بیان شروع کردیا اور اس بیان میں اشھد یا شہادت دیتا ہوں یا گواہی دیتا ہوں کہ ایسا ہے نہ کہا تو یہ شہادت قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ اور ایسی شہادت کی بنا پر اگر قاضی فیصلہ کردے تو وہ فیصلہ قابلِ نفاذ ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُؤْجَرُوْا (بیان کیجئے اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس فتوٰی پر اپنی تحریر جداگانہ لکھی ہے اور اس میں بحکم احتیاط جس کا لحاظ فتوٰی میں خصوصاً اس زمانہ شیوع جہل میں اہم ضروریات سے ہے صراحۃً یہ قید ذکر کی کہ دونوں گواہان مدعیہ اگر جامع شرائط شہادت ہیں اور ان کا بیان حاکم مجوز کے سامنے حسبِ شرائط ہولیا ہے تو بیع بنام فردوس بیگم ضرور ثابت ہے اس میں تمام شرائط تحمل شہادت و جملہ شرائط ادائے شہادت و جمیع شرائط صحت دعوٰی سب کی طرف اشارہ تھا کہ حقوق العباد میں تقدم دعوٰی خود شرطِ شہادت ہے تو بے صحت دعوٰی شہادت ہرگز مسموع نہیں، فقیر کو معلوم تھا کہ جہل شائع ہے اور اجتماع شرائط کم متوقع و من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل[2]

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] " باب الوتر والنوافل " " " ۱/ ۹۹

(اور جو اپنے زمانہ والوں کو نہیں جانتا وُہ جاہل ہے۔ ت) لہذا تصریحاً بالقصد یہ قیود ذکر کردیں اور اس فتوٰی کی تصدیق و تصحیح پسندنہ کی۔ مشہود بہ جب عقار مثلاً ارض یا دار ہو تو شہادت میں کم از کم تین حدوں کا ذکر واجب ہے اس کے بغیر شہادت ہرگز قبول نہیں مگر یہ کہ شہود دار کے پاس حاضر ہو کر بمواجہ مدعی و مدعا علیہ خود قاضی یا اس کے دو امینوں کے سامنے اشارہ سے تعیینِ حدود کردیں تو ذکر حدود کی حاجت نہیں فان تعیین الحاضر بالاشارۃ (کیونکہ حاضر شَے کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے۔ ت) یا اگر دار ایسی معروف و مشہور ہے کہ اس کا نام لینا ہی علم کو بس ہے تو صاحبین کے نزدیک تحدید ضرور نہیں امام اب بھی مانتے ہیں اور یہی صحیح ہے مگر اگر قاضی کہ خاص مذہب امام یا مذہب مصحح پر قضا کے ساتھ مقید نہ کیا گیا ہو بلکہ اسے قاضی کرنے والے نے اختیار دیا ہو وہ اگر ایسی مشہور دار میں بے تحدید قبول شہادت کرکے قضا کردے گا نافذ ہوجائے گی لوقوعہ فی مجتھد فیہ (بسبب واقع ہونے اس کے مجتہد فیہ میں۔ ت) ورنہ باطل ہوگی لکونہ معزولا فیہ کما فی البحر والاشباہ والدر وغیرھا (کیونکہ اس میں وہ معزول ہے جیسا کہ بحر، اشباہ اور دُر وغیرہ میں ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

یشترط التحدید فی دعوی العقار کما یشترط فی الشھادۃ علیہ ولوکان العقار مشھورا خلافا لھما الا اذا عرف الشھود الدار بعینھا فلا یحتاج الی ذکر حدودھا۔[1]

عقار (غیر منقول جائداد) کے دعوٰی میں حدود کو بیان کرنا شرط ہے جیسا کہ اس پر گواہی میں بیان شرط ہے اگرچہ وہ عقار مشہور ہو بخلاف صاحبین کے، مگر گواہان جب دار کو خصوصی طور پر پہچانتے ہوں تو بیانِ حدود کی حاجت نہیں۔ (ت)

جامع الفصولین و فتاوٰی ہندیہ و عقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

شھدا بدار وقالا نعرف حدودہ اذا مشینا الیہ لکن لانعرف اسماء الحدود فان القاضی یقبل ذٰلک منھما اذا عدلا و یبعثھما مع المدعی والمدعی علیہ وامینین لہ لیقف الشھود علی

دو گواہوں نے کسی کے لئے دار کی گواہی دی اور کہا کہ ہم اگر گھر کی طرف جائیں تو اس کی حدود کو پہچانتے ہیں مگر اس کی حدوں کے نام نہیں جانتے تو قاضی ان کی گواہی کو قبول کرے گا بشرطیکہ ان دونوں گواہوں کی تعدیل ہوگئی۔ قاضی دونوں گواہوں کو مدعی، مدعا علیہ اور اپنے دو امینوں کے ساتھ بھیجے گا تاکہ وہ گواہ

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۱۶-۱۱۵

الحدود بحضرة امینی القاضی فاذا وقفا علیها فقالا ھذہ حدود دار شہدنا بہ لھذا المدعی یرجعون الی القاضی و یشھد الامینان انھما وقفا وشہدا باسماء الحدود فحینئذ یقضی بالدار وکذا القریۃ والحانوت وجمیع الضیاعات[1]

قاضی کے امینوں کی موجودگی میں گھر کی حدوں کی شناخت کرائیں جب وُہ گواہ گھر کی حدوں پر واقف ہوئے اور کہا کہ یہی حدیں ہیں اس گھر کی جس کی گواہی ہم نے اس مدعی کے لئے دی ہے، اب یہ قاضی کے پاس لوٹ آئیں گے اور دونوں امین اس بات کی گواہی دیں گے کہ ان گواہوں نے گھر اور اس کی حدوں پر ہم کو واقف کیا ہے تو قاضی اس گھر کا فیصلہ مدعی کے حق میں کر دے گا اور یہی حکم ہے گاؤں، دکانوں اور تمام غیر منقول جائدادوں کا۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے :

فیہ رمز الی انہ یحد ولو مشھورا وھذا عندہ خلافا لھما فلو لم یحد وقضی بصحۃ ذلک نفذ[2]

اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مدعی کی جانب سے حدود کو بیان کیا جائے گا اگرچہ (حدود) مشہور ہو، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے بخلاف صاحبین کے، چنانچہ اگر بیان حدود کے بغیر قاضی نے صحتِ دعوٰی کا فیصلہ دے دیا تو (صاحبین کے نزدیک) نافذ ہوجائے گا۔ (ت)

مگر صرف جامع الفصولین میں اپنی رائے یہ تحریر فرمائی کہ اگر شاہدین ملک متنازع فیہ کی شہادت دیں اور مدعی و مدعا علیہ کا اتفاق ہو کہ جس دار کی انھوں نے شہادت دی ہے وہی متنازع فیہ ہے تو اصل دار میں شہادت قبول ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے اولا برمز فش فتاوٰی امام رشید الدین سے نقل کیا شھادتھم بالملک بلا ذکر الحدود لا تقبل[3] (حدود کو بیان کئے بغیر ملکیت پر ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ ت) پھر اپنی بحث ذکر کی کہ :

اقول الغرض ھو التمیز عند القاضی، فینبغی ان یصح حکمہ بحسب ما تمیز

میں کہتا ہوں غرض تو یہ ہے کہ وہ (دار) قاضی کے نزدیک ممتاز ہوجائے لہٰذا اس کا فیصلہ ممتاز شے کی حد تک صحیح ہونا چاہئے، چنانچہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۲
[2] جامع الرموز کتاب الدعوٰی مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۶۷
[3] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۱

فلوشهدا بملك المتنازع فيه والخصمان تصادقا على ان المشهود به هو المتنازع فيه، ينبغي ان تقبل الشهادة في اصل الدار وان لم يذكرا الحدود لعدم الجهالة المفضية الى النزاع في اصل الدار فلو وقع النزاع في حدوده بعد الحكم باصله فذلك الامر اٰخر تسمع فيه الخصومة براسه كما ان الجارين لو تنازعا في حدود داريهما لا في اصليهما يسلم لكل منهما اصل داره وتسمع الخصومة في الحد، والله تعالٰی اعلم[1]

اگر دو گواہوں نے متنازع فیہ گھر کے بارے میں کسی کی ملکیت کی گواہی دی اور مدعی و مدعا علیہ دونوں نے تصدیق کر دی کہ متنازع فیہ گھر وہی ہے جس کے بارے میں شہادت دی گئی تو اصل گھر کے بارے میں ان کی گواہی مقبول ہونی چاہئے اگرچہ حدود کو انھوں نے بیان نہ کیا ہو کیونکہ یہاں ایسی جہالت معدوم ہے جو اصل گھر میں جھگڑے کا باعث بنے، اگر اصل گھر کے فیصلہ کے بعد اس کی حدود میں نزاع واقع ہو تو یہ الگ معاملہ ہے جس میں نئے سرے سے خصومت مسموع ہوگی جیسا کہ دو پڑوسیوں میں ان کے گھروں کی حدود کے بارے میں نزاع واقع ہُوا نہ کہ اصل گھروں کے بارے میں، تو ہر ایک کا اصل گھر اس کے حوالے کیا جائے گا اور اس کی حدوں کے بارے میں خصومت مسموع ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)۔

ظاہر ہے کہ اعتبار منقول فی المذہب کا ہے نہ کہ بحث کا، حتی کہ علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ منقول کے مقابل امام ابن ہمام کی ابحاث بھی مقبول نہیں حالانکہ وہ بالغ درجۂ اجتہاد مانے جاتے ہیں۔ ردالمحتار کتاب الحج میں ہے:

قد قال تلمیذه العلامة قاسم ان ابحاثه المخالفة للمذهب لا تعتبر فافهم[2]

ابن ہمام کے شاگرد علامہ قاسم نے کہا کہ ان کی جو ابحاث خلافِ مذہب ہیں ان پر اعتبار نہیں کیا جائے گا، پس غور کرو۔ (ت)

طحطاوی کتاب الطلاق فصل ثبوت النسب میں ہے:

النص هو المتّبع فلا يعوّل على

اتباع تو نص کی ہی کی جائے گی اس کے

---

[1] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۱-۱۰۲

[2] ردالمحتار کتاب الحج باب الجنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۰۶

7/7

البحث معه[1] — ہوتے ہوئے بحث پر اعتماد نہیں کیا جائیگا۔ (ت)

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ ت) ظاہراً ان کی نظر اس طرف گئی کہ ذکرِ حدود کی حاجت تمیزِ ذاتِ مشہود بہ کے لئے ہے ولہذا فرمایا کہ بعد تصادقِ خصمین اصل دار میں شہادت مقبول ہوجانی چاہئے حدود میں تنازع پڑے تو اس کا مقدمہ جدا ہولے گا حالانکہ ذکر حدود کی ضرورت علم مقدار مشہود بہ کے لئے ہے، درر و غرر وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے:

ان قدرھا لایصیر معلومًا الا بالتحدید[2]۔ — گھر کی مقدار کا تعین اس کی حدوں کو بیان کئے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔ (ت)

تو اصل دار بلاتعیین مقدار کیا چیز ہے جس کا قاضی حکم کرے یہ تو ایسا ہے کہ زید عمرو پر ہزار روپے کا دعوٰی کرے شہود شہادت دیں کہ اس کا اس پر کچھ آتا ہے کیا یہ گواہی اصل دین کے اثبات میں مقبول ہوجائے گی ہرگز نہیں،

ولم یقل بہ احد وبہ ظھر الجواب عن قیاسہ علی مسئلۃ الجارین فان ثمہ لم یختلفا فی اصل داریھما فالتسلیم لعدم النزاع علی جھۃ القضاء وانما یحتاج القاضی الی علم المقدار فیما یدعی بہ عندہ فیرید القضاء بہ علی المنکر۔ — اس کا قائل کوئی بھی نہیں اور اسی سے مسئلہ جارین پر اس کے قیاس کا جواب ظاہر ہوگیا کیونکہ وہاں دونوں پڑوسیوں میں ان کے اصل گھروں کے بارے میں اختلاف واقع نہیں ہوا چنانچہ وہاں قضاء کی جہت سے نزاع معدوم ہونے کی وجہ سے تسلیم متحقق ہوئی، بیشک قاضی اس بات کا محتاج ہے کہ اس گھر کی مقدار اُسے معلوم ہو جس کا دعوٰی اس کے پاس کیا گیا ہے اور وہ منکر کے خلاف اس کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔ (ت)

اگر ایسی شہادت مقبول ہو تو لازم کہ دعوٰی بھی بلاتعیین حدود قبول ہوجائے وہی وجہ وہاں بھی جاری ہے کہ اصل دین اس وقت حکم چاہتا ہے حدود میں نزاع پڑے تو یہ مقدمہ جُدا ہولے گا حالانکہ یہ جملہ کتب مذہب کے خلاف ہے، خود جامع الفصولین میں ہے:

لوادعی عقارا فلابد من ذکر بلدۃ — اگر عقار (غیر منقول) کا کہا تو اس شہر کا ذکر ضروری

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۴۱

[2] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الدعوٰی میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/۳۳۱

فیما المدعی ثم من ذکر المحلۃ ثم السکۃ ثم حدودہ فلو ذکر حدین لایکفی ولو ذکر الثلثۃ کفی وکل جواب عرفتہ فی الدعوی فہو الجواب فی الشہادۃ[1] اھ مختصرا۔

ہے جس میں مدعی ہے پھر محلہ، گلی اور عقار کی حدوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، اگر اس نے دو حدوں کا ذکر کیا تو کافی نہیں اور اگر تین کا ذکر کیا تو کافی ہے اور جو حکم تُو نے دعوی میں پہچانا وہی حکم شہادت میں ہے اھ مختصراً۔ (ت)

بالجملہ نظر حاضر میں یہ بحث قابل اعتماد نہیں مشہود لہ وعلیہ کی تعیین ضرور ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ وہاں مقصود صرف رفع التباس ہے جس طرح ہو یہاں تک کہ اگر صرف نام یا تنہا لقب یا مجرد صفت ہی سے رفع اشتباہ ہوجائے بس ہے ورنہ ذکر نام و نامِ پدر بالاتفاق اور نامِ جد امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ضرور ہے اور یہی صحیح ہے ہاں اگر قاضی ماذون صرف نام و نام پدر پر قبول کرکے قضا کردے نافذ ہوجائے گی عورت کے لئے نام و زوجیت کافی ہے، درمختار میں ہے:

فلو قضی بلا ذکر الجد نفذ فالمعتبر التعریف لاتکثیر الحروف حتی لو عرف باسمہ فقط او بلقبہ وحدہ کفی[2]۔

اگر دادا کا ذکر کئے بغیر قاضی نے قضا کردی تو نافذ ہوگی اس میں معتبر تو صرف پہچان کرانا ہے نہ کہ گفتگو میں زیادہ الفاظ استعمال کرنا یہاں تک کہ اگر محض نام سے اس کی پہچان ہوجائے یا تنہا لقب سے شناخت ہوجائے تو کافی ہے۔ (ت)

جامع الفصولین، ملتقط و فصول عمادیہ و ہندیہ و منح الغفار و تنقیح الحامدیہ میں ہے:

والحاصل ان المعتبر انما ہو حصول المعرفۃ وارتفاع الاشتراک[3]۔

خلاصہ یہ کہ اعتبار تو صرف شناخت کے حصول اور اشتراک و اشتباہ کے خاتمے کا ہے (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

المعتبر ہو حصول المعرفۃ وارتفاع الالتباس بای شیئ کان[4]۔

اعتبار اس بات کا ہے شناخت حاصل ہوجائے اور اشتباہ دور ہوجائے چاہے کسی بھی شے سے ہو۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین — الفصل السادس — اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۳

[2] درمختار — کتاب الشہادات — مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الفصول العمادیۃ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

[4] جامع الفصولین — الفصل التاسع — اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰

ردالمحتار میں ہے :

قوله اوبلقبه وكذا بصفته كما افتى به فى الحامدية فيمن يشهد ان المرأة التى قتلت فى سوق كذا يوم كذا فى وقت كذا قتلها فلان تقبل بلا بيان اسمها واسم ابيها حيث كانت معروفة لم يشاركها فى ذلك غيرها[1]

صاحبِ درمختار کا قول او بلقبه (یا اس کے لقب سے شناخت ہوجائے) ایسا ہی حکم ہے اس کی صفت کے ساتھ شناخت کا ، جیسا کہ فتاوٰی حامدیہ میں اس پر فتوٰی دیا گیا ہے اس شخص کے بارے میں جو گواہی دے کہ فلاں دن ، فلاں وقت ، فلاں بازار میں جو عورت قتل کی گئی اس کو فلاں نے قتل کیا ہے تو اس عورت اور اس کے باپ کا نام بیان کئے بغیر شہادت قبول کرلی جائے گی جبکہ وہ مقتولہ عورت مشہور ہو اور اس وصف میں اس کے ساتھ کوئی اور شریک نہ ہو ۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے :

قالوا فى ثبوت هلال رمضان شهد وانه شهد عند قاضى مصر كذا شاهدان برؤية الهلال وقضى القاضى بها ووجد استجماع شرائط الدعوى قضى القاضى بشهادتهما فانظروا حفظكم الله تعالٰى الى قولهم قاضى بلدة كذا ولم يذكروا اشتراط اسم ابيه وجده لانه لايلتبس بغيره اذ القاضى فى ذلك الوقت واحد لا اثنان كما هو المعلوم[2]

ہلالِ رمضان کے ثبوت کے بارے میں فقہاء نے کہا گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس دو گواہوں نے چاند دیکھنے کی شہادت دی اور قاضی نے ان کی شہادت پر فیصلہ دیا اور تمام شرائطِ دعوٰی پائی گئیں تو قاضی ان کی گواہی پر فیصلہ کردے گا تو دیکھو اللہ تعالٰی تمہاری حفاظت فرمائے ان کے اس قول کی طرف کہ انھوں نے کہا " فلاں شہر کا قاضی " اور اس کے باپ اور دادا کے نام کو ذکر کرنے کی شرط کا تذکرہ انھوں نے نہیں کیا کیونکہ اس وقت شہر کا قاضی ایک ہی ہے ، نہ کہ دو جیسا کہ معلوم ہے ۔ (ت)

اشباہ میں ہے :

تكفى النسبة الى الزوج لان المقصود

عورت کی نسبت زوج کی طرف کرنا کافی ہے کیونکہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۲
[2] العقود الدریۃ 〃 ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۴۶

الاعلام[1] اھ۔ مقصود تو شناخت کرانا ہے اھ (ت)

لفظ اشھد قطعاً رکنِ شہادت ہے بے اس کے شہادت شہادت ہی نہیں قبول و عدم قبول تو دوسرا درجہ ہے، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ورکنہا لفظ اشھد لاغیر الی قولہ فتعین[2]۔

شہادت کا رکن لفظِ اَشْھَدُ (میں گواہی دیتا ہوں) ہے نہ کہ اس کا غیر (ماتن کے قول فتعین تک)۔ (ت)

انھیں میں ہے:

لزم فی الکل من المراتب الاربع لفظ اشھد بلفظ المضارع بالاجماع وکل مالا یشترط فیہ ھذا اللفظ کطہارۃ ماء ورؤیۃ ھلال فھو اخبار لاشہادۃ[3]۔

چاروں مراتب میں سے ہر ایک میں لفظ اَشْھَدُ بصیغہ مضارع بالاجماع لازم ہے، اور جس جگہ یہ لفظ شرط نہیں جیسے پانی کی طہارت اور چاند کی رؤیت تو وہ خبر دینا ہے نہ کہ شہادت۔ (ت)

شروع شہادت سے پہلے یہ کہلوا لینا کہ "اشھدُ باللہ سچ کہوں گا" ہرگز کافی نہیں کہ وہ حلف ہے نہ کہ شہادت، اور "اشھدُ" کلام شہادت پر داخل ہونا لازم نہ کہ حلف پر، شاہدوں سے حلف لینا تو شرعاً جائز بھی نہیں کما فی الدر وغیرہ لانا امرنا باکرامھم (جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے کیونکہ ہمیں گواہوں کے احترام کا حکم دیا گیا ہے۔ ت) ظاہر ہے کہ حکام وشہود وخصوم و تمام حُضّاران الفاظ کو حلف ہی سمجھتے حلف ہی کہتے حلف ہی کی نیت کرتے ہیں اور رکن شہادت وہ اشھد ہے جو بمعنی خبر ہو نہ وہ کہ بمعنی حلف وقسم ہے، تبیین الحقائق و عالمگیریہ میں ہے:

ورکنہا لفظ اشھد بمعنی الخبر دون القسم[4]۔

رکنِ شہادت لفظِ اَشْھَدُ ہے جبکہ خبر کی نیت سے ہو نہ کہ قسم کی نیت سے۔ (ت)

اشھد باللہ سچ کہوں گا ایک قسم ہوگئی جس کا کفارہ بہت آسان ہے کلام شہادت پر اشھد داخل نہ ہوا جس میں غلط گوئی موجب ہلاکت ہوتی،

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الشہادات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۸۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۰

[3] " " " " " ۲/۹۱

[4] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ تبیین الحقائق " نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۵۰

کما نص علیہ العلماء الکرام فی حکمۃ عدم تحلیف الشاھد و وضع ھذا اللفظ عوضہ ان شاھد الزور لما اراد اھلاک مال المشھود علیہ عوض باھلاک ذاتہ بخلاف ما لو حلف اذکان یسیرا علیہ کفارتہ۔

جیسا کہ گواہوں سے حلف نہ لینے اور اس کے بجائے لفظ اَشْھَدُ رکھنے کی حکمت کے بارے میں علماء کرام نے نص فرمائی ہے کہ جھوٹا گواہ جب مشہود علیہ کے مال کی ہلاکت کا ارادہ کرے تو اس کا بدلہ اُسے ہلاکت ذات کی صورت میں ملتا ہے بخلاف قسم کے گواہ پر اس کا کفارہ ادا کردینا آسان ہوتا ہے (ت)

غرض ایسی شہادت ہرگز شہادت نہیں اور اس پر جو قضا ہوا اصلاً نافذ نہیں

لانتفاء احد اطراف القضاء وھو الطریق فان القاضی انما یقضی بالبینۃ او النکول او الاقرار فاذا انعدمت انعدم القضاء۔

اطرافِ قضاء میں سے ایک یعنی طریق کے منتفی ہونے کی وجہ سے کیونکہ قاضی گواہوں یا انکار مدعا علیہ یا اقرارِ مدعی علیہ کے ذریعے ہی فیصلہ کرتا ہے جب یہ معدوم ہوں تو قضاء بھی معدوم ہوگی (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے: ومما نظمہ ابن الغرس فی الفواکہ البدریۃ (ابن الغرس نے فواکہ بدریہ میں نظم کیا۔ت)

اطراف کل قضیۃ حکمیۃ	ست یلوح بعدھا التحقیق
حکم ومحکوم بہ ولہ	ومحکوم علیہ وحاکم وطریق[1]

(ہر قضاء کے چھ اطراف ہوتے ہیں جن کے بعد تحقیق ظاہر ہوتی ہے: حکم[1]، محکوم بہ[2]، محکوم لہ[3]، محکوم علیہ[4]، حاکم[5] اور طریق[6]۔ت)

وبفقد واحد من اطراف القضیۃ یفقد الحکم وبذلک یعرف بطلان المحضر المذکور۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اطراف قضاء میں سے ایک کے مفقود ہونے کی وجہ سے حکم مفقود ہوجاتا ہے اور اسی سے مذکورہ دستاویز کا بطلان بھی معلوم ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی دار المعرفۃ بیروت ۲/۹

مسئلہ ۳ ۹ شوال ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ کو دوسرے ضلع سے اپنے مکان کو روانہ کیا، اثنائے راہ میں بکر بہ نیت فاسد بھگا کر اپنے یہاں لے گیا، زید نے نالشِ فرار کی، ہندہ نے بیان کیا زید مجھے جا بجا دکھ دینے کو کہتا تھا میں نے نہ مکھی اس نے تین بار کہا میں نے تجھے طلاق دی اور شہادت میں اپنا حقیقی بھائی اور رشتہ کا چچا اور ایک عورت کہ روٹی پکانے پر ہندہ کے یہاں نوکر ہے پیش کرتی ہے اور یہ تینوں شخص جاہل وغیر پابند نماز ہیں اس صورت میں طلاق ثابت ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

طلاق ونکاح ہم مسلمانوں کے شرعی و دینی معاملے ہیں ان کا ثبوت اسی طور پر ہونا لازم جس طرح شریعتِ مطہرہ میں مقرر کیا گیا ہے، شریعتِ مطہرہ میں پابند نماز نہ ہونا تو معاذ اللہ حد درجہ کا فسق ہے تارکِ جماعت کی گواہی سے بھی طلاق ثابت نہیں ہوتی۔ عالمگیری میں ہے:

کل فرض له وقت معین کالصلٰوة والصوم اذا اخرمن غیر عذر سقطت عدالته[1]

جس فرض کا وقت معیّن ہے جیسے نماز اور روزہ اگر کوئی بلاعذر اس میں تاخیر کرے تو اس کا عادل ہونا ساقط ہوجاتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اذا ترك الرجل الصلٰوة استخفافا بالجماعة بان لایستعظم تفویة الجماعت کمایفعله العوام اومجانة اوفسقا لاتجوز شهادته[2]

اگر کوئی شخص بطور تحقیر با جماعت نماز نہ پڑھے بایں طور کہ جماعت کے فوت ہوجانے کو کوئی بڑی بات نہ سمجھے جیسا کہ عوام الناس کرتے ہیں یا بلاوجہ یا بطور فسق وفجور جماعت کو ترک کرے تو اس کی گواہی ناجائز ہے۔ (ت)

اور ان کا جاہل ہونا دوسری وجہ ان کی ردِ شہادت کی ہے، درمختار میں ہے:

لاتقبل شهادة الجاهل علی العالم لفسقه بترك مایجب تعلمه شرعًا

جاہل کی گواہی عالم کے خلاف قبول نہیں کی جائیگی کیونکہ جن احکامِ شرعیہ کا سیکھنا اس پر واجب ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۶

[2] " " " " " ۳/ ۴۶۶

فحینئذ لا تقبل شہادتہ علی مثلہ و لا علی غیرہ و للحاکم تعزیرہ علی ترکہ ذٰلک ثم قال والعالم من یستخرج المعنی من التر کیب کما یحق و ینبغی[1]

اس کو ترک کرنے کی وجہ سے وہ فاسق ہوگیا، تو اس صورت میں یعنی فاسق ہونے کی صورت میں تو اس کی گواہی نہ اپنے جیسے جاہل اور نہ ہی غیر جاہل پر قبول کی جائے گی اور اس ترک تعلم پر حاکم اس کو بطور تعزیر سزا دے سکتا ہے پھر کہا کہ عالم وہ ہے جو تراکیب الفاظ سے معنی کا استخراج کر سکے جیسا کہ ثابت اور مناسب ہے۔ (ت)

پھر عورت میں تیسری وجہ اور ہے کہ وہ ہندہ کی نوکر ہے اور نوکر کی گواہی آقا کے حق میں مقبول نہیں، درمختار میں ہے:

لا تقبل شہادۃ الاجیر الخاص لمستاجرہ مسانہۃ او مشاھرۃ او الخادم[2] الخ۔

اجیر خاص (مزدور یا نوکر) کی گواہی اپنے مستاجر کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی چاہے اجرت سالانہ ہو یا ماہانہ، یا اجیر خاص سے مراد خادم (تابع یا شاگرد خاص ہے)۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں طلاق ثابت نہیں زید و ہندہ بدستور زوج و زوجہ مانے جائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ از ریاست ٹونک محلہ متوخیل وزیر گنج مرسلہ حسن رضا خاں ۸ ربیع الاول شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مسماۃ ہندہ مدعیہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس نے خسر ضامن مہر و نیز مدعا علیہ ثانی ضامن چڑھاوا و جہیز پر تین دعوے عدالت شریعت میں پیش کئے۔ ثبوت ہر سہ دعوی میں ہشت مع قاضی شہادتین شرعیہ بمواجہہ مدعا علیہم پیش ہوئیں کہ عدالت شرع میں پذیرا و تسلیم ہوچکیں و حصر بھی فریقین سے کرچکی تھی و نیز مدعا علیہم کے بیانات سے بھی اقرار ثابت ہے، ادخال ثبوت سے بعد پانچ ماہ کے ایک مدعا علیہ نے درخواست خلاف شرع پیش کی کہ اب گواہان مدعیہ پر جرح ہے تزکیہ کرادیا جائے، وکیل مدعیہ نے بھی عرض بدیں خلاصہ پیش کی کہ اب جرح کرنا مدعا علیہ کا اور درخواست تزکیہ کی شرعًا ناجائز ہے، پس تزکیہ ایسے وقت میں ایسے معاملہ داد و ستد میں جس کا مذکورہ بالا ہوچکا ہے بعد پانچ ماہ کے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[1] درمختار کتاب الشہادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

[2] " " " " ۲/ ۹۵-۹۶

الجواب

اگر بیان مدعا علیہم سے دعوٰی مدعیہ کا اقرار ثابت ہولیا جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے جب تو خود واضح کہ یہ درخواست جرح گواہان اصلاً قابلِ سماعت نہیں خود ان کا اقرار ان پر ڈگری ہونے کو کافی

فانہ حجۃ شرعیۃ یکفی للقضاء علی صاحبہ فکما ان المدعی لا یکلف باقامۃ بینۃ بعد اقرار المدعا علیہ وکذٰلک لا یکلف باثبات عدالتہم اذکل ذٰلک صار مستغنی عنہ بعدہ۔

اس لئے کہ اقرار حجت شرعیہ ہے جو اقرار کرنیوالے پر قضاء کے لئے کافی ہے۔ توجس طرح مدعا علیہ کے اقرار کے بعد مدعی گواہ پیش کرنے کا مکلف نہیں بنایا جاتا اسی طرح وہ گواہوں کی عدالت ثابت کرنے کا مکلف بھی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ اقرار کے بعد ان تمام چیزوں کی حاجت نہیں رہتی۔ (ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر بعد اقامت بیّنہ مدعا علیہ نے اقرار کردیا تو اس پر ڈگری بوجہ اقرار ہوگی نہ کہ بوجہ بیّنہ۔

فی رد المحتار عن البحر الرائق لو اقر بعد البینۃ یقضی بہ لا بہا[1]۔

البحر الرائق کے حوالے سے ردالمحتار میں مذکور ہے کہ اگر مدعا علیہ نے مدعی کی طرف سے گواہ پیش کرنے کے بعد اقرار کرلیا تو فیصلہ اقرار کی بنیاد پر ہوگا نہ کہ گواہوں کی بنیاد پر۔ (ت)

تو اب گواہوں کی عدالت وعدم عدالت سے کیا بحث رہی بلکہ خود بوجہ اقرار مدعا علیہم پر ڈگری ثابت، اور اگر بوجہ کافی ان کے بیان سے ثابت نہ ہو تو دیکھا جائے کہ قاضی نے گواہوں کا تزکیہ کرلیا یعنی اگر خود ان کی عدالت سے آگاہ تھا تو مزکی معتمد سے ان کے عدل جائز الشہادۃ ہونے کی تنقیح کرلی تھی یا نہیں، اگر کرچکا تھا تو اس حالت میں بھی یہ جرح مجرد کی درخواست ناقابلِ شنوائی ہے کہ بعد تزکیہ جرح مجرد پر گواہی گزری تو وہ بھی نامقبول ہے نہ کہ مدعا علیہ کا نرا بیان۔ درمختار میں ہے:

لا تقبل الشہادۃ علی جرح مجرد بعد التعدیل[2] (ملخصًا)

تزکیہ کے بعد جرح مجرد پر شہادت قبول نہیں کی جائے گی (ملخصًا)۔ (ت)

اور اگر ہنوز تزکیہ نہ ہوا تھا کہ مدعا علیہم نے یہ درخواست دی تو بلاشبہہ قاضی پر واجب کہ یہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الدعوٰی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲۳

[2] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۷

درخواست سنے اور عدالت شہود کی تحقیقات کرے اگرچہ اداے شہادت کو مہینے گزر چکے ہوں کہ مرورِ مدت مانع سوال تزکیہ نہیں اور مذہب مفتیٰ بہ پر یہ تنقیح اس زمانہ میں مطلقاً لازم اور بعد طلب وطعن مدعا علیہ تو بالاتفاق کی جائے گی، درمختار میں ہے:

لایسأل عن شاھد بلاطعن من الخصم الا فی حد وقود وعندھما یسأل فی الکل ان جھل بحالھم، بحر، بہ یفتی۔[1]

حدود وقصاص کے علاوہ دیگر مقدمات میں مدعا علیہ کی طرف سے طعن کے بغیر قاضی گواہوں کا حال دریافت نہ کرے، صاحبین کے نزدیک ہر صورت میں دریافت کرے جبکہ قاضی کو ان کا حال معلوم نہ ہو، بحر، اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ یسأل ای وجوبا قال فی البحر والحاصل انہ ان طعن الخصم سأل عنھم فی الکل والاسئل فی الحدود والقصاص وفی غیرھا محل الاختلاف۔[2] واللہ تعالٰی اعلم

ماتن کا قول کہ "سوال کرے" یعنی قاضی پر گواہوں کا حال دریافت کرنا واجب ہے۔ بحر میں فرمایا خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مدعا علیہ کی طرف سے طعن ہو تو تمام مقدمات میں گواہوں کا حال دریافت کرے ورنہ حدود وقصاص میں دریافت کرے جبکہ باقی مقدمات میں محلِ اختلاف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو اپنی زندگی وصحت میں بعوض دینِ مہر کے اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ قیمتی تخمیناً چار سو روپیہ کے دی اور قبضہ کرادیا اب زید مرگیا ورثہ نے اپنے حصہ کا دعوٰی کیا اور کہا کہ یہ جائداد متروکہ ہے ہندہ نے بیان کیا میرا مہر پانچسو روپیہ کا تھا اور میرا خاوند زید بعوض دینِ مہر کے گواہوں کے رُوبرو مجھے قبضہ دے گیا ہے اور شہادت معتبر سے یعنی دو گواہوں سے ثابت ہوگیا ہے کہ زید نے ہمارے سامنے بعوض دینِ مہر کے ہندہ کو جائداد دی اور قبضہ کرادیا لیکن تعداد دینِ مہر کی یاد نہیں کہ کس قدر تھا تو اس صورت میں مہر ہندہ کا وہی سمجھا جائے گا جو زید اپنی زندگی میں دے مرا یا مہر مثل لازم آئے گا یا کم از کم مہر دس درہم سمجھا جائے گا اور ورثہ بھی اس جائداد میں حصہ پائیں گے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲

الجواب

جبکہ دو گواہان عادل شرعی شہادت شرعیہ کاملہ ادا کریں کہ ان کے سامنے یہ مال اور فلاں جائداد اس عورت کو اس کے فلاں شوہر نے بعوض دین مہر دی تو یہ گواہی کامل ہے عورت کی ملک بذریعہ خریداری بعوض مہر اس مال وجائداد میں ثابت ہوگئی وارثوں کا دعوٰی ساقط ہوا گواہی میں بیان مقدار مہر کی کچھ حاجت نہ تھی کہ اس وجہ سے شہادت میں قصور سمجھا جائے نہ اب اس بحث کی کوئی ضرورت کہ مہر کتنا تھا یا کس قدر سمجھا جائے آخر وہ کتنا ہی تھا ذمہ زید سے ساقط ہوگیا اور اس کے بدلے یہ مال وجائداد ملکِ ہندہ میں آگیا۔ ردالمحتار میں ہے:

اشار الی انھما لو شھدا بالشراء ولم یبینا الثمن لم تقبل وتمامہ فی البحر وقال الخیر الرملی فی حاشیتہ علیہ المفھوم من کلامھم فی ھذا الموضع وغیرہ انہ فیما یحتاج فیہ الی القضاء بالثمن لابد من ذکرہ وذکر قدرہ ووصفتہ ومالایحتاج فیہ الی القضاء بہ لاحاجۃ الی ذکرہ[1]

ماتن نے اشارہ کیا ہے اس بات کی طرف کہ گواہ اگر خریداری کی گواہی دیں اور ثمن نہ بیان کریں تو ان کی گواہی قبول نہ ہوگی، اس کی مکمل بحث بحر میں ہے۔ امام خیر الدین رملی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا کہ اس مقام پر اور دیگر مقامات پر فقہاء کی کلام سے مفہوم حاصل ہوتا ہے کہ یہ حکم مذکور تب ہے جب ثمن کے ذریعے قضاء کی حاجت ہو اس صورت میں ثمن، اس کی مقدار اور اس کی صفت کا ذکر ضروری ہے اور جہاں ثمن کے ذریعے قضاء کی حاجت نہیں وہاں ثمن کو ذکر کرنا ضروری نہیں۔ (ت)

اسی میں مبسوط سے ہے:

وان قالا اقر عندنا انہ باعھا منہ واستوفی الثمن ولم یسمیا الثمن فھو جائز لان الحاجۃ الی القضاء بالملك للمدعی دون القضاء بالعقد فقد انتھی حکم العقد باستیفاء الثمن[2]

اور اگر گواہوں نے کہا اس نے ہمارے پاس اقرار کیا کہ اس نے فلاں شخص کے ہاتھ گھر فروخت کیا اور ثمن وصول کرلئے، گواہوں نے ثمن کو بیان نہیں کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہاں حاجت ملکِ مدعی کی قضاء کی ہے نہ کہ عقد کے بارے میں قضاء کی تو بلاشبہ ثمن کی وصولی سے حکم عقد انتہاء کو پہنچ گیا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹۰

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۴/ ۳۹۰

منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں کلام مذکور کے بعد فرمایا:

ولان الجہالۃ انما توثر لانہا تفضی الی منازعۃ مانعۃ من التسلیم والتسلم الاتری ان مالا یحتاج الی قبضہ فجہالتہ لاتضر وھو المصالح عنہ بخلاف مایحتاج الی قبضہ وھو المصالح علیہ فاذا اقر باستیفاء الثمن فلاحاجۃ ھنا الی تسلیم الثمن فجہالتہ لاتمنع القاضی من القضاء بحکم الاقرار[1] اھ ومن تامل ھذہ الکلمات ظہر لہ الحکم فی مسألتنا ھذہ ظہورا بینا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس لئے کہ بیشک جہالت یہاں مؤثر ہے کیونکہ وہ ایسے نزاع کا باعث ہے جو تسلیم وتسلم سے مانع ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ جہاں قبضہ کی حاجت نہ ہو اس کی جہالت مضر نہیں اور وہ مصالح عنہ ہے (جس شَے پر نزاع واقع ہوا) بخلاف اس چیز کے جس پر قبضہ کی حاجت ہے اور وہ مصالح علیہ ہے (جس شَے پر صلح ہوئی)۔ اور جب بائع نے ثمن وصول کرلینے کا اقرار کرلیا تو یہاں تسلیم ثمن کی حاجت نہ رہی لہذا ثمن کی جہالت قاضی کو بوجہ اقرار قضاء سے مانع نہیں ہوگی اھ جو شخص ان کلمات میں غور کرے اس پر ہمارے زیر بحث مسئلہ کا حکم خوب واضح ہوجائیگا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو عورت قوم طوائف بوجہ آشنائی کسی مرد کے پاس عرصہ دراز تک بغیر ہونے نکاح کے ہمخانہ اور ہم صحبت رہی اور پھر اس مرد نے بوجہ مذکور جو ہبہ نامہ جائداد مشترک کا بنام ہذا عوض دین مہر کے اس عورت کے نام لکھ دیا اور اس میں لکھا ہو کہ نکاح میرا ساتھ اس کے ہوگیا ہے تو یہ اقرار مرد کا بمقابلہ حقدار شرعی شخص ثالث کے شرعاً ثبوت ہونے نکاح کا کافی ہے یا نہیں؟ اور شہادت سماعی یا کسی شخص واحد کی کافی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور شرعاً شہادت کیسی اور کن آدمیوں کے واسطے ثابت ہونے نکاح کے جائز اور معتبر ہوگی؟ اور ایسا ہبہ نامہ بھی جائداد مشترک کا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

شہادت شخص واحد کی ثبوتِ نکاح کے لئے کافی نہیں، دو مرد یا ایک مرد و دو عورت عادل ہونا چاہئے

فی الدرالمختار ونصابہا لغیرھا من الحقوق سواء کان الحق مالا او

درمختار میں ہے: امور مذکورہ کے سوا دیگر حقوق میں نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۶

غیرہ کنکاح و طلاق و وکالۃ و وصیۃ و استھلال صبی و لو للارث رجلان او رجل و امرأتان، ولزم فی الکل لفظ اشھد لقبولھا والعدالۃ لوجوبہ[1] اھ ملخصًا۔

چاہے وہ حق مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت اور بچّے کا آواز نکالنا اگرچہ گواہی وراثت کے لئے ہو، اور تمام مراتب میں قبول شہادت کے لئے لفظ اَشْھَدُ (میں گواہی دیتا ہوں) لازم ہے اور وجوب قبول کے لئے شاہد کا عادل ہونا ضروری ہے اھ تلخیص (ت)

اور شہادت سماعی ثبوت نکاح کے لئے کافی ہے جب گواہ یہ کہیں کہ یہ امر ہمارے نزدیک مشہور ہے

فیہ ایضا بل فی العزمیۃ عن الخانیۃ معنی التفسیرات یقولا شھدنا لانا سمعنا من الناس اما لو قالا لم نعاین ذٰلک و لکنہ اشتھر عندنا جازت فی الکل و صححہ شارح الوھبانیۃ وغیرہ، واللہ تعالٰی اعلم[2]۔

یہ بھی اسی میں ہے بلکہ عزمیہ (حاشیہ درر) میں خانیہ سے منقول ہے کہ تفسیر شہادت (بالتسامع) کا معنی یہ ہے کہ گواہ یوں کہیں ہم اس لئے شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے لوگوں سے سنا ہے، لیکن اگر وہ یُوں کہیں کہ ہم نے اس کا معائنہ نہیں کیا لیکن وہ ہمارے نزدیک مشہور ہے تو سب میں شہادت جائز ہے، شارح وہبانیہ وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اور مرد و زن کا عرصہ دراز تک مثلِ زن و شو یکجا نہ وہم صحبت رہنا عمدہ علامات مثبتہ نکاح سے ہے

فی فتاوٰی قاضیخان و لو رأی رجلًا و امرأۃ یسکنان فی منزل و ینبسط کل واحد منھما علی صاحبہ کما یکون بین الازواج حل لہ ان یشھد علی نکاحھما[3]، و فی الھدایۃ وکذا لو رأی انسانا جلس مجلس القضاء یدخل علیہ الخصوم حل لہ ان یشھد

فتاوٰی قاضیخان میں ہے اگر کسی نے ایک مرد اور عورت کو ایک گھر میں رہائش پذیر اور ایک دوسرے سے میاں بیوی کی طرح بے تکلف ہوتے دیکھا تو اس کے لئے حلال ہے کہ وہ ان دونوں کے نکاح کی گواہی دے۔ اور ہدایہ میں ہے کہ یوں اگر کسی نے ایک شخص کو مسندِ قضا پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ لوگ اس کے پاس مقدمات لا رہے ہیں

---

[1] درمختار | کتاب الشہادات | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۹۱

[2] ؎ ؎ | | | ۲/۹۳

[3] فتاوٰی قاضیخان | کتاب النکاح فصل فی دعوی النکاح | نولکشور لکھنؤ | ۱/۱۸۵

علی کونہ قاضیا وکذا اذا رأی رجلا و امرأۃ یسکنان بیتا و ینبسط کل واحد الی الآخر انبساط الازواج[1]

تو حلال ہے کہ وہ اس کے قاضی ہونے کی گواہی دے یوں اگر مرد اور عورت کو ایک گھر میں رہائش پذیر اور ایک دوسرے سے میاں بیوی کی طرح بے تکلفی کرتے دیکھا تو ان کے نکاح کی گواہی دے سکتا ہے (ت)

اور صرف اقرارِ مرد بھی ثبوتِ نکاح کے لئے کافی ہے بلکہ بعد اقرار کے منکر ہو اور عورت اس کی حیات میں یا بعد موت کے تصدیقِ نکاح کرے تاہم نکاح ثابت اور زن مستحق ارث ومہر ہے،

فی العالمگیریۃ رجل اقر انہ تزوج فلانۃ بالف درھم فی صحۃ او مرض ثم جحدہ وصدقتہ فی حیاتہ او بعد موتہ فھو جائز و لھا المیراث والمھر[2] الخ۔

عالمگیریہ میں ہے، اگر کسی مرد نے حالتِ مرض یا صحت میں اقرار کیا کہ اس نے فلاں عورت سے ہزار درہم کے عوض نکاح کیا ہے پھر اس اقرار سے انکار کیا حالانکہ عورت نے اس مرد کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کی تصدیق کی تو نکاح جائز ہوگا اور عورت میراث اور مہر کی مستحق ہوگی الخ (ت)

اور ہبہ بالعوض حکم بیع میں ہے مشاع و مشترک ہونا موہوب کا اس کی صحت کو مضر نہیں بلکہ حصہ واہب میں ہبہ صحیح ونافذ رہے گا،

فی الدر المختار اما لو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء وانتھاء[3] وفیہ ایضا وبطل بیع قن ضم الی حر بخلاف قن ضم الی قن غیرہ فیصح بحصتہ فی عبدہ[4] اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ اگر کسی نے کہا میں نے یہ چیز اتنے کے بدلے تجھے ہبہ کی تو یہ ابتداءً اور انتہاءً بیع ہے اور یہ بھی اسی میں ہے کہ اس غلام کی بیع باطل ہے جس کو آزاد کے ساتھ ملا کر فروخت کیا جائے بخلاف اس غلام کے جس کو دوسرے کے غلام کے ساتھ ملا کر بیچا جائے کیونکہ یہاں بائع کے حصہ کی بیع اس کے غلام میں صحیح ہوگی اھ التقاط، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] الہدایۃ | کتاب الشہادت | مطبع یوسفی لکھنؤ | ۳/ ۱۵۸
[2] فتاوٰی ہندیۃ | کتاب الاقرار الباب السادس عشر | نورانی کتب خانہ پشاور | ۴/ ۲۰۶
[3] درمختار | کتاب الھبہ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۱۶۴
[4] " | کتاب البیوع باب البیع الفاسد | " " " | ۲/ ۲۳

مسئلہ ازپیلپور مرسلہ قاضی فراست علی صاحب ۱۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ

مسماۃ کا بیان ہے کہ میرے نکاح کو تخمیناً اٹھارہ برس ہوئے مسمی عبدالرحیم کے ساتھ ہوا عرصہ دو ڈھائی ماہ کا ہوا کہ میرے خاوند نے یہ دو مرتبہ کہا کہ تجھ کو طلاق ہے کہ جو تو اس بات کو صحیح نہ کرا دے بعد اس کے چند شخصوں نے طرفین کو سمجھا کر جھگڑا دُور کرا دیا پھر دوبارہ کہ عرصہ بارہ روز کا ہوا صندوق مجھ سے میرے خاوند نے مانگا میں نے ان کو منع کیا وہ صندوق مجھ سے لیتے تھے اور میں نہیں دیتی تھی میرے شوہر نے یہ لفظ کہا کہ تجھ کو طلاق جو تو کچھ کرنہ گزارے، پھر مجھ سے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے تجھ کو طلاق ہے تجھ کو طلاق ہے، اس وقت میاں محمد امین اور میری والدہ موجود تھیں اور زوجہ حسین بخش کہ میرے اور ان کے درمیان میں ایک دیوار ہے اس پر کھڑی ہوئی تھیں سوائے اس کے اور کوئی موجود نہ تھا محمد امین میرے ماموں کا لڑکا ہے اور یہ جھگڑا میری والدہ کے مکان میں ہوا فقط۔

بیان مسمی عبدالرحیم شوہر مسماۃ کا یہ ہے کہ میرے نکاح کو عرصہ تخمیناً سترہ اٹھارہ برس کا ہوا، دس گیارہ ماہ سے میں اپنی خسرال میں ہوں میری خوشدامن نے کئی مرتبہ یہ کہا کہ تم علیحدہ چلے جاؤ" پھر عرصہ بارہ ۱۲ روز کا ہوا میں نے کہا کہ میری چیز بست نکال کر باہر رکھ دو میں نے صندوق کو ہاتھ لگایا تو ساس ہماری بولی کہ تجھ کو صندوق سے کیا تعلق ہے وہ تو اس کے باپ نے اس کو دیا ہے میرے کوئی نہیں ہے جو تمھارا مقابلہ کرے اتنے میں محمد امین دوڑ آیا اس نے کہا ہٹ جاؤ صندوق کو مت چھوؤ اچھا نہیں ہے تمھارے لئے میں نے کہا کیا تم مجھے مارو گے تو کہا پٹ کر ذلیل ہو کر یہاں سے جاؤ گے پھر میں نے گھر میں اپنے کہا کہ تو ہٹ جا ماں ان کی بولی تو ہٹ جا تیرے چوٹ نہ لگ جائے، وُہ ہٹ گئی اور چارپائی پر علیحدہ جا بیٹھی پھر میں نے امین سے کہا کہ کھایا پیا تم کو حرام ہے اور طلاق ہے کہ جو تم اب مجھ کو نہ مارو، امین نے کہا یہی بات ہے، پھر میں نے کہا کہ یہی بات ہے کہ تجھ کو کھایا پیا حرام ہے اور طلاق کہ تم مجھ کو نہ مارو، چچی سے میں نے کہا کہ اب جو کچھ تم کو کرانا ہے کرواؤ، پھر انھوں نے کہا کہ ان کے بہنوئی قادر بخش کو اور بھائی محمد بخش کو اور بھائی محمد ظہور کو بلاؤ انھوں نے طلاق دی ہے میں کھڑا رہا اتنے میں کلن اپنے گھر میں سے آئے انھوں نے کہا کہ میں نے بھی سُنا ہے یہاں تک آواز آرہا تھا کہ تم نے طلاق دی پھر میں نے کہا کہ اور کوئی الزام پکڑو کہ میں کھڑا ہوا ہوں لوگوں کو آنے دو پھر میں نے کہا کہ کس کے سامنے طلاق دی مقابلہ میرا اور تمھارا اور چچی کا ہورہا تھا یہ طوفان باندھنا اچھا نہیں ہے، اتنے میں قادر بخش پہلے آئے انھوں نے مجھ سے کہا کہ کیا واہیات مچائی ہے، میں نے کہا کچھ واہیات نہیں میں اپنی چیز علیحدہ کر رہا تھا، امین میرے مقابلہ کو آیا تھا تو میں اس سے یہ لفظ کہہ رہا تھا انھوں نے اس کا طومار باندھا ہے اور لڑائی کے وقت جو بہشتی

دروازہ پر کھڑے تھے اور حسین بخش مجھ کو بلانے کو گئے تھے اور جو بھی بلاتے رہے میں نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ میری کوئی لڑائی اور جھگڑا نہیں ہے آتا ہوں کلن مجھ سے عداوت رکھتے ہیں اس کو چار آدمیوں سے دریافت کرلو فقط۔

بیان والدہ مسماۃ کا یہ ہے کہ میں اپنا کام کرتی تھی دونوں میاں بی بی میں صندوق پر جھگڑا ہو رہا تھا اس کے شوہر نے کہا کہ تجھ کو طلاق جو تو کچھ کر نگزارے بعد اس کے اسی وقت تین مرتبہ یہ کہا کہ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے، اس وقت یہاں محمد امین موجود تھا اور حسین بخش کی زوجہ کو میں نے دیوار پر کھڑے ہوئے نہیں دیکھا وہ کہتی تھی کہ میں دیوار پر کھڑی تھی اور میرے بھائی کلن کی زوجہ ایک لفظ سُن کر آئیں فقط طلاق کا۔

بیان زوجہ حسین بخش کا یہ ہے کہ ان کے گھر میں دونوں میں بہت دیر سے رنج ہو رہا تھا مجھ کو یہ نہیں معلوم کہ کس بات پر ہو رہا تھا میں اس وقت دیوار پر کھڑی تھی صندوق دونوں کے ہاتھ میں تھا زوجہ یہ کہتی کہ صندوق نہ لے جاؤ یہیں کیونکر کھول کر دیکھ لو اور خاوند اس کا یہ کہتا تھا کہ میں صندوق لیجاؤں گا' اسی پر اس کے خاوند نے کہا کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی، اور اس وقت محمد امین اور والدہ مسماۃ کی موجود تھی فقط بقلم محمد یعقوب علی

العبد قاضی فراست علی بقلم خود یہ بیان کیا اور دوبارہ پوچھا گیا تو لفظ میں کی جگہ تجھ کو بیان کیا، میں نے زوجہ حسین بخش کو اول ہی مرتبہ جب سوال کیا کہ بیان کرو تو بجواب اس کے کہا کہ میں نے سُنا اور یہ کہا کہ میں کم سُنتی ہوں، بقلم خود قاضی محمد فراست علی بقلم یعقوب علی، تحریر تاریخ ۷ ر ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ۔

بیان محمد امین کا یہ ہے کہ عرصہ آٹھ روز کا ہوا کہ دونوں میں لڑائی ہونے لگی میں نے جا کر ان سے کہا آہستگی سے بات کرو جو تم کہو میں دلوادوں بعد اسکے صندوق پر چھینا جھپٹی ہونے لگی انھوں نے مارا اس کی ناک میں سے خون نکلا تو صندوق انکو دیدیا گیا پھر لوٹ پھیر بجنے لگی اسی صندوق پر انھوں نے یہ کہا کہ جو کچھ کرنہ گزارے تجھ کو طلاق ہے ایک زبان میں تین دفعہ کہا تجھ کو طلاق ہے ایک زبان میں تین دفعہ کہا تجھ کو طلاق ہے اس کے بعد میرے والد آگئے ان سے کہا کہ باہر جاؤ وہاں پر میں تھا اور جو اس وقت کوئی موجود نہ تھا میری پھوپھی تھی اور پھوپھی کی لڑکی تھی فقط۔

بیان کلن پڑوسی کا یہ ہے کہ عرصہ آٹھ روز کا ہوا کہ میں باہر سے اپنے گھر میں سُنا کہ شور و غوغا بہت سے مچا ہوا تھا میرے گھر میں ذکر کیا کہ آج عبدالرحیم نے اپنے گھر میں بہت مارا میں نے کہا اس سے مجھے کیا ہے میں روٹی کھانے کو بیٹھ گیا صندوق کے لئے دونوں میں کھینچا تانی ہو رہی تھی میں نے اپنے گھر میں سنا کہ تجھے طلاق ہے کرنہ گزارے بعد کو تین مرتبہ کہا تجھے طلاق تجھے طلاق تجھے طلاق، بعد کو میں گیا میں نے کہا کہ اب

نکلو باہر ہو، انھوں نے کہا کہ مجھے مارو گے، میں نے کہا کہ مجھے کیا مطلب ہے۔

8

بیان محمد بخش میرے مکان پر امین گئے اور کہا کہ پھوپھی نے تجھ کو بلایا ہے کہ عبدالرحیم نے اپنے گھر میں طلاق دی دریافت کیا آن کر کے تو زبانی محمد امین کے اور ان کی والدہ یعنی مسماۃ کے، اور مسماۃ سے معلوم ہوا کہ طلاق دی اور کسی کی زبانی نہیں معلوم ہوا۔

بیان ظہور الدین میرے پاس پہلے پہلے واسطے بلانے کے امین آئے دوبارہ حسین بخش بلانے کو آئے بعد کو پھر امین آئے اور بیان کیا کہ وہاں سب لوگ جمع ہیں میں گیا تو یہ سب لوگ وہاں موجود تھے وہ دونوں ماں بیٹے مجھے کچھ کہنے لگے لیکن میں نے ان کو جھڑک دیا ان کا حال کچھ سُنا نہیں یہ کہہ دیا کہ جو کچھ ہوا وہ ہوا دو چار روز میں اور مکان لے کر جا رہیں گے لیکن یہ لوگ جو اول میں مجھ کو بلانے آئے تھے اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ طلاق دی ہے۔

بیان قادر بخش میں مسماۃ کے مکان پر گیا تو وہاں پر محمد امین نے اور عبدالرحیم کی خوشدامن نے کہا کہ عبدالرحیم نے طلاق دے دی میں وہاں خاموش بیٹھا رہا جس وقت کہ بھائی محمد بخش و ظہور الدین آئے تو انھوں نے کہا طلاق کا قصہ اچھا نہیں ہے تم اپنا کنارہ کر لو اور عرصہ چہار روز میں مکان لے لو یہاں سے سب چیز خوشی بخوشی اٹھا لو۔

بیان شیخ ننھے یہ سب صاحب بیٹھے تھے محمد بخش و قادر بخش و ظہور الدین ان کے بھائی صاحب محمد بخش کہہ رہے تھے کہ اپنا مکان لے لو اور اپنی چیز لِست نکال کر لے جاؤ۔

بیان حسین بخش گواہ عبدالرحیم میں یہاں شیخ ظہور الدین کے مکان میں کام کر رہا تھا جو بہشتی نے مجھ سے آن کر کہا کہ عبدالرحیم نے اپنے گھر میں مارا ہے تم جا کر بچا دو میں گیا کہا بھائی! یہاں آؤ بات سُن جاؤ، یہ نہیں آئے میں لوٹ آیا، اس کے تھوڑی دیر میں یہ سنا کہ عبدالرحیم نے طلاق دی میں نے طلاق کا لفظ اپنے بڑے لڑکے سے سُنا اور راستہ میں امین مجھ کو ملے کہا کہ بھائی شیخ ظہور الدین کو بلانے جاتا ہوں عبدالرحیم نے اپنے گھر میں طلاق دی ہے۔

بیان جبو بہشتی عبدالرحیم میں اور گھر میں لڑائی ہوتی تھی میں عبدالرحیم کو بلا تا رہا کہ عورتوں سے کیا لڑائی لڑتے ہو عبدالرحیم میرے بلانے سے نہیں آئے اور نہ میں نے کوئی لفظ طلاق کا سُنا فقط۔

یہ بیانات میرے رُوبرو تحریر ہوئے العبد قاضی فراست علی بقلم خود

بعد سلام مسنون التماس ہے کاغذ ہذا واسطے طلب فتوٰی کے ارسال خدمت ہوتا ہے تصدیع خدمت ہے کہ کل مراتب مندرجہ بالا ملاحظہ فرما کر فتوٰی طلاق خواہ عدم طلاق کا تحریر فرما کر ابلاغ فرمائیے، عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں گے فقط۔ راقم قاضی محمد فراست علی از بیسلپور

الجواب

صورت مستفسرہ میں گواہیاں محض ناکافی ہیں ان سے طلاق ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی ننھے وجبو کے بیان میں تو طلاق سُننے کا ذکر ہی نہیں اور محمد بخش وظہور الدین وقادر بخش وحسین بخش اوروں کی زبانی سُننا بیان کرتے ہیں اور طلاق ان چیزوں سے نہیں جن میں سُنی سنائی پر گواہی مقبول ہوسکے۔ درمختار میں ہے:

لا یشھد احد بمالم یعاینہ بالاجماع الا فی عشرۃ منھا العتق والولاء عند الثانی والمھر علی الاصح والنسب والموت والنکاح والدخول وولایۃ القاضی واصل الوقف وقیل وشرائطہ علی المختار کما مرفلہ الشھادۃ اذا اخبرہ بھذہ الاشیاء من یثق الشاھد بہ من خبر جماعۃ لایتصور تواطؤھم علی الکذب بلا شرط عدالۃ اوشھادۃ عدلین الا فی الموت فیکفی العدل ولو انثی وھو المختار ومن فی یدہ شیئ سوی رقیق یعبر عن نفسہ فلک ان تشھد انہ لہ ان وقع فی قلبک انہ ملکہ والالا[1] (ملتقطا)۔

اور بغیر معاینہ کوئی شخص بالاجماع گواہی نہیں دے سکتا سوائے ان چیزوں کے عتق[1]، امام ابویوسف کے نزدیک ولا[2]، اصح قول کے مطابق مہر[3]، نسب[4]، موت[5]، نکاح[6]، دخول[7]، ولایت قاضی[8]، اصل وقف[9] اور کہا گیا ہے کہ قول مختار کے مطابق شرائط وقف[10] جیسا کہ گزرچکا ہے، تو ان دس اشیاء مذکورہ کی گواہی سُن کر دینا بھی جائز ہے جبکہ شاہد کو ایسا شخص خبر دے جس پر شاہد اعتماد کرتا ہو، یعنی ایسی جماعت کی خبر سے شاہد کو تسامع حاصل ہو جس جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا متصور نہیں یہاں مخبرین کی عدالت شرط نہیں، یا دو عادل مردوں کی شہادت سے سوائے موت کے اس میں ایک ہی عادل کی خبر کافی ہے اگرچہ خبر دینے والی عورت ہو اور یہی مختار ہے، اور جس شخص کے قبضہ میں کوئی شَے ہو سوائے اپنا حال بیان کرسکنے والے غلام کے تو تجھے اختیار ہے کہ تو قابض کے لئے اس مقبوض شَی کی ملکیت کی گواہی دے بشرطیکہ تیرے دل میں یہ بات واقع ہو کہ یہ قابض کی ملک ہے ورنہ نہیں (ملتقطاً)۔(ت)

اور والدہ مسماۃ کی گواہی یوں مردود ہے کہ وہ مدعیہ کی ماں ہے اور ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی کی گواہی بیٹے بیٹی، پوتے پوتی، نواسے نواسی کے لئے اور ان کی ان کے لئے مقبول نہیں۔ درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۲

لا تقبل من الفرع لاصلہ وان علا و بالعکس للتھمۃ[1] (ملخصًا)

تہمت کی وجہ سے فرع کی گواہی اصل کے حق میں مقبول نہیں اگرچہ اصول اوپر تک چلے جائیں اور یُونہی اس کے برعکس (یعنی اصل کی گواہی فرع کے حق میں قبول نہ ہوگی) (ملخصًا)۔ (ت)

کلن کی گواہی یُوں مردود ہے کہ وُہ صاف کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنے گھر میں سے عبدالرحیم کو طلاق دیتے سُنا اور آڑ میں سے سُننے پر گواہی بعض صُورتوں کے سوا ہرگز مقبول نہیں کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے خصوصًا جب گواہ بیان کردے کہ میں نے آڑ میں سے سُنا تو مطلقًا مردود ہے، درمختار میں ہے:

لایشھد علی محجب بسماعہ منہ الا اذا تبین القائل بان لم یکن فی البیت غیرہ لکن لو فسر لا تقبل در[2] الخ۔

نہ گواہی دے اُس شخص پر جو آڑ کے پیچھے پوشیدہ ہے اس کی آواز کو سُن کر سوائے اس کے کہ ظاہر واضح ہوجائے کہ اس مکان میں قائل کے علاوہ کوئی دُوسرا موجود نہیں، لیکن اگر شاہد آڑ کی سماعت کو بیان کردے تو اس کی گواہی نہ ہوگی (درر) الخ۔ (ت)

اب نہ رہے مگر محمد امین وزوجہ حسین بخش قطع نظر اس سے کہ ان کی شہادتوں میں کتنے خلل شرعی ہیں خصوصًا زوجہ حسین بخش کا بیان مضطرب ہے اگر کوئی خلل نہ بھی ہوتا تو صرف ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے طلاق ثابت نہیں ہوسکتی، دو مرد عادل یا ایک مرد دو عورتیں ثقہ درکار ہیں۔ درمختار میں ہے:

نصابھا لغیرہ من الحقوق کنکاح وطلاق رجلان او رجل وامرأتان[3] (ملتقطًا)

امور مذکورہ کے سوا دیگر حقوق میں نصابِ شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے جیسے نکاح و طلاق وغیرہ میں (ملتقطًا)۔ (ت)

مگر یہ ثبوت وعدمِ ثبوت قاضی ودیگر خلائق کے نزدیک ہے واقع میں اگر عورت سچّی ہے اس کے سامنے اسے تین طلاق دی ہیں تو عورت پر فرض ہے کہ جس طرح جانے اس سے جُدا ہوجائے پھر اگر جدا نہ ہوسکے تو وبال مرد پر ہے یہ الزام سے بری رہے گی جب تک اس کے پاس رہے ہاتھ لگانے پر سچے دل سے ناراض ہو اور اپنی حد قدرت تک اس سے بچنے میں ہمیشہ کوشش کرتی رہے والمسئلۃ منصوص

---

[1] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۴/۲
[2] " " " " " " ۹۱-۹۲/۲
[3] " " " " " " ۹۱/۲

علیہا فی الدر المختار ورد المحتار وغیرھما من الاسفار (اس مسئلہ پر درمختار اور ردالمحتار وغیرہ ضخیم کتابوں میں نص کی گئی ہے۔ت) اور اگر واقع میں بھی عورت جھوٹی ہے اور یہ حیلہ کرکے اس سے جُدا ہوجائے گی تو عمر بھر گرفتار گناہِ عظیم رہے گی اور معاذاللہ لعنتِ الٰہی و لعنتِ ملائکہ کی مستحق ہوگی کما تفیدہ صحاح الاحادیث (جیسا کہ احادیثِ صحیحہ اس کا فائدہ دیتی ہیں۔ت) واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم۔

مسئلہ از ریاست رامپور متصل زیارت شاہ ولی اللہ صاحب مرسلہ مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اور زید وعمرو میں ایک زمین کے بابت تخالف ہے، ہندہ کا قول ہے کہ یہ زمین مملوک و مقبوض ہندہ ہے۔ زید وعمرو کہتے ہیں کہ یہ زمین بکر کی تھی اس نے عرصہ تخمیناً ۵۵ سال کا گزرا کہ واسطے قبرستان کے وقف کردی تھی مگر کسی کو اس کا متولی نہ کیا تھا اور یہ زمین موروثی بکر کی ہے وقف و موروثی ہونے کی سماعی شہادت زید وعمرو کی ہے، قابلِ تحقیق و دریافت یہ امر ہے کہ زید وعمرو کی صرف اس قدر سماعی شہادت سے کہ یہ زمین موروثی بکر کی ہے یہ زمین ملک بکر شرعاً قرار دی جائے گی یا نہیں؛ بعدہٗ زید وعمرو کی سماعی اس شہادت سے کہ وہ زمین بکر نے وقف کردی ہے شرعاً موقوفہ قرار دی جائے گی یا نہیں؛ جواب اس کا بحوالہ کتاب و مسائل مفتی بہ درج ہو، بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر زید وعمرو شرائط شہادت کے جامع اور ان کا بیان جملہ شرائط عامہ وخاصہ کو مستجمع واقع ہوا تو زمین متنازع فیہا کا قبرستان کے لئے وقف ہونا ثابت ہوجائے گا کہ اصل وقف میں شہادت سماعی ضرور مقبول ہے اور صحت وقف مالکیت واقف پر موقوف، تو قبل وقف زمین کا مملوکِ بکر ہونا ضمن ثبوت میں رنگِ ثبوت پائے گا اگرچہ ابتداءً اثبات ملک کے لئے شہادت سماعی کافی نہیں،

وکم من شیئ یثبت ضمنا ولا یثبت قصدا کاخبار مجوسی اتی بلحم ان فلانا المسلم ارسلہ الیک بھذا ھدیۃ لک فانہ یقبل قولہ فی المعاملات والھدایا منہا ثم یثبت الحل ضمنا

بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں قصداً ثابت نہیں ہوتیں جیسے کسی شخص کے پاس کھانا لانے والے مجوسی کا خبر دینا کہ اس کو فلاں مسلمان نے یہ کھانا تیرے لئے بطور ہدیہ دے کر تیرے پاس بھیجا ہے بیشک مجوسی کا قول معاملات میں مقبول ہوتا ہے اور تحائف بھیجنا معاملات میں سے ہے پھر اس

وان کان قول الکافر لایقبل فی الدیانات ومنھا الحل والحرمۃ اصلا، ثم رأیت بحمداللہ التعلیل بعین ھذا فی تبیین الحقائق للامام الزیلعی حیث قال رحمہ اللہ تعالٰی عاین ملکا بحدودہ ینسب الی فلان بن فلان الفلانی وھولم یعرفہ بوجھہ ونسبہ ثم جاء الذی نسب الیہ الملك وادعی ان المحدود ملکہ علی شخص حل لہ ان یشھد استحسانا لان النسب یثبت بالتسامع فصار المالك معلوما بالتسامع والملك بالمعاینۃ ولولم یسمع مثل ھذا لضاع حقوق الناس لان فیھم المحجوب ومن لایبرز اصلا ولایتصوران یراہ متصرفا فیہ ولیس ھذا اثبات الملك بالتسامع وانما ھو اثبات النسب بالتسامع وفی ضمنہ اثبات الملك بہ وھو لایمتنع وانما یمتنع اثباتہ قصدا۔[1]

کھانے کا حلال ہونا ضمناً ثابت ہوجائے گا اگرچہ امور دینیہ میں کافر کا قول بالکل مقبول نہیں ہوتا اور حلال وحرام ہونا امورِ دینیہ میں سے ہے پھر میں نے بحمداللہ یہی تعلیل بعینہٖ علامہ زیلعی کی تبیین الحقائق میں دیکھی جہاں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ملک کو اس کی حدود کے ساتھ دیکھا کہ فلاں ابن فلاں کی طرف منسوب ہوتی ہے جبکہ اس نے مالک کو نہ تو چہرے سے پہچانا اور نہ ہی اس کے نسب کو جانا پھر وہ شخص آیا جس کی طرف ملکِ محدود کی نسبت کی جاتی ہے اور خاص اسی ملک محدود کے مالک ہونے کا دعوٰی کیا تو شاہد کو اس کی ملک پر گواہی دینا بطور استحسان حلال ہے کیونکہ نسب سماع سے ثابت ہوجاتا ہے لہٰذا مالک لوگوں سے سُن کر اور ملک دیکھ کر معلوم ہوگیا اور اگر اس طرح کی گواہی مسموع نہ ہو تو لوگوں کے حقوق ضائع ہوجائیں گے کیونکہ لوگوں میں کچھ نقاب پوش ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں بالکل سامنے نہیں آتے تو ایسے شخص کو ملک میں تصرف کرتے ہوئے دیکھنا شاہد کے لئے متصور نہیں، اور یہ تسامع سے ملک کو ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو تسامع سے نسب کا اثبات ہے اور اس کے ساتھ ضمن میں ملک کا اثبات ہے اور یہ ممتنع نہیں، ممتنع تو قصداً تسامع سے ملک کا اثبات ہے۔ (ت)

مسئلہ کُتب میں دوار اور متون وشروح وفتاوٰی میں مستفیض وآشکار ہے، تنویر میں ہے،

تقبل فیہ الشھادۃ بدون الدعوی و

وقف میں بلادعوٰی شہادت قبول کی جاتی ہے اور

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الشھادۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۲۱۷

الشھادۃ بالشھرۃ لاثبات اصلہ وان صرحوا بہ لالشرائطہ[1]

اصل وقف کے اثبات کے لئے شہرت کی گواہی مقبول ہے اگرچہ گواہ اس کی صراحت کردیں اور شرائط وقف کے اثبات کے لئے شہرت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی المنح کل مایتعلق بصحۃ الوقف ویتوقف علیہ فھو من اصلہ ومالایتوقف علیہ فھو من الشرائط[2]

منح میں ہے ہر وہ چیز جس کا تعلق صحتِ وقف کے ساتھ ہے اور وقف کی صحت اس پر موقوف ہے وہ اصلِ وقف سے ہے اور جس پر صحتِ وقف موقوف نہیں وہ شرائطِ وقف سے ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

بیان الجھۃ ھو بیان المصرف ویأتی انہ من الاصل لامن الشرائط فالمراد من الشرائط مایشرطہ الواقف فی کتاب وقفہ لاالشرائط التی یتوقف علیھا صحۃ الوقف کالملک والافراز والتسلیم عند القائل بہ ونحو ذٰلک مما مراول الباب[3]

بیان جہت مصرف کا بیان ہے اور آگے آئے گا کہ وہ اصل وقف سے ہے نہ کہ شرائط سے، تو وہاں شرائط سے مراد وہ شرطیں ہیں جو واقف نے اپنے وقف نامے میں ذکر کی ہیں وہ شرطیں مراد نہیں جن پر صحتِ وقف موقوف ہے جیسے ملک، جدا کرنا اور تسلیم اس کے نزدیک جو اس کے شرط ہونے کا قائل ہے اور دیگر شرائط جو باب کے شروع میں گزر چکی ہیں۔ (ت)

یہاں واجب اللحاظ بات یہ ہے کہ وقف پر شہادت شہادت لوجہ اللہ ہے جسے شہادت حسبہ کہتے ہیں اور شاہد حسبہ اگر بلا عذر شرعی ادائے شہادت میں تاخیر کرے مثلاً وقف پر ناجائز قبضہ ناروا تصرفات دیکھا کرے اور خاموش رہے پھر کھڑا ہو اور گواہی دے کہ یہ وقف ہے تو اس کی شہادت مردود ہے کہ وہ اتنے دنوں باطل پر سکوت کرنے اور وقف پر ظلم روا رکھنے سے فاسق ہوگیا اور فاسق کی گواہی قبول نہیں تو اس کی شہادت کا ماننا ہی اس کی شہادت نہ ماننے کو مستلزم ہے ہاں اگر قاضی ایسی گواہی

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۷-۳۸۸

[2] ردالمحتار " " " " " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۳

[3] " " " " " " " " " " " ۳/ ۴۰۴

مان کر قضا کر دے تو نافذ ہو جائے گی جبکہ اسے ایسی قضا کا اختیار ہو اور اگر مقید و پابند کیا گیا ہے کہ مذہب حنفی صحیح ومفتیٰ بہ کے موافق فیصلہ کرے تو ایسی شہادت کی بنا پر قضائے قاضی بھی مردود اور فیصلہ واجب الرد ہے کہ خلاف تقیید میں وہ قاضی نہیں بلکہ احد من الرعایا ہے۔ رد المحتار میں ہے:

شاھد الحسبۃ اذا اخرھا بغیر عذر لا تقبل لفسقہ اشباہ من القنیۃ وقال ابن نجیم فی رسالۃ المؤلفۃ فیما تسمع فیہ الشھادۃ حسبۃ ومقتضاہ ان الشاھد فی الوقف کذٰلک[1]

شاہد حسبہ (لوجہ اللہ شہادت دینے والا) اگر بلاعذر شہادت میں تاخیر کرے تو فسق کی وجہ سے اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی (اشباہ بحوالہ قنیہ)، ابن نجیم نے ان امور کے بارے میں جن میں شہادت حسبہ مسموع ہوتی ہے تالیف کردہ اپنے رسالے میں فرمایا کہ اس کا مقتضایہ ہے کہ وقف میں گواہی دینے والے کا حکم بھی ایسا ہی ہو۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فیما اذا باع زید عقارہ المعلوم من عمرو وتصرف بہ عمرو مدۃ مدیدۃ ورجلان معاینان مشاھدان لذٰلک کلہ ومطلعان علیہ ویریدان الاٰن ان یشھدا حسبۃ بان العقار وقف کذا وقد اخرا شھادتھما بلاعذر شرعی ولا تاویل فھل حیث کان الامر کما ذکر لا تقبل شھادتھما الجواب شاھد الحسبۃ اذا اخر شھادتہ بلاعذر شرعی مع تمکنہ من ادائھا لا تقبل شھادتہ کما فی الاشباہ وغیرھا[2]۔

سوال کیا گیا کہ زید نے اپنی مشہور و معروف زمین عمرو کے ہاتھ فروخت کی اور عمرو عرصہ دراز تک اس میں تصرف کرتا رہا جبکہ دو مرد اس سب کچھ کو دیکھتے رہے اور اس پر مطلع رہے اب وہ دونوں لوجہ اللہ گواہی دینا چاہتے ہیں کہ یہ زمین وقف شدہ ہے اور ان دونوں نے بغیر کسی عذر شرعی اور بغیر کسی تاویل کے گواہی میں تاخیر کی تو کیا یہاں بھی معاملہ وہی ہے جو مذکور ہوا کہ ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی، جواب: شاہد حسبہ اگر بلاعذر شرعی شہادت میں تاخیر کرے باوجودیکہ وہ اس کی ادائیگی پر قادر ہو تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

ولو قضی بشھادۃ فاسق

اگر قاضی فاسق کی شہادت پر فیصلہ کردے تو

[1] رد المحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۳
[2] العقود الدریۃ کتاب الشھادۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۴۶

نفذ) واثم فتح (الا ان یمنع منه) ای من القضاء بشهادۃ الفاسق (الامام فلا ینفذ لما مرانہ یتأقت ویتقید بزمان و مکان وحادثۃ وقول معتمد حتی لا ینفذ قضاؤہ باقوال ضعیفۃ۔[1]

نافذ ہوگا اور قاضی گنہگار ہوگا (فتح) لیکن اگر حاکم نے قاضی کو فاسق کی شہادت پر فیصلہ کرنے سے منع کیا تو نافذ نہ ہوگا کیونکہ قاضی کو مخصوص زمانے، مخصوص جگہ، مخصوص حادثے اور معتمد قول پر فیصلہ کرنے کے ساتھ مقید کیا جاسکتا ہے یہاں تک اقوال ضعیفہ کی بنیاد پر کیا ہوا اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

ان سب امور کا لحاظ ضرور ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹ تا ۱۲ از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خاں صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) اگر کچھ طمع ناجائز سے کوئی شخص شہادت دے تو اس کی شہادت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

(۲) جو شخص پابندِ صوم وصلوٰۃ نہ ہو اور مسکرات کا پابند ہو ایسے شخص کی شہادت شرعًا مانی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) حواس سالم کے کیا علامات ہیں از روئے شرع شریف کے؟

(۴) شہادت شاہد کے واسطے عمر کی قید ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس عمر سے کس عمر تک ناقابلِ شہادت مانا جاتا ہے؟

الجواب

(۱) اظہارِ سائل سے معلوم ہوا کہ طمع ناجائز سے مراد رشوت ہے، ایسی شہادت باطل محض مردود ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الراشی والمرتشی فی النار۔[2] رواہ الطبرانی فی الصغیر عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا جہنمی ہیں۔ اس کو طبرانی نے معجم صغیر میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] المعجم الصغیر دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۸
المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۲۰۴۷ مکتبۃ المعارف الریاض ۳/ ۲۹

(۲) ہرگز نہیں کہ وہ فاسق ہے اور فاسق کی شہادت مردود ہے،

قال اللہ تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو چھان بین کرلو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) باتیں مطابق عقل کے ہوں کام عاقلانہ ہوں کبھی عاقلوں کبھی پاگلوں کے سے قول فعل نہ کرے، یہ تصرفات کے لئے ہے، اور اگر امثال شہادت و روایت و قضا و افتا کے لئے سلامت حواس مقصود ہو تو یہ بھی ضرور ہے کہ شاہد و راوی کی یاد صحیح ہو سخت بھولنے والا نہ ہو اور قاضی و مفتی کی فہم و فکر ٹھیک ہو۔ درمختار میں ہے:

الشھادۃ شرطھا العقل الکامل والضبط[2]۔

شہادت کے لئے کامل عقل اور یادداشت شرط ہے۔ (ت)

اسی کی کتاب القضا میں ہے:

ینبغی ان یکون موثوقا بہ فی عفافہ وعقلہ وصلاحہ وفھمہ وعلمہ ومثلہ فیما ذکر المفتی[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

قاضی معتمد علیہ ہونا چاہیے پاکدامنی، عقل، صلاح، فہم اور علم میں۔ اور مذکورہ امور میں مفتی بھی قاضی کی مثل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۴) ادائے شہادت کے لئے بالغ ہونا شرط ہے نابالغ کی گواہی معتبر نہیں، نہ اتنا بوڑھا ہو کہ بوجہ پیرانہ سالی دماغ صحیح نہ رہا بات یاد نہ رہے کچھ کا کچھ کہے۔ درمختار میں ہے:

لاتقبل من اعمی مطلقا و مرتد و مملوك وصبی و مغفل و مجنون الا ان تحملا فی الرق والتمییز وادیا بعد الحریۃ والبلوغ[4]۔

اندھے کی گواہی مطلقًا قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی مرتد، غلام، بچے، غافل اور پاگل کی مگر جب غلام اور بچہ غلامی اور تمیز کی حالت میں تحمل شہادت کریں اور آزادی و بلوغ کے بعد شہادت ادا کریں تو قبول ہوگی۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[3] " کتاب القضاء " " " ۲/ ۷۳-۷۲

[4] " کتاب الشہادات " " " ۲/ ۹۴

اسی میں ہے : شرائط الاداء الضبط[1] الخ (اداے شہادت کی شرطوں میں سے یادداشت کا ہونا ہے الخ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳ از رامپور محلہ مسجد ملا فقیر اخون صاحب مرسلہ نثار اللہ خاں ۲۱ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم ڈاکٹر نے ایک سرٹیفکیٹ بلوغ عمر عمرو کو اس امر کا دیا ہے کہ عمرو کی اس وقت ۱۸ اور ۱۹ سال کے درمیان میں عمر معلوم ہوتی ہے میری رائے میں اور عمرو کے چہرہ وغیرہ سے اس کی عمر ایسی نہیں معلوم ہوتی اب مونچھوں کا آغاز ہوا ہے پس سرٹیفکیٹ ڈاکٹر جو بمنزلہ شہادت کے ہے ایسے زمانہ کی بابت جس میں ڈاکٹر نے مشاہدہ نہیں کیا ہے محض اپنے قیاس اور رائے سے اظہار عمر کرتا ہے اور نسبت اپنی رائے کے ظاہر کرتا ہے کہ رائے کی غلطی ممکن ہے تو ایسی صورت میں یہ شہادت قابل قبول عدالت ہوگی یا نہیں ؟

الجواب

اسے شہادت سے کوئی تعلق نہیں، نہ اس پر شہادت کی تعریف صادق آتی ہے، یہ ایک رائے اور قیاس و تخمینہ ہے جس پر اسے خود وثوق نہیں اور اس میں غلطی کا احتمال بتاتا ہے شہادت کی تو شان یہ ہے کہ اگر شاہد اپنی آنکھ کی دیکھی ہوئی بات پر گواہی دے اور اس میں فیما اعلم یا فیما احسب کا لفظ ملادے یعنی میرے خیال میں ایسا ہوا تھا یا میرے علم و یقین میں ایسا ہے تو گواہی رد کردی جائیگی کہ گواہ سے اس کا مشاہدہ پوچھا جاتا ہے اس کا علم و یقین نہیں پوچھا جاتا، نہ کہ جہاں نہ علم نہ یقین بلکہ خود غلطی کا اقرار، درمختار جلد ۴ ص ۵۰۳ :

حتی لو زاد فیما اعلم بطل للشك[2]

یہاں تک کہ اگر شاہد یہ لفظ بڑھادے کہ میرے علم میں ایسا ہے تو شک کی بنیاد پر گواہی باطل ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے :

لو قال لفلان علی الف درهم فیما اعلم لا یصح الاقرار ولو قال المعدل هو عدل فیما اعلم

اگر کہے کہ میرے علم کے مطابق فلاں کے مجھ پر ہزار درھم ہیں تو یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا، اور اگر تعدیل کرنیوالے نے کہا میرے علم کے مطابق وہ عادل

---

[1] درمختار | کتاب الشہادات | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۹۰

[2] " | " " | " " " | ۲/ ۹۰

لایکون تعدیلا[1] واللہ تعالٰی اعلم۔ ہے تو یہ تعدیل نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۱: مسئولہ سراج الدین جج بہاولپور (پنجاب) ۱۵ شعبان المکرم ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بعالیخدمت حضرت مولٰنا جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب مدفیوضکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا مسلمان مرد وعورت کے نکاح کے اثبات میں غیر مسلم کی شہادت پر حصر کرنا جائز ہے، حسب ذیل صورتوں میں کس طرح حکم دینا چاہئے:

(ا) ایک مسلم مرد کا نکاح ایک مسلمہ عورت کے ساتھ ہوا، گواہانِ ایجاب وقبول میں ایک گواہ یا دونوں گواہ غیر مسلم ہیں، آیا نکاح ثابت قرار دیا جاسکتا ہے؟

(ب) انعقادِ نکاح کے وقت کی کوئی شہادت نہیں لیکن غیر مسلم گواہ بروئے شہرت عامہ اس مسلم کا مسلمہ کے نکاح سُننا بیان کرتے ہیں، آیا ایسی صورت میں نکاح ثابت قرار دیا جاسکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

نہ پہلی صورت میں نکاح ثابت ہوسکتا ہے، درمختار میں ہے:

شرط حضور شاہدین مسلمین لنکاح مسلمۃ[2] مسلمان عورت کے نکاح کے لئے دو مسلمان گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے۔ (ت)

نہ دوسری صورت میں مانا جاسکتا ہے، درمختار میں ہے:

الشہادۃ شرطہا الولایۃ فیشترط الاسلام لو المدعی علیہ مسلما[3] شہادت کی شرط ولایت ہے چنانچہ مدعی علیہ اگر مسلمان ہو تو شاہد کا مسلمان ہونا شرط ہوگا۔ (ت)

اور قاعدہ کلیہ یہ کہ کسی مسلمان مرد خواہ عورت پر نکاح، طلاق، بیع، ہبہ، اجارہ، وصیت، جہاں بھر کے کسی معاملہ میں کافر کی شہادت اصلاً کسی طرح مسموع نہیں،

قال اللہ تعالٰی ولن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا[4] واللہ تعالٰی اعلم۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی کافروں کیلئے مومنوں پر ہرگز کوئی سبیل نہ بنائیگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶-۸۷

[3] " کتاب الشہادات " ۲/ ۹۰

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

مسئلہ ۱۶ ازریاست رامپور مرسلہ جناب امداد حسین صاحب مورخہ ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بشیر نے اپنی زوجہ مسماۃ اکبری کی رخصت کا دعوٰی کچہری دیوانی میں مسماۃ اکبری اور اس کی دادی مسماۃ محبوبہ پر کہ جس نے مسماۃ اکبری کو روک لیا تھا کیا مسماۃ اکبری نے باوجود اطلاع کچہری کے جواب دہی نہیں کی بلکہ سکوت کیا مسماۃ محبوبہ کچہری میں جوابدہ ہوئی اور منکرِ نکاح ہوئی، بشیر سے ثبوتِ نکاح طلب کیا گیا اس نے پانچ گواہ پیش کئے، تین گواہوں نے کہ جن کے نام عبدالعزیز، میرنجی، ننھے ہیں اس امر کی شہادت ادا کی کہ مسماۃ اکبری نے ہمارے سامنے جھنا چودھری کو اپنے نکاح کے واسطے وکیل کیا، جھنا چودھری نے نکاح بشیر کے ساتھ پڑھوادیا نکاح ہوگیا، اور چندہ میاں اور احسان ہر دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ جھنا چودھری نے ہمارے سامنے مسماۃ اکبری بنت علی حسین کا نکاح بشیر ولد منا کے ساتھ پڑھوایا اور بشیر نے قبول کیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ گوایان مذکور میں یہ اختلاف ہیں کہ ایک نے بیان کیا ہے مسماۃ اکبری پستہ قد ہے دوسرے نے لانباقد بیان کیا ہے ایک نے دالان میں ایک نے آنگن میں جو ملے ہوئے ہیں نکاح ہونا بیان کیا ہے، ایک نے عمر دس بارہ سال اور باقیوں نے عمر بیس اور پچیس سال بیان کی ہے، آیا ان اختلافات کی وجہ سے شہادت قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ اور باوجود سکوت مسماۃ اکبری اور مسماۃ محبوبہ نسبتِ عمر قابلِ قبول شرعًا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ باتیں زائد ہیں ان میں اختلاف سے شہادت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ شہود ثقات وعدول و قابلِ قبول ہوں، اور اگر ایسے نہیں اور حاکم نے انہیں متہم سمجھا اور ایسے اختلافوں کی بنا پر ان کی شہادتیں رَد کردیں تو اسے اس کا اختیار ہے۔ عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

فی نوادر ابن سماعۃ عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا اتھمت الشھود فرقت بینھم ولا التفت الی اختلافھم فی لبس الثیاب وعدد من کان معھم من الرجال والنساء ولا الی اختلاف المواضع بعد ان تکون الشھادۃ علی الاقوال وان کان الشھادۃ

نوادر ابن سماعہ میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر گواہوں پر تہمت پاؤں تو ان میں تفریق کردوں گا اور ایسے اختلاف کی طرف التفات نہیں کروں گا کہ ان کا لباس کیا تھا اور ان کے ساتھ کتنے مرد اور عورتیں تھیں اور نہ ہی جگہوں کے اختلاف کی طرف التفات کروں گا بشرطیکہ شہادت اقوال پر ہو، اور اگر شہادت افعال پر ہو تو جگہوں کا

علی الافعال فلا خلاف فی المواضع اختلاف فی الشہادۃ قال ابویوسف اذا اتہمتہم ورأیت الریبۃ فظننت انہم شہود الزور افرق بینہم واسألہم عن المواضع والثیاب ومن کان معہم فاذا اختلفوا فی ذٰلک فہذا عندی اختلاف ابطل بہ الشہادۃ کذا فی المحیط[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اختلاف شہادت میں قرار پائے گا۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کہا کہ اگر گواہوں کے بارے میں میرے دل میں کوئی تہمت اور شک آئے اور میرا گمان ہو کہ یہ جھوٹے گواہ ہیں تو میں ان کو جدا جدا کروں گا اور ان سے لباس، جگہ اور ان کے ساتھ موجود افراد کے بارے میں پوچھوں گا اگر اس میں ان کے بیان مختلف ہوئے تو میرے نزدیک گواہی میں اختلاف ہے جس کی بنیاد پر میں گواہی مسترد کردوں گا، محیط۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷: از ملک بنگال معرفت محمد شجاعت علی خاں طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

برائے شہادت طلاق تا دانستی چیست؟ بیّنوا توجروا۔

شہادت طلاق میں تاخیر اور کوتاہی کا کیا حکم ہے؟ بیان کرو اجر پاؤ گے۔ (ت)

الجواب

اگر طلاق رجعت است بتاخیر شہادت آثم نشود مگر آنکہ بداند کہ رجعت نکرد و عدت گزشت و باز بے نکاح تصرف میخواہد آنگاہ تاخیر روا نیست، ہمچناں اگر طلاق بائن است و بے تجدید نکاح دست از تصرف ندارد یا مغلظہ است و بے تحلیل بحبالہ نکاح آوردن خواہد ادائے شہادت بے دعوی ہیچ مدعی فرض ست واگر بے عذر تاخیر کند مردود الشہادۃ بود در اشباہ است شاھد الحسبۃ اذا اخر شہادتہ بلا عذر یفسق ولاتقبل شہادتہ[2]

اگر طلاق رجعی ہے تو گواہی میں تاخیر کرنے سے گنہگار نہ ہوگا مگر وہ شخص جو جانتا ہے کہ خاوند نے رجوع نہیں کیا اور عدت گزر چکی ہے اور وہ بغیر نکاح جدید اس عورت کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے تو اس صورت میں تاخیر شہادت جائز نہیں، اسی طرح طلاق بائن کی صورت میں اگر خاوند تجدید نکاح کے بغیر تصرف سے دستبردار نہیں ہوتا یا طلاق مغلظہ دی ہے اور حلالہ کے بغیر دوبارہ اس کو نکاح میں لانا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں کسی مدعی کے دعوٰی کے بغیر ہی شہادت کی ادائیگی فرض ہے اگر بلا عذر تاخیر کرے گا تو مردود الشہادۃ ہوجائیگا،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۴۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۹۴

كما فى القنية درقنیہ قولے آوردہ است کہ مدتش پنج روزست وصواب آنست کہ مدار بر تاخیر ازوقت حاجت ست کم باشد یا بیش کما بینہ فی غمز العیون۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اشباہ میں ہے کہ شاہد حسبہ (لوجہ اللہ گواہی دینے والا) اور بلا عذر گواہی میں تاخیر کرے تو فاسق ہوجانے کی وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی جیسا کہ قنیہ میں ہے، اور قنیہ میں یہ قول مذکور ہے کہ اس تاخیر کی مدت پانچ دن ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حکم مذکور کا مدار بوقت ضرورت گواہی میں تاخیر پر ہے چاہے مدت کم ہو یا زیادہ، جیسا کہ غمز العیون میں بیان کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸: از ریاست رامپور کٹے باز خاں مسئولہ غلام حبیب خاں ۸ محرم ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر ایک باغ میں نصف نصف کے شریک تھے، زید نے اپنا حصہ نصفی بدست خالد سات سو روپے میں بیع کیا اور واسطے اتلاف حق شفعہ بکر کے بیعنامہ میں بجائے سات سو روپے کے دو ہزار لکھالے گئے سات سو روپے نقد روبروئے رجسٹرار بائع کو دے گئے اور نسبت تیرہ سو روپے قیمت غیر واقعی کے یہ تحریر کیا گیا کہ میں نے مشتری کو معاف کئے جس کا ثبوت بابت سات سو روپے قیمت واقعی کے بیانات گواہان بکر سے بھی ظاہر ہے۔ پس ایسی صورت میں شرعاً کیا ہونا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اس میں تین شہادتیں ہیں اگر ان کے بیان اور شرائط کو جامع بھی ہوں تو ان میں دو باقرارِ خود داڑھی خشخاش کراتے ہیں اور یہ فسق ہے اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں،

قال تعالیٰ ذوا عدل منکم[1] وقال تعالیٰ ممن ترضون من الشھداء[2] واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم میں سے دو عادل گواہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان میں سے جنھیں گواہوں میں سے تم پسند کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے (ت)

مسئلہ ۱۹: از رام پور محلہ گنج مرسلہ محمد یونس صاحب ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ شرع متین میں کہ زید کی اور ہندہ کی آپس میں نااتفاقی ہوئی اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۹۵
[2] " " ۲/ ۲۸۲

دو تین روز کے بعد ہندہ نے مشہور کیا کہ مجھے طلاق ہوگئی، زید نے پوچھا کیسے؟ جواب دیا عرصہ تین ماہ کا ہوا میں بوجہ شراب خوری پردہ کرتی تھی اور کہتی تھی کہ سامنے جب آؤں گی شراب چھوڑ دو گے، آخر ایک روز آیا اور یہ کہا کہ سامنے کر دو میں قسم کھا چکا ہوں، دریافت کیا کیا قسم کھائی ہے؟ تو یہ کہا اگر شراب پیوں تو جورو کو طلاق ہے اور تین مرتبہ کہا، اور اس تین ماہ کے عرصہ میں سینکڑوں مرتبہ شراب پی اور تین ماہ تک ہندہ زید کے پاس رہی اور روز ماں باپ کے پاس جاتی رہی، اس تین ماہ کے عرصہ میں کچھ نہیں کہا جب نا اتفاقی ہوئی تو یہ بات مشہور کی ہندہ سے دریافت کیا گیا کہ تم تین ماہ تک زید کے پاس رہیں جب سے تم نے کیوں نہیں کہا، ہندہ جواب نہ دے سکی، ہندہ کی ماں نے کہا کہ اسے یاد نہ رہی، گواہ ایک ہندہ کی ماں اور ایک ہندہ کا بھتیجا عمر ۱۳ یا ۱۴ برس اور ایک لڑکا خدمت گار عمر دس سال ہے، اس حالت پر طلاق ثابت ہے یا نہیں؟ اور زید قطعی انکار کرتا ہے نہ میں نے قسم کھائی ہے نہ میں اس بات سے خبردار ہوں۔

الجواب

اگر یہی گواہ ہیں تو طلاق ثابت نہیں کہ نہ ماں کی گواہی بیٹی کے لئے معتبر نہ نابالغ کی گواہی مسموع، ہندہ کا بھتیجا بھی اگر نابالغ ہے جب تو ایک گواہ بھی نہ ہوا اور اگر وہ بالغ ہے تو ایک ہی گواہ ہوا، بہر حال ثبوت نہیں، مگر اللہ عزوجل ہر غیب کا جاننے والا ہے، اگر واقع میں اس شخص نے وہ کلمات کہے اور پھر شراب پی تو اللہ کے نزدیک ضرور عورت پر طلاق ہوگئی اور تین بار کہا تو بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی اللہ تعالٰی سے ڈرے اور عورت سے جدا ہو جائے اگر وہ نہ مانے اور عورت کو تحقیق صحیح طور پر معلوم ہے کہ زید نے وہ کلمات تین بار کہنے کے بعد پھر شراب پی تو عورت پر فرض ہے کہ جیسے جانے اس سے دور بھاگے اسے اپنے اوپر قابو نہ دے، اگر ہندہ اپنی سی کوشش پوری کرے اور اس سے بھاگنے پر قدرت نہ پائے تو گناہ زید پر رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰ از دارجلنگ ملٹری کلب گھر مرسلہ شمس الدین بیرا ۲۵ رجب مرجب ۱۳۳۱ھ

جناب مولانا صاحب حامی دین متین دام اقبالکم بعد ادائے آداب حضور والا کی خدمت میں عرض کرتا ہوں انجمن اسلامیہ دارجلنگ نے یہ فیصلہ کیا ہے حضور کے دولت خانہ کا انصاف ہونا چاہئے انجمن نے زبردستی طلاق لکھ دیا اور میرے اوپر ڈگری کر دیا نقل جو میں نے مانگی تو نقل کا مجھ سے پانچ روپیہ لیا از روئے شرع شریف انصاف فرمائیں۔

الجواب

فیصلہ انجمن ملاحظہ ہوا، اس صورت میں ہرگز طلاق ثابت نہیں انجمن نے محض غلط و باطل و خلاف شرع

فیصلہ کیا۔

(۱) اس نے بنائے طلاق بیانِ زن پر رکھی شمس الدین نے اپنی زوجہ حبیبن پر انجمن میں درخواست دی تھی کہ اس کے افعال ایسے ہیں میرا انتقام کر دیا جائے عورت نے جواب میں طلاق دینا بیان کیا مجوزوں نے فیصلہ میں لکھا مدعا علیہا کے بیان سے ثابت ہے کہ مدعی نے اپنی بی بی مدعا علیہا کے سامنے اور اختر علی آبدار و پیر محمد گواہان مدعا علیہا کے رُوبرو طلاق مختلف اوقات میں تین دفعہ دے دی ہے انجمن نے جسے مدعا علیہا کہا وہ شرع میں مدعیہ ہے کہ طلاق دئے جانے کا دعوی کرتی ہے آج تک کسی نے مدعی کے بیان کو اس کے لئے سند مانا ہے، خانگی مثل مشہور ہے: باطل است آنچہ مدعی گوید (باطل ہے وہ جو مدعی کہتا ہے۔ ت) یہ بالکل شرع مطہر کے خلاف ہے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم[1]

اگر لوگوں کو ان کے دعوٰی کے مطابق دیا جائے تو البتہ کچھ لوگ دوسروں کے خون اور مال کا دعوٰی کریں گے۔ (ت)

(۲) اس بنائے باطل پر فیصلہ میں لکھا حکم شریعت ہے کہ جب طلاق کے متعلق ایک ذرا بھی ثبوت پہنچ جائے تو پھر کسی صورت میں بھی شریعت زن وشوہر کو باہم زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ یہ محض غلط ہے شریعت نے ایک سے دو طلاق رجعی تک بلا تکلف زن وشوہر کو زندگی بسر کرنے کی اجازت دی ہے اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے:

الطلاق مرّتٰن فامساك بمعروف اوتسریح باحسان[2]

طلاق دو مرتبہ ہے پھر اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے (ت)

بلکہ تین طلاق میں بھی یہ کہنا غلط ہے کہ اس کی اجازت کسی صورت میں نہیں، صورتِ حلالہ میں ضرور اجازت ہے، قرآن عظیم میں ہے:

فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ[3]

پھر اگر تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس (خاوند سابق) کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب الیمین علی المدعی علیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

[3] " " ۲/ ۲۳۰

پھر یہاں تین طلاقوں کا ثبوت مان لینا بھی محض ناواقفی ہے دو گواہ اگر طلاق پر گواہی دیں اور وقت مختلف بتائیں تو اگرچہ یہ اختلاف طلاق میں کہ قول ہے موجب رد شہادت نہیں مگر اس کے یہ معنی ہیں کہ دونوں کی مجموعہ شہادت سے ایک طلاق ثابت ہوگی نہ یہ کہ جدا جدا دو طلاقیں ثابت ہوں گی اور تین گواہ ہوں تو تین طلاقیں ثابت ہو جائیں یہ نرا بے اصل ہے کہ ان میں سے جدا جدا کسی طلاق پر نصاب شہادت کامل نہ ہوئی اور کوئی طلاق تنہا ایک کی گواہی سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ دُرمختار میں ہے:

نصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح و طلاق رجلان او رجل و امرأتان[1]	حقوق مذکورہ کے سوا دیگر حقوق کے لئے نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے چاہے وہ حق مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح و طلاق (ت)

(۳) انجمن کے سامنے صرف دو گواہ گزرے ایک پیر محمد خدمتگار ہوٹل اوڈلینسڈ دوسرا اختر علی اسی ہوٹل کا آبدار، خدمتگاران ہوٹل جن کے متعلق شراب و خنزیر وغیرہما حرام و نجس اشیاء کا خریدنا بنانا پکانا کھلانا رہتا ہے ہرگز عادل شرعی نہیں ہو سکتے اور اگر بالفرض یہ لوگ ثقہ بھی ہوں تو اختر علی خود حبیبن مدعیہ کا باپ ہے اور باپ کی گواہی اولاد کے حق میں مقبول نہیں تو پیر محمد اکیلا رہ گیا اور ایک کی گواہی مقبول نہیں، دُرمختار میں ہے:

لا تقبل (ای الشهادة) من الفرع لاصله و بالعکس للتهمة[2]	تہمت کی وجہ سے فرع کی گواہی اصل اور اس کے برعکس یعنی اصل کی گواہی فرع کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔ (ت)

بحرالرائق میں ولوالجیہ سے ہے:

تجوز شهادة الابن على ابيه بطلاق امرأته اذا لم تكن لامه اولضرتها لانها شهادة على ابيه وان كان لامه اولضرتها لا تجوز لانها شهادة	بیٹے کی گواہی باپ کے خلاف کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے جائز ہے بشرطیکہ وہ گواہی اس کے بیٹے کی ماں یا اس کی سوکن کے حق میں نہ ہو کیونکہ یہ گواہی باپ کے خلاف ہے (نہ کہ اس کے حق میں جو ناجائز ہے) اور اگر وہ

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] ؎ ؎ ؎ ۲/ ۹۴

لامۃ[1] الخ وقد بسط الکلام ویظھر بھذا ان ھذا ھو اصح مایعتمد علیہ لشھادۃ مسائل کثیرۃ منقولۃ عن الجامع الکبیر۔

گواہی بیٹے کی ماں یا اس کی سوکن کے حق میں ہو تو ناجائز ہے کیونکہ یہ شاہد کی شہادت اس کی ماں کے لئے ہوئی الخ۔ صاحب بحر نے اس پر مفصل کلام کیا اور اس سے ظاہر ہوا کہ یہی اصح اور شہادت کے بارے میں ان مسائل کثیرہ کے لئے معتمد علیہ ہے جو جامع کبیر سے منقول ہیں۔ (ت)

بالجملہ فیصلہ محض بے بنیاد ہے اور طلاق ہرگز ثابت نہ ہوگی ڈگری غلط دی گئی، ہاں اگر واقع میں شمس الدین نے حبیبن کو تین طلاقیں دی ہیں تو عورت اس پر حرام ہوگئی بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا، اللہ عزوجل جانتا ہے ہرظاہر و پوشیدہ کو۔ اللہ سے ڈرے اور حق نہ چھپائے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱: از ریاست رام پور کوچہ لنگرخانہ مرسلہ سراج الدین صاحب آہنگر ۱۰ رجب مرجب ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اہل اسلام بیچ اس مسئلہ کے ایک عورت نے جو بذاتِ خود اپنے شوہر سے ناراض نہیں ہے اس کا باپ اس کے شوہر سے ناراض ہے اور اس کا باپ چاہتا ہے کہ شوہر اول سے چھڑا کر بجائے دیگر مالدار اس کا عقد کرادے، عورت اپنے باپ کے پاس اور اس کے قبضہ میں ہے اس کے باپ نے اس عورت کی طرف سے وکالتاً دعوٰی باطلہ اثبات طلاق کا عدالت میں دائر کردیا، اس مقدمہ میں بذاتِ خود عورت کا بیان یا اظہار نہیں ہوا ہے شوہر کو دینے طلاق سے قطعاً انکار ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو ہرگز ہرگز طلاق نہیں دی ہے عورت کی طرف سے جو گواہان مسموع ہوئے ہیں وہ سب غیر ثقہ اور رشتہ دار اس کے باپ کے ہیں ان کی شہادت مصنوعی و تعلیمی معلوم ہوتی ہے جس کے بابت عدالت نے جس کے رُوبرو ان کے اظہارات ہوئے ہیں تحریر کیا ہے کہ ان کے بیان میں وہم صدق بھی نہیں بلکہ گمان غالب کذب ہے شوہر کی طرف سے جو گواہان بطلان دعوٰی طلاق میں پیش ہوئے ہیں وہ آدمی نیک و نمازی اور حاجی اور معززین اپنی قوم کے چودھری ہیں انھوں نے جو بیانات گفتگوئے صلح باہمی عورت اور اس کے پدر کی زبان کا بہت عرصہ بعد طلاق مبینہ کے لکھ لیا ہے اس سے وقوعہ طلاق غلط اور بے وجود ثابت ہوتا ہے اس لحاظ سے حاکم عدالت نے وقوعہ طلاق کو غیر ثابت قرار دیا ہے اب زوجہ کی طرف سے بنارا ضی اس حکم کے مرافعہ کیا گیا ہے ــــــــــ

---

[1] بحرالرائق کتاب الشہادات باب من تقبل شہادتہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۸۱-۸۰

—— چونکہ یہ معاملہ نہایت نازک حلت وحرمت کا ہے لہذا حاکم عدالت کو بحال رکھنا فیصلہ حاکم عدالت اول کا اولیٰ ہے یا واقعہ طلاق کو حسب پیروکاران عورت ثابت قرار دینا اولیٰ ہے شرعاً اولویت ہردو امر سے کس میں ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس مقدمہ میں نقول تجویزات ابتدائی و اپیل نظر سے گزریں جلیل القدر مفتی ذی علم مجوز اول نے اس بنا پر کہ گواہان طلاق عادل نہیں اور حاکم کو ان کی تحری صدق نہ ہوئی بلکہ وہم صدق بھی نہ ہوا اور ان کے کذب کا ظن غالب ہوا اور ایسے گواہوں میں تاوقتیکہ تحری صدق نہ ہو ان کی شہادت پر عمل حرام ہے اگر قاضی عمل کرے خود آثم و فاسق ومستحق عزل ہوگا دعوی طلاق باطل فرمادیا محکمۂ اپیل نے وہ حکم اس بنا پر منسوخ کیا کہ شہادتیں حلفیہ تھیں اور روبکار ریاست سے ثابت ہے کہ محض اس وجہ پر کہ گواہ مستور ہیں ان کی شہادت کو مسترد نہ کیا جائے گا کہ گواہ کا تزکیہ صرف بذریعہ حلف کافی ہے نیز اس کی یہ تائید پیش کی کہ پدرِ مدعیہ نے قسم ایسی بحوالہ قرآن شریف لرز کر کھائی کہ مدعا علیہ کچھ بول نہ سکا، یہ دونوں تجویزوں کا خلاصہ ہے، دارالافتاء شریعت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت گار ہے حکم اللہ و رسول کے لئے ہے ان الحکم الا للہ[1] (نہیں ہے حکم مگر اللہ کے لئے۔ ت) کسی شخص کو جب مسلمان ہو رعیت ہو خواہ حاکم وافسر، والیِ ملک ہو خواہ سلطان ہفت کشور، حکم خدا و رسول کے حضور اصلاً مجال دم زدن نہیں، الاسلام گردن نہادن نہ کہ گردن کشیدن (اسلام گردن جھکانے کا نام ہے نہ کہ گردن کھینچنے کا۔ ت)، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضللا مبینا[2]	کسی مسلمان مرد یا عورت کو نہیں پہنچتا کہ جب اللہ و رسول کوئی حکم فرمادیں تو انھیں اپنا ذاتی کوئی اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑا۔

شریعتِ محمدیہ علٰی صاحبہا وآلہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ شریعت ابدیہ غیر منسوخہ ہے قیامت تک جس کا کوئی حکم بدلا نہیں جاسکتا، سلطان بلکہ سلطان سے بھی بڑھ کر خلیفۂ روئے زمین کو اصلاً اختیار نہیں کہ روبکار یا دستور العمل اس کے کسی حکم کے خلاف نافذ کریں، نہ ہرگز حکام کو حلال ہے کہ ایسے روبکار وغیرہ پر

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

[2] 〃 ۳۳/ ۳۶

عمل کریں، نہ ہرگز حاکمان مرافعہ کو جائز ہوسکتا ہے کہ ایسے کسی حکم کو برقرار رکھیں، مسلمان حاکم یا رئیس یا سلطان کیونکہ ان سخت جانگزا وعیدوں کو سہو و محو کرسکتے ہیں جو واحد قہار عزّ جلالہ نے قرآن عظیم میں من لم یحکم بما انزل اللّٰہ[1] (جو اللہ تعالٰی کے نازل کئے ہوئے پر فیصلہ نہ کرے۔ ت) پر فرمائی ہیں شریعت مطہرہ کے حکم سے اولاً مفتی محکمہ ابتدائی کا وہ حکم سرے سے قابلِ اپیل ہی نہ تھا محکمہ جج پر لازم تھا کہ اپیل سُنتا ہی نہیں کہ وہ حکم ایک عام حاکم عالم عادل نے کیا تھا اور ایسے حکم کا مرافعہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب اس سے یقیناً حکم میں خطائے بین واضح ظاہر واقع ہوئی ہو جس میں اصلاً جائے تردّد نہیں یہاں تک کہ اگر اس کا حکم خطا ہونا محتمل و مشکوک ہو جب بھی اپیل مسموع نہیں کہ احتمال خطا ظہور خطا نہیں نہ کہ حکم صاف صواب مطابق شرع واقع ہو پھر اپیل کی جائے ایسی اپیل زنہار قابلِ سماعت نہیں، معین الحکام میں ہے:

القاضی نظرہ فی احکام غیرہ مختلف فاما العالم العدل فلا یتعرض لاحکامہ بوجہ قال ابو حامد علی القاضی ان لایتعرض لقضیۃ امضاھا الاول الاعلی وجہ التجویز لھا ان عرض فیھا عارض بوجہ خصومۃ، فاما علی وجہ الکشف لھا والتعقیب فلاوان سألہ الخصم ذٰلک، وھذا فیما جھل حالہ من احکامہ ھل وافق الحق او خالفہ، فھٰذا الوجہ الذی نفی عنہ الکشف و التعقیب الا ان یظھر لہ خطا بین ظاھر لم یختلف فیہ و ثبت ذٰلک عندہ فیردہ ویفسخہ عن المحکوم بہ علیہ[2]۔

قاضی کا دوسرے قاضی کے فیصلوں پر نظر کرنا مختلف فیہ ہے لیکن عالم عادل قاضی کے فیصلوں میں کسی طرح تعرض نہیں کیا جائیگا۔ ابوحامد نے کہا قاضی پر واجب ہے کہ وہ کسی ایسے فیصلہ کا تعرض نہ کرے جسے قاضی اول نافذ کرچکا ہے، ہاں اس فیصلہ کو جائز قرار دینے کے لئے تعرض کرے گا جبکہ بطور خصومت اس فیصلہ کو کوئی عارضہ لاحق ہو، لیکن بطور تفتیش و مواخذہ اس کا تعرض نہیں کرسکتا اگرچہ فریق مخالف اس کا مطالبہ کرے، اور یہ اس صورت میں ہے جب قاضی اول کے فیصلے کا حال مجہول ہو کہ وُہ حق کے موافق ہے یا مخالف اور تفتیش و مواخذہ کی نفی کا تعلق بھی اسی صورت کے ساتھ ہے مگر جب قاضی اول کے فیصلہ میں کھلم کھلا خطا ہو جس میں کسی کو اختلاف نہ ہو اور قاضی ثانی کے ہاں وہ پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو وُہ قاضی اول کے فیصلہ کو منسوخ اور محکوم بہ سے اُسے رَد کرسکتا ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

[2] معین الحکام کتاب القضاۃ فصل فی نقض القاضی احکام غیرہ مصطفی البابی مصر ص ۳۰

اسی میں ہے :

قیام المحکوم علیه بطلب فسخ الحکم عنه ان کان قیامه علی القاضی العالم العادل لم تسمع دعواه[1]

محکوم علیہ اگر اپنے خلاف فیصلہ کی منسوخی کا مطالبہ کرے تو عالم عادل قاضی کے خلاف اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا۔ (ت)

فواکہ بدریہ پھر غمز العیون قاعدہ اولٰی نوع ثانی میں ہے :

قضاء القاضی العدل لایتعقب و یحمل حاله علی السداد بخلاف غیرہ[2]

عادل قاضی کے فیصلہ پر مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا اور اس کے حال کو درستگی پر محمول کیا جائے گا بخلاف غیر عادل قاضی کے۔ (ت)

ثانیاً گواہوں پر حلف رکھنا اول تو خود ہی باطل ہے یہاں تک کہ ہمارے علماء کرام نے فرمایا اگر سلطان قاضیوں کو گواہوں سے حلف لینے کا حکم دے علماء پر فرض ہے کہ اسے نصیحت کریں کہ اے بادشاہ! وہ حکم نہ دے کہ نہ مانیں تو تیرا غضب ہو اور مانیں تو اللہ عزوجل کا غضب۔ اشباہ والنظائر و درمختار میں ہے :

وھذا نظم الدرر امر السلطان انما ینفذ اذا وافق الشرع والا فلا اشباہ من القاعدۃ الخامسة وفوائد شتی فلو امر قضاته بتحلیف الشھود وجب علی العلماء ان ینصحوہ ویقولوا له لا تکلف قضاتك الی امر یلزم منه سخطك او سخط الخالق تعالٰی[3]۔

یہ درر کی عبارت ہے کہ امر سلطان اسی وقت نافذ ہوگا جب موافق شرع ہو ورنہ نہیں، اشباہ کے پانچویں قاعدے اور فوائد متفرقہ میں ہے کہ اگر سلطان اپنے قاضیوں کو گواہوں سے حلف لینے کا حکم دے تو علماء پر واجب ہے کہ اس کو نصیحت کریں اور کہیں کہ تو اپنے قاضیوں کو ایسی چیز کا مکلف مت بنا جس سے تیری (بصورت ترک) یا اللہ تعالٰی کی (بصورت عمل) ناراضگی لازم آئے۔ (ت)

ولہذا علامہ محقق علی مقدسی نے تہذیب کا کلام آئندہ نقل کرکے رد فرمایا۔ منحۃ الخالق

---

[1] معین الحکام کتاب القضاۃ فصل فی قیام المحکوم علیہ بطلب فسخ الحکم عنہ مصطفی البابی مصر ص ۳۴

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۴۲

[3] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۱

میں ہے :

قال العلامة المقدسی بعد ذکرما فی التھذیب لایخفی انہ مخالف لما فی الکتب المعتمدۃ۔[1]

علامہ مقدسی نے تہذیب کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا مخفی نہ رہے کہ یہ کتبِ معتمدہ کی تصریحات کے مخالف ہے۔ (ت)

دوم بعض متاخرین کہ برخلاف مذہب اس طرف گئے وہ اسے قاضی مجتہد کی رائے پر رکھتے ہیں اور اب صدہا سال سے کوئی قاضی مجتہد نہیں، ابوالسعود ازہری پھر طحطاوی علی الدر پھر ردالمحتار میں ہے :

نقل عن الصیرفیۃ جواز التحلیف وھو مقید بما اذا راٰہ القاضی جائزا ای بان کان ذا رأی اما اذا لم یکن لہ رأی فلا۔[2]

صیرفیہ سے منقول ہے کہ گواہوں سے حلف لینا جائز ہے، یہ جواز مقید ہے اس صورت کے ساتھ کہ قاضی اس کو جائز سمجھے جبکہ قاضی اہل رائے ہو اور اگر وہ اہل رائے نہ ہو تو حلف مذکور جائز نہ ہوگا۔ (ت)

شامی میں ہے :

والمراد بالرائی الاجتھاد۔[3] رائے سے مراد اجتہاد ہے۔ (ت)

سوم اس سے بھی قطع نظر ہو تو ان بعض کا برخلاف مذہب اس طرف میل اس ضرورت سے تھا کہ حلف کے سبب حاکم کو ان کے صدق پر غلبۂ ظن حاصل ہو، بحر میں تہذیب قلانسی سے ہے :

فی زماننا لما تعذرت التزکیۃ بغلبۃ الفسق اختار القضاۃ کما اختار ابن ابی لیلی استحلاف الشھود لغلبۃ الظن۔[4]

ہمارے زمانے میں چونکہ فسق کے غلبہ کی وجہ سے گواہوں کا تزکیہ متعذر ہوگیا ہے لہذا غلبۂ ظن کے حصول کے لئے قاضیوں نے گواہوں سے حلف لینے کو اختیار کیا جیسا کہ ابن ابی لیلٰی کا مختار ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ یہ ان متاخرین کے زمانے تک تھا جب تک جھوٹے حلف سے مستور لوگ پرہیز کرتے تھے

---

[1] منحۃ الخالق علی البحرالرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۶۳

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۴

[3] ؎ " " " "

[4] بحرالرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۶۳

خصوصًا پرلے لے، اور اس زمانے میں جھوٹے حلف ایک بات ہوگئے لاکھوں کی گنتی پر ہوں گے جو روپے دو روپے بلکہ اس سے بھی کم پر بلکہ نری خاطر دوستی یا فریق ثانی سے ادنٰی رنجش یا کسی خفیف بے معنی غرض کے لئے حلف کے پھنکے اڑاتے ہیں تو وہ ضرورت جس کے لئے مذہب سے عدول ہوتا ہو اصلًا مندفع نہیں، اب یہیں دیکھئے کہ یہ گواہیاں حلفی تھیں اور تجربہ کار دانا ذی علم مجوز کو غلبہ وظن صدق درکنار وہم صدق بھی نہ ہوا بلکہ غلبۂ ظن کذب ہی رہا، ہر عاقل جانتا ہے کہ اب اگر صرف حلف گواہان کو قائم مقام تزکیہ مانا جائے تو ہزاراں ہزار دروازۂ ظلم کھل جائیں لوگ چار چار آنے کے دو گواہ حلفی گزار کر مخلوق کی جائدادیں لے جائیں جورو ئیں چھین لیں وہ فساد اُٹھے جس کا بیان ناممکن ہو تو اب اس قول مرجوح بلکہ مخالف اجماع مذہب کے طرف میل باطل محض وخرق اجماع جہل صرف تو تھا ہی کہ درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق للاجماع[1]

قول مرجوح پر فیصلہ اور فتوٰی دینا جہل اور خلافِ اجماع ہے۔ (ت)

فتح ابواب ظلم وقطع گردن مظلومان بھی ہوگا ولا یرضاہ من لہ عقل ودین (کوئی عاقل اور دیندار اس کو پسند نہیں کرتا۔ ت) سائل اولویت پوچھتا ہے کہ فیصلہ اول بحال رکھنا اولٰی ہے یا طلاق ثابت قرار دینا، اولویت کیسی، حاکم مرافعہ اولٰی کہ شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اطاعت چاہے اور احکم الحاکمین جل جلالہ کے دربار میں اپنی حاضری و باز پرس سے ڈرے اس پر لازم فرض ہوگا کہ حکم جج کو منسوخ اور فیصلہ اولٰی کو بحال کرے۔ رہی وہ تائید کہ پدر مدعیہ نے لرز کر حلف کیا اور مدعا علیہ نہ بولا ایسی بات ہے جسے نہ شرع سے تعلق نہ علم سے لگاؤ۔ پدر مدعیہ یہاں خود مدعی و مخاصم ہے مدعی کا حلف اگر سُن لیا جائے تو ہر جھوٹا جیتے اور حق وانصاف کے گلے کا تسمہ نہ لگا رہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ[2] رواہ الشیخان عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اگر لوگوں کو ان کے دعوٰی کے سبب سے دیا جائے تو کچھ لوگ دوسروں کے خون اور مال کا دعوٰی کردینگے لیکن قسم مدعی علیہ پر ہے۔ اس کو شیخین نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار — رسم المفتی — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[2] صحیح مسلم — کتاب الاقضیہ باب الیمین علی المدعی علیہ — قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۴
صحیح البخاری کتاب التفسیر باب قولہ تعالٰی ان الذین یشترون بعہد اللہ الخ " " " " ۲/۶۵۳

ریاست اسلامی کے حکام پر لازم ہے کہ احکام اسلام ہی کا اتباع کریں اللہ تعالٰی توفیق دے، آمین۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲ مسئولہ ابومحمد یوسف حسین متعلم مدرسہ اسلامیہ ساپور ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی ہندہ اور بھائی عمرو موجود ہیں ہندہ نے جائداد کا دعوٰی کیا ہے، عمرو یہ ثابت کرتا ہے کہ نکاح نہیں ہوا، ہندہ کی طرف سے ناکح نے شہادت دی ہے کہ میں نے نکاح پڑھا ہے، اور ہندہ کی بہن فاطمہ نے بھی شہادت دی ہے کہ نکاح ہوا، شاہدین انکار کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ عمرو کے ملازم ہیں، مگر بہت سے لوگ جن سے زید نے اپنے نکاح کا اقرار کیا ہے شہادت دیتے ہیں کہ ہم سے زید نے نکاح کا اقرار کیا ہے، ایسی صورت میں ہندہ مستحق جائداد ہے یا نہیں؛ فتح القدیر میں ایک صورت درج ہے جو تحریر کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائی جائے اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شہادت علی اقرار الزوج معتبر ہے:

واذا جحد احد الزوجین النکاح فاما اصلہ اوشرطہ ففی اصلہ لو جحد الزوج فاقامت بینۃ بہ اوعلی اقرارہ قبلت ولایکون جحودہ طلاقا[1]۔ فتح القدیر ص ۱۵/۱۳ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

اگر زوجین میں سے کوئی اصلِ نکاح یا شرطِ نکاح کا انکار کرے تو اصل کی صورت میں اگر زوج منکر ہے اور زوجہ نے نکاح پر یا شوہر کے اقرار نکاح پر گواہ قائم کردیئے تو ان کی گواہی قبول کرلی جائے گی اور شوہر کا انکار طلاق نہ ہوگا۔ (ت)

امید کہ جواب براہِ کرم جلد مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب

نکاح پڑھانے والے کی گواہی مذکور معتبر نہیں لانہا شہادۃ علی فعل نفسہ وشہادۃ المرء علی فعل نفسہ لاتقبل[2] کما فی خزانۃ وغیرھا (کیونکہ یہ اپنے ہی فعل پر گواہی ہے اور کسی شخص کی گواہی اس کے اپنے فعل سے قبول نہیں کی جاتی جیسا کہ خزانہ وغیرہ میں ہے۔ ت) اور بہن تنہا شاہد ہے بلکہ نصف، البتہ اقرار زوج پر اگر دو شاہد قابل قبول گواہی دیتے ہیں تو کافی ہے کہ وارثان زوج قائم مقام زوج ہیں اور اقرارِ زوج زوج پر حجت اور اس کے لئے عبارت مذکور فتح القدیر کفایت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتح القدیر کتاب النکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۱۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشہادات فصل ومن الشہادۃ الباطلۃ الخ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۴۳

مسئلہ ۲۳ از احمد آباد گجرات محلہ چھیپان پانچ پیپلی مکان چھیپان سلطان جی علی جی کوڑے والے
مسئولہ پیرزادہ غلام نبی صاحب ۱۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان مسئلوں میں کہ ان دنوں شہر ناگور ضلع جودھپور مارواڑ میں ایک انجمن کمیٹی مدرسہ اسلامیہ حمیدیہ کے نام سے مقرر ہوئی جس میں ممبران ومنتظمان بازار کے بیٹھنے والے مثل دکاندار کفن وخوشبو فروش برائے مردہ ودلال ہیں ان کی شہادت شرع شریف کے نزدیک مقبول ہے یا باطل، اور ایسے اشخاص قابل ممبر مدرسہ ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ہمارے بلاد میں کوئی پیشہ ور صرف کفن فروشی پر قناعت نہیں کرتا بزاز کپڑا بیچتا ہے اسی سے کفن بھی لیا جاتا ہے اسی سے شادی کے کپڑے، اسی سے روزانہ پہننے کے۔ یونہی کوئی خاص حنوط فروش بھی نہیں کافور وغیرہ عام کاموں کے لئے جن دکانوں سے ملتے ہیں انھیں سے اس کے لئے بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کی شہادت میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہاں دلال کا کام وکلا کی طرح جھوٹ سچ ملانا ہے اور ان کی گواہی ضرور مردود، اور انھیں کسی جلسہ دینیہ کا منتظم بنانا نہ چاہئے۔ اسی طرح وکلا مختار وغیرہم تمام ان لوگوں کو جن کے پیشے یا دیگر افعال علانیہ فسق ہوں جیسے داڑھی منڈانا وغیرہ۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لانہ فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ فاسق کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے جبکہ مسلمانوں پر ان کی توہین شرعًا واجب ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدث فی الصلوٰۃ مطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

کتاب القضاء والدعاوی

(قضاء اور دعوٰی کا بیان)

مسئلہ ۲۴ از رام پور ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ لاولد فوت ہوئی، بعد وفات ہندہ کے زید اجنبی اپنے آپ کو شوہر ہندہ ظاہر کرتا ہے اور ثبوت دعوٰی میں دو مرد اور دو عورتیں پیش کرتا ہے، مردوں کا یہ بیان ہے کہ ہندہ نے جو ہم سے پردہ کرتی تھی پردے کے اندر سے نکاح خواں کو جو باہر بیٹھا تھا اجازت دی کہ میرا نکاح زید کے ساتھ پڑھادو، مسماۃ مکان کے اندر اور ہم سب لوگ صحن میں باہر بیٹھے تھے عورتوں کا یہ بیان ہے کہ ہم مسماۃ ہندہ کے قریب بیٹھے تھے مسماۃ متوفیہ نے نکاح کا خود اقرار کیا تھا، اس صورت میں دعوٰی زید کا ثابت ہوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر گواہانِ مذکور کا بیان صرف اسی قدر ہے جو سائل نے تحریر کیا تو وہ شہادتیں محض ناکافی و بیکار ہیں قطع نظر بہت وجوہ خلل و نقصان کے دونوں مردوں کی گواہی اثباتِ زوجیت سے متعلق ہی نہیں، نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا نہ یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ اس کی زوجہ تھی بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ہندہ نے فلاں کو اپنے نکاح کا وکیل کیا اس سے اگر ثابت ہوگی تو اس کی وکالت، اور وکالت مستلزم وقوعِ تزویج نہیں کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) تو دعوائے مدعی و بیانِ گواہان اصلاً مطابق

نہیں، اور قاعدہ کلیہ ہے کہ ایسی شہادت محض مہمل ہوتی ہے۔

فی الفتاوی الہندیۃ والخیریۃ وغیرھما الشہادۃ ان وافقت الدعوی قبلت والا لا[1]۔

فتاوٰی ہندیہ وخیریہ وغیرہما میں ہے شہادت جب دعوٰی کے موافق ہو قبول ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

رہیں دونوں عورتیں ان کا بیان بھی اگر اور وجوہ سے سالم مان لیا جائے تو یوں نامقبول ہے کہ نصاب کامل نہیں تنہا عورتوں کی گواہی ہرگز مثبت نکاح نہیں ہوسکتی،

فی الدر المختار نصابہا لغیرھا من الحقوق کنکاح رجلان او رجل وامرأتان ولم تقبل شہادۃ اربع بلا رجل[2] اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے: شہادت کا نصاب حقوق وغیرہ مثلاً نکاح میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، اور مرد کے بغیر چار عورتوں کی شہادت مقبول نہیں اھ ملخصاً، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵: ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چھوٹا سا کوچہ غیر نافذہ چند قدم کی مسافت کا جس میں گنتی کے گھر ہیں، شارع عام سے مغرب کی طرف جاکر شمال کو گیا پھر مغرب پھر شمال کو گیا اور سربستہ ہوگیا اس کوچہ کے سرے پر زید کا مکان واقع ہے جس کی شرقی دیوار میں شرق رویہ دروازہ شارع عام کے قریب ہے اور اس کے آگے چند گز کا صحن جس سے اُترتے ہی شارع عام کا کنارہ ہے اس مکان کی جنوبی و مغربی دیواریں اس کوچہ غیر نافذہ میں ہیں زید نے دیوار جنوبی میں ایک جدید دروازہ کوچہ سربستہ کی طرف نکالا اور اس کے آگے خاص اس راستے کی زمین میں ایک سیڑھی دروازہ پر جانے کو بنائی بعض ساکنانِ کوچہ اس فعل پر ناراض ہیں آیا یہ دروازہ نکالنا اور سیڑھی بنانا اسے جائز تھا یا ناجائز، اور وہ اس فعل سے گنہگار ہوا یا نہیں اور اس نے حقِ غیر میں ناحق تصرف کرکے ظلم کیا یا نہیں؟ اور اس سیڑھی کا کھود ڈالنا اور دروازے کا بند کردینا شرعًا اس پر واجب ہے یا نہیں؟ اور ایسے تصرف کے جائز ہونے کے لئے تمام ساکنانِ کوچہ کی رضامندی چاہیے یا اکثر کی رضا کافی ہے اگرچہ بعض ناراض ہوں۔ بیّنوا توجروا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب السابع فی الاختلاف نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۹۴

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱
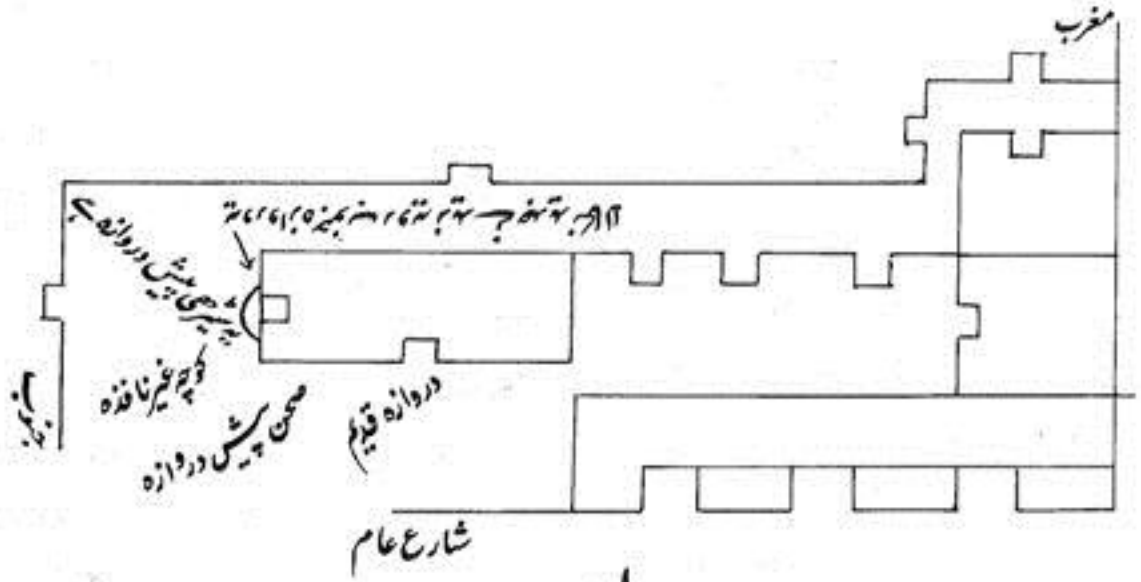
الجواب

بیشک صورتِ مستفسرہ میں زید نے ظلم کیا اور سخت گناہ میں مبتلا ہُوا، اس کی جنوبی دیوار سے ختم کوچہ تک جو راستہ گیا ہے وہ صرف ان لوگوں کا حق خاص ہے جو اندر رہتے ہیں زید کا اس میں کچھ دعوٰی نہیں اس کا حق مرور فقط اس کی شرقی دیوار سے اوپر اوپر یعنی شارع عام کی طرف ہے اس کے نیچے یعنی اپنے دروازہ وصحن دروازہ کی حد سے اندر اتر کر نیا دروازہ نکالنے کا اسے کوئی استحقاق نہیں۔ فتاوٰی امام قاضیخان میں ہے:

رجل له دار فی سکة غیر نافذة لها باب اراد ان یفتح لها بابا اٰخر اسفل من بابها اختلفوا فیه والصحیح انه لیس له ذٰلك۔[1]

کسی شخص کا بند گلی میں مکان ہو اور اس کا دروازہ بھی اس میں ہو اگر وہ دوسرا دروازہ نچلی طرف کھولنا چاہے تو فقہاءِ کرام نے اس میں اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اسکو یہ حق نہیں ہے۔ (ت)

امام خیر الدین رملی استاذ صاحبِ درمختار اپنے فتاوٰی خیریہ میں یہ عبارت خانیہ نقل کرکے فرماتے ہیں:

مثله فی کثیر من کتب المذھب[2] (بہت سی کتب میں حکم ایسے ہی ہے۔ ت) اسی میں ہے:

ونقل فی التاتارخانیة عن الفتاوی العتابیة انه لیس له ذٰلك وعلیه الفتوٰی۔[3]

اور تاتارخانیہ میں فتاوٰی عتابیہ سے منقول ہے کہ اس کو یہ حق نہیں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الصلح باب فی الحیطان نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۱۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدیات فصل فی الحیطان دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۳

[3] " " " " "

اسی میں ہے :

المتون علی المنع وھو ظاھر الروایۃ کما صرح بہ فی جامع الفصولین فلیکن المعول علیہ[1]

متون منع پر وارد ہیں اور یہی ظاہر روایت ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں اس کی تصریح ہے اور اسی پر اعتماد چاہیے۔ (ت)

اور خاص راستے کی زمین میں سیڑھی بنانا اور زیادہ ظلم اشد و گناہ عظیم ہے جب دروازہ نکالنا ناجائز ہوا حالانکہ وہ اپنی دیوار میں ایک عمارت تھی راستے کی زمین اس میں نہ دبتی تھی تو خاص پرائے حق کی زمین میں تعمیر کیونکر حلال ہوسکتی ہے یہاں تک کہ علماء تصریح فرماتے ہیں اگر اس فعل سے اس کوچے والوں کا کوئی حرج بھی نہ ہو جب بھی ناجائز ہے، ہدایہ میں ہے :

لیس لاحد من اھل الدرب الذی لیس بنافذ ان یشرع کنیفا ولا میزابا الا باذنھم لانھا مملوکۃ لھم ولھذا وجبت الشفعۃ لھم علی کل حال فلا یجوز التصرف اضربھم او لم یضر الا باذنھم[2]

بند گلی والوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ بیت الخلاء یا پرنالہ گلی والوں کی مرضی کے بغیر باہر نکالے کیونکہ یہ گلی ان سب کی مشترکہ ملکیت ہے اسی اشتراک کی بنا پر ان سب کو ہر حال میں شفعہ کا حق ہے لہذا کوئی ضرر رساں تصرف ان کی مرضی کے بغیر وہاں جائز نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے :

فی غیر النافذ لایجوز ان یتصرف باحداث مطلقا اضربھم اولا الا باذنھم[3]

بند کوچہ والوں میں سے کسی کو باقیوں کی اجازت کے بغیر ایسا تصرف کرنے کا مطلقاً حق نہیں جو ان کے لئے ضرر رساں ہو یا نہ ہو (ت)

اور اس قسم کا تصرف جائز ہونے کو ایک ایک ساکن کوچہ کی رضامندی درکار ہے اکثر کی رضا ہرگز کافی نہیں یہاں تک کہ اگر سو میں ایک بھی ناراض ہے تو ہرگز جواز نہیں حتی کہ اگر سب نے راضی ہو کر اجازت دے دی پھر ان میں ایک نے اپنا مکان بیچ ڈالا تو اب مشتری کو اختیار ہے کہ مزاحمت کرے اور ازالہ کرا دے اگرچہ پہلے سب اہل کوچہ راضی ہوچکے تھے، ردالمحتار میں ہے :

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدیات فصل فی الحیطان دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۳

[2] الہدایہ " باب مایحدثہ الرجل فی الطریق مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۹۷

[3] درمختار " " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹۹

قوله الا باذنهم ای کلهم حتی المشتری من احد هم بعد الاذن لما فی الخانیة رجل احدث بناء او غرفة علی سکة غیر نافذة و رضی بها اھل السکة فجاء رجل من غیر اھلها و اشتری دارا منها کان للمشتری ان یامر صاحب الغرفة برفعها اھ ساٹخانی۔

ماتن کا قول "ان کی اجازت کے بغیر" یعنی سب کی اجازت حتی کہ اجازت کے بعد اگر کسی نے وہاں مکان خریدا تو اس کی اجازت بھی ضروری ہے، خانیہ میں ہے کسی نے بند کوچہ میں کوئی تعمیر یا کھڑکی بنائی اور کوچہ والوں نے رضامندی ظاہر کردی ہو تو باہر سے آئے ہوئے ایک آدمی نے اس کوچہ میں کوئی مکان خریدا تو خریدار کو اب حق ہے کہ وہ کھڑکی والے کو بند کرنے پر مجبور کرے اھ ساٹخانی (ت)

بالجملہ زید پر شرعاً واجب ہے کہ فوراً اس دروازے کو بند کرکے بطور قدیم دیوار کرلے اور سیڑھی کا نام ونشان باقی نہ رکھے ورنہ سخت وعید شدید کا مستحق ہوگا، صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ من الارض شیئا بغیر حقه خسف به یوم القیٰمة الی سبع ارضین[2]

جو کسی قدر زمین ناحق لے لے قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقے تک دھنسا دیا جائے گا۔

حکم بن حارث سلمی رضی اللہ تعالٰے عنہ کی روایت میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ من طریق المسلمین شبرا جاء یوم القیٰمة یحمله من سبع ارضین۔ اخرجه الضیاء والطبرانی[3] باسناد حسن۔

یعنی جو شخص مسلمانوں کے راستے میں سے ایک بالشت بھر دبالے قیامت کے دن وہ زمین وہاں سے لے کر ساتویں طبقے تک اٹھا کر اسکی گردن پر رکھی جائیگی اور اسی طرح خدا تعالٰے کے حضور حاضر ہوگا والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اسے ضیاء اور طبرانی نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا۔ (ت)

زید کو چاہیے کہ دو من ڈھیلے گردن پر چنوا کر دیکھے اگر نہ اٹھا سکیں تو سمجھ لے کہ ساتوں طبقے کا اتنا بڑا ٹکڑا کیونکر اٹھا کر چلا جائے گا۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو نیک توفیق عطا فرمائے، آمین! واللہ سبحانہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الدیات باب مایحدثه الرجل فی الطریق وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۸۱

[2] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب اثم من ظلم شیئا من الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۲

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۳۱۷۲ المکتبة الفیصلیة بیروت ۳/ ۲۱۵

وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (اللہ تعالٰی بڑے علم والا ہے اور اس جل مجدہ کا علم اتم و احکم ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۶ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین زادہم اللہ شرفا اس صورت میں کہ مسماۃ راحت النساء ہمشیرہ محمد عیوض علی خاں کی میرارشد علی کے نکاح میں اور مسماۃ مہرالنساء ہمشیرہ میرارشد علی کی محمد عیوض علی خاں کے نکاح میں تھیں ہردو زوج و زوجات نے بدون ادائے دین مہر کے وفات پائی اب ورثہ ہردو زوجات دین مہران کا ان کے شوہروں کے متروکہ سے طلب کرتے ہیں ورثہ مسماۃ راحت النساء ہمشیرہ محمد عیوض علی خاں فریق مقابل سے کہتے ہیں کہ دین مہر ہماری مورثہ کا تمہارے مورث پر اور تمہاری مورثہ کا ہمارے مورث پر ہے اول ان دونوں مہروں کا باہم معاوضہ اور مبادلہ کرلیا جائے بعد معاوضہ اور مبادلہ کے جس فریق کے جس قدر باقی نکلے وہ نقداً ادا کی جائے اور جو نقداً ادا نہ ہوسکے تو جائداد باقی دار سے مطالبہ کیا جائے در جواب اس کے ورثہ مسماۃ مہرالنساء ہمشیرہ میرارشد علی کہتے ہیں کہ جو جائداد محمد عیوض علی خاں پر بعوض دین مہر اپنے مورثہ کی ہم نے قبضہ کرلیا ہے ہم وہی جائداد دیں گے اور مقابلہ اور معاوضہ دین بالدین نہیں کریں گے دریں صورت از روئے شرع شریف حق بجانب کس فریق کے ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جس حالت میں مہر زرنقد ہے اور جائداد اس کی جنس سے نہیں پس ورثہ مہرالنساء جائداد پر قابض ہونے سے بے رضائے ورثہ راحت النساء اس کے مالک نہ ہوگئے ہردو مہر باہم مقاص ہوکر اگر ایک کا مہر زائد ہو ما بقی کی نسبت دوسری عورت کے ورثہ کو اختیار ہے خواہ زرنقد دیں یا جائداد سے ادا کریں،

فی بحث الدین من الاشباہ والنظائر وایفاؤہ واستیفاؤہ لایکون الا بطریق المقاصۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ[1] الخ و فی مبحث الملک منہ وللوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا[2] قال العلامۃ حموی

اشباہ ونظائر کے دین کے باب میں ہے کہ اس کا پورا لین دین سوائے ادل بدل کے جائز نہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں الخ، اور اس پر ملک العلماء کی بحث میں ہے وارث کو حق ہے کہ وہ قرضہ ادا کرکے ترکہ کی خلاصی کرائے اگرچہ وہ تمام ترکہ قرضے میں بند ہو۔ علامہ حموی نے اس پر

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۰۹

[2] " " " القول فی الملک " " ۲/۲۰۵

10

تحت قولہ ولاینفذ بیع الوارث الترکۃ المستغرقۃ بالدین وانما یبیعہ القاضی اقول ینبغی ان یکون البیع بحضرۃ الورثۃ لما لھم من حق امساکھا وقضاء الدین من مالھم[1] الخ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ تعالٰی المرجع والمآب۔

فرمایا: اور وارث کا ایسے ترکہ کو فروخت کرنا جو تمام کا تمام قرض میں بند ہے جائز نہیں، اس کو صرف قاضی فروخت کرے گا۔ میں کہتا ہوں وارثوں کی موجودگی میں فروخت کرنا مناسب ہوگا کیونکہ ان کو حق ہے کہ وہ ترکہ کو روک لیں اور قرض خود ادا کریں الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ تعالٰی مرجع والمآب۔ (ت)

مسئلہ ۲۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے آپ کو بنتِ لیلٰی اور دخترِ زید کہا کہ اور تمام کاغذات میں اور دستاویزات میں ہمیشہ اپنا حسب یونہی لکھا اور زینب باوجود سکونت یک شہر ویک محلہ وموافقت سالہا سال ہندہ کی کہ دونوں اسی حال پر سن رسیدہ ہوگئیں، اپنے آپ کو مجہول النسب کہتی اور کاغذات میں بنت نامعلوم لکھتی، اس بناء پر جب زینب نے سمجھا کہ اب موت قریب آئی اور میرے کوئی وارث شرعی نہیں ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۲۸۶ھ کو ہندہ واولادِ ہندہ کے رُوبرو اپنی کُل جائداد کی وصیت اپنی دخترِ متبنٰی اور مختارِ حسن براہِ کار کے نام کردی اور لکھ دیا کہ یہی دونوں بعد میرے میری کل جائداد کے مالک وارث ہوں گے، اس وصیت وتکمیل وصیت کے چند عرصہ بعد زینب نے بتاریخ ۱۹ فروری ۱۸۷۰ء قضائے الٰہی سے انتقال کرتے ہی ایک شخص اجنبی نے براہِ غصب اس تمام جائداد پر قبضہ کرلیا موصی لہما نے بربنائے وصیت دعوٰی کیا کہ بعد تنقیح تمام وہ وصیت بحکم شرع فتوائے علماء سے صحیح ونافذ وتام ولازم قرار پاکر ۱۱ جنوری ۱۸۷۲ء کو حکام وقت کے یہاں سے وہ جائداد موصی لہما کو مل گئی یہ سب واقعات ہندہ واولادِ ہندہ کے روبرو ہوئے لیکن کسی نے ترکہ زینب پر دعوٰی نہ کیا نہ اپنا کچھ استحقاق بتایا اور اس سے پہلے ماہِ جون ۱۸۷۲ء میں حکام وقت کی طرف سے جائداد کو لاوارثی قرار دے کر دعوٰی یہی ہوا کہ محکمہ بالا سے اسی بنا پر کہ پہلے سے کیوں نہ کہا تھا خارج ہوگیا، اس تحقیق وتنقیح اور لاوارثی ٹھہراتے اور دعوٰی دائر ہوتے کے وقت بھی ہندہ اور اولادِ ہندہ نے خبر نہ لی نہ اپنی وراثت کا ادعا کیا، جب موصی لہما کو جائداد ملی انھوں نے فوراً اس میں تصرفات مالکانہ شروع کردئے، نصف جائداد تو اسی وقت ایک شخص کو پیروی مقدمہ کے عوض میں دی کہ اس نے اوروں کے ہاتھ بیچ کر سب برابر کردی نصف باقیماندہ پر بلا منازعت منازع خود

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الثالث، القول فی الملک ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۵

قابض و متصرف رہی بلامزاحم اس کے تحصیل تشخیص کرتے اور اپنے صرف خاص میں لاتے اور ان سب امور پر بھی ہندہ و اولادِ ہندہ کو خوب اطلاع تھی کہ وہ سب اسی شہر میں حاضر و موجود تھے نہ کہ غائب و مفقود، بلکہ اسی عرصہ میں موصی لہا نے اس نصف باقیماندہ سے بھی چند دیہات بیچ ڈالے کہ اب معدود باقی ہیں اور جب سے مشتریان تصرفات مالکانہ کرتے ہیں ہندہ و اولادِ ہندہ نے تصرف بیع و انتقال کے وقت بھی کبھی دعوٰی نہ کیا یہاں تک کہ ۱۳ اکتوبر ۱۸۷۹ء کو ہندہ فوت ہوگئی ورثۂ ہندہ اس کے مرے پر بھی دو سال سے زیادہ تک محض ساکت رہے اب باغوائے بعض مردان ۱۹ فروری ۱۸۸۲ء کو موصی لہا پر بریں بنا دعوٰی دائر کیا کہ زینب موصیہ اور مدعیوں کی ماں ہندہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں ہندہ زینب کی وارث ہوئی اور ہم ہندہ کے ورثا ہیں اور اظہار کرتے ہیں کہ ہندہ زینب کو اپنی بہن کہتی ہے اور شاید بعض دستاویزیں بتائیں کہ ان میں ہندہ بہن اور ہم ہمشیرزادہ لکھے گئے، آیا یہ دعوٰی ان کا شرعاً قابلِ سماعت ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

دعوٰی مدعیان ہرگز قابلِ سماعت نہیں، نہ کوئی ٹکڑا جائداد کا موصی لہا سے انھیں دلایا جائے نہ اب اس وصیت کے نفاذ و لزوم میں کلام ہوسکے، ہندہ و ورثائے ہندہ کا اس مدتِ مدید تک سکوت اور باوصف ان واقعات مختلفہ وگیرو دار و کشمکش سالہاسال و تصرفات و بیع و انتقال کے مطلق تعرض نہ کرنا قرینۂ واضحہ ہے کہ یہ دعوٰی ان کا محض مکر و تزویر و تلبیس و فریب ہے ہمارے ائمہ اصحابِ متون و شروح و فتاوٰی تصریح فرماتے ہیں کہ جب ایک جائداد میں کوئی شخص ایک مدت تک خود تصرفاتِ مالکانہ کرتے رہے یا وُہ بیع خواہ ہبہ خواہ اور طرح سے دوسرے کو تملیک کردے اور وُہ دوسرا ایک زمانہ تک اس میں متصرف رہے پھر ایک مدعی عاقل بالغ جو اسی شہر میں موجود اور ان حالات پر مطلع ہو اور اب تک ارجاعِ دعوٰی سے کوئی عذر معقول قابل قبول اسے مانع نہ ہو، دعوٰی کرنے لگے یہ جائداد میری ملک ہے اب وہ دعوٰی بجہت میراث ہو خواہ کسی دوسرے سبب سے ہرگز نہ سُنا جائے گا اور اس کا ان تصرفات کے وقت خاموش رہنا اپنی جہت اور متصرف کے مالکیت کا صریح اقرار قرار پائے گا۔

فی فتاوی العلامۃ المرحوم سیدی محمد بن عبداللہ الغزی التمرتاشی مصنف تنویرالابصار سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ تزید علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ والرجل

سیدی محمد بن عبداللہ الغزی مرحوم مصنف تنویرالابصار کے فتاوٰی میں ہے آپ سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جس کا ایک حویلی میں مکان ہے وہ اس میں تین سال سے زائد مدت سے رہائش پذیر چلا آرہا ہے اور وہ پڑوس والے کے علم اور اطلاع کے

المذکور یتصرف فی البیت المزبور ھدما
وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ
فی المدۃ المذکورۃ فھل اذا
ادعی البیت اوبعضہ بعد ما ذکر من تصرف
الرجل المذکور فی البیت ھدما وبناء فی المدۃ
المذکورۃ تسمع دعواہ ام لااجاب لاتسمع دعواہ
علی ما علیہ الفتوی انتہی[1]، وفی فتاوی
الفاضل المحقق خیر الملۃ والدین الرملی
رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سئل فی رجل اشتری
من اخرستۃ اذرع من ارض بید البائع وبنی
بہا بناء وتصرف فیہ ثم بعدہ ادعی رجل
علی البائع المذکوران لہ ثلثۃ قراریط و
نصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا من امہ
ویرید ھدمہ والحال ان امہ تنظرہ یتصرف
بالبناء والانتفاع المذکورین ھل لہ ذلک
ام لا وھل تسمع دعواہ مع تصرف المشتری
ورؤیۃ امہ لہ واطلاعہا علی الشراء
المذکور والتصرف المزبور مدۃ مدیدۃ
ام لا، اجاب لاتسمع دعواہ والحال
ما نص اعلاہ لان علماءنا
نصوا فی متونھم وشروحھم
وفتاوٰھم ان تصرف المشتری فی المبیع
مع اطلاع الخصم ولوکان اجنبیا

باوجود اس مکان میں گرانے بنانے کے تصرفات مدت
مذکورہ میں کرتا چلا آرہا ہے، تو مدت مذکورہ میں تصرفات
مذکورہ کے باوجود پڑوسی اس کے کُل یا بعض مکان
پر بعد میں دعوٰی کرے تو کیا یہ دعوٰی مسموع ہوگا یا نہیں،
توانھوں نے جواب میں فرمایا نہیں سُنا جائے گا، اسی
پر فتوٰی ہے اھ، فاضل محقق خیر الملۃ والدین الرملی
رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے فتاوٰی میں ہے کہ ان سے
ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جس نے دوسرے شخص
کی مقبوضہ زمین میں سے چھ گز زمین خریدی اور وہاں
تعمیر کی اور تصرفات کئے پھر اس کے بعد ایک
اور شخص نے اس خریدکردہ زمین میں سے ساڑھے تین
قیراط پر دعوٰی کردیا کہ یہ حصہ مجھے میری ماں سے میراث
ملا ہے اور وہ اس تعمیر کو گرانا چاہتا ہے حالانکہ اس
کی ماں خریدار کی تعمیر اور تصرفات کو زندگی میں دیکھتی
رہی ہے تو کیا اس دعوٰی کا اس کو حق ہے یا
نہیں، ______
______ حالانکہ ماں کو اس زمین
کی خرید وفروخت اور اس پر خریدار کے تصرفات
کی اطلاع مدت بھر رہی، کیا یہ دعوٰی مسموع ہوگا، تو
انھوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ دعوٰی مسموع نہ ہوگا
جبکہ مذکورہ بالا حالات تھے، کیونکہ ہمارے علمائے
اپنے متون، شروح اور فتاوٰی میں تصریح کی ہے
کہ خریدار کا مبیع چیز پر فریق مخالف اگرچہ اجنبی ہو،

[1] العقود الدریۃ بحوالۃ الفتاوی غزی کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۴

بنحو البناء والغرس والزرع یمنعه من سماع الدعوی قال صاحب المنظومة اتفق اساتینا علی انه لاتسمع دعواه ویجعل سکوته رضی للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرارا بانه ملك البائع، وقال فی جامع الفتاوٰی وذکر فی منیة الفقهاء رای غیره یبیع عروضا فقبضها المشتری وهو ساکت وترك منازعة، فهو اقرار منه بانه ملك البائع انتهی[1]، وفیها سئل فی رجل تلقی بیتا عن والده وتصرف فیه کما کان والده من غیر منازع ولا مدافع مدة تنوف عن خمسین سنة و الأن برز جماعة یدعون البیت لجدهم الاعلٰی، فهل تسمع دعوٰهم مع اطلاعهم علی التصرف المذکور واطلاع أباءهم وعدم مانع یمنعهم عن الدعوی، اجاب لا تسمع هذه الدعوی[2]

کی اطلاع کی موجودگی میں تعمیر، زراعت اور پودوں کی کاشت جیسے تصرفات کرنا اس فریق کے دعوٰی کے مسموع ہونے کے لئے مانع ہے، اور صاحبِ منظوم نے فرمایا کہ ہمارے اساتذہ ایسے دعوٰی کے نامسموع ہونے پر متفق ہیں اور جھوٹ، لالچ، حیلہ سازی اور تلبیس کے خاتمہ کے لئے مخالف فریق کے سکوت کو بیع پر رضامندی اور اس کی موجودگی اور عدمِ تنازع کو یہ اقرار تصور کیا جائے گا کہ زمین فروخت کرنیوالے کی ملکیت تھی، اور جامع الفتاوٰی میں فرمایا منیۃ الفقہا میں مذکور ہے کہ دوسرے کو سامان فروخت کرتے ہوئے دیکھا اور خریدار نے قبضہ کیا تو بھی خاموش رہا اور کوئی اعتراض نہ کیا تو یہ اس کا اقرار متصور ہوگا کہ یہ سامان فروخت کرنیوالے کی ملک ہے اھ، اور اس میں ہے ایک شخص نے اپنے والد سے مکان حاصل کیا اور اس میں اسی طرح تصرف کرتا رہا جس طرح اس کا والد اس میں بغیر روک ٹوک پچاس سال سے زائد عرصہ تک تصرف کرتا رہا ہے اور اب ایک گروہ نے اپنا دعوٰی کرنا شروع کردیا کہ یہ مکان اس کے جدِ اعلٰی کی ملک ہے تو کیا ان کی تصرفاتِ مذکورہ پر اطلاع اور ان کے باپ کو اطلاع اور دعوٰی سے کوئی مانع نہ ہونے کے باوجود اب ان کا یہ دعوٰی مسموع ہوگا، تو جواب میں فرمایا کہ یہ دعوٰی مسموع نہ ہوگا،

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۸۸-۸۷

[2] " " " " " " ۲/ ۵۵

وفيها عن البزازية عليه الفتوى قطعا للاطماع الفاسدة[1] وفي الولوالجية ثم الخيرية والحامدية وغيرهما رجل تصرف زمانا في ارض ورجل اخر رأى الارض والتصرف ولم يدع ومات على ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوى ولده فتترك على يد المتصرف لان الحال شاهد[2] انتهى، وفي الخيرية وبه افتى شيخ الاسلام شهاب الدين احمد الحلبي المصري[3]، وفي الدر المختار اذا سكت الجار وقت البيع والتسليم وتصرف المشتري فيه زرعا وبناءً [illegible] لا تسمع دعواه على ما عليه الفتوى قطعا للاطماع الفاسدة[4] انتهى، قال خاتمة المحققين مولانا السيد محمد عابدين رحمة الله تعالٰى عليه في الحاشية قوله اذا سكت الجار وغيره من الاجانب بالاولٰى فتخصيص الجار بالذكر لانه مظنة انه في حكم القريب والزوجة، قوله وقت البيع والتسليم اى

اسی میں ہے بزازیہ کے حوالہ سے کہ اسی پر فتوٰی ہے تاکہ فاسد لالچ وغیرہ کا خاتمہ ہوسکے، ولوالجیہ، پھر خیریہ اور حامدیہ وغیرہا میں ہے کہ ایک شخص زمانہ بھر زمین میں تصرف کرتا رہا اور دوسرا شخص اس زمین اور اس میں ان تصرفات کو دیکھتا رہا اور کوئی دعوٰی نہ کیا اور فوت ہوگیا تو اس کے بعد اس کی اولاد کا اس زمین پر دعوٰی مسموع نہ ہوگا تو اس زمین کو قابض کے تصرف میں باقی رکھا جائیگا کیونکہ حال اس کا شاہد ہے، اور خیریہ میں ہے کہ اسی پر شیخ الاسلام شہاب الدین احمد حلبی مصری نے فتوٰی دیا ہے، درمختار میں ہے جب پڑوسی خرید و فروخت اور قبضہ دینے اور خریدار کے تعمیر و زراعت کے تصرفات کو دیکھتے ہوئے خاموش رہے تو مفتٰی بہ قول کے مطابق اب اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا تاکہ فسادِ طمع کو ختم کیا جاسکے اھ، حاشیہ میں خاتم المحققین مولانا سید محمد عابدین رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: ماتن کا قول جب پڑوسی خاموش رہے، تو دوسرے اجنبی لوگ بالاولٰی، پڑوسی کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا کہ قُرب والصاق کی وجہ سے گمان دعوٰی کا مقام ہے، اس کا قول "قبضہ اور بیع کے وقت" یعنی جب ان

۱؎ فتاوٰی خیریہ	کتاب الدعوٰی	دارالمعرفۃ بیروت	۲/ ۵۹
۲؎ "	"	" " "	۲/ ۵۵
۳؎ "	"	" " "	۲/ ۵۹
۴؎ درمختار	مسائل شتّی	مطبع مجتبائی دہلی	۲/ ۳۴۷

وقت علمه بهما كما افاده كلام الرملي السابق وقد علمت ان البيع غير قيد بل مجرد السكوت عند الاطلاع على التصرف مانع من الدعوى، قوله زرعا وبناء المراد به كل تصرف لا يطلق الا للمالك فهما من قبل التمثيل، قوله لاتسمع دعواه اى دعوى الاجنبي ولو جارا[1] رملي وفى الخيرية وقد كثر افتاء الحنفية عن علماء مصر يتساوى الجار مع الاجنبي فى الحكم المذكور لاشتراكهما فى العلم والعلة الموجبة بعدم سماع دعوى الجار بعد تصرف المشتري زرعا و بناء على ما عليه الفتوى قطع الاطماع الفاسدة وسد باب التزوير والتلبيس وهذا القدر مشترك بين الجار والاجنبي[2] الخ. وفى العقود الدرية فى تنقيح الفتاوى الحامدية ثم ان ما فى الخلاصة والولوالجية يدل على ان البيع غير قيد بالنسبة الى الاجنبي ولو جارا بل مجرد الاطلاع على التصرف مانع من الدعوى[3] الخ، وفيهما بعد نقل فتوى العلامة الغزي كما ذكرناها فانظر كيف افتى بمنع سماعها من غير القريب بمجرد

چیزوں کا پڑوسی کو علم ہو جائے جیسا کہ رملی کے کلام سے معلوم ہُوا، آپ کو معلوم ہے کہ بیع کا ذکر بطور قید نہیں بلکہ مشتری کے تصرفات پر اطلاع سے خاموشی اس کے دعوٰی سے مانع ہے، اس کا قول "زراعت وتعمیر" تو اس سے مراد ہر وہ تصرف جو صرف مالک ہی کر سکتا ہے ان دونوں کا ذکر بطور تمثیل ہے۔ اس کا قول "اس کا دعوٰی غیر مسموع ہوگا" سے مراد یہ ہے ہر اجنبی خواہ پڑوسی ہو، کا دعوٰی غیر مسموع ہوگا" بحوالہ رملی، اور خیریہ میں ہے: مصر کے حنفی علماء کے فتاوٰی میں اکثر طور پر پڑوسی کو اجنبی کے مساوی حکم دیا گیا ہے کیونکہ مشتری کے زراعت وتعمیر کے تصرفات پر اطلاع کے بعد دونوں علم اور عدم سماعت دعوٰی کی علت میں مساوی ہیں حالانکہ فتوٰی کی بنیاد فاسد لالچ اور جھوٹ اور دھوکہ کو ختم کرنا ہے اور وُہ دونوں میں مشترک ہے اجنبی ہو یا پڑوسی ہو، الخ، عقود الدریہ وتنقیح الفتاوٰی میں ہے کہ "پھر خلاصہ اور ولوالجیہ کے بیان میں اس بات پر دلالت ہے کہ بیع کا ذکر بطور قید نہیں کسی بھی اجنبی کے لئے خواہ وہ پڑوسی ہو بلکہ صرف تصرف پر اطلاع ہی دعوٰی سے مانع ہے الخ ان دونوں کتب میں علامہ غزی کے فتوٰی کو جسے ہم نے ذکر کیا ہے نقل کرنے کے بعد، فرمایا: دیکھو انھوں نے پہلے بیع کا دعوٰی نہ ہونے اور پندرہ سال یا زائد

---

[1] رد المحتار مسائل شتّٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۴۷۵

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/۶۰

[3] العقود الدریہ " ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۴

التصرف مع عدم سبق البيع وبدون مضی خمس عشرة سنة او اكثر[۱] وفيها لم يقيدوه بمدة ولا بموت كما ترى[۲]، وفيها وليس ايضا مبنيا على المنع السلطانی كما فی المسئلة الاٰتية (قال الفقير المجيب يعنی مسئلة عدم سماع الدعوى خمس عشرة سنة وهو مثال للمنفی لا للنفی) ثم قال بل هو حكم اجتهادی نص عليه الفقهاء كما رأيت فاغتنم تحرير هذه المسئلة فانه مفردات هذا الكتاب والحمد لله المنعم الوهاب[۳] انتهی، وفی رد المحتار من مسائل شتی مجرد السكوت عند الاطلاع على التصرف مانع وان لم يسبقه بيع[۴] وفيه من كتاب القضاء اما دعوى الاجنبی ولو جارا فلابد فی منعها من السكوت بعد الاطلاع على تصرف المشتری ولم يقيدوه بمدة الخ[۵] وفيه من اٰخر كتاب الوقف ليس لهذا مدة محدودة

عرصہ کے ذکر نہ ہونے کے باوجود کسی بھی اجنبی کے دعوٰی کے غیر مسموع ہونے کو کیسے ذکر فرمایا ہے، اس میں مذکور ہے کہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کسی مدت یا موت سے فقہاء کرام نے مقید نہیں کیا، اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ کسی حاکم کے منع پر نہیں ہے جیسا کہ آئندہ مسئلہ میں آرہا ہے، مجیب کہتا ہے کہ پندرہ سال کی مدت کا ذکر عدم سماعِ دعوٰی میں منفی کی مثال ہے نفی کی نہیں، پھر فرمایا، بلکہ اجتہادی حکم ہے جیسے کہ تم فقہاء کرام کی اس پر تصریح کو دیکھ رہے ہو، اس مسئلہ کے بیان کو غنیمت سمجھو کیونکہ یہ اس کتاب کے منفرد مسائل میں سے ہے، الحمد للہ المنعم الوہاب اھ۔ اور رد المحتار کے مسائل مختلفہ میں ہے: مشتری کے تصرفات پر مطلق اطلاع دعوٰی کے لئے مانع ہے اگرچہ پہلے بیع کی اطلاع نہ پائی ہو اور اسی کتاب میں کتاب القضاء سے ہے کہ مشتری کے تصرفات پر اطلاع کے وقت سکوت کرنا اگرچہ بیع کا علم پہلے نہ ہوا جنبی خواہ پڑوسی کے دعوے کے لئے مانع ہے، اس کو انھوں نے کسی مدت سے مقید نہیں کیا الخ، اور اسی میں کتاب الوقف کے آخر میں ہے کہ اس کے لئے کسی مدت کی حد نہیں ہے

---

[۱] العقود الدریۃ | کتاب الدعوٰی | ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۴
[۲] " | " | " " " ۲/۴
[۳] " | " | " " " ۲/۴
[۴] رد المحتار | مسائل شتّی | داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۷۳
[۵] " | کتاب القضاء | " " " ۴/۳۴۳

واما عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرۃ سنۃ اذا ترکت بلاعذر فذالك فی غیرھذہ الصورۃ[1] الخ قال الفقیر المجیب غفر اللہ تعالٰی لہ وانما اکثرنا من النقول فی ھذہ المسئلۃ لان منھم من وضعھا فی البیع خاصۃ کالعلائی فی الدر المختار والزاھدی فی القنیۃ[عہ] وابن نجیم فی الاشباہ واٰخرین فی اٰخر ومنھم من قید تصرف المشتری بالزرع والبناء کالفاضل الدمشقی فی الدر والعلامۃ الغزی فی التنویر او الغرس ونحوہ ایضا کالمحقق الرملی فی الفتاوٰی ومنھم صورھا بموت المتصرف ودعوی المدعی علی ورثتہ کما فی فتاوی الخلاصۃ ومنھم من قررھا فی عکس ذٰلك اعنی موت غیر المتصرف ودعوی ورثتہ علی المتصرف علی ما فی الولوالجیۃ ومنھم من ادرج فی التصویر سکوتہ ھذا مدۃ تنوف عن کذا وکذا سنۃ کالخیریۃ وغیرہ ومنھم قصر الحکم علی الجار و

لیکن پندرہ سال کے بعد دعوٰی کا غیر مسموع ہونا جبکہ بلاعذر دعوٰی کا ترک کیا ہو، تو اس کا تعلق اس صورت سے نہیں ہے الخ۔ مجیب غفر اللہ تعالٰی کہتا ہے ہم نے اس مسئلہ میں کثیر نقول اس لئے پیش کی ہیں کہ بعض نے اس مسئلہ کو بیع میں خاص کیا ہے جیسا کہ علامہ علائی نے درمختار میں اور علامہ زاہدی نے قنیہ میں اور ابن نجیم نے الاشباہ میں اور دیگر حضرات نے اپنی کتب میں بیان کیا، اور بعض حضرات نے مشتری کے خاص تعمیر اور زراعت کے تصرفات میں اس کو وضع کیا ہے جیسا کہ فاضل دمشقی نے در میں اور علامہ غزی نے تنویر اور بعض نے پودے لگانے کو بھی شامل کیا ہے جیسا کہ محقق رملی نے اپنے فتاوٰی میں اور بعض نے اس کی صورت تصرف کرنیوالے کی موت کے بعد اس کے وارثوں پر مدعی کے دعوٰی کو بنایا ہے جیسا کہ خلاصۃ الفتاوٰی میں، اور بعض نے اس کی صورت بالعکس بیان کی یعنی غیر قابض کی موت کے بعد اس کے وارثوں کا قابض متصرف پر دعوٰی، جیسا کہ ولوالجیہ میں اور بعض نے اس میں اجنبی کی خاموشی اتنے یا اتنے سال سے زائد کو صورت میں شامل کیا ہے جیسا کہ علامہ خیر الدین وغیرہ نے، اور بعض نے اس حکم کو صرف پڑوسی تک محدود کیا اور

عہ فی الاصل ھکذا واظنہ انہ "قنیۃ" ۱۲ عبد۔ اصل میں اس طرح ہے اور میرے گمان کے مطابق یہ لفظ قنیہ ہے ۱۲ عبد (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۴۶

ولم يفصح انه في غيره جار حتى اشتبه
ذلك على بعض الفضلاء كالسيد الحموي
والشيخ صالح بن عبد الله الغزي الى
ان دفعه العلامة الرملي في ما سردنا من
جواهر نصوص الفتح ان كل ذلك
محض تصوير للمسئلة وتقرير للاسئلة من
دون حصر ولا قصر وان لا تقدير
بمدة ولا تقييد بموت ولا تخصيص
بجوار ولا بتصرف دون تصرف بعد
ان كان مما لا يليق الا للملاك ولا امتناع
عن السماع قطعا للاطماع الا للسكوت
وترك النزاع مع الوقف والاطلاع على
تصرف واختراع ولئلا يشتبه ما نحن فيه
بمسئلة عدم سماع الدعوى بعد مضي
خمس عشرة سنة فانها تعم ما اذا وقع التصرف
او لا وحصل الاطلاع ام لا وهي مسئلة تلاطمت
فيها الآراء والاحلام وتشاجرت الظنون
والافهام ومن قال فيها بعدم السماع
فانما بنى الامر على النهي السلطاني ثم اضطربت
كلماتهم في مجاريها فمن تارك
لها على الاطلاق ومن مستثن لاشياء
ثم لم يتفقوا في المستثنيات
على كلمة واحدة ومنهم من
عمم باخراج كل ما فيه عذر
للمدعي وهو اجمع واصوب

یہ ذکر نہ کیا کہ غیر میں بھی یہ حکم جاری ہے حتی کہ بعض فضلاء
کو اشتباہ ہو گیا جیسے سید حموی اور شیخ صالح بن عبد اللہ
الغزی حتی کہ علامہ رملی کو اس کا دفاع کرنا پڑا،
اور ہم نے فتح کے نصوص کے جواہر ذکر کئے کہ یہ تمام
بیانات مسئلہ کی محض صورتیں ہیں اور سوالات کی
تقریر ہے اس میں کوئی حصر، مدت کی تحدید، موت
کی قید، پڑوسی کی تخصیص نہیں ہے اور نہ ہی کسی
تصرف کا تعین ہے سوائے اس کے کہ وہ تصرف
مالکانہ ہو اور مشتری کے تصرفات واختراعات پر
اطلاع کے بعد سکوت ہو اور نزاع نہ پایا جائے
تو فساد ولالچ کو ختم کرنے کے لئے دعوی کی سماعت
ممتنع ہوگی اور اس لئے بھی کثیر نقول ذکر کی ہیں تاکہ
اس مسئلہ کا پندرہ سال کے بعد عدم سماع والے مسئلہ
سے اشتباہ نہ رہے، کیونکہ اس مسئلہ کا دائرہ عام
ہے مشتری کا تصرف ہو یا نہ ہو پھر اس کی اطلاع
اجنبی کو ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور اس مسئلہ میں آراء اور
دلائل، ظنون اور افہام کا ٹکراؤ ہے جنھوں نے
وہاں دعوی غیر مسموع کہا ہے انھوں نے سرکاری
ممانعت کی بنا پر کہا ہے پھر سرکاری ممانعت کو
جاری کرنے میں فقہاء کرام کے کلام میں اختلاف ہے
بعض نے علی الاطلاق اس کو جاری مانا ہے اور
بعض نے بعض وجوہ سے استثناء کیا ہے پھر
مستثنیات میں کسی ضابطہ پر اتفاق نہ کیا بعض نے
جہاں مدعی کا عذر ہو وہاں سرکاری حکم سے علی العموم
استثناء مانا ہے یہی موقف جامع اور درست ہے

ثم عظم الاعتراك فی دعوی المیراث فقوم یسمعون و اٰخرون یمنعون کما فصلہ الفاضل المحقق العلامۃ سیدی امین الدین الشامی فی العقود الدریۃ ومنشوۃ عـہ ورود امر الامارۃ مع استثنائھا و اٰخرھی بدونہ کما ذکرہ ایضا فی رد المحتار بخلاف ما نحن فیہ فلا یقدر بمدۃ ولا یبتنی علی نھی و انما ھی حکم من الفقھاء الکرام قطعا لمادۃ الزور والتلبیس کما قد سمعت وھذا مما یستوی فیہ دعوی الارث وغیرہ ولذا رأیتھم مطلقین القول ھھنا من دون تخصیص ولا استثناء ولاجرم ان افتی بہ الرملی فی مسئلتین مسوقتین فی دعوی الارث کما قرأنا علیک فافھم و تثبت فان المقام مزلۃ الاقدام۔

پھر بڑی معرکہ آرائی میراث کے دعوٰی میں ہوئی بعض نے اس دعوٰی کو قابلِ سماعت قرار دیا اور بعض نے غیر مسموع قرار دیا جیسا کہ اس کی تفصیل فاضل محقق علامہ سیدی امین الدین شامی نے عقود الدریہ میں فرمائی اس اختلاف کا منشاء اور وجہ امیر کا حکم ہونا ہے کہ یہ حکم قابلِ استثناء ہے یا نہیں، جیسا کہ یہ بھی رد المحتار میں مذکور ہے، اس تفصیل کے برخلاف ہمارے زیرِ بحث مسئلہ میں تو نہ کوئی مدت مقررہ ہے اور نہ ہی یہ سرکاری حکم منع پر مبنی ہے بلکہ یہ فقہاءِ کرام کا اجتہادی حکم ہے جو کہ جھوٹ اور جعل سازی کے خاتمہ کے لئے ہے جیسا کہ آپ نے سنا، اور اس میں وراثت اور غیر وراثت کا دعوٰی مساوی ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں فقہاء نے مطلق قول فرمایا ہے جیسے تم نے دیکھا ہے کہ وہ یہاں نہ تخصیص کرتے ہیں اور نہ ہی استثناء کرتے ہیں، بہر حال رملی نے دعوٰی وراثت کے دو مسئلوں میں یہی فتوٰی دیا ہے جیسا کہ ہم نے آپ کو بیان کیا ہے، سمجھو اور ثابت قدم رہو کیونکہ پھسلنے کا مقام ہے۔

پس صورت مستفسرہ میں جبکہ موصی لہما نے جائداد میں اس قدر تصرفات کئے نصف ملتے ہی دے ڈالی اور لینے والے نے اوروں کے ہاتھ بیچی ادھر وہ آئی گئی فیصل ہوئی ادھر جو باقی رہی اس میں موصی لہما تحصیل تشخیص کرتے رہے، کچھ اس میں سے بھی جدا کی جس پر خریدار قابض متصرف ہوئے اس عرصہ تک یہ مدعی کیونکر اپنا حق چھوڑے بیٹھے رہے اور اپنی اس قدر جائداد کثیر کا زید و عمرو و من و تو کے ہاتھوں میں لوٹ پھیر جبکہ دیکھا، اگر فی الواقع یہ صاحبِ حق ہوتے تو کیونکر اس قدر مدت تک صبر کرتے، آخر نہ دیکھا کہ امام علامہ

عـہ فی الاصل ھکذا واظنہ انہ منشوہ ورود امر الامارۃ مع استثنائھا ۱۲ عبدہ۔

محمد بن عبداللہ غزی قدس سرہ الشریف نے تو کچھ اوپر تین برس گزرنے میں دعوٰی نامسموع ٹھہرایا یہاں تو چھ سال سے اونچے ہو چکے، بالجملہ اگر ایسی حالت میں ہندہ زندہ ہوتی اور خود دعوٰی کرتی تو اس کی بھی سُنی جاتی اب کہ اس کے مرنے کے بھی کئی سال بعد ان مدعیوں کو یاد آیا کہ ہندہ تو زینب کی بہن تھی اور ہم اس کے ہمشیرہ زاد اور وہ خواہر کہلاتی جاتی، ان کی بات پر کوئی بھی التفات نہ کیا جائے گا اور جائداد بدستور موصی لہا کے قبضہ میں رکھی جائے گی،

فی الفتاوی الخیریۃ فعلم بذلك ان الام لوکانت حیۃ ثم ادعت بعد ذلك لاتسمع دعواھا ومامنع المورث فی مثلہ منع الوارث بالاولٰی وفی الحاشیۃ الشامیۃ من لاتسمع دعواہ لمانع لاتسمع دعوی وارثہ بعدہ کمافی البزازیۃ وغیرھا انتہی[2]، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

فتاوٰی خیریہ میں ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ ماں اگر زندہ ہوتی پھر بعد میں دعوٰی کرتی تو اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا اور جہاں مورث کا دعوٰی مسموع نہ ہو تو وہاں وارث کا دعوٰی بطریق اولٰی نہ سنا جائے گا[1]، اور حاشیہ شامی میں ہے، جب مانع کی وجہ سے کسی کا دعوٰی مسموع نہ ہو تو اس کے بعد اس کے وارث کا دعوٰی وہاں مسموع نہ ہوگا اھ، جیسا کہ بزازیہ وغیرہ میں ہے انتہی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸

۲۲ ربیع الثانی شریف ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ مسمیان وجیہ الدین وکریم الدین پسران نظام الدین مالک مشترک بحصہ مساوی، ۱۰ بسوہ حقیت زمینداری موضع رچھا پرگنہ فریدپور کے تھے ۵ اپریل ۱۸۴۹ء کو وجیہ الدین احد الشریکین نے وفات پائی نجم النساء زوجہ صدق النساء مادر و نظام النساء ہمشیرہ حقیقی ذوی الفروض وکریم الدین برادر علاتی عصبہ، جملہ چار وارث شرعی چھوڑے، تاریخ ۱۵ ماہ مذکور کو صدق النساء مادر وجیہ الدین فوت ہوئی اس کی وارث مسماۃ نظام النساء دختر ہوئی اور ۱۱ ستمبر ۱۸۵۳ء کو کریم الدین نے قضا کی، مسماۃ بیگم زوجہ مسماۃ کنیز شیریں دختر ذوی الفروض و مسماۃ نظام النساء ہمشیرہ علاتی عصبہ وارث فوت ہوئے مگر تمام حقیت دیہہ مذکور پر قبضہ بطور خود بعوض دین مہر بیوگان مورثان کا رہا کہ ۱۸۷۳ء میں ۵ بسوہ حسب نالش نجم النساء کی تقسیماً علیحدہ ہوگئے اور ۵ بسوہ مسماۃ کنیز شیریں و بیگم نے بدست قربان علی

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۸۸

[2] رد المحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳۶

فروخت کر ڈالے اور ۱۸۷۶ء میں اول مسماۃ بیگم مری، اس کی وارث صرف مسماۃ کنیز شیریں دختر ہوئی ، بعدہٗ مسماۃ نظام النساء اعلیٰ درجہ کی حصہ دار اور جو بانتظار بیباقی دین مہر میں بیوگان کے قبضۂ جائداد سے دست کش تھی فوت ہوئی، اس کے وارث محمد عوض و کریم بخش نبیرگان شنار اللہ عم حقیقی متوفیہ بحق عصوبت ہوئے دین مہر مسماۃ نجم النساء کا ۱۸۷۰ء میں اور دین مہر مسماۃ بیگم کا ۱۸۸۲ء تک آمدنی جائداد سے ادا ہوگیا باوجود بیباق ہوجانے دین مہر کے نجم النساء نے منجملہ ۵ بسوہ کے ۳ بسوہ بدست مسماۃ بیگم زوجہ قربان علی مذکور اور بھاگی رتھ کے فروخت کر ڈالے اور ۲ بسوہ تمسک موسومہ مولچند میں مکفول کی کہ وہ بسوات مکفولہ بعلت ڈگری مطالبہ مذکور تاریخ ۲۰ مارچ ۱۸۸۸ء کو بخریداری ممتاز حسین پسر قربان علی نیلام ہوگئی بیکم اگست ۱۸۸۶ء کو محمد عوض و کریم بخش وارثان نظام النساء نے کل حق حقوق اپنا واقع ۱۰ بسوہ مذکور بدست مسماۃ الٰہی بیگم بیع کیا کہ بوجہ خریداری کے مشتریہ نے نالشات دیوانی میں دائر کرکے ڈگریات اثبات حق و دخل بقدر ۳ بسوہ کے بمقابلہ مسماۃ نجم النساء و نیز مشتریان اس کی کے علیحدہ علیحدہ حصہ دار حاصل کیں، بعد اس کے مسماۃ کنیز شیریں مہاجرہ حسب اتفاق بریلی آئی، ممتاز حسین مدعا علیہ نے ایک مختار نامہ عام مسماۃ کنیز شیریں سے اپنے حقیقی بھائی عاشق علی کے نام تحریر کرا لیا، چنانچہ عاشق علی مذکور نے بعد چلے جانے مسماۃ کنیز شیریں کے نالش منجانب کنیز شیریں بدیں بیان رجوع کی ہے کہ ۳ بسوہ ڈگری شدہ الٰہی بیگم پر بذریعہ وراثت وجیہ الدین کے مسماۃ کنیز شیریں کو رسدی حصہ ملے مدعا علیہا کو یہ عذر ہے کہ ۱۰ بسوہ متروکہ مورثان میں مسماۃ نجم النساء کو ا بسوہ ۵ بسوانسی اور مسماۃ کنیز شیریں کو مع مسماۃ بیگم کے ۲ بسوہ ۷ بسوانسی اور محمد عوض و کریم بخش مدعا علیہما کو ۵ بسوہ ۷ بسوانسی پہنچے تو جملہ حصہ داران نے کل حقوق اپنے فروخت کر ڈالے بقائم مقامی ان کے مشتریان مالک ہیں، اور بوجہ عدم شمول مسماۃ نظام النساء کے تقسیم و نیز بیع منجانب نجم النساء و نیز مسماۃ کنیز شیریں کے جہاں تک حصہ شرعی مشتریہ مدعا علیہا ہے کالعدم ہے اور بیع مستلزم تفریق حصص بائع ہے فقط بوجوہات معروضہ بالا کے شرعاً دعویٰ اجرائے توریث مدعیہ نسبت ۳ بسوہ مقبوضہ الٰہی بیگم مدعا علیہا کے قابل قبول ہے یا نہیں اور عذر مدعا علیہا کس قدر قابل لحاظ ہے؟ بحوالۂ کتب بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں کنیز شیریں کا دعویٰ محض باطل و بے بنیاد ہے، اس مسئلہ کی تحقیق میں چند امور تنقیح طلب جن کا حکم معلوم ہونے کے بعد باذن اللہ تعالیٰ خود ہی منکشف ہوجائے گا:

(۱) پانچ پانچ بسوہ کی تقسیم کہ نجم النساء نے کرائی صحیح ہے جس کے سبب ترکۂ وجیہ الدین میں حصۂ کنیز شیریں صرف اسی پٹی سے متعلق ہے جو نجم النساء کے ہاتھ میں تھی یا باطل اور اس کا حق دونوں پٹیوں میں شائع۔

(۲) بالتعان وغیر بالتعان جملہ ورثہ کے حصص متروکات میں کس کس قدر ہیں۔

(۳) بیعیں کہ نجم النساء وبیگم وکنیز شیریں وئیلام کنندگان نے کیں کہاں تک اثر رکھتی ہیں جس سے ظاہر ہو کہ مشتریوں کے ہاتھ میں کتنی حقیتیں اثر بیع سے محفوظ و قابل دعوٰی وارثان ہیں۔

(۴) ان محفوظ حقیتوں میں رسدی حصے کے حساب سے کنیز شیریں و الٰہی بیگم کا حق کس نسبت سے ہے۔

(۵) شرکتِ ملک میں ایک شریک کو دوسرے کے حق سے کتنا تعلق ہے، باقی رہا یہ کہ نجم النساء وبیگم و کنیز شیریں کی بیعیں کیا حالت رکھتی ہیں اور مشتریوں کو بوجہ تفریق صفقہ کیا کیا اختیار حاصل اور اس کے سوا اور امور متعلقہ معاملہ سے تعرض نہ کروں گا کہ یہ باتیں اس مسئلہ میں زیر بحث نہیں۔

اب بتوفیق اللہ تعالٰی ہر امر کا جواب لیجئے۔

تقسیم مذکور محض باطل و بے اثر ہے، **اوّلاً** نظام النساء اس میں شریک نہ کی گئی، ہدایہ میں ہے:

ظهر شريك ثالث لهما والقسمة بدون رضاه باطلة۔[1]	جب دو کے ساتھ تیسرا شریک ظاہر ہوجائے تو پھر اس کے بغیر تقسیم باطل قرار پائے گی۔(ت)

ثانیاً ظاہر ہے کہ نظام النساء کا حق وجیہ الدین وکریم الدین دونوں کے ترکہ میں بروجہ شیوع تھا تو الٰہی بیگم کہ بوجہ شراء اس کے ورثہ کے قائم مقام ہوئی دونوں حصص میں استحقاق شائع رکھتی ہے اور ایسا استحقاق بالاجماع باعث انتقاض تقسیم ہوتا ہے، عالمگیری میں ہے:

ان استحق جزء شائع من النصيبين انتقضت القسمة۔[2]	اگر دوحصوں کا استحقاق شائع جز یعنی ناقابلِ انقسام ہو تو وہ تقسیم ختم ہوجائے گی۔(ت)

پس ظاہر ہوا کہ یہ پٹیاں محض نامعتبر ہیں اور ترکہ میں وراثۃً خواہ شراءً جتنے حقدار ہیں سب کا حق بدستور مجموع ۱۰ بسوہ میں شائع یہاں تک کہ جو ذرہ زمین لیجئے اس میں سب کا استحقاق حصہ رسد ہے فان ھذا ھو معنی الشیوع کما نصوا علیہ قاطبۃ (کیونکہ شیوع کا معنٰی یہی ہے جیسا کہ فقہائے نے اس پر نص کی ہے۔ت)

تفصیل حصص: وجیہ الدین جس کا ترکہ صورت مذکورہ میں ۹۶ سے منقسم ہو کر یوں بٹا:

نجم النساء ۲۴، نظام النساء ۶۷، کنیز شیریں ۵ کما یظھر بالتخریج (جیسا کہ مسئلہ کی تخریج سے ظاہر ہے) اس کے پانچ بسوہ کی تقسیم یہ ہوئی:

نجم النساء: ۱ بسوہ ۵ بسوانسی، نظام النساء: ۳ بسوہ ۹ بسوانسی ۱۵ ۵/۶ کچوانسی،

---

[1] الہدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب العاشر فی القسمۃ یستحق الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۲۵

کنیز شیریں : ۵ بسوانسی ۴ ۱/۲ کچوانسی۔

اور کریم الدین جس کا ترکہ آٹھ سے تقسیم پاکر یوں پہنچا :

بیگم : ۱ ، کنیز شیریں : ۴ ، نظام النساء : ۳

اس کے پانچ بسوہ یوں منقسم ہوئے :

بیگم : ۱۲ بسوانسی ۱۰ کچوانسی ، کنیز شیریں : ۲ بسوہ ۱۰ بسوانسی ، نظام النساء : ۱ بسوہ ۱۷ بسوانسی ۱۰ کچوانسی۔

یہاں سے ظاہر ہے کہ ترکہ وجیہ الدین میں حصہ نظام النساء ۳ بسوہ ۱۰ بسوانسی گمان کرنا غلط تھا جس میں اس کے حق شرعی سے ۴ ۱/۲ کچوانسی کی زیادتی اور کنیز شیریں کے حق میں اسی قدر کی کمی کی گئی۔ بیع ہر شخص کی اپنی ہی ملک میں نافذ ہوتی ہے اور بیع ملک غیر بے اذن غیر اجازت پر موقوف رہتی ہے اگر نہ جائز رکھے باطل ہوجائے، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے :

اذا باع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالک[1]۔

جب بغیر اجازت کسی کے مال کو فروخت کیا ہو تو ہمارے نزدیک وہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی (ت)

اور مجرد سکوت یعنی بیع کی خبر پانا اور خاموش رہنا اجازت نہیں۔ عالمگیری میں ہے :

بلغ المالک ان فضولیا باع ملکہ فسکت لایکون اجازۃ[2]۔

مالک کو اطلاع ملی کہ ایک اجنبی نے اس کی ملکیت فروخت کردی ہے مالک خاموش رہا تو یہ اجازت نہ ہوگی۔ (ت)

اور بعد موت مالک اس کے ورثہ جائز نہیں کرسکتے، فتاوٰی خانیہ میں ہے :

اذا مات المالک لاینفذ باجازۃ الوارث[3]۔

جب مالک فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کی اجازت سے بیع نافذ نہ ہوگی۔

پس نجم النساء و بیگم و کنیز شیریں کی بیعیں اگر نافذ ہوئیں تو صرف انھیں کے حصوں یعنی ۱ بسوہ ۵ بسوانسی ۱۲ بسوانسی ۱۰ کچوانسی ۲ بسوا ۱۰ بسوانسی میں ہوئیں۔ عالمگیری میں ہے :

عبد بین رجلین غصبہ احدھما

ایک عبد دو مالکوں کی مشترکہ ملک تھا ان میں سے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۳

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

من صاجد فباعه بالف درھم و دفعه الی المشتری جاز البیع فی حصته[1]

ایک نے غصب کر کے فروخت کردیا اور مشتری سے ہزار درہم لے کر اس کو قبضہ دے دیا تو فروخت کرنیوالے کے اپنے حصہ میں بیع جائز ہوگی (ت)

اور بیع نیلام کا غیر نافذ ہونا تو اظہر من الشمس کہ جب نجم النساء اپنا حصہ بدست بیگم زوجہ قربان علی بیچ چکی تھی تواب جائداد میں اس کا کیا باقی تھا جو اس کے قرضہ میں نیلام کیا جاتا بہرحال نفاذ بیع انھیں تین حصوں یعنی مجموع ۱۰ بسوہ سے ۴ بسوہ ۷ بسوانسی ۱۰ کچوانسی تک محدود ہے باقی ۵ بسوہ ۱۲ بسوانسی ۱۰ کچوانسی نفاذ بیع سے محفوظ ہیں، دونوں ترکوں میں حصہ نظام النساء کی محفوظی تو ظاہر خواہ بیعیں اس کی حیات میں ہوئیں یا بعد کہ برتقدیر اول اس کے بے اجازت دئے انتقال کرنے اور برتقدیر ثانی اس بیع نے جو مالکوں یعنی محمد عوض و کریم بخش نے بدست الٰہی بیگم کی اگلی سب بیعوں کو جہاں تک ان کے حصوں سے متعلق نہیں باطل کردیا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البزازیۃ عن القاعدی طروالبات یبطل الموقوف اذا احدث لغیر من باشر الموقوف کما اذا باع المالك ما باعه الفضولی من غیر الفضولی ولو ممن اشتری من الفضولی اھ ملخصا۔[2]

بزازیہ میں قاعدی سے منقول ہے کہ قطعی فیصلے کا طاری ہونا موقوف بیع کو باطل کردیگا جب موقوف عمل کرنے والے کے غیر سے جدید بیع ہوجائے مثلاً فضولی نے جس چیز کو فروخت کیا اسی کو مالک نے کسی غیر فضولی کے پاس فروخت کردیا ہو اگرچہ یہ غیر وہی ہو جس کو فضولی نے فروخت کیا تھا اھ ملخصا (ت)

تو مجموع ۱۰ بسوہ سے ۵ بسوہ ۷ بسوانسی ۵ ۵/۷ کچوانسی ملک الٰہی بیگم ہوئیں۔ رہی کنیز شیریں اس نے اور اس کی ماں بیگم نے اگرچہ اپنی مقدار حصص سے بہت زائد یعنی ۵ بسوہ کی بیع کی مگر یہ بیع ان کے صرف انھی حصوں پر مقتصر رہی جو کہ ترکہ ذاتی کریم الدین سے انھیں ملی تھی نہ بدیں سبب کہ انھوں نے بعد تقسیم یہی پانچ بسوہ سے بیع کئے جو بالتعیین ترکہ کریم الدین فرض کرلئے گئے تھے کہ یہ فرض و تعیین تو شرعاً محض بیہودہ و بے معنی تھی کما اسلفنا (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ ت) بلکہ اس وجہ سے کہ انھیں صرف انھی حصص کی بیع مقصود تھی اور اسی قدر پر عقد وارد کیا کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) تو ۵ بسوانسی ۴ ۱/۲ کچوانسی کہ ترکہ وجیہ الدین سے انھیں پہنچیں ان کی بیع میں داخل نہ ہوئیں بلکہ غیر مالک یعنی نجم النساء خواہ نیلام کنندگان نے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۴۵

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۲

بے اذنِ مالکان بیچیں تو بیع اگر حیاتِ بیگم میں واقع ہُوئی تو بوجہ موت بلااجازت اس کے حصے یعنی البسوانسی ۵ کچوانسی میں باطل محض ہوگئی جسے کنیز شیریں بھی نافذ نہیں کرسکتی کما قدمنا عن الھندیۃ (جیسا کہ ہم پہلے ہندیہ سے نقل کرچکے ہیں۔ ت) اور اس کے بعد ہوئی تو مثل حصہ کنیز شیریں اجازت کنیز شیریں پر موقوف رہی جس کی تنفیذ و ابطال کا اختیار کنیز شیریں کو اب تک حاصل ہے۔

ولا تکون دعوٰنہا مسقطۃ لخیارھا ومعینۃ لابطال البیع کما حققہ المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر شرح الھدایۃ۔

اس کا دعوٰی اس کے خیار کو ساقط کرے گا نہ بطلانِ بیع کے لئے معاون ہوگا جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ (ت)

بہرطور مجموع ۱۰ البسوہ سے ۵ لبسوانسی ۴ ۱/۲ کچوانسی پر کنیز شیریں کو ہر طرح دعوٰی پہنچتا ہے۔

نسبت حصص ہماری تقریر سے واضح ہوگیا کہ ۱۰ البسوہ سے کس قدر حقیت کنیز شیریں والٰہی بیگم کے لئے محفوظ اور اس میں ہر ایک کا حق کتنا ہے، اب ان دونوں کے حصوں میں نسبت دریافت کرنے کے لئے بغرض تیسیر طریق سب کسور کو کسر اصغر یعنی سدس ۱/۲ کچوانسی کا ہمجنس کیجئے تو حصہ الٰہی بیگم ۵۰۷۵ ۱۶ ہے اور نصیب کنیز شیریں ۶۲۵ ۵ یہ دونوں توافق بخمس خمس خمس بجزء من مأتہ وخمسۃ وعشرین رکھتے ہیں اول کا وفق ۱۰۳ دوم کا پانچ تو حصہ کنیز شیریں کو حق الٰہی بیگم سے وہی نسبت ہوئی جو پانچ کو ۱۰۳ سے ہوتی ہے اسی سے ہر جزء جائداد میں ان کا رسدی حصہ معلوم ہوجائے گا یعنی بوجہ بطلان تقسیم وبقائے شیوع جائداد محفوظ ۵ لبسوہ ۲ البسوانسی ۱۰ اکچوانسی کا جو ٹکڑا جو ذرہ جہاں کہیں ہوگا اس کے ۱۰۸ اسہام سے ۵ سہم کنیز شیریں اور ۱۰۳ الٰہی بیگم کے ہیں۔

شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصے سے محض اجنبی ہوتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

شرکۃ ملک ان یتملک رجلان شیئا من غیر عقد الشرکۃ بینھما نحو ان یرثا مالا او یوھب لھما او یملکا بالشراء او الصدقۃ لایجوز لاحدھما ان یتصرف فی نصیب الاٰخر الا بامرہ وکل واحد منھما کالاجنبی فی نصیب صاحبہ ویجوز بیع احدھما نصیبہ بغیر اذنہ[۱] اھ ملتقطا۔

شرکتِ ملک یہ ہے کہ دو شخص کسی ایک چیز کے عقدِ شرکت کے بغیر مالک ہوجائیں مثلاً دونوں ایک چیز کے وارث ہیں یا ایک چیز دونوں کو ہبہ ہُوئی یا خریداری یا صدقہ کے ذریعہ ایک چیز کے مالک بنے تو اس میں دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا اور اپنے حصہ میں دونوں ایک دوسرے سے اجنبی ہیں لہذا ہر ایک اپنے حصہ میں دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف کرسکتا ہے اھ ملتقطا (ت)

---

[۱] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۰۱

تنویر الابصار میں ہے :

شرکة ملك وھی ان یملك متعدد عینا او دینا بارث او بیع او غیرھما وکل اجنبی فی مال صاحبه[1] الخ۔

شرکتِ ملک یہ ہے کہ متعدد اشخاص عین یا دین میں وراثت یا بیع یا کسی اور طرح مشترکہ مالک ہوجائیں اور ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہوگا الخ (ت)

تو ظاہر ہے کہ اگر ان میں ایک کسی غاصب پر دعوٰی کرکے اپنے مقدار حصہ میں اپنا اثبات ملک و استقرار حق کرائے تو اس ثبوت و استقرار میں دوسرے شریک کا ہرگز کوئی استحقاق نہیں آسکتا کہ جو سہام ایک کو پہنچتے ہیں دوسرے کا اس میں کیا حق ہے اس کے لئے اس کے سہام جُدا ہیں پس ایک کے تقرر حق میں مزاحم ہونا گویا بعینہٖ یہ کہنا ہے کہ تو اپنے سہام میں مجھے شریک کرلے اور اپنے خاص حق سے مجھے کچھ دے دے اس کے کوئی معنی نہیں، نہ ایسا دعوٰی قابلِ سماعت، ہاں اگر ایک شریک بے تقسیم شرعی ملکِ مشاع سے کسی معین ٹکڑے پر قبضہ کرلے تو بیشک دوسرے کا اس پر دعوٰی پہنچتا ہے کہ جب شیوع ہے ہر ہر ذرہ میں دونوں کا استحقاق ہے

فلا یقبض شیئا معینا الا وقد قبض ملك صاحبه مخلوطا مع ملك نفسه کما نص علیه فی الکتب جمیعا۔

تو کسی معین چیز کا قبضہ دوسرے کے حصہ پر مخلوط قبضہ کے بغیر اپنے حصہ پر نہ ہوسکے گا جیسا کہ تمام کتب میں اس پر تصریح ہے۔ (ت)

یا ایک شریک جھوٹا دعوٰی کرکے اپنے حق سے زیادہ میں اپنے لئے اثباتِ ملک کرالے تو بھی دوسرے کی مزاحمت بجا ہے کہ اس نے اس کے حق میں دست اندازی کی یدل علی کل ذٰلك فروع جمة مذکورة فی کتب المذھب (اس پر کتب مذہب میں مذکور کثیر فروعات دال ہیں۔ ت) غرض ان دو صورتوں کے سوا مجرد اثبات ملک استقرار حق میں دوسرے شریک کی مزاحمت محض بیہودہ و نامسموع ہے۔ جب یہ امور منقح ہولئے اور پُر ظاہر کہ یہاں احتمالِ صحتِ دعوٰی کی صورت اولٰے یعنی قبض شے معین مفرز تو واقع نہ ہُوئی کہ الٰہی بیگم نے ان ۸ بسوہ ۱۰ بسوانسی کا پٹی بانٹ کرا کر کوئی مستقل قبضہ بالتعین نہ کیا تو صرف صورت ثانیہ یعنی حق سے زیادہ اثبات ملک کرالینے کا دیکھنا باقی رہا اگر یہ ۳ بسوہ ۱۰ بسوانسی حق الٰہی بیگم سے زائد ہیں تو بیشک کنیز شیریں کو صرف قدر زائد میں اختیار مزاحمت ہے ورنہ اصلاً نہیں، مگر ہم تحقیق کر آئے کہ ترکہ وجیہ الدین و کریم الدین کی جُدائی جو اس تقسیم باطل کا حاصل تھی محض غلط ہے بلکہ وہ ساری جائداد جس طرح حیات ہر دو برادر میں مختلط و غیر منقسم تھی اب تک بدستور

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۰

اسی حالت پر ہے تو صرف ان ۵ بسووں میں جو نجم النساء کے ہاتھ میں تھے کنیز شیریں کا حق جاننا اور دوسری پٹی میں نہ ماننا محض غلطی ہے بلکہ حکم شیوع جو ٹکڑا جہاں کہیں ہے ہر ایک میں کنیز شیریں و الٰہی بیگم حصہ رسد شریک ہیں اب اگر اس فرضی جُدائی کو اصلاً نظر سے ساقط کیجئے جب تو نہایت ظاہر کہ الٰہی بیگم نے اپنے حق سے بہت کم میں اثبات ملک کرایا حق اس کا ۵ بسوہ ۱۰ بسوانسی ۵ ۵/۹ کچوانسی تھا اور ڈگری صرف ۳ بسوہ ۱۰ بسوانسی کی حاصل کی پھر کنیز شیریں اس کے حق خاص میں سے کس چیز کا صلہ مانگتی ہے۔ اور اگر یہ خیال کیجئے کہ گو تقسیم شرعی نہیں مگر دو ٹکڑے جدا جدا ہو لئے جن میں ایک پر قربان علی دوسرے پر اس کی زوجہ و پسر قابض ہوئے اور الٰہی بیگم نے بھی صرف ایک فریق پر دعوٰی کیا، تو اس نظر سے بھی دعوٰی الٰہی بیگم اس کے حصہ رسد سے کم ہے کہ اس پٹی میں بعد استثنائے حصہ نجم النساء کہ بدست بیگم زوجہ قربان علی بیع ہوا ۳ بسوہ ۵ بسوانسی حق الٰہی بیگم و کنیز شیریں ہیں انھیں بلحاظ نسبت مذکورہ ۲۰۰ پر تقسیم کیجئے تو حاصل قسمت ۱۳ ۵/۹ کچوانسی ہے جسے ۵ میں ضرب دینے سے ۳ بسوانسی ۹ ۴/۹ کچوانسی ہوتی ہیں اسی قدر رسدی حصہ کنیز شیریں ہے اور باقی ۳ بسوہ ۱۱ بسوانسی ۱۰ ۵/۹ کچوانسی حق الٰہی بیگم تھے جس میں اس نے تین بسوہ دس بسوانسی میں اپنی ملک ثابت کرائی تو کنیز شیریں کے حق میں کون سی مزاحمت کے دعوٰی کنیز شیریں کا حاصل یہ ہے کہ اس قدر بھی تیری ملک نہیں یا اگرچہ تیری ملک ہے مگر اس میں سے کچھ مجھے واپس دے حالانکہ اس سے زائد اس کی ملک ہے اور ملک غیر پر دعوٰی کرنا محض بے معنٰی، اور اگر ان سب تحقیقاتِ نفیسہ سے قطع نظر کیجئے اور خواہی نخواہی مان ہی لیجئے کہ تقسیم مذکور صحیح تھی اور یہی ۵ بسوہ بالتعیین ترکہ وجیہ الدین تھے اور خاص انھیں میں استحقاق کنیز شیریں ہے تاہم اس تقدیر باطل پر بھی دعوٰی کنیز شیریں کہ حصہ رسدی پاؤں کوئی معنٰی نہیں رکھتا رسدی حصہ کا تو یہ حاصل کہ جس قدر پر الٰہی بیگم نے ڈگری پائی یہ اور وہ ۵ بسوانسی کہ باقی رہیں دونوں ٹکڑوں میں الٰہی بیگم و کنیز شیریں اپنے اپنے حصوں کی نسبت سے شریک ہیں بحساب اربعہ متناسبہ اس مقدار ڈگری شدہ میں جو کچھ حصہ کنیز شیریں نکلے اب ملے باقی حصہ الٰہی بیگم ہو اور ۵ بسوانسی میں دونوں کا دعوٰی رہے حالانکہ اس تقدیر باطل پر الٰہی بیگم جس قدر ترکہ وجیہ الدین سے استحقاق رکھتی تھی اس سے ۴ ۱/۶ کچوانسی زیادہ کی ڈگری پاچکی کما یظھر مما اسلفنا بیانہ (جیساکہ ہمارے پچھلے بیان سے ظاہر ہے۔ت) تو رسدی حصہ مانگنے کے کیا معنٰی بلکہ قدر زائد یعنی ۴ ۱/۶ کچوانسی کا دعوٰی کرنا تھا، غرض ساری غلطی کا منشا یہ ہے کہ کنیز شیریں یعنی اس کے مختار عام نے اثبات ملک و استقرار حق کرانے کو بالتعیین ایک پارہ معینہ مفرزہ منقسم پر قبضہ کرلینا سمجھا ہے حالانکہ ان کا بدیہی فرق ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہے، پس یہ نہایت وضوح روشن ہوگیا کہ کنیز شیریں کا دعوٰی اصلاً وجہ صحت و قابلیت سماعت نہیں رکھتا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

مسئلہ ۲۹ ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ذی مقدور تھا اس نے اپنی بیوی کو اپنی حیات میں زیور طلائی اور نقرئی بنادیا وہ اس کے مہر میں متصور کیا جائے گا یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عرف عام وشائع ہمارے بلاد میں یہ ہے کہ عورتوں کا مالک کردینا نہیں ہوتا بلکہ شوہر ہی کی ملک سمجھا جاتا ہے جب تک صراحۃً یا دلالۃً شوہر کی جانب سے تملیک ظاہر نہ ہو،

ومعلوم ان الدفع الیھن یحتمل التملیک والعاریۃ والعاریۃ اولٰی فھی الثابتۃ مالم یدل علٰی خلافھا۔

یہ واضح بات ہے کہ ان کو دینے میں تملیک اور عاریۃ دونوں احتمال ہیں تو جب تک عاریۃ کے خلاف دلیل موجود نہ ہو تو عاریۃ ہونا ثابت ہوگا۔ (ت)

البتہ وہ استعمال میں عورتوں ہی کے رہتا ہے مگر اس سے ملکِ زناں ثابت نہیں ہوتی۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار وعقود الدریہ میں ہے:

لایکون استمتاعھا بمشریہ ورضاہ بذلک دلیلا علی انہ ملکھا ذلک کما تفھمہ النساء والعوام وقد افتیت بذلک مرارا۔

خاوند کی خریدی ہوئی چیز سے فوائد حاصل کرنا اور اس پر خاوند کا راضی ہونا بیوی کی ملکیت کی دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ عورتیں اور عوام سمجھے ہوتے ہیں میں نے متعدد بار اس پر فتوٰی دیا ہے۔ (ت)

پس اگر گواہانِ عادل شرعی سے عورت کو اس زیور کا مالک کردینا نہ ثابت ہو تو وہ بدستور ملکِ شوہر پر ہے اس کا متروکہ ٹھہر کر سب ورثہ پر حسبِ فرائض منقسم ہوگا اور اگر ثابت ہو کہ شوہر نے عورت کو اس زیور کا مالک کردیا تھا تو بیشک وہ تنہا عورت کی ملک ہے، اب اس صورت میں اگر شوہر نے تصریح کی تھی کہ یہ تیرے مہر میں دیتا ہوں تو اس قدر مہر سے مجرا ہوگا اور اگر مہر کے سوا اور کسی جہت کی تصریح کی تھی مثلاً کہا یہ زیور میں نے تجھے احساناً دیا یا ہبہ کیا تو ہرگز مہر میں محسوب نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

بعث الی امرأتہ شیئا ولم یذکر جھۃ عندالدفع غیرجھۃ المھر کقولہ شمع اوحناثم قال انہ من المھر

خاوند نے بیوی کو کوئی چیز دیتے ہوئے مہر یا کوئی اور وجہ ذکر نہ کی مثلاً اس نے چراغ یا مہندی کے لئے کہا اور پھر کہا کہ یہ مہر کے طور پر دی ہے تو

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵

لم يقبل قنية، لوقوعه هدية فلا ينقلب مهراً[1] اھ ملخصاً۔

خاوند کی بات نہ مانی جائیگی (قنیہ)، کیونکہ وہ ہدیہ بن چکا ہے تو اب مہر میں تبدیل نہ ہوسکے گا اھ ملخصاً (ت)

اور اگر صرف تملیک معلوم ہوئی اور یہ کچھ نہ ثابت ہوا کہ مہر میں دیا تھا یا مہر سے جدا اور زوجہ کو مہر سے الگ دینے کا دعوٰی ہے اور دیگر ورثہ مہر میں دینا بیان کرتے ہیں تو دیگر ورثہ کا قول ان کی قسم کے ساتھ مقبول ہوگا جب تک عورت گواہان عادل سے نہ ثابت کرادے کہ مجھے مہر سے جدا اس کا مالک کیا وہ زیور مہر ہی ٹھہرے گا۔

تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

لو بعث الى امرأته شيئا ولم يذكر المهر ولا غيره فقالت هو هدية وقال هو من المهر او عارية فالقول له بيمينه والبينة لها في غير المهياء للاكل[2] اھ ملخصة۔

جب خاوند نے بیوی کو کوئی چیز بھیجی اور مہر وغیرہ کا کوئی ذکر نہ کیا تو بیوی کہتی ہے یہ ہدیہ ہے اور خاوند کہتا ہے یہ مہر تھا یا عاریتاً تھا، تو خاوند کی بات قسم لے کر مان لی جائے گی اور عورت کی بات گواہی کے ساتھ مانی جائے گی، یہ صورت کھانے پینے والی چیزوں میں نہ ہوگی اھ ملخصاً (ت)

خیریہ میں ہے:

سئل فيما اذا بعث شيئا من جنس النقدين او مما لا يتسارع اليه الفساد ثم اختلفا فقال الزوج انما بعثته ليحسب من المهر وقالت هو هدية هل القول قوله ام قولها اجاب القول قوله كما صرح به قاضيخان وغيره يعني بيمينه معللا بانه المملك وهو اعرف بجهة التمليك[3] اھ ملخصا۔

سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو نقد درہم و دینار یا ایسی چیز جو جلد خراب نہ ہونے والی ہو، بھیجی، پھر دونوں کا اختلاف ہوا۔ خاوند کہتا ہے کہ یہ مہر کے حساب میں تھی اور بیوی کہتی ہے یہ ہدیہ ہے، تو کیا خاوند کی بات مانی جائے گی یا بیوی کی؟ تو جواب دیا کہ خاوند کی بات قسم لے کر مانی جائے گی جیسا کہ قاضیخان نے یہ تصریح کی ہے اس وجہ سے کہ خاوند دینے والا ہے تو وہی تملیک کی وجہ بہتر جانتا ہے اھ ملخصاً (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

---

[1] درمختار | کتاب النکاح | باب المہر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۲۰۳
[2] " | " | " | " | ۱/ ۲۰۳
ردالمحتار | " | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۳۶۳
[3] فتاوٰی خیریہ | " | " | دارالمعرفۃ بیروت | ۱/ ۲۹

الوارث لقیامہ مقام مورثہ فیصدق فی جھۃ التملیک فصولین مما یکون القول فیہ للمملک[1] اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔

وارث چونکہ مورث کے قائم مقام ہے اس لئے جہت تملیک کے بیان میں اس کی تصدیق کی جائے گی، جامع الفصولین، وہاں جہاں مالک بنانے والے کی بات مانی جاتی ہو اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰: ۸ رشعبان ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے مسماۃ ہندہ میری زوجہ نے مرتے وقت مجھے اپنا مہر بمواجہہ چار عورتوں کے معاف کردیا وارثانِ ہندہ نے جوان عورتوں سے دریافت کیا ان میں سے دو نے محض انکار کیا، ایک کا بیان مذبذب رہا، چوتھی سے ابھی پُوچھنے کی نوبت نہ آئی، ایسی حالت میں شرع شریف ایسی گواہیوں پر معافیِ مہر کا حکم دیتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

نہ مذبذب بیان مسموع اذ لاشہادۃ الاعن علم (کیونکہ شہادت بغیر علم نہیں ہوتی۔ ت) نہ یہاں ایک کی گواہی معتبر اگرچہ مرد ہو لاشتراط العدد نصا (گواہوں کی تعداد مشروط ہونے پر نص ہے۔ ت)، نہ تنہا عورتوں کی شہادت مقبول اگرچہ دو چار ہوں کما نص علیہ القراٰن العزیز (جیسا کہ اس پر قرآن عزیز نے نص فرمائی ہے۔ ت) نہ وارث کے لئے مرض موت کی معافی بے اجازت دیگر ورثہ نافذ ہوسکے،

لانہ فی حکم الوصیۃ ولا وصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

وارث کے لئے وصیت نہیں مگر جہاں باقی ورثاء جائز تسلیم کرلیں، کیونکہ یہ معاملہ وصیت کے حکم میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱: از کلانور ضلع گورداسپور مرسلہ شیخ مراد علی صاحب آنریری مجسٹریٹ ۲۵ شوال ۱۳۱۰ھ

حضرتِ من مولٰنا فیاض دارین جناب مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب خاص مقیم بریلی زاد اللہ فیضانہ۔ بعد السلام علیکم وتمنائے زیارت قدمین شریف کے التماس ہے کہ ایک صورت مسئلہ کی عرض کیا چاہتا ہے، جناب اس کے مقابلہ میں تحریر مسئلہ کی فرمائیں، ایک شخص کا ایک قبیلہ یعنی عورت زوجہ اور ایک اس زوجہ کا فرزند ہے اس کے سوا اس شخص کا دوسرا زوجہ ہے اس کا بھی ایک فرزند ہے اور دو دختر ہیں اس شخص نے بخاطر زوجہ ثانی کے اول قبیلہ کے فرزند کو محروم الارث کرنا چاہتا ہے اور اس کی والدہ کو اخراجات

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۸و ۱۹

دینے سے دست بردار ہے اور جس فرزند اول قبیلہ کو محروم کرنا چاہتا ہے بالغ اور جوان ہے ابتدا میں یہ اپنے باپ کے ساتھ کمانے میں بصورت تجارت کے شامل رہا اور پورا مددگار، پھر کچھ عرصہ علیحدہ ہو کر چند سال نوکری میں مصروف رہا بحالت نوکری اس کے باپ نے بہت خواہش سے نوکری سے جُدا کردیا، وجہ اس کا یہ ہے کہ اس شخص کے باپ کے زراعت کا کام بہت ہے اور ماسوا اس کے تنازعات اس کے لوگوں کے ساتھ بہت رہتے ہیں، جب وہ نوکری سے بموجب خواہش باپ کے الگ ہوا تو مقابلہ بھی لوگوں سے کرتا رہا، غرض اس نے کل کارروائی باپ کی کو بخوبی انجام دیا، باپ الگ ایک جگہ دوسرے شہر میں دکانداری کرتا رہا، باپ نے پیداوار زمینداری سے جو زیر اہتمام اس فرزند کے تھا چہارم حصہ پیداوار کا بلا خرچہ (خرچہ اپنے ذمہ رکھ کر) دیتا گیا، کچھ عرصہ تک وفا کیا اب بالکل بپاس خاطر زوجہ دوسری کے اور اس زوجہ کے فرزندان اور دختران کے پہلے قبیلہ اور اس کے فرزند بالغ کو جواب دے دیا اور اپنی خدمات سے الگ کردیا، اب اس کے پاس کوئی اثاثہ نہیں ہے اور نہ توفیق ہے کہ باہر جا کر تلاش نوکری کی کرے، باپ کے قبضہ میں دو قسم کی جائداد ہے ایک وہ جو جدی ہے دوسری وہ جو بشمولیت اس فرزند بالغ کے خود پیدا کیا ہے، اس کے بارہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے کہ آیا فرزند بالغ کچھ لے سکتا ہے کہ نہیں؟ اور اگر باپ محروم کرنا چاہے تو ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

تجارت زراعت وغیرہا جس کام میں فرزند نے اپنے باپ کی اعانت و مددگاری کے طور پر کچھ کمایا وہ صرف ملکِ پدر ہے یعنی جب تک اس کا خورد و نوش ذمۂ پدر تھا اور اپنا کوئی ذاتی مال وکسب جداگانہ نہ رکھتا تھا بلکہ اسے حرفت وکسب پدری میں جس طرح سعید بیٹے اپنے باپ کی اعانت کرتے اور اسے کام کی تکلیف سے محفوظ رکھتے ہیں اس کا معین و مددگار رہتا تھا تو جو کچھ ایسی وجہ وحالت میں کمایا سب باپ کا ہے جس میں بیٹے کے لئے کوئی حق ملک نہیں، فتاوٰی خیریہ پھر عقود الدریہ میں ہے:

حیث کان من جملۃ عیالہ والمعینین لہ فی امورہ واحوالہ فجمیع ما حصلہ بکدہ وتعبہ فھو ملک خاص لابیہ لاشیئ لہ فیہ حیث لم یکن لہ مال ولو اجتمع لہ بالکسب جملۃ اموال لانہ فی ذٰلک لابیہ معین حتی لو غرس

جب وہ والد کی عیال میں ہے اور والد کے معاونین میں سے ہے تو ایسی صورت میں والد کے امور اور احوال میں جو بھی اس کی محنت وکاوش سے حاصل ہوگا وہ خاص والد کی ملکیت ہوگا اس میں اس کے بیٹے کا مال نہ ہونے کی صورت میں کوئی ملکیت نہ ہوگی اگرچہ اس بیٹے کی محنت سے بہت سے اموال جمع ہوئے ہوں کیونکہ وہ اس میں والد کا معاون ہے

شجرة فی هذه الحالة فهی لابیه نص علیه علماؤنا رحمهم اللّٰه تعالٰی۔[1]

حتی کہ اگر وہ کوئی پودا لگائے تو اس حالت میں پودا والد کا ہوگا، اس پر ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے تصریح فرمائی ہے (ت)

اور جو کچھ مال اس کے سوا پیدا کیا یعنی اس زمانہ میں کہ اس کا خورد و نوش باپ سے جدا تھا یا اپنے ذاتی مال سے کوئی تجارت کی یا کسبِ پدری سے الگ کوئی کسب خاص مستقل اپنا کیا جیسے صورتِ مستفسرہ میں نوکری کا روپیہ یہ اموال خاص بیٹے کے ٹھہریں گے۔ خیریہ و عقود میں ہے:

سئل فی ابن کبیر ذی زوجة وعیال له کسب مستقل حصل بسببه اموالا ھل ھی لوالدہ اجاب ھی للابن حیث له کسب مستقل واما قول علمائنا یکون کله للاب فمشروط کما یعلم من عباراتھم بشروط منھا اتحاد الصنعة وعدم مال سابق لھما وکون الابن فی عیال ابیه فاذا عدم واحد منھا لایکون کسب الابن للاب وانظر الی ما عللوا به المسألة ان الابن اذا کان فی عیال الاب یکون معینا له فمدار الحکم علی ثبوت کونه معینا له فیه فاعلم ذٰلک[2] اھ ملخصًا۔

ایسے جوان شادی شدہ عیالدار بیٹے جس کا اپنا مستقل کاروبار ہے اور کاروبار میں اموال حاصل ہوئے، کے متعلق سوال ہوا کہ کیا یہ اموال اس بیٹے کی ملک ہوں گے یا والد کے ہوں گے، جواب دیا کہ بیٹے کی ملک ہیں جبکہ یہ بیٹے کا اپنا مستقل کاروبار ہے ہمارے علماء کرام کا یہ ارشاد کہ وہ تمام والد کا ہے ان کا یہ ارشاد چند شرطوں سے مشروط ہے جیسا کہ ان کی عبارات سے معلوم ہے ان شرائط میں سے بعض یہ ہیں کہ باپ بیٹے کا کام ایک ہو، بیٹے کا پہلے سے اپنا مال نہ ہو، بیٹا باپ کے عیال میں شامل ہو تو ان شرائط میں سے جب کوئی شرط مفقود ہو تو بیٹے کی کمائی والد کے لئے نہ ہوگی، مسئلہ کے بیان میں علماء کی ذکر کردہ علت پر غور کرنا چاہئے انھوں نے فرمایا: جب بیٹا باپ کی عیال میں شامل ہو اور اس کا معاون ہو تو حکم کا مدار اس پر ہے کہ وہ اس میں باپ کا معاون ہو، یہ معلوم ہونا ضروری ہے اھ ملخصا۔ (ت)

مگر جو چہارم حصہ پیداوار میں باپ نے اسے دینا کہا تھا اس کا دعوٰی اسے کسی حالت میں نہیں پہنچتا کہ اگر وہ کہنا محض بطور وعدہ و احسان تھا اور غالب یہی ہے جب تو ظاہر کہ لاجبر فی التبرع (تبرع میں جبر نہیں۔ ت) اور اگر بروجہ معاوضہ محنت و عقد اجارہ تھا تو جہالت اجر و فساد اجارہ سے قطع نظر بیٹے کو

---

[1] و [2] العقود الدریة کتاب الدعوی حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۷

اپنے کام کی اجرت باپ سے لینی جائز نہیں، نہ اس کی خدمت پر اجیر بن سکتا ہے کہ خدمت پدری طاعتِ الٰہی ہے اور طاعات پر اجارہ ناجائز، علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار کتاب الفرائض میں فرماتے ہیں:

الولد اذا أجر نفسه لوالده ليخدمه و كذا المرأة اجرت نفسها من زوجها لتخدمه لم يجز لان خدمتها تقع صلة للزوج فصارت مستحقة فلم تجز الاجارة[1] اھ ملخصا۔

جب بیٹے نے اپنے آپ کو والد کا یا بیوی نے اپنے آپ کو خاوند کا مزدور بنایا تاکہ یہ ان کی خدمت کرسکیں تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ خدمت خاوند کے لئے صلہ ہے لہذا وہ اس خدمت کا حقدار ہے تو اجارہ جائز نہ ہوگا اھ ملخصا (ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی امام قاضیخان سے ہے:

الاب اذا استاجر ابنه البالغ فعمل الابن لا اجر له[2]

باپ جب اپنے بالغ بیٹے کو اجیر بنائے اور بیٹا کام کرے تو بیٹے کو اجرت نہ ملے گی۔ (ت)

رہا باپ کا اسے اپنی میراث سے محروم کرنا وہ اگر یُوں ہو کہ زبان سے لاکھ بار کہے کہ میں نے اسے محروم الارث کیا یا میرے مال میں اس کا کچھ حق نہیں یا میرے ترکہ سے اسے حصہ نہ دیا جائے یا خیال جہال کا وہ لفظ بے اصل کہ میں نے اسے عاق کیا یا انھیں مضامین کی لاکھ تحریریں لکھ کر رجسٹریاں کرائے یا اپنا کل مال اپنے فلاں وارث یا کسی غیر کو ملنے کی وصیت کرجائے ایسی ہزار تدبیریں ہوں کچھ کارگر نہیں، نہ ہرگز وہ ان وجوہ سے محجوب الارث ہوسکے کہ میراث حق مقرر فرمودہ رب العزۃ جل وعلا ہے جو خود لینے والے کے اسقاط سے ساقط نہیں ہوسکتا بلکہ جبراً دلایا جائے گا اگرچہ وہ لاکھ کہتا رہے مجھے اپنی وراثت منظور نہیں میں حصہ کا مالک نہیں بنتا میں نے اپنا حق ساقط کیا پھر دوسرا کیونکر ساقط کرسکتا ہے،

قال الله تعالٰی یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین[3]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی تمھیں اولاد کے متعلق وصیت فرماتا ہے بیٹے کو دو بیٹیوں کا حصہ ہے (ت)

اشباہ میں ہے:

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۷
[2] خزانۃ المفتین کتاب الاجارۃ قلمی نسخہ ۲/ ۱۶۲
[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

لوقال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه[1]

اگر وارث کہے میں نے اپنا حصہ چھوڑا تو اس سے اس کا حق باطل نہ ہوگا۔ (ت)

غرض بالمقصد محروم کرنے کی کوئی سبیل نہیں، ہاں اگر حالتِ صحت میں اپنا مال اپنی مِلک سے زائل کردے تو وارث کچھ نہ پائے گا کہ جب ترکہ ہی نہیں تو میراث کا ہے میں جاری ہو مگر اس قصد ناپاک سے جو فعل کریگا عند اللہ گنہگار و ماخوذ رہے گا۔ حدیث میں ہے حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فرمن میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیٰمۃ۔ رواہ ابن ماجۃ[2] عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو اپنے وارث کو اپنا ترکہ پہنچنے سے بھاگے اللہ تعالٰی روزِ قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے۔ (اسے ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ت)

یُونہی ایک زوجہ کے پیچھے دوسری کی خبرگیری نہ کرنی دوہرا گناہ اور بنصِ قرآن حرام قطعی ہے۔ حدیث میں ہے حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا کانت عندہ امرأتان فلم یعدل بینھما جاء یوم القیٰمۃ وشقہ ساقط۔ رواہ الترمذی[3] وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جس کے دو بیبیاں ہوں اور وُہ انھیں برابر نہ رکھے قیامت کے دن اس حال پر آئے کہ اس کی ایک طرف کی کروٹ گری ہوئی ہو (اسے ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲ تا ۳۵: از بلگرام شریف ضلع ہردوئی محلہ سلکھرہ مرسلہ حضرت سید محمد زاہد صاحب ۴ جمادی الآخر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائلِ ذیل میں:

(۱) زید کہ ایک علاقہ کا حاکم وقت کی جانب سے مہتمم مقرر ہے بذاتِ خود حاکم نہیں ہے کہ کوئی حکم یا فیصلہ قطعی کرسکتا ہے تو ایسی صورت میں اگر بکر جو اسی علاقہ میں رہتا ہے بغیر کسی خواہش و دباؤ کے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۶۰

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[3] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۶

بموجب رواج یا اخلاق انسانی کے زید کی دعوت کرے یا کوئی تحفہ کسی قسم کا پیش کرے تو اس کا لینا داخلِ رشوت ہے یا نہیں اور جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) زید بحکم حاکم وقت کے تحقیقات کے واسطے اسی علاقہ میں جس کا وہ مہتمم ہے کسی فریق کے مکان پر جائے یا بصورت نہ ہونے فریق ثانی بمقابلہ حاکم کے تحقیقات بکر کو جائے اس وقت کھانا کھلانا بکر کا یا معمولی تحفہ پیش کرنا اور زید کو اس کا قبول کرنا داخلِ رشوت و ناجائز ہوگا یا جائز درحالیکہ بغیر خدمت گزاری بکر کے بھی زید کا طریقِ عمل یکساں ہے۔

(۳) بخلاف ہر دو دفعات کے اگر زید حاکم مختار و فیصلہ قطعی کر سکتا ہے تو زید کو اپنے حدود علاقہ کے اندر دعوت و تحفہ کا قبول کرنا کیسا ہے، جائز یا ناجائز؟

(۴) جس حالت میں زید کے طریقِ عمل سے بکر واقف ہو جائے کہ دعوت و تحفہ سے زید میرے حق میں کچھ رعایت نہ کرے گا اپنے طریق عمل پر پورا قائم رہے گا اور باوجود اس عمل کے نمبر ا و ۲ کا برتاؤ کرے تو جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

جو شخص بذاتِ خود خواہ از جانب حاکم کسی طرح کا قہر و تسلط رکھتا ہو جس کے سبب لوگوں پر اس کا کچھ بھی دباؤ ہو اگرچہ وہ فی نفسہ ان پر جبر و تعدی نہ کرے دباؤ نہ ڈالے اگرچہ وہ کسی فیصلہ قطعی بلکہ غیر قطعی کا بھی مجاز نہ ہو جیسے کوتوال، تھانہ دار، جمعدار یا دیہاتیوں کے لئے زمیندار مقدم پٹواری یہاں تک کہ پنچایتی قوموں یا پیشوں کے لئے ان کا چودھری، ان سب کو کسی قسم کے تحفہ لینے یا دعوتِ خاصہ (یعنی وہ دعوت کہ خاص اسی کی غرض سے کی گئی ہو کہ اگر یہ شریک نہ ہو تو دعوت ہی نہ ہو) قبول کرنے کی اصلاً اجازت نہیں مگر تین صورتوں میں، اول اپنے افسر سے جس پر اس کا دباؤ نہیں، نہ وہاں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی طرف سے یہ ہدیہ و دعوت اپنے معاملات میں رعایت کرانے کے لئے ہے۔ دوم ایسے شخص سے جو اس کے اس منصب سے پہلے بھی اسے ہدیہ دیتا یا دعوت کرتا تھا بشرطیکہ اب سے اسی مقدار پر ہے ورنہ زیادت روا نہ ہوگی مثلاً پہلے ہدیہ و دعوت میں جس قیمت کی چیز ہوتی تھی اب اس سے گراں قیمت پر تکلف ہوتی ہے یا تعداد میں بڑھ گئی یا جلد جلد ہونے لگی کہ ان سب صورتوں میں زیادت موجود اور جواز مفقود، مگر جبکہ اس شخص کا مال پہلے سے اس زیادت کے مناسب زائد ہو گیا ہو جس سے سمجھا جائے کہ یہ زیادت اس شخص کے منصب کے سبب نہیں بلکہ اپنی ثروت بڑھنے کے باعث ہے۔ سوم اپنے قریب محارم سے، جیسے ماں باپ اولاد بہن بھائی نہ چچا ماموں خالہ پھوپھی کے بیٹے کہ یہ محارم نہیں اگرچہ عرفاً انھیں بھی بھائی کہیں۔ محارم سے مطلقاً اجازت ظاہر عبارت قدوری پر ہے ورنہ امام سغناقی نے نہایہ

پھر امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اسے بھی صورت دوم ہی میں داخل فرمایا کہ محارم سے بھی ہدیہ و دعوت کا قبول اسی شرط سے مشروط کہ پیش از حصول منصب بھی وہ اس کے ساتھ یہ برتاؤ برتتے ہوں مگر یہ کہ اسے یہ منصب ملنے سے پہلے وہ فقرا تھے اب صاحبِ مال ہوگئے کہ اس تقدیر پر پیش از منصب عدم ہدیہ و دعوت بربنائے فقر سمجھا جائے گا اور فی الواقع اظہر من حیث الدلیل یہی نظر آتا ہے کہ جب باوصف قدرت پیش از منصب عدم یا قلت و بعد منصب شروع یا کثرت بربنائے منصب ہی سمجھی جائے گی اس تقدیر پر صرف دو ہی صورتیں مستثنیٰ رہیں پھر بہر حال جو صورت مستثنیٰ ہوگی وہ اسی حال میں حکم جواز پاسکتی ہے جب اس وقت اس شخص کا کوئی کام اس سے متعلق نہیں ورنہ خاص کام پڑنے غرض متعلق ہونے کے وقت اصلاً اجازت نہیں خواہ وہ افسر ہو یا بھائی یا پہلے سے ہدیہ وغیرہ دینے والا بلکہ ایسے وقت عام دعوت میں شریک ہونا بھی نہ چاہئے نہ کہ خاص، پھر جہاں جہاں ممانعت ہے اس کی بنا صرف تہمت و اندیشہ رعایت پر ہے حقیقۃً وجود رعایت ضرور نہیں کہ اس کا اپنے عمل میں کچھ تغیر نہ کرنا یا اس کا اس کی عادت بے لوثی سے آگاہ ہونا مفید جواز ہو سکے۔ دنیا کے کام امید ہی پر چلتے ہیں، جب یہ دعوت و ہدایا قبول کیا کرے گا تو ضرور خیال جائے گا کہ شاید اب کی بار کچھ اثر پڑے کہ مفت مال دینے کی تاثیر مجرب و مشاہد ہے اس بار نہ ہوئی اس بار ہوگی، اس بار نہ ہوئی پھر بھی ہوگی، اور یہ حیلہ کہ اس کا ہدیہ و دعوت بربنائے اخلاق انسانیت ہے نہ بلحاظ منصب، اس کا رَد خود حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرما چکے ہیں، جب ایک صاحب کو تحصیلِ زکوٰۃ پر مقرر فرماکر بھیجا تھا انھوں نے اموالِ زکوٰۃ حاضر کئے اور کچھ مال جدا رکھے کہ یہ مجھے ملے ہیں فرمایا اپنی ماں کے گھر بیٹھ کر دیکھا ہوتا کہ اب کتنے تحفے ملتے ہیں یعنی یہ ہدایا صرف اسی منصب کی بنا پر ہیں اگر گھر بیٹھا ہوتا تو کون آکر دے جاتا، اس مسئلہ کی تفاصیل میں اگرچہ کلام بہت طویل ہے مگر یہاں جو کچھ مذکور ہوا بعونہٖ تعالٰی خلاصہ تنقیح و صالح تحویل ہے،

فی الدرالمختار ویرد ھدیۃ التنکیر للتقلیل وھی ما یعطی بلا شرط اعانۃ بخلاف الرشوۃ الا من اربع السلطان والباشا وقریبہ المحرم او ممن جرت عادتہ بذٰلک بقدر عادتہ ولا خصومۃ لھما و یرد دعوۃ خاصۃ

درمختار میں ہے وہ ہدیہ کو رَد کردے۔ ہدیہ کی تنکیر قلت کے لئے، اور ہدیہ وہ ہے کہ اس کو اعانت کی شرط کے بغیر دیا جائے بخلاف رشوت کہ اس میں اعانت کی شرط ہوتی ہے۔ قاضی صرف چار حضرات سے ہدیہ وصول کرسکتا ہے بادشاہ، گورنر، اپنے قریبی محارم، اور جس سے پہلے وصول کی عادت جاری تھی وہ بھی عادت کے مطابق، بشرطیکہ آخری دونوں کا

وھی التی لایتخذھا صاحبہا لو لاحضورالقاضی ولا یجیب دعوۃ خصم ولو عامۃ للتھمۃ[1] اھ ملخصا، وفی ردالمحتار الاصل فی ذٰلک مافی البخاری عن ابی حمید الساعدی قال استعمل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا علی الصدقۃ فلما قدم قال ھذا لکم وھذا لی قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھلا جلس فی بیت ابیہ او بیت امہ فینظر ایھدی لہ امرلا وتعلیل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دلیل علی تحریم الھدیۃ التی سببہا الولایۃ فتح، قال فی النھر الظاھر ان المراد بالعمل ولایۃ ناشئۃ عن الامام او نائبہ کالساعی والعاشر اھ قلت ومثلھم مشائخ القری والحرف وغیرھم ممن لہ قھر وتسلط علی من دونھم فانہ یھدی الیھم خوفا من شرھم اولیروج عندھم ورأیت فی حاشیۃ شرح المنھج للعلامۃ محمد الداودی الشافعی الفقیہ قال ع ش ومن العمال مشائخ

مقدمہ اس کے ہاں نہ ہو، اور وہ خاص دعوت کو رد کردے۔ خاص دعوت وہ ہے جس میں اگر قاضی نہ ہو تو دعوت نہ ہو، اور مقدمہ کے کسی فریق کی دعوت قبول نہ کرے اگرچہ یہ دعوت عام ہو کیونکہ مقام تہمت ہے اھ ملخصاً۔ اور ردالمحتار میں ہے: اس میں اصل یہ ہے کہ بخاری شریف میں ابوحمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو صدقہ پر عامل بنایا تو جب وہ واپس آیا تو اس نے صدقات پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ یہ مال آپ کے بیت المال کا ہے اور یہ میرا ہے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ اپنے باپ یا ماں کے گھر بیٹھ کر کیوں نہیں دیکھتا کہ اس کو ہدیہ ملتا ہے یا نہیں، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ وجہ ایسے ہدیہ کی حرمت کی دلیل جو کسی عہدہ کی بنا پر ملے، فتح۔ اور نہر میں فرمایا، ظاہر ہے کہ ولایت وعہدہ سے مراد یہ ہے کہ وہ امام یا نائب امام کی طرف سے سونپا گیا ہو جیسا کہ زکوٰۃ یا عشر وصول کرنے والا، اھ۔ میں کہتا ہوں اسی طرح دیہاتوں اور حرفتوں کے نگران وغیرہ جن کو اپنے ماتحتوں پر تسلط اور غلبہ ہوتا ہے کیونکہ ان کے شر کا خوف یا ان سے طمع ہوتا ہے، میں نے علامہ محمد داؤدی شافعی فقیہ کی شرح منہج میں دیکھا ہے انھوں نے ع ش کے حوالہ سے فرمایا عاملین میں سے بازاروں، شہروں کے نگران اور

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۵-۷۴

الاسواق والبلدان ومباشروا الاوقاف وكل من يتعاطى امرا يتعلق بالمسلمين انتهى، وعبارة القلانسي ولا يقبل الهدية الا من ذي رحم محرم او وال مقدم عليه في الرتبة ووجهه ان منع قبولها انما هو للخوف من مراعاته لاجلها وهو ان راعى الملك ونائبه لم يراعه لاجلها، قوله المحرم هذا القيد لابد منه ليخرج ابن العم نهر قوله ولا خصومة لهما قال في البحر والحاصل ان من له خصومة لا يقبلها مطلقا ومن لا خصومة له فان كان له عادة قبل القضاء قبل المعتاد والا لا اى سواء كان محرما او غيره على ما مر عن شيخ الاسلام، قال في البحر فلو كان من عادته الدعوة في كل شهر مرة فدعاه كل اسبوع بعد القضاء لا يجيبه ولو اتخذ له طعاما اكثر من الاول لا يجيبه الا ان يكون ماله قد زاد كذا في التاتارخانية[1] اھ ملتقطا

اوقاف کے ذمہ دار اور تمام ایسے لوگ جن کو مسلمانوں کے امور سے متعلق کیا گیا ہو اھ، اور قلانسی کی عبارت یُوں ہے کہ وُہ صرف اپنے ذی رحم محرم یا اپنے سے بڑے مرتبہ والے کسی والی کا ہدیہ قبول کرسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت صرف اس وجہ سے ہے کہ کہیں ہدیہ کی وجہ سے ہدیہ والے کی رعایت نہ کرے تو اگر وہ بادشاہ یا اس کے نائب کی رعایت کرے گا تو وہ اس کی رعایت نہ کرینگے، اور اگر کرے گا تو ہدیہ کی وجہ سے نہ کرے گا۔ ماتن کا قول "محرم" تو یہ قید ضروری ہے تاکہ چچازاد اس اجازت سے خارج ہوجائے، نہر۔ اور اس کا قول کہ خصومت نہ ہو (یعنی ان کا مقدمہ نہ ہو) تو بحر میں فرمایا حاصل یہ کہ ان کا ہدیہ مطلقاً قبول نہ کرے اور جس کا مقدمہ نہ ہو تو اگر قضا ئے قبل اس سے ہدیہ وصول کرنے کی عادت تھی تو عادت سے زائد قبول کرنے کی ممانعت ہے، اگر وُہ ایسا نہیں تو پھر قبول نہ کرے اھ، یعنی محرم ہو یا نہ ہو جیسا کہ شیخ الاسلام سے منقول گزرا، بحر میں فرمایا، اگر قضا سے قبل ایک ماہ پر دعوت کی عادت تھی تو اب قضاء کے بعد ہر ہفتہ دعوت شروع کردی تو قبول نہ کرے اور اگر اب کھانا زیادہ پُرتکلف ہو تو قبول نہ کرے، ہاں دعوت قبول کرنے والا پہلے سے زیادہ مالدار ہوگیا تو قبول کرے جیسا کہ تاتارخانیہ

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۱۰ تا ۳۱۲

وفی الھندیۃ یقبل الھدیۃ من الوالی الذی ولاہ ولوکان للخلیفۃ خصومۃ لم یقبل ھدیتہ الا بعد الحکم کذافی العتابیۃ اھ[1]، وفی فتح القدیر قال شیخ الاسلام قالوا ما ذکر فی الضیافۃ فمحمول علی ما اذاکان المحرم لم یجری بینھما الدعوۃ والمھاداۃ و صلۃ القرابۃ واحدث بعد القضاء ذٰلک فاذاکانت الحالۃ ھذہ فھوکالاجنبی سواء وما فی الھدیۃ محمول علی انہ کان جری بینھما المھاداۃ وصلۃ القرابۃ قبل القضاء فاذا اھدی بعد القضاء لاباس بقبولہ انتھی فقد اٰل الحال الی انہ لافرق بین القریب والغریب فی الھدیۃ والضیافۃ[2] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔

میں ہے اھ ملتقطا، اور ہندیہ میں ہے کہ قاضی اپنے والی کی دعوت قبول کرے جس نے اس کی تقرری کی ہے اور خلیفہ کا کوئی مقدمہ اس کے پاس ہو تو پھر فیصلہ کرنے کے بعد اس کی دعوت قبول کرے، جیسا کہ عتابیہ میں ہے اور فتح القدیر میں فرمایا: شیخ الاسلام نے فرمایا، فقہاء کرام نے کہا ہے کہ ضیافت کے متعلق جو مذکور ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ محرم کی عادت اگر پہلے سے ہدیہ، دعوت اور قرابت کا صلہ جاری نہ ہو اور اب قضاء کے بعد ہدیہ دے تو ایسی حالت میں وہ محرم اور اجنبی مساوی ہیں، اور جو ہدیہ سے متعلق مذکور ہے وہ پہلے سے جاری ہدیہ اور صلہ قرابت پر محمول ہے اگر یہ قضا کے بعد بھی ہدیہ دے تو قبول کرنے میں قباحت نہیں ہے اھ تو حال کا مآل یہ ہوا کہ ضیافت اور ہدیہ کے معاملہ میں قریبی اور غیر قریبی کا کوئی فرق نہیں الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ یعقوب علی خاں ۱۳ رمضان مبارک ۱۳۱۱ھ

اکمل کامل وافضل افاضل مولانا احمد رضا خان صاحب بعد ابراز مراسم سلام مصدع خدمت ہے کہ اب بادشاہی اسلام کا ہندوستان میں نشان باقی نہیں اور جو بعض بعض ملک میں نواب اسلام ہیں وہ بھی اجرائے تمام احکام شرعی کے مجاز نہیں اور عہدۂ قضا تو جب سے مفقود ہے برائے نام قاضی ہیں ملبوس علم سے مبرا اور ان میں بھی شُتہ چیدہ چیدہ، باوجود ان وجوہات کے وہ قاضی وحکام ہنود وغیرہ ولایت عامہ کا خاصہ رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو قاضی شرع کسے قرار دیا جائے کہ اسے ولایت صبی وصبیہ کی ہو۔ زیادہ نیاز۔

الجواب

اسلامی ریاستوں میں والیان مسلمین جن حکام کو مقدمات فیصل کرنے پر مقرر کرتے ہیں وہ شرعاً قاضی ہیں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب القضاء الباب التاسع فی رزق القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۰

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۷۲

والی کی طرف سے جو اختیارات جائز انھیں سپرد ہوں گے وہ اختیار شرعی ہیں اگرچہ یہ ریاستیں زیرِ غلبۂ کفار ہوں

فی جامع الفصولین کل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار تجوز فیه اقامة الجمع و الاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء و تزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیهم و اما طاعة الکفرة فهی موادعة ومخادعة الخ[1] ویأتی تمامه ونحوه فی رد المحتار عن التاتارخانیة وعن معراج الدرایة عن المبسوط وعن شرح مسکین عن الاصل۔

جامع الفصولین میں ہے جس شہر میں کفار کی طرف سے مقرر کردہ مسلمان والی ہو تو وہاں جمعہ، عیدین، خراج وصول کرنا، قاضی حضرات کو مقرر کرنا اور یتیم لڑکیوں کا نکاح کردینا جائز ہے کیونکہ مسلمانوں کا وہاں غلبہ ہے، رہا یہ کہ کفار کی اطاعت ہے تو یہ عارضی معاملہ اور دکھاوا ہے الخ اس کی مکمل بحث عنقریب آئے گی، اور ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ایسا ہی منقول ہے اور اس میں معراج الدرایہ بحوالہ مبسوط اور شرح مسکین بحوالہ اصل سے بھی منقول ہے۔ (ت)

اور ان کا جاہل ہونا مذہبِ اصح پر منافیِ قضا نہیں کہ جاہل عالم سے فتوی لے کر کام کرسکتا ہے،

فی جامع الفصولین کونه عالما او مجتهدا لیس بشرط[2]

جامع الفصولین میں ہے کہ قاضی کا عالم یا مجتہد ہونا شرط نہیں ہے۔ (ت)

یونہی غیر ثقہ بلکہ فاسق ہونا بھی، اگرچہ فاسق کو قاضی کرنا گناہ ہے،

فی الفتح والوجه تنفیذ قضاء کل من ولاه سلطان ذو شوکة وان کان جاهلا فاسقا وهو ظاهر المذهب عندنا فیحکم بفتوی غیره[3] اه وفی الدر المختار الفاسق اهلها فیکون اهله لکنه لایقلد وجوبا و یأثم مقلده کقابل شهادته به یفتی[4]

فتح میں ہے کہ صحیح وجہ یہ ہے کہ جس کو صاحبِ شوکت سلطان قاضی مقرر کردے اگرچہ وہ جاہل فاسق ہو اس کی قضا ہمارے ہاں نافذ ہوجائے گی یہی ظاہر مذہب ہے اور ایسی صورت میں وہ قاضی دوسرے کے فتوے پر عمل کرے گا اھ، اور درمختار میں ہے فاسق شہادت کا اہل ہے تو قضا کا اہل ہوگا لیکن لازم ہے کہ ایسے کو مقرر نہ کیا جائے اور مقرر کرنے والا گنہگار ہوگا جیسا کہ ایسے کی شہادت قبول کرنے والا گنہگار ہوگا، اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

---

[1] و [2] جامع الفصولین — الفصل الاول فی القضاء وما یتصل بہ — المطبعۃ الازہریہ مصر — ١/١٤
[3] فتح القدیر — کتاب ادب القاضی — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر — ٦/٣٥٧
[4] درمختار — کتاب القضاء — مطبع مجتبائی دہلی — ٢/٧١

اسی طرح بعض احکام مثل حدود میں اجرائے حکم شرع سے ممنوع ہونا بھی کہ اگرچہ ممانعت یوں ہے کہ وہ مدجس میں شرع سے مخالفت کرتے ہیں اس قاضی کے حدِ سماعت ہی سے خارج رکھی اور اسے ان مقدمات کے سننے کا اختیار دیا ان میں اتباعِ شرع سے منع نہ کیا جب تو ظاہر کہ قضا ہر طرح صالح تخصیص ہے کما نص علیہ فی الاشباہ وغیرھا (جیسا کہ اس پر اشباہ وغیرہ میں تصریح ہے۔ ت) اور اگر یوں کہ بعض امور مفوضہ میں مطابق شرع حکم دینے سے منع کیا تاہم قضا متحقق ہے اگرچہ ایسی جگہ اس کا اختیار کرنے والا فاسق ہے،

فی الدر المختار یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم[1]

درمختار میں ہے کہ سلطان عادل ہو یا ظالم اس کا قاضی مقرر کرنا جائز ہے اور اگر کافر ہو تو بھی جائز ہے اس کو مسکین وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ہاں اگر کافر قاضی کو حق کے فیصلوں سے منع کرے تو پھر اس کی طرف سے تقرری حرام ہوگی۔ (ت)

ہاں مسلمانوں کے معاملات اور اطفال مسلمین کے ولایات میں قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے ہندو وغیرہ کفار کو مسلمان پر اصلاً ولایت نہیں ہوسکتی،

قال اللہ تعالٰی ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی کافروں کو مسلمانوں پر کوئی ولایت نہ دے گا۔ (ت)

غرض اسلامی ریاستوں میں قاضیان ذی اختیار شرعی کا موجود ہونا واضح، اور جہاں اسلامی ریاست اصلاً نہیں وہاں اگر مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے کسی مسلمان کو اپنے فصل مقدمات کے لئے مقرر کرلیا تو وہی قاضی شرعی ہے،

فی جامع الفصولین بعد ما مرعنہ اولا، واما فی بلاد علیھا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین[3] الخ و نحوہ فیما مرمعہ من الکتاب۔

جامع الفصولین میں اوّلاً مذکور کے بعد ذکر کیا کہ لیکن وہ شہر جہاں کافر والی ہوں تو وہاں مسلمانوں کی رضا و اتفاق سے جمعہ، عیدین کا قیام اور قاضی کا تقرر جائز ہوگا الخ، اور ایسا ہی اس کے ساتھ کتاب میں بھی مذکور ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳
[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱
[3] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

اور اگر ایسا نہ ہو تو شہر کا عالم کہ عالمِ دین و فقیہ ہو اور اگر وہاں چند علماء ہیں تو جو ان سب میں زیادہ علمِ دین رکھتا ہو وہی حاکمِ شرع و والیِ دینِ اسلام و قاضی و ذوی اختیار شرعی ہے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے کاموں میں اس کی طرف رجوع کریں اور اس کے حکم پر چلیں، یتیمانِ بے ولی پر وصی اس سے مقرر کرائیں نابالغانِ بے وصی کا نکاح اس کی رائے پر رکھیں ایسی حالت میں اس کی اطاعت من حیث العلم واجب ہونے کے علاوہ من حیث الحکم بھی واجب،

12

فی الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ وفی العتابی اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم وقال السمھودی وھذا من حیث انعقاد الولایۃ الخاصۃ فلا ینافی وجوب طاعۃ العلماء مطلقا[1] الخ۔

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے کہ عتابی میں ہے کہ جب سلطانِ اسلام سے زمانہ خالی ہو تو پھر امور علماء کے سپرد ہوں گے اور وہی والی قرار پائیں گے اور امت پر لازم ہوگا کہ ان کی طرف رجوع کریں اور ایک عالم پر اجتماع سب کے لئے دشوار ہو تو ہر علاقہ اپنے علماء کی اتباع کرے اور اگر ایک علاقہ میں علماء کثیر ہوں تو بڑے عالم کی اتباع ہوگی، تو اگر وہ سب مساوی ہوں تو ایک کو قرعہ اندازی کے ذریعہ متعین کریں۔ سمہودی نے فرمایا: یہ بیان ولایت خاصہ کے متعلق ہے تو علماء کی مطلق اطاعت کے وجوب کے منافی نہ ہوگا الخ۔ (ت)

رہے یہ نکاح خوانی کے قاضی جو گاؤں گاؤں مقرر ہوتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں، نہ انھیں کچھ ولایت، کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷
یکم صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ ایک بھائی نے چھوٹے بھائی کی شادی کی بعد انتقال والدین کے، اپنے پاس سے رسوماتِ شادی میں مثل زیور اور پارچہ وغیرہ میں صرف کیا بعدہٗ اولاد ہونے میں صرف کیا، اور جب اس بھائی کا انتقال ہوا تو صرف تجہیز و تکفین اور چہلم وغیرہ کا کیا پس اس صورت میں زوجہ اور دختر کے حصے سے کس قدر ملنا چاہیے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سائل مظہر کہ چھوٹا بھائی وقتِ شادی بالغ تھا، قریب بیس[2] برس کے عمر ہوگی، اور اس کا اپنا کچھ

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع الثالث من الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۵۱

مال نہ تھا، نہ بڑے بھائی نے مال مشترک سے اس کی شادی کا صرف کیا بلکہ خاص اپنا ذاتی مال اٹھایا اور اس صرف کی نہ چھوٹے بھائی نے درخواست کی تھی نہ بڑے نے اس سے اجازت لی بلکہ بطور خود جیسے والدین اپنے بچوں اور ان کے نہ ہونے کی حالت میں بڑے بھائی اپنے چھوٹوں کی شادیاں کرتے ہیں شادی کر دی، پس صورت مستفسرہ میں بڑا بھائی اُن مصارف کو کسی سے مجرا نہیں لے سکتا،

فان من انفق فی امر غیرہ بغیر امرہ ولا مضطرا الیہ فانہ یعد متبرعا فلا یرجع بشیئ۔ کیونکہ جس نے غیر کے معاملہ میں اس کے حکم اور کسی مجبوری کے بغیر خرچ کیا تو وہ خرچہ بطور نیکی ہوگا لہذا اس خرچہ کی وصولی کے لئے رجوع نہ کر سکے گا۔ (ت)

ہاں اگر رسم و رواج عام ظاہر سے کسی شیئ کی نسبت ثابت ہو کہ یہ چیز سامان شادی میں اس قوم میں محض بطور عاریت دی جاتی ہے دے ڈالنا مقصود نہیں ہوتا تو صرف اس شئے کا استحقاق بڑے بھائی کو ہے اگر وہ شے موجود ہے لے لے اور تلف ہوگئی تو کسی سے مطالبہ نہیں کر سکتا فان العواری امانات لاتضمن الا بالتعدی (عاریتاً لی ہوئی چیزیں امانت ہوتی ہیں ضائع کئے بغیر ان کا ضمان نہ ہوگا۔ت) اور اگر چھوٹے بھائی یا اس کی زوجہ نے خود خرچ کر دی تلف کر ڈالی تو جس نے کی اس سے اس کا تاوان لے سکتا ہے، اسی طرح بھائی کے اولاد ہونے میں جو اٹھایا اس کا بھی مطالبہ کسی سے نہیں جبکہ بطور عرف صرف احسان و سلوک منظور ہوتا ہو، اور اگر عرف سے یہ ثابت ہو کہ اس تقریب میں جو کچھ بڑا بھائی چھوٹے کے یہاں دیتا ہے وہ بطور قرض ہوتا ہے کہ جب اس کے یہاں تقریب ہو تو اسے معاوضہ دینا پڑتا ہے تو اس صورت میں وہ قرض ہے اس کا عوض ترکہ برادر سے پائے گا کما یستفاد ذٰلک من نص الفتاوی الخیریۃ (جیسا کہ فتاوٰی خیریہ کی تصریح سے یہ مستفاد ہے۔ت) اور صورت مسئولہ میں جبکہ بڑا بھائی چھوٹے کا وارث ہے کہ زوجہ و دختر کے ساتھ بھائی بھی حصہ پاتا ہے تو جو کچھ اس نے چھوٹے بھائی کے کفن و دفن بقدر سنّت میں لگایا اسی قدر مجرا لے سکتا ہے اس سے زائد جو کچھ فاتحہ و سوم و چہلم وغیرہ میں اُٹھایا وہ بھی نرا احسان تھا جسے کسی سے مجرا نہ پائے گا کما نص علیہ العلامۃ الطحطاوی فی فرائض حاشیۃ علی الدر المختار (جیسا کہ علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں اس پر تصریح کی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی صاحب غرہ ۲ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایام سابق میں قصبہ بڑوانی میں حاکم ہنود تھا اس کو بادشاہ اسلام نے مشرف باسلام کر کے عہدۂ قضاء پر مقرر کیا تھا بعد معدودالایام کے وہ راہی سوئے جناں ہوا اس کی اولاد سے ورثہ مسلم نہ تھا اولاد ہنود اس کی اس کے قائم مقام ہوئی اور دفتر قضا بھی اس کے قبضہ میں رہا ان ایام میں

مسلمان وہاں کے مذہب سے واقف نہ تھے موافق حکمِ حکام ہنود نکاح ہوتا رہا اب جماعت اہل اسلام اپنا قاضی مسلم مقرر کیا چاہتی ہے، درست ہے یا کہ وہی حکام ہنود عہدہ قضاء پر قائم رہے اور چند ملازم مسلم اس کے طرفدار کس سزا کے مستحق ہیں ان مسائل میں جو حکم مصدق بالتصدیق ہو بیان فرمائیں بعبارت کتب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب

شریعتِ مطہرہ میں مسلمانوں پر کوئی عہدہ حکومت کسی کافر کو دینا روا نہیں،

قال اللہ تعالٰی لن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مومنین پر ولایت نہ دے گا۔ (ت)

نہ مسلمان کے نکاح بطریقۂ کفار کرنے روا ہیں۔

قال اللہ تعالٰی ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: شیطانوں کے راستوں کی پیروی نہ کرو۔ (ت)

نہ مسلمانوں کو دینی کام میں کافر سے مدد لی جاسکتی ہے، حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا لا نستعین بمشرک[3]

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی مشرک سے مدد نہ لیں گے۔ (ت)

جو مسلمان اس ہندو کے طرفدار و مددگار ہیں شرعًا مستحقِ تعزیر و گنہگار ہیں،

قال اللہ تعالٰی لا یتخذ المومنون الکٰفرین اولیاء من دون المؤمنین[4]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: مومن کفار کو اپنا دوست نہ بنائیں مومنین کے علاوہ۔ (ت)

ان پر اس ناجائز طرفداری سے توبہ لازم ہے،

قال اللہ تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[5] واللہ تعالٰی اعلم

اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور عداوت میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/۱۴۱
[2] القرآن الکریم ۲/۱۶۸
[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجہاد حدیث ۱۵۰۰۹ ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/۳۹۵
[4] القرآن الکریم ۳/۱۴۴
[5] ؍؍ ؍؍ ۵/۲

مسئلہ ۳۹ ازبنارس کندیگر ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب غرہ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاند محمد کے چار پسر تھے، تاج محمد، لطف اللہ، کریم اللہ، عبدالواحد۔ اور ایک دختر جان بی بی۔ چاند محمد نے ایک مکان خام سفالہ پوش اپنے روپے سے تاج محمد کے نام نیلام میں خرید کیا، کچھ روز بعد چاند محمد نے ایک مکان خام سفالہ پوش اور تھوڑی سی زمین تاج محمد مذکور اور لطف اللہ پسر ثانی کے نام اپنے روپے سے خرید کیا، بوقتِ خرید دونوں پسر بالغ تھے، چونکہ واقعہ ستر برس کا ہے لہذا یہ نہیں معلوم کہ الفاظ بیع وشراء کے کس کی جانب مضاف تھے لیکن قبالہ مکان وزمین چاند محمد نے تاج محمد و لطف اللہ کے نام کیا مگر قبضہ کسی کو نہ دیا کرایہ مکان ہمیشہ آپ لیتے رہے، بعد چند سال کے تاج محمد ایک پسر فیض اللہ کو چھوڑ کر اپنے والد وبرادران وخواہر کی حیات میں قضا کیا بعدہٗ چاند محمد نے دونوں مکان توڑ کر مع زمین کے اس پر مکان پختہ اپنے روپے خاص سے تیار کیا بعدازاں لطف اللہ نے انتقال کیا، غرض دونوں پسر جن کے نام مکان زمین خرید کی گئی انتقال کرگئے، بعدہٗ چاند محمد کو اتفاق سفرحج کا ہوا بوقت سفرحج کریم اللہ وعبدالواحد وغیرہ نے اپنے والد سے کہا کہ فیض اللہ تو محجوب ہوگئے لیکن ان کو کچھ دینا چاہئے، بوجہ کہنے پسران کے چاند محمد نے کہا کہ فلاں مکان دیا جائے، چنانچہ سادہ کاغذ پر لکھ بھی دیا لیکن قبضہ نہ دیا چونکہ کاغذ گم ہوگیا لہذا مجبوری ہے ورنہ اس کے مضمون سے اطلاع دی جاتی، بعد واپسی سفرحج کے چاند محمد نے فیض اللہ محجوب اور ایک اپنے پسر عبدالواحد کو لے کر مکان تحریر میں قیام کیا، بعدازاں چاند محمد کریم اللہ وعبدالواحد وجان بی بی کو چھوڑ کر انتقال کرگیا، اس وقت مکان مذکور میں فیض اللہ محجوب اور عبداللطیف مقیم ہیں، خلاصہ سوال یہ ہے کہ فیض اللہ اس مکان میں سے حصہ پائیں گے یا وُہ مکان پائیں گے جو ان کے نام چاند محمد نے بوقتِ سفرحج کے لکھا تھا یا کچھ نہ پائیں گے، اگر مکان متنازع فیہ میں سے حصہ پائیں گے تو اس قدر مالیت دی جائے گی جو ان کے والد تاج محمد کے نام خرید ہوئی تھی یا جس قدر عمارت چاند محمد نے بعد انتقال تاج محمد کے بنوائی تھی سب فیض اللہ کو مع اس زمین سابق کے ملے گی، بیّنوا توجروا۔

الجواب

مجرد قبالہ کوئی حجتِ شرعیہ نہیں، نہ صرف اس کی بناء پر کچھ حکم ہوسکتا ہے نہ کوئی اپنا استحقاق ثابت کرسکتا ہے، فتاوٰی امام قاضی خاں والاشباہ والنظائر وفتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للرملی اما الثبوت بمجرد اظہار الحجۃ بلا بیّنۃ شرعیۃ فلا قائل بہ من ائمۃ الحنفیۃ المعتمد علی

رملی کے الفاظ ہیں، محض خط کو حجت ظاہر کرنا ثبوت کے لئے بغیر گواہی کے، تو ائمہ احناف میں سے جن کے قول پر اعتماد ہے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے

قولهم لان الخط رسم مجرد خارج عن حجج الشرع الثلث التی ھی البینۃ والاقرار والنکول وھذا لاتوقف فیہ لاحد[1] کیونکہ خط محض تحریر ہے جو شرعی تین دلائل سے خارج ہے شرعی دلائل گواہی، اقرار اور قسم سے انکار ہیں اس میں کسی کو توقف نہیں ہے۔ (ت)

خصوصاً صورتِ مستفسرہ کا قبالہ تو بنظرِ عرف غالب بھی قابلِ لحاظ نہیں، ایسی صورت میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ باپ بطورِ خود خرید کر بغرض تخفیف خرچ و ثقیل مسافت قبالہ اولاد کے نام کرا دیتا ہے مقصود اولاد کو تملیک کرنا ہوتا ہے نہ کہ فضولی بن کر کوئی عقد از جانب اولاد کرنا جس کا نفاذ اجازت اولادِ بالغین پر موقوف ہے یعلم ذٰلك كل من عرف العرف الشائع بینھم (جو آپس کے مشہور عرف کو جانتا ہے اسے یہ معلوم ہے۔ ت) ولہٰذا اس عقد کے بعد بالغین کو بلا تامل تحریر قبالہ وغیرہ تکمیلات عرفیہ کرا دیتے ہیں اولاد کے منتظر نہیں رہتے۔ یہ قبالہ ان کے نام کرانا بحکم عرف جانب مشتری سے دلیل تملیک و ہبہ ہوتا ہے، چاند محمد کا بعد تحریر قبالجات مکانات پر اپنا قبضہ رکھنا شکست و ریخت بنائے عمارت پختہ وغیرہا تصرفات مالکانہ کرتے رہنا فیض اللہ کو محجوب الارث مان کر اس کے لئے کسی جائداد لکھنے کی ذکر کرنا یہ سب معاملات دلیل واضح ہیں کہ وہ خریداریاں چاند محمد نے اسی عرف غالب کے طور پر کی تھیں اور از انجا کہ تاج محمد و لطف اللہ پیش از قبضہ مکانات انتقال کرگئے وہ ہبہ عرفی باطل ہوگیا اور مکانات بدستور ملک چاند محمد پر رہے اگر لعقد شرعی اس کی ملک میں آگئے تھے، ورنہ اکثر یہ نیلام کہ ڈگریوں میں ہوا کرتے ہیں ہرگز بیع نافذ شرعی نہیں، نہ ان کے سبب وہ شے ملکِ مشتری میں داخل ہو جب تک اصل مالک اس بیع کو جائز و نافذ نہ کریں کما بیناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاونا (جیسا کہ اس کو ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ ت)

درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیھا موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[2] اھ ملتقطا۔ عقد کرنے والے دونوں فریقوں میں سے ایک کی موت ہبہ میں رجوع کے لئے مانع ہے جب ہبہ پر قبضہ کے بعد موت واقع ہوئی ہو اور اگر قبضہ سے قبل موت واقع ہوئی تو ہبہ باطل ہو جائیگا اھ ملتقطا (ت)

پس فیض اللہ کا اس مکان میں اصلاً حق نہیں، ہاں اگر شہادت مقبولہ شرعیہ سے ثابت کرتا کہ خاص عقد بیع بنام تاج محمد واقع ہوا چاند محمد اس ایجاب و قبول میں محض فضولی تھا، پھر تاج محمد نے اس شراءِ فضولی کو جائز

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی ۲/ ۱۲، باب خلل المحاضر والسجلات ۲/ ۱۹، کتاب الوقف ۱/ ۲۰۳ و ۲۲۸، کتاب الدعوٰی ۲/ ۴۷ الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادۃ ۱/ ۳۳۸

[2] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

کیا اور مالک مکان ہُوا تو البتہ جو مکان ملک تاج محمد تھا اس سے بقدر اپنے سہم شرعی کے فیض اللہ کو ملتا اور اس کے عملہ قدیم کا تاوان بھی بقدر اپنے حصہ کے ترکہ چاند محمد سے پاتا جسے اس نے توڑ ڈالا تھا، مگر یہ عمارت پختہ کر چاند محمد نے اپنے روپے سے بنائی اس میں فیض اللہ کا یوں بھی حق نہ ہوتا جب تک شہادت شرعیہ سے ثابت نہ کرتا کہ یہ تعمیر چاند محمد نے بطور خود تاج محمد ہی کے لئے بنائی یا تاج محمد نے اس سے درخواست کرکے بنوائی ،

فی الدر عمر دار زوجته بماله باذنها فالعمارة لها والنفقة دین علیها ولو لنفسه بلا اذنها فالعمارة له ولها بلا اذنها فالعمارة لها وهو متطوع فی البناء ، ولو اختلفا فی الاذن وعدمه ولا بینة فالقول لمنکره بیمینه ، وفی ان العمارة لها اوله فالقول له[1] اھ ملخصًا۔

دُرّ میں ہے اگر خاوند نے اپنے مال سے بیوی کا مکان تعمیر کیا اگر بیوی کی اجازت سے کیا تو مکان بیوی کا ہوگا اور خرچہ بیوی پر قرض ہوگا اور اگر بیوی کی اجازت کے بغیر اپنے لئے تعمیر کیا تو عمارت خاوند کی ہوگی ، اگر بیوی کے لئے اس کی اجازت کے بغیر بنایا تو عمارت بیوی کی ہوگی اور تعمیر خاوند کی طرف سے مفت ہوگی ، اور اگر اذن اور عدم اذن دونوں کا اختلاف ہو اور گواہی نہ ہو تو منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا ، اور عمارت کی ملکیت میں اختلاف ہو کہ بیوی کا ہے یا خاوند کا ہے تو خاوند کا قول معتبر ہوگا اھ ملخصًا (ت)

یوں ہی وہ مکان کہ وقت سفر حج چاند محمد نے فیض اللہ کو دیا اور قبضہ دینے سے پہلے انتقال کیا اس میں بھی فیض اللہ کا کوئی حق نہ رہا ،

لما علمت ان موت احدهما قبل القبض یبطل الهبة ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ قبضہ سے قبل ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کہتی ہے کہ میرا مہر پانسو روپیہ تھا اور گواہ کہتے ہیں کہ نکاح تو ہمارے سامنے ہُوا لیکن مہر یاد نہیں تو ہندہ کو کس قدر مہر بموجب شرع شریف کے ملنا چاہئے ۔ بینوا توجروا ۔

(۲) ہندہ کہتی ہے کہ مہر میرا مبلغ پانسو روپیہ کا تھا اور گواہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے مہر پانسو روپے کا باندھا گیا تھا اور ہم گواہ تھے لیکن مجوزان گواہوں پر اطمینان نہیں کرتے ہیں تو بموجب شرع شریف کے کس قدر مہر ہونا چاہئے ۔ بینوا توجروا ۔

---

[1] درمختار ..... مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۸ (footnote partly illegible)

الجواب

(۱) اگر یہ پانسو روپے ہندہ کا مہر مثل یا مہر مثل سے کم ہے تو پورے پانسو دلائے جائیں گے گواہوں کی کچھ حاجت نہیں، اور اگر زیادہ ہے تو جتنا مہر مثل ہے اس قدر ضرور دلایا جائے، باقی زیادتی بے شہادت شرعی یا بے قبول زوج کے نہ دلائیں گے، فتاوٰی قاضیخان وعالمگیری میں ہے:

ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الی مھر مثلھا یدفع ذلک الیھا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر نکاح مشہور ومعروف ہے تو مہر مثل تک بیوی کا دعوٰی قبول ہوگا اور اسے دے دیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) اگر وہ گواہ شرعًا قابلِ اطمینان نہیں تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اس صورت میں مہر مثل تک ہندہ کی بات بے گواہ مان لی جائے گی اس سے زیادتی مقبول نہ ہوگی جب تک شوہر یا اس کے وارث تسلیم نہ کریں یا عورت گواہان شرعی سے ثبوت نہ دے۔

مسئلہ ۲۴۲: از الٰہ آباد محلہ دوندے پور مکان صوبہ دار مرحوم مرسلہ مولوی محمد عبید اللہ صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

جامع الکمالات العلمیۃ والعملیۃ حاوی الفنون الاصلیۃ والفرعیۃ مخدومی المعظم ومطاع مفخم والاشان جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب دام مجدہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہ استفتاء پنجاب سے آیا ہے اصل مستفتی صاحب ذی علم کی عبارت بعینہا درج استفتاء ہے۔

سوال اول: چہ میفرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے روبروئے چند اشخاص اقرار نمود کہ با والدہ منکوحہ خود زنا نمودم بعد از چہار پنج ماہ مثلًا منکوحہ خود را درخانہ خود آورد و آباد شد گرفت مردمان طعن کردند از اقرار سابق رجوع نمود حکومت ایں امر پیش عالم شہر برد شہود براقرارش بحضور آں پیش قاضی شہادت ادا نمودند عالم موصوف بموجب شہادت حکم بحرمت آں منکوحہ کرد، براں حکم راضی شدہ ہموں وقت

سوال اول: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے چند اشخاص کے رُوبرو یہ اقرار کیا کہ میں نے اپنی منکوحہ کی والدہ سے زنا کیا ہے، اس کے چند ماہ بعد وہ اپنی منکوحہ کو اپنے گھر لایا اور آباد کرلیا، لوگوں نے اس پر طعن کیا تو وہ اپنے سابقہ اقرار سے پھر گیا، یہ فیصلہ شہر کے عالم کے پاس گیا تو گواہوں نے اس کے اقرار پر قاضی کے سامنے شہادت دی تو عالم مذکور نے بموجب شہادت اس پر منکوحہ کے حرام ہونے کا حکم دیا

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۹

زوجہ خود را حوالہ والد آں نمودہ وازخانہ بیروں کرد آیا در صورت مذکورہ منکوحہ برآں مقر حرام میشود یا نہ وبعد گزشتن عدت نکاحش باشخص دیگر جائز یا نہ؟ بیّنوا توجروا۔

تو وہ شخص اس حکم پر راضی ہوگیا اسی وقت اس نے زوجہ کو اس کے والد کے حوالے کردیا اور اپنے گھر سے نکال دیا، کیا مذکورہ صورت میں اقرار کرنے والے پر اس کی بیوی حرام ہوگئی ہے یا نہیں؟ اور عدت گزارنے کے بعد وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔ (ت)

سوال دوم: ایک اور مسئلہ بھی جناب محرر تحریر دام مجدہم نے جناب والا سے دریافت فرمایا ہے اس کے سوال کو بھی انھیں کی عبارت سے عرض کرتا ہوں:

"مسئلہ دیگر از فاضل علامہ بریلوی دام فیضہم پرسش فرمایند کہ حاکمانِ وقت کہ مقدمہ برضائے فریقین حوالہ عالمے مے نمایند وازاں عالم استدعائے فیصلہ مے نمایند عالم موصوف دراں مقدمہ حکم قاضی دارد یا حکم ست واگر فریقین یا کہ یک فریق بلا اذن حاکم آنرا معزول کنند معزول می شود کہ بسبب حوالہ کردن حاکم وقت حکم قاضی گرفت بغیر عزل حاکم معزول نمی گردد تفصیل جواب ایں سوالات از علامہ موصوف استدعا کنند۔" انتہت بالفاظہا۔

"دوسرا مسئلہ علامہ فاضل بریلوی دام فیضہم سے پوچھیں کہ حاکمانِ وقت نے فریقین کی رضامندی سے مقدمہ ایک عالم کے سپرد کیا اور اس سے فیصلہ طلب کیا، تو عالم مذکور کو اس مقدمہ میں قاضی کی حیثیت حاصل ہوگی یا ثالث کی؟ اگر دونوں یا ایک فریق حاکم کی اجازت کے بغیر اس کو معزول کردیں تو وہ معزول قرار پائے گا یا حاکم وقت کے سپرد کرنے کی وجہ سے اس کا حکم قاضی والا ہوگا کہ حاکم کے معزول کیے بغیر معزول نہ ہوگا۔ اس سوال کا جواب علامہ صاحب سے بالتفصیل حاصل کریں۔" سائل کے الفاظ ختم۔ (ت)

الجواب

(۱) سائل فاضل بعد استکشاف وانمود ندکہ مراد بقاضی مذکور فی السوال ہماں عالم ست غیر او عالمے جید دراں بلدہ نیست اہالی بلدہ وقت حاجت بمرضی خود رجوع باو می نمایند آں اعلم اہل بلد گاہے فیصلہ نزاع مے نماید وگاہے جواب می دہد قاضی شرع آنجا کسے نیست مردمان شہر

وضاحت طلب کرنے کے بعد سائل نے یہ ظاہر کیا ہے کہ سوال میں مذکور قاضی سے مراد عالم ہے جس سے بڑا کوئی عالم شہر میں نہیں ہے شہر والے لوگ اپنی ضرورت پر اپنی مرضی سے اس عالم سے رجوع کرتے ہیں تو شہر کا یہ بڑا عالم کبھی تنازع میں فیصلہ سناتا ہے اور کبھی جواب دے دیتا ہے، اس شہر میں کوئی قاضی شرع

کہ شخصے مذکور روبروئے ایشاں چندیں بار بمجالس
متفرقہ اقرار زنا بمادر زنش کرد و بازرہ انکار و جحود
اقرار نمود حسب معمول ماجرا پیش عالم موصوف بردند
و تصفیۂ ایں امر باستماع شہود خواستند آں کس
نیز پیش عالم رفتہ گفت کہ ایناں برمن دروغ بستہ اند
گاہے اقرار ایں کار نہ کردہ ام از روئے شرع شریف
فیصلہ ایں امر فرمایند اگر اقرار من بموجب شریعت
ثابت شود زوجہ مرا ازمن تفریق نمایند عالم
موصوف باستدعائے اہالی بلدہ و آں مقر شہود را
طلب نمود اقرار پیش مردمان بسیار کردہ بود مگر
چہار اشخاص را کہ نزد او معتبر بودند پیش خواند گواہان
نزد عالم بحضور آں مقر بغیبت زنش ادائے شہادت
کردند بعد ثبوت عالم بثبوت اقرار زنا حرمت زن
حکم کرد مقر را فرمود کہ زن را فی الحال حوالہ والدش
کن و الد منکوحہ بمجلس حکم حاضر بود مقر تسلیم نمود و گفت
اینک ہمچناں کنم مجلس برخاست مقر ہموں وقت زن
را حوالہ پدرش نمود زوجہ را دریں باب دخلے نبود
محض زوج و اہالی بلدہ درخواست ایں فیصلہ نمودند
لکن زوجہ بریں قضا و حکم راضی گشت انتہی و
درسوال افزودند کہ اگر زن را دریں صورت بشخصے
دیگر نکاح رواست بسبب تفریق عالم ست یا بسبب
حوالت کردن زوج و محکم را اختیار تفریق مثل
قاضی ہست یانے انتہی، درصورت مستفسرہ کہ
بلاد بوجہ استیلائے نامسلمانان از قاضی شرع
خالی ست اگرچہ ہمہ از تصریح علماء کرام کہ درہمچو مقام

نہیں ہے وہ لوگ جن کے روبرو مذکور شخص نے مختلف
مجلسوں میں متعدد بار اپنی منکوحہ کی والدہ سے زنا
کا اقرار کیا بعد ازاں اس نے اپنے اقرار سے انکار
کیا تو ان لوگوں نے حسبِ معمول ماجرا عالم موصوف
کے ہاں پیش کیا اور گواہوں کی شہادت پر اس ماجرا کا
فیصلہ طلب کیا اور وہ مذکور شخص بھی عالم کے پاس گیا
اور کہا کہ ان لوگوں نے مجھ پر افترا باندھا ہے میں نے
اس کام کا اقرار نہیں کیا لہٰذا آپ از روئے شرع شریف
اس معاملہ کا فیصلہ فرمادیں اگر بموجبِ شرع میرا اقرار
ثابت ہوجائے تو میری بیوی کو مجھ سے جدا کردیں، تو عالم
موصوف نے شہر والوں اور اس اقرار کرنے کے مطالبہ
پر گواہ طلب کئے اگرچہ متعدد لوگوں کے سامنے اس نے
اقرار کیا ہے مگر صرف چار گواہ جو عالم مذکور کے نزدیک
معتبر تھے طلب کئے اور گواہوں نے اقرار کرنے والے
کی موجودگی اور اس کی بیوی کی غیر موجودگی میں گواہی
دی تو عالم مذکور نے اقرار کے ثابت ہوجانے پر اس
شخص پر اس کی بیوی کے حرام ہونے کا فیصلہ
فرمایا، اور مقر کو حکم دیا کہ عورت کو فوراً اس کے والد
کے حوالے کردو جبکہ منکوحہ کا والد فیصلہ کی مجلس میں موجود
تھا، مقر نے اس فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ
میں ایسے ہی کروں گا، مجلس ختم ہوگئی، اور مقر نے
اسی وقت عورت کو اس کے والد کے سپرد کردیا،
عورت کا اس میں کوئی دخل نہ ہوا اور محض شہر والوں
اور خاوند کی درخواست پر یہ فیصلہ ہوا، لیکن بیوی نے
اس فیصلہ کو راضی خوشی قبول کیا، وضاحت ختم ہوئی،

عالم دین کہ اعلم اہل بلد باشد قاضی و والی شرع میشود فی النوع الثالث من الفصل الثانی من الباب الثانی من الحدیقۃ الندیۃ الطریقۃ المحمدیۃ للعلامۃ العارف باللہ سیدی عبد الغنی النابلسی قدس سرہ القدسی عن الفتاوی العتابیۃ للامام الاجل ابی نصر احمد بن محمد بن عمر البخاری العتابی المتوفی سنۃ ۵۸۶ھ اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم[1] الخ، قطع نظر کنیم تا رجوع مسلمین بلد بسوئے او در خصومات وترافع باو در قضایا و رضا بحکمش در فیصلہا

سوال میں انھوں نے یہ اضافہ کیا ہے، اگر اس صورت میں عورت کو دوسرے شخص سے نکاح جائز ہو تو یہ جواز عالم کی تفریق سے ہوگا یا خاوند کی طرف سے بیوی کو اس کے والد کے سپرد کرنے کی وجہ سے ہوگا، اور کیا ثالث کو قاضی کی طرح تفریق کا اختیار ہے یا نہیں (اضافہ ختم ہوا)، مسئولہ صورت میں حکم یہ ہے کہ جو علاقے کفار کے غلبے کی وجہ سے قاضی سے خالی ہوں تمام علماء کرام کی تصریح کے مطابق ایسے مقامات میں جو شہر کا بڑا عالم ہو وُہ قاضی قرار پاتا ہے اور شرعاً والی بن جاتا ہے، طریقہ محمدیہ کی شرح حدیقہ ندیہ کی فرع ثالث کے باب ثانی کی فصل ثانی مصنفہ علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی (قدس سرہ القدسی) میں فتاوی عتابیہ مصنفہ امام اجل ابونصر احمد بن محمد بن عمر بخاری عتابی متوفی ۵۸۶ھ کے حوالے سے منقول ہے کہ جب زمانہ شرعی سلطان سے خالی ہو تو امور علماء کے سپرد ہو جاتے ہیں اور امت پر لازم ہو جاتا ہے کہ وُہ ان علماء کی طرف رجوع کرے اور یہ علماء والی بن جاتے ہیں، تو جب تمام لوگوں کا ایک عالم پر اجتماع دشوار ہے تو ہر علاقہ اپنے علماء کی اتباع کرے اور اگر علاقہ میں علماء کثیر ہوں تو پھر سب سے بڑے عالم کی اتباع ہوگی اور اگر سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی سے تعین کیا جائے الخ، اس سے قطع نظر شہر کے مسلمانوں کا اپنے تنازعات میں اس کی طرف رجوع کرکے فیصلے لینا اور اسکے فیصلوں کو

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع الثالث من الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۵۱

برائے قضائے شرعی او بسندست کہ ہمچو حالت تراضی مسلمین نائب مناب تقلید و تولیۂ سلطان دین ست فی جمعۃ ردالمحتار عن معراج الدرایۃ عن المبسوط لو الولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اھ[1] وفی قضائہ عن التاتارخانیۃ اما بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اھ قال وعزاہ مسکین فی شرحہ الی الاصل و نحوہ فی جامع الفصولین[2] اھ ای فی الفصل الاول منہ مثلہ بحروفہ و عنہ نقل فی البحر و اینجا شہادت شنودن و حکم نمودن را ہیچ حاجت بتقدیم دعوٰی از جانب زن نبود زیراکہ حرمت فرج از حقوق رب العزۃ عزو علا است و اثبات مصاہرت از ابواب شہادت حسبہ فی وقف ردالمحتار تحت قولہ والذی تقبل فیہ الشہادۃ حسبۃ بدون الدعوی اربعۃ عشرۃ مانصہ وھی الوقف

رضامندی سے قبول کرنا یہ بھی اس عالم کی شرعی قضاء کے لئے خود سند ہے کیونکہ ایسی صورت میں مسلمانوں کا متفق ہونا سرکاری ولایت اور تقرری کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ ردالمحتار کے جمعہ کے باب میں معراج الدرایہ سے بحوالہ مبسوط منقول ہے اگر والی کافر ہوں تو مسلمانوں کو جمعہ کا قیام اور قاضی کا تقرر جائز ہے وہ مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوجاتا ہے اھ، اسی کے باب القضاء میں تاتارخانیہ سے منقول ہے وہ علاقے جن پر کفار والی ہیں وہاں مسلمانوں کو جمعہ، عیدین قائم کرنا جائز ہے اور ان کا باہمی رضامندی سے مقررکردہ قاضی، قاضی قرار پائے گا، فرمایا اس کو مسکین نے اپنی شرح میں مبسوط کی طرف منسوب کیا ہے، اور جامع الفصولین میں بھی اس طرح ہے یعنی اس کی پہلی فصل میں انہی حروف کے ساتھ ایسے مذکور ہے اور اسی سے بحر میں منقول ہے، یہاں شہادت کی سماعت اور فیصلہ کرنے کے لئے عورت کی طرف سے دعوٰی کی حاجت نہیں ہے کیونکہ شرمگاہ کی حرمت حقوق اللہ میں سے ہے اور حرمت مصاہرت کا اثبات شہادت حسبہ (یعنی حقوق اللہ کے تحفظ کے لئے) کے باب سے ہے، ردالمحتار کے باب الوقف میں ماتن کے قول "وہ مقام جہاں حسبۃ شہادت بغیر دعوٰی قبول ہوتی ہے وہ چودہ ۱۴ مقام ہیں"، اس کی عبارت یوں ہے، وہ مقام،

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۴۰-۴۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

وطلاق الزوجة (الٰی قوله) وحرمة المصاهرة[1] الخ پس حکم تفریق کہ از عالم مذکور صادر شد قضائے شرعی تام و نافذ و واجب الاتباع ست از ہموں وقت مدت عدت بشمار آید و اگر ازیں ہم درگزریم وحضور پدر زن نیز از جانب او بروجہ وکالت فی الخصومة درخواست حکم نبودہ باشد تا بتراضی خصمین معنی تحکیم پدید آمدے و اورا اختیار تفریق ہمچو قاضی بحکم تحکیم حاصل شدے فان المحکم له الحکم فی کل مالیس بحد ولاقود ولادیة علی عاقلة فی التنویر حکما رجلا فحکم بینهما ببینة او اقرار او نکول صح لو فی غیر حد وقود ودیة علی عاقلة[2] اھ و نیز زن را از خانہ برآوردن وحوالت بہ پدرش کردن کہ از زوج صادر شد ایں راہم بجائے متارکہ تنہیم جائیکہ زن مدخولہ باشد وشوئے چیزے از الفاظ متارکہ بر زبان نیاورد ہمچناں دستش گرفتہ بدست پدر داد بناء علی ظاهر ما فی البحر وغیرہ واللفظ له لا تحقق للمتارکة الا بالقول ان کانت مدخولا بها کقوله تارکتک او تارکتها او خلیت سبیلک

وقف، طلاق زوجہ، اسکے قول، حرمت مصاہرت الخ، تو عالم مذکور کا حکم تفریق شرعی قضا کے طور تام اور نافذ اور واجب الاتباع ہے اور اسی وقت سے عدت شمار ہوگی، اگر ہم اس حیثیت کو درگزر بھی کرلیں تو عورت کی طرف سے اس کے والد کا بطور وکیل مقدمہ حاضر ہونا بھی فیصلہ کا مطالبہ قرار پاکر دونوں فریقوں کی طرف سے مقدمہ کی پیشی سے عالم مذکور کے لئے ثالثی کا حکم ظاہر کرتا ہے جس سے بحیثیت ثالث قاضی کی طرح اس کو تفریق کے فیصلہ کا اختیار حاصل ہوتا ہے کیونکہ ثالث کو حدود، قصاص، دیت کے ماسوا فیصلہ کرنا جائز ہے۔ تنویر میں ہے کہ دونوں فریقوں نے ایک شخص کو ثالث بنایا تو اس نے گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار کی بناء پر فیصلہ کیا تو صحیح ہے بشرطیکہ حدود، قصاص اور عاقلہ پر دیت کا معاملہ نہ ہو اھ. نیز بیوی کو گھر سے نکال کر اس کے باپ کے سپرد کرنا خاوند کا یہ عمل متارکہ کے قائم مقام ہوسکتا ہے جہاں پر بیوی مدخولہ ہو اور خاوند نے متارکہ کا لفظ زبان سے ادا نہ کیا ہو، اور یوں ہی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے والد کے سپرد اس کو کردیا ہو، بحر وغیرہ کے ظاہر بیان کے مطابق۔ بحر کے الفاظ ہیں کہ متارکہ کا تحقق خاوند کے قول کے بغیر نہ ہوگا جبکہ بیوی مدخولہ ہو، مثلاً قول یوں ہو میں نے تجھے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۰۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۲

او خلیت سبیلها او خلیتها[1] الخ وان کان
لا یبعد ان یقوم الفعل الدال علیه
مقام القول وانما المراد نفی
التحقق بمجرد الترک علی عزم
ان لا یعود کما یستبین بمقابلته
به تاہم گفتن زوج مر عالم را کہ اگر اقرار
من ثبوت یابد زن مرا از من جدا کن توکیل
بتفریق ست وتوکیل تعلیق را مے پذیرد فی
بیوع رد المحتار عن البزازیۃ
تعلیق الوکالۃ بالشرط جائز[2]
پس تفریق عالم بحکم توکیل متارکہ از جانب
شوئے شد وحکم فرقت وعدت وملک نفس
بعد ازاں بر روئے کار آمد واگر ازیں جملہ
وجوہ پنجگانہ دامن نظر برچینیم وہمچناں گیریم
کہ عالم بے قضا وبے تحکیم وبے توکیل برسم
فضولی حکم تفریق نمودہ است نیز رنگ نفاذ
یافت زیرا کہ حکم فضولی نزد ما باطل نیست
بلکہ بر تنفیذ متخاصمین موقوف اینجا کہ
زن وشوہر ہر دو بران حکم راضی شدند و
بران بستہ تنفیذش کردند بنفاذ انجامید
وتسلیم لاحق ہمچو تحکیم سابق گردید کما
نص علیہ فی رد المحتار

چھوڑا، یا اس کو چھوڑا، یا میں نے تیرا راستہ کھول دیا،
یا اس کا راستہ کھول دیا، کہے، الخ۔ اور اگر کوئی ایسا
فعل جو قول کے قائم مقام بن سکتا ہو تو اس فعل کو
قول پر دال قرار دینا بعید نہیں ہے۔ بحر کے قول میں صرف
دوبارہ عود نہ کرنے کے عزم کے طور پر بیوی کو ترک کرنے
پر متارکہ کا عدمِ تحقق مراد ہے جیسا کہ مقابلہ کے طور پر اس
کو ذکر کرنے سے ظاہر ہو رہا ہے، تاہم خاوند کا
عالم مذکور کو یہ کہنا اگر میرے اقرار کا ثبوت ہو جائے
تو میری بیوی کو مجھ سے جدا کر دو، یہ عالم کو اپنی طرف
تفریق کا وکیل بنانا ہے جبکہ توکیل میں تعلیق ہو سکتی ہے،
رد المحتار کے بیوع کے باب میں بزازیہ سے منقول ہے
کہ توکیل کو کسی شرط سے معلق کرنا جائز ہے، پس اس
صورت میں عالم کا تفریق کرنا خاوند کی طرف سے اس
کو متارکہ کی توکیل کی بناء پر ہے، اس تفریق پر
حکمِ فرقت، عدت اور بیوی کا خود مختار ہونا مرتب
ہو کر نافذ ہوا ہے، اگر ہم پانچ مذکورہ وجوہ سے
صرفِ نظر کر بھی لیں اور یہ قرار دیں کہ عالم مذکور نے
بغیر قضا، بغیر تحکیم (ثالثی) اور بغیر توکیل یہ تفریق
کی ہے اور بطور فضولی یہ کاروائی کی ہے، تب بھی
یہ تفریق نافذ ہو جائے گی کیونکہ ہمارے نزدیک
فضولی کا عمل باطل قرار نہیں پاتا بلکہ فریقین کی تنفیذ
پر موقوف رہتا ہے جبکہ یہاں مرد اور عورت دونوں نے

---

[1] بحر الرائق کتاب النکاح باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۶۲
[2] رد المحتار کتاب البیوع باب ما یبطل بالشرط الفاسد الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۰

عن الطحطاوی عن الهندیة عن المحیط وفی البحر لو حکم بغیر رضاهما لم یجز الا ان یجیزا بعد الحکم[1] اھ مختصرا وفیه عن المحیط لو امر القاضی رجلا ان یحکم بین رجلین لم یجز اذا لم یکن ماذونا بالاستخلاف الا ان یجیزه القاضی بعد الحکم او یتراضی علیه الخصمان[2] اھ بالجملہ کیفما کان فرقت میان ایں زن وشو حاصل شد و درفتوائے سابقہ روشن کردہ ایم کہ اقرار زنا بمادر زن مثبت حرمت مصاہرت ست و اصرار برآں نامشروط و رجوع ازاں نامقبول پس بعد عدت عناں زن ہم بدست زن باشد جز ایں کس باہر کہ خواہد عقد زناشوئی ببندد۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔

اس عالم کے عمل پر رضامندی ظاہر کر دی ہے اور اس کے عمل کے نفاذ کو پختہ کر دیا تو وہ عمل نافذ ہوگیا اگرچہ عالم کے عمل کے بعد راضی ہوئے لیکن بعد کا تسلیم کرنا بھی تحکیم سابق کی طرح ہے یعنی گویا انھوں نے اس کو پہلے ثالث بنایا اور تسلیم کرلیا، جیسا کہ اس پر ردالمحتار میں طحطاوی سے بحوالہ ہندیہ تصریح منقول ہے کہ محیط میں ایسے ہے۔ اور بحر میں ہے اگر کسی نے فریقین کی اجازت کے بغیر ثالثی فیصلہ دیا تو جائز نہ ہوگا الا یہ کہ فریقین فیصلہ کے بعد اس کو تسلیم کرلیں اھ مختصرا۔ اور اسی میں محیط سے منقول ہے اگر قاضی نے کسی شخص کو فریقین میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا تو قاضی کا حکم جائز نہ ہوگا بشرطیکہ قاضی کو اپنا خلیفہ بنانے کی اجازت نہ ہو، مگر اس صورت میں کہ اس شخص کے فیصلہ کے بعد قاضی اس کی توثیق کردے یا فریقین اس شخص کے فیصلہ کو باہمی رضامندی سے تسلیم کرلیں، تو وہ فیصلہ نافذ ہوجائیگا اھ خلاصہ یہ کہ اس مرد وعورت کے درمیان متارکہ اور فرقت ہوچکی ہے، اور پہلے ہم اپنے فتوٰی میں واضح کرچکے ہیں کہ اپنی بیوی کی والدہ سے زنا کے اقرار سے حرمت مصاہرہ ثابت ہوجاتی ہے اور یہ کہ حرمت کے لئے اس اقرار پر اصرار کرنا شرط نہیں ہے اور اس اقرار سے رجوع بھی صحیح نہیں ہے، پس عدت گزرجانے کے بعد یہ عورت خود مختار ہے وہ اس مرد کے سوا جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاء باب التحکیم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۹
[2] " بحوالہ المحیط " " " ۷/ ۲۵

(۲) والیے کہ تفویض خصومتے بعالمے مستجمع شرائط صلوح للقضاء کند اگر او خود مسلمان ست، ہمچو نوابان ریاستہائے اسلامیہ اگرچہ زیر دست سلطان کافر باشد سپردنش بلاریب معتبر بود وعالم درخصوص آں خصومت مثل قاضی شدہ کہ بعزل ہیچ یک از فریقین از قضاء نرود زیراکہ والی را چوں اختیار تقلید قضاء درجملہ امور ست در امرے خاص بالاولیٰ باشد والقضاء مما یتخصص بکل ماخصہ المقلد کما نصوا علیہ فی جامع الفصولین والبحر و التتارخانیۃ والمبسوط والمعراج وغیرھا کل مصر فیہ وال مسلم من جہۃ الکفار تجوز فیہ (و لفظ الاخیر من یجوز لہ)[1] اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیہم اھ[2] وفی البحر عن المحیط الامام الذی استعمل القاضی امر رجلا ممن یجوز شہادتہ ان یحکم بین رجلین وھو

(۲) قضا کی اہلیت والی شرط کا جامع عالم ہو تو اس کو کسی والی نے کوئی مقدمہ سپرد کیا ہو اگر وہ والی خود مسلمان ہے جیسا کہ اسلامی ریاستوں کے نواب حضرات اگرچہ وُہ کافر سلطان کے ماتحت ہیں تو یہ سپرد داری بلاشک معتبر ہوگی، اور اس خاص مقدمہ میں وہ عالم قاضی کی مثل ہوگا کہ فریقین میں سے کسی کے معزول کرنے سے وہ معزول نہ ہوگا کیونکہ جب ایسے والی کو جملہ اختیار والے قاضی کی تقرری کا اختیار ہے تو خاص ایک اختیار والے قاضی کی تقرری کا اختیار بطریق اولیٰ ہوگا اور قضاء ان امور میں سے ہے کہ تقرری کرنے والے کی تخصیص کی وجہ سے خاص ہوجاتی ہے جیسا کہ اس پر فقہاء نے تصریح فرمائی ہے۔ جامع الفصولین، بحر، تاتارخانیہ، مبسوط اور معراج وغیرہ میں ہے وہ تمام شہر جن میں کفار کی طرف سے مسلمان والی ہوں وہاں اقامتِ جمعہ، عیدین، خراج کی وصولی، قاضیوں کا تقرر اور یتیم لڑکیوں کا نکاح کرنا جائز ہے، آخری کے الفاظ میں (جن کو جائز ہے) کیونکہ ان پر مسلمان والی ہے اھ، بحر میں محیط سے منقول ہے کہ جو امام قاضی کی تقرری کرتا ہے وُہ ایسے شخص کو فیصلہ کرنے کا حکم دے جو شہادت کی اہلیت رکھتا ہو تو جائز ہوگا اور وہ شخص

---

[1] ردالمحتار بحوالہ المعراج الدرایۃ باب الجمعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۴۰

[2] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۳/۱۲۲

بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴

بمنزلة القاضی المولی[1] اھ واگر مفوض
کافرست مفوض الیه بتفویض او بر مذہب معتمد
مؤید بدلائل شرعیه وقواعد ملیه قاضی نشود وجهه
اقول ان الکافر لایلی فکیف
یولی قال تعالٰی لن یجعل اللّٰه
للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا[2]،
المولی بالفتح انما یستفید
نفاذ القول من المولی بالکسر
قال المحقق علی الاطلاق فی
الفتح اذا لم یکن سلطان و
لامن یجوز التقلد منه کما هو فی بلاد
المسلمین غلب علیهم الکفار
کقرطبة فی بلاد المغرب الآن
یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی
واحد منهم[3] اھ مختصرا، قال فی النهر
هذا هو الذی تطمئن النفس الیه فلیعتمد[4] اھ
قال الشامی الاشارة بقوله هذا الی ما افاده
کلام الفتح من عدم صحة
تقلد القضاء من کافر[5] الخ اقول

قاضی کے قائم مقام ہوگا اھ، اور اگر تقرر کرنے والا
خود کافر ہو تو شرعی دلائل اور دینی قواعد سے مؤید
قول کے مطابق مقرر کردہ شخص قاضی نہ ہوگا، میں
کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر خود مسلمانوں
کا ولی نہیں تو دوسرے کو کیسے ولی بنا سکتا ہے
اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو
مسلمانوں پر راہ نہ دے گا۔ مولّی (فتح کے ساتھ)
کے قول کا نفاذ مولِّی (کسرہ کے ساتھ) سے مستفاد
ہوتا ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا
جب مسلمانوں کا نہ کوئی سلطان ہو نہ ہی کوئی ایسا
والی جو قاضیوں کا تقرر کرسکے جیسا کہ مسلمانوں کے
بعض علاقوں پر کفار کا غلبہ مغرب میں ہوا ہے مثلاً
قرطبہ آج کل، تو مسلمانوں پر وہاں واجب ہے
کہ وہ اپنے اتفاق سے کسی ایک پر راضی ہوجائیں
اھ مختصراً۔ نہر میں فرمایا: اسی پر طبیعت مطمئن ہے
لہذا اسی پر اعتماد چاہیے اھ، علامہ شامی نے
فرمایا: ھذا کے ساتھ ان کا اشارہ فتح کے اس
کلام کی طرف ہے جس میں کافر کی طرف سے تقررِ قضا
کو نادرست کہا گیا ہے الخ۔ میں کہتا ہوں کہ پہلے

۱؎ بحرالرائق کتاب القضاء باب التحکیم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۵
۲؎ القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱
۳؎ فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۵
۴؎ ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸
۵؎ ردالمحتار " " " " " "

13

ويؤيده ما قدمنا في مسألة الاولى عن المبسوط والمعراج وجامع الفصولين وغيرها ثم رأيت العلامة البحر ايده به في البحر حيث قال بعد نقل كلام الكمال و ويؤيده ما في جامع الفصولين[1] الخ وظاهرًا حكم نيز نشود اگر رفتن متخاصمين پيش او همين بربنائے تفويض حاكم ست قال في رد المحتار في البحر عن البزازية قال بعض علمائنا اكثر قضاة عهدنا في بلادنا مصالحون لانهم تقلدوا القضاء بالرشوة ويجوز ان يجعل حاكما بترافع القضية واعترض بان الرفع ليس على وجه التحكيم بل على اعتقاد انه ماضي الحكم الاترى ان البيع ينعقد ابتداء بالتعاطي لكن اذا تقدمه بيع باطل او فاسد وترتب عليه التعاطي لا ينعقد البيع لكونه ترتب على سبب أخر فكذا هنا[2] اهـ باختصار آرے اگر خصمين برضائے خود

مسئلہ میں ہم نے جو مبسوط، معراج، جامع الفصولین وغیرہ کا بیان نقل کیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے، پھر میں نے علامہ بحر کو اسی سے اس کی تائید بحر میں کرتے ہوئے دیکھا جہاں انھوں نے کمال کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ جامع الفصولین کا بیان اس کی تائید کررہا ہے الخ۔ ظاہر یہ ہے کہ کافر کا مقرر کردہ قاضی ثالث بھی نہیں بن سکتا بشرطیکہ فریقین اس نظریہ سے اس کے ہاں پیش ہوں کہ یہ حاکم کا مقرر کردہ ہے، ردالمحتار میں ہے کہ بحر میں بزازیہ سے منقول ہے کہ ہمارے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہمارے علاقہ کے اکثر قاضی ثالث ہیں کیونکہ انھوں نے رشوت سے قضاء حاصل کی ہے تو قاضی نہ ہوئے، تاہم اگر مقدمہ پیش ہو تو وہ ثالث کی حیثیت سے فیصلہ کرسکتے ہیں، اس پر اعتراض ہوا کہ ان کے ہاں مقدمہ بطور ثالث پیش نہیں ہوا بلکہ فریقین نے اس اعتقاد پر پیش کیا کہ وہ قاضی نافذ الحکم ہے، تو یہ فیصلہ درست نہ ہوگا، کیا دیکھتے نہیں کہ ابتداءً بیع لین دین سے منعقد ہوجاتی ہے لیکن وہی بیع پہلے باطل یا فاسد ہوچکی ہو تو اب لین دین کے تبادلہ سے وہ بیع منعقد نہ ہوگی کیونکہ یہ دستی لین دین کا تبادلہ اب پہلے فاسد سبب پر مرتب ہے (تو یہاں بھی اگرچہ ابتداءً ثالث ہوسکتا تھا لیکن اب فاسد عمل پر مرتب ہونے کی وجہ سے وہ ثالث قرار نہ پائیگا)

---

[1] بحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۴

[2] ردالمحتار " باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۷-۴۸

سوئے او ترافع کنند حکم می شود و پیش از حکم بعزل ہر یکے متعزل گردد کما ھو حکم الحکم وھو ظاھر، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اھ مختصرا۔ ہاں اگر فریقین اپنی مرضی سے ثالث سمجھ کر اس کے ہاں پیشی کریں تو وہ ثالث ہوسکے گا اور فیصلہ سے قبل فریقین میں سے ہر ایک کی معزولی سے معزول قرار پائے گا جیسا کہ ثالثی کا حکم و قانون ہے، اور یہ واضح بات ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۴ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید کی دو زوجہ ہیں، زید نے زوجہ اول کو کُل جائداد اپنی بالعوض مہر بیع کردی اور قبضہ و دخل مثل نفس خاص اپنے کے کرادیا۔ اب زوجہ ثانی کہتی ہے کہ میرا ابھی مہر ادا کرو ورنہ میں نالش کرکے نصف جائداد بالعوض اپنے مہر کے تقسیم کرالوں گی، آیا زوجہ ثانی تقسیم کرالینے نصف جائداد کی مستحق ہے یا نہیں؛ زید کہتا ہے کہ ابھی مہر تجھ کو بذریعہ نالش وصول نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ طلاق نہ ہوجائے میں محنت مزدوری کرکے ادا کروں گا، آیا یہ قول زید کا درست ہے یا غلط؟

الجواب

صورتِ مسئولہ میں جب زید نے وہ جائداد زوجہ اولیٰ کے ہاتھ بیع کردی زوجہ ثانیہ کو اس سے نصف جائداد عوض مہر لینے کا اختیار نہیں اور در بارۂ مہر جب شرط تعجیل و تاجیل سے عاری ہو اعتبارِ عرف ہے ان دیار کا عرف نہیں کہ قبل از فراق مہر ادا کیا جائے پس مطالبہ زوجہ ثانیہ محض نامسموع، البتہ اس کا مہر ذمہ زید واجب الادا ہے یہ حکم قضاءً صحیح ہے مگر دیانۃً اگر اس کا اس بیع سے زوجہ ثانیہ کو محروم رکھنا ہے تو اپنی اس نیت فاسد اور اس بیع پر کہ مبنی اس نیت پر ہے عند اللہ ماخوذ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۹۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید فوت ہوا اور ترکہ زید متوفی کا عوض دین مہر زوجہ ہندہ کے مکفول تھا عمرو نے نالش انفکاک رہن بادائے ایک سو ترسیٹھ روپیہ دین مہر کے عدالت میں دائر کرکے ڈگری حاصل کی اور بحکم عدالت کل دین مہر ہندہ کو عمرو نے ادا کردیا بعدہٗ ہندہ نے اپنا حصہ بدست حسینی دختر اپنی کے بیع کردیا اب حسینی حصہ ہندہ کا چاہتی ہے اس صورت میں حسینی بلا ادائے دین مہر اس کے جو کل عمرو نے ادا کردیا ہے حصہ ہندہ کا تقسیم کراسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سائل مظہر ہے کہ وہ ادا کرنا جانب عمرو سے بطریق تبرع نہ تھا اور یہ دین ترکہ سے کم ہے اور سوا اس کے میت پر اور دین نہیں پس تصرف ہندہ کا اپنے حصہ میں بیع کے ساتھ صحیح ہوا کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں مگر باوجود اس کے بوجہ تعلق حق دائن یا مرہون کے لئے محبوس رہے گا، اور دائن اگر

بیع کو جائز نہ رکھے تو وہ بیع مذہب راجح پر نفاذ نہ پائے گی،

قال العلامة السید الطحطاوی فی حاشیة الدر من کتاب الفرائض حکم الترکة قبل قضاء الدیون کحکم المرھون بدین علی المیت فلا تنفذ تصرفات الورثة فیھا ھذا اذا کانت الترکة اقل من الدین او مساویة له واما اذا کان فیھا زیادة علیه ففی نفوذ تصرفات الورثة وجھان احدھما النفوذ الی ان یبقی قدر الدین واظھرھما عدم النفوذ علی قیاس المرھون[1] اھ عجم زادہ[عہ]۔

علامہ سید طحطاوی نے در کے حاشیہ میں کتاب الفرائض میں فرمایا: میت پر قرض کی ادائیگی سے قبل اس کا ترکہ قرض میں رہن کے حکم میں ہوگا تو اس ترکہ میں ورثاء کے تصرفات نافذ نہ ہوں گے جبکہ ترکہ قرض سے کم یا مساوی ہو لیکن اگر ترکہ قرض سے زائد ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ زائد میں ورثاء کا تصرف نافذ ہوگا یہاں تک کہ مقدار دین باقی رہ جائے، دوسری یہ کہ ان کا تصرف نافذ نہ ہوگا مرہون چیز پر قیاس کی وجہ سے، دونوں صورتوں میں یہ دوسری زیادہ ظاہر ہے اھ عجم زادہ۔ (ت)

پس مشتریہ تاوقتیکہ ترکہ الفایا ابراء دین سے فارغ ہو جائے حصہ ہندہ پر قبضہ نہیں کرسکتی اور صرف اس کا بقدر حصہ رسدی اپنے کے ادا کردینا کافی نہ ہوگا جب تک کل دین ادا نہ ہوجائے،

کما ذکرنا من ان الدین ولو لم یکن محیطا یمنع نفاذ تصرفات الورثة۔

جیسے ہم نے ذکر کیا کہ دین اگرچہ وراثت کو محیط نہ ہو وہ ورثاء کے تصرفات کے نفاذ سے مانع ہے۔ (ت)

ہاں اگر دائن روا رکھے اور اس امر پر راضی ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ حبس اس کے حق کے لئے تھا پس حسینی اس تقدیر پر قابض ہوسکتی ہے اور حصہ ہندہ کے عوض ان کے ثمن حق دائن میں محبوس رہیں گے کما ھو حکم المرھون المصرح به فی المتون (جیسا کہ متون میں مرہون چیز کا حکم تصریح شدہ ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۶ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس صورت میں، چالیس برس کا عرصہ ہوا

عہ لفظ عجم زادہ کے بعد اصل میں بیاض ہے۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض دار المعرفۃ بیروت ۴/۳۶۷

مسمّی زید فوت ہُوا، بعد وفات شوہر بموجودگی دیگر ورثاء شرعی کل متروکہ زید پر مسماۃ ہندہ زوجہ بعوض دین مہر قابض ودخیل ومتصرف مالکانہ ہوئی اور تین لڑکیاں بھی زید کی تھیں، گو دین مہر کثیر التعداد تھا اور اس قدر جائداد مورث نہ تھی کہ مکتفی دین مہر کو ہو اور منجملہ جائداد متروکہ شوہری مسماۃ نے ایک قطعہ زمین بعد وفات شوہر بعوض مبلغ ؎ روپیہ رہن رکھا اور اس میں یہ لفظ تحریر ہے کہ مالکانہ قابض ودخیل ومتصرف ہوں اور اس فعل مالکانہ کو ورثاء تسلیم کرتے رہے اور بھی افعالِ مالکانہ بلاشرکت احدے ہوتے رہے، چنانچہ اس متروکہ شوہری سے اپنے بھتیجوں کو ایک مکان پختہ اراضی شوہری میں بنوایا اور بعلم وآگاہی واطلاع اور موجودگی ورثاء ایک مدت تک تعمیر ہوتا رہا، کوئی مزاحم ومعترض نہ ہوا، اور یہ سب افعال ملکیتی تسلیم ہوتے رہے، اور لڑکیاں جو شوہر نے چھوڑی تھیں کبھی ہارج ومزاحم نہ ہوئیں، نہ تقسیم چاہی نہ ترکہ معین ہوا، بالکلیہ زوجہ مالک وقابض ومتصرف رہی اور جمیع افعال ملکیت پر عملدرآمد ہوتا رہا کوئی مخالفت نہ کی اور اس کے بعد بحیات مسماۃ ہندہ ایک دختر ۳ اس کی فوت ہوئی، بعد وفات اس کے بھی حسبِ دستور سابق وہی افعال ملکیت مسماۃ ہندہ کے ہوتے رہے کسی لڑکی نے نہ تقسیم چاہی نہ ترکہ طلب کیا، مجرد اپنی والدہ ہندہ کے پاس آتی جاتی رہیں اور شفقت مادرانہ ہوتی رہی اب عرصہ پندرہ سولہ سال کا ہوا کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی اور اس کے ورثاء میں سے دو۲ لڑکیاں اور دو۲ بھتیجے ہیں بموجب فرائض شریف کے دو۲ دو لڑکیوں کے اور ایک ایک برادر زادہ کا حصہ ہوتا ہے اور ۶ سے مسئلہ قرار پاتا ہے چونکہ اب لڑکیوں نے کہ حصہ قلیل ہوا جاتا ہے اور برادر زادگان مستحق حصہ شرعی ہیں محض اتلاف حق کے لئے چالیس برس کے بعد یہ امر بیان ہوتا ہے کہ آج تک کبھی اس امر کا تذکرہ بھی نہیں آیا تھا کہ مسماۃ ہندہ کل ترکہ پر قابض بوجہ ترکہ ہوگئی ہوگی اور کبھی یہ حیلہ پیش ہوتا ہے کہ جنازہ اُٹھتے وقت اکثر مہر معاف بھی ہوجاتا ہے، رواجاً معاف کردیا ہوگا، اور کبھی یہ بیان کہ معاف کردیا اس امر کا بیان کنندہ سوائے ان دو۲ لڑکیوں متوفیہ کے کہ وُہ خود اپنی کمی ترکہ کے سبب سے اور باغوا اپنے اہل وعیال کے اس وقت بیان کرتی ہیں کبھی سابق بیان بھی نہیں کیا ابطال وکمی حق برادر زادگان مسماۃ متوفیہ کے لئے باوجود عملدرآمد ہونے افعال ملکیت مسماۃ ہندہ کے ۲۵، ۳۰ سال تک اور اظہار قبضہ دین مہر اور عدم اظہار معافی مہر سوائے بیان سال حال مجرد بیان خیالی دو۲ لڑکیوں کا بغیر علم وآگاہی دیگر بزرگان خاندان کے اور نہ ہونے کسی وثیقہ تحریری کے بلکہ برخلاف اس کے عمل درآمد ہوتا رہا اور کسی وارث نے یہ ذکر نہ کیا اور انتقالات تحریری اور زبانی مسماۃ ہندہ ہمیشہ مسلّم کئے پس ایسی حالتوں میں یہ مہر معاف سمجھا جائے گا یا کیا؟ اور تقسیم ترکہ اب مسماۃ ہندہ کی ہوگی یا شوہر ہندہ کی قرار دینا چاہئے اور یہ عملدرآمد کیسا سمجھا جائے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ۱۹۷

صورت مستفسرہ میں دعوی دختران ہرگز قابل سماعت نہیں، نہ اب وہ ترکہ شوہر ٹھہر سکے، نہ مجرد ان کے بیان سے مہر کی معافی سمجھی جائے اور بیان بھی کیسا مضطرب کہ کبھی تو بربنائے رواج یہ احتمالی حکم کہ جنازہ اٹھتے وقت مہر معاف ہوجاتا ہے یہاں بھی ہوگیا ہوگا، حالانکہ یہ کلیہ بھی غلط ہے، کوئی معاف کردیتا ہے کوئی نہیں کرتا، اور سب معاف کردیا کرتے تو کیا تھا، خاص ہندہ کی معافی ثابت ہونا چاہیے تھی اور کبھی کچھ سمجھ کر یہ قطعی دعوی کہ معاف کردیا اگر معاف کردیا تھا تو تم نے بربنائے مہر کل جائداد پر ہندہ کو کیوں قبضہ کرنے دیا تھا اور چوبیس پچیس برس تک اس کے تصرفات مالکانہ دیکھ کر کیوں خاموش رہیں اور اس کے انتقال پر بھی یہ پندرہ سولہ برس کا سکوت کس لئے تھا یہ خاموشی چہل سالہ شرعاً قرینہ واضحہ ہے کہ دعوی بربنائے زور وتلبیس واتلاف حق برادرزادگان ہے، ہمارے ائمہ اصحاب متون وشروح وفتاوی تصریح فرماتے ہیں کہ جب ایک جائداد میں کوئی شخص ایک مدت تک خود تصرفاتِ مالکانہ کرتا رہے یا بیع خواہ ہبہ خواہ کسی اور طرح دوسرے کو تملیک کرے اور وہ دوسرا ایک زمانہ تک اس میں متصرف رہے پھر ایک مدعی جو اس شہر میں موجود ہو اور ان حالات پر مطلع ہو دعوی کرنے لگے کہ یہ جائداد میری ملک ہے اب وہ دعوی بجہت میراث ہو خواہ کسی دوسرے سبب سے ہرگز ہرگز نہ سنا جائے گا اور اس کا ان تصرفات کے وقت خاموش رہنا اپنی اجنبیت اور متصرف کی مالکیت کا صریح اقرار قرار پائے گا،

فی فتاوی العلامۃ المرحوم سیدی محمد بن عبد اللہ الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ تزید علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ والرجل المذکور یتصرف فی البیت المذبور ھدما وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فھل اذا ادعی البیت اوبعضہ بعد ماذکر من تصرف الرجل المذکور فی البیت ھدما وبناء فی المدۃ المذکورۃ تسمع دعواہ ام لا اجاب لاتسمع دعواہ علی ما علیہ الفتوی[1] وفتاوی الامام

سیدی علامہ محمد بن عبد اللہ الغزی التمرتاشی مرحوم مصنف تنویر الابصار کے فتاوی میں ہے کہ ان سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جو ایک حویلی کے کمرہ میں عرصہ زائد از تین سال سے رہائش پذیر ہے اور وہ اپنے اس کمرہ میں توڑ پھوڑ و مرمت کرتا رہا اس کا پڑوسی اس کے یہ تصرفات دیکھتا رہا تو اب اس پڑوسی کو مذکورہ تصرفات پر اطلاع کے باوجود اس کمرہ کے کل یا بعض پر دعوی کا حق ہے اور کیا اس کا دعوی قابلِ سماعت ہوگا یا نہیں؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اس کا دعوی قابلِ سماعت نہ ہوگا اسی پر ہی فتوی ہے، اور امام علامہ

[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوی غزی کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۴

العلامة خير الملة والدين الرملي سئل
في رجل اشترى من أخرستة اذرع
من ارض بين البائع وبنى بها بناء و
تصرف فيه ثم بعده ادعى رجل على
الباني المذكوران له ثلثة قراريط
ونصف قيراط في المبيع المذكور ارثا
عن امه ويريد هدمه والحال ان
امه تنظره يتصرف بالبناء والانتفاع
المذكورين هل له ذلك ام لا ،
اجاب لا تسمع دعواه لان علمائنا
نصوا في متونهم وشروحهم وفتاويهم ان
تصرف المشتري في المبيع مع اطلاع
الخصم ولوكان اجنبيا بنحو البناء والغرس
والزرع يمنعه من سماع الدعوى قال صاحب
المنظومة اتفق اساتيذنا على انه
لاتسمع دعواه ويجعل سكوته رضا
للبيع قطعا للتزوير والاطماع والحيل
والتلبيس وجعل الحضور و
ترك المنازعة اقرارا بانه ملك
البائع اھ[1] ملخصا وفيها ايضا سئل
في رجل تلقى بيتا عن والده
وتصرف فيه كما كان والده من
غير منازع ولا مدافع مدة تنوف

خیرالدین رملی کے فتاوی میں ہے ان سے سوال ہوا
کہ ایک شخص نے دوسرے سے چھ ذراع زمین
خریدی جو کہ بائع کے قبضہ میں تھی جس کو خریدنے کے
بعد خریدار نے اس پر تعمیر کی اور دیگر تصرفات کئے پھر
بعد میں ایک اور شخص نے اس خریدار مذکور پر دعوی
کردیا کہ مبیع زمین میں ساڑھے تین قیراط میری ملکیت
ہے جو مجھے والدہ سے وراثت میں ملی ہے اور وہ تعمیر کو
گرانے کا مطالبہ کررہا ہے حالانکہ مدعی کی والدہ خریدار
کو تعمیر وغیرہ تصرفات کرتے ہوئے دیکھتی رہی ہے تو
اس مدعی شخص کو اس دعوی کا حق ہے یا نہیں، انھوں نے
جواب میں فرمایا کہ اسکا دعوی مسموع نہ ہوگا کیونکہ ہمارے علماء
نے متون، شروح اور فتاوی میں نص فرمائی ہے کہ مبیع میں
خریدار کے تصرفات پر مخالف کو اطلاع ہونے کے
باوجود کہ وہ تعمیر، پودے اور زراعت جیسے تصرفات
کررہا ہے اتنی مدت خاموش رہنا اس کے دعوی
کی سماعت کے لئے مانع ہے اگرچہ ایسا مدعی
اجنبی کیوں نہ ہو۔ صاحب منظومہ نے فرمایا کہ ہمارے
اساتذہ نے فرمایا ہے کہ ایسے شخص کا دعوی قابل سماعت
نہ ہوگا اور اس کی خاموشی کو اس بیع پر رضامندی
قرار دیا جائیگا تاکہ فریب، لالچ، حیلہ سازی اور
تلبیس کا دروازہ بند ہوسکے اور موجودگی کے باوجود
اس کا منازعت نہ کرنا یہ اس بات کا اقرار ہے
کہ یہ چیز بائع کی ملکیت تھی اھ ملخصاً، اور اس میں
یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے اپنے والد سے مکان حاصل

[1] فتاوی خیریہ   کتاب الدعوی   دار المعرفۃ بیروت   ۲/ ۸۷ و ۸۸

عن خمسین سنة والآن برز جماعة یدعون ان البیت لجدھم الاعلی فھل تسمع دعوٰھم مع اطلاعھم علی التصرف المذکور و اطلاع اٰبائھم وعدم مانع یمنعھم من الدعوی، اجاب لاتسمع ھذہ الدعوی[1] وفیھا عن البزازیة علیہ الفتوی قطعا للاطماع الفاسدة[2] وفی الولوالجیة ثم الخیریة ثم الحامدیة وغیرھما رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اٰخر رأی الارض و التصرف ولم یدع ومات علی ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوی ولدہ فتترك علی ید المتصرف لان الحال شاھد[3] وفی الخیریة و بہ افتی شیخ الاسلام شہاب الدین احمد الحلبی المصری[4] وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوٰی[5] و

کیا اور اپنے والد کی طرح اس میں بغیر رکاوٹ و ممانعت تقریباً پچاس سال کی مدّت تک تصرفات کرتا رہا اور اب ایک جماعت نے دعوٰی شروع کردیا کہ یہ مکان ہمارے جدِاعلیٰ کا ہے تصرفاتِ مذکورہ پر ان کو اور ان کے آباء کو اطلاع ہونیکے باوجود ان کا منع نہ کرنا حالانکہ رکاوٹ نہ تھی، تو کیا اس گروہ کا دعوٰی قابلِ سماعت ہے، تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ دعوٰی مسموع نہ ہوگا اور اس میں بزازیہ سے منقول ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے تاکہ طمع فاسد کا سدِّباب ہوسکے۔ ولوالجیہ پھر خیریہ پھر حامدیہ وغیرہا میں ہے کہ ایک شخص زمانہ بھر زمین میں تصرف کرتا ہے اور دوسرا شخص زمین اور اس میں تصرفات دیکھتا رہا اور کوئی دعوٰی نہ کیا اسی حال میں وہ فوت ہوگیا تو اب اس کے بیٹے کا دعوٰی قابلِ سماعت نہ ہوگا بلکہ زمین کو قابض کے پاس رہنے دیا جائے گا کیونکہ اس پر حال شاہد ہے، اور خیریہ میں ہے کہ شہاب الدین شیخ الاسلام احمد حلبی مصری نے اسی پر فتوٰی دیا ہے۔ عقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة میں ہے کہ تصرفات پر اطلاع ہونا ہی دعوٰی کے لئے مانع ہے اور

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفة بیروت ۲/۵۵
[2] " " " ۲/۵۹
[3] " بحوالہ الفتاوی الولوالجی " " ۲/۵۵
[4] " " " ۲/۵۹
[5] العقود الدریہ " ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۴

فیھالم یقیدوہ بموت و لا بمدۃ کما تری[۱] وفی ردالمحتار من مسائل شتی مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع وان لم یسبقہ بیع[۲] و فی الدرالمختار باع عقارا او حیوانا او ثوبا وابنہ و امرأتہ او غیرھما من اقاربہ حاضر یعلم بہ ثم ادعی الابن مثلا انہ ملکہ لا تسمع دعواہ کذا اطلقہ فی الکنز والملتقی وجعل سکوتہ کالافصاح قطعا للتزویر والحیل[۳] عہ

اس میں ہے کہ فقہاء نے اس حکم کو موت اور مدت سے مقید نہیں فرمایا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، اور ردالمحتار کے مسائل شتی میں ہے کہ اطلاع ہوجانے پر سکوت ہی دعوٰی کے لئے مانع ہو گا اگرچہ پہلے بیع نہ ہو ——— اور درمختار میں ہے ایک شخص نے زمین یا جانور یا کپڑا فروخت کیا جبکہ اس کا بیٹا یا بیوی یا دیگر اقارب حاضر تھے اور جانتے تھے پھر مثلاً بیٹے نے دعوٰی کر دیا کہ فروخت شدہ چیز میری ہے تو اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا۔ اس کو کنز اور ملتقی میں یوں ہی مطلق ذکر کیا اور اس موقعہ پر سکوت کو اقرار کی طرح قرار دیا تاکہ حیلہ سازی اور فریب کاری کا سدِّباب ہوسکے۔ (ت)

مسئلہ ۴۷: از رامپور مرسلہ سید محمد منور علی صاحب تحصیلدار بھوپال ۲۲ شعبان معظم ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنا ایک مکان جس کا جار ملاصق زید ہے غیبت زید میں جبکہ وہ اپنی نوکری پر بھوپال میں تھا عمرو کے ہاتھ بیع کیا اور بیعنامہ بعبارت معمولی لکھا اس مکان کے جانب شمال جو دیوار مکان مبیع و مکان شفیع میں حدِ فاصل ہے اصل الفاظ بیع کے ذکر میں اس دیوار پر ایراد عقد کا کچھ تذکرہ نہیں، نہ تفصیل عملہ مبیعہ میں، باآنکہ ایک ایک چیز مفصلاً لکھی ہے اس کا نام ہے حدود مبیع جہاں لکھے ہیں وہاں زیر حد شمالی یہ لفظ ہیں (شمالی مکان میاں منور علی و پاکھ کلاں شامل میاں منور علی و دیوار سراسر و دخل مبیعہ ہذا) زید جب بھوپال سے آیا اور بیع پر اطلاع پائی مدعی شفعہ ہوا اور عرضی میں بنائے شفعہ ثابت کرنے کو یہ الفاظ لکھے (امراؤ بیگم مدعا علیہا بائعہ نے مکان مدعا بہا

عہ اصل میں ایک صفحہ کی بیاض ہے شاید جواب مکمل دستیاب نہ ہوا۔

---

[۱] العقود الدریہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴

[۲] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۳

[۳] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۶

معلومہ مقبوضہ اپنا عوض مبلغ ساٹھ روپے قیمت اصل وواقعی بموجب بیعنامہ رجسٹری شدہ ۲۲ / اگست ۱۸۸۹ء بغیبت مدعی بدست مدعا علیہ بیع صحیح شرعی کیا) دیوار مذکور جس پر ہمیشہ سے زید و مورث زید کا قبضہ تھا اور رہے مکان زید کی کھپریلیں اور ان کی ترکیبیں اس پر پڑی ہیں اور ہندہ و عمرو کا کوئی قبضہ اس پر نہ تھا نہ ہے، نہ ان کے مکان کی کوئی کڑی یا ترک وغیرہ اس دیوار پر ہے، اب عمرو مدعی ہوا کہ یہ دیوار مکان مبیع ہندہ کی ہے اور میں بحکم بیع اس کا مالک ہوں زید سے دلادی جائے مگر کوئی ثبوت اس دیوار میں اپنی ملک کا نہ دے سکا سوا اس کے کہ زید نے دعوی شفعہ میں بوجہ عبارت مذکورہ امراؤ بیگم نے اپنا مکان مقبوضہ بیع صحیح شرعی کیا اس بیعنامہ کو مسلم رکھا اور اس کے حوالہ دینے سے زید کا بیعنامہ دیکھنا ظاہر ہے اور اس میں دیوار مذکور بھی داخل بیع تھی تو زید کا بذریعہ شفعہ اسے طلب کرنا صریح اقرار ہو چکا کہ دیوار ملک عمرو مشتری ہے حالانکہ زید نے ہرگز بیعنامہ نہ دیکھا نہ اس کے سامنے لکھا گیا نہ وہ اس وقت اس شہر میں تھا اثبات بنائے شفعہ کے لئے تاریخ رجسٹری معلوم کرکے عرضی دعوی میں ذکر بیعنامہ کیا تھا۔ اس صورت میں علمائے شرع مطہر سے استفسار ہے کہ زید کا وہ الفاظ لکھنا دیوار ملک عمرو ہونے کا شرعاً اقرار قرار پائے گا یا نہیں؟ اور اس بناء پر عمرو کا استحقاق اس دیوار پر ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں دعوی عمرو محض بے ثبوت ہے، نہ اس بناء پر دیوار اسے دلائی جاسکتی ہے

اولاً جبکہ دیوار حسب تحریر سوال زید کے استعمال میں ہے اور عمرو و ہندہ کا کوئی علاقہ اس پر نہیں جس سے ان کا استعمال ثابت ہو تو بحکم ظاہر دیوار ملک خاص زید ہے۔ تنویر الابصار و درمختار وغیرہما میں ہے:

الحائط لمن جذوعہ علیہ[1]

دیوار اس کی ہے جس کا اس پر شہتیر ہے۔ (ت)

معین الحکام میں ہے:

ان لاحدھما علیہ جذوع ولا شیئ علیہ للاٰخر یقضی بہ لرب الجذوع لانہ مستعملہ[2]

ایک فریق کا اس پر شہتیر ہے اور دوسرے کا کچھ نہیں ہے تو دیوار کا فیصلہ شہتیر والے کے حق میں ہوگا کیونکہ وہ اس کو استعمال کر رہا ہے (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی باب دعوی الرجلین مطبع مجتبائی دہلی ۲ / ۱۲۷

[2] معین الحکام الباب التاسع والاربعون مصطفی البابی مصر ص ۱۶۳

اور خود عمرو جبکہ تخلیۂ دیوار کا نالشی ہوا تو اپنا خارج اور زید کا ذوالید و قابض ہونا تسلیم کرلیا بہرحال عمرو اس مقدمہ میں شرعاً مدعی ہے پس تاوقتیکہ ثبوت مقبول شرعی سے اپنا دعوی ملک منور نہ کرے مقبول نہیں ہوسکتا دعوی شفعہ میں زید کا حوالۂ بیعنامہ دینا کون سی دلیل شرعی ہے کہ اس نے بیعنامہ دیکھا اور اس کا لفظ لفظ تسلیم کرلیا بیان سائل کہ اثبات بنائے شفعہ کے لئے تاریخ رجسٹری معلوم کرکے ذکر بیعنامہ کیا گیا ہرگز قابلِ التفات نہیں۔

ثانیاً اگر فرض کریں کہ بیان مذکور سائل بعید از قیاس نہیں ہے تو غایت یہ کہ یہ ایک قرینہ ظاہرہ ہوگا اور ظاہر مدعی کو کام نہیں دیتا، نہ اس کی بنا پر ثبوت ملک ہوسکتا ہے۔ درمختار وغیرہ عامہ کتب فقہیہ میں ہے:

الظاہر یصلح حجۃ للدفع لا للاستحقاق۔[1] ظاہر دفع کی صلاحیت رکھتا ہے نہ کہ ثبوت استحقاق کی۔ (ت)

ثالثاً تسلیم ہی کیجئے کہ اس سے نہ صرف ظاہراً بلکہ قطعاً و یقیناً زید کا بیعنامہ کو دیکھ کر حوالہ دینا اور عبارت مذکورہ لکھنا ثابت ہے تاہم اس سے کس قدر ثبوت ہوا یہ کہ زید مکان مبیع کو مملوک و مقبوض ہندہ جانتا اور بیع کو صحیح مانتا اور بذریعہ شفعہ لینا چاہتا ہے اس سے اب کب زید کو انکار ہوا وہ اب بھی کہے گا کہ واقعی ہندہ نے اپنا ہی مکان مملوک و مقبوض بیع کیا اور یہ بیع صحیح بھی ہے اور میں بذریعہ شفعہ اس کا خواستگار بھی ہُوا، رہی یہ دیوار، نہ یہ مملوک و مقبوض ہندہ تھی نہ اس پر بیع وارد ہوئی، نہ میں نے شفعہ میں مانگی، الفاظ عقد بیع میں مکان ہندہ کا ذکر ہے مکان ہندہ جس قدر تھا وہی ایجاب و قبول میں داخل ہوا، اسی کو بذریعہ شفعہ طلب کیا گیا ذکر حدود عقد بیع نہیں، نہ وہ حاکی ایجاب و قبول ہے، تو تسلیم صحت بیع سے تسلیم صحت جملہ الفاظ زائدہ مندرجہ بیعنامہ کیونکر لازم ہوسکتی ہے، علماء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے بیعنامہ پر خود اپنی گواہی لکھ کر مہر کردی تاہم یہ اس کا اقرار نہ قرار پائے گا کہ شے مبیع مِلکِ بائع ہے میری ملک نہیں وہ اس گواہی کردینے کے بعد بھی مکانِ مبیع پر دعوئ ملک کرسکتا ہے جبکہ اس کے الفاظ سے صراحۃً اس کا خلاف نہ ثابت ہو۔ درمختار میں ہے:

یؤیدہ مسألۃ کتابتہ وختمہ علی صك البیع فانہ لیس باقرار اس کی تائید اس مسئلہ سے ہوتی ہے، فروختگی کی رسید پر گواہ کے دستخط اور مُہر ہونے کے باوجود

---

[1] درمختار کتاب القضاء مسائل شتّٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶

بعد مرملکہ[1]

یہ اس کے مالک نہ ہونے کا اقرار نہیں

رابعاً ان سب سے قطع نظر کرکے مان ہی لیں کہ نفس عقد دیوار پر بھی وارد ہوا اور وہ بھی طلب شفعہ میں داخل تھی تاہم اس سے زید کا اس قدر اقرار حاصل ہوگا کہ یہ دیوار میری ملک نہیں، نہ یہ کہ عمرو کی ملک ہے ہمارے مذہب راجح میں کہ ظاہر الروایہ ہے اور اکثر تصحیحات ائمہ اسی جانب ہیں، اگر زید عمرو سے کوئی چیز مانگے کہ مجھے ہبہ کردے یا عاریۃً دے دے یا میرے ہاتھ بیچ ڈال یا اس کے مثل اور اقوال، تو ان سے صرف اپنی ملک نہ ہونے کا اقرار ثابت ہوتا ہے عمرو کی ملک ہونے کا اقرار نہیں نکلتا زیادات وصغرٰی وینابیع وعمادیہ وتتارخانیہ وسراجیہ ومغنیہ ووہبانیہ وخانیہ وغیرہا میں اسی کی تصحیح کی، امام اجل قاضیخان نے افادہ فرمایا کہ یہ اقرار ہو بھی تو بسبب ظاہر ہے اور ظاہر حجت استحقاق نہیں تو مدعی اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ ردالمحتار میں منح الغفار سے ہے:

الحاصل ان روایۃ الجامع ان الاستیام والاستیجار والاستعارۃ ونحوھا اقرار بالملک للمساوم منہ والمستاجر منہ وروایۃ الزیادات انہ لایکون ذلک اقرارا بالملکیۃ وھو الصحیح کذا فی العمادیۃ وحکی فیھا اتفاق الروایات علی انہ لاملک للمساوم ونحوہ فیہ[2]

جامع الصغیر کی روایت کے مطابق سودا لگانا، اجارہ پر طلب کرنا اور عاریتاً مانگنا یہ قابض جس سے چیز لی یا مانگی جارہی ہے، کی ملکیت کا اقرار ہے اور زیادات کی روایت کے مطابق یہ اس کی ملکیت کا اقرار نہ ہوگا، یہی صحیح ہے جیسا کہ عمادیہ میں ہے اور اس میں مذکورہ صورت میں ملک نہ ہونے پر روایات کا اتفاق بیان کیا گیا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال الانقروی والاکثر علی تصحیح مافی الزیادات وانہ ظاھر الروایۃ۔[3]

انقروی نے کہا کہ اکثریت کا موقف زیادات کی تصحیح ہے، اور یہ ظاہر الروایۃ ہے۔ (ت)

انقرویہ میں ہے:

فی الصغری عین فی ید رجل

صغرٰی میں ہے کہ کوئی چیز کسی شخص کے قبضہ سے

---

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲/۲

[2] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار ؍؍ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۵۳/۴

[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۴۵۳/۴

اقدام اٰخر علی الشراء منہ یکون اقرارا بملکیۃ العین للبائع علی روایۃ الجامع وعلی روایۃ الزیادات لا وھو الصحیح اھ وکذا فی التاتارخانیۃ من الصغری والینابیع وفی السراجیۃ الاقدام علی الاستیام لایکون اقرارا بملکیۃ ذلک لذی الید علی روایۃ الزیادات وعلی روایۃ الجامع یکون اقرارا والاول اصح وکذا فی المنیۃ فظھران فیہ اختلاف التصحیح والاکثر علی تصحیح ما فی الزیادات وانہ ظاھر الروایۃ وقال قاضیخان روی ھشام عن محمد ان المساومۃ اقرار منہ لہ بالملک والصحیح ماذکر فی ظاھر الروایۃ انہ اقرار من حیث الظاھر فلایصلح حجۃ للاستحقاق[1] اھ مختصرا۔

خریدنا چاہتا ہے تو یہ اس چیز پر بائع کی ملکیت کا اقرار ہے جامع کی روایت کے مطابق جبکہ زیادات کی روایت کے مطابق ایسا نہیں اور یہی صحیح ہے اھ اور تاتارخانیہ میں صغری اور ینابیع سے ایسے منقول ہے، اور سراجیہ میں ہے کہ کسی سے چیز کو خریدنے کا اقدام یہ قابض کی ملکیت کا اقرار نہیں ہے زیادات کی روایت پر جبکہ جامع کی روایت کے مطابق یہ اقرار ہے اور اول صحیح ہے، اور منیہ میں بھی ایسے ہی ہے، تو ظاہر ہوا کہ اس مسئلہ کی تصحیح میں اختلاف ہے اور اکثریت زیادات کی تصحیح پر ہے اور یہ کہ ظاہر الروایت ہے، اور قاضی خان نے فرمایا کہ ہشام نے امام محمد سے روایت کیا ہے کہ خریدنے کا اقدام قابض کی ملکیت کا اقرار ہے، اور صحیح وہ ہے جو ظاہر الروایۃ میں ہے کہ یہ ظاہر میں اقرار ہے تو یہ ظاہری معاملہ استحقاق کے لئے حجت نہیں بن سکتا اھ مختصراً (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

القاعدۃ ان العمل بما علیہ الاکثر[2]

قاعدہ کے مطابق اکثریت کی رائے پر عمل ہے (ت)

قرۃ العیون میں ہے:

قلت فیفتی بہ لترجحہ بکونہ ظاھر الروایۃ وان اختلف التصحیح[3]

میں کہتا ہوں کہ تو اس پر فتوٰی دیا جائے کیونکہ اکثریت اور ظاہر الروایت کی وجہ سے یہی راجح ہے اگرچہ تصحیح میں اختلاف ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی القرویہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی عشر دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۲/ ۱۴۸

[2] العقود الدریۃ مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ حاجی عبدالغفار و پسران " " ۲/ ۳۵۶
ردالمحتار باب صلوۃ المریض دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱۰

[3] قرۃ عیون الاخیار کتاب الاقرار مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۸

غمز عیون البصائر میں ہے:

فی تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم ان مایصححہ قاضیخان من الاقوال یکون مقدما علی مایصححہ غیرہ لانہ کان فقیہ النفس[1]

علامہ قاسم کی قدوری میں ہے کہ اقوال میں سے جس کو قاضیخان صحیح قرار دیں وہ دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ یہ فقیہ النفس ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

کن علی ذکر مما قالوا لا یعدل عن تصحیح قاضیخان فانہ فقیہ النفس[2]

ترفقہاء کے قول کے مطابق عمل کر جو کہتے ہیں قاضیخان کے قول سے اعراض نہ کیا جائے کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں (ت)

تو یہ اقرار حق عمرو میں کچھ نافع نہ ہُوا، مانا کہ دیوار حسب اقرار زید ملک زید نہیں مگر ملک عمرو ہونے کا اقرار بھی تو نہیں، تو مدعی بے بینۂ عادلہ شرعیہ یا اقرار مدعا علیہ یا نکول محض اپنے زعم پر کوئی چیز کسی سے کیونکر لے سکتا ہے اور قاضی کیونکر دلا سکتا ہے، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

القاضی انمایقضی بالبینۃ او الاقرار او النکول[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

قاضی صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار پر فیصلہ دے گا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴: ۳ شوال المکرم ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جبکہ کسی شخص کا گاؤں بلاقید آمدنی ہو یعنی جب پیداوار اچھا ہو آمدنی معقول ہو اور خراب تو کم اور یہ گاؤں اس کے والدین نے ایام نابالغی میں اس کے نام کیا بعد بلوغ باہم ایک پنچایت نامہ ۱۳۰۵ھ میں بخیال زمانہ نازک ہوا پنچ نے والدین کے نام چھ سو روپے سالانہ اس کے گاؤں کی آمدنی سے دینا اس کے ذمہ قرار دے اور کوئی تفرق حصص والدین نہ کی بلکہ لکھا کہ یہ جملہ آمدنی بدست والد رہے گی وہ جس قدر چاہیں گے خود لیں گے اور جس قدر چاہیں گے اس کی والدہ کو دیں گے اس کا باپ ۱۳۱۳ھ میں فوت ہوگیا اب اس کی ماں علیحدہ ہو کر پچاس روپے ماہوار کل بیٹے سے لینا چاہتی ہے تو شرعاً چھ سو روپے سالانہ سے کس قدر والدہ کو چاہیے کس قدر لڑکے کو؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] غمز عیون البصائر — کتاب الاجارات — ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۵۵
[2] ردالمحتار — کتاب الھبۃ — داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳
[3] فتاوٰی خیریہ — کتاب الدعوٰی — دارالفکر بیروت ۲/ ۶۷

الجواب

سائل مظہر کہ یہ گاؤں اس کے والد کا تھا اس نے اپنی زوجہ کو مہر میں دیا پھر زوجہ سے اس لپسر نابالغ کے نام ہبہ کرالیا پھر بعد بلوغ اس بنا پر کہ آمدنی جائداد کا تحفظ چاہتے ہیں یہ پنچایت نامہ ہوا، والدۂ صاحب مال و زیور ہے محتاجِ نفقہ نہیں، اس صورت میں لڑکا گاؤں کا مالک مستقل ہوگیا اور یہ پنچایت محض بے معنی تھی جس کی پابندی ہرگز لازم نہیں ہوسکتی کہ شرط حکم صحت دعوٰی ہے اور دعوٰی طلب حق، اور یہاں والدین کا کوئی حق جائداد و توفیر میں نہ رہا تھا کہ ان کا دعوٰی صحیح ہوسکتا اور یہ پنچایت پنچایت ٹھہرتی، غایت یہ کہ اس کا قبول کرلینا لڑکے کی طرف سے ایک وعدہ قرار دیا جائے گا اور وعدہ کی وفا پر جبر نہیں۔ عالمگیری میں ہے:

لایلزمه الوفاء بالمواعید[1] وعدوں کا ایفاء ضروری نہیں ہے۔ (ت)

ہاں ماں کی خدمت دارین کی سعادت ہے جس قدر ہو بہتر ہے یہ امر دیگر ہے اور انسان کی اپنی مرضی پر ہے جبکہ حالت یہ ہے کہ ماں محتاجِ نفقہ نہیں ورنہ بقدر نفقہ دینا واجب۔ عالمگیری میں ہے:

یجبر الولد الموسر علی نفقة الابوین المعسرین مسلمین کانا او ذمیین قدرا علی الکسب او لم یقدرا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

والدین تنگ دست ہوں تو امیر بیٹے کو بہرصورت ان کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا، والدین مسلمان ہوں یا ذمی وہ کسب پر قادر ہوں یا نہ ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۹: از ریاست رامپور بزریا ملا ظریف گھر منشی عبدالرحمان خاں مرحوم مرسلہ عبدالرؤف خاں ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان زید نے خریدا، وقت خرید کے حد رابع کوچہ تھا، جب زید نے دعوٰی بنام عمرو کیا تو اسی حد رابع میں جو بیعنامہ میں کوچہ نافذہ لکھا تھا بموجب حد مندرج بیعنامہ کوچہ نافذہ لکھا گیا عمرو نے بھی اس کو مان لیا دوران مقدمہ میں زید کو معلوم ہوا کہ قبل رجوع دعوٰی ہذا سے بکر نے کوچہ نافذہ کو بند کرلیا اپنا مکان بجائے حد مذکور بنالیا ہے زید نے ایک سوال پیش قاضی اسی مضمون کا باظہار اس کے کہ پہلے وقت شرا کے کوچہ تھا قبل رجوع دعوٰی سے بکر نے اسی حد میں کوچہ بند کرکے اپنا مکان بنالیا ہے وقت رجوع دعوٰی کے میں نے نہ دیکھا تھا اب دیکھا تو تبدیل حد مذکور کی ہوگئی ہے بصورتِ مذکورہ توفیق

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷

[2] ؍؍ کتاب الطلاق الباب السابع عشر الفصل الخامس ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/ ۵۶۴

ہوگی یا نہیں اور اس توفیق سے دعویٰ زید قابلِ سماعت ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان کرو اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

ہاں اور دعوٰی میں کچھ خلل نہ رہا،

فی جامع الفصولین برمز شیخ الاسلام شمس الائمۃ السرخسی ان الشاھد لو اخطاء فی بعض الحد ثم تدارك واعاد الشھادۃ واصاب قبلت شھادتہ لو امکن التوفیق سواء تدارك فی المجلس او فی مجلس اٰخر ومعنی امکان التوفیق ان یقول کان صاحب الحد فلانا الا انہ باع دارہ من فلان اٰخر وما علمنا بہ او یقول کان صاحب الحد بھذا الاسم الا انہ سمی بعد ذلك بھذا الاسم الاٰخر وما علمنا بہ وعلی ھذا القیاس فافھم ھذا اذا ترك الشاھد احد الحدود او غلط فیہ ولو ترك المدعی احد الحدود او غلط فیہ فحکمہ کالشاھد جملۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جامع الفصولین میں شیخ الاسلام سرخسی کی علامت دے کر کہا کہ اگر حد بندی کے بیان میں گواہ خطا کرے اور پھر خطا کا ازالہ کرکے شہادت دے اور درستی کردے تو یہ شہادت مقبول ہوگی بشرطیکہ دونوں بیانوں میں موافقت ہوسکے خطا کا ازالہ اسی مجلس میں کردے یا کسی دوسری مجلس میں کردے' اور موافقت کا معنٰی یُوں کہ حدبندی والا فلاں ہے' کہہ کر، پھر کہے، مگر اس نے اپنا مکان دوسرے کو فروخت کیا جو فلاں ہے اور اس کا مجھے علم نہیں، یا یُوں کہ، حدود والے کا نام یہ ہے، پھر کہے، بعد میں اس کا یہ دوسرا نام بتایا گیا ہے اور مجھے علم نہیں ہے علٰی ہذا القیاس، اس کو سمجھو، یہ گواہ کے متعلق ہے کہ وہ حدود میں سے کسی حد کا ذکر چھوڑ دے یا غلطی کرے تو اگر مدعی حد بندی کے بیان میں ایسا کرے تو اس کا حکم بعینہٖ گواہ کی طرح کا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵ ازریاست رامپور مرسلہ منا بھائی ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

صورت یہ ہے کہ زید کے مکان کے بالاخانوں کے ایک ہی سمت اور سلسلے میں بہت دریچے ہیں جن میں سے دو دریچے جدید ہیں اور باقی تمام قدیم، ہندہ کا مکان زید کے مکان کے مقابل کوئی ستّر قدم کے فاصلے پر ہے اور ان دونوں مکانوں کے درمیان ایک وسیع شارع عام اور ایک کھنڈر واقع ہے۔

---

[1] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۹۵

ہندہ نے اس بناء پر کہ اس کے مکان کی بے پردگی ہوتی ہے منجملہ تمام دریچوں کے پانچ دریچے بند کرادینے یا ان کے سامنے دیوار قائم کرادینے کی نالش دائر کردی ان پانچ دریچوں میں سے دو جدید ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا اور باقی قدیم، چنانچہ فریقین کی شہادت سے یہ بات ثابت ہے اور درحقیقت اس بے پردگی کا باعث یہ ہے کہ ہندہ کا ایک مکان جو مانع بے پردگی تھا باختیار ہندہ منہدم ہوگیا اور اب بے پردگی میں دریچہائے متنازع فیہا اور زید کے مکان کے دوسرے دریچے اور وہ لوگ جو بہ سواری اسپ وفیل وشتر وغیرہ شارع عام سے گزرتے ہیں سب برابر ہیں۔ زید ہندہ سے کہتا ہے کہ دریچے بند ہوجانے سے میرے ہزار ہا روپے کے مکانات غارت ہوجائیں گے اور تمھارا ہر طرح سے صرف دس بارہ گرہ دیوار بلند کرلینے سے پردہ ہوسکتا ہے اور اگر تمھیں بار ہو تو صرف بھی میں ہی دُوں گا، اس صورت میں علمائے کرام سے سوال یہ ہے کہ آیا مطابق مذہب ائمہ حنفیہ ہندہ زید کو اپنی ملک میں تصرف سے مانع ہوسکتی ہے اور ہندہ دریچے بند کرادینے کی مستحق ہے۔ جواب مدلل بنقول روایات ہو۔ واللہ لایضیع اجر المحسنین (اللہ تعالٰی نیکی والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ت)

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں دعوٰی ہندہ باطل ونامسموع ہے، ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اصل مذہب وظاہر الروایۃ ومرجح ومصحح ومفتی بہ یہی ہے کہ انسان اپنی ملک میں تصرف کا مطلقاً اختیار رکھتا ہے دوسرا اپنے کسی نفع نقصان کی وجہ سے مالک کو اپنی ملک خاص مستقل میں کسی تصرف سے منع نہیں کرسکتا، خود محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ مبسوط میں کہ کتب ستہ ظاہر الروایۃ سے ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

ان کف عما یوذی جارہ فہو احسن، ولایجبر علی ذٰلک ولو فتح صاحب البناء فی علو بنائہ بابا اوکوۃ لم یکن لصاحب الساحۃ منعہ ولصاحب الساحۃ ان یبنی فی ملکہ ما یستر جہتہ[1]۔

اپنے پڑوسی کو تکلیف دہ امور نہ کرے تو اچھا ہے جبکہ اس پر اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا، اگر مکان والے نے مکان کے اوپر دروازہ یا کھڑکی کسی کے صحن کی طرف کھولی تو صحن والے کو منع کا حق نہیں ہے تاہم اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں عمارت بنا کر اس کی کھڑکی کو بند کردے۔ (ت)

وجیز امام شمس الائمہ کردری میں ہے:

---

[1] فتح القدیر بحوالہ المبسوط للامام محمد کتاب القضاء مسائل شتی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۴
خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الحیطان مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۲۶۳

الامام ظهیر الدین کان یفتی بجواب الروایة[1]

14

امام ظہیر الدین اس روایت پر فتوٰی دیا کرتے تھے۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال فی الفتاوٰی عن استاذنا انه یفتی علی قول الامام[2]

انھوں نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا کہ ہمارے استاذ سے مروی ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے اس قول پر فتوٰی دیا کرتے تھے۔ (ت)

محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں: الوجه لظاهر الروایة[3] (فتوٰی کی وجہ ظاہر الروایۃ ہے۔ ت)

شرح تنویر میں ہے:

جواب ظاهر الروایة عدم المنع مطلقا وبه افتی طائفة کالامام ظهیر الدین وابن الشحنة ووالده ورجح فی الفتح وفی قسمة المجتبی وبه یفتی واعتمده المصنف ثمه فقال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاهر الروایة[4]

ظاہر الروایۃ میں جواب مطلقًا منع نہیں ہے، اسی پر ایک جماعت کا فتوٰی ہے، جیسا کہ امام ظہیر الدین، ابن شحنہ اور ان کے والد، اسی کو فتح میں ترجیح دی ہے، اور مجتبٰی کے باب القسمۃ میں ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے، اور مصنف نے اسی پر اعتماد کرتے ہُوئے وہاں فرمایا فتووں میں اختلاف ہے جبکہ ظاہر روایت پر اعتماد چاہیے۔ (ت)

بحر الرائق میں ہے:

ذکر العلامة ابن الشحنة ان فی حفظه ان المنقول عن ائمتنا الخمسة ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد وزفر والحسن بن

علامہ ابن شحنہ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ ہمارے پانچوں ائمہ ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد، زفر اور حسن بن زیاد رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول ہے کہ اپنی ملکیت

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الحیطان نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۱۴
[2] " " " " ۶/ ۴۱۸
[3] فتح القدیر کتاب القضاء مسائل شتی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۴
[4] درمختار شرح تنویر الابصار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶

زیاد رضی اللہ تعالٰی عنہم انہ لایمنع عن التصرف فی ملکہ وان اضر بجارہ قال وھو الذی امیل الیہ واعتمدہ وافتی بہ تبعا لوالدی شیخ الاسلام رحمۃ اللہ تعالٰی۔[1]

میں تصرف سے منع نہ کیا جائے اگرچہ پڑوسی کو اس سے تکلیف ہو اور فرمایا مجھے یہی پسند ہے اسی پر اعتماد کرتا ہوں اور فتوٰی دیتا ہوں یہ اپنے والد شیخ الاسلام کی پیروی میں کرتا ہوں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔ (ت)

اور فقہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ جب فتوٰی مختلف ہو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب ہے اور اس سے عدول ناجائز، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے مرجوع عنہ ہے اور ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں،

صرح بکل ذٰلک فی الخیریۃ والبحر والدر ورد المحتار وغیرھا من معتمدات الاسفار وقد سردنا نصوصھم فی کتاب النکاح وغیرہ من فتاوٰنا۔

اس تمام کی تصریح خیریہ، بحر، دُر اور ردالمحتار وغیرہا قابلِ اعتماد کُتب میں ہے، ان کی نصوص کو ہم نے اپنے فتاوٰی کے باب النکاح میں جمع کر دیا ہے۔ (ت)

متاخرین نے کہ برخلاف مذہب جملہ ائمہ مذہب منظر لاضرر ولا ضرار فی الاسلام[2] منع پر فتوٰی دیا صاف تصریح فرمائی کہ اس کا محل وہاں ہے کہ مالک کا وہ تصرف دوسرے کو ضرر شدید صریح پہنچاتا ہو جس کی وجہ سے اس کا مکان گر جائے یا اصلاً قابلِ انتفاع نہ رہے ورنہ بالاجماع ممانعت نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

لایمنع الشخص من تصرفہ فی ملکہ الا اذا کان الضرر بینا۔[3]

کسی شخص کو اپنی ملکیت میں تصرف سے منع نہ کیا جائیگا اِلّا یہ کہ اس سے واضح ضرر پیدا ہو۔ (ت)

بحر میں ہے:

صحح النسفی فی الحمام ان الضرر ان کان فاحشا یمنع والا فلا والحاصل ان الذی علیہ غالب المشائخ من

امام نسفی نے تصحیح فرمائی ہے کہ اگر حمام کی وجہ سے فحش ضرر ہو تو منع کیا جائے ورنہ نہیں، حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں متاخرین کی غالب اکثریت

---

[1] بحر الرائق کتاب القضاء مسائل شتّی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۳
[2] نصب الرایۃ کتاب الجنایات باب مایحدث الرجل فی الطریق الخ مکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۳۸۴
[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۵

المتاخرين الاستحسان فی اجناس هذہ المسائل و افتی طائفۃ بجواب القیاس المروی و اختار فی العمادیۃ المنع اذا کان الضرر بینا وظاھر الروایۃ خلافہ۔[1]

نے استحسان پر عمل کیا اور ایک گروہ نے قیاس کے مطابق جواب دیا ہے اور عمادیہ میں منع مذکور ہے جب ضرر واضح ہو، اور ظاہر روایت اس کے خلاف ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

ترك القیاس فی موضع یتعدی ضررہ الی غیرہ ضررا فاحشا وھو المراد بالبین و ھو ما یکون سببا للھدم او یخرج عن الانتفاع بالکلیۃ وھو ما یمنع الحوائج الاصلیۃ کسد الضوء بالکلیۃ و اختاروا الفتوی علیہ فاما التوسع الی منع کل ضررما فیسد باب انتفاع الانسان بملکہ کما ذکرنا قریبا۔[2]

جہاں غیر کو اس کا ضرر فاحش پہنچے وہاں قیاس کو ترک کیا جائے گا اور واضح ضرر سے یہی مراد ہے کہ دوسرے کی عمارت کے انہدام کا سبب بنے یا انتفاع کُلی طور پر ختم ہوجائے وُہ یہ کہ حوائج اصلیہ مثلاً روشنی کو مکمل ختم کردے اسی پر فتوٰی ہے لیکن ہر قسم کے ضرر کی وجہ سے منع کرنا وسیع ہو تو پھر انسان اپنی ملکیت میں تصرف و انتفاع سے محروم ہوجائیگا جیسا کہ قریب ذکر ہوا۔ (ت)

یہاں اگر فرض کیا جائے کہ اب ہندہ کا ایسا ہی ضرر ہے جس کے سبب اس کا مکان اصلاً قابلِ انتفاع نہ رہا تو یہ ضرر دریچوں نے نہ پہنچایا کہ وہ تو قدیم سے ہیں اب تک ہندہ نے اپنے مکان سے کیونکر انتفاع کیا بلکہ یہ نقصان اس دیوار ہندہ کے انہدام سے پیدا ہوا جو حسب بیان سائل خود باختیار ہندہ منہدم ہُوئی اور کوئی شخص خود اپنے لئے سببِ ضرر پیدا کرکے دوسرے کا گریبان گیر نہیں ہوسکتا ورنہ کل کو ہندہ اپنی دیوار پردہ سے گز دوگز اور اتار کر شارع عام بند کرنے کی خواستگار ہوگی کہ لوگوں کے گزرنے سے میری بے پردگی ہے ایسے مہمل دعوے اگر سُن لئے جائیں تو ایک عورت کہ محلّہ کے وسط میں رہتی ہو اہلِ محلہ کی عافیت تنگ کرسکتی ہے اپنے کچّے جھونپڑے کی چاروں دیواریں گرا کر چارطرف کی نشست گاہوں پر دعوٰی کردے کہ ان سے میری بے پردگی ہے سب تیغا کرادی جائیں یا ان کے سامنے دیواریں کھنچوادی جائیں گراتے وقت کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا کہ وُہ کہے گی میں اپنی مِلکِ خاص میں تصرف کرتی ہُوں تم کون، اور جب

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۳۳

[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۶۱

گر اعکی تو اب لوگوں کی نشستگاہوں سے اس کا ضرر ظاہر ہے، انصاف اس وقت مفتی کیا فتوٰی اور قاضی کیا حکم دے گا، کیا ہندہ کے اپنے پیدا کئے ہُوئے ضرر کے سبب اس کا لایعنی دعوٰی سُن لیا جائے گا یا اسی کو اپنا پردہ بدستور درست کرلینے کا حکم کردیا جائے گا خصوصاً جس حالت میں کہ زید محض تبرع و احسان یہ بھی کہتا ہے کہ میں اپنے صرف سے دیوار اونچی کردوں، پھر ہندہ کا نہ ماننا سوا تعنت وایذارسانی کے کس امر پر محمول ہوسکتا ہے ولاضرر ولاضرار فی الاسلام[1] (اسلام میں ضرر رسانی جائز نہیں ہے۔ ت) بالجملہ صورت مستفسرہ میں ہمارے جملہ ائمہ مذہب رضی اللہ عنہم کے اصل مذہب مفتی بہ پر تو دعوٰی ہندہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں، انصافاً مختار متاخرین بھی اس صورت سے بیگانہ ہے کہ اضرار جانب زید سے نہیں فعلیك بترك الاعتساف والانصاف خیر الاوصاف (کج روی کو ترک کرنا لازم ہے اور انصاف بہترین خوبی ہے۔ ت)
واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۱: از ملک اپر برہما ما نڈلہ زیگو بازار مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد اپنی زوجہ ہندہ کے قبضہ میں چھوڑی، بعد ازیں انتقال کیا، اور اپنی بہن کا نواسہ عمرو اور زوجہ ہندہ کو چھوڑا، بعد وفات زید کے جائداد متروکہ پر ہندہ قابض رہی، اب ہندہ نے وہ جائداد جو اس کے قبضہ میں تھی اس میں سے کچھ بنام خالد اپنے بھتیجے کو ہبہ کرکے دستاویز رجسٹری کرادی اور کچھ اپنی بہن زینب و فاطمہ اور کچھ کلثوم اپنی بہن متوفاۃ کی بیٹی کو اور دو بھتیجوں کو تقسیم کرکے ان کے نام رجسٹری کرادی، بعد اس کے ہندہ نے انتقال کیا، اب عمرو جائداد مذکورہ کا دعوٰی کرتا ہے شرعاً جائداد کس کو ملنا چاہئے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر عمرو عاقل بالغ اسی شہر میں موجود ہندہ کے ان تصرفات پر مطلع تھا اور دعوٰی نہ کیا اب بعد انتقالِ ہندہ مدعی ہوا تو یہ دعوٰی اصلاً قابلِ سماعت نہیں کہ ان تصرفوں پر مطلع ہوکر ساکت رہنا صریح دلیل ہے کہ عمرو کا جائداد میں کوئی حق نہ تھا، خلاصہ میں ہے:

رجل تصرف فی ارض زمانا ورجل اٰخر یری تصرفہ فیہا ثم مات المتصرف ولم یدع الرجل	ایک شخص ایک زمانہ سے زمین میں تصرف کررہا ہے اور دوسرا شخص زمین میں اس کے تصرفات کو دیکھ رہا ہے پھر تصرف کرنے والا فوت ہُوا تو اب تک

[1] نصب الرایۃ کتاب الجنایات باب مایحدثہ الرجل فی الطریق المکتبۃ الاسلامیۃ ریاض ۴/ ۳۸۴

حال حیاته لا تسمع دعواه بعد وفاته[1]

کے بعد دوسرے نے زمین پر دعوٰی کیا تو اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا کیونکہ اس کی زندگی میں دوسرے نے دعوٰی ترک کیا۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے :

فی فتاوی المرحوم العلامۃ الغزی صاحب التنویر سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ تزید علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ والرجل المذکور یتصرف فی البیت المزبور ھدما وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فہل اذا ادعی البیت او بعضہ تسمع دعواہ اجاب لا تسمع دعواہ علی ما علیہ الفتوٰی[2]

علامہ غزی صاحبِ تنویر کے فتاوٰی میں ہے ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص کا حویلی میں مکان ہے وہاں وہ تین سال سے زائد عرصہ رہائش پذیر ہے اور وُہ اپنے مکان میں توڑ پھوڑ اور مرمت کا کام کرتا رہا اس کے پڑوس والا شخص اس کے ان تصرفات کو دیکھتا رہا اور مدت مذکورہ میں خاموش رہنے کے باوجود اب اس مکان کے کُل یا بعض پر دعوٰی کرے تو اس کا دعوٰی مسموع ہوگا یا نہیں؟ تو جواب میں فرمایا کہ فتوٰی کے مطابق اب اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا۔ (ت)

اور اگر عمرو اس وقت تک بچہ یا مجنون یا غائب تھا اب عاقل بالغ ہُوا یا اطلاع پائی تو اگر ثابت ہو کہ زید کی جائداد قبضہ ہندہ میں بطور ہبہ یا بعوض دین مہر تھا جب بھی دعوٰی عمرو نامقبول ہونا خود ظاہر، اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو تو دیکھیں گے کہ دین مہر ہندہ ترکہ کو مستغرق یعنی اس کی قیمت سے زائد یا مساوی ہے یا نہیں، اگر مستغرق ثابت ہو جب بھی عمرو کا اصل بنائے دعوٰی عن ملک بذریعہ وراثت حاصل ہی تھا کہ دین جب ترکہ کو محیط ہو تو وارث اس کے مالک نہیں ہوتے نہ وہ اسے لے سکتے ہیں کل جائداد ادائے دین میں صرف کی جائیگی،

اشباہ میں ہے :

الدین المستغرق للترکۃ یمنع ملک الوارث[3]

میت پر قرضہ اس کے ترکہ کے برابر یا زائد ہو تو وارث کی ملکیت کے لئے مانع ہے (ت)

---

[1] العقود الدریۃ بحوالہ الخلاصۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۴

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۰۴

ہاں اگر عمرو کہے کہ میں تمام وکمال دین مہر اپنے پاس سے ادا کئے دیتا ہوں تو بیشک اسے اختیار ہوگا کہ دین ادا کرکے ترکہ چھڑا لے۔ اشباہ میں ہے:

للوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا[۱] — وارث کو قرضہ ادا کرکے ترکہ کو حاصل کرلینے کا حق ہے اگرچہ وُہ ترکہ قرضہ میں مستغرق ہو۔ (ت)

اس صورت میں اور نیز جبکہ دین مستغرق نہ ہو بعد ادائے دین جو باقی بچے اس کے ثلث میں زید کی وصیت اگر اس نے کچھ کی ہو نافذ کرکے مابقی بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین چار سہم ہو کر ایک سہم ہندہ اور تین سہام عمرو کو ملیں گے ان تقدیرات پر جن میں کل جائداد مملوک ہندہ نہ ٹھہری جتنے ہبہ ہندہ نے جس جس کے نام کئے سب باطل ہوجائیں گے چہارم حصہ جو ہندہ کو پہنچا اس کے وارثان شرعی پر حسب فرائض تقسیم ہوجائیگا۔ درمختار میں ہے:

الاستحقاق شیوع مقارن لاطاری فیفسد الکل[۲] واللہ تعالٰی اعلم۔ — غیر منقسم حصوں کا استحقاق ابتداء سے مقارن ہو طاری نہ ہو تو تمام حصّوں کو فاسد کردے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۲ ازریاست رامپور مرسلہ علی احمد خان صاحب ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مدعی ہُوا کہ میں نے آٹھ ہزار روپے یافتنی عمرو کے میرے ذمے تھے عمرو کو پہنچا دئے اور چند گواہ متفق اللفظ والمعنی حاکم کے حضور گزرائے جنھوں نے بالاتفاق رقم مذکور کی نسبت عمرو کے اقرار وصول کرنے پر شہادت دی زید نے اس رقم کی رسیدیں بھی پیش کیں جن کی تحریر سے بھی عمرو کو اقرار ہے، عمرو اس کے جواب میں کہتا ہے کہ ان میں ایک رسید تین سَو کی تو میں نے دی ہی نہیں اور دو رسیدیں ایک تین سو اور ایک دوسو چالیس کی زید نے چالاکی سے بڑھالی ہیں وہ سَو اور یہ صرف چالیس کی میں نے دی تھی، اس مضمون پر عمرو نے چند گواہ دئے کہ یہ رسیدیں سو اور چالیس کی عمرو نے لکھی تھیں، اس صورت میں دفع دعوٰی زید کے لئے یہ گواہ مقبول ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں نہ عمرو کا یہ جواب مقبول نہ اس میں اس مضمون کی شہادت مسموع۔ شرع میں

---

[۱] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۰۵

[۲] درمختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۰

ایسی جگہ اقرار حجتِ شرعیہ ہے اور اس پر شہادت ثبوت دعوٰی کے لئے کافیہ وافیہ، جامع الفصولین فصل حادی عشر میں ہے:

لو ادعی قضاء دینہ اشہدا انہ اقر باستیفائہ تقبل[1]

اگر مدعی نے قرض ادا کرنے کا دعوٰی کیا ہو دو گواہوں نے یہ شہادت دی کہ مدعی نے قرض وصول کر لینے کا اقرار کیا ہے، تو شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

بخلاف رسیدات کہ یہ کوئی حجت نہیں حاصل انکارِ عمرو یہ ہوگا کہ منجملہ آٹھ ہزار کے سات سو مجھے نہ ملے کہ اس قدر کی رسید میری لکھی ہوئی نہیں، ایسا فضول جواب بعد ثبوت اقرار کیا قابلِ التفات ہوسکتا ہے، بالفرض اگر ایک رسید کو بھی عمرو نہ مانتا یا اصلاً کوئی رسید ہوتی ہی نہیں تو ثبوتِ اقرار ثبوتِ ایصال کو بس تھا اور جب یہ جواب خود مہمل ہے تو اس پر شہادت بھی قطع نظر اس سے کہ معنی نفی پر شہادت ہے جس کا حاصل یہ کہ اتنے روپے نہ پہنچے خود فضول ومہمل ہے کہ یہ شہادت ایسی ہی چیز سے متعلق ہے جس کا وجود وعدم یکساں، تو بعد ثبوت حجتِ شرعیہ ایک امر غیر حجت میں خلل ہو بھی تو کیا۔ فتاوٰی قاضیخان والاشباہ والنظائر وفتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

واللفظ للعلامۃ الرملی فی فتاوی الخیریۃ عند علماء الحنفیۃ انہ لا اعتبار بمجرد الخط ولا التفات الیہ حجج الشرع ثلثۃ وھی البینۃ او الاقرار او النکول کما صرح بہ فی الاقرار الخانیۃ[2]

فتاوٰی میں علامہ رملی کے الفاظ ہیں کہ علماءِ احناف کے ہاں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ محض خط کا کوئی اعتبار ہے نہ وہ قابل توجہ ہے کیونکہ شرعی دلائل تین ہیں، گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار، جیسا کہ خانیہ کے باب الاقرار میں تصریح ہے(ت)

اسی میں ہے:

القاضی لا یقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار او النکول کما فی اقرار الخانیۃ وقد نقلہ الشیخ زین فی اشباھہ ونظائرہ فی

قاضی صرف حجت پر فیصلہ دے گا اور وہ صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے جیسا کہ خانیہ کے باب الاقرار میں ہے اور اس کو شیخ زین الدین نے اپنی اشباہ ونظائر میں کتاب القضاء کے شروع

---

[1] جامع الفصولین — الفصل الحادی عشر — اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۷

[2] فتاوٰی خیریہ — کتاب القضاء — دار الفکر بیروت ۲/ ۱۲

اول کتاب القضاء[1] - واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم
میں ذکر کیا ہے ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۳ از ریاست رامپور محلہ مدرسہ مولوی حکیم نجم الغنی خان صاحب طبیب شفاخانہ فوجی
ریاست رامپور ۱۶ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یعقوب علی خاں نے اپنے برادر عینی عبدالغنی خاں اور
ان کی زوجہ و پسر محمدی بیگم و نجم الغنی خاں پر حاکم شرع کے حضور نسبت مکان مسکونہ مدعا علیہم دعوی دخلیابی
بریں بنا دائر کیا کہ یہ مکان عبدالغنی خاں نے ۱۹ مئی ۱۸۹۷ء کو علی محمد خان کے ہاتھ بیع کیا پھر یکم جون ۱۸۹۷ء کو اس
سے کرایہ پر لیا بعدہ علی محمد خاں مالک مشتری نے ۱۳ جولائی ۱۸۹۸ء کو میرے ہاتھ بیچا عبدالغنی خاں اصالۃً اور انکی زوجہ و پسر
بالتبع بذریعہ کرایہ قابض اب تخلیہ نہیں کرتے عبدالغنی خاں نے دعوی مدعی قبول کیا اور علی محمد خاں نے بھی اس کی تصدیق کی محمدی بیگم و نجم الغنی
خاں نے جواب دیا کہ دعوٰی بہ سازش عبدالغنی خاں برادر حقیقی مدعی دائر ہوا ہے عبدالغنی خاں نے یہ مکان یکم جنوری ۹۷ء
کو مجھ محمدی بیگم کے ہاتھ تین سو روپے کو بیچ کر بیعنامہ مہری اپنا مرتب بگواہی گواہان کر کے مجھے حوالہ کر دیا اور زر ثمن
میرے مہر میں مجرا کیا مجھے مالک مستقل بنا کر قابض کرا دیا جب مجھے معلوم ہوا کہ بیعنامہ غیر مصدقہ رجسٹری ہے تو میرے
اعتراض پر رجسٹری کرا دینے کا وعدہ کیا اور لطائف الحیل میں رکھا پھر کہہ دیا ہمارا تمھارا معاملہ زن و شو کا ہے
تصدیق کی کیا ضرورت، پھر خارجاً اس بیع فرضی کی کارروائی کی، محمدی بیگم نے اپنے ثبوت میں بیعنامہ مذکورہ مُہری
عبدالغنی خاں اور آٹھ مرد دو عورتیں گواہ پیش کئے حاکم مجوز نے حسب سرکلر مجریہ نواب خلد آشیاں کے جس کاغذ
بے رجسٹری کے ثبوت پر وجہ وجیہ گزر جائے تو اسے ثبوت میں لینے اور باضابطہ تحقیقات کرنے کی نسبت حکام بالا
سے اجازت لے کر بعد تحقیقات فیس اسٹامپ و تاوان رجسٹری لے کر مثل کاغذات مصدقہ سمجھا جائے حاکم مجوز
نے بعد سماع ثبوت اجازت تحقیقات مزید حاصل کی پھر بعد مزید تحقیقات فیس اور تاوان لے لیا، یہ ثبوت و
تحقیقات انھیں گواہان پیش کردہ محمدی بیگم سے ہوئے ان میں سید حشمت علی و یوسف علی خاں صاحبان شہود
ایجاب و قبول ہیں کہ ہمارے سامنے عبدالغنی خاں نے اپنی زوجہ محمدی بیگم سے کہا یہ مکان میں نے تمھارے ہاتھ
تین سو روپے کو بیچا اور زرِ ثمن تمھارے مہر میں مجرا کیا بیعنامہ دو چار روز میں لکھا دوں گا محمدی بیگم نے کہا
میں نے سید اشرف علی کاتب بیعنامہ اور شمس الدین خاں غلام محی الدین خاں نثار علی شاہ عبدالرزاق خاں
پانچوں گواہان حاشیہ بیعنامہ ہیں، ان میں کاتب کا بیان ہے میں نے یہ بیعنامہ عبدالغنی خاں کے کہنے سے
لکھا عبارت عبدالغنی خاں بتاتے گئے مہر اپنی انھوں نے اپنے ہاتھ سے لگائی، عبدالرزاق خاں نے کہا میں
مولوی عبدالغنی خاں کے بیٹے سے ملنے گیا مولوی عبدالغنی خاں نے مکان متنازعہ کا کاغذ نکالا اور کہا کہ یہ مکان

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب القضاء دارالفکر بیروت ۲/ ۱۹

میں نے اپنی زوجہ محمدی بیگم کے ہاتھ تین سو روپے کو بیچا ہے تم اس پر اپنی گواہی لکھ دو میں نے لکھ دی ان کے علاوہ باقر حسین و منور بیگم و فرخندہ بیگم نے شہادت دی۔ حاکم مجوز نے اس پر یہ تجویز صادر فرمائی کہ بیع بنام محمدی بیگم اس بیعنامہ سادہ سے ثابت نہیں، نہ شرعاً نہ ضابطۃً نہ عقلاً۔

شرعاً بدیں وجہ کہ مدار ثبوت بیع قولی مجلس واحد میں وجود ایجاب وقبول پر ہے عدالت نے خود اظہار محمدی بیگم لیا جس میں اس نے بیان کیا کہ یہ مکان شوہر مظہرہ نے بمعاوضہ سہ صد روپیہ منجملہ مہر مظہرہ بیع کر کے کاغذ میرے حوالہ کیا کاغذ بعد گفتگوئے بیع لکھا گیا گفتگوئے بیع یہ ہوئی تھی بائع نے کہا میں کاغذ بیعنامہ تمھیں لکھوائے دیتا ہوں میں نے کہا آمین، وقت گفتگوئے بیع اور لانے بیعنامہ کے کوئی نہ تھا صرف میرا خاوند اور میں تھی، اولاً صرف یہ کہنا بائع کا کہ بیعنامہ لکھوائے دیتا ہوں وعدہ ہے نہ ایجاب، بالفرض ایجاب بھی ہوتا تو تعیین ثمن ایجاب وقبول میں ضرور ہے وہ یہاں مفقود۔ دوم گواہی یوسف علی خاں و سید حشمت علی صریح زوری ومصنوعی خلاف بیان مدعا علیہا ہے یہ صاف صاف اپنے سامنے ایجاب وقبول ہونا بیان کرتے ہیں اور مدعا علیہا لکھا چکی کہ وقت گفتگوئے بیع کوئی نہ تھا اور گفتگوئے بیع وہ تھی، غلام محی الدین خاں لکھتا ہے بائع نے سقف مکان مبیعہ پر مجھ سے کہا تھا کہ میں نے اپنا مکان بقیمت سہ صد روپیہ بدست محمدی بیگم بیچا ہے میں نے زیر سقف زن محمدی بیگم آکر دریافت کیا تو مسماۃ نے کہا میں نے یہ مکان بقیمت سہ صد خریدا ہے تم گواہی کر دو، اگر عدالت کلام بائع کو جو بالائے سقف کہا ایجاب قرار دیتی ہے تو قبول مدعا علیہا نے زیر سقف ظاہر کیا ہے مجلس مغائر ہے اور وہ موجب بطلان و عدم انعقاد بیع ہے۔ شمس الدین خاں لکھتا ہے بائع نے بالائے سقف کہا میں نے یہ مکان بدست محمدی بیگم فروخت کیا ہے تم بھی گواہی کر دو پھر مظہر محمدی بیگم کے پاس آیا اور مبارک دی، محمدی بیگم نے کہا ہاں پرسوں میرے زوج نے یہ مکان میرے ہاتھ بیچا ہے، اگر قول بائع کو ایجاب مان لیا جائے تو قبول ندارد کہ محمدی بیگم نے اپنے خریدنے سے خبر دی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ بیع پہلے ہوئی، اشرف علی کاتب نے صرف کتابت بیعنامہ یعنی اپنے فعل پر گواہی دی ہے، ایسی گواہی جائز نہیں۔ باقر حسین گواہ صرف اقرار کا ہے بوجہ واحد ہونے کے نصاب نہیں، علاوہ برآں جملہ گواہ رجال غیر ثقہ غیر معتمد ہیں کوئی قرینہ صداقت شہادت نہیں، نہ بیعنامہ رجسٹرڈ ہے نہ کاغذ اسٹامپ نہ محررہ بقلم بائع نہ دستخط اس کے، نہ گواہی کسی اہل محلہ کی۔ فرخندہ بیگم نواسی مدعا علیہا کی گواہی بحق نانی غیر مقبول ہے، نثار علی شاہ صریح نامقبول الشہادۃ کہ باقرار خود داڑھی مونچھ چودہ[۱۴] سال سے صفا رکھتا ہے۔

ضابطۃً اس بنا پر کہ اس زمانۂ فتنہ میں بلحاظ سدباب زور سرکار نے دستور العمل مرتب فرما دیا ہے جس میں پیش از تقرر کونسل زیادہ دس روپے سے ہونا رجسٹری انتقالات قطعی جائداد غیر منقول لازمی تھا

زمانہ کونسل میں زائد از پنجاہ روپیہ لازمی رکھ کر بہت سے قیود اسٹامپ وغیرہ بڑھادئے گئے بلحاظ پابندی دستور العمل قدیم وجدید بیعنامہ سادہ عند العدالت ساقط الاعتبار ہے خاصۃً ایسے محل پر کہ حسب تحریر مدعا علیہا بائع آدم فریبی وجعلساز ہے، مانا کہ عدالت نے اسٹامپ وفیس لے لیا ہے مگر مقصود سوا اس کے نہ تھا کہ عدالت انکشاف اصلیت معاملہ کرکے عذر کسی کا باقی نہ رکھے۔

عقلاً حالت اشتباہی بیعنامہ ظاہر ہے، بائع لکھا پڑھا آدمی ہے نہ اس کے قلم کی تحریر نہ دستخط، نہ اہل محلہ یا عزیز واقارب کی شہادت، نہ اسٹامپ، نہ وثائق نویس رجسٹری کا لکھا ہوا، حدود جنوبی وشمالی مشکوک مہر عرفاً محفوظ نہیں رہتی جس کا دستیاب ہونا اہل خانہ کو دشوار ہو، جس حالت میں بیع مدعا علیہا ثبوت کو نہ پہنچی اس بناء پر اوّل مدعا علیہا کو کوئی منصب اعتراض کا بیعنامہ رجسٹری شدہ موسومہ مدعی و بائع مدعی پر نہیں۔ دوم ہر دو بیعنامہ مدخلہ مدعی رجسٹری شدہ و باضابطہ نہیں۔ سوم بائع کو ہر دو بیع مظہرہ مدعی مسلم مقبول ہیں، لہذا حکم ہوا کہ فیصلہ بحق مدعی ہوکر خرچہ مدعی ذمہ محمدی بیگم و نجم الغنی خاں عائد ہو فقط۔ اب علمائے شرع سے استفسار ہے کہ شرعاً اس صورت میں حکم کیا ہے شہادت پیش کردہ محمدی بیگم بوجوہ مذکورہ مردود ہیں یا نہیں؛ شہود پر نہ کوئی جرح کی گئی نہ وہ مجروح ہیں، ایسی حالت میں انھیں بلاثبوت غیر ثقہ وغیر معتمد قرار دینا کیسا ہے۔ عبدالرزاق خاں کا ذکر تجویز میں اصلاً نہ فرمایا گیا جس کے لحاظ کے بعد باقر حسین تنہا گواہ اقرار نہیں ثبوت بیع کیلئے خاص ایجاب وقبول پر شہادت گزرنا ضرور ہے یا اقرار بائع کا ثبوت بھی کافی، اور برتقدیر ثبوت اقرار یہاں فیصلہ شرعاً بحق یعقوب علی خاں ہونا چاہئے یا بحق محمدی بیگم؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ طالب حق یہاں چند امر ملحوظ رکھے کہ باذنہٖ تعالٰی وضوح حکم میں دقت نہ رہے،

اوّل ثبوت بیع کے دو معنی ہیں: ثبوت فی نفسہ یعنی بیع فی الواقع کا موجود و منعقد ہونا، اور ثبوت عند القاضی یعنی حاکم کے نزدیک اس کا پایہ ثبوت کو پہنچنا۔ ثبوت فی نفسہ نہ صرف بیع قولی بلکہ ہر بیع کا قولی ہو یا فعلی وجود ایجاب وقبول پر موقوف ہے کہ وہ ارکان عقد ہیں اور کوئی عقد بے اپنے رکن کے متحقق نہیں ہوسکتا ہاں ایجاب وقبول اس سے عام ہیں کہ قولاً ہوں یا فعلاً، صراحۃً ہوں یا دلالۃً، عبارۃً ہوں یا اقتضاءً، خطاباً ہوں یا کتاباً، غرض کوئی قول کوئی فعل طرفین سے ایسا ہونا چاہئے جو باہم مبادلہ مال بالمال کی تراضی پر دلیل ہو کہ ان عقود میں معنی ہی اعتبار رکھا ہے زبانی تلفظ پر مدار نہیں، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بیع جس طرح بعت اشتریت کہنے سے ہوجاتی ہے یونہی تحریر سے بھی کہ قلم بھی ایک زبان ہے۔ اشباہ

میں ہے:

الکتابۃ یصح البیع بھا قال فی الھدایۃ والکتاب کالخطاب[1]

تحریری بیع صحیح ہے جس کو ہدایہ نے بیان کیا۔ اور تحریر زبانی خطاب کی طرح ہے (ت)

ولہذا فرماتے ہیں تعاطی سے بھی ہوجاتی ہے جہاں نہ تقریر نہ تحریر، ایک تھان رکھا ہے بزاز سے پوچھا قیمت کیا ہے؟ کہا دس روپے، اس نے روپے رکھ کر تھان اٹھالیا، اس نے روپے لے لئے بیع ہوگئی اگرچہ نہ بزاز نے فروختم کہا نہ اس نے خریدم۔ ہدایہ میں ہے:

المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود لھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھو الصحیح لتحقق المراضاۃ[2]۔

ان عقود میں معنی معتبر ہوتا ہے لہذا دستی ادل بدل سے اعلٰی اور ادنٰی چیز میں بیع منعقد ہوجاتی ہے کیونکہ فریقین کی رضامندی پائی گئی ہے (ت)

اور شک نہیں کہ دستاویز بیعنامہ بطور مرسوم و معہود لکھ کر گواہیاں کراکر مشتری کو حوالہ کرنا اور اس کا بخوشی لے لینا قطعاً دلیل تراضی ہے۔ عندالانصاف اسی قدر تحقق ایجاب وقبول کے لئے کافی ہے اگرچہ اس سے پہلے زبانی گفتگو صرف اسی قدر آئی ہو کہ اس نے کہا میں بیعنامہ تمہیں لکھوا کر دیتا ہوں، اس نے کہا آمین کہ یہاں تک اگرچہ صرف وعدہ واپسند تھا مگر بیعنامہ بطور مذکور لکھوا کر دینا لینا دلیل تراضی ہوکر ایجاب وقبول ہوگیا جس طرح شائع وذائع ہے کہ والدین کوئی جائداد اپنے روپے سے خرید کر بیعنامہ اپنے کسی بچے کے نام لکھواتے ہیں تمام عالم جانتا ہے کہ اس سے مقصود اس کی تملیک ہی ہوتی ہے اور وہ جائداد اسی بچے کی ٹھہرتی ہے اگرچہ زبان پر ہبہ کا حرف بھی نہ آیا احکام الصغار علامہ استروشنی میں ذخیرہ وتجنیس سے ہے:

امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لا تملک الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لانھا تصیر واھبۃ والام تملک ذٰلک ویقع قبضھا عنہ[3]

ایک عورت نے اپنے مال سے نابالغ بیٹے کے لئے زمین خریدی، یہ خریداری والدہ کی ہوگی کیونکہ وہ نابالغ بیٹے کے لئے خریدار نہیں ہوسکتی اور یہ زمین بیٹے کی ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوئی کیونکہ ماں کو ہبہ کا حق ہے اور پھر بیٹے کی طرف سے قبضہ لیا ہے۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۶

[2] الہدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۵-۲۴

[3] احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین باب فی مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷

دوم ثبوت عند القاضی جس طرح شہادت اصل عقد سے ہوتا ہے یعنی گواہ کہیں ان دونوں نے ہمارے سامنے خریدم و فروختم کہا، یونہی شہادتِ اقرار سے بھی کہ گواہ کہیں ہمارے سامنے اس نے اقرار بیع کیا، جامع الفصولین فصل ۱۱ میں برمز تمی ملتقی الامام الحاکم الشہید سے ہے:

ادعی بیعا وشھدا انہ اقر بالبیع تقبل[1] (ملتقط)

ایک شخص نے بیع کا دعوٰی کیا اور دو گواہوں نے اس کے بیع کے اقرار پر شہادت دی تو شہادت قبول ہوگی (ملتقط)۔ (ت)

یوں ہی شہادت مختلطہ سے بھی یعنی ایک گواہ عقد بیع پر شہادت دے اور دوسرا اقرار بیع پر، بیع ثابت ہوجائے گی۔ جامع الفصولین میں برمز فقط فتاوٰی امام قاضی ظہیر سے ہے:

فی البیع والاجارۃ والصلح لو شھد احدھما بعقد والاٰخر باقرارہ بہ لایضر[2]

بیع، اجارہ اور صلح کے معاملات میں ایک نے شہادت دی کہ عقد کیا ہے دوسرے نے اقرار کی شہادت دی تو یہ اختلاف مضر نہیں۔ (ت)

اسی میں برمز بس بلسوط سے ہے:

ادعی شراء وشھد احدھما بہ والاٰخر انہ اقر بہ تقبل[3]

مدعی نے خریداری کا دعوٰی کیا، ایک گواہ نے خریدنے کی اور دوسرے نے خرید کرنے کے اقرار کی شہادت دی تو مقبول ہوگی۔ (ت)

اسی میں برمز لط لطائف الاشارات سے ہے:

شھد بنحو بیع والاٰخر باقرارہ بہ تقبل[4]

ایک نے بیع کی اور دوسرے نے اس بیع کے اقرار کی شہادت دی تو مقبول ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

ادعی الشراء وشھد احدھما ببیع

مدعی نے خریداری کا دعوٰی کیا، ایک نے فروخت

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۴

[2] " " " " " ۱/۱۶۳

[3] " " " " " ۱/۱۶۴

[4] " " " " " ۱/۱۶۴

وشھد الاٰخر" کہ بائع از ومہ ثمنش طلب کرد" تقبل لان طلب الثمن اقرار منہ بالبیع[1]

کرنے اور دوسرے نے یہ شہادت دی کہ بائع نے اس مشتری سے قیمت طلب کی ہے شہادت مقبول ہوگی کیونکہ قیمت طلب کرنا فروخت کرنے کا اقرار ہے۔ (ت)

یہاں سے ثابت ہُوا کہ شہادتِ اقرار کے بعد شہادتِ ایجاب وقبول کی اصلاً حاجت نہیں ولہذا تنہا اقرار کی گواہی کافی ہوجاتی ہے ولہذا ایک گواہ اقرار کے ساتھ ایجاب وقبول کی ایک ہی شہادت کافی ہے حالانکہ نفسِ عقد پر صورت اولیٰ میں شہادت اصلاً نہیں اور صورت ثانیہ میں نصاب ناتمام، اور جب شہادت اقرار کے ساتھ نفس عقد کی تفتیش ہی نہ رہی تو آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ اس کے ہوتے حاکم کو اس بحث کی کچھ گنجائش نہیں کہ مشتری کے لفظ تو معلوم ہی نہ ہوئے یا بیان اس مجلس میں نہ تھا یا اس کا کلام انشائے قبول نہ تھا اخبار تھا، یہ تحقیقات تو نفسِ ایجاب وقبول سے متعلق تھی جب شہادت اقرار بائع کی نسبت ہے، بیع ثابت ہوگئی الفاظ مشتری یا اتحاد وتعدد مجلس سے کیا بحث رہی۔

سوم املا یعنی عبارت بتاتے جانا اور دوسرے سے لکھوانا اپنے لکھنے سے کسی طرح کم نہیں بلکہ اس سے اقوی ہے، علماء فرماتے ہیں کتابت تین قسم ہے، ایک نامعلوم جیسے ہوا یا پانی پر لکھنا، یہ محض باطل ہے۔ دوسری مرسوم یعنی طریقہ معہودہ معروفہ پر لکھنا جس طرح خطوط میں القاب وآداب سے آغاز یا تمسکات میں منکہ فلاں بن فلاں سے شروع، یہ ضرور معتبر ہے۔ تیسری معلوم غیر مرسوم جیسے کاغذ پر وہ تحریر کہ طریقہ معہودہ پر نہ ہو اس کے ساتھ جب تک نیت یا دلیلِ نیت نہ پائی جائے معتبر نہیں، دلیلِ نیت مثلاً لکھ کر گواہ کرنا یا عبارت بنا بتا کر دوسرے سے لکھوانا کہ قول راجح میں اس کے بعد گواہ کرنے کی حاجت نہیں تو ثابت ہوا کہ عبارت بتا کر لکھوانا اپنے لکھنے سے قوی تر ہے کہ غیر مرسوم طور پر خود لکھے اور گواہ نہ کرے تو معتبر نہیں اور دوسرے سے لکھوائے تو بے گواہ کئے معتبر ہے۔ عقود الدریہ میں ہے:

فی الزیلعی والملتقی اٰخر الکتاب فی مسائل شتی قالوا الکتاب علی ثلث مراتب، مستبین مرسوم وھو ان یکون معنونا ای مصدرا بالعنوان وھو ان یکتب فی صدرہ من فلان الٰی فلان علی

زیلعی اور ملتقی مسائل شتّی کے آخر میں ہے فقہاء کرام نے فرمایا تحریر تین مراتب پر ہے، ایک یہ کہ واضح معنون ہو وہ یہ کہ اس کے شروع میں یہ عنوان ہو کہ فلاں سے فلاں کی طرف جیسا کہ چٹھی میں طریقہ مروج ہے، یہ چٹھی بالکل زبانی گفتگو

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۶

ماجرت بہ العادۃ فھٰذا کالنطق فلزم حجۃ، ومستبین غیر مرسوم کالکتابۃ علی الجدران واوراق الاشجار او علی الکاغذ لا علی الوجہ المعتاد فلا یکون حجۃ الا بانضمام شیئ اٰخر الیہ کالنیۃ والاشہاد علیہ والاملاء علی الغیر حتی یکتبہ لان الکتابۃ قد تکون للتجربۃ ونحوھا وبھذہ الاشیاء تتعین الجہۃ وقیل الاملاء بلا اشہاد لا یکون حجۃ والاول اظھر، وغیر مستبین کالکتابۃ علی الھواء والماء وھو بمنزلۃ کلام غیر مسموع ولا یثبت بہ شیئ من الاحکام وان نوی اھ ومثلہ فی الھدایۃ وفتاوٰی قاضی خان[1]

کی طرح حجت ہے، دوسری واضح غیر معنون جیسا کہ کسی دیوار پر، درخت کے پتّوں یا عام کاغذ پر غیر مروّجہ طریقہ پر لکھی گئی ہو یہ کسی دوسری چیز کی مدد کے بغیر حجت نہ ہوگی مثلاً نیت یا گواہی یا دوسرے کو املاء کے بغیر حجت نہ بنے گی کیونکہ ایسی تحریر کبھی تجربہ کے لئے ہوتی ہے لہذا مذکور قرائن سے اس کی وجہ متعین ہوسکے گی، بعض نے کہا ہے کہ املاء کی صورت میں جب تک گواہی نہ ہو حجت نہ بنے گی لیکن اول قول درست اور اظہر ہے، تیسری وُہ کہ واضح نہ ہو جیسا کہ ہوا اور پانی پر تحریر ہو تو اس کی حیثیت غیر مسموع کلام جیسی ہے اس سے کوئی حکم ثابت نہ ہوسکے گا اگرچہ نیت بھی کی ہو اھ' ھدایہ اور فتاوٰی قاضی خان میں بھی ایسے ہی ہے۔ (ت)

چہارم بیع نام ایجاب وقبول کا ہے اور وہ جب الفاظ میں ہو خود گفتگو ہے اور کسی شے کی گفتگو بمعنی اس چیز کی بات چیت اور مشورے اور قرار کے بھی مستعمل مثلاً کسی کے نکاح کا مشورہ ہوا ہو تو اس سے کہیں آج تمہارے بیاہ کی گفتگو تھی اس کے یہ معنی نہیں کہ ایجاب وقبول ہوگیا بلکہ وہ مشورہ اور بات چیت مراد ہے تو لفظ گفتگوئے بیع دو معنی کو محتمل، اوّل اضافت بیانیہ یعنی وہ گفتگو کہ بیع ہے اس تقدیر پر اس سے مقصود نفس ایجاب وقبول ہوگا۔ دوم اضافت لامیہ یعنی بیع کا مشورہ اور اس کی بات چیت، اس تقدیر پر ہرگز اس کے معنی ایجاب وقبول نہیں بلکہ پیش از عقد اس کے باب میں مکالمۂ باہمی' وھذا ظاھر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ ت)

پنجم جب کسی معاملے کے متعلق کوئی شہادت پیش ہو اور حاکم اسے ایک امر میں قبول کرلے تو اسی مقدمہ کے متعلق کسی دوسرے امر میں بھی اسے رَد نہیں کرسکتا سوا بعض صورت استثناء کے'

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۱۹

نہ کہ خاص اسی امر میں کہ یہ تو حاکم کا صریح تناقض ہوگا۔ درمختار میں ہے:

الشہادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل الافی عبد بین مسلم ونصرانی فشھد نصرانیان علیھما بالعتق قبلت فی حق النصرانی فقط اشباہ قلت وزاد محشیھا خمسۃ اخری معزیۃ للبزازیۃ[1]

شہادت جب بعض حصہ میں باطل ہو تو کل میں باطل قرار پاتی ہے مگر ایک صورت میں کہ مسلمان اور نصرانی کا مشترکہ غلام ہو تو دو نصرانیوں نے شہادت دی کہ دونوں مالکوں نے اسے آزاد کر دیا ہے، یہ شہادت صرف نصرانی مالک کے حصہ میں مقبول ہے، میں کہتا ہوں کہ محشی نے ایسی مزید پانچ صورتوں کا اضافہ کیا ہے اور یہ بزازیہ کی طرف منسوب ہیں۔ (ت)

ردالمحتار وغیرہ میں ان صور استثنار کا مفصل بیان ہے جنھیں اس مقدمہ سے کوئی تعلق نہیں،

اقول واذا ثبت ان الشہادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل لزمہ انہا اذا قبلت فی البعض قبلت فی الکل والا لبطلت فی البعض فبطلت فی الکل مع انہا قد قبلت فی البعض ھذا خلف فاحفظہ فانہ فائدۃ جلیلۃ مھمۃ۔

اقول (میں کہتا ہوں) جب ثابت ہے کہ بعض میں باطل کل میں باطل ہو جاتی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ شہادت بعض میں مقبول ہو تو کل میں مقبول ہو جائے ورنہ بعض میں باطل ہونے سے کل میں باطل ہو جائے گی حالانکہ بعض میں مقبول ہو چکی ہے تو کل میں باطل ہونا متحقق نہ ہوا، یہ مفروض کے خلاف ہے اس کو محفوظ کر لو کیونکہ یہ فائدہ جلیلہ ہے۔ (ت)

ششم غیر ثقہ اہل شہادت ہے اور شہادت فاسق مقبول نہ ہونے کے یہ معنی کہ اس کی شہادت کا قبول واجب نہیں، نہ یہ کہ صحیح ہی نہیں، یہاں تک کہ اگر حاکم صریح فاسقوں کی شہادت قبول کرلے تو وہ بھی مقبول ہو جائے گی اگرچہ حاکم اس قبول کے باعث آثم ہو۔ بحرالرائق ودرمختار میں ہے:

والنظم للدر باب القبول وعدمہ ای من یجب علی القاضی قبول شہادتہ ومن لایجب لامن یصح قبولہا اولا یصح لصحۃ الفاسق مثلا کما حققہ المصنف تبعا لیعقوب باشا

الفاظ دُر کے ہیں، باب القبول وعدمہ، یعنی کس کی شہادت کو قبول کرنا قاضی پر واجب ہے اور کس کو قبول کرنا واجب نہیں، یہ مطلب نہیں کہ کس کو قبول کرنا صحیح ہے یا نہیں، کیونکہ مثلاً فاسق کی شہادت قبول کرنا صحیح ہے جیسا کہ مصنف نے یعقوب پاشا

---

[1] درمختار کتاب الشہادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

وغیرہ[1] — وغیرہ کی اتباع میں محقق کیا ہے۔ (ت)

درر وغرر میں ہے:

لوقبل القاضی وحکم بها کان آثما لکنه ینفذ وفی الفتاوی القاعدیة هذا اذا غلب علی ظنه صدقه وهو مما یحفظ[2]

اگر قاضی نے فاسق کی شہادت قبول کرکے فیصلہ دے دیا تو نافذ ہوجائے گا لیکن قاضی گنہگار رہوگا۔ فتاوٰی قاعدیہ میں ہے یہ تب ہوگا جب قاضی کو ظن غالب ہو کہ فاسق سچا ہے، یہ محفوظ کرنے کے قابل ہے (ت)

تنویر الابصار وجامع البحار وشرح علائی کتاب القضاء میں ہے:

اهله اهل الشهادة والفاسق اهلها فیکون اهله لکنه لایقلد وجوبا ویاثم مقلده کقابل شهادته به یفتی وقیده فی القاعدیة بما اذا غلب علی ظنه صدقه فلیحفظ در[3] اھ ملتقطا۔

قضاء کا اہل وہی ہے جو شہادت کا اہل ہو، اور فاسق شہادت کا اہل ہے لہٰذا وہ قضاء کا اہل ہے لیکن اس کو قضاء پر مقرر نہ کیا جائے اس کو قضاء پر مقرر کرنے والا گنہگار رہوگا، جیساکہ اس کی شہادت قبول کرنے والا گنہگار رہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائے، اور فتاوٰی قاعدیہ میں اس کو قاضی کے ظن غالب سے مقید کیا ہے کہ فاسق کی شہادت صدق پر مبنی ہے، اس کو محفوظ کرو، درر، اھ ملتقطا۔ (ت)

ھفتم اگر زید مثلاً کسی مکان پر دعوٰی کرے کہ یہ میرا ہے میں نے بکر سے خریدا ہے اور عمرو مدعا علیہ جس کے قبضے میں وہ مکان ہے جواب دے کہ بلکہ مکان میرا ہے میں نے بکر مذکور سے خریدا ہے تو اس صورت میں وہ مدعا علیہ مدعی اور یہ مقدمہ باب دعوی الرجلین سے ہوجائے گا دونوں طرف سے شہادت مسموع ہوگی اور اب یہ دیکھیں گے کہ ان میں ایک نے اپنی خریداری کی تاریخ بیان کی ہے یا دونوں نے یا کسی نے نہیں، اور اگر دونوں نے بیان کی ہے تو تاریخ ذوالید کی مقدم ہے یعنی عمرو جس کے قبضے میں مکان ہے یا خارج کی یعنی زید جس کے قبضے میں نہیں ان سب صورتوں میں ڈگری صاحبِ قبضہ کی ہوگی مگر جبکہ خارج کی تاریخ مقدم ہو غرض یہاں اول ترجیح تقدم تاریخ سے ہے کہ اس کے بعد قبضہ ہونے نہ ہونے پر بھی لحاظ نہیں ہوتا اس کے بعد ترجیح قبضے سے ہے کہ دوسرے کی تاریخ مقدم نہ ہو تو ہر طرح اسی کو ترجیح رہتی ہے۔ فتاوٰی

---

[1] درمختار کتاب الشہادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

[2] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب القضاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۴۰۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

15

عالمگیریہ میں ہے:

ان ادعیا الشراء من واحد وکانت العین فی ید احدھما فھی لذی الید سواء ارخا ام لم یؤرخا اذا ارخا وتاریخ الخارج اسبق فیقضی بھا للخارج کذا فی الکافی[1] اھ ملتقطا۔

اگر دو شخص ایک شخص سے کسی چیز کی خریداری کے مدعی ہوں تو جس کا قبضہ ہوگا وہی مالک قرار دیا جائے گا وہ تاریخ بیان کرے یا نہ کرے برابر ہے اور دونوں نے تاریخ بیان کی تو غیر قابض مدعی کی تاریخ پہلے ہو تو غیر قابض کو مالک قرار دیا جائیگا، کافی میں یونہی ہے اھ ملتقطا (ت)

فصول عمادی پھر فتاوٰی ہندیہ باب فیما تدفع بہ دعوی المدعی میں ہے:

اذا ادعی عینا فی یدی رجل انی اشتریتہ من فلان منذ سبعۃ ایام وقال ذوالید لابل ھو ملکی اشتریتہ من ذلک الذی تدعی الشراء منہ منذ عشرۃ ایام واقام البینۃ یکون لاسبقھما تاریخا[2]۔

ایک شخص کسی چیز کے متعلق جو کہ دوسرے کے قبضہ میں ہے دعوٰی کیا کہ میں نے یہ چیز فلاں شخص سے ایک ہفتہ قبل خریدی ہے قابض نے کہا یہ غلط ہے بلکہ یہ چیز میری ملک ہے میں نے اسی فلاں شخص سے ایک عشرہ قبل خریدی ہے اور قابض نے اپنے دعوٰی پر گواہی پیش کردی تو یہ چیز پہلی تاریخ والے یعنی قابض کی ملک قرار دی جائے گی (ت)

بیانِ سائل سے معلوم ہُوا کہ یہاں محمدی بیگم کے مدعیہ ہوجانے پر بھی بحث کی گئی ہے حالانکہ یہ تو بہت واضح بات ہے جب اس نے اپنی خریداری کا دعوٰی کیا مدعیہ ہوجانے میں کیا شبہ رہا کما ذکرنا (جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں۔ت) علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر زید عمرو پر دعوٰی کرے کہ یہ مال جو اس کے قبضہ میں ہے میرا ہے، عمرو جواب دے کہ بلکہ بکر کا ہے اس نے ودیعۃً مجھے سپرد کیا ہے تو عمرو مدعی ہوگیا حالانکہ اس نے اپنی ملک کا دعوٰی بھی نہ کیا تو دعوٰی شراء میں مدعیہ نہ ہوجانے کے کیا معنی،

جامع الفصولین فصل ۱۰ میں برمز فش فتاوٰی امام رشید الدین سے ہے:

اذا طلب المدعی یمین ذی الید انہ ودیعۃ لیس لہ ذلک لانہ جعل نفسہ مدعیا فی انہ ودیعۃ ولا یمین

مدعی نے قابض سے قسم کا مطالبہ کیا کہ یہ چیز اس کے قبضہ میں بطور امانت ہے تو مدعی کو قابض سے قسم لینے کا حق نہیں کیونکہ قابض نے یہ ظاہر کرکے کہ میرے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۴۷

[2] " " کتاب الدعوٰی الباب السادس فیما تدفع بہ دعوی المدعی " " " ۴/۱۵

علی المدعی[1] | پاس یہ فلاں کی امانت ہے امانت کا مدعی بن گیا ہے جبکہ مدعی سے قسم کا مطالبہ درست نہیں ہے (ت)

15/15

ھشتم فرق ہے اس میں کہ مدعی بعد صدور شہادت اپنے شہود کی نسبت اقرار کرے کہ انھوں نے جھوٹی گواہی دی یا یہ حاضر واقعہ نہ تھے کہ اس تقدیر پر وہ اپنے اقرار پر مواخذ ہوگا کما افادہ فی البحر والشامیۃ وغیرھما (جیسا کہ بحر اور فتاوٰی شامی میں اس کا افادہ کیا ہے۔ ت) اور اس میں کہ مدعی پیش از شہادت کہے میرا کوئی گواہ نہیں یا کہے میں جو شہادت لاؤں محض جھوٹی اور جعلی ہوگی یا کہے فلاں فلاں جو کچھ گواہی میرے لئے دیں وہ جھوٹ ہے اس کے بعد وہ گواہ پیش کرے اور فلاں فلاں اس کے واسطے شہادت دیں تو مذہب صحیح میں یہ شہادت مان لی جائے گی اور مدعی کے وہ پہلے اظہار و اقرار اس کے قبول میں خلل انداز نہ ہوں گے کہ یہاں توفیق ممکن ہے انسان نسیان کے لئے ہے ممکن کہ مدعی کو اس وقت یہی یاد تھا کہ کوئی شخص حاضر واقعہ نہ تھا یا خاص فلاں و فلاں موجود نہ تھے لہٰذا اس وقت یہ اظہار کیا اور بعد کو یاد آیا اور گواہ حاضر لایا، درمختار میں ہے:

تقبل البینۃ لواقامھا المدعی وان قال قبل الیمین لابینۃ لی' سراج' خلافا لمافی شرح المجمع عن المحیط[2] | اگر مدعی نے مدعی علیہ کی قسم سے پہلے گواہی پیش کردی تو قبول کرلی جائے گی اگرچہ وہ قبل ازیں کہہ چکا ہو کہ میرے پاس گواہ نہیں ہیں، سراج۔ اور وہ جو کہ محیط سے شرح المجمع میں منقول ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ (ت)

حاشیہ علامہ ابراہیم حلبی پھر ردالمحتار میں ہے:

(قولہ خلافا لمافی شرح المجمع) لیس فیہ ماینافی ذٰلک بل حکی قولین[3] | اس کے قول (شرح المجمع کے خلاف) کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کے منافی ہے بلکہ انھوں نے دو قول نقل کئے ہیں۔ (ت)

تنویر الابصار و شرح مدقق دمشقی میں ہے:

(قال لابینۃ لی وطلب یمینہ فحلفہ | ایک نے کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں لہٰذا مدعی علیہ

---

[1] جامع الفصولین | الفصل العاشر | اسلامی کتب خانہ کراچی | ۱/۱۳۳
[2] درمختار | کتاب الدعوٰی | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۱۸-۱۱۷
[3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/۴۲۴

القاضی ثم برھن) علی دعواہ بعد الیمین (قبل ذٰلک) البرھان عند الامام (منہ) وکذا لو قال المدعی کل بینۃ اٰتی بھا فھی شھود زور ثم برھن علی الحق قبل خانیۃ وبہ جزم فی السراج کما مر (وقیل لا) یقبل والاصح القبول لجواز النسیان ثم التذکر کما فی الدرر واقرہ المصنف[1] اھ مختصرا۔

سے قسم لی جائے، تو قاضی نے قسم لے لی، پھر مدعی نے گواہی پیش کردی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک، اور یونہی اگر مدعی نے کہا ہو کہ میں جو بھی گواہ پیش کرونگا وہ گواہ جھوٹے ہوں گے، پھر بعد میں مدعی نے اپنے حق میں گواہی پیش کردی تو مقبول ہوگی، خانیہ۔ اور اسی پر سراج میں جزم کیا ہے جیساکہ گزرا ہے بعض نے کہا یہ گواہی قبول نہ ہوگی، اور اصح یہ ہے کہ قبول ہوگی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بھول جانے کے بعد یاد آئی ہو یا پہلے علم نہ تھا اب گواہی کا علم ہوگیا ہو، جیساکہ درر میں ہے، اور مصنف نے اسے ثابت مانا ہے اھ مختصراً۔ (ت)

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

لان الشھادۃ تتعلق بالشھود ویجب علیھم اداؤھا ویاثم کاتمھا وھذا القول منہ لایثبت زورا العدل لانہ قبل الشھادۃ[2] الخ۔

کیونکہ گواہی کا تعلق گواہوں سے ہے اور ان پر شہادت کا ادا کرنا واجب اور گواہی چھپانے والا گنہ گار ہے، مدعی کے کہنے سے وہ جھوٹے نہ ہوں گے کیونکہ مدعی کی یہ بات شہادت کی ادائیگی سے قبل ہے الخ۔ (ت)

غرر میں ہے: الاصح القبول[3] (اصح قبول کرنا ہے۔ ت)، درر میں ہے:

لجواز ان یکون لہ بینۃ او شھادۃ فنسیھا ثم ذکرھا او کان لایعلمھا ثم علمھا۔[4]

ہوسکتا ہے کہ فی الواقع گواہی تھی تو وہ بھول گیا اور اب یاد آگئی، یا علم نہ تھا اب معلوم ہوگیا (ت)

جامع الفصولین برمز فقط ہے:

وکذا لو قال کل بینۃ اٰتی بھا

یونہی اگر مدعی نے کہہ دیا کہ جو بھی شہادت پیش کروں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار | کتاب الدعوٰی | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۱۱۹
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار | " | دارالمعرفۃ بیروت | ۳/ ۳۰۰
[3] الدررالحکام شرح غررالاحکام | " | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ۲/ ۳۳۷
[4] " " | " | " " | ۲/ ۳۳۷

فھی زور ثم اتی او قال کل شہادۃ لیشہد لی فلان وفلان فھی کذب ثم شہدا۔[1]

وہ جھوٹی ہے، یا یُوں کہا فلاں فلاں کی ہر شہادت میرے حق میں جھوٹ ہے اس کے گواہوں نے شہادت دی مقبول ہوگی۔ (ت)

جب یہ مقدمات ثمانیہ ممہد ہولئے بفضلہٖ تعالٰے حکم مسئلہ واضح ہوگیا اور چند مفید بحثوں نے رنگ انجلا پایا:

بحث اوّل سید اشرف علی، شمس الدین خاں، غلام محی الدین خاں، عبدالرزاق خاں، باقر حسین کی گواہی میں اصلاً کوئی غبار نہیں وہ صاف صاف شاہد اقرار عبدالغنی خاں ہیں نہ شاہدان مجلس ایجاب وقبول تو غلام محی الدین خاں وشمس الدین خاں کے بیانات پر یہ اعتراض کہ اگر کلام بائع کو ایجاب قرار دیں تو قبول اس مجلس میں نہیں یا محمدی بیگم کا بیان قبول نہیں اخبار ہے محض بے محل ہے، نہ ان شاہدوں نے دعوٰی کیا کہ ہم حاضر مجلس ایجاب وقبول تھے نہ ان کے بیان کئے ہوئے الفاظ حکایت ایجاب وقبول ہیں وہ صراحۃً اقرارات عبدالغنی خاں بیان کر رہے ہیں جن کے بعد محمدی بیگم کا کلام زیر سقف ہونا یا خبر محض ہونا یا اصلاً کچھ نہ ہونا کچھ بھی مضر نہیں، نہ اس پر لحاظ، کما بیناہ فی الامر الثانی (جیسا کہ اسے امر ثانی میں بیان کیا گیا ہے۔ ت)

بحث دوم سید اشرف علی نے صرف اپنے فعل پر شہادت ہرگز نہ دی بلکہ اس گواہی میں صراحۃً عبدالغنی خاں کا کتابت بیعنامہ کے لئے حکم کرنا اور خود عبارت بتاتے جانا اور اپنے ہاتھ سے مہر لگانا مذکور ہے، یہ افعال واقوال عبدالغنی خاں کے ہیں یا سید اشرف علی کے، ان کے ساتھ اگر اپنا لکھنا بیان ہوا تو ان سب پر شہادت کیوں صرف اپنے فعل پر شہادت قرار پاگئی۔

فی الھندیۃ عن المحیط عن النوادر عن الامام ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا شہد شاھدان ان فلانا امرنا ان نبلغ فلانا انہ قد وکلہ ببیع عبدہ وقد اعلمناہ او امرنا ان نبلغ امرأتہ انہ جعل امرھا

ہندیہ میں محیط سے منقول کہ نوادر روایات میں سے امام ابویوسف سے منقول ہے کہ جب دو گواہ شہادت دیں کہ فلاں شخص نے ہمیں کہا کہ ہم فلاں کو یہ اطلاع دے دیں کہ اس نے اس کو وکیل بنایا ہے کہ اس کے غلام کو فروخت کردے تو ہم نے اس فلاں کو اطلاع پہنچادی یا گواہوں نے یہ شہادت دی کہ اس شخص

---

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۶

بیدھا فبلغناھا وقد طلقت نفسہا جازت شہادتہما[1]

نے نہیں کہا کہ ہم اس کی بیوی کو مطلع کردیں کہ اس نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے تو ہم نے اس کی بیوی کو مطلع کردیا ہے اور اس کی بیوی نے اپنے نفس کو طلاق دے دی ہے، تو یہ شہادت جائز ہوگی۔ (ت)

بحث سوم ظاہر ہوا کہ باقر حسین تنہا گواہ اقرار نہیں بلکہ اس کے پانچ گواہ ہیں اور ایسی جگہ یہ بحث کہ ثبوت بیع ایجاب وقبول بمجلس واحد سے ہوتا ہے معنی ثبوت میں تفرقہ نہ کرنے سے ناشی وثبوت فی نفسہ ہے ثبوت عندالقاضی کے لئے صرف ثبوت اقرار کافی ہے۔

بحث چہارم اظہار محمدی بیگم میں کہیں ایجاب وقبول کی نفی نہیں، نہ اس کے بیان مذکور تجویز میں کوئی لفظ حصر ہے کہ اس کے سوا زن وشوہیں در بارۂ بیع کوئی کلام نہ آیا نہ باوصف شہادات اقرار حاکم کے حضور تذکرۂ ایجاب وقبول آنا کچھ ضرور۔ محمدی بیگم نے وقوع عقد والفاظِ ایجاب وقبول کو ان لفظوں میں ادا کردیا کہ یہ مکان شوہر نے بیع کرکے کاغذ میرے حوالہ کیا اور وہ گفتگوئے بیع جو اس نے بیان کی کہ میں بیعنامہ تمھیں لکھوائے دیتا ہوں، میں نے کہا آمین، بیان ایجاب وقبول نہ تھی بلکہ وہ گفتگو بمعنی قرار داد ومشورۂ بیع تھی جیسا کہ صراحۃً اس کے لفظ سے ظاہر ہے اگر کہئے ممکن کہ اس کی مراد گفتگوئے بیع سے یہی ایجاب وقبول تو ہم کہیں گے ممکن کہ اس کی مراد وہی قرار داد ومشورہ ہو غیب پر حکم کردیا اور امر محتمل سے ایک معنی بطور خود سمجھ لینا کیونکر صحیح ہوا بلکہ جب لفظ صراحۃً مشورے ہی کے ہیں تو اسی پر حمل واضح، ہاں اگر اس کے کلام میں تصریح ہوتی کہ اس کے سوا بیع کا کوئی مکالمہ عبدالغنی خاں نے مجھ سے نہ کیا تو یہ معنی ٹھیک ہوتے اور جب ایسا نہیں تو عقلاً ونقلاً احتمال قاطع استدلال۔

بحث پنجم یہیں سے ظاہر ہوا کہ یوسف علی خاں وسید حشمت علی کے بیانوں کو اظہار محمدی بیگم سے اصلاً تنافی نہیں، وہ دو وقت کسی اور کے ہونے کا انکار کرتی ہے، وقت مشورہ اور وقت دادن بیعنامہ وقت ایجاب وقبول کسی کے موجود ہونے نہ ہونے کا اس کے اظہار میں کچھ ذکر نہیں اور یہ دونوں وقت ایجاب وقبول اپنا ہونا بیان کرتے ہیں وقت قرار داد و وقت عطائے بیعنامہ سے کچھ بحث نہیں تو منافات کہاں ہوئی اور ایسی محتمل بات پر مسلمانوں کی گواہی محض زوری وجعلی کیونکر ٹھہر سکی۔

بحث ششم اگر فرض ہی کیجئے کہ گفتگوئے بیع سے محمدی بیگم کی مراد ایجاب وقبول ہی ہے جب بھی بر بنائے مذہب صحیح کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے اس کے اظہار سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۷۲

شاہدین ایجاب وقبول کی شہادت پر اصلاً آنچ نہیں آتی، بیانِ سائل سے معلوم ہوا کہ محمدی بیگم کا اظہار سید حشمت علی ویوسف علی خاں بلکہ تمام شہود کے اظہار سے پہلے ہوا اور امرِ ششم میں واضح ہوچکا کہ اگر محمدی بیگم صراحۃً اپنے اظہار میں یوں لکھاتی کہ ایجاب وقبول کی جو شہادت دی محض جھوٹا ہے نری بناوٹ کرتا ہے اور اس کے بعد شہادت گزرتی اظہار مدعیہ یعنی محمدی بیگم سے اسے کچھ مضرت نہ تھی جب مردوں کے حق میں یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعی بھول گیا تو عورات خصوصاً اس عمر میں زیادہ مستحق اس عذر کی ہیں خلاف مذہب مصحح امام مسلمانوں کی شہادت کو مصنوعی بتادینے کا کوئی حق نہ تھا۔

بحث ہفتم ان ابحاث سے روشن ہُوا کہ یہ سات شہادتیں فی نفسہا ہر غبار و اعتراض سے پاک وصاف ہیں رہا شہود کو غیر ثقہ و نامعتمد بتانا قطع نظر اس سے کہ اگر بے دلیل شرعی صرف اس بنا پر ہو کہ ان کی تحقیقات نہ کی گئی تو یہ کمی خود حاکم کی طرف سے ہے حاکم پر واجب ہے کہ احوالِ شہود سے خود بروجہ کافی آگاہ نہ ہو تو خفیہ تحقیقات کرے جس سے معلوم ہو کہ ان کی شہادت قابلِ اعتبار شرع ہے یا نہیں اگرچہ فریقِ ثانی کی طرف سے اس کی تحریک نہ بھی ہو بے تحقیقات کے جزافاً ثقہ غیر ثقہ کہہ دینے کے کوئی معنی نہیں، درمختار میں ہے:

عندھما یسأل فی الکل اذا جہل بحالھم بہ یفتی[1]

صاحبین کے نزدیک قاضی جب گواہوں کے حالات کو نہ جانتا ہو تو اسے تمام قسم کے گواہوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا حق ہے، اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے: یسأل ای وجوبا[2] (قاضی پر واجب ہے کہ معلومات حاصل کرے۔ ت)

منحۃ الخالق میں علامہ خیر رملی سے ہے:

مقتضاہ ان القاضی یاثم بترك السؤال[3]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ معلومات حاصل نہ کرنے پر قاضی گنہگار ہوگا۔ (ت)

بحر میں ہے:

وفی السراجیۃ والفتوٰی علی انہ یسأل فی السر[4]

اور سراجیہ میں ہے کہ فتوٰی یہ ہے کہ قاضی انکے متعلق خفیہ طریقہ سے معلومات حاصل کرے (ت)

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۱

[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۷۲

[3] منحۃ الخالق علی البحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۶۳

[4] بحرالرائق " " " " ۷/۶۴

یہاں محلِ نظر یہ ہے کہ اسی بیعنامہ محمدی بیگم کے تحقیقات میں حاکم نے انھیں شہود کی شہادت پر اعتماد کیا اور اسی کی بنا پر یہ پابندی سرکلر بیعنامہ کو ثابت مان کر فیس اسٹامپ و تاوان رجسٹری لیا تو اب انھیں شہادتوں کو اسی ثبوت میں نامعتبر و مردود بتانے کا کوئی محل نہ رہا جیسا کہ امر پنجم میں واضح ہوچکا وہ غیر ثقہ نہیں فرضاً کھلے فساق ہوتے جب حاکم خود انھیں قبول کرکے حکم کرچکا شہادت نافذ ہوگئی، امر ششم میں واضح ہوا کہ فاسق بھی اہلِ شہادت ہے پھر بعد قبول رَد کے کیا معنی، سائل نے نہ عبارت سرکلر پیش کی جس کی تعمیل پر حاکم کی یہ کارروائی تھی نہ اس امر کے متعلق تجویز حاکم کی یہ کارروائی تھی نہ اس امر کے متعلق تجویز حاکم کی نقل نظر سے گزری کہ اس قبول و تنفیذ شہادات کا حال کما ینبغی منکشف ہوتا پھر بھی اس قدر میں شک نہیں کہ یہ امر بہت قابلِ لحاظ ہے اور مخالفت ضابطہ کا جواب تو اس سے بداہۃً واضح اگرچہ خدام شرع کو بحمد اللہ تعالیٰ ضوابط شرع مطہر کے سوا کسی ضابطے سے بحث نہیں، جب خود صاحبانِ ضابطہ ہی نے وہ سرکلر جاری کیا اور اسی کے مطابق اب بعد ظہور وجہ وجیہ و اجازت و حصول تحقیقات مزید وہ کاغذ مثل کاغذات رجسٹری ٹھہر گیا تو مخالفتِ ضابطہ کہاں رہی، فیس و تاوان رجسٹری لینے کے بعد بھی سادہ و ساقط الاعتبار رہنا یعنی چہ کیا سرکلر اس لئے وضع ہوا تھا کہ اسٹامپ کے دام رجسٹری کا تاوان سب کچھ لے لیجئے اور پھر کہہ دیجئے کہ کاغذ سادہ ہے ساقط الاعتبار ہے یہ کہنا تو پہلے ہی حاصل تھا فیس و تاوان کس بات کے لئے اور اس میں کون سا رفع عذر ہوا جسے مقصود عدالت بتایا جاتا ہے کیا قبل ظہور وجہ وجیہ و تحقیقات مزید کاغذ سادہ کو سادہ کہا جاتا تو شکایت ہوتی اب کہ بعد ان تمام مراتب کے فیس و تاوان لے کر مصدقہ بنا کر سادہ ساقط الاعتبار کہہ دینے سے کوئی عذر باقی نہ رہا۔

بحث ہشتم قرائن صدق شہادات کی یوں نفی کہ نہ بیعنامے پر رجسٹری نہ کاغذ اسٹامپ کا نہ بائع کے ہاتھ کا لکھا نہ دستخط، نہ اہل محلہ و اقارب کی شہادت کہ انھیں سے بعض کو بے ثبوتی بیعنامہ کا دلیل عقلی بنایا گیا ہے اصلاً قابلِ التفات نہیں۔

اوّلاً یہ اعتراض خود اپنے حکم پر ہے کہ انھیں شہادات کو ذریعۂ ثبوت وجہ وجیہ مان کر فیس و تاوان لیا گیا۔

ثانیاً رجسٹری و اسٹامپ نہ ہونا اگر دلیل عقلی بطلان شہادات ہو تو انھیں کی بنا پر فیس و تاوان لے کر کاغذ کو مصدقہ رجسٹری و اسٹامی بنانا طرفہ دورکا رنگ ہوگا کہ مصدق ماننا تو موقوف ہوا قبول شہادات پر اور قبول شہادات مصدقہ ہونے پر۔

ثالثاً امر سوم میں واضح ہوچکا کہ اپنے لکھنے سے دوسرے پر املا اقوی ہے۔

رابعاً یہ سب زوائد و فضول باتیں ہیں شرع مطہر میں قبول شہادات کو وجوداً و عدماً ان باتوں سے

علاقہ نہیں، شہود اگر معتبر شرعی ہیں ان کی شہادت کا قبول واجب اگرچہ یہ امور سب منتفی ہوں ورنہ نہیں اگرچہ یہ امور سب موجود ہوں، یہ سرسری نگاہ سے اتنے ابحاث ہیں اور ہنوز بہت امور باقی ہیں کہ بخیالِ تطویل ترک کئے۔

بالجملہ تجویز بوجوہ کثیرہ غیر صحیح ہے اور اس مسئلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر ان سات شاہدوں میں دو گواہ بھی معتبر شرعی ہیں خواہ وہ صرف اقرار عبدالغنی خاں کے گواہ ہوں یا صرف ایجاب وقبول کے یا ایک اقرار کا ایک ایجاب وقبول کا، تو ازانجا کہ یہاں محمدی بیگم دونوں وجوہ ترجیح کی جامع ہے تاریخ بیع بھی اسی کی پہلی ہے اور قبضہ بھی اسی کا ہے لہذا ہر طرح فیصلہ بحق محمدی بیگم ہونا لازم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۴ ازرامپور ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ کا نکاح ہوا مہر مؤجل ومعجل کے ساتھ، زید نے جائداد مملوکہ وموجودہ خود مہر معجل ہندہ میں مستغرق کردی اور یہ بھی اقرار کیا کہ آئندہ جو جائداد مجھ کو کسی ذریعہ سے حاصل ہو تا مقدار مہر معجل ہندہ مستغرق ومکفول سمجھی جائے اگر یہ تحریر واقرار زید شرعاً صحیح ہے فہو المراد، ورنہ جو شرعاً قابل قبول قضا ہو وہ الفاظ بتائے جائیں جو کہ لکھے جائیں جو شرعاً نافذ وجاری ہوں فقط۔

الجواب

شرعاً استغراق جائداد بلاقبضہ جس طرح آجکل رائج ہے محض مہمل وبے معنی ہے، ہاں رہن مع قبضہ مرتہن ضرور عقد شرعی ہے مگر وہ دخلی حرام اور اس سے نفع لینا حرام، اور زید کا وعدہ نسبت جائداد آئندہ اور بھی مہمل تر ہے معدوم کی نسبت اقرار کیا معنی، مہر معجل کا دعوٰی عورت کو پیش از وقوع وطی ہر وقت پہنچتا ہے اور بعد وطی بھی لان کل وطأۃ معقود علیہا (کیونکہ ہر وطی پر عقد ہے۔ ت) تو جائداد موجود مہر میں دے دے یا عورت کے پاس رہن شرعی کردے اور باقی جو جائداد پیدا ہو عورت برضائے شوہر یونہی لیتی جائے نہ دے تو نالش وسوال اقتناعی ونیلام سے کاربرآری آج کل رائج ہے جس میں دو صورتیں شرعی بھی نکل سکتی ہیں، ایک دیانۃً صرف مقدار دین کو خود نیلام میں لے کر زائد کو واپس دینا بناء علی ما افتی بہ الاٰن من اخذ الحق من خلاف الجنس (اب موجودہ فتوٰی کی بناء پر صاحب حق اپنا حق خلاف جنس میں حاصل کرسکتا ہے۔ ت)، دوسرے نیلام مقدار مطالبہ سے زائد پر ہونا اور مقدار زیادت کو مدیون کا لے لینا فانہ یکون تنفیذ البیع کما نصوا علیہ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا (تو یہ بیع کو نافذ کرنا قرار پائے گا جیسا کہ فقہاء کی اس پر تصریح ہے، اور جو اللہ تعالٰی سے ڈرے وہ اس لئے راستہ بنا دیتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۵۵ مرسلہ محمد اللہ یار خاں مقیم ریاست رامپور محلہ بزریا ملاظریف گھر منشی عبدالرحمن مرحوم

۲۶ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اوپر مہر تیس ہزار تیس اشرفی رائج الوقت عقد کیا اس کے بعد زید نے دو دکانیں مملوکہ اپنی بعوض کل دین مہر ہندہ کو ہبہ کر دیں اور کاغذ ہبہ نامہ رجسٹری شدہ سرکاری بھی مسماۃ ہندہ نے برضا و رغبت بشہادت مردمان ثقات کے اپنے کل دین مہر کا ادا ہونا اور ایک حبہ زید کے ذمہ نہ رہنا قبول کر لیا یہاں تک کہ زید کی زندگی میں دس روپیہ ماہوار کرایہ دکانوں کا گیارہ برس آٹھ مہینے سے لیتی رہی اور اب زید مر گیا اب بھی لیتی ہے اور اپنی تمام عمر لے گی، اب سائل سوال کرتا ہے کہ زید نے ہبہ نامہ میں تفصیل تیس ہزار تیس اشرفی کی نہیں لکھی ہے اور جو قرار پایا تھا تو اب زید نے یوں لکھا دیا کہ مسماۃ ہندہ کے کل دین مہر کے ادا ہونے کے بدلے یہ دکانیں مجھ زید نے لکھ دیں اب ایک حبہ میرے ذمہ دین مہر مسماۃ ہندہ کا دینا باقی نہ رہا، پس لفظ کل کے تحریر کرنے سے زید بری الذمہ ہو گیا یا نہیں، اب زید مر گیا، مسماۃ ہندہ نے دو ہزار روپیہ کی بابت مہر کی پھر نالش کر دی ہے یہ دعوٰی مسماۃ ہندہ کو عدالت میں پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب

دعوٰی مذکورہ محض باطل و نامسموع ہے، جب ہبہ کل مہر کے عوض ہندہ نے قبول کر لیا کل مہر بحکم مقاصہ ساقط ہو گیا اب اس میں سے کسی جز کا دعوٰی صریح ظلم ہے،

فان الھبة بالعوض بیع ابتداء وانتھاء کما فی الدرالمختار[1] والمشتری لایبقی لہ ملك فی شیئ من الثمن وامثال المقام لاتحتاج الی التسمیة بل ولا الی علم المقدار لعدم الحاجة الی التسلیم والتسلم فی الھندیة ھذا بیع لایحتاج فیہ الی التسلیم وبیع مالم یعلم البائع والمشتری مقدارہ اذا کان لایحتاج فیہ

تو بیشک ہبہ بالعوض ابتداءً و انتہاءً بیع ہے جیسا کہ درمختار میں ہے اور خریدار کی ادا کردہ ثمن میں ملکیت ختم ہو جائے گی، ایسے مقامات پر بیع و بیع کا ذکر بلکہ مقدار مبیع کا علم بھی ضروری نہیں کیونکہ یہاں لینا دینا کچھ نہیں ہوتا، ہندیہ میں ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں کچھ سونپنے کی ضرورت ہے نہ ہی مبیع کی مقدار کا جاننا بائع یا مشتری کو ضروری ہے تو جس بیع میں سونپنا اور قبضہ دینا نہ ہو تو وہاں مقدار

---

[1] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۴

الی التسلیم جائز الا یری ان من اقرانہ غصب من فلان شیئا او اقرانہ فلانا اودعہ شیئا ثم ان المقر اشتری ذٰلک الشیئ من المقرلہ جاز وان کان لایعرفان مقدارہ۔ واللہ اعلم۔

کے علم کے بغیر بیع جائز ہے، کیا دیکھا نہیں کہ کوئی شخص اقرار کرے کہ میں نے فلاں کی چیز غصب کی ہے یا یہ اقرار کرے اس نے میرے پاس امانت رکھی پھر اقرار کرنے والا مقرلہ سے وہ چیز خرید لے تو جائز ہے اگرچہ دونوں کو چیز کی مقدار کا علم نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۶: از لشکر گوالیار محلہ بکہ مرسلہ محمد بخش ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملے میں کہ مسماۃ حرہ نے اپنے شوہر پر اس بیان سے طلاق کا دعوٰی پیش کیا ہے کہ میرے شوہر نے بموجودگی چار عورتوں کے ایک جلسہ میں مجھ کو تین بار طلاق دی اس کو عرصہ دو۲ مہینے کا ہوا اب ان چار عورتوں میں ایک عورت زمانہ طلاق کا تخمیناً ڈیڑھ سال بیان کرتی ہے اور دوسری عورت سوا یا ڈیڑھ سال کہتی ہے اور باقی دو عورتوں کی نسبت مسماۃ کا یہ بیان ہے کہ مجھ کو ان کی شہادت دلانا منظور نہیں، علاوہ ان کے دو مرد مسلمان اور تین مرد ہندو جن کی نسبت مسماۃ سننے نہ سننے کی لاعلمی بیان کرتی ہے ان میں ایک گواہ زمانہ طلاق کا چودہ پندرہ ماہ کا بیان کرتا ہے اور دوسرا قریب دو سال بیان کرتا ہے اور تین ہندو کوئی سوا برس کوئی ڈیڑھ برس اور مسماۃ زمانہ طلاق کا دو۲ مہینے کا بتاتی ہے اور شوہر کو طلاق دینے سے انکار ہے، پس اس صورت میں مسماۃ کا دعوٰی طلاق کا شہادت مذکورسے شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

مسلمانوں پر کسی معاملے میں ہنود کی گواہی اصلاً معتبر نہیں، نہ تنہا عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوسکے کم سے کم دو۲ مسلمان مرد عاقل بالغ متقی پرہیزگار یا ایک مرد دو۲ عورتیں سب مسلمان عاقل بالغ متقی پرہیزگار درکار ہیں اگر ایسے گواہ نہیں تو شوہر سے قسم لی جائے اگر وہ قسم کھا کر طلاق ہونے سے انکار کرے دعوٰی حرہ رَد ہوجائے گا اور اگر شوہر قسم نہ کھائے تو طلاق ثابت ہوجائے گی اور اگر ویسے گواہ شرعی موجود ہیں تو دعوٰی طلاق آپ ہی ثابت ہے اور مدعیہ و گواہان اور نیز باہم گواہوں کا زمانہ طلاق میں اختلاف کچھ مضرِ شہادت نہیں، درمختار میں ہے:

یشترط الاسلام لو المدعی علیہ مسلما[1]

اگر مدعٰی علیہ مسلمان ہو تو گواہوں کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

اسی میں ہے :

ونصابھا للنکاح والطلاق رجلان او رجل وامرأتان ولا تقبل شہادۃ اربع بلا رجل[1] اھ مختصرًا۔

نکاح وطلاق کے لئے نصابِ شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، مرد کے بغیر چار عورتوں کی شہادت مقبول نہ ہوگی اھ مختصرًا (ت)

عالمگیری میں ہے :

اختلفا فی الوقت او المکان فان کان المشھود بہ قولا محضا کالبیع والاجارۃ والطلاق والعتاق جازت شہادتھما[2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر دونوں گواہوں کا وقت یا مکان میں اختلاف ہو اور شہادت والا معاملہ گفتگو سے متعلق ہو مثلاً بیع، اجارہ، طلاق اور عتاق، تو یہ شہادت جائز ہے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۸: از ریاست رامپور مرسلہ منشی واحد علی صاحب پیشکار محکمہ مال ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں :

(۱) جو ضوابط واحکام واسطے فیصلہ خصومات اور رجوع نالش کے خلیفہ یا قاضیِ وقت نے مقرر کئے ہیں ان کی پابندی حاکم کو شرعًا لازم وواجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

(۲) زید نے اپنی تحریر میں لکھا ہے کہ (عمرو شہر سے باہر گئے ہیں) از روئے احکام شرعی الفاظ مذکورہ سے فرارِ عمرو ثابت ہے یا نہیں بلکہ صرف معمولی طور پر جانا پایا جاتا ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) والیِ ملک حاکمِ اسلام یا اس کے یہاں کے افسر بالادست مثل قاضی القضاۃ نے جسے اس نے لوگوں کو عہدۂ قضاء پر اپنے دستخطوں سے مقرر کردینے کا اختیار دیا ہو بالجملہ جس کے نصب سے حاکم شرعًا حاکم ہوجاتا ہے اور بے رضائے فریقین فیصلہ کرنے کا اختیار پاتا ہے ایسے شخص نے جس کے نصب میں جو شرائط حکم قضا کے لئے لگائے ہوں یا سلطان خواہ اس کے ماذون مجاز نے جسے وضع ضوابط کا اختیار ہو جو ضابطے فیصلہ خصومات ورجوع مقدمات کے واسطے مقرر کئے ہوں ان کی پابندی صورتِ اولٰی میں اس خاص حاکم اور ثانیہ میں اس ریاست کے تمام حکام پر خواہی نخواہی ضرور ہے، ان کے خلاف جو فیصلہ

---

[1] درمختار — کتاب الشہادات — مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] فتاوٰی ہندیہ — الباب الثامن — نورانی کتب خانہ کراچی ۳/ ۵۰۷

ہوگا سراسر مردود و بے اثر و نامعتبر ہوگا جیسے کسی راہ چلتے کا کوئی فیصلہ بطور خود کردینا۔ درمختار میں ہے:

القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومۃ حتی لو امر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسۃ عشر سنۃ فسمعہا لم ینفذ۔[1]	قضاء کو مکان، زمان اور مقدمہ سے مختص کیا جاسکتا ہے حتی کہ اگر سلطان نے حکم دیا کہ پندرہ سال گزرجانے کے بعد دعوٰی کی سماعت نہ ہوگی تو کسی قاضی نے یہ سماعت کی تو فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

عزاہ فی الاشباہ الی الخلاصۃ وقال فی الفتح الولایۃ تقبل التقیید والتعلیق بالشرط۔[2]	اشباہ میں اس کو خلاصہ کی طرف منسوب کیا ہے اور فتح میں فرمایا کہ ولایت شرط کے ساتھ مقید اور معلق ہوسکتی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فیکون القاضی معزولا عن سماعہا لما علمت من ان القضاء یتخصص۔[3]	قاضی اس کی سماعت سے بے اختیار ہوگا کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ قضاء کو خاص کیا جاسکتا ہے۔ (ت)

ہاں اگر ان دو صورتوں کے سوا کسی قاضی غیر مجاز نے بے اذنِ والی بطور خود کچھ ضوابط مقرر کئے ہوں تو ان کی پابندی کسی پر لازم نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) الفاظ مذکورہ سے فرارِ عمرو ہرگز ثابت نہیں، "باہر جانا" ترجمہ خروج کا ہے اور فرار کا ترجمہ "بھاگ جانا"۔ خروج سے "فرار" ہرگز لازم نہیں۔ اللہ عزوجل زکریا علیہ الصلٰوۃ والسلام کے حق میں فرماتا ہے:

فخرج علی قومہ من المحراب۔[4]	اپنی قوم پر محراب سے باہر آئے۔

اللہ تعالٰی سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام۔	باہر جاؤ تو اپنا منہ کعبے کی طرف کرو۔

---

[1] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

[2] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۲

[3] " " " " " " ۴/ ۳۴۳

[4] القرآن الکریم ۱۹/ ۱۱

[5] " ۲/ ۱۴۹

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے فرماتا ہے :

ان کنتم خرجتم جہادا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی[1]
اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری مرضی چاہنے تو کافروں سے دوستی نہ کرو۔

ظاہر ہے کہ بھاگ جانے میں باہر جانے سے ایک امر زائد ہے اور زیادت بے ثبوت زائد ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی، ہدایہ وغیرہا کتب مذہب میں جابجا ہے الاقل ھو المتیقن (قلیل یقینی امر ہوتا ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۹ ازریاست ٹونک محلہ قافلہ مرسلہ مولوی سید ظہور اللہ صاحب ۱۷ شوال ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بلاوصول دین مہر خود' درزندگی بکر زوج اپنے کے فوت ہوگئی اس نے ایک بکر زوج خود اور دو پسر ایک عمرو اور دوسرا زید وارث چھوڑے، بعد تخمیناً آٹھ سال کے عمرو بھی فوت ہوگیا اور اس نے ایک زوجہ اور دو پسر اور دو دختر وارث چھوڑے، اب زوجہ عمرو نسبت بکر خسر خود کے اس طرح سے دعویدار ہوئی کہ میرا دین مہر میرے زوج عمرو کے ذمہ چاہئے اور عمرو کی والدہ ہندہ کا دین مہر ذمہ بکر خسر میرے کے واجب ہے جس میں عمرو کا بھی حصہ ہے پس اس کے حصہ میں سے اول یہ دین مہر مجھ کو وصول کرایا جاکر مابقی اس کا مجھ کو اور دو پسر اور دو دختر اولاد عمرو پر موافق فرائض اللہ تقسیم کیا جائے، بجواب مطالبۂ ہذا بکر پدر عمرو کو یہ عذر ہے کہ دعوٰی زوجۂ عمرو کا دو طرح سے مجھ پر نہیں پہنچتا اول تو یہ کہ زوجۂ عمرو وارثہ ہندہ کی نہیں دوسرے بقول اس کے اس کا دین مہر اپنے زوج عمرو پر ہے اور عمرو کی والدہ ہندہ کا دین مہر مجھ بکر پر بقول اس کے باقی ہے تو گویا دعوٰی اس کا مدیون کے مدیون پر ہوا جو عندالشرع قابل سماعت نہیں بموجب اس روایت کے،

لو اقام البینۃ علی مدیون مدیونہ لایقبل ولایملك اخذ الدین[2] کذا فی الخلاصۃ۔
اگر کسی نے اپنے مقروض کے مقروض پر گواہی پیش کی تو مقبول نہ ہوگی اور وہ قرض حاصل کرنے کا حقدار نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ میں ہے (ت)

صورت مسئولہ میں اگر جواب بکر کا موافق کتاب کے ہے تو اس استفتاء پر مواہیر ثبت فرمائی جائیں اور اگر خلاف شرع بکر کا جواب ہے تو اس کا حکم مع روایت ذیل میں قلمبند فرمایا جاکر مواہیر ثبت فرمائی جائیں'

---

[1] القرآن الکریم ۶۰/ ۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۸

بیّنوا توجروا (بیان کرو اجر دئے جاؤ گے۔ت)۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں زوجۂ عمرو کا دعوٰی صحیح ومسموع اور بکر کے عذرات باطل ومدفوع ہیں، زوجۂ عمرو ضرور وارثہ ہندہ نہیں مگر اب وہ دین بھی دین ہندہ نہیں فان الموت ناقل للملك (کیونکہ موت ملکیت کو منتقل کرتی ہے۔ت) بعد موت ہندہ بقدر حصہ عمرو دین عمرو ہوا اور زوجۂ عمرو وارثہ عمرو بھی ہے اور دائنہ بھی مہر زوجہ وغیرہ دیون کہ ذمہ عمرو ہوں جبکہ محیط ترکہ نہ ہوں تو مابقی بعد انفاذ وصایا علی حسب الفرائض خود ملک ورثہ ہے جن میں زوجہ بھی ہے تو اس قدر میں بکر خود مدیون زوجۂ عمرو ہے نہ مدیون مدیون اور قدر دیون مہر وغیرہ میں اگرچہ ترکہ ملک عمرو پر باقی رکھا جائے لانصرافها الی حاجة المیت (میت کی اپنی حاجت کیلئے ترکہ منتقل ہونے کی وجہ سے) مگر دائن میت ومدیون میت جبکہ دونوں وارثان میت ہوں تو ایسے دائن کا ایسے مدیون مدیون پر دعوٰی قطعاً مسموع ومقبول ہے، عدم سماع یا عدم قضا اس صورت میں ہے کہ وہ دونوں یا ان میں ایک میت سے اجنبی ہو۔ تحقیق مقام کہ یہ دائن میت کو مدیون میت پر دعوٰی کرکے وصول پاسکنے کے لئے دو باتوں کی حاجت ہے:

اوّلاً میت کا دین اس پر ثابت کرے اور جب یہ میت سے اجنبی ہے اسے ملک میت مدیون میت پر ثابت کرنے کا کیا استحقاق ہے فانه لایصلح خصما عنه (کیونکہ وہ اس کا فریق بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا) اس کے لئے میت کے وصی یا وارث کا دعوٰی درکار ہے۔

ثانیاً اپنا دین میت پر ثابت کرے اور جب مدعا علیہ میت سے اجنبی ہے میت پر اثبات دین کے لئے اس کا حضور کافی نہیں فانه لایقدم خصما عنه (کیونکہ یہ بطور فریق اسکی طرف سے پیش نہیں ہوسکتا) میت کا جو کوئی وصی یا وارث ہو تو میت پر دین ثابت کرنے کے لئے ان میں کسی کا حاضر ہونا ضرور ہے غرض عدم سماع کی وجہ عدم امکان ثابت ہے اگر دونوں امر کا ثبوت کسی طرح ہوجائے تو دعوٰی ضرور قابل قبول ہے ولہٰذا اگر دین دائن ذمہ میت نزد قاضی ثابت ہو اور مدیون میت مدیون میت ہونے کا اقرار کرے تو قاضی مدیون میت سے دائن میت کو دین دلادے گا، خلاصہ وہندیہ میں ہے:

لو اقام البینة علی مدیون مدیونه لاتقبل ولا یملك اخذ الدین منه اما اذا ثبت الدین فی ترکته عند القاضی واقر رجل عند القاضی ان

اگر اپنے مقروض کے مقروض پر گواہی پیش کی تو مقبول نہ ہوگی اور وہ قرض وصول کرنے کا حقدار نہ ہوگا، لیکن جب میت کے ترکہ میں قرض (کسی پر) قاضی کے ہاں ثابت ہوجائے اور قرضدار شخص یہ اقرار کرے

للمیت علیه دینا قدرہ کذا یأمرہ بالدفع الی رب الدین[1]

کہ مجھ پر میت کا قرض ہے جس کی مقدار یہ ہے تو قاضی اس کو ادائیگی کا حکم دے گا کہ میت پر جس کا قرض ہے اس کو دے دے۔ (ت)

ولہذا اگر دائن میت وارث میت ہو اور مدیون میت اجنبی اور دوسرا وارث حاضر نہیں تو مدیون میت پر دین میت ثابت کرنے کے حق میں اس دائن وارث کا دعوٰی مسموع ہوگا اور بوجہ اول اس مدیون پر دین میت کی ڈگری کردینگے مگر بوجہ ثانی وہ دین اس مدعی کو ابھی نہ دلائیں گے کہ مدیون اجنبی ہے اور دوسرا وارث غائب۔ محیط و عالمگیریہ میں ہے:

رجل مات وله ابنان احدهما غائب فادعی الحاضر ان له علی ابیه الف درهم دینا و لامال للمیت غیرالف درهم علی رجل فانی اقبل بینة الابن الحاضر فی اثبات الدین علی الاجنبی ولا اسمع بینته علی ابیه بدینه ولا اقضی له من الالف التی قضیت علی الاجنبی لشیئ فاوقف الالف حتی یجیئ الاخ کذا فی المحیط[2]۔

ایک شخص فوت ہوا اس کے وارث دو بیٹے تھے جن میں سے ایک غائب ہے تو حاضر بیٹے نے اپنے باپ پر ایک ہزار درہم قرض کا دعوٰی کیا جبکہ میت (باپ) کا ایک غیر شخص پر ایک ہزار قرض کے بغیر کوئی ترکہ نہ ہو تو اس صورت میں حاضر بیٹے کی گواہی کہ غیر شخص پر باپ کا قرض ہے، میں قبول کروں گا، اور اس کی اپنے باپ پر قرض کی گواہی کو نہ سنوں گا، اور نہ ہی غیر پر ثابت قرض میں سے حاضر بیٹے کو کچھ دلاؤں گا اور میں غیر پر باپ کے ثابت شدہ قرض ہزار درہم کو موقوف رکھوں گا تاوقتیکہ اس کا غائب بھائی نہ آجائے، ایسے ہی محیط میں ہے۔ (ت)

اور جب دائن و مدیون دونوں وارثان میت ہیں جس طرح یہاں بکر و زوجہ عمرو تو اب سماع و قبول کی تمام وجوہ متحقق ہیں زوجہ عمرو اپنی وراثت کے سبب بکر کے دین میت کا دعوٰی کرسکتی ہے اور وراثت بکر کے سبب اس کے مواجہ میں میت پر اپنے دین کا دعوٰی۔ واقعات پھر جامع الفصولین میں ہے:

احد الورثة ینتصب خصما عن المورث فیما له وعلیه[3] الخ۔

ورثاء میں سے ایک کو مورث کی طرف سے لین دین کے لئے فریق مقرر کیا جائے گا الخ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۸

[2] " " الباب الخامس " " کراچی ۴/ ۳۹

[3] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴

خزانۃ المفتین میں ہے :

لوادعی علی المیت دینا بحضرۃ احد الورثۃ یثبت الدین فی حق الکل وکذا لوادعی احد الورثۃ دینا علی انسان للمیت واقام بینۃ یثبت الدین فی حق الکل ویدفع الی الحاضر نصیبہ مشاعا الخ۔[1]

اگرکسی نے میت پرقرض کا دعوٰی کرکے ورثاء میں سے ایک کی موجودگی میں ثابت کردیا تو وہ قرض تمام ورثاء پر ثابت ہوجائے گا اور یونہی ورثاء میں سے ایک نے اپنے والد کا قرض کسی شخص پر ثابت کردیا اور گواہ بھی پیش کردئے تو یہ قرض تمام ورثاء کے حق میں ثابت ہوجائے گا اور ثابت کرنے والے موجود وارث کو غیر منقسم حصہ کے طور پر بطور حصہ اس کو دے دیا جائیگا الخ۔ (ت)

لاجرم جامع الفصولین میں فتاوٰی امام رشید الدین سے نقل کیا :

لایملك الدائن اثبات الدین علی مدیون المیت ولاعلی الموصی لہ ولو اثبت علی من یصح اثباتہ علیہ کوصی ووارث ثبت لہ حق الاستیفاء منھما ولو انکر وارثہ وجود ترکۃ بیدہ فللدائن اثباتھا لا لو اجنبیا فلا تقبل علیہ بینۃ الدائن اذلیس بخصم فی اثبات الملك للمیت۔[2]

میت کے قرضخواہ کو میت کے مقروض یا موصٰی لہ پر قرض ثابت کرنے کا اختیار نہیں اور اگر اس نے ایسے شخص پر قرض ثابت کردیا جس پر اثبات سے وصی اور وارث کے لئے حق ثابت ہوجاتا ہے تو اس کو وصی اور وارث سے اپنا قرض وصول کرنے کا حق ہوگا اور اگر وارث میت کا ترکہ اپنے قبضہ میں ہونے سے انکار کردے تو قرض خواہ کو قبضہ کے اثبات کا حق ہوگا اور اگر اجنبی شخص انکار کرے تو اس کے خلاف قرض خواہ کی گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ وہ اجنبی میت کی ملکیت کے اثبات میں فریق نہیں ہے (ت)

پس صورتِ مسئولہ میں زوجہ عمرو کا دعوٰی ضرور صحیح ہے مگر مہر ہندہ سے جس قدر حصہ عمرو ہو اس میں سے وہ مقدار کہ ترکہ عمرو سے خود حصہ بکر ہوتی چھوڑ کر باقی پر دعوٰی پہنچے گا،

لانھا لادعوی لھا ولا فی الذی لزوجھا وماکان لزوجھا قد سقط منہ ماورثہ منہ ابوہ کما

کیونکہ اس میں خود بیوی کو اور نہ ہی اس کے خاوند کے حصہ میں دعوٰی ہے اور جو خاوند کا حصہ تھا اس میں سے والد جتنے کا وارث بنا ساقط ہوجائیگا

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الدعوٰی فصل دعوی المیراث قلمی نسخہ ۲/ ۸۲

[2] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۵

سقط اولاالربع من مهر هندۃ لصیرورتہ حق المدیون بنفسہ وھوالزوج ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جس طرح اوّلاً اس میں سے چوتھائی حصہ ہندہ کے مہر کا ساقط ہوگیا ہے اس وجہ سے کہ وہ خود مدیون کا حق بن گیا اور وہ خود خاوند ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

16

مسئلہ ازبریلی محلہ گندہ نالہ مرسلہ ظہور حسن ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

زید و ہندہ نے جو حقیقی بہن زید کی ہے خالد کو ایک دستاویز لکھ دی ہندہ کی طرف سے جو نا خواندہ ہے اور پردہ نشین ہے زید اس کے حقیقی بھائی نے دستخط کی بایں عبارت (ہندہ بقلم زید) اس دستاویز میں لکھا کہ زر مندرجہ دستاویز ہم نے وصول پالیا ایسا ہی زید نے لکھا بلا تفریق مقدار روپیہ کے اور دونوں نے جائداد غیر منقولہ مکفول کی، وقت رجسٹری کے ہندہ نے اقرار تحریر دستاویز اور وصولیابی زر مندرجہ دستاویز سے اقرار کیا اور چونکہ ہندہ ناخواندہ اور پردہ نشین ہے زید نے ہندہ کی طرف سے حسب بالا دستخط کردی اب خالد نے دونوں سے مطالبہ دستاویز کیا اور شناخت ہندہ کی اس کے دوسرے بھائی حقیقی اور بھتیجے نے کی کہ مسماۃ مقرہ و نویسندہ دستاویز ہندہ ہے جس نے اقرار کیا ہے خالد مطالبہ دستاویز کا دونوں مدیون سے کرتا ہے ہندہ یہ عذر کرتی ہے کہ میں نے روپیہ نہیں لیا اور دستاویز پر نہ میرے دستخط ہیں اور نہ نشانی ہے زید میرا بھائی میری دستخط کرنے کا مجاز نہ تھا اور ہندہ ایک نظیر ہائی کورٹ کی پیش کرتی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ صرف اقرار وصولیابی زر کافی نہیں ہے جب تک کہ مدیون کے دستخط یا نشانی نہ ہو۔

سوال: آیا اقرار تحریر دستاویز و اقرار وصولیابی زر مندرجہ دستاویز جو سامنے مصدق دستاویز کے ہندہ نے کیا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو رائے حکام انگلشیہ ہائیکورٹ عدالت انگریزی کو بمقابلہ حکم شرعی کے فوقیت دی جائے گی یا نہیں اور ہندہ پر پابندی اپنے اقرار کی شرعاً لازم ہے یا یہ کہ پابندی حکم ہائیکورٹ کی اور دائن و مدیون یعنی دونوں فریق تابع شریعت اسلام ہیں اور کوئی فریق منکر شرع شریف کا نہیں ہے۔

الجواب

حکم اللہ و رسول کے لئے ہے جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الحکم الا للہ[1] (حکم نہیں مگر اللہ کا۔ ت) جب ہندہ منکر ہے تو شہادت عادلہ شرعیہ دو مرد یا ایک مرد دو عورت ثقہ کی درکار ہے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۵۷

16/16

کہ ہندہ نے ہمارے سامنے روپیہ لیا ہمارے سامنے اقرار کیا فقط دستاویز اگرچہ خود ہندہ کے دستخط بقلم خود اس پر لکھے ہوتے یا اہلکار رجسٹری کی تحریر کہ میرے سامنے اقرار کیا اصلاً کافی نہیں۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ او الاقرار اما الصك فلا یصلح حجۃ۔[1]

قاضی صرف حجت کی بنا پر فیصلہ کرسکتا ہے اور حجت، گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے اور رسید کسی طرح حجت نہیں بن سکتی۔ (ت)

رہا یہ کہ ہندہ کس چیز کی پابندی کرے ہندہ اپنے معاملہ کو خوب جانتی ہے اگر واقعی اس پر روپیہ عنداللہ چاہیے تو اسے انکار کرنا سخت حرام ہے اس پر فرض ہے کہ حق کو قبول کرے اور عنداللہ نہ چاہیے تو اگرچہ اس نے کسی دباؤ سے یا ناواقفی سے یا کسی وجہ سے اقرار غلط کردیا ہو اس کی پابندی اس پر اصلاً لازم نہیں، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۱ ، ۶۲: از رام پور متصل زیارت شاہ ولی اللہ صاحب مرسلہ حافظ مولوی عنایت اللہ خاں صاحب ۱۶ ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

سوال اوّل: زید اور عمرو نوعیت طرز عمل تزکیہ شہود میں مختلف الاقوال ہیں، زید کہتا ہے کہ تین طرح سے قاضی شاہد کے چال چلن کے بابت تحقیق و دریافت کرسکتا ہے۔ رسول بھیج کر یا رقعہ مزکی کے نام بھیج کر یا خود قاضی موقع پر جاکر مصلیانِ مسجد محلہ یا دیگر اشخاص اہل محلہ سے، اور اس تیسری صورت میں قاضی پر یہ لازم نہیں ہے کہ جس شخص کو کہ وہ جانتا ہو مخصوص اسی سے دریافت حال شاہد کرے بلکہ نمازی صورت ہو شخص غیر معلوم سے بھی وہ دریافت حال کرسکتا ہے، اور اس شخص مجہول الحال کے نام و دریافت کرنے یا اس کا نام دفتر قضا میں برائے علم آئندہ درج کرنے کی قاضی کو کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ تحقیقات قاضی بر سرِ موقع قاضی کے اطمینان اور مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے لئے رائے قائم کرنے کو شرعاً کافی ہے انتہی کلامہ۔

عمرو کا یہ بیان ہے کہ شرعی اصول پر بقول صاحبین تزکیہ شہود کا دو طرح سے ہوسکتا ہے سرّاً وعلانیۃً جو کتاب الشہادۃ غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار و دیگر کتب فقہیہ میں بصراحت مذکور ہے، یہ بھی بیان عمرو کا ہے کہ مزکی ایسا شخص ہو جو لوگوں کے احوال سے خوب واقف ہو اور ان سے اختلاط رکھتا ہو اور بنفسہٖ عادل ہو اور جرح وغیر جرح میں

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الوقف فصل دعوی الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲
الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الدعوی والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

فرق کرسکتا ہو نابچی اور مفلس نہ ہو۔ قاضی علی الخصوص ایسے ہی شخص کو جو بصفات مذکورہ متصف ہو مزکی مقرر کرسکتا ہے، پس اس امر میں دو قسم کی واقفیت ضرور ہے ایک بذاتہ علم قاضی بصفات منتسبہ الی المزکی۔ دوسرے اطلاع مزکی نسبت احوال شہود مطلوبۃ التزکیہ بعد تشریح اقوال زید و عمرو مفتیان شرع شریف سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ ازروئے شرع زید کا قول صحیح اور قابلِ عمل ہے یا عمرو کا جواب صاف بحوالہ روایات مستندہ کتب فقہیہ عنایت ہو۔

سوال دوم: زید کا قول ہے کہ اگر کسی ضرورت سے قاضی برسر موقع تحقیقات کرے تو جو گواہ موقع پر جمع ہوں وہ علیحدہ بٹھلائے جائیں اور ان میں سے ایک ایک شخص کو قاضی اپنے رُوبرو طلب کرکے ضرور سوالات کرے، اور فریقین یا وکلاء فریقین کو بھی موقع سوالات وجرح کا دیا جاوے، سب اہل محلہ کو ایک جلسہ میں ان سے قاضی کے دریافت حال کرنے میں یہ نقص ہے کہ سب لوگ حال مستفسرہ کو یکزبان ہو کر کہیں گے اور اس صورت میں اصلی واقعہ کا انکشاف قابلِ اطمینان نہ ہوگا، بکر کہتا ہے کہ جیسا زید کہتا ہے ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ قاضی ایک ہی جلسہ میں کل گواہان سے دریافت حال کرکے قلم بند کرکے قاضی کا ایسا کرنا خلافِ شرع نہیں ہے۔ یہ تحقیقات قاضی کے اطمینان کے واسطے ہے، مفتیانِ شرع شریف سے یہ التماس ہے کہ ازروئے شرع مبارک زید کا قول قابلِ عمل ہے یا بکر کا؟ بحوالہ کتب وعبارت جواب عنایت ہو۔

الجواب

(۱) زید کا قول باطل ہے مزکی کا عادل ہونا ضرور ہے، مجہول الحال خود محتاج تزکیہ ہے وہ دوسرے کا تزکیہ کیا کرسکتا ہے۔ معین الحکام میں ہے:

ینبغی للقاضی ان یختار للمسألۃ عن الشھود من ھو اوثق الناس واورعھم دیانۃ واعظمھم درایۃ واکثرھم خبرۃ واعلمھم بالتمیز فطنۃ فیولیہ المسألۃ لان القاضی مامور بالتفحص عن العدالۃ فیجب علیہ المبالغۃ والاحتیاط فیہ اھ[1]

گواہوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے قاضی ایسے حضرات کو مقرر کرے جو مناسب ترین، دیانت میں متقی، سمجھداری میں بڑے، خبرداری میں کثیر، اور پرکھنے کا زیادہ علم رکھتے ہوں تو ایسے لوگوں کو یہ معاملہ سپرد کرے کیونکہ قاضی گواہوں کے عدل کو معلوم کرنے کا پابند ہے، تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس معاملہ میں مبالغہ اور احتیاط سے کام لے اھ

---

[1] معین الحکام الفصل السادس فصل فی المسألۃ عن الشھود مصطفٰی البابی مصر ص ۸۵ و ۸۶

ردالمحتار مسئلہ تعدیل الخصم للشہود بیان مذہب امام میں ہے:

تزکیۃ الکاذب الفاسق لاتصح[1]

جھوٹے اور فاسق کو گواہوں کا تزکیہ درست نہیں (ت)

نیز مذہب صاحبین میں ہے:

تصح ان کان من اھلہ (ای اھل التعدیل) بان کان عدلا[2]

تزکیہ کرنے والا اہل ہو تو صحیح ہے یعنی تزکیہ گواہوں کو عادل ثابت کرنا تب صحیح ہوگا جب وہ خود عادل ہو۔ (ت)

ظاہر ہوا کہ مزکی میں عدالت باتفاق ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم شرط ہے، تہذیب پھر بحرالرائق پھر درمختار میں ہے:

المجھول لایعرف المجھول[3]

مجہول الحال کسی مجہول کو معلوم نہیں کرسکتا۔ (ت)

خانیہ وہندیہ میں ہے:

ان کان فاسقا او مستورا لایصح تعدیلہ[4]

مزکی اگر فاسق یا مستور الحال ہو تو اسے عادل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ (ت)

اگر شاہد کے ہمسایگان مسکن وبازار واہل محلہ میں کوئی ثقہ نہ ملے نہ اس کے بارے میں کوئی تواتر صحیح شرعی ہو تو قاضی اہل محلہ کے بیان پر دو شرط سے اعتماد کرسکتا ہے ایک یہ کہ وہ سب بالاتفاق یکزبان ایک ہی بات کہتے ہوں سب اسے عادل کہیں یا سب مجروح ہی بتاتے ہوں، دوسرے یہ کہ قاضی کے قلب میں آئے کہ یہ سچ کہہ رہے ہیں تو اس وقت ان کا اتفاق مع اس تحری کے قائم مقام تواتر ہوجائے گا اور تواتر میں عدالت کی حاجت نہیں، نہ یہ کہ جس نمازی صورت محلے والے مجہول الحال سے چاہیں پوچھ لے اور یہی کافی ہو یہ محض افترائے زید ہے۔ محیط وعالمگیریہ میں ہے:

ان لم یجد فی جیرانہ واھل سوقہ من یصلح للتعدیل بل یسأل اھل محلتہ، وان وجد کلھم غیر ثقات یعتمد فی ذلک علی تواتر الاخبار، و

اگر پڑوس اور بازار والوں میں کسی کو تعدیل کا اہل نہ پائے تو پھر قاضی اہل محلہ کے متعلق سوال و استفسار کرے اگر ان میں سے کسی کو بھی اہل نہ پائے تو پھر گواہوں کے متعلق متواتر خبروں پر اعتماد کرے

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۳

[2] ردالمحتار " " " " ۴/ ۳۷۳

[3] درمختار بحوالہ البحر عن التہذیب " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[4] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ قاضیخان الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۷

كذلك اذا سأل جيرانه واهل محلته وهم غير ثقات فاتفقوا على تعديله او جرحه ووقع فى قلبه انهم صدقوا كان ذٰلك بمنزلة تواتر الاخبار[1]

اور یوں ہی جب گواہوں کے پڑوس اور اہلِ محلّہ سے پُوچھا حالانکہ یہ تمام لوگ خود غیر ثقہ ہیں، اور وہ تمام گواہوں کو عادل بتاتے ہیں یا مجروح بتاتے ہیں تو قاضی اگر ان کو سچا سمجھتا ہے تو ان کے قول پر عمل کرلے یہ بھی متواتر خبروں کی طرح ہے (ت)

عمرو نے جو صفات مزکی میں بیان کیں قاضی کو مناسب ہے کہ ایسے ہی شخص کو مزکی مقرر کرے طامع و مفلس نہ ہونا اور لوگوں سے اختلاط شرائط اولویت ہیں جبکہ ان سے ارجح وصف مثل علمِ فقہ ان کے معارض نہ ہو مثلاً محلّہ میں فقیر گوشہ گزین عالمِ دین ہے اور غنی مخالط للناس جاہل تو عالم ہی کو مزکی کرے کہ وصفِ علم سب پر راجح اور اس میں زیادہ حاجت ہے، گوشہ گزیں اپنے معتمدین سے پُوچھ کر تزکیہ کرسکتا ہے اور جاہل کو اسباب جرح و تعدیل میں امتیاز دشوار۔ محیط و ہندیہ میں ہے:

ينبغى للقاضى ان يختار للمسألة عن الشهود من كان عدلا صاحب خبرة بالناس و ان لا يكون طماعا وينبغى ان يكون فقيها يعرف اسباب الجرح والتعديل وان يكون غنيا وان وجد عالما فقيرا وغنيا ثقة غير عالم او عالما ثقة لا يخالط الناس وثقة غير عالم يخالط الناس اختار العالم[2] والله تعالٰى اعلم۔

قاضی کو مناسب ہے کہ گواہوں کی تعدیل کیلئے ایسے لوگوں کو مقرر کرے جو خود عادل اور خبردار ہوں اور وہ لالچی نہ ہوں، بہتر ہے کہ وُہ فقہ والے ہوں تاکہ جرح و تعدیل کے اسباب کو پہچانتے ہوں اگر وہ غنی ہوں تو بہتر ہے اگر عالم فقیر ہو اور غنی ثقہ ہو اور عالم نہ ہو یا عالم ثقہ ہو لیکن لوگوں سے میل جول نہیں اور غیر عالم ثقہ ہے اور لوگوں سے میل جول رکھتا ہے تو ان حالات میں عالم کو ترجیح دے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(**۲**) حق یہ کہ یہ امر رائے قاضی پر مفوض ہے اگر گواہوں پر کوئی بدگمانی ہو تو قاضی پر واجب ہے کہ انھیں جدا جدا ادائے شہادت کا حکم دے مگر دو عورتوں کہ ان کی شہادت مل کر شرعاً بجائے شہادتِ واحدہ ہے ان میں تفریق نہیں لقوله تعالٰى ان تضل احدهما فتذكر احدهما الاخرى[3] (اللہ تعالٰی کے ارشاد کے مطابق کہ عورتوں میں سے ایک غلطی کرے تو دوسری یاد دلائے۔ ت) اور اگر قاضی کو اطمینان کافی ہو کہ یہ لوگ اہلِ صدق و

---

[1] و [2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

دیانت ہیں ہر ایک اپنے علم کے مطابق شہادت دے گا نہ کہ دوسرے کی سُنی سیکھی پر تو تفریق کی حاجت نہیں مگر اس زمانے میں ایسا اطمینان شاذ و نادر ہے۔ مبسوط امام محمد پھر محیط پھر عالمگیریہ میں ہے:

اذا ارتاب القاضی فی امر الشھود فرق بینھم ولایسعه غیر ذٰلك[1]
قاضی کو گواہوں کے متعلق شک ہو تو جدا جدا کرکے شہادت لے، اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں (ت)

درمختار میں ہے:

(ورجل وامرأتان) ولایفرق بینھما لقوله تعالٰی فتذکر احدٰھما الاخرٰی[2]
ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو عورتوں کو جدا جدا نہ کرے کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ دونوں ایکدوسری کو یاد دلائیں (ت)

رہے وکلاء کے سوالات جرح جس کا حاصل چار طرف سے گھیر کر گھبرا لینا اور سچے کو خواہی نخواہی جھوٹا بنا چھوڑنا ہے یہ سخت بدعت شنیعہ مردودہ ہے اس سے احتراز فرض ہے کہ ہمیں اکرام شہود کا حکم ہے اور یہ خاص اہانت، خطیب و ابن عساکر اور مالک نے اپنے جزء میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اکرموا الشھود فان اللہ یستخرج بھم الحقوق ویدفع بھم الظلم[3] واللہ تعالٰی اعلم۔
گواہوں کا احترام کرو کیونکہ ان کے ذریعے اللہ تعالٰی بندوں کے حقوق ظاہر فرماتا ہے اور ظلم کو دفع فرماتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۳: از رامپور راج دوارہ مرسلہ عبدالرحمٰن خاں ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید و عمرو نے دعوی حصہ موروثی مکانات کا باستثنائے بعض عملہ مکانات کے دائر کیا اور گواہان نے بلا استثنائے عملہ کے مکانات بحیثیت موجودہ کو مملوکہ مورث قرار دیا پس یہ شہادت شہادت علی الزیادۃ ہے یا نہیں۔ دوم یہ کہ جب مدعی نے استثناء کیا اور لکھ دیا کہ فلاں عملہ فلاں کا ہے پس اس کا دعوی مدعی کرسکتا ہے یا نہیں۔ سوم یہ کہ شہادت شاہد کی جب بعض مدعابہا میں مردود عند القاضی قرار پائے تو باقی میں قابل قبول ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵
[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱
[3] تاریخ بغداد ترجمہ ۳۱۷۷ ابراہیم بن عبدالصمد دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۱۳۰
تہذیب تاریخ ابن عساکر ترجمہ احمد بن محمد الکلبی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۵۳

الجواب

اظہار سائل وملاحظہ فیصلہ متعلقہ مقدمہ سے واضح ہوا کہ مدعیان نے حصہ مکان مدعابہا بذریعہ وراثت سے بعض عملہ اس لئے استثنار کیا کہ وہ خود بنا کردہ مدعیان ہے اور بعض اس لئے کہ بعض مدعا علیہم نے بعد موت مورث بنوایا ہے اور اس کے ایک قطعہ سے ۱۲ گز زمین کو بھی استثنار کیا اس لئے کہ وہ خاص احد المدعیین ہے باقی بعد الاستثنار ملک مورثان قرار دے کر اس میں سے اپنے سہام کا دعوٰی کیا شہود نے جملۃً بلا استثنار مجموع مکان ملک مورثان ہونے کی شہادت دی یہ شہادت ضرور شہادت علی الزیادۃ ہے اور اصلاً قابلِ قبول نہیں، مدعیان بعض عملہ میں اپنا حق نہیں بتاتے کہ وہ معمول مدعا علیہم ہے اور شہود بلا استثنار جمیع اجزائے مکان میں ان کا حق ثابت کرتے ہیں شہادۃ علی الزیادہ ہمیشہ مردود ہوتی ہے مگر جبکہ مدعی اپنے دعوٰی اور شہود کے بیان میں توفیق وتطبیق کردے مثلاً مدعی نے مکان سے ایک کوٹھری کا استثنار کیا تھا شہود نے بلا استثنار شہادت دی مدعی نے تطبیق کی کہ وہ کوٹھری بھی پہلے میری ہی تھی شاہدوں کو اسی وقت کا حال معلوم تھا بعد کو میں نے وہ کوٹھری بیع ڈالی لہذا دعوٰی سے استثنار کردیا، یہاں بھی اگرچہ توفیق ممکن تھی کہ بعد موت مورث وہ مکان گر گیا اور بعض مدعا علیہم نے اپنے روپے سے تعمیر کیا مگر استحساناً امکان توفیق کافی نہیں بالفعل توفیق کردینا ضرور ہے اور وہ مدعیوں سے واقع نہ ہوا لہذا شہادت ناقابلِ قبول رہی بلکہ یہاں صرف زبانی دعوٰی توفیق بھی کافی نہ ہوتا اس پر گواہ دینے ضرور تھے کہ یہ توفیق ایسے امر سے نہ تھی جو صرف ان کی زبان سے ادا ہوسکتا لہذا جب شہادت شرعیہ سے توفیق کا ثبوت نہ دیتے مقبول نہ ہوتی اور وہ اصلاً نہ ہوا تو شہادت مذکورہ ضرور مردودہ ہے، درمختار میں ہے:

الشہادۃ باکثر من المدعی باطلۃ بخلاف الاقل للاتفاق فیہ[1]

دعوٰی سے زائد شہادت باطل ہے جبکہ بالاتفاق دعوٰی سے کم ہو جائز ہے۔ (ت)

فتح القدیر وبحر الرائق میں ہے:

المراد بالموافقۃ المطابقۃ اوکون المشہود بہ اقل من المدعی بہ بخلاف ما اذا کان اکثر[2]

موافق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شہادت مطابق ہو یا مدعٰی سے کم ہو بخلاف جبکہ زائد ہو (ت)

انھیں میں ہے:

من المخالفۃ المانعۃ ما اذا شہدت باکثر، ومن فروعہا دارفی

قبولیت کے لئے مانع وہ مخالفت ہے جو کہ شہادت دعوٰی سے زائد ہو، اور اس کی تفریعات میں ایک

---

[1] درمختار باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

[2] بحر الرائق بحوالہ فتح القدیر " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۳

یدرجلین اقتسماھا وغاب احدھما فادعی رجل علی الحاضر ان لہ نصف ھذہ الدار مشاعا فشھدوا ان لہ النصف الذی فی ید الحاضر فھی باطلۃ لانہا باکثر من المدعی بہ ولو ادعی دارا واستثنی طریق الدخول وحقوقہا ومرافقہا فشھدوا انہا لہ ولم یستثنوا شیئا لاتقبل وکذا لو استثنی بیتا ولم یستثنوہ الا اذا وفق فقال کنت بعت ذلک البیت منہا فتقبل[1]

یہ ہے کہ ایک مکان دو حضرات کے قبضہ میں ہے دونوں نے تقسیم کیا اور ایک غائب تھا تو اس نے موجود حاضر فریق پر دعوٰی کردیا میرا اس مکان میں غیر منقسم حصہ ہے تو گواہوں نے شہادت دیتے ہوئے کہ اس کا نصف وہ ہے جو حاضر موجود کے قبضہ میں ہے تو یہ شہادت باطل ہے کیونکہ یہ مدعٰی سے زائد ہے (یوں ہی) دعوٰی مکان ہو اور اس دعوٰی میں داخلہ کے راستہ اور دیگر حقوق وسہولیات کا استثناء کیا تو گواہوں نے مکان کی شہادت اس کے حق میں دیتے ہوئے راستہ حقوق اور سہولیات کا استثناء نہ کیا، شہادت مقبول نہ ہوگی اور یونہی مدعی نے حویلی میں سے ایک کمرہ کا استثناء کیا اور گواہوں نے نہ کیا مگر مدعی ان کی موافقت میں کہہ دے کہ وہ کمرہ میں نے فروخت کردیا تھا تو قبول ہوگی۔ (ت)

نیز بحر میں ہے:

والحاصل انہم اذا شھدوا باقل مما ادعی تقبل بلا توفیق وان کان باکثر لم تقبل الا اذا وفق، فلو ادعی الفا فشھدا بالف وخمسمائۃ فقال المدعی کان لی علیہ الف وخمسمائۃ الا انی ابرأتہ من خمس مائۃ او قال استوفیت منہ خمس مائۃ ولم یعلم بہ الشھود تقبل وکذا فی الالف والالفین ولایحتاج الی اثبات التوفیق

حاصل یہ کہ جب گواہوں نے دعوٰی سے کم چیز کی شہادت دی تو قبول ہوگی اور موافقت بنانے کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر زیادہ کی شہادت ہو تو پھر موافقت بنائے بغیر قبول نہ ہوگی مثلاً مدعی نے ہزار کا دعوٰی کیا گواہوں نے ڈیڑھ ہزار کی شہادت دی مدعی کہہ دے میرا قرضہ اس پر ڈیڑھ ہزار تھا لیکن میں نے اس کو پانچسو معاف کردئے یا میں نے پانچ صد پہلے وصول کرلئے ہیں یہ گواہوں کو معلوم نہیں ہوا، تو اب شہادت مقبول ہوگی، ہزار اور دو ہزار میں بھی ایسے ہوگا، موافق بنانے میں گواہی کی

---

[1] بحرالرائق بحوالہ فتح القدیر باب الاختلاف فی الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۳

بالبینۃ لان الشیئ انما یحتاج الی اثباتہ بالبینۃ اذاکان سببا لایتم بدونہ ولاینفرد باثباتہ کما اذا ادعی الملك بالشراء فشھد الشھود بالھبۃ فان ثمہ یحتاج الی اثباتہ بالبینۃ، اما الابراء فیتم بہ وحدہ ولواقر بالاستیفاء یصح اقرارہ ولایحتاج الی اثباتہ لکن لابدمن دعوی التوفیق ھنا استحسانا والقیاس ان التوفیق اذاکان ممکنا یحمل علیہ وان لم یدع التوفیق تصحیحا للشھادۃ وصیانۃ لکلامہ وجہ الاستحسان ان المخالفۃ بین الدعوی والشھادۃ ثابتۃ صورۃ فاذاکان التوفیق مرادا تزول المخالفۃ وان لم یکن مرادا لاتزول بالشك فاذا ادعی التوفیق ثبت التوفیق وزالت المخالفۃ وذکرالشیخ الامام المعروف بخواھرزادہ ان محمدا شرط فی بعض المواضع دعوی التوفیق ولم یشترط فی البعض وذاك محمول علی ما اذا ادعی التوفیق اوذاك جواب القیاس فلابد من دعوی التوفیق[1]

ضرورت نہیں کیونکہ کسی چیز کو گواہی سے ثابت کرنے کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ وہ ایسا سبب ہو جس کے بغیر چیز تام نہ ہو اور وہ اکیلے ثابت نہ ہو سکے جیسا کہ مدعی نے خریداری کے ذریعے ملک کا دعوٰی کیا اور گواہوں نے ہبہ کے ذریعے ملک ثابت کی تو ایسی صورت میں اس کے اثبات کے لئے گواہی کی ضرورت ہے لیکن بری کرنا ایسی چیز ہے جو اکیلے بغیر سبب تام ہو جاتی ہے اور اگر وصولی کا اقرار کرتا ہے تو اقرار صحیح ہے اس کے اثبات کی ضرورت نہیں ہے تاہم اس کے ساتھ موافقت کا دعوٰی بطور استحسان ضروری ہے جبکہ قیاس میں یہی ہے کہ اگر توفیق ممکن ہو تو اس پر محمول کریں گے اگرچہ توفیق کا دعوٰی نہ بھی ہو تاکہ شہادت صحیح ہو سکے اور کلام غلط نہ ہو سکے استحسان کی وجہ یہ ہے کہ دعوٰی اور شہادت میں صورتًا مخالفت ثابت ہے تو اگر توفیق مراد بنے تو مخالفت زائل ہوگی، اور اگر وہ مراد نہ ہو تو مخالفت زائل نہ ہوگی، مراد ہونے نہ ہونے میں شک کی وجہ سے مخالفت ختم نہ ہوگی تو جب موافقت کا دعوٰی ہوگا تو مخالفت ختم ہو جائے گی اور توفیق ثابت ہو جائے گی اور شیخ امام المعروف خواہرزادہ نے ذکر فرمایا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے بعض جگہ پر موافقت کے دعوٰی کو بیان فرمایا ہے اور بعض جگہ اس کو بیان نہیں کیا اور اس کو دعوٰی موافقت پر محمول کیا جائے گا یا اس کو قیاس کا جواب قرار دیا جائیگا لہٰذا دعوٰی موافقت ضروری ہے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق باب الاختلاف الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۴

مدعی جب ایک چیز کا دوسرے کے لئے اقرار کرچکا اب اپنے لئے دعوٰی نہیں کرسکتا لاجل التناقض (تناقض کی وجہ سے ۔ ت) شہادت جب بعض میں مردود ہو کل میں مردود ہے مگر آٹھ مسائل مذکورۂ شروح اشباہ میں اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) ان کا محصل یہ کہ شہادت کو اگر دو چیزوں سے تعلق ہے ایک میں وہ نصاب کامل ہے دوسرے میں نہیں یا ایک میں تہمت سے دوری ہے دوسرے میں نہیں یا ایک پر شاہدوں کو ولایت شہادت ہے دوسرے پر نہیں تو جہاں نصاب کامل ولایت حاصل تہمت زائل ہے اتنے میں مقبول ہوگی دوسرے میں مردود۔ درمختار میں ہے:

الشھادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل الا فی عبد بین مسلم ونصرانی فشھد نصرانیان علیھما بالعتق قبلت فی حق النصرانی فقط اشباہ[1] قلت وزاد محشیہا خمسۃ اخری معزیۃ للبزازیۃ اھ وراجع للسبع البواقی ردالمحتار وما علقنا علیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

جب بعض چیز میں شہادت باطل ہو تو کل چیز میں باطل ہوجائے گی مگر ایک صورت میں کہ غلام مسلمان اور نصرانی کا مشترکہ ہو تو دو نصرانیوں نے گواہی دی کہ انہوں نے غلام آزاد کردیا ہے تو ان کی شہادت فقط نصرانی کے متعلق قبول ہوگی، اور اس کے محشی نے پانچ صورتوں کا اس پر اضافہ کیا ہے جن کو انھوں نے بزازیہ کی طرف منسوب کیا ہے اھ، اور باقی صورتوں کے لئے ردالمحتار اور اس پر ہمارے حاشیہ کی طرف رجوع کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۴: از رامپور مرسلہ نظام علی خاں ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

فردوس بیگم مدعیہ کا دعوٰی ہے کہ مکان محدودہ مندرجہ عرضی دعوی سعیدی بیگم نے بدست مدعیہ عوضی ۱۲۵۰ روپے کے بتاریخ یکم فروری ۱۹۰۰ء بیع قطعی کیا مدعیہ نے بر قبول بیع ۵۰۰ بیعانہ کے مدعاعلیہا مذکور کو دئے اور باقی روپے کا دینا یکم مارچ ۱۹۰۰ء کو وقت تصدیق وتکمیل بیعنامہ ٹھہرا بعدہ ۷۵۰ مدعی علیہا نے بعد کو مدعیہ سے لے کر مطالبہ سرکاری میں ۲۰ فروری ۱۹۰۰ء کو داخل عدالت کئے، مدعی علیہا نے حسب وعدہ تکمیل بیعنامہ نہیں کرایا اور بایزادی قیمت مکان مذکور بدست عباسی بیگم وغلام محمد خاں فروخت کرڈالا بدیں بنا ید ۱۲۵۰ بقیہ زرثمن تکمیل وتصدیق بیعنامہ مدعاعلیہا سے کرادی جائے اور دخل مدعیہ کا مکان متنازعہ پر کرادیا جائے سعیدی بیگم مدعا علیہا کو بیع کرنے مکان اور لینے ۵۰۰ بیعنامہ اور ۷۵۰

---

[1] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۸/۲

مندرجہ دعوی سے قطعی انکار ہے منجانب مدعیہ جو گواہ ثبوت دعویٰ میں گزرے ہیں ان میں سے نظام علی خاں گواہ نے بیان کیا کہ عرصہ تخمیناً ڈیڑھ سال کا ہوا بوقت چار گھڑی دن رہے سعیدی بیگم زوجہ عبدالرشید خاں مدعا علیہا نے مکان متنازعہ کہ متصل مکان مظہر کے ہے بدست فردوس بیگم مدعیہ اعماصہ ر کو بیع کیا مدعا علیہا نے کہا میں نے اعماصہ ر کو فردوس بیگم کے ہاتھ مکان بیچا اور مدعیہ نے کہا کہ میں نے قبول کیا اسی وقت صہ ر بیعانہ کے بذریعہ بھورے میاں مدعیہ نے مدعا علیہا کو دئے اور باقی روپے کے نسبت وقت رجسٹری دستاویز بمدت یک ماہ دینا قرار پایا تھا یہ واقعہ پہلی تاریخ انگریزی مہینے کے ہوا تھا اس کے کوئی ۲۵ دن کے بعد مدعا علیہا مذکور نے اپنے ماموں مسمی ابراہیم خاں کو بمکان مظہر بھیجا مدعیہ اس وقت میرے مکان پر مہمان تھی ابراہیم خاں نے مدعیہ سے میری معرفت کہلا بھیجا کہ سعیدی بیگم نے تم کو بلایا ہے چلو اور منعہ ۲ ر بھی لے چلو کہ وہ عدالت میں بابت کورس داخل کرینگی چار پانچ دن میں بیعنامہ تصدیق ہو گا تو یہ منعہ ۲ ر صہ ر بیعانہ زرثمن میں محسوب ہونگے چنانچہ فردوس بیگم گئی اور منعہ ۲ ر لے گئی تھی مجھ کو اپنے بھانجے احمد نبی عرف پیارے کے ہمراہ لے گئی تھیں چنانچہ بمواجہہ پیارے مدعیہ نے وہ منعہ ۲ ر حسب الطلب سعیدی بیگم کو دے دیئے اور مدعا علیہا نے داخل عدالت کر دیئے نشان دہی مکان متنازعہ کی کر دوں گا، مولوی ارشد علی گواہ عرف بھورے میاں کا بیان ہے کہ مجھے تخمیناً یاد ہے کہ عرصہ تخمیناً ڈیڑھ سال کا ہوا ہے کہ صبح کے وقت نظام علی خاں میرے پاس آئے تھے کہ فردوسی بیگم کی طرف سے یا ہاجرہ فردوسی بیگم دونوں کی طرف سے اس قدر بھول گیا ہوں بیعنامہ مکان کا دینا چاہتا ہوں مظہر کو اول سے علم تھا کہ مکان کی یعنی مکان متنازعہ کی بیع ہوتی ہے چنانچہ بمکان سعیدی بیگم مظہر نظام علی خاں علی احمد خاں گئے عورتیں اندر مکان کوٹھے میں ہو گئیں ہم جا کر چارپائیوں پر بیٹھ گئے مظہر نے آواز دے کر کہا کہ نظام علی خاں فردوسی بیگم کی طرف سے بیعانہ دیا چاہتے ہیں چونکہ سعیدی بیگم اندر کوٹھے کے تھیں اور سعیدی بیگم کی بہن اور ماں بھی تھیں اس وجہ سے میں نے اپنے ذہن میں سعیدی بیگم سے مخاطب ہو کر کہا کہ مکان بیچتی ہو اندر سے آواز آئی بیچتی ہوں، یہ نہیں یاد کہ کس نے جواب دیا، میں نے اندر ہاتھ بڑھا کر صہ ر دے دیئے، نہیں معلوم کس نے اپنے ہاتھ میں بیعانہ لیا اور عورات اندر تھیں مگر مجھے معلوم نہیں کون تھیں، علی احمد خاں جس کی موجودگی وقت ایجاب و قبول نظام علی خاں گواہ نے بیان کی ہے وہ اپنے بیان میں نسبت ایجاب و قبول یا بیع مکان متنازعہ کچھ بیان نہیں کرتا، احمد نبی خاں گواہ مدعیہ لکھتا ہے کہ عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوا کہ سعیدی بیگم زوجہ عبدالرشید خاں نے مکان متنازعہ بدست فردوس بیگم مدعیہ بقیمت اعماصہ ر بیچا تھا اور مدعا علیہا مذکور نے کہا تھا کہ میں نے اپنا مکان اعماصہ ر کو فردوس بیگم کے ہاتھ بیچا اور مدعیہ نے کہا کہ میں نے قبول کیا اور پانچ روپے بیعانہ کے

بھورے میاں کے ہاتھ سے سعیدی بیگم کو مدعیہ نے دیئے تھے اور جس وقت علی احمد خاں و بھورے میاں آئے تھے تو سعیدی بیگم دالان میں بیٹھی رہی تھیں اور مدعیہ کوٹھری میں ہو گئی تھیں بھورے میاں کے سامنے گفتگو بیع و شرا کی ہو کر صد روپیہ بیعانہ کے دیئے گئے اور دومرتبہ گفتگو بیع و شرا ہوئی تھی مدعیہ نے کہا تھا کہ بھورے میاں کے ہاتھ میں بیعانہ دلوا دوں گی اور گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ سوال علمائے دین و مفتیانِ شرع متین سے یہ ہے کہ بیانات گواہان مندرجۂ بالا سے بموجودگی اپنے وقت بیع و شرا کے درمیان متعاقدین ظاہر کرتے ہیں آیا بیع و شرا مکان متنازعہ کی باہم متعاقدین شرعاً واقع ہو گئی کہ قابلِ نفاذ ہے یا نہیں ہوئی، موافق مسائل شرعی کے حسبۃً للہ جواب عنایت فرمائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں نظام علی خاں و احمد نبی خاں عرف پیارے خاں گواہان مدعیہ کا بیان ذکر ایجاب و قبول متعاقدین پر بھی شامل ہے اور سعیدی بیگم کے اقرار بالبیع پر بھی ان دونوں سے جو بات ہوئی شہادت میں لئے جانے کے لئے کافی ہے بیعانہ وغیرہ امر فضول ہے جسے بیع سے کچھ تعلق نہیں، بھورے میاں گواہ مدعا علیہا کا بیان محض مختل مہمل ہے، دونوں گواہان مدعیہ اگر جامع شرائط شہادت ہیں ان کا بیان حاکم مجوز کے سامنے حسبِ شرائط ہو گیا ہے تو بیع بنام فردوس بیگم ضرور ثابت ہے، باقی رودادِ مقدمہ مذکورہ سوال بھی مدعیہ کی مؤید ہے، میری رائے میں بصورت مذکورہ فیصلہ بحقِ مدعیہ ہونا لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۵ از رام پور بازار نصر اللہ خاں مرسلہ فدا علی خاں صاحب ۱۲ ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مکان کے کوچہ غیر نافذہ میں دروازہ جدید دوسرا عمرو کے حق مرور کی طرف منجانب اسفل جس طرف زید کے واسطے شرعاً حق مرور نہ تھا برآمد کیا ہے اور عمرو اس فتح باب کا مانع ہے پس وہ احداث شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور عمرو کو منع کرنا پہنچتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں قول معتمد و ظاہر الروایۃ مفتی بہا واجب العمل یہی ہے کہ زید کو اس دروازہ جدید کا احداث جائز نہیں عمرو کو حق منع حاصل ہے،

فی رد المحتار لو اراد فتح باب اسفل من بابه والسکة غیر نافذة

ردالمحتار میں ہے اگر کوئی شخص بند گلی میں اپنے دروازہ سے نچلی جانب دروازہ یا کھڑکی کھولنا چاہے

يمنع منه وقيل لا، وفي كل من القولين اختلاف التصحيح والفتوى قال في الخيرية والمتون على المنع فليكن المعول عليه[1] اھ ورأيتني كتبت على هامشه ما نصه فقد نقل في جامع الفصولين ان له ذلك مطلقا وعليه الفتوى ونقل في الخيرية عن التتارخانية عن العتابية انه ليس له ذلك وعليه الفتوى وهو الذي صححه في الخانية قال في الخيرية ومثله في كثير من كتب المذهب قال وهو ظاهر الرواية كما صرح به في جامع الفصولين فليكن المعول عليه اھ قلت كيف لا وقد نصوا ان الفتوى متى اختلف رجح ظاهر الرواية كما في البحر الرائق وغيرها وصرحوا ان قاضيخان فقيه النفس لا يعدل عن تصحيحه كما في غمز العيون وغيره واطبقوا ان التقديم للمتون لانها الموضوعة لنقل المذهب كما في الدر وغيره فقد ترجح بوجوه، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

تو اس کو منع کیا جائے اور بعض نے کہا منع نہ کیا جائے اور دونوں اقوال میں فتوی اور تصحیح کا اختلاف ہے، خیریہ میں کہا کہ متون منع پر وارد ہیں اور اسی پر ہی اعتماد چاہئے اھ مجھے اس پر اپنا حاشیہ یاد ہے کہ جس کی عبارت یہ ہے کہ جامع الفصولین میں منقول ہے کہ اس کو مطلقاً یہ اختیار ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، اور خیریہ میں تاتارخانیہ سے اور وہاں عتابیہ سے منقول ہے کہ اس کو یہ اختیار نہیں ہے اور اس پر فتوٰی ہے اور اسی خانیہ میں ترجیح ہے خیریہ میں فرمایا کہ اکثر کتب میں اسی طرح ہے اور کہا یہ ظاہر الروایۃ ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے تو اس پر اعتماد چاہئے، میں کہتا ہوں کیونکر نہ ہو کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب فتوٰی میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایہ کو ترجیح ہوتی ہے جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے، اور یہ بھی انھوں نے تصریح فرمائی ہے کہ چونکہ قاضی خان فقیہ النفس ہیں لہذا اس کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائیگا جیسا کہ غمز العیون وغیرہ میں ہے' اور سب کا اتفاق ہے کہ متون کو اولیت ہے کیونکہ وہ مذہب کو بیان کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں جیسا کہ دُر وغیرہ میں ہے تو یہ کئی وجوہ سے ترجیح یافتہ ہے' واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۰

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

انصح الحکومۃ فی فصل الخصومۃ

۱۳۲۱ھ

(جھگڑا ختم کرنے کے لئے خالص ترین فیصلہ)

مسئلہ ۶۶

فیصلہ نالش تجویز حکیم عبدالعزیز بیگ پنچ مقبول متخاصمین از رُوئے اقرار نامہ مورخہ ۵ ذی القعدہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۴ فروری ۱۹۰۳ء

سید محمد افضل صاحب ولد سید محمد امیر علی صاحب مختار مرحوم ساکن بریلی متصل جامع مسجد بریلی مدعی سید محمد احسن صاحب ولد سید محمد امیر علی صاحب مختار مرحوم و سید افضال حسین صاحب ولد سید محمد افضل صاحب مذکور ساکنان محلہ مذکورہ مدعا علیہما دعوی توفیر موضع جگت پور پرگنہ و تحصیل و ضلع بریلی محال زردو معافی واقع جگت پور مذکور محال سبز و سفید و مفروقہ واقعہ جگت پور محال سفید و کھنڈسار موضع جگت پور مذکور مع منافع کھنڈسار مذکور از اپریل ۱۸۹۸ء لغایت دسمبر ۱۹۰۲ء و بقایائے توفیر مذکور و کھنڈسار مذکور ذمہ اسامیان بابت مدت مذکور لغایت مارچ ۱۹۰۳ء بصیغہ قرض دادنی دامودر داس وغیرہ و تقسیم پنج قطعہ مکانات محدودہ ذیل واقعہ محلہ مذکور و سرمایہ مکان محدودہ ذیل ۱ بابت مدت مذکور و اثاث البیت متروکہ پدری،

نمبر ۱	نمبر ۲	نمبر ۳	نمبر ۴	نمبر ۵
مکان مسکونہ شرقی غربی مکان ۲ مکان ۲ عبدالکریم خاں بدست فریقین جنوبی کوچہ نافذہ شمالی اراضی منسوبہ بنام سید احمد حسین ابن سید نثار الدین حسین	مکان جبیعہ محمد یٰسین وغیرہ بدست والدہ فریقین و اشخاص دیگر و جبیع باقی شرکاء بدست فریقین شرقی غربی مکان ۳ مکان ۱ جنوبی مکان سید کرام علی ولد سید کرامت علی شمالی اراضی مذکور سید رضا حسین پربھودیال	مکان تین ربع مرہون سید غازی الدین بنام فریقین و یک ربع جبیع سید احمد حسین بنام سید امیر حسن و سید افضال پسران مدعی احمدی بیگم زوجہ مدعا علیہ شرقی غربی مکان پربھودیال مکان ۲ جنوبی شمالی مکان اراضی سید کرام علی پربھودیال و سید کرامت علی و سید نظام علی	مکان مرہون عبدالکریم خاں نزد محمد احسن مدعا علیہ و پسران مدعی شرقی غربی مکان ۱ شاہراہ جنوبی شمالی کوچہ نافذہ مکان ۵ و مکان منسوبہ بنام مدار طوائف	مکان جبیعہ احمد حسین صاحب بنام سید محمد احسن و پسران مدعی شرقی غربی مکان احمد حسین شاہراہ معروف بنام مدار طوائف جنوبی شمالی مکان ۴ مرور ایں مکان و مکان مدار طوائف مذکور

ہرسہ فریق مذکورین نے بروئے اقرار نامہ مورخہ ۵ ذی القعدہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۴ فروری ۱۹۰۳ء کو واسطے تصفیہ نزاعات مسطورہ بالا کے برضائے خود پانچ مجاز و ماذون مقرر کیا مقدمہ بحاضری ہرسہ فریق مذکورین ہمارے سامنے پیش ہوا سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور نے سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ مسطور پر دعوی کیا کہ موضع جگت پور و معافی و مفروقہ مذکوران اور کھنڈسار موضع جگت پور مع جملہ اسباب بیل وغیرہ مثل کڑھا آہنی وغیرہ میرے اور ان سید محمد احسن مدعا علیہ کے شرکت بالمناصفہ میں ہے اوائل ۱۸۹۸ء تک میں اور مدعا علیہ مذکور بشرکت اکجائی کام کرتے رہے اپریل ۱۸۹۸ء سے میں پیلی بھیت چلا گیا جب سے مجھے توفیرات مذکورہ ومنافع کھنڈسار مذکور نہ ملی پرتے حساب مجھے ان سید محمد احسن مدعا علیہ سے دلائی جائے اور جو بقایا ذمہ اسامیان وغیرہ ہے بابت توفیر جگت پور و معافی و مفروضہ وکھنڈسار جگت پور مذکورات ہو اس کے نصف میں مرے استقرار حق کا حکم کیا جائے اثاث البیت متروکہ والد جس کی فہرست پیش کرتا ہوں ان سید محمد احسن کے قبضہ میں ہے نصف اس سے مجھ کو دلایا جائے

مکانات محدودہ بالا میں بذریعہ وراثت پدری ومادری وبیع ورہن میرا اور ان سید محمد احسن کا بالمناصفہ چاہیے
دستاویزوں میں سید افضال حسین وسید امیر حسن مرحوم پسران مدعی واختری بیگم زوجہ محمد احسن مذکور کا نام فرضی ہے
سوا مکان ۱ کے کہ اس میں اراضی کا کچھ حصہ خریدکردہ والد ہے اور زیادہ حصہ میری نانی صاحبہ ولایتی بیگم کے والد
میر سید محمد صاحب کا خریدکردہ ہے ان کے تین وارث ہوئے: سید نثار الدین حسین پسر اور ولایتی بیگم و لالہ بیگم
دختران، اس میں سے نانی صاحبہ ولایتی بیگم نے اپنے حصہ کا ہبہ نامہ میری والدہ سردار بیگم کے نام لکھ دیا اور
سید نثار الدین حسن صاحب نے اپنے حصہ کا ہبہ نامہ میرے اور سید محمد احسن کے نام لکھا لالہ بیگم دختران کا جس قدر
حصہ اراضی میں تھا اس کا ہبہ نامہ سید محمد احسن کے نام لکھا گیا اور تعمیر اس کی کل والد صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ
سے کی ہے مکانات مذکورہ تقسیم یکجائی کردی جائیں کہ نزاع نہ رہے کمی بیشی بجائے قسمت روپیہ سے پوری کردی جائے
مکان ۵ کرایہ پر رہا جس قدر زرکرایہ حاصل ہوا اس کا حساب ان سید محمد احسن سے لے کر میرا نصف ان سید محمد احسن
سے مجھے دلایا جائے، سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ مذکور نے بیان کیا کہ کھنڈسار جگت پور تنہا میں نے کی ان
سید محمد افضل کی اس میں کوئی شرکت نہیں مکان ۱ کا ہبہ نامہ میرے نام ہے اس کا تنہا مالک میں ہوں، مکان ۲
میں ان سید محمد افضل صاحب کی شرکت تسلیم ہے نیز یہ مکان ۳ میں بقدر اپنے حصہ کے شریک ہیں مکان ۴
وہ میری خرید کئے اور بنائے ہوئے ہیں مگر نام افضال حسین وامیر حسن کا بھی درج ہے تقسیم مکانات یکجائی بروئے معاوضہ
کمی بیشی جس طرح مجوز کی رائے میں مناسب ہو مجھے منظور ہے اثاث البیت متروکہ پدری جو میرے پاس ہے اس کا
نصف ان سید محمد افضل صاحب کو دے دیا جائے اور جو کچھ ان سید محمد افضل صاحب کے پاس ہے اس کا
نصف مجھے دلایا جائے، سید افضال حسین مدعا علیہ مذکور نے بیان کیا کہ مکان ۴ کے سوا کل مکانات متنازعہ
میرے دادا سید اکبر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے خریدے ہیں اور رہن لئے ہیں اور جس جس کو جتنا دینا
منظور تھا اس کا نام بیعنامہ ورہن نامہ میں درج کرادیا، مکان ۳ میرے حصہ کے قدر میرا مرہونہ ہے کہ بعد
انتقال سید امیر علی صاحب رہن لیا، مکان ۴ کی نسبت دونوں مدعا علیہما نے بیان کیا کہ یہ مکان سید امیر علی صاحب
نے ہماری خالہ زاد بہن، پھوپھی قادری بیگم بنت سید نجم الدین احمد زوجہ سید وارث علی کو ہبہ کردیا تھا اس میں
جگت پور کی کھنڈسار ہوتی تھی اور اب بھی مکان خالی کرکے قبضہ نہ دلایا مگر چالیس روپیہ مجھ سید محمد احسن نے قادری بیگم
مذکورہ کو دئے سید محمد احسن صاحب مذکور نے توفیر ومنافع کھنڈسار وکرایہ مکان وبقایان مذکوران کا حساب
مطلوب من ابتدائے یکم نومبر ۱۸۹۸ء لغایت ۳۰ نومبر ۱۹۰۲ء جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اور قرضہ دامودر داس ہم
فریقین پر تمام وکمال بالمناصفہ تھا اور ہے اگرچہ پانچسو روپیہ کا رقعہ بنام دامودر داس تنہا میرے نام سے تحریر ہوا
سید محمد احسن اب اس سے انکار کرکے مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، انصافاً بعد تحقیقات اس کا نصف بھی

17

7
17

ان سید محمد احسن صاحب پر ڈالا جائے۔

آمدنی ہمہ سالہ — خرچ ہمہ سالہ

از کھنڈسار جگت پور | از توفیر جگت پور | کرایہ مکان | نقصان کھنڈسار ابھی پور نوبیا | نقصان کھنڈسار پالسو کمالپور

بقایا ذمہ اسامیان موضع جگت پور بابت کھنڈسار ودیہہ مع مکان وغیرہ | خرید اراضی محمد ولی جان | مرمت جملہ مکانات سوائے مکان

قرضہ سابق بموجودگی سید محمد افضل صاحب | عیدین | خیرات ونیاز | خوراک خانہ

نیز سید محمد احسن صاحب نے بیان کیا کہ مبلغ معرفت شیخ تصدق حسین صاحب اور معرفت سید فرحت علی صاحب اور تخمیناً دس پندرہ متفرق اس پانچ سال میں میرے پاس سے ان سید محمد افضل صاحب کو پہنچے ہیں جو اسی گوشوارہ خرچ میں کہ پیش کیا گیا ہے مندرج ہیں فقط ہر حساب سید محمد افضل صاحب کو دکھایا گیا انھوں نے معرفت شیخ تصدق حسین صاحب اور معرفت سید فرحت علی صاحب پانا قبول کیا اور باقی متفرق کو فرمایا مجھ کو یاد نہیں اور گوشوارہ مذکورہ کے رقوم کی نسبت سید محمد احسن صاحب سے حلف چاہا اور وجوہ خرچ میں عذر کیا کہ انصافاً جو اس میں میرے ذمہ ہونا چاہئے میرے یافتی سے مجرا ہو جائے باقی سے میں بری کیا جاؤں ان سید محمد احسن صاحب حسب الطلب جملہ رقوم آمد و خرچ گوشوارہ پر حلف کر لیا سید محمد احسن صاحب و سید افضال حسین صاحب مدعا علیہما مذکورین نے دفع دعوی سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور میں نسبت مکانات سات دستاویزیں مفصلہ ذیل سنداً پیش کیں:

متعلق مکان ۱

ہبہ نامہ از لالہ بیگم زوجہ سید برکات علی و سید محمد شاہ ولد میر بادشاہ بنام سید محمد احسن مذکور

مورخہ ۲۸ جون ۱۸۸۰ء

متعلق مکان ۲

بیعنامہ اراضی و دروازہ از محمد حسین ولد خیراتی بنام سردار بیگم والدہ فریقین و سید اکرام علی وغیرہ

مورخہ ۱۰ جون ۱۸۶۷ء

بیعنامہ اراضی از سید اکرام علی وغیرہ بنام فریقین

مورخہ ۳۰ جون ۱۸۷۷ء

متعلق مکان ۳

رہن نامہ رجسٹری شدہ میعادی ۲۵ سال بطور بیع الوفا از سید غازی الدین حسین ولد سید نثار الدین حسین بنام فریقین بابت سہ ربع مکان مذکور

مورخہ ۲۲ جون ۱۸۸۱ء

بیعنامہ[۵] از سید احمد حسن ولد سید نثار الدین حسین
بنام سید امیر حسن و سید افضال حسین
پسران سید محمد افضل مدعی و احمدی بیگم زوجہ
سید محمد احسن مدعا علیہ بابت کل ربع باقی مکان مذکور
مورخہ ۱۰ ؍ جون ۱۸۸۴ء
متعلق مکان ع۴
رہن نامہ[۶] بعوض ماھـ از عبد الکریم خاں کنبوہ
نصف مکان بدست سید محمد احسن مذکور
و نصف بدست سید امیر حسن و سید افضال حسین مذکوران
مورخہ ۴ ؍ جون ۱۸۹۴ء
متعلق مکان ع۵
بیعنامہ[۷] اراضی مع خشب و بنا[عہ]
نصف بنام سید محمد احسن مذکور
نصف بنام سید امیر حسن و سید افضال حسین مذکوران
مورخہ ۱۰ ؍ نومبر ۱۸۸۴ء

یہ سب دستاویزیں سید محمد افضل مدعی کو دکھائی گئیں سید محمد افضل مدعی نے ان کی تصدیق فرمائی مگر دستاویز ع۵ و ع۶ و ع۷ متعلقہ مکان ع۳ و ع۴ و ع۵ میں سید امیر حسین و سید افضال حسین و احمدی بیگم کے نام فرضی بتائے اور کہا کہ ایک ربع مکان ع۳ و اراضی مکان ع۵ سید امیر علی صاحب والد فریقین نے خریدکیں اور مکان ع۵ کی تعمیر بھی انھیں کی دستاویزوں میں اور رہناموں کے اندراج سے ان کا مقصود ایک نہیں دونوں بھائیوں کو دینا تھا جسے مختلف صورتوں میں ظاہر کیا کبھی ہم دونوں بھائیوں کے نام درج فرمائے جیسے دستاویز ع۳ و ع۴ میں کبھی میری جگہ میرے بیٹوں کے جیسے دستاویز ع۷ میں ولہذا نصف میں سید محمد احسن کا نام ہوا اور نصف میں میرے دونوں بیٹوں کا کہ حقیقتاً ہم دونوں بھائیوں کو بالمناصفہ کرنا مقصود تھا کبھی میری جگہ میرے بیٹوں اور سید محمد احسن کی جگہ ان کی زوجہ احمدی بیگم کا جیسا دستاویز ع۵ میں دستاویز ع۶ بعد انتقال والد صاحب مرحوم تحریر ہوئی اور اسی طریقہ جاریہ پر میری جگہ میرے بیٹوں کے نام لکھے گئے زر رہن خالص میرا اور سید محمد احسن کا تھا امیر حسن اور افضال حسین کا اس میں کچھ نہ تھا اس کی تعمیر میرے اور محمد احسن کے مشترک روپیہ سے ہوئی۔ مکان ع۱ کی دستاویز ہبہ نامہ کل مکان مذکور سے متعلق نہیں لہذا واہبان نے خود حقوق کا لفظ لکھا ہے اس کے متعلق دو ہبہ نامہ اور ہیں ایک از جانب ولایتی بیگم بنام سردار بیگم والدہ فریقین دوسرا از جانب سید نثار الدین حسین بنام فریقین یہ دونوں کاغذ سید محمد احسن کے پاس ہیں اس مکان کی عمارت بھی والد صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے بنوائی ہے۔

عہ اصل میں صاف پڑھا نہ گیا اندازہ سے بنا دیا۔

تنقیحات ذیل قائم

(۱) آیا مکان ۱ میں بذریعہ ترکہ مادری یا تعمیر پدری یا ہبہ نامہ سید نثار الدین حسین بنام فریقین سید محمد افضل صاحب مدعی کا کون حق ہے؟

(۲) آیا مکان ۳ سید امیر علی صاحب مرحوم نے قادری بیگم مذکورہ کو ہبہ کیا اور اگر کیا تو اس کا کیا اثر ہے؟

(۳) آیا مکان ۳ و ۴ و ۵ میں سید افضال حسین ایک فریق مقدمہ کا کوئی حق ہے؟

(۴) ان تینوں مکانوں میں سید محمد افضل صاحب کو حق مرتہنی حاصل ہے، اگر ہے تو کس قدر؟

(۵) آیا کھنڈسار جگت پور خالص سید محمد احسن صاحب کی ہے سید محمد افضل صاحب کی اس میں شرکت نہیں؟

(۶) مدات خرچ پیش کردہ مدعا علیہما کیا کیا رقم ذمہ سید محمد افضل صاحب ہونا چاہئے؟

(۷) اثاث البیت متروکہ سید امیر علی صاحب مرحوم فریقین کے قبضہ میں کیا کیا ہے اور اس کی تقسیم کیونکر چاہئے؟

(۸) مکانات کی تقسیم یکجائی کس طرح ہونا مناسب ہے؟

(۹) آیا ضمار قرضہ واعودرداس بابت رقعہ محررہ سید محمد افضل تنہا ذمہ سید محمد افضل صاحب ہے اور باقی قرضہ فریقین پر کس قدر ہے؟

(۱۰) بقایا مندرجہ گوشوارہ مذکورہ میں سید محمد افضل صاحب کا حصہ کس قدر ہے؟

تجویز (۱) مکان ۱ کی نسبت سید محمد افضل صاحب مدعی کا دعوٰی قطع نظر اس سے کہ محض غیر معین تھا مدعی مذکور نے کوئی شہادت خواہ کوئی دستاویز اپنے مفید پیش نہ کی سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کو کوئی ہبہ نامہ اس مکان کے کسی جز کا ازجانب ولایتی بیگم بنام سردار بیگم والدۂ فریقین یا ازجانب سید نثار الدین حسین بنام فریقین لکھا جانا تسلیم ہے مدعی مذکور نے صرف اپنے ماموں سید محمد شاہ صاحب خلف سید میر بادشاہ صاحب کے بیان پر (کہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے ماموں اور خسر بھی ہیں) حصر رکھا۔ سید محمد شاہ صاحب مذکور بوجہ امراض معذور ہیں اور اس مکان نمبرا میں اپنی دختر و داماد سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے پاس رہتے ہیں مجوز نے مکان مذکور میں جاکر ان کا اظہار لیا۔ عہ سید محمد شاہ

عہ تحریر عہ شامل مسل ہے ۱۲

صاحب مذکور نے بیان کیا کہ یہ مکان جس میں اس وقت موجود ہوں میرے نانا میر سید محمد صاحب کا تھا ان کے صرف تین وارث ہوئے: میری والدہ ولایتی بیگم اور خالہ لالہ بیگم اور ماموں سید نثار الدین حسین، ان ماموں صاحب نے اپنا حصہ یعنی نصف مکان مذکور اپنی دونوں بہنوں میری والدہ وخالہ کو ہبہ بلاتقسیم کردیا ان ماموں صاحب کے بیٹوں سید غازی الدین حسین وسید احمد حسین نے اب تک کوئی تعرض نہ کیا میری تینوں بہنوں سردار بیگم والدہ سید محمد افضل وسید محمد احسن اور برکاتی بیگم وآبادی بیگم نے اپنی والدہ ولایتی بیگم سے پہلے وفات پائی، ولایتی بیگم مذکور کا میں تنہا وارث ہوں، بعد انتقال والدہ میں اور میری خالہ لالہ بیگم نصف نصف اس تمام مکان کے مالک ہوئے ہم دونوں مالکان مکان مذکور نے یہ مکان تمام وکمال ان سید محمد احسن کو ہبہ کردیا تعمیر کی نسبت کہا میں اس وقت یہاں نہ تھا میری والدہ زندہ تھیں یہ میرے علم میں نہیں کہ میری والدہ کے روپے سے بنا، یا سید امیر علی کے روپے سے تعمیر ہوا، ظاہر ہے کہ ان گواہ کے بیان میں کوئی لفظ مفید مدعی نہیں البتہ دستاویز مذکورہ کے تینوں فریق مقدمہ کے مصدقہ ومسلّمہ ہیں اس میں سے دستاویز ۲ میں مکان ۲ کی حد غربی میں کہ یہی مکان نمبر ایک ہے سردار بیگم زوجہ سید امیر علی کا نام لکھا ہے اور دستاویز ۴ میں مکان ۴ کی حد شرقی میں کہ یہی مکان ۱ ہے مکان محمد احسن مرتہن ومحمد افضل بیگ پر ایک قرینہ ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ۱۸۹۰ء تک یہ مکان ۱ سردار بیگم والدہ فریقین کی طرف منسوب تھا اور ۱۸۹۴ء میں فریقین کی طرف مضاف ہوا مگر قطع نظر اس سے کہ مجرد نسبت واضافت خواہی نخواہی دلیل ملک نہیں اور وہ بھی ایسی کہ مدعی کے ثبوت استحقاق میں بکار آمد ہو خود سید افضل صاحب مدعی نے اپنی نیک نیتی سے صاف اقرار کیا کہ ولایتی بیگم کا سردار بیگم یا سید نثار الدین حسین صاحب کا فریقین کو اپنے اپنے حصص واقعہ مکان مذکور ہبہ کرنا بلاتقسیم تھا اور اب تک کہ سردار بیگم وسید نثار الدین حسین کی وفات ہوچکی مکان بدستور نامقسم ہے غالباً بیان مدعی نسبت ہبہ نامجات مذکورہ صحیح ہے اور انھیں کی بنا پر ۱۸۹۰ء تک مکان ملک سردار بیگم اور ۱۸۹۴ء میں مکان ملک فریقین تصور کیا جاتا ہو لیکن قابل قسمت شے میں ہبہ شرعاً ناجائز ہے اور جبکہ تقسیم سے پہلے موہوب لہ یا وارث انتقال کرجائے جیسا کہ بیان ہوا وہ ہبہ محض باطل وکالعدم ہوجاتا ہے عالمگیری جلد ۴ ص ۱۳۱:

لاتصح فی مشاع یقسم[1] — تقسیم سے قبل مشاع چیز کا ہبہ صحیح نہیں۔ (ت)

درمختار صفحہ ۵۱۲:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۶

المیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1] ہبہ کے فریقین میں سے ایک کی موت قبضہ دینے کے بعد میم سے مراد ہے اگر قبضہ سے پہلے ہو تو ہبہ باطل ہوجائے گا۔ (ت)

توان دونوں ہبہ کی نسبت کسی بحث وتفتیش کی حاجت نہیں کہ خود باقرار مدعی ان کا باطل ہونا ثابت ہے اور اگرچہ لعینہٖ یہی وجہ اس مکان میں سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے حق کو بھی باطل کرے گی کہ جب مکان بالاتفاق موروثی اور ہنوز نامنقسم ہے تو سید نثار الدین حسین صاحب کا اپنا حصہ اپنی بہنوں ولایتی بیگم و لالہ بیگم کو ہبہ کرنا باطل ہوا اور نصف میں ان کے بیٹوں سید غازی الدین حسین و سید احمد حسین کا حق ملک رہا اور اب جو سید محمد شاہ صاحب ولالہ بیگم نے اپنی مشاع ونامنقسم حصے سید محمد احسن صاحب کو بذریعہ ہبہ نامہ نمبر ایک ہبہ کئے یہ ہبہ بھی ناجائز ہوا اور لالہ بیگم کی وفات سے ان کے حصہ کا ہبہ محض باطل ہو کر ان کے بھتیجوں سید غازی الدین حسین وسید احمد حسین کا حق قرار پایا سید محمد شاہ صاحب زندہ ہیں اگر اپنا حصہ کہ ترکہ ولایتی بیگم سے انھیں پہنچا جدا تقسیم کراکر سید محمد احسن صاحب کو قبضہ دے دیں ہبہ صحیح ہوجائیگا ورنہ باطل، مگر ان وجوہ کا نفع ان اشخاص کی طرف راجع ہے جو فریقین مقدمہ نہیں اور اس ہبہ کے بطلان سے مدعی کو کوئی فائدہ نہیں کہ سردار بیگم والدہ مدعی کا اپنی والدہ ولایتی بیگم سے پہلے انتقال کرنا بالاتفاق و بالیقین ثابت ہے لہذا سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور کا دعوٰی اس مکان ۲ پر کسی وجہ سے قابل سماعت نہیں۔

(۲) تنقیح دوم کی نسبت اس قدر کہنا بس ہے کہ یہ ہبہ اگر ثابت بھی ہو تو محض بے معنی ہے سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے اوّلاً اپنے بیان میں[2] صاف تسلیم کیا کہ سید محمد افضل صاحب مدعی مکان ۳ میں بقدر اپنے حصہ کے شریک ہیں بعدہٗ اظہار میں مدعا علیہما نے اس تمام مکان کا بنام قادری بیگم ہبہ ہونا ظاہر ہوگیا حسب طلب مدعا علیہما سید محمد افضل صاحب مدعی سے بھی اس ہبہ کی نسبت سوال ہوا انھوں نے اتنا اقرار کیا کہ سید امیر علی صاحب مرحوم نے قادری بیگم سے کہا تھا کہ اگر تم یہاں رہو تو یہ مکان تمھیں دیتا ہوں مگر وہ نہ رہیں ان سب سے قطع نظر کیجئے بالفرض سید امیر علی صاحب مرحوم نے تمام مکان کے تین ربع نامنقسم ہنوز رہن ہیں اور رہن ملکِ مرتہن نہیں ہوتا کہ اسے ہبہ کردینے کا اختیار ہو ایک ربع باقی اگر ملک سید امیر علی صاحب ہو بھی تو رہن مشاع ہے کہ بعد انتقال سید امیر علی اور کا ہبہ باطل ہوگیا۔

---

[1] درمختار کتاب الہبہ باب الرجوع فی الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] تحریر ۲ شامل مسل ۱۲

(۳) تنقیح سوم ایک ظاہر بات تھی دستاویزات ۸ و ۶ و ۷ میں سید افضال حسین کا نام زمرۂ مشتریان و مرتہنان میں موجود ہے دستاویز سب فریقوں کے مصدقہ مسلمہ ہیں سید محمد افضال حسین صاحب یا سید محمد احسن صاحب کا باوجود تسلیم صحت دستاویزات یہ ادعا کہ سید افضال حسین صاحب کا نام فرضی ہے بے ثبوت کافی ہرگز مسموع نہ ہوگا نہ دونوں فریق مذکور نے اس کا کوئی ثبوت پیش کیا مگر سید افضال حسین صاحب نے نیک نیتی سے اپنے اظہاروں میں صاف اقرار کر دیا کہ مکان ۲ عبدالکریم خاں والا میرے چچا صاحب نے رہن لیا میرا اس میں کچھ روپیہ نہ تھا تو صاف ظاہر ہوا کہ رہن نامہ میں سید افضال کا نام محض فرضی ہے اگر یہ کہئے کہ اصل دائن نے اپنا روپیہ راہن کو قرض دے کر سید افضال حسین کا نام اس غرض سے درج دستاویز کرایا کہ وہ دین ان کا قرار پائے اور ضرور عرف و رواج سے یہی ظاہر ہے بزرگ اپنے روپے سے کوئی عقد کرتے اور اپنے کسی خورد کا نام اسی غرض سے درج دستاویز کراتے ہیں کہ وہ ملک یا حق ان کے لئے قرار پائے مگر شرعاً یہ ارادہ رہن میں محض بے اثر ہے کہ یہ غیر مدیون کو دین کا ملک کرنا ہوگا اور وہ صحیح نہیں۔ درمختار ص ۵۱۵:

تملیك الدین ممن لیس علیه باطل[1] غیر مدیون کو دین کا مالک بنانا باطل ہے۔ (ت)

نیز سید افضال حسین صاحب نے اپنے اس اظہار میں کہ اپنی طرف سے اصالۃً اور اپنے چچا سید محمد احسن صاحب کی طرف سے بذریعہ مختار نامہ عام بے صاف اقرار فرمایا کہ مکان ۲ کی تمام بیع و رہن حقیقۃً سید امیر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپے سے اپنے لئے بیع و رہن لئے اور اپنی طرف سے جس جس کو جس جس قدر کا مالک یا مستحق کرنا چاہا ان کا نام بیعنامہ و رہن نامہ میں درج کرا دیا، اور واقعی عادات ناس سے معہود یہی ہے بائع سے گفتگوئے بیع وشرا خود کرتے ہیں ایجاب و قبول میں یہ لفظ نہیں ہوتے کہ بائع کہے کہ میں نے فلاں شے تیرے فلاں فلاں عزیز کے ہاتھ بیچی یہ کہے میں نے اپنے فلاں فلاں عزیزوں کی طرف سے قبول کی بلکہ گفتگو باہم ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد دستاویز میں اپنے جس عزیز کا نام چاہتے ہیں لکھوا دیتے ہیں یہ بیع حقیقۃً خود انھیں اشخاص عاقدین کے لئے منعقد ہو کر دستاویز میں اندراج نام عزیزاں ان عزیزوں کے نام ہبہ ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے:

ع تحریر ۱۴ شامل مسل ۱۲

---

[1] درمختار کتاب العلم فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۵

کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقۃ " " " ۲/ ۱۶۵

الاب اشترٰی لہا فی صغرھا اوبعد ماکبرت وسلم الیہا و ذٰلک فی صحتہ ولاسبیل للورثۃ علیہ ویکون للبنت خاصۃ اھ[1] منح۔

باپ نے اپنی صحت وتندرستی میں بیٹی کے لئے کوئی چیز خرید کر اس کے قبضہ میں دے دی وہ چیز خاص بیٹی کے لئے ہوگی خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ ہو دیگر ورثاء کا اس چیز پر کوئی حق نہ ہوگا۔ اھ منح (ت)

عقود الدریہ جلد ۲ ص ۲۸۱:

امرأۃ اشترت لولدھا الصغیر بمالہا علی ان لاترجع بالثمن علی الولد جاز استحسانا و تکون مشتریۃ لنفسہا ثم تصیر ھبۃ منہا للصغیر[2]۔

کسی عورت نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی اس عہد پر کہ بیٹے سے رقم نہ لوں گی تو استحسانًا جائز ہے اور وہ خریداری عورت کی اپنے لئے ہوگی پھر عورت کی طرف سے بیٹے کو ہبہ قرار پائے گی۔ (ت)

اور جب حسب اقرار سید افضال حسین صاحب بیع مکان عـہ میں ان کا نام بذریعہ ہبہ ہے اور ہبہ مشاع بعد انتقال واہب باطل ہوجاتا ہے تو ثابت ہوا کہ ہر سہ مکانات مذکور نمبر ۳ و ۴ و ۵ میں سید افضال حسین صاحب کا کوئی حق ملک و رہن اصلاً نہیں۔

(۴) مکان نمبر ۳ کی نسبت بالاتفاق اظہارات ہر سہ فریق ثابت ہوا کہ اس کی بیع و رہن نامہ سب حقیقۃً بنام سید امیر علی صاحب مرحوم تھی اندراج نام دیگراں اسی قاعدہ معہودہ بزرگان کی بناء پر تھا بالخصوص مدعا علیہ کا بیان کہ یہ تمام وکمال مکان سید امیر علی صاحب مرحوم نے فریقین کے خالہ زاد ہمشیر قادری بیگم کو ہبہ کردیا صراحۃً اس کے متروکہ امیر علی صاحب ہونے کا اقرار ہے۔ سید امیر علی نے انتقال فرمایا اور ان کے وارث یہی دو صاحبزادے سید محمد افضل صاحب و سید محمد احسن صاحب ہوئے تو مکان کے متروکہ مورث ہونے کا اقرار نصف مکان بذریعہ وراثت ملک سید محمد افضل صاحب ہونے کا اقرار ہوا لیکن یہ اقرار حق راہن پر کہ نہ حاضر ہے نہ فریق مقدمہ ہے مؤثر نہ ہوگا تو ایک ربع مکان مذکور باقرار

عـہ تحریر ۱ و ۱۴ شامل مسل ۱۲

---

[1] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

[2] العقود الدریہ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

سید محمد احسن متروکہ سید امیر علی صاحب اور تین ربع مرہونہ سید امیر علی صاحب قرار پائیں گے یہ رہن اگرچہ بوجہ مشاع ہونے کے فاسد اور بوجہ دخلی ہونے کے شرعاً حرام ہے مگر تا وصول دین اس پر قبضہ رکھنے کا اختیار ضرور حاصل، اس بارے میں رہن صحیح و فاسد کا حکم ایک ہی ہے۔ درمختار صفحہ ۶۱۶:

لایصح رھن مشاع مطلقا ثم الصحیح انه فاسد[1]

غیر منقسم چیز کا رہن مطلقاً صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ رہن فاسد ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے ص ۶۲۸:

كل حكم عرف فی الرھن الصحیح فھو الحكم فی الرھن الفاسد کرھن المشاع (ملخصاً)[2]

جو حکم صحیح رہن کا ہے وہ حکم فاسد رہن، مثلاً غیر منقسم رہن چیز، کا ہے۔ (ت)

اور بعد انتقال مرتہن اس کے ورثہ اس کی جگہ مرتہن ہوجاتے ہیں، درمختار ص ۶۲۳:

لایبطل الرھن بموت الراھن ولا بموت المرتھن ولا بموتھما ویبقی الرھن رھنا عند الورثة[3]

راہن یا مرتہن یا دونوں کی موت سے رہن باطل نہیں ہوتا بلکہ ان کے ورثاء میں رہن باقی رہے گا۔ (ت)

تو اس مکان کے تین ربع کی مرتہنی بنام فریقین اگرچہ حسب اقرار فریقین بطور اسم فرضی تھی مگر بعد انتقال مرتہن اصلی واقعی وحقیقی ہوگئی اور اس میں کسی فریق کو نزاع بھی نہیں ایک ربع باقی کے بیعنامہ میں تین نام مندرج ہوئے سید امیر حسن مرحوم و سید افضال حسین پسران مدعی و احمدی بیگم زوجہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ، ان میں سید افضال حسین صاحب تو اپنے اقرار مذکور تنقیح سوم کے رُو سے جُدا ہوگئے لیکن ہر سہ فریق کا اتفاق سید امیر حسن و احمدی بیگم پر اثر نہیں ڈال سکتا کہ اقرار حجت قاصرہ ہے اثر صرف مقر کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے ہم صدر تنقیح سوم میں بیان کر آئے کہ دستاویزات مصدقہ مسلّمہ ہر سہ فریق میں ان کاموں کا اندراج دفع دعوٰی دیگران کے لئے بس ہے جب تک وہ بینہ سے ان اسماء کا فرضی ہونا ثابت کریں جس کا ثبوت اصلاً فریقین سے کسی نے نہ دیا تو اس ربع میں اقرارات کا اثر صرف ایک ثلث موسوم سید افضال حسین پر پڑے گا، اور وہ باقرار ہر سہ فریق متروکہ سید امیر علی صاحب قرار پاکر سید محمد افضل صاحب و سید محمد احسن صاحب میں نصف نصف ہوا سید امیر حسن مرحوم و احمدی بیگم

[1] درمختار کتاب الرھن باب مایجوز ارتھانه ومالایجوز مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۸

[2] " " فصل فی مسائل متفرقة " " " ۲/ ۲۶۹

[3] " " باب التصرف فی الرھن " " " ۲/ ۲۷۷

نہ فریق مقدمہ میں نہ ان کے ابطال حق پر فریقین سے کسی نے کوئی ثبوت دیا لہذا اس قدر میں کسی کا دعوٰی مسموع نہیں سید امیر حسن مرحوم کے وارث صرف ان کے والد سید محمد افضل صاحب مدعی ہیں تو اس ربع کا ایک ثلث کہ شرعاً ملک سید امیر حسن مرحوم تھا وراثۃً بلکہ سید محمد افضل صاحب ہوا سید محمد افضل صاحب کو بھی اگرچہ اقرار تھا کہ یہ مکان متروکہ پدری ہے جس کے رُو سے اگرچہ اقرارات ہر سہ فریق حق سید امیر حسن مرحوم پر موثر نہ ہوا مگر جب ثلث بدعوٰی ارث سید محمد افضل صاحب کو پہنچے سید محمد احسن صاحب ان کے اقرار پر مواخذہ کرکے اس ثلث میں نصف کے مدعی ہوسکتے تھے لیکن سید محمد احسن صاحب بعد اقرار مذکور ہر سہ فریق کے صراحۃً تحریر کرچکے کہ امیر حسن کے حق کی بابت گزارش ہے کہ روپیہ والد صاحب کا تھا اور اس سے بیع و رہن کیا گیا اگر شرعاً اس میں میرا حق ہے تو مجھ کو دعوٰی ہے اور نہیں ہے تو دعوٰی نہیں ہے فقط اور اوپر معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً سید امیر حسن مرحوم کے حق میں سید محمد احسن کا کوئی حق نہیں، نہ خریداری میں روپیہ والد کا ہونا، بلکہ والد کو مستلزم۔ فتاوٰی خیریہ ص ۲۰۱:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[1] والد کے مال سے خرید کردہ چیز ضروری نہیں کہ والد کےلئے ہو۔ (ت)

اور لادعوٰی کسی شرط واقعی پر معلق کرنا بلاشرط لادعوٰی ہے، درمختار ص ۴۰۷:

علقہ بامر کائن کان اعطیتہ شریکی[عہ] فقد ابرأتك وقد اعطاہ صح[2] کسی امر ماضی محقق پر جیسے طالب کا مدیون سے کہنا کہ اگر تُو نے فلاں چیز میرے شریک کو دی تو میں نے تجھ کو بری الذمہ کیا حالانکہ مدیون وُہ چیز اس کے شریک کو دے چکا تو یہ تعلیق صحیح ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۴۹:

لانہ علقہ بشرط کائن فتنجز[3] کیونکہ اس نے پائی جانیوالی شرط پر معلق کیا ہے تو فوراً نافذ ہوگیا۔ (ت)

تو سید محمد افضل صاحب کا اقرار حصہ سید امیر حسن مرحوم کے بارے میں سید محمد احسن صاحب کے لادعوے

عہ شریکی کی جگہ اصل میں بیاض ہے۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹
[2] درمختار کتاب البیوع باب ما یبطل بالشرط الفاسد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳
[3] ردالمحتار " " " مکتبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

سے رُد ہوگیا، اشباہ ص ۲۵۵ :

المقرلہ اذارد الاقرار ثم عاد الی التصدیق فلا شیئ لہ[1]	مقرلہ نے جب اقرار کو رَد کر دیا اور بعد میں اقرار کی تصدیق کر دی تو بھی محروم رہے گا (ت)

ایضاً صفحہ ۲۵۳ :

المقرلہ اذا کذب المقر بطل اقرارہ[2] الخ۔	مقرلہ نے جب اقرار کرنے والے کو جھوٹا قرار دیا تو اقرار باطل ہو جائے گا الخ (ت)

تو یہ ثلث کہ ملک سید امیر حسن مرحوم تھا خاص ملک سید محمد افضل صاحب ہوا اور نصف اس ثلث اسمی سید افضال حسین صاحب کا ان کی ملک قرار پایا تھا مجموع ڈیڑھ ثلث یعنی اس رابع مبیع کا نصف مملوکہ سید محمد افضل صاحب ہوا مکان ع۲ کی اگرچہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کا اپنے اظہار میں بیان کہ وہ میرا خرید کیا ہوا ہے صریح سہو ہے وہ مکان بیع نہیں رہن ہے مگر سید محمد احسن صاحب مذکور نے اپنے اظہار میں نیک نیتی سے تسلیم فرما لیا کہ اس مکان میں نصف ان کا حصہ[عل] ہے جو انھوں نے خواجہ محمد حسن صاحب کے قبضہ میں مع نصف مکان ع۵ مستغرق کیا ہے انھوں نے اپنی تحریر میں صراحۃً[3] اقرار کر لیا کہ یہ رہن کھنڈسار مشترک کی آمدنی سے لیا گیا اور تحریر کر دیا کہ جب سید محمد افضل صاحب شریک کھنڈسار ہیں تو نصف ان کا اور نصف میرا ہے فقط، لاجرم یہ نصف بھی سید محمد افضل صاحب ہے، یہی حالت ہے اس کی نسبت اگرچہ بیان و اظہار سید محمد احسن صاحب بہت مختلف واقع ہوئے مگر ہر شخص کا بیان اس قدر کہ اس کی ذات کے لئے نافع ہو بلا دلیل قابل قبول نہیں ہو سکتا اور جس قدر فریق دیگر کے لئے نافع ہے اس کے حق میں حجت ہو جاتا ہے سید محمد احسن صاحب نے اپنے اظہار میں صاف فرمایا ہے کہ نصف مکان ع۲ کے ساتھ مکان ع۵ پھاٹک والا احمد حسین والا کہ اس کا بھی نصف میرا ہے اسی قرضہ خواجہ[4] صاحب میں مستغرق ہے نیز سید محمد احسن صاحب کے مختار عام سید افضال حسین صاحب نے اپنے اظہار[5] اور اپنے بیان[6] دونوں میں صاف فرمایا ہے کہ مکان ع۲ کے سوا کہ

عل: خط کشیدہ عبارت اندازہ سے بنائی گئی ہے۔

[3] تحریر ع۳ شامل مسل ۱۲

[4] تحریر ۱۹ شامل مسل ۱۲

[5] تحریر ع۱۲ شامل مسل ۱۲

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۹

وہ تو سید امیر علی صاحب مرحوم کے بعد رہن لیا گیا باقی سب مکانات ان کے دادا سید امیر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپے سے بیع و رہن لئے ہیں اور اپنی طرف سے جس جس کو جتنا دینا منظور تھا اس اس کا نام بیعنامہ اور رہن نامہ میں درج کرا دیا اور سید محمد احسن صاحب نے اپنے اظہار میں فرمایا ہے کہ سید افضال حسین میرا مختار عام ہے اس مقدمہ دائرہ میں جو بیان سید محمد افضال حسین صاحب نے کئے مجھ کو قبول و منظور ہیں اور سید محمد احسن صاحب نے اپنی اخیر تحریر[عـــہ۱] میں خود صاف لکھا کہ یہ بیع و رہن والد صاحب کے روپے سے تھے تو اپنے اگلے بیانوں کو صراحۃً رد فرمایا بالجملہ باقرار مدعا علیہما ثابت ہوا نیز اس کی تعمیر کی نسبت سید محمد احسن صاحب مجوز سے زبانی فرما دیا گیا تھا کہ کھنڈسار جگت پور کے روپے سے ہوئی اور یہ کہ اس وقت سوا اس کے ہماری کوئی آمدنی نہ تھی بعدہ اظہار میں اس عمارت کی نسبت بہت تفصیل بیان فرمائی ہے جس سے اس کی کچھ مستغرق ہے مشترک کچھ خاص ان کے ثابت ہوتے ہیں اور تحریر فرمایا ہے پہلے جو میں نے مکان ۵ کی نسبت تعمیر عملہ کی مجوز صاحب سے عرض کیا تھا کہ کھنڈسار جگت پور کی آمدنی سے کہ وہ میرا سہو تھا صحیح یہ[عـــہ۲] ہے جو میں نے مفصل لکھا مگر کوئی مقر اپنے اقرار سے بدعوی سہو و لغزش پھر نہیں سکتا، اشباہ ص ۲۵۴ :

اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطاء لم تقبل[۱]۔ جب کسی چیز کا اقرار کرکے پھر خطا کا دعوٰی کرے تو یہ دعوٰی قبول نہ ہوگا۔ (ت)

تو میں اس امر میں شک کی کوئی وجہ نہیں پاتا کہ تمام و کمال مکان ۵ بھی نصف ملک سید محمد افضل صاحب ہے اور اس پر ایک قرینہ واضحہ یہ بھی ہے کہ سید محمد احسن صاحب اپنے اظہار[عـــہ۳] میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مکان ۵ تمام و کمال میں نے اور سید محمد افضل نے بالمناصفہ دامودر داس کی دستاویز میں ہزار والی میں مستغرق کیا ہے۔

(۵) سید محمد احسن صاحب نے بکمال نیک نیتی اپنے بیان و اظہار میں جابجا صاف تسلیم کرلیا کہ کھنڈسار جگت پور ان کی اور سید محمد افضل صاحب کی مشترک ہے خود ابتدائی بیان جس میں اس کھنڈسار کو تنہا اپنی فرمایا ہے اسی کے آخر میں آمد و خرچ پیش کردہ سید افضال حسین کو صراحۃً لکھ دیا کہ میرا اور سید محمد افضل صاحب کا بشرکت ہے اس آمد میں آمدنی کھنڈسار مذکور شامل ہے بلکہ حساب طلب بھی اس آمدنی کا ہوا تھا

عـــہ۱: تحریر ۲۲ شامل مسل ۱۲ عـــہ۲: تحریر ۱۹ شامل مسل ۱۲

عـــہ۳: تحریر ۱۹ شامل مسل ۱۲

---

[۱] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰

جو فریقین کی مشترک ہے تو اس میں آمدنی کھنڈسار مذکور کا درج فرمانا ہے صراحۃً دلیل شرکت تھا نہ کہ جب بیان شرکت کی تصریح بھی کر دی نہ کہ جب تحریر میں صاف لکھ دیا کہ یہ کھنڈسار میری اور سید محمد افضل صاحب کی شرکت میں ہے، لہذا مجموعہ آمدنی ہمسالہ عہ سے نصف یعنی الدعہ حق افضل صاحب ہیں۔

(۶) مدات خرچ میں اراضی محمد ولی جان فریقین کا مشترک ہونا اور اس کی قیمت کی عہ فریقین کے ذمے بالمناصفہ ہونا فریقین کو تسلیم ہے اور الدعہ کہ قرضخواہ کو رقم خلاف شرع یعنی سُود میں سید محمد احسن صاحب کے ہاتھ سے گئی ان کے حلف کے بعد سید محمد افضل صاحب نے مشترک ہونا قبول کر لئے مرمت مکانات کی للعہ[۳] جن کی تفصیل فریقین سے کوئی نہ بتا سکا نہ ان کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ کہ کس قدر کس مکان کی مرمت میں صرف ہوا مکان عہ کے سوا باقی چاروں مکانوں پر بحصہ مساوی قابلِ انقسام وہی مکان عہ میں جب کہ سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق ثابت نہ ہُوا اور سید محمد احسن صاحب اسے تنہا اپنی ملک بتاتے ہیں تو اس رقم کا ایک ربع عہ پائی خاص سید محمد احسن صاحب پر اور باقی ربع کا نصف عہ پائی ذمہ سید محمد افضل صاحب ہوا عیدین و خیرات و نیاز و خوراک خانہ وغیرہ سب کی نسبت سید محمد احسن صاحب کو اپنے بیان تحریری[۱] میں اقرار ہے کہ یہ بعد جانے سید محمد افضل صاحب کے خود سید محمد احسن صاحب نے صرف کئے البتہ کنبے داری کے خرچ شادی و غمی کو فریقین نے مشترک تسلیم کیا اس پر ہم مجوز نے سید محمد احسن صاحب سے اس رقم کی فہرست طلب کی مگر سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے اس رقم کا حصہ ذمہ سید محمد افضل صاحب ڈالنے سے دستبرداری کی اور قبول فرمایا کہ یہ خفیف رقم بھی میرے ہی ذمے رکھی جائے کھنڈسارا بھی پوڑ تو دیا کی نسبت خود محمد احسن صاحب اپنے تحریری[۲] بیان میں اقرار فرماتے ہیں کہ وہ میں نے خود کی تھی محمد افضل کی کوئی شرکت نہیں تھی فقط نیز اپنے اظہار[۳] میں اس کھنڈسار بالی بور کمال پور سب کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ سید محمد افضل صاحب کے پیلی بھیت جانے کے ایک دو سال بعد میں نے سید محمد افضل صاحب سے کوئی اجازت نہیں لی تھی تو یہاں سے ظاہر ہُوا کہ ان میں سے کسی کھنڈسار میں سید محمد افضل صاحب کی شرکت نہ تھی نہ سید محمد افضل صاحب کو ان میں شرکت تسلیم ہے اور سید محمد احسن صاحب کا لکھنا کہ نہ سید محمد افضل صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں ان کھنڈساروں میں شریک نہیں ہوں ان کو علم تھا کہ یہ کھنڈساریں کی گئی ہیں اور کسی کام کی بابت بھی کوئی خاص اجازت نہ لی جاتی تھی ہمیشہ ان کے شریک پیلی بھیت سے آیا کرتے اور یہ بھی آتے وہ سب خرچ اس کھنڈساری آمدنی سے ہوتا تھا فقط کچھ انھیں

---

[۱] تحریر ۲ شامل مسل ۱۲

[۲] تحریر ۳ شامل مسل ۱۲

[۳] تحریر ۱۹ شامل مسل ۱۲

مفید نہیں سید محمد افضل صاحب نے انھیں شرکت کی نفی نہ کی تو اقرار بھی نہ کیا اور علم ہونا شریک ہونے کو مستلزم نہیں کھنڈساروں کی مخلوط آمدنی جن میں مشترک کھنڈسار جگت پور بھی تھی مہمانداری سے سید محمد افضل صاحب وغیرہ میں خرچ ہونا بھی ان کھنڈساروں میں دلیل شرکت نہیں جو ان کے جانے کے سال دو سال بعد سید محمد احسن صاحب نے بطور خود بے اجازت لئے کیں[1] آخر خود سید محمد احسن صاحب صراحۃً لکھ چکے ہیں کہ ابھی پوڑونو دیا کی کھنڈساروں میں سید محمد افضل صاحب کی شرکت نہیں اگرچہ دلائل موجب شرکت ہوتے تو ان میں بھی شرکت ثابت ہوئی جس سے خود مدعا علیہ کو انکار ہے تو ثابت ہوا کہ ان سب کھنڈساروں میں نقصانات سید محمد افضل صاحب پر ڈالنے کی کوئی وجہ نہیں پس مدات خرچ میں صرف تین مدیں ذمہ سید محمد افضل صاحب ہوئیں، نصف قیمت اراضی ولی محمد خاں و نصف رقم ناجائز سود کہ قرض خواہ کو گئی و بابت مرمت مکان کُل معہ ۱۳۔ ۲ ۵/۶ پائی کل صمالہ معہ ۲ ۵/۶ پائی کہ نصف آمدنی ان کی یافتنی الـ ۱۰ ۱/۶ پائی سے منہا ہو کر الـ ۲ ۳/۶ پائی رہے لیکن سید محمود حسن صاحب نے دعویٰ کیا کہ مبلغ ... بمعرفت شیخ تصدق حسین اور ... بمعرفت سید فرحت علی اور تخمیناً دس پندرہ روپے متفرق سید محمد افضل صاحب کے پاس پہنچے ہیں جو اسی گوشوارہ خرچ میں مندرج ہیں پہلی دو رقموں کا سید محمد افضل صاحب نے اقرار کیا تو یہ ... اور مجرا ہو کر الـ ۲ ۳/۶ پائی سید محمد افضل کی یافتنی ذمہ سید محمد احسن صاحب پر رہے یہ حساب ظاہرا سید افضال حسین صاحب مختار عام سید محمد احسن صاحب بہت جلدی میں تحریر فرمایا ہے رقم خرچ رقم آمدنی کے برابر ... قائم کی اور تتمہ ندارد لکھ دیا اور مدات خرچ کی جو تفصیل فرمائی ان کا جوڑ صرف ... صمالہ معہ آتا ہے اسّی روپے کا فرق ہے اور ایسی ہی سو روپے کی غلطی رقم بقایا میں ہے جس کا خود اقرار تحریر فرمایا مگر از انجا کہ ذمہ مدعی ان تین مدوں کے سوا باقی سے بری ہے اس تحقیقات کی کچھ حاجت نہیں کہ یہ اسی لہ کی غلطی کہاں گئی۔

(۷) اثاث البیت کے دعویٰ سے فریقین نے دست[2] برداری لکھ دی۔

(۸) مکان ۱ میں تو کوئی سید محمد افضل صاحب کا ثابت نہ ہوا اور مکان نمبر ۴ فریقین کے پاس رہن رہے نمبر ۳ کے بھی تین ربع فریقین کے پاس رہن ہیں رہن مملوک مرتہن نہیں ہوتا اس مکان کا ربع اگرچہ مملوک ہے مگر بوجہ اختلاط رہن وہ یکجائی نہ ہو سکے گا تو صرف دو مکان قابل تقسیم یکجائی ہے مکان نمبر ۲ جس کا نصفا نصف ہونا ابتداء سے مسلّم[3] فریقین تھا اور مکان نمبر ۵ کہ اب نصفا نصف ثابت ہوا ان دونوں مکانوں کا مفصل تخمینہ

---

[1] تحریر ۲ شامل مسل ۱۲

[2] تحریر ۱۵ و ۱۶ شامل مسل ۱۲

[3] تحریر ۲ شامل مسل ۱۲

معتبراجوں نے بواجبہ سید محمد احسن صاحب کیا مکان ۲ کی قیمت عہ۱ مالعہ ۱۹ر قرار پائی اور مکان ۵ کی عہ۲ ا مالعہ ۴۴۹ یہاں اتفاقاً قرعہ برداری درکار تھی مگر سید محمد احسن صاحب نے کہا کہ مکان نمبر ۵ میرے والد کو بہت پسند تھا وہ اس میں سوتے تھے یہ مجھے مل جائے اور زیادت کا معاوضہ مجھ سے دلایا جائے سید محمد افضل صاحب پہلے فرما چکے تھے کہ جو مکان وہ پسند کرلیں لے لیں اور کمی بیشی کا معاوضہ ہوجائے بعد اس پسند کے بھی سید محمد افضل صاحب نے اسے منظور رکھا لہذا مکان ۲ خالص سید محمد افضل صاحب اور مکان ۵ خالص سید محمد احسن صاحب کا قرار پایا اور بابت کمی حصہ سید محمد افضل صاحب میں آئی مالعہ ۸ر سید محمد احسن صاحب پر سید محمد افضل صاحب کی واجب الادا ہوئی کہ رقم سابق سے مل کر مجموع السالعہ ۲ر ۳/۸ پائی ہوئی۔

(۹) صمار قرض داموورداس کو سید محمد احسن صاحب نے اپنے بیان تحریری میں بکمال نیک نیتی صاف تسلیم فرمالیا کہ یہ قرضہ ان پر اور سید محمد افضل صاحب مشترکاً ہے، باقی قرضہ کی نسبت تحقیقات درپیش تھی کہ ۶ر مئی ۱۹۰۳ء کو جناب سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے ایک درخواست بدیں مضمون پیش کی کہ مبلغ الصماعہ ۹ر ۵ پائی جو سید محمد افضل صاحب کی بہی میں ان کے قلم کی تحریر کی ہوئی ان کی تحویل میں باقی ہیں مجھ کو مجرا دلائی جائیں عریضہ شامل مسل فرمایا جائے، یہ دعوی جدید کئی مہینے بعد جناب سید محمد احسن صاحب کو یاد آیا بیان تحریری مورخہ ۱۶ر ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۰۳ء میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں تھا و لہذا اس کی نسبت کوئی تنقیح قائم نہ ہوئی تھی نہ ایسے جدید دعوی کا کسی فریق کو اختیار تھا مگر جناب سید محمد احسن صاحب کے اصرار پر درخواست شامل مسل کی گئی اور سید محمد افضل صاحب سے جواب طلب ہوا انھوں نے اس رقم کے اپنے پاس رہنے سے صاف انکار کیا سید محمد احسن صاحب نے شہادتیں پیش کیں جن میں اس رقم کی نسبت سید محمد افضل صاحب کے پاس رہنا کسی شاہد نے اصلاً بیان نہ کیا بلکہ سید محمد حسین صاحب برادر عمہ زاد فریقین نے اتنا کہا یہ میں نے نہ سنا کہ محمد افضل اپنے ساتھ کچھ نہ لے گئے نہ میں نے سنا کہ کچھ روپیہ تحویل میں ہے یا محمد افضل لے گئے ہیں بلکہ یہ سنا کہ پیلی بھیت میں محمد افضل نے کچھ زیور گرو رکھا کچھ روپیہ مقبول حسین خاں نے دیا، مرزا ہدایت بیگ نے بیان کیا میں نے کبھی نہ سنا کہ کچھ روپیہ محمد افضل پیلی بھیت لے گئے نہ محمد احسن نے بیان کیا نہ کسی نے، یہ تو نا اتفاقی

عہ۱ تحریر ۱۲ شامل مسل ۱۲۔

عہ۲ تحریر ۱۱ شامل مسل ۱۲۔

بیان کیا، باقی گواہوں کے بیان میں اصلاً کچھ تذکرہ نہیں، سید محمد احسن صاحب نے یہ شہادتیں اس غرض سے پیش کیں کہ تمام آمدنی کی تحویل سید محمد افضل صاحب کے پاس ہونا ثابت کریں یہ شہادتیں اس امر کے اثبات میں بھی ناتمام ہیں سید مہدی حسن صاحب و سید ممتاز علی صاحب و مرزا ہدایت بیگ صرف شیرے کی آمدنی سید محمد افضل صاحب کے پاس آنا بیان کرتے ہیں، سید محمد احسن صاحب صاف کہتے ہیں کہ یہ میرے علم میں کچھ نہیں کہ تحویل ان دونوں بھائیوں میں کس کے پاس ہوتی تھی سید محمد افضل صاحب کے بھی دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وُہ اوپر سے دادنی و یافتنی کی رقمیں جدا جدا لکھتے آئے ہیں اور یافتنی کی مجموع رقوم کو تتمہ قرار دیتے ہیں اگرچہ بعد مجرائی دادنی و تتمہ جو تحویل میں باقی نہیں قرار پا سکتا بارہ سو سے قدرے ناید ایک رقم اختر حسین خاں کی دادنی اور بارہ سو ان سے یافتنی دونوں مدوں میں تھی یہ یافتنی ملا کر رقم تتمہ الصماعہ ۹ ۸ بانی لکھی گئی تھی اس کے بعد کے حساب میں وہ رقم دادنی و یافتنی دونوں میں سے چھوڑ دی ہے اور یوں مالامعہ عہ ۹ دادنی اور مالامعہ عہ ۹ یافتنی لکھے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حساب برابر ہے تتمہ کچھ نہیں ایسی رقم و تحویل میں باقی ٹھہرانا سخت عجیب ہے ولہذا آج تک سید محمد احسن صاحب نے اس کا کوئی ذکر نہ فرمایا نہ وُہ ان کے خیال میں تھا بلکہ بیان تحریری میں صراحۃً اس کے خلاف تحریر تھا کہ سید محمد افضل صاحب کو شاید بیس پچیس روپے گئے ہوں گے اگر یہ پندرہ سولہ سو کی رقم بھی تحصیلی بھیجت جانے کے وقت ان کے پاس ہی ہوتی تو اتنی بڑی رقم کثیر چھوڑ کر صرف بیس پچیس روپے کے ذکر پر کیوں قناعت فرمائی جاتی، اور وُہ بھی لفظ شاید کے ساتھ، پھر اس درخواست کے دو روز بعد یعنی ۸ رمئی کو جو تفصیل قرضہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے پیش کی اس میں تو اس نزاع کو یکسر طے فرما دیا اور یہی ان کی نیک نیتی سے متوقع تھا اس کے آخر میں صراحۃً تحریر فرمایا کہ اس کے سوا کوئی مطالبہ سید محمد احسن صاحب وغیرہ کا ذمہ سید محمد افضل صاحب نہیں ہے سوائے عہ کے کہ معرفت شیخ تصدق حسین صاحب و سید فرحت علی صاحب کے سید محمد افضل صاحب کو پہنچے ہیں، الحمدللہ کہ حق واضح فرما دیا، اس دعوٰی کے جواب میں ۱۱ رمئی کو سید محمد افضل صاحب نے بھی ایک جدید دعوٰی الصماعہ ۱۲ کا پیش کیا محاسبات میں سید افضال حسین صاحب مختارِ عام نے یہ رقم نقد آمدنی کھنڈسار کی بتائی تھی کہ آسامیوں سے علاوہ اس کے آئی تھی مگر شرائط پیش کردہ میں اس کا کچھ ذکر نہ تھا سید افضال حسین صاحب نے بعد استفسار بیان کیا کہ یہ رقم ادھر سے آئی ادھر گئی یعنی یافتنی میں آئی دادنی میں گئی لہذا قائم نہ کی گئی اس پر سید محمد افضل صاحب نے استفسار کیا کہ کس دادنی میں گئی انھوں نے خالص اپنے قرضے میں دی یا مشترک میں اس کا جواب ۱۲ رمئی کو سید محمد احسن صاحب نے لکھا کہ یہ رقم تحویل میں نہیں رہی بلکہ قرضے میں الٹ پھیر میں گئی صرف میرے ذمے پر تنہا قرضہ کوئی نہ تھا بلکہ مشترک قرضہ متعلق کھنڈسار کے تھا اس میں گئی، شرعاً شریک کا حلفی بیان ایسے امور میں مقبول ہے اگرچہ اصلاً تفصیل نہ بتائے۔

درمختار صفحہ ۳۴۳:

سئل قاری الهدایة عمن طلب محاسبة شریکه فاجاب لا نلزمه بالتفصیل و مثله المضارب والوصی والمتولی، نہر[1]

قاری الہدایہ سے سوال ہوا کہ کوئی شخص اپنے شریک سے حساب کا مطالبہ کرے تو جواب دیا کہ ہم تفصیلی حساب لازم نہیں کریں گے۔ اسی طرح مضارب، وصی اور متولی کا معاملہ ہے، نہر۔ (ت)

تو ان سولہ سو (۱۶۰۰) کی طرح یہ دو ہزار بھی ناقابلِ سماعت ہیں، اس جملہ معترضہ کے بعد اصل تنقیح لبقیہ قرضہ کی طرف عطف عنان کریں سمہ ساعہ ۹ رکہ قرضے کے دکھائے گئے اور سید محمد احسن صاحب نے اپنے بیان تحریری میں فرمایا کہ وہی قرضہ اب تک چلا آتا ہے اس میں سے سمہ صما قرضہ دستاویز واقعہ دامودرداس تو یقیناً اب تک چلا آتا ہے باقی رقوم کی تفصیل جو سید محمد احسن صاحب نے بابت سنہ ۱۳۰۶ فصلی جبکہ سید محمد افضل صاحب پیلی بھیت گئے تھے اور اب بابت شروع سنہ ۱۳۱۰ فصلی اپنی بہی سے لکھائی اور وہ شامل مسل ہے، اس کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ اس قرضے میں ایک حبہ قرضہ سید فرحت علی صاحب کے کچھ باقی نہیں سنہ ۱۳۱۰ھ میں سب رقوم جدیدہ ہیں سید فرحت علی صاحب کے سنہ ۱۳۰۶ھ میں الباعلہ لکھے تھے اور بابت سنہ ۱۳۱۰ھ میں صمایہ تحریر ہیں سید محمد احسن صاحب نے اپنی اخیر تحریر میں ذکر فرمایا ہے کہ اب یہ لہ بھی ادا ہوگئے ان کے فقط صما باقی ہیں تو دامودرداس کے سمہ صما اور سید فرحت علی صاحب کے صما جملہ للعہ نکال کر لہ عساعہ ۹ رسید محمد احسن صاحب نے ادا کئے اور یہ قرضہ مشترک تھا تو سید محمد احسن صاحب کا حاصل دعوٰی یہ ہوا کہ اس کا نصف یعنی البالعہ ۹ رکہ سید محمد احسن صاحب نے از جانب سید محمد افضل صاحب ادا کئے ہیں سید محمد افضل صاحب سے ان کو دلائے جائیں قرضہ اگر بابت کھنڈسار مشترک ہوتا تو یہ امر دیکھنا کہ قرضہ مذکور سید محمد احسن صاحب نے کس مال سے ادا کیا اگر آمدنی مشترک کھنڈسار سے ادا ہوا تو کوئی وجہ مطالبہ نہیں کہ مشترک مال سے ادا ہوا اور اب سید محمد احسن صاحب کا وہ بیان مورخہ ۱۲ مئی وارد ہوتا کہ الععالعہ ۱۳ ر نقد آمدنی کھنڈسار اور ہوئے تھے جو قرضہ مشترک کے ادا میں گئے مگر سید محمد احسن صاحب اپنے بیان تحریری میں صاف لکھ چکے ہیں کہ یہ قرضہ سابق میں جبکہ خرچ ان کے یعنی سید محمد افضل صاحب کے تعلق تھا ہوا تھا بابت خرچ خانگی کے جو ان کی بہی سے ثابت ہے اور اخیر تحریر مورخہ ۸ رجون سنہ ۱۹۰۳ء میں لکھا قرضہ سمہ ساعہ میں سمہ صما قرضہ دامودرداس کے ہیں اور سمہ ملعہ ۹ رجو دیگر صاحبان کا متفرق چاہیے یہ بابت خرچ خانگی ہے کھنڈسار جگت پور میں کبھی نقصان نہ ہوا نہ اس کو اس سے کچھ

---

[1] درمختار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۳

8/8

تعلق ہے ان دونوں بیانوں سے صاف روشن ہوا کہ اس قرضہ کو عقد شرکت کے مال یعنی کھنڈسار سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ خانگی ہیں جو قرضہ دونوں صاحبوں پر تھا وہ سید محمد احسن صاحب نے ادا کیا ہے اب اگر اس کی ادا مال مشترک سے ہوئی (جیسا کہ اس بیان اخیر سے پتا چلتا ہے کہ کھنڈسار کسی وقت محتاج قرضہ نہ ہوئی تھی اور یہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس المالعلیہ کا قرضہ کھنڈسار کے ادا میں صرف ہونا غالباً سہو بیان تھا) جب تو ظاہر ہے کہ سید محمد احسن صاحب کو اس قرضہ کی بابت کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا اور اگر فرض ہی کر لیا جائے کہ یہ قرض سید محمد احسن صاحب نے خاص اپنے مال سے خواہ کسی سے قرض لے کر ادا کیا تو یہ ایک قرض ہے کہ ایک بھائی پر آتا تھا دوسرے نے بطور خود ادا کر دیا بھائی کے ساتھ حسن سلوک ہوا اور نیک سلوک پر ثواب کی امید ہے مگر معاوضہ ملنے کا استحقاق نہیں کہ کوئی شخص نیک سلوک و احسان کرکے عوض جبراً نہیں مانگ سکتا ولہٰذا کتابوں میں تصریح ہے کہ جو شخص دوسرے کا قرضہ بے اس کے امر کے ادا کر دے وہ اس سے واپس نہ پائے گا۔ عقود الدریہ جلد ۲ ص ۲۰۷ :

المتبرع لا یرجع بما تبرع به علی غیرہ کما لو قضی دین غیرہ بغیر امرہ ۱؎

غیر پر نیکی کرنے والا نیکی میں دی ہوئی چیز واپس نہ پائیگا جیسے غیر کی طرف سے اس کے امر کے بغیر قرض ادا کر دے۔ (ت)

اسی طرح جامع الفصولین وغیرہ میں ہے، تو ثابت ہوا کہ سید محمد احسن صاحب کو کوئی مطالبہ بابت قرضہ سید محمد افضل صاحب پر نہیں پہنچتا دستاویز و رقعہ کا مطالبہ ہے تو دامودر داس کا ہے اور ان صمار کا نصف ہے تو سید فرحت علی صاحب کا ہے اس میں سید محمد افضل صاحب کو عذر بھی ہے کہ سید فرحت علی صاحب کے پانسو باقی ہیں مجموع اڑھائی سو ہوں گے مگر اس کی تحقیقات کی یہاں ضرورت نہیں یہ دعوی سید محمد احسن صاحب کا نہیں اس میں مدعی ہوں تو سید فرحت علی صاحب ہونگے جن کو اس مقدمہ سے تعلق نہیں۔

(۱۰) سید محمد احسن صاحب نے بقایا ذمہ آسامیان المالعلیہ لکھی ہے جو پہلے براہ سہو المالعلیہ لکھی گئی اور بعد کو اس کی تصحیح فرما دی ہے اس رقم میں بقایا بابت مکان عبدالکریم خاں والا اور بقایا رس جگت پور ذمہ آسامیان اور بقایا توفیر ذمہ آسامیان دیہہ شامل ہے اور اس کی اور تفصیل وہی ہے کہ اس میں اس قدر وصولی یعنی متوقع الوصول اور اس قدر غیر وصولی ہے جس کے وصول کی امید

۱؎ العقود الدریۃ کتاب المداینات ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۴۸

نہیں اور اپنے رقعہ مورخہ ۲۲ ر ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ میں اقرار فرمایا کہ بقایا رسد سے تخمیناً الـعہ کا رسد اور وصول
ہوگیا ہے اور اس تخمینہ کو ان کے مختار عام سید افضال حسین صاحب نے بعد بہت محاسبات کے یوں ظاہر
فرمایا کہ الـعہ کا رسد حقیقتاً وصول ہوا ہے تو اس قدر تو بقایا میں نہ رہا اور اس کا نصف صما للعہ ذمہ
سید محمد احسن صاحب یافتنی سید محمد افضل صاحب اور واجب الادا ہو کر اس وقت تک مجموع رقم ان کے
ذمے الـعہ ۳ ر ۳ پائی ہوئی بقایا رقم الصمالعہ کی نسبت اگرچہ محمد احسن صاحب کی یہ خواہش ہو
کہ کمی وصول کا کچھ کم کر کے باقی کی تنصیف کر دی جائے خواہ دستاویز میں بانٹ دی جائیں خواہ ایک سے دوسرے
کو ان کا معاوضہ دلا کر جملہ بقایا ایک فریق کی کر دی جائے کہ اب کھنڈسار میں شرکت رکھنا منظور نہیں اور سید
محمد افضل صاحب بھی قطعی شرکت پر راضی نہیں مگر تحصیل بقایا سے اپنے آپ کو معذور محض بتاتے ہیں کہ میں
اسامیوں کو جانتا بھی نہیں ہمیشہ کام سید محمد احسن صاحب نے کیا اور اسامیان انھیں کے قبضے میں ہیں
مجھے کچھ وصول نہ ہو سکے گا مگر شرعاً دو دائن مدیون کو تقسیم نہیں کر سکتے نہ غیر مدیون سے دین و تبادلہ ممکن لہٰذا
اس بقایا کو خواہ وصولی ہو یا غیر وصولی بدستور اس کے حال پر چھوڑنا لازم، اور جس فریق کو جس قدر ان
میں سے وصول ہوتا جائے اس کا نصف دوسرے کو ادا کرنا واجب، البتہ اگر کسی مد میں بقایا اس قدر سے کم
ثابت ہو جو سید محمد احسن صاحب نے بتائی ہے تو ظاہر ہوگا کہ اس قدر اور ان کو وصول ہوگیا تھا لہٰذا اس
کمی کا نصف بھی سید محمد افضل صاحب ادا کرنا ان کے ذمے لازم ہوگا سید محمد احسن صاحب نے بقایا بابت رسد
ذمہ اسامیان جگت پور الـعہ ۲ ر لکھائی ہے کہ الـعہ بعد کو وصول ہو کر سماہی لعہ رہے بعد کو
یہ عذر کہ اس میں سہو ہوا ان میں لعہ بابت خرید جائداد نیلام ہیں باقی اس جگت پور کے ہیں قابل رقم
نہیں کہ وہ کاغذ حلفی تھا اور یہ رقم خرید نیلام ایک غیر وصولی رقم ہے جسے سید محمد احسن صاحب غیر وصولی
نقصان میں ڈال چکے ہیں اور کوئی اقرار کنندہ آئندہ اپنے اقرار میں اپنی مفید غلطی و سہو بتانے کا مجاز نہیں
خصوصاً اس حالت میں کہ یہ غلطی انھوں نے تقریباً دو مہینے بعد ظاہر کی حلفی کاغذ ۱۶ ر ذی الحجہ کو پیش
کیا تھا اور یہ غلطی ۸ ر صفر کو بتائی ہے مع ہذا خود ان کی بہی کے ملاحظہ سے ظاہر ہوا کہ یہ رقم اس میں بھی سہو
ہوتی رہی بعد کو بڑھائی گئی ہے جو اوپر لکھے ہوئے جوڑ سے بڑھتی ہے اور اس کی تحریر بھی صاف جدا قلم و
سیاہی سے نظر آتی ہے ۱۳۰۸ف اور ۱۳۰۹ف کا جمع خرچ بھی سید محمد احسن صاحب کے ملاحظہ سے یہ امر
ظاہر ہے لہٰذا کسی طرح یہ استثناء قابل قبول نہیں اسی قطع شرکت کی غرض سے فریقین نے یہ بھی چاہا کہ
کھنڈسار جگت پور کے کڑھاؤ (جس میں سید محمد افضل صاحب نے نو بیان کیا تھا اور سید محمد احسن صاحب
نے سات تسلیم کئے) قیمت لگا کر ایک فریق کو دلا دیئے جائیں سید محمد احسن صاحب نے ان کی مجموعی قیمت

لعہ تجویز کی اور لکھا کہ سید محمد افضل صاحب اس قدر قیمت میں خود لے لیں یا ہم کو دے دیں۔ سید محمد افضل صاحب نے خود لینا پسند کیا پس حصہ سید محمد احسن صاحب کے صلعہ ان کی یافتنی مذکور سے کم ہو کر الماعہ ۲ر۳ ۳/۷ پائی ان کے لئے محمد احسن صاحب پر رہے اور کڑھاؤ ساتوں سید محمد افضل صاحب کے ہوئے لہذا حسب ذیل حکم ہوا :

(۱) جملہ مکانات متنازعہ میں سید افضال حسین صاحب کا دعوٰی نہیں۔

(۲) مکان مسکونہ نمبر ۱ میں سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق نہیں۔

(۳) مکان نمبر ۳ کے تین ربع مبیع سے نصف ملک سید محمد افضل صاحب اور ایک ربع مرہون سے نصف ان کا مرہون ہے۔

(۴) مکان نمبر ۴ عبدالکریم خاں والا بالمناصفہ سید محمد افضل و محمد احسن صاحبان کے مرتہنی میں ہے۔

(۵) مکان نمبر ۵ احمد حسین خاں والا خالص ملک سید محمد احسن صاحب قرار پایا اس میں سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق نہ رہا۔

(۶) مکان نمبر ۶ محمد بخش والا خالص ملک سید محمد افضل صاحب قرار پایا اس میں سید محمد احسن صاحب کا کوئی حق نہ رہا۔

(۷) اثاث البیت میں کسی فریق کا دوسرے پر دعوٰی نہ رہا۔

(۸) بقایا بدیں تفصیل بابت رس ذمہ اسامیان جگت پور سماعہ ۲ ؍، بابت توفیر ذمہ اسامیان دیہہ لغایۃ ۹۰ ف مالعہ، بقایا بابت مان پور و پرسا کھیڑا مالعہ ۱۲ ؍، مطالبہ مرتہنان بابت مکان مرہون عبدالکریم خان والا ۱ سماعہ ۱ ؍ مجموع اصالعہ آخر ۱۳۰۹ ف تک سید محمد افضل صاحب و سید محمد احسن صاحب کے بالمناصفہ ہیں ان میں جو کچھ جس فریق کو وصول ہوا اس کا نصف دوسرے کو ادا کرے اگر کسی مد میں اس مقدار سے کمی ظاہر ہو تو سید محمد احسن صاحب پر لازم ہوگا کہ اس کمی کا نصف سید محمد افضل صاحب کو ادا کریں۔

(۹) کھنڈسار جگت پور میں شروع ۱۳۰۰ سے سید محمد افضل صاحب کی شرکت رہی اس کے ساتوں کڑھاؤ سید محمد افضل صاحب کے قرار پائے سید محمد احسن صاحب وہ ساتوں کڑھاؤ سید محمد افضل صاحب کے مکان پر پہنچوادیں، سید محمد افضل صاحب کرایہ و باربرداری ادا کرینگے۔

(۱۰) قرضہ دامودر داس بابت دستاویز ہمعہ واقعہ صدر دونوں فریق سید محمد افضل و سید محمد احسن صاحبان پر نصف نصف ہے اس کی وجہ سے جو کچھ بار یا مطالبہ آئے گا دونوں فریق پر بحصہ مساوی

ہوگا شروع ۱۳۰۶ھ تک جبکہ سید محمد افضل صاحب پیلی بھیت گئے ہیں جو رقم سید فرحت علی صاحب کی یافتنی ذمہ فریقین تھی اس میں سے بعد ادا آخر ۱۳۰۹ھ تک جو کچھ باقی رہا جو حسب بیان سید محمد احسن صاحب مجموع صمار روپے اور حسب بیان سید محمد افضل صاحب مجموع دوسو ما/ یا ڈھائی سو ما/ ھ یہ قرضہ بھی پانسو کی مقدار تک جتنا ثابت ہو سید محمد افضل و سید محمد احسن صاحبان پر نصفا نصف ہے ان تینوں مدات مذکورہ کے سوا باقی قرضے سے فریقین بری ہیں۔

(۱۱) آخر ۱۳۰۹ھ تک بابت جملہ حساب کتاب فریقین میں ایک کے دوسرے پر یافتنی محسوب و مجرا ہوکر ایک ہزار سات سو اٹھانوے روپے دو آنے تین پائی اور ایک پائی کے آٹھ حصوں سے تین حصے سید محمد احسن صاحب پر سید محمد افضل کے یافتنی نکلے یہ سید محمد احسن صاحب رقم مذکور ان سید محمد افضل صاحب کو ادا کریں ۱۳۱۰ فصلی کا حساب بابت توفیر دیہہ علیحدہ ہے فقط

۹ ربیع الاول شریف ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۶ جون ۱۹۰۳ء

مسئلہ ۶۷ ازپیلی بھیت محلہ بھورے خاں مرسلہ امیر حسن خان صاحب ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اسلام و شرع متین اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ مسمی حافظ محمد میر خان نے منجملہ ۱۰ بسوہ ۱۳ بسوانسی ۶ کچوانسی ۱۳ انوانسی ۷ ننوانسی کے ۵ بسوہ حقیت زمینداری موضع منڈریا پرگنہ پیلی بھیت و ایک منزل مکان مسکونہ واقع پیلی بھیت قیمتی [illegible] اپنی زوجہ مسماۃ اشرف بیگم کو بالعوض دین مہر تعدادی ۵۰۰۰ روپے کے دے کر داخل خارج کرا کر قبضہ مستقل دے دیا اس کے بعد محمد میر خاں ساڑھے چار برس زندہ رہے بعد انتقال محمد میر خاں کے جو ۵ بسوہ ۱۳ بسوانسی ۶ کچوانسی ۱۳ انوانسی ۷ ننوانسی و دیگر جائداد معافیات وغیرہا جو بنام محمد میر خاں کے تھی اس میں سے حق چہارم مسماۃ اشرف بیگم کو ملا اور بقیہ ورثائے محمد میر خاں پر تقسیم ہوگئی مسماۃ اشرف بیگم کل جائداد مذکورہ بالا پر ساڑھے انیس برس مالکانہ قابض و دخیل رہی بعد اس کے جائداد مذکور کو مسماۃ مذکور نے مختلف ایام میں اپنی حیات میں بدست امیر حسن خاں بالعوض مبلغ [illegible] روپے کے فروخت کرکے داخل خارج وغیرہ اپنی موجودگی میں بنام امیر حسن خاں کرا دیا وقت بیع سے اس وقت تک امیر حسن خاں مشتری برابر قابض و دخیل ہے تحریر بیعنامہ سے ایک سال تک مسماۃ زندہ رہی اب انتقال مسماۃ کو عرصہ ڈیڑھ برس کا ہوا جس وقت مسماۃ نے جائداد بیع کی تھی اس وقت وارثان محمد میر خاں عاقل و بالغ تھے اور اسی محلہ کے ساکن بلکہ قریب مکان مبیعہ کے سکونت رکھتے تھے اور رکھتے ہیں اور جس وقت داخل خارج بنام امیر حسن خاں مسماۃ نے کرایا تو اس کے اشتہار وغیرہ موضع میں آویزاں کئے گئے اور اسی موضع میں وارثان محمد میر خاں

کی حیثیت علیحدہ تھی اور اب ہے کوئی عذر کسی قسم کا نہیں کیا بعد اس کے امیر حسن خاں نے ۵ بسوانسی منجملہ ۵ بسوہ خرید کردہ اپنے کے ایک مسجد کے نام وقف کردیں کسی نے کوئی عذر نہیں کیا ان سب کارروائیوں سے وارثان محمد میر خاں بخوبی آگاہ اور واقف تھے اب وارثان محمد میر خاں نے دعوٰی کیا ہے کہ یہ جائداد بالعوض دین مہر کے دی گئی مگر حین حیات یعنی مسماۃ اپنی حیات تک اس کی مالک تھی اور بعد وفات مسماۃ کے جائداد مذکور بالا وارثان محمد میر خاں کو پہنچی، آیا اس حالت میں یہ جائداد ورثائے شوہر مسماۃ کو شرعاً واپس ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں وُہ جائداد ہرگز ورثائے شوہر کو واپس نہیں ہوسکتی، نہ ان کا دعوٰی اصلاً سنا جائے گا کہ وُہ صریح حیلہ وفریب ہے اور بعوض دین مہر جو کچھ جائداد دی جائے وہ بیع ہے اور بیع کا مشتری کے حین حیات تک ہونا کیا معنی، یہ محض مہمل و بیہودہ عذر ہے، فتاوٰی خیریہ میں ہے،

قال صاحب المنظومۃ اتفق اساتیذنا علی انہ لاتسمع دعواہ ویجعل سکوتہ رضی للبیع قطعاللتزویر والاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترك المنازعۃ اقرار بانہ ملك البائع، وقال فی جامع الفتاوی وذکر فی منیۃ الفقہاء ای غیرہ یبیع عروضا فقبضہا المشتری وھو ساکت وترك منازعتہ فھو اقرار منہ بانہ ملك البائع انتہی[1]۔

واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

صاحبِ منظومہ نے فرمایا ہمارے اساتذہ کا اتفاق ہے کہ اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا اور اس کے سکوت کو بیع پر رضامندی قرار دیا جائے گا تاکہ جعل سازی اور لالچ، دھوکہ دہی اور حیلے ختم کئے جاسکیں اور اس کی موجودگی اور منازعت نہ کرنا اس بات کا اقرار قرار دیا جائے گا کہ یہ بائع کی ملکیت تھا، اور جامع الفتاوٰی میں فرمایا اور منیۃ الفقہاء میں مذکور ہے کہ ایک شخص دوسرے کو سامان فروخت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہو تو مشتری کے قبضہ کرنے پر وہ خاموش رہا اور منازعت نہ کی تو وہ اس بات کا اقرار ہے کہ یہ بائع کی ملکیت ہے اھ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۸

۱۳ رجمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو میں باہم نزاع تھی دونوں نے برضائے خود پنچایت کی پنچوں نے فیصلہ کردیا مگر انگریزی طور پر اس کا نفاذ نہ ہوا فریقین پھر تنازعہ کرتے رہے دوبارہ پھر پنچایت برضائے فریقین ہوئی نفاذ اس کا بھی قانونی طور پر نہ ہوا تھا لہٰذا فریقین کو گنجائش انحراف رہی یہاں تک کہ

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/۸۸-۸۷

نوبت کچہری میں نالش کی پہنچی اب پھر سہ بارہ پنچایت قرار پائی اس صورت میں ان پنچوں کو اگلے فیصلوں کی نسبت کیا کرنا چاہئے انھیں بحال رکھیں یا وہ منسوخ ہوگئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

کسی کو پنچ کرکے جب تک وہ فیصلہ نہ کرے ہر فریق کو اس کی پنچایت سے عدول کا اختیار رہتا ہے مگر جب اس نے حکم کردیا اب وہ فریقین کو لازم ہوگیا اس سے پھرنے کا دونوں میں سے کسی کو اختیار نہیں ہوتا قانونی نفاذ ہونا کچھ ضرور نہیں تو صرف بربنائے انحراف فریقین وہ فیصلے منسوخ نہیں ہوسکتے ان پنچوں کو چاہئے ان فیصلوں کو دیکھیں ان میں جو فیصلہ مطابق شریعت موافق مذہب حنفی ہو، پنچوں پر لازم ہے کہ اسے نافذ کریں بحال رکھیں کہ موافق شرع کا خلاف مخالف شرع ہوگا اور مخالف شرع فیصلہ دینے کا کسی کو اختیار نہیں، اور اگر اگلے دونوں فیصلے خلافِ شرع خلافِ مذہب تھے تو پنچوں پر لازم ہے کہ انھیں باطل کرکے موافقِ شرع فیصلہ کریں،

فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار ینقض احدھما بنقض التحکیم بعد وقوعہ (قبل الحکم فان حکم لزمھما ولا یبطل حکمہ بعزلھما لصدورہ عن ولایۃ شرعیۃ[1] اھ ملتقطا وفی رد المحتار عن بحر الرائق لو رفع حکمہ الی حکم اخر حکماہ بعد فالثانی کالقاضی یمضیہ ان وافق رأیہ والا ابطلہ[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ ثالث کے فیصلہ سے قبل فریقین میں سے ہر ایک کو ثالثی ختم کرنے کا اختیار ہے اور ثالث نے فیصلہ سنا دیا تو دونوں فریقوں پر لازم ہوجائیگا اور اب وہ حکم فریقین کے کالعدم کرنے سے باطل نہ ہوگا کیونکہ وہ فیصلہ شرعی ولایت کی بنیاد پر صادر ہوا ہے اھ ملتقطاً، اور ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ اگر فریقین ثالثی فیصلہ کو بعد میں اپنے بنائے ہوئے کسی دوسرے ثالث کے پاس پیش کریں تو وہ اس فیصلہ کو نافذ کرنے میں قاضی کی طرح ہوگا اگر اس کی رائے کے موافق ہو تو نافذ کردے ورنہ باطل کردے اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲
ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۸

[2] " " " " " " " " ۴/ ۵۰-۳۴۹

مسئلہ ۶۹ از جالندھر محلہ راستہ دروازہ پھگواڑہ مرسلہ محمد احمد صاحب ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی آبادی سے سالہا پہلے عمرو کے گھر کا تمام برساتی پانی اور روزمرہ کا پانی چلا آیا ہے جب زید نے اس حویلی کو خریدا اور ازسرِنو بنائی تو زید نے اپنے گھر میں سے عمرو کے پانی گزرنے کا حق ثابت کرکے اپنی دیوار میں ایک بدرو رکھ کر اپنے گھر کے صحن میں ایک پختہ نالی بنا کر اس میں اپنا تمام پانی اور عمرو کے گھر کا تمام پانی ڈال کر باہر کو نکال دی جس کو عرصہ ۳۴ سال کا ہوچکا ہے کہ عمرو کے گھر کا ہر ایک قسم کا پانی مثل دستورِ سابقہ زید کے گھر سے گزر کر شارع عام میں جا گرتا ہے، زید کی وفات کے بارہ سال بعد ماشکیوں کے بے وقت پانی دینے کی وجہ سے عمرو نے اپنے گھر میں ایک کنواں لگوالیا ہے اب زید متوفی کی زوجہ سوائے برساتی پانی کے روزمرہ کے پانی کو بند کرتی ہے اور عمرو کی طرف سے پانی نکلنے کو کوئی راستہ نہیں بجز زید کی طرف سے، اور یہ بھی واضح ہو کہ زید نے حسن سلوک کی وجہ سے عمرو کا پانی اپنے گھر میں جاری نہیں کیا بلکہ استحقاق پہلا ثابت کرکے عمرو کا پانی اپنے گھر میں جاری رکھا ہے، اب علمائے کرام سے دریافت کیا جاتا ہے کہ حسبِ شریعت صورت مندرجہ بالا میں عمرو کو اپنے گھر کا پانی گزارنا زید متوفی کے گھر سے بلا رضامندی زوجہ زید متوفی کے جائز ہے یا نہیں؟ اور زید متوفی کی زوجہ بوجوہات بالا عمرو کے پانی کو شرعیۃً بند کرسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا بالصواب جزاکم اللہ تعالٰی یوم الحساب۔

الجواب

اگر صورت واقعہ یہی ہے کہ عمرو کا ہر قسم کا پانی بارانی وغیر بارانی بالاستحقاق مکان زید سے گزر کر جاتا ہے تو زوجہ زید کو عمرو کے کسی پانی کو روکنے کا ہرگز اختیار نہیں لان الحق لایرد والمسیل لایُسد (کیونکہ حق رَد نہیں ہوسکتا اور پانی کے بہاؤ کو روکا نہیں جاسکتا۔ ت) یہاں زوجہ زید کو بھی عمرو کے مطلق استحقاق سے انکار نہیں، نزاع اس میں ہے کہ برسات کے سوا روزمرہ کے پانی بہانے کا بھی عمرو کو حق ہے یا نہیں، اس کے لئے زمین عمرو کا ڈھال مکانِ زید کی طرف ہونا مکانِ زید میں عمرو کی طرف سے آنیوالے پانی کے لئے بدرو ہونا اس کے ثبوت کو کافی نہیں کہ یہ استحقاق ہر قسم کے پانی کو عام ہے بلکہ اس کا ثبوت صرف تین طور پر ہے یا تو وارثانِ زید اقرار کریں کہ واقعی عمرو کو استحقاق عام حاصل ہے یا عمرو گواہان عادل سے اپنا عموم استحقاق ثابت کرادے یعنی گواہ شہادت دیں کہ عمرو کو ہر قسم کے پانی بہانے کا حق اس مکان میں حاصل ہے یا گواہی دیں کہ زید یا وارثانِ زید نے اس کے عموم استحقاق کا ہمارے سامنے اقرار کیا اور اگر فقط اتنی ہی گواہی دیں گے کہ ہم نے مدتوں سے عمرو کا ہر قسم کا مکانِ زید میں جاتے دیکھا تو اس سے کچھ ثبوت نہ ہوگا، لانہ لایدل علی الاستحقاق لجواز ان یہ استحقاق پر دلالت نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زید کی

يكون برضا زيد ان يتصرف عمرو في حق زيد من دون ان يكون لعمرو فيه حق يجبر عليه۔

مرضی سے عمرو نے اس کے حق میں تصرف کیا ہو اور وہ عمرو کی ملک نہ ہو جس پر مجبور کیا جاسکے۔ (ت)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو زوجہ زید سے قسم لی جائے کہ عمرو کو غیر بارانی پانی اس مکانِ زید میں بہانے کا حق نہیں اگر وہ قسم کھانے سے حاکم کے حضور انکار کرے گی عمرو کا حق ثابت ہو جائے گا۔

في الهندية ادعى على اٰخر حق المرور و رقبة الطريق في داره فالقول قول صاحب الدار ولو اقام المدعي البينة انه كان يمر في هذه الدار لم يستحق بهذا شيئا كذا في الخلاصة[1] فان اقام البينة على ان له حق المسيل وبينوا انه لماء المطر من هذا الميزاب فهو لماء المطر وليس له ان يسيل ماء الاغتسال والوضوء فيه وان بينوا انه لماء الاغتسال والوضوء فهو كذلك وليس له ان يسيل ماء المطر فيه وان قالوا له فيها حق مسيل ماء ولم يبينوا الماء المطر اوغيره صح والقول لرب الدار مع يمينه انه لماء المطر اولماء الوضوء والغسالة كذا في محيط السرخسي[2] و لولم تكن للمدعي بينة اصلا استحلف صاحب الدار ويقضي فيه بالنكول كذا في الحاوي[3] ولو اراد اهل الدار ان يبنوا حائطا ليسدوا مسيله لم يكن لهم ذٰلك كذا في البدائع[4] اهـ ملتقطا والله تعالٰی اعلم۔

ہندیہ میں ہے ایک شخص نے دُوسرے پر دعوٰی کیا کہ مجھے یہاں سے گزرنے کا حق ہے حالانکہ راستہ مدعی علیہ کی حویلی میں ہے تو حویلی والے کی بات معتبر ہوگی اور اگر مدعی یہ گواہی بھی پیش کر دے کہ وہ یہاں سے گزرتا تھا تو اس کا حق ثابت نہ ہوگا خلاصہ میں یوں ہے اگر وہ گواہی پیش کر دے کہ مجھے یہاں سے پانی بہالیجانے کا حق ہے تو گواہوں نے اگر کہا کہ اس پرنالہ سے بارش کا پانی یہاں بہتا ہے تو صرف بارش کا ثابت ہوگا اس کو غسل و وضو کا پانی وہاں بہالیجانے کا حق نہ ہوگا اور اگر گواہوں نے غسل و وضو کے پانی کے متعلق بیان کیا تو بارش کا پانی گزارنے کا حق نہ ہوگا اور اگر انھوں نے مطلقاً پانی بہنے کی بات کی ہو بارش یا غسل وغیرہ کا ذکر نہ کیا تو بیان صحیح ہوگا جبکہ اس صورت میں حویلی والے کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی کہ وہ پانی بارش کا ہے یا غسالہ کا پانی ہے جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے، اگر مدعی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو حویلی والے سے قسم لی جائیگی اور اگر وہ قسم سے انکار کرے تو اس پر فیصلہ دیا جائیگا، حاوی میں یوں ہے' اگر حویلی والے چاہیں کہ پانی روکنے کے لئے دیوار بنادیں تو ان کو یہ اختیار نہ ہوگا، بدائع میں یوں ہے اھ ملتقطاً، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] تا [3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴
[4] " " " " " " ۴/ ۱۰۶

مسئلہ از ریاست رام پور متصل مسجد جامع مرسلہ بیچے خان ۱۴ ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تخمیناً تین سال کا ہوا کہ مسمی زید نے چند قطعہ مکانات واقع شہر رام پور بنام مسماۃ ہندہ زوجہ خود بعوض دین مہر بیع کرکے بیعنامہ بنام ہندہ تحریر کر دیا اور حسب قاعدہ رجسٹری کرادی اور قبضہ بھی مکانات پر ہندہ کا کرادیا اور زید خود ایک موضع میں رہنے لگا بعد ازاں زید کی زوجہ متوفیہ اولٰے کے بطن سے جو اولاد ہے اس نے بابت حق وحصہ شرعی منجملہ دین مہر یافتنی والدہ خود ذمگی زید کے زید پر کچہری میں نالش کرکے کچہری سے ڈگری حاصل کی اور ڈگری مذکور جاری کراکے صیغہ اجرائے ڈگری میں مکانات مذکورہ کو قرق کرایا، قاعدہ مروجہ کچہری یہ ہے کہ اگر کوئی جائداد صیغہ اجراء ڈگری میں قرق کی جائے اور کوئی شخص بربنائے قبضہ مستقلانہ اس کی بابت عذر کرے تو بشرط ثبوت قبضہ مستقلانہ عذر دار کی وہ جائداد قرقی سے واگزاشت ہوجاتی ہے، اب مسماۃ ہندہ نے نسبت قرقی مکانات اپنے کے کچہری میں عذر داری کی کہ یہ مکانات مملوکہ ومقبوضہ میرے ہیں، قرقی سے واگزاشت فرمائے جائیں ثبوت میں بیعنامہ اقراری زید اور بہت سے گواہان پیش کئے کہ جن کی شہادت سے مالک وقابض ہونا ہندہ کا بموجب بیعنامہ بذریعہ سکونت ومرمت مکانات و وصول کرایہ اور حسب اقرار زید کے ثابت ہے۔ سوالات جرح میں گواہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ زید گاؤں میں رہتا ہے، کبھی کبھی رام پور میں آتا ہے تو اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ اور اپنی اولاد کے پاس انھیں مکانات میں ٹھہرتا ہے دو چار روز رہ کر پھر گاؤں کو چلاجاتا ہے ڈگری داران حجت پیش کرتے ہیں کہ حسب روایات فقہ مندرجہ ذیل قبضہ ہندہ کا نہیں ہے شرعاً زوجہ مع متاع خود بقبضہ شوہر ہے لہذا مکانات بھی مقبوضہ شوہر ہیں

روایات

لان المرأۃ ومافی یدھا فی ید الزوج[1] ۱۲ بحرالرائق۔ وفی الاشباہ ھبۃ المشغول لایجوز الا اذا وھب الاب لطفلہ[2] قلت وکذا الدار المعارۃ والتی وھبتھا لزوجھا علی المذھب لان المرأۃ و متاعھا فی ید الزوج فصحت التسلیم

کیونکہ عورت اور اس کے زیر قبضہ تمام خاوند کے قبضہ میں ہے، بحرالرائق۔ اور اشباہ میں ہے کہ مشغول چیز کا ہبہ ناجائز ہے مگر وہ کہ والد نے نابالغ لڑکے کے لئے کیا ہو، اور میں کہتا ہوں یوں ہی جب مکان عاریتاً ہو اور وہ مکان جو بیوی نے خاوند کو ہبہ کیا ہو، یہ مذہب ہے کیونکہ عورت اور سامان خاوند کے قبضہ میں ہے تو ہبہ پر قبضہ صحیح ہوجائیگا،

---

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی باب التحالف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۲۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الھبۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۴۰

اذا وھب لرجل دارا والواھب ساکن فیھا لا تصح الھبۃ بخلاف ما اذا وھبت الزوجۃ لزوجھا وھی ساکنۃ فیھا لانھا و ما فی یدھا فی یدہٖ[1] ۱۲ خزانۃ۔

اور جب ایک شخص نے اپنا مکان دوسرے کو ہبہ کیا حالانکہ واہب خود اس میں رہائش پذیر ہے تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا بخلاف جبکہ عورت اپنا رہائشی مکان خاوند کو ہبہ کرے تو صحیح ہے کیونکہ خود عورت اور اس کا سامان خاوند کے قبضہ میں ہے ۱۲ خزانہ (ت)

کیا روایات مذکورہ صورت مقدمہ مذکورہ سے متعلق ہیں اور از روئے روایات مذکورہ مکانات مقبوضہ ہندہ نہیں متصور ہوں گے؟ یا روایات مذکورہ معاملہ ہبہ سے متعلق ہیں جس میں قبضہ ضرور ہے اور اسی صورت سے متعلق ہیں کہ جہاں کوئی شہادت قبضہ کی نہ گزرے اس مقدمہ میں بیعنامہ اقراری شوہر اور شہادت قبضہ زوجہ زید کی موجود ہے، تو روایات مذکورہ اس مقدمہ سے غیر متعلق ہیں یا کیا؟ جوابات بحوالہ روایات معتبرہ تحریر فرمائیے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں مکانات مملوکہ ہندہ کا واگزاشت کرنا حاکم پر واجب ہے اور ان کا نیلام سخت حرام، ڈگری داروں کی حجت محض باطل وصریح جہالت،

اوّلاً جب بیع بنام ہندہ گواہوں سے ثابت ہے تو ملک ہندہ ثابت ہے اور قبضے کی بحث سرے سے لغو وبے معنی کہ بیع صحیح میں قبضہ شرط ملک نہیں نفس عقد سے شئے ملک بائع سے نکل کر ملک مشتری میں داخل ہوجاتی ہے اذا لم یکن توقف ولا خیار (جب بیع میں اختیار اور وقف نہ ہو ت) یہ تو صراحۃً بیعنامہ لبعوض مہر تھا اگر ہبہ نامہ لبعوض مہر ہوتا جب بھی قبضے کی اصلاً حاجت نہ تھی حالانکہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا اور وجہ یہ کہ ہبہ بالعوض (نہ لبشرط العوض) اگرچہ صورۃً واسماً ہبہ ہے مگر نظراً بمعنی حقیقۃً وحکماً بیع ہے تو محتاج قبضہ نہیں۔ درمختار میں ہے:

الھبۃ بشرط العوض المعین ھبۃ ابتداء فیشترط التقابض فی العوضین و یبطل بالشیوع بیع انتھاء فترد بالعیب وخیار الرؤیۃ و توخذ

معین چیز کے عوض ہبہ ابتداءً ہبہ ہے اس لئے عوضین میں قبضہ شرط ہے اور غیر منقسم ہوجانے پر باطل ہوجائے گا اور یہ لبشرط العوض ہبہ انتہاءً بیع ہے اس لئے عیب اور خیار الرؤیۃ کی بناء پر واپس

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الہبہ قلمی نسخہ ۲/۱۵۳

بالشفعة هذا اذا قال وهبتك على ان تعوضنی کذا امالو قال وهبتك بکذا فهو بیع ابتداء وانتهاء[1] اھ اختصار۔

ہو سکتا ہے اور شفعہ کے دعوٰی پر لیا جاسکتا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ ہبہ دینے والا، کہے، یہ چیز میں تمھیں فلاں چیز کے عوض ہبہ کرتا ہوں اور اس نے اگر یوں کہا ہو کہ میں تجھے ہبہ کرتا ہوں تو یہ ابتداءً وانتہاءً بیع ہے اھ اختصار (ت)

ثانیًا اگر بفرض باطل قبضہ کی حاجت بھی ہو تو جبکہ شہادت شرعیہ کافیہ سے قبضہ ہندہ رنگ ثبوت پائے اس پر ان عبارات سے ایراد محض جہل وعناد، مستدلوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ علماء مافی یدھا فی یدہ فرمارہے ہیں یعنی جو کچھ عورت کے قبضے میں ہے وُہ ازانجا کہ عورت خود قبضۂ شوہر میں ہے بالواسطہ قبضۂ شوہر میں ہے کہ مقبوض المقبوض مقبوض اس میں صراحۃً قبضہ زن کا اثبات اور اسی کے ذریعہ سے قبضۂ شوہر کا قرار داد ہے نہ کہ قبضۂ زن کی راسًا نفی۔ علماء نے مافی یدھا فرمایا ہے نہ کہ لیس فی یدھا۔

ثالثًا ایسا ہو تو خود قبضۂ شوہر بھی منتفی ہوجائے گا اور کلام اپنے مقصود پر نقض کرتا پلٹ آئے گا کہ قبضۂ شوہر بواسطہ قبضۂ زن مانا تھا بقیاس مساوات کے قابض القابض قابض جب سرے سے قبضۂ زن منفی ہوجائیگا قبضۂ شوہر کہ اس کے واسطے سے تھا کہاں سے آئے گا ھل ھذا الاجھل مبین (یہ کُھلی جہالت ہے۔ ت) تو خود یہی روایات کہ ڈگری داروں نے پیش کیں ان کا صریح رَد ہیں۔

رابعًا کلام علماء باب حدیث انت ومالك لابیك[2] سے ہے جیسے بیٹے کے لئے ارشاد ہوا کہ وہ اس کا مال سب اس کے باپ کا ہے کوئی عاقل اس سے یہ وہم نہیں کرسکتا کہ بیٹے کی ملک کی نفی فرمائی ہے ایسا ہو تو باپ بیٹے کا وارث نہ ہوسکے، اور آیۂ کریمہ لابویہ لکل منھما السدس[3] (اور میت کے ماں باپ ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا۔ ت) کا معاذ اللہ صاف انکار لازم آئے کہ ارث ترکۂ مورث میں جاری ہوگی اور ترکہ مثبت ملک جب ملک منتفی تو ارث کہاں، یونہی علماء کے اس کلام سے کہ زن ومقبوضات زن سب مقبوض شوہر ہیں قبضۂ زن کے نفی کی طرف کسی ذی عقل کا گمان نہیں جاسکتا بلکہ وہ حقیقی بالذات ہے اور یہ حکمی بالواسطہ۔

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۰۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

خامساً اگر ان عبارات کا یہی مطلب باطل قرار دیا جائے کہ عورت کا قبضہ سرے سے معدوم ہے اس کا ہاتھ شرعاً ہاتھ نہیں جیسے صبی لایعقل کا ہاتھ، تو تمام کتب مذہب متون و شروح و فتاوٰی سب کے اجماعی مسائل مردود و باطل ہوجائیں، کتبِ مذہب کا اجماع قطعی ہے کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا نیز اجماع قطعی ہے کہ زوجیت مانع رجوع ہے شوہر نے اگر اپنی زوجہ کو کوئی شئی ہبہ کی اور قبضہ کرادیا کہ تکمیل ہوگئی، اب اسے رجوع کا اختیار نہیں، مذہب کی جو کتاب اٹھا لیجئے اس میں ان دونوں مسئلوں کی تصریح پائیے مگر اس مطلب باطل کی تقدیر پر ان دونوں میں ایک مسئلہ ضرور باطل ہے کہ جب عورت کا قبضہ شرعاً قبضہ ہی نہیں بلکہ اس کے شوہر ہی کا قبضہ ہے تو اب وُہ چیز جو شوہر نے ہبہ کرکے اس کے قبضہ میں دی ہبہ تمام اور عورت مالک ہوئی یا نہیں، اگر کہئے ہُوئی تو پہلا مسئلہ باطل ہوا کہ یہ ہبہ بے قبضہ تمام و کامل ہوگیا اور اگر کہئے نہ، تو دوسرا مسئلہ باطل ہوگیا کہ جب عورت کے لئے ہبہ ہو ہی نہیں سکتا تو رجوع ناجائز ماننا کیا معنی، غرض یہ ایسی بدیہی البطلان بات ہے جسے کوئی جاہل بھی گوارا نہ کرسکے، اور یہیں سے واضح ہوا کہ عبارات مذکورہ سوال کو صورت بیع سے متعلق ہونا درکنار وہ مطلقاً ہر صورت ہبہ سے بھی متعلق نہیں، آخر نہ دیکھا کہ ہبۂ شوہر برائے زن میں ان کا اجراء محض باطل ہے بلکہ وہ صرف ہبۂ زن برائے شوہر میں ہیں کہ یہاں موہوب کا متاع زن سے مشغول ہونا مانع تمام نہیں ہے کہ یہ شغل مانع قبضۂ شوہر نہیں کہ زن و متاع زن سب مقبوض شوہر ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ مرسلہ لال محمد صاحب احسن منزل مرزاپور ۲۶ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس اس کے مکان میں ہندہ عرصہ چالیس سال سے ہے زید نے لاولد ہندہ کو اپنے مکان میں چھوڑ کر وفات پائی اور اپنے زمانۂ حیات میں زید نے بذریعہ چند دستاویزات کے ہندہ کو اپنی زوجہ منکوحہ لکھا ہے اور اپنے جملہ جائداد میں سے بعض جائداد ایک جزو دین مہر کے دیا بھی ہے اب ہندہ کے دعوٰی زوجیت کے لئے بمقابلہ زید متوفی کے دوسرے شرعی ورثا کے جو منکر زوجیت ہندہ کے ہیں زید کی تحریر و تسلیم زوجیت ہندہ جو بذریعہ اس کے دستاویزات رجسٹری شدہ کے ہوئے، اگر ہندہ کو اپنے نکاح کے شہود وغیرہ نہ ملیں شرعاً ثبوت کافی ہے یا نہیں، اور ہندہ اس جائداد کے پانے کی جو زید نے اس کو بعوض ایک جزو دین مہر کے دی اور باقی حصہ دین مہر کے پانے کی باقی متروکہ زید سے مستحق ہے یا نہیں، اور زید کے متروکہ سے وراثتاً کس قدر حصہ ہندہ کا ہے؟ بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب

اگران دستاویزوں پر گواہ شرعی موجود ہیں کہ ہمارے سامنے زید نے لکھوائیں اور ہندہ کو اپنی زوجہ بتایا کہ ہمارے سامنے جز جائداد ہندہ کو مہر میں دیا تھا اقرار زید کے گواہ ہوں کہ وہ ہندہ کو اپنی زوجہ کہتا تھا یا کچھ نہ سہی وہ لوگ جو اس مدت مدید تک زید و ہندہ کو باہم ایک مکان میں مثل زن وشوہر رہتے دیکھا کئے اور وہ اس بنا پر شہادتِ شرعیہ دیں کہ ہندہ زوجۂ زید ہے یا عام طور پر ہندہ کا زوجۂ زید ہونا مشہور ہو بعض شاہدان شرعی اسی شہرت کے اعتماد پر زوجیت ہندہ کی گواہی دیں تو زوجیت ثابت ہو جائیگی اور خاص گواہان نکاح پیش ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہندہ اپنا مہر وحصہ پانے کی مستحق ہوگی اور اس کا حصہ بعد ادائے مہر و دیگر دیون و وصایا چہارم متروکہ ہے اور اگران صورتوں میں کچھ نہ پائی جائے تو نری دستاویزیں اگرچہ ہزار رجسٹری شدہ ہوں بے شہادت معتبرہ کے کوئی چیز نہیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

ادعت نکاحہ فشہد احدھما انہا امرأتہ والاٰخر انہا کانت امرأتہ تقبل وکذا لوشہد احدھما انہ اقر انہا امرأتہ والاٰخر انہ اقر انہا کانت امرأتہ لان الشہادۃ باقرارہ بنکاح کان شہادۃ باقرارہ بنکاح حالی۔[1]

عورت نے ایک مرد پر اپنے نکاح کا دعوٰی کیا، ایک گواہ نے کہا کہ یہ اس کی بیوی ہے، دوسرے نے کہا یہ اس کی بیوی تھی، تو یہ گواہی مقبول ہوگی۔ اسی طرح شہادت میں ایک گواہ کہے کہ مرد نے اقرار کیا ہے کہ یہ اس کی بیوی ہے، دوسرا گواہ کہے کہ اس نے اقرار کیا کہ یہ اس کی بیوی تھی، یہ گواہی مقبول ہوگی، کیونکہ گزشتہ نکاح کی شہادت یہ موجودہ نکاح کی شہادت ہے۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

الشہادۃ بالشہرۃ والتسامع تقبل فی اربعۃ اشیاء بالاجماع وھی النکاح والنسب والموت والقضاء کذا فی محیط السرخسی۔[2]

شہرت اور سماع کی بنا پر چار چیزوں میں بالاجماع شہادت مقبول ہے وہ چار، نکاح، نسب، موت اور قضاء ہیں، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایعمل بمجرد الدفتر ولا بمجرد الحجۃ

محض خط اور محض رجسٹر پر بغیر حجت عمل نہ ہوگا کیونکہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۵۷

لماصرح به علماؤنا من عدم الاعتماد علی الخط وعدم العمل به[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ نہ خط پر اعتماد ہے نہ اس پر عمل کیا جائے اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۷: از پیلی بھیت محلہ پنجابیاں مرسلہ جناب شیخ عبدالعزیز صاحب ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ورثا میں سے شوہر دعوٰی کرے کہ فلاں زیور میں نے اس کو کُل یا جُز بنواکر استعمال کے واسطے دیا تھا اور اسی طرح سے اس کے والدین وغیرہ دعوی کریں کہ فلاں فلاں زیور اور دیگر اشیاء ہم نے اس کے جہیز میں دی تھیں اس کے استعمال کے واسطے، وہ ہم کو واپس ملنی چاہئیں، کیا یہ دعویدار اپنے دعوے کے موافق مستوجب واپسی کے ہوسکتے ہیں اور عنداللہ استحقاقِ واپسی ان کو حاصل ہے یا نہیں؟ بیان فرمائیے ثواب پائیے۔

الجواب

والدین کا دعوٰی کہ ہم نے فلاں شئی جہیز میں عاریۃً دی تھی بے شہادت عادلہ مسموع نہیں کہ خلاف عرف ظاہر ناشئی ہے، شوہر کا قول سُن لیا جائیگا، جو زیور اس نے بنواکر دیا جب وہ تملیک کردینے کا مقر نہیں تو بغیر شہادت عادلہ ملکِ ہندہ ثابت نہ ہوگی،

لان الدافع ادری بجهة الدفع ولا عرف قاضیا ھٰھنا۔

کیونکہ دینے والا بہتر جانتا ہے کہ اس نے کس طرح دیا ہے جبکہ یہاں واضح عرف نہیں جس پر فیصلہ دیا جائے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

جهز ابنته بجهاز وسلمها ذٰلك لیس له الاسترداد منها وبه یفتی والحیلة ان یشهد عند التسلیم الیها انه انما سلمه عاریة[2]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

بیٹی کو جہیز دیا اور اس کو سونپ دیا تو اب والد کو واپسی کا حق نہیں ہے، فتوٰی اسی پر ہے، اور واپسی کا حیلہ یہ ہے جہیز دیتے ہوئے گواہ بنالے کہ میں نے یہ عاریتًا دیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۱۸

[2] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

مسئلہ ۴۳ مرسلہ صفدر علی صاحب ۱۴ شوال ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع شراکت زید اور عمرو چلا آتا تھا اور زید بوجہ نمبرداری اس پر قابض اور دخیل تھا زید نے بلا اجازت عمرو کے ایک باغ جو واقعہ موضع مذکور تھا فروخت کرکے قیمت اپنے تصرف میں لایا اور عمرو کو بابت حصہ اس کے کچھ نہ دیا جواب عمرو نے تقسیم موضع مذکور کی کرائی تو یہ امر معلوم ہوا جب عمرو نے اپنے حصہ کا مطالبہ زید سے طلب کیا تو زید نے عذر تمادی کا پیش کیا، صورت ہذا میں حقوق عمرو کا عند اللہ ذمہ زید کے ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان فرمائیے ثواب پائیے۔ ت)

الجواب

بیشک ہے اور عذر تمادی محض باطل ومہمل،

فی الاشباہ الحق لایسقط بتقادم الزمان[1] اشباہ میں ہے کہ زمانہ قدیم ہوجانے پر حق ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

زید سخت گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا کہ عمرو کا حصہ بے اس کی اجازت کے بیچ کر کھا گیا،

قال اللہ تعالٰی لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[2] اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ (ت)

اب دُوسرا گناہ عظیم یہ جھوٹا عذر مردود پیش کرتا ہے اللہ عزوجل سے ڈرے اور روز قیامت کی سخت شدتیں نار دوزخ کے قہر عذاب اپنے سر نہ لے۔

مسئلہ ۴۴ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

زید نے عمرو سے ایک شے ایک روپے کو خریدی زید نے پوچھا یہ شئی کتنے کو دوگے، اس نے کہا ایک روپے کو، مشتری اس کو خرید کے گھر لے آیا بطور قرض، دوسرے روز جب دام دینے گیا تو بائع نے کہا میاں! میں نے تو اس کے دو روپے کہے تھے مشتری کو اس امر میں کہ بائع نے اس کے دریافت پر وقت بیع کے ایک روپیہ کہا ذرا بھی شک نہیں، اب شے مبیعہ یا ہلاک ہوگئی ہے بلکہ نہیں معیب بعیب فاحش ہے زرثمن یا اصل مبیعہ کا کس طرح فیصلہ ہے بائع ومشتری دونوں نمازی اور ایک دوسرے کے نزدیک موتمن بھی ہیں۔ بیّنوا توجروا بالروایۃ الصحیحۃ وھی لکم عند الحساب اجر و ذخیرۃ (بیان کرو اجر پاؤ، صحیح روایت سے ہو اور وہ تمہارے لئے روزِ حساب اجر اور ذخیرہ ہے۔ ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۵۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں جبکہ مبیع ہلاک یا معیب بعیب فاحش ہوگئی ہے تحالف نہیں بلکہ بائع سے گواہ لئے جائیں گے اگر اس نے بینۂ شرعیہ سے ثابت کر دیا کہ دوؔ روپے ثمن ٹھہرے تھے تو وہی دینے ہوں گے اور اگر نہ دے سکا تو مشتری سے قسم لی جائیگی اگر اس نے حلف کر لیا کہ ایک ہی روپیہ قرار پایا تھا تو ایک ہی دینا آئے گا اور حلف سے نکول وانکار کیا تو دوؔ روپے کی ڈگری کی جائیگی،

فی الدرالمختار لا تحالف اذا اختلفا بعد هلاك المبيع او خروجه عن ملكه او تعيبه بما لا يرد به و حلف المشتري[1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے مبیع کے ہلاک ہوجانے یا مشتری کی ملکیت سے نکل جانے کے بعد یا ایسے عیب پیدا ہونے کے بعد جس کی وجہ سے واپس نہ ہو سکے اختلاف ہو تو دونوں سے قسم جائز نہیں اور مشتری سے قسم لی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از ہلدوانی مرسلہ منشی ولایت حسین صاحب ٹھیکہ دار ۶ رجمادی الآخرہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع اس امر میں کہ زید نے اپنا مال بکر کے پاس امانت رکھا، جب بکر سے طلب کیا تو بکر نے مال دینے سے انکار کیا بوجہ مال نقد اور زیور ہونے سے زید نے حاکم وقت کے یہاں دعوٰی دائر کیا اور گواہان ثبوت حاکم کے روبرو حاضر کئے بکر بوجہ کرنے انکار کے قسم شرعی کھانے کو موجود ہے، جب ثبوت مدعی موجود ہووے تو بموجب حکم شرع شریف کے بکر قسم کھا سکتا ہے یا نہیں ایا موجودگی شہادت مدعی کے، فقط۔

الجواب

صورتِ مذکورہ میں اگر بکر بطور خود قسم کھانا چاہتا ہے تو محض نامسموع، اگر کھا بھی لے گا دعوی مدعی کو نقصان نہ پہنچے گا، اور اگر بکر سے زید قسم لیتا ہے تو اسے بھی اس کا اختیار نہیں اور اس حالت میں بھی یہ قسم ناقابلِ سماعت۔ قسم مدعا علیہ کا وقت جب ہے کہ مدعی نے شہادت مقبولہ نہ پیش کی ہو۔ درمختار میں ہے:

اصطلحا علی ان يحلف عند غير قاض ويكون بريئا فهو باطل لان اليمين

مقدمہ کے فریقین نے اتفاق کر لیا کہ کسی غیر قاضی کے سامنے قسم کھا کر بری ہوجائے تو یہ باطل ہے کہ فریق

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی باب التحالف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۱

حق القاضی مع طلب الخصم ولا عبرۃ لیمین ولا نکول عند غیر القاضی[1]

مخالف کے مطالبہ پر قسم صرف قاضی کا حق ہے غیر قاضی کے پاس قسم یا قسم سے انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے :

الیمین کالخلف عن البینۃ فاذا جاء الاصل انتہی حکم الخلف[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

قسم گویا گواہی کا خلف ہے تو جب اصل آجائے تو خلیفہ کا حکم ختم ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۶ : از ریاست رامپور مرسلہ سید نصیر الدین صاحب ۱۴ شوال مکرم ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو پر بلا تحریر دستاویز بربنائے شہادت گواہان دس روپے کی نالش دائر کی اور تاریخ موعود پر گواہان ثبوت دعوی کو بذریعہ کچہری کے طلب کرایا اس تاریخ پر کسی وجہ سے سماعت بیان گواہان کی نہ ہوئی اور تاریخ دوسری کچہری نے واسطے حاضر کرنے انھیں گواہان ثبوت کے مقرر کئے اور عمرو مدعا علیہ کو دعوی مدعی سے قطعی انکار ہے جب کہ تاریخ ثانی ادخال شہادت کے واسطے مقرر ہوئی تو مدعی نے اس تاریخ پر ایک درخواست کچہری میں پیش کی کہ مدعا علیہ کا حلف لیا جائے گواہ اپنے سنوانا نہیں چاہتا، تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں مدعا علیہ حلف اٹھانے پر مجبور کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر گواہ شہر میں موجود ہیں تو مدعا علیہ سے حلف نہیں لے سکتا بلکہ مدعی ہی سے گواہ لئے جائیں گے اور اگر دور ہیں تو حلف مانگ سکتا ہے،

فی الدرالمختار قال المدعی لی بینۃ حاضرۃ فی المصر وطلب یمین خصمہ لم یحلف ولو غائبۃ عن المصر حلف وقدر فی المجتبی الغیبۃ بمدۃ

درمختار میں ہے مدعی نے کہا میرے گواہ شہر میں ہیں، اس کے بعد اس نے مدعٰی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا تو قسم نہ لی جائیگی، ہاں اگر شہر میں موجود نہ ہوں تو قسم لے لی جائیگی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر، بعض نے فرمایا کہ گواہوں کا مسافتِ سفر تک غائب

---

[1] درمختار کتاب الدعوی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[2] درمختار کتاب الدعوی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۸

السفر[1] اھ اقول عبارۃ المجتبی علی مافی قرۃ العیون قال بینتی غائبۃ عن المصر حلف عند ابی حنیفۃ وقیل قدر الغیبۃ بمسیرۃ سفر[2] اھ وقد قالوا کما فی البحر وغیرہ ان لوبعد مکان القاضی بحیث ان حضر للشہادۃ لم یؤوہ اللیل الی اھلہ لم یلزمہ الحضور، فافھم، واللہ تعالٰی اعلم۔

ہونا معیار ہے جیسا کہ مجتبٰی میں ہے۔ میں کہتا ہوں قرۃ العیون میں مجتبٰی کی عبارت یوں ہے مدعی نے کہا میرے گواہ شہر سے غائب ہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک قسم لی جائیگی، بعض نے فرمایا مسافت سفر پر ہونا گواہوں کا غائب ہونا مراد ہے اھ، حالانکہ فقہاء کرام نے فرمایا جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے کہ اگر قاضی کا مقام اتنی دور ہے کہ گواہ شہادت کیلئے حاضر ہوں تو واپس رات گھر نہیں پہنچ سکتے تو ایسی صورت میں مدعی کو گواہوں کا حاضر کرنا لازم نہ ہوگا، اس کو سمجھو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از ریاست رام پور مکان حافظ محمد عنایت اللہ خاں صاحب متصل مرزا شاہ ولی اللہ صاحب صاحبزادہ امجد علی خاں صاحب ۱۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقدمہ میں عدالت سے جانب مدعا علیہا حسب درخواست مدعی حلف متوجہ ہوا اور حلف لینے کے لئے دوسرے محکمہ کے نام عدالت نے حکم دیا جس مضمون کے ساتھ واسطے لینے حلف کے ہدایت اور ایما ہوا وہ حسب یادداشت عدالت دیوانی معطوفہ[1] سوال ہذا ہے محکمہ حلف گیرندہ نے ہر ہر چیز انکاری واقراری کی بابت جدا جدا حلف لیا لیکن عدالت دیوانی کی یادداشت کے جواب میں جو یادداشت جوابی لکھی ہے وہ معطوفہ[2] سوال ہذا ہے اور یہ امر بھی لائق اظہار ہے کہ جن الفاظ او رمضمون کے ساتھ حلف لیا گیا وہ حسب منشاء وکیل مدعی لیا گیا اب مدعی کو یہ عذر ہے کہ حسب منشاء تحریر عدالت حلف نہیں لیا گیا کیونکہ منشاء حکم عدالت کا یہ تھا کہ مدعا علیہا سے اس طرح پر حلف لیا جائے تاکہ اشیائے مندرجہ فرد میں سے کل یا جزو یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی اس قیمت اور اس وزن کی یا اس سے کم قیمت اور کم وزن کی بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم کے مدعی علیہا کے پاس نہیں ہے نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئے اور عدالت گیرندہ حلف نے مضمون انکاری کے ساتھ نہ قید متروکہ ضیاء النساء بیگم کی لگائی نہ حلف کل یا جزو یعنی اس قیمت اور وزن کے اشیاء پر جو مندرجہ فرد ہیں یا اس سے کم قیمت اور کم وزن پر لیا گیا لہذا امور ذیل کے بابت جواب مطلوب ہے:

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۹

[2] قرۃ عیون الاخیار " مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۵۰

اوّل جو یادداشت عدالت گیرندہ حلف نے بجواب یادداشت عدالت دیوانی تحریر کی ہے اس سے پورے طور پر تعمیل حکم عدالت دیوانی ہوگئی یا نہیں۔

دوم یادداشت عدالت دیوانی میں جو یہ مضمون تحریر ہے (کہ اشیائے مندرجہ فرد ملسلکہ حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد متروکہ ضیاء النساء بیگم سے کُل یا جزو یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم کے پاس مدعا علیہا کے نہیں ہے اھ) اس کا منشا یہ ہے کہ اشیائے مندرجہ فرد حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد میں کل چیزیں یا بعض چیزیں اس قیمت اور وزن کی جو مندرجہ فرد ہیں مدعا علیہا کے پاس نہیں ہیں نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئیں یا منشاء حکم عدالت یہ ہے کہ کل یا جزو اشیائے مندرجہ بہ تعداد قیمت مندرجہ یعنی اسی قیمت اور وزن کے اشیاء یا اس سے کم وزن اور قیمت کے اشیاء بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم مدعا علیہا کے پاس نہیں ہیں نہ مسماۃ مذکور کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئیں یعنی لفظ کل اور جزو کا اطلاق تعداد اشیاء پر ہے یعنی کل اور جزو اشیاء کا مراد ہے یا قیمت اور وزن کا کُل اور جزو مراد ہے۔

سوم یادداشت میں محکمۂ گیرندۂ حلف نے جو لفظ متروکہ ضیاء النساء بیگم تحریر نہیں کیا اس سے حلف کی تعمیل میں کوئی نقصان تو پیدا نہیں ہوا اس لئے کہ مشترَ مدعا علیہا سے بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم سوال کرکے حلف لیا گیا ہے دوسرے اس کُل پر نفی مطلق سے نفی مقید ہوگی یا نہیں۔

چہارم ایک مرتبہ جن الفاظ کے ساتھ وکیل مدعی نے جس کو حق حلف لینے کا حاصل تھا چاہا اسکے موافق حلف لیا گیا اب دوبارہ مدعی کو یا عدالت کو دوسرے طور پر پھر حق حلف لینے کا حاصل ہے یا نہیں۔

پنجم اشیاء متدعویہ کے انکار پر حلف لیا جاتا ہے نہ غیر متدعویہ پر، پس یہ بات لائق دریافت ہے کہ جب مدعی نے ایک عدد زیور وغیرہ کے وزن اور قیمت کے ساتھ مقید کرکے دعوٰی کیا تو اس وزن اور قیمت سے کم مقدار اور وزن کے وہ شے متدعویہ قرار پائے گی یا نہیں۔

نقل یادداشت عدالت دیوانی بمقدمہ خیر النساء بیگم مدعیہ بنام امیر النساء بیگم بنت صاحبزادہ محمد باقر علی خاں زوجہ صاحبزادہ محمد ہادی علی خاں صاحب مرحوم مدعا علیہا ساکن محلہ قریب گھیر عثمان خاں دعوی دہایندگی حصہ فرائض از جائداد متروکہ مسماۃ ضیاء النساء بیگم مدعا علیہا نے نسبت جائداد مدعا علیہا اکثر کی نسبت انکار ترکہ ضیاء النساء بیگم سے کیا ہے اور مدعیہ نے نسبت جائداد منقولہ بحالت انکار حلف مدعا علیہا پر کیا ہے اور مدعا علیہا کو ادائے حلف میں انکار نہیں ہے اور فریقین اہل خاندان سے ہیں اس لئے تعمیل حلف کو نسل خاندان کے ذریعہ سے ہونا مناسب ہے لہذا بذریعہ یادداشت ہذا نقل حکم و نقل فرد اشیاء مرسل ہو کر گزارش ہے کہ کاغذات ہذا بنا بر تعمیل حلف کونسل خاندان میں ارسال

فرمائے جائیں کہ مدعا علیہا سے اسی طرح حلف لیا جائے کہ اشیائے مندرجہ فرد منسلکہ حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد متروکہ ضیاء النساء بیگم سے کل یا جزو یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم کے پاس مدعا علیہا کے نہیں ہے نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئی اشیاء مندرجہ کی قیمت اور وزن اور تعداد اول مدعا علیہا کو سنا کر بمواجہہ وکلاء فریقین حلف لیا جائے۔ دستخط حاکم

نقل یادداشت محکمۂ گیرندۂ حلف حسب صدور حکم اجلاس اعلیٰ مثبتہ ناصیہ یادداشت حاکم عدالت دیوانی ضلع بمقدمہ خیر النساء بیگم مدعیہ موسومہ امیر النساء بیگم مدعا علیہا بدعوی دہا نیدگی سہام منجملہ اسہام مالیتی مبلغ ماعہ رروپیہ از کل جائداد منقولہ متروکہ مسماۃ ضیاء النساء بیگم واقع شہر رام پور قیمتی ۔ روپیہ فہرست منسلکہ زیور و ظروف وغیرہ حرفاً حرفاً مدعا علیہا کو بمواجہہ وکلاء فریقین بشناخت صاحبزادہ فرخ طور خاں بہادر مدعیہ سنائے گئے اور قرآن شریف ہاتھ میں دیکر بموجب منشاء مضمون یادداشت عدالت دیوانی متوجہ بحلف کیا گیا مدعا علیہا نے ہر ایک عدد زیور طلائی و نقرئی و دیگر سامان نقرئی مندرجہ فہرست معہ تعداد و وزن و قیمت سن کر بحلف بیان کیا کہ کل اشیائے زیور طلائی و نقرئی و دیگر سامان نقرئی اس قیمت اور اس تعداد اور اس وزن کا میرے پاس نہیں ہے اور کل پارچہائے پوشیدنی قسم گوٹہ وغیرہ ہر ایک تفصیل وار سُن کر بحلف کہا کہ میرے پاس اس تعداد اور اس قیمت کے نہیں ہیں جملہ سامان فروش تفصیل وار سُن کر دو غلیچہ رنگ سیاہ قیمتی ۔ روپیہ کی نسبت حلفاً کہا کہ میرے پاس ہیں لیکن اس قیمت کے نہیں ہیں باقی کل قسم فرش کے بابت حلف مذہبی نسبت عدم موجودگی کیا سامان چوبی مفصلاً مدعا علیہا کو سنایا گیا منجملہ کل سامان کے بیس عدد چوکیاں چوب ساز قیمتی مبلغ تیس روپے کی نسبت حلف سے انکار کیا اور دو پلنگ نواڑ کلاں قیمتی مبلغ بیس روپے کی نسبت مدعا علیہا نے بحلف کہا کہ میرے پاس ہیں لیکن قیمت کا حال معلوم نہیں مابقی کل سامان چوبی کی عدم موجودگی پر حلف لیا چونکہ کارروائی حلف کی بہ تعمیل حکم اجلاس اعلیٰ حسب منشاء عدالت دیوانی ہو گئی لہذا اجملہ کاغذات ذریعہ یادداشت ہذا باجلاس اعلیٰ نواب مدار المہام صاحب بہادر مرسل ہیں فقط دستخط حاکم بینوا توجروا۔

الجواب

کل یا جزء سے مراد یہی ہے کہ اشیائے مدعی بہا جمیع یا بعض نہ یہ کہ خود وہ اشیاء یا ان سے کم وزن و قیمت کی چیزیں خود عبارت حاکم دیوانی میں تفسیر موجود تھی کہ اشیائے مندرجہ فرد حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد سے کل یا جز یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی اور یہی طریقہ مقررہ استحلاف ہے کہ احتیاطاً بعض دعوٰی بھی شامل حلف کر لیتے ہیں۔

ہندیہ میں ہے :

یحلف باللہ ما ھذا العین لفلان بن فلان ولا شیئ منه یجمع بین الکل والبعض احتیاطا کذا فی المحیط۔[1]

حلف یوں دے گا خدا کی قسم یہ خاص چیز یا اس کا کچھ حصہ فلاں بن فلاں کا نہیں ہے قسم میں اس چیز کے کل اور بعض کو ذکر کرے احتیاطاً، محیط میں ایسے ہے۔ (ت)

عامہ کتب میں تمام امثلہ دیکھی جائیں یہی بڑھاتے ہیں کہ ولا شیئ منه (اس میں سے کوئی چیز نہیں۔ت) نہ یہ کہ ولا شیئ اٰخر اقل منه قیمة ووزنا (نہ کسی اور چیز کو جو اس سے قیمت اور وزن میں کم ہے۔ت) اس میں یہ ہے کہ حلف دعوٰی پر لیا جاتا ہے نہ کہ امر خارج عن الدعوٰی پر۔ ہدایہ میں ہے :

وان عجز عن ذٰلك وطلب یمین خصمه استحلفه علیها۔[2]

مدعی اگر گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو اور مخالف کی قسم کا مطالبہ کرے تو قسم لی جائے (ت)

غایۃ البیان میں ہے :

ای ان عجز المدعی عن اقامة البینة وطلب یمین المدعی علیه استحلفه القاضی حینئذ علی دعواہ۔[3]

یعنی اگر مدعی گواہی پیش کرنے سے عاجز ہو اور مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے تو اس پر قاضی مدعی علیہ سے دعوٰی کے متعلق قسم لے (ت)

یمین دعوٰی صحیحہ کے سوا فاسدہ پر مترتب ہوتی نہیں، معدوم پر کیونکر مترتب ہوسکتی ہے، عالمگیریہ میں ہے :

الاستحلاف یجری فی الدعاوی الصحیحة دون فاسدتها کذا فی الفصول العمادیة۔[4]

قسم صحیح دعووں پر جاری ہوگی فاسد دعووں پر نہ ہوگی، فصول العمادیہ میں یونہی ہے (ت)

اور بعض دعوٰی داخل دعوٰی ہے ولہذا اگر شاہدین یا ایک بعض دعوٰی پر شہادت دیں قدر بعض

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الدعوٰی الباب الثالث الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۷

[2] الہدایۃ کتاب الدعوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۰۱

[3] غایۃ البیان

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الدعوٰی الباب الثالث الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳

میں قبول کرلیں گے۔ خانیہ میں ہے:

اذا ادعی کل الدار فشہد واله بنصف الدار جازت شہادتہم ویقضی له بالنصف من غیر توفیق[1]

مدعی نے کل مکان کا دعوٰی کیا تو گواہوں نے نصف مکان کی شہادت دی فیصلہ نصف مکان پر ہوگا بغیر موافقت پیدا کئے۔ (ت)

بخلاف دیگر اشیاء مخالفۃ الوزن والقیمۃ کہ وہ غیر مدعی بہا ہیں اور وزن وقیمت میں کم ہونا بعضیت نہیں ہر عاقل جانتا ہے کہ مثلاً دو تولے سونے کے دو بالے قیمتی ساٹھ روپے اور دو بالے ایک تولے سونے کے تیس روپے قیمت کے ہوں، یہ بالے ان کے بعض وجز نہیں بلکہ غیر وجدا چیز ہیں، شیئ غیر حاضر میں ذکر وزن وقیمت اس کی تعریف وتعیین ہی کے لئے ہے تو اس کا غیر معین کا غیر ہے نہ جز۔ ہدایہ میں ہے:

لایقبل الدعوی حتی یذکر شیئا معلوما فی جنسه وقدرہ لان فائدۃ الدعوی الالزام بواسطۃ اقامۃ الحجۃ والالزام فی المجہول لایتحقق فان کان عینا فی ید المدعی علیه کلف احضارہا لیشیر الیہا بالدعوی وکذا فی الشہادۃ والاستحلاف لان الاعلام باقصی مایمکن شرط وذلک بالاشارۃ فی المنقول، وان لم تکن حاضرۃ ذکر قیمتہا لیصیر المدعی معلوما لان العین لاتعرف بالوصف والقیمۃ تعرف به[2]

جنس اور قدر میں معلوم چیز کے ذکر کے بغیر دعوٰی قبول نہ ہوگا کیونکہ دعوٰی کا فائدہ حجت کے ذریعہ الزام قائم کرنا ہے اور مجہول کا الزام متحقق نہیں ہوسکتا اور اگر وہ چیز مدعٰی علیہ کے قبضہ میں ہو تو اس کو حاضر کرنے کا پابند بنایا جائے گا تاکہ مدعی اس کی طرف دعوٰی کرتے ہوئے اشارہ کرسکے، اور شہادت اور قسم میں بھی ایسے کیا جائے کیونکہ تمام مراحل میں ہر ممکن حد تک تعارف ضروری ہے اور یہ منقول چیز میں اشارہ سے ہی حاصل ہوسکتا ہے اگر وہ چیز حاضر نہ ہو تو اس کی قیمت ذکر کرے تاکہ مدعا واضح ہوسکے کیونکہ خاص چیز کا تعارف اس کے وصف سے نہیں بلکہ اس کی قیمت سے ہوتا ہے۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

اذا ادعی جوہرا لابد من ذکر الوزن اذا کان غائبا وکان المدعی علیه

اگر کسی جوہری چیز کا دعوٰی ہو تو اس کے وزن کا ذکر ضروری ہے اگر وہ غائب ہو اور مدعا علیہ اس کے قبضہ

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشہادات باب من الشہادۃ التی یکذب المدعی مطبع نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۴۶

[2] الہدایہ کتاب الدعوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۰۰

منکرا کون ذٰلك فی یدہ کذا فی السراجیۃ و فی اللؤلؤ یذکر دورہ وضوءہ و وزنہ کذا فی خزانۃ المفتین[1]

سے انکاری ہو، سراجیہ میں یوں ہے اور موتیوں کے دعوٰی میں اس کی گولائی، چمک اور وزن کو ذکر کرے جیسا کہ خزانۃ المفتین میں ہے (ت)

وجیز امام کردری نوع اخیر فصل خامس عشر من الدعوٰی میں ہے:

فی دعوی الدیباج والجوھر یشترط ذکر الوزن اذا لم یکن حاضرا وان حاضرا فلا لتفاوت القیمۃ بتفاوت الوزن[2]

ریشمی کپڑے اور جواہر میں وزن کا ذکر شرط ہے جب حاضر نہ ہو اور اگر حاضر ہو تو ضروری نہیں کیونکہ وزن کے اختلاف سے قیمت میں اختلاف ہوتا ہے (ت)

اسی کی نوع مذکور میں ہے:

ذکرا لو تا ادعی زندنیجا طولہ بذرعان خوارزم کذا وشھدوا بذلك کذلك بحضرۃ الزندنیجی فذرع فاذا ھو ازید او انقص بطلت الشھادۃ والدعوی کما اذا خالف سن الدابۃ الدعوی او الشھادۃ وقولھم الذرع وصف فیلغو فی الحاضر ذٰلك فی الایمان و البیع لا فی الدعوی والشھادۃ فانھما اذا شھدا بوصف فظھر خلافہ لا یقبل وذکر ایضا ادعی حدیدا مشارالیہ و ذکر انہ عشرۃ امناء فاذا ھو عشرون او ثمانیۃ تقبل الدعوی والشھادۃ لان الوزن فی مشارالیہ لغو[3] اھ قلت وقولاہ علی اختلا فھما مجمعان

زندنیجا کا دعوٰی کیا اس کی پیمائش خوارزمی گزوں سے بتائی کہ اتنی ہے اور گواہوں نے بھی یہی گواہی دی زندنیجی حاضر کی گئی اور پیمائش کرنے پر مذکورہ پیمائش سے کم یا زیادہ ہوئی تو دعوٰی اور شہادت دونوں باطل ہوجائیں گی جیسا کہ دعوٰی اور شہادت میں جانور کی عمر کا معاملہ ہے، باقی رہا فقہاء کا یہ ارشاد کہ پیمائش وصف ہے تو حاضر میں اس کا ذکر لغو ہوتا ہے تو یہ ضابطہ قسم اور بیع میں ہے دعوٰی اور شہادت میں نہیں کیونکہ ان دونوں میں جب وصف کو ذکر کیا تو اس کا خلاف ظاہر ہونے پر مقبول نہ ہونگے، اور یہ بھی ذکر کیا کہ موجود لوہے پر اشارہ کرتے ہوئے دعوٰی کیا اور بتایا کہ اس کا وزن دس من ہے تو وہ بیس یا آٹھ من نکلا تو دعوٰی اور شہادت مقبول ہوگی کیونکہ مشارالیہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴
[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیہ کتاب الدعوی نوع من الفصل الخامس عشر ؍؍ ؍؍ ۵/ ۴۲۵
[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۵/ ۴۲۱

علی اعتبار الوزن فی الغائب اما الاول فظاھر فانہ اذا اعتبر الوصف فی الحاضر فاعتبار العین فی الغیب اولی بدرجتین اما عرف فی موضعہ ان الذراع وصف والقدر عین واما الثانی فلان الالغاء للاشارۃ فاذا انتفی انتفی۔

میں وزن کا ذکر لغو ہے اھ قلت (میں کہتا ہوں) اس کے دونوں متخالف قول غائب چیز میں وزن کے اعتبار میں جمع ہو سکتے ہیں پس اول ظاہر ہے اس لئے کہ جب حاضر میں وصف کا اعتبار ہوگا تو غائب میں بطریقِ اولٰی دو درجہ ہوگا کیا معلوم نہیں کہ ذراع وصف اور قدر عینی چیز ہے اور دوسرا اس لئے کہ لغو ہونا اشارہ کی وجہ سے ہے تو جب اشارہ معدوم ہو جائے تو لغو ہونا معدوم ہو جائیگا (ت)

غرض وکیل مدعیہ کا یہ عذر مسموع نہیں اب باقی امور کی طرف چلئے پیش از حلف جو مکالمہ محکمہ حلف گیرندہ وحالفہ میں آیا وہ نہ یادداشت میں مسطور نہ سوال میں مذکور جس پر بالخصوص رائے قائم کی جائے مگر ملاحظۂ یادداشت محکمۂ حلف سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرد اشیائے مدعی بہا بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم امیر النساء بیگم کو سنا کر اسے متوجہ حلف کیا گیا یعنی اس سے کہا گیا کہ ان اشیاء کی نسبت بحلف بیان کر واس نے کلام مذکور یادداشت کہا جو ہر طرح سخن مستقل ہے اور اس میں ترکہ ضیاء النساء بیگم کا کہیں ذکر نہیں ہو سکتا تو عبارت حلف سے پیشتر کسی کلام میں ذکر متروکہ آجانا نفس حلف میں ذکر نہیں ہو سکتا جس نے ان معاملات میں علمائے کرام کی احتیاطیں دیکھی ہیں وہ اس کا ناکافی ہونا جانے گا جہاں آہستہ سے کسی لفظ کے بڑھا لینے کا احتمال پاتے ہیں وہاں اس کے قطع کی ہدایت فرماتے ہیں مثلاً شاہد کہے یہ چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق یوں نہ مانیں گے کہ شاید حق کے بعد آہستہ سے نہیں کہہ لے بلکہ یوں کہلوائیں گے کہ اور اس کا حق ہے یوں ہی مدعی سے کہ تو جہاں کچھ بڑھانے کی بھی حاجت نہیں صرف قطع نیت وصرف ارادت سے کام چلتا ہے وہاں کیونکر پسند کریں گے، ہندیہ میں ہے:

فی فتاوی النسفی ینبغی للشاھد ان یقول فی شھادتہ ایں عین ملک ایں مدعی است وحق وی است حتی لایمکن ان یلحق بہ وحق وے نے بنفی وکان الشیخ الامام فخر الاسلام علی البزدوی یقول اذا قال المدعی فلاں چیز ملک من ست وحق من لایکتفی بہ وینبغی ان یقول وحق من ست ویقول فی قولہ

فتاوٰی نسفی میں ہے گواہ کو چاہئے کہ وہ اپنی شہادت میں یوں کہے یہ عین چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق ہے تاکہ نفی کے لاحق ہونے کا احتمال نہ رہے اور امام شیخ فخر الاسلام علی بزدوی فرماتے ہیں جب مدعی کہے یہ چیز میری ملک ہے اور میرا حق، تو کافی نہ ہوگا بلکہ یوں کہے اور میرا حق ہے، اور اپنے قول میں' فلاں کے قبضہ میں ناحق' کی بجائے، فلاں کا قبضہ ناحق ہے'

وبدست فلاں بناحق بدست فلاں بناحق است وکذٰلک فی نظائرہ حتی لایلحق بہ کلمۃ النفی قال الاحتیاط فی ھذا ولکن ھذا الاحتیاط فی موضع یطالب بالتسلیم کذا فی الذخیرۃ۔[1]

اور اس قسم کے بیان میں، ایسا چاہئے تاکہ نفی کے احق ہونے کا احتمال نہ رہے، اور فرمایا احتیاط یہی ہے، لیکن یہ احتیاط وہاں ضروری ہے جہاں قبضہ لینے کا مطالبہ ہو، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔ (ت)

اور اگر پیشتر بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم سوال کرکے حلف لئے جانے کے یہ معنی ہوں کہ اول امیر النساء بیگم سے کہلوا لیا گیا کہ وہ دربارہ متروکہ ضیاء النساء بیگم حلف سے کہے گی یا واللہ اس باب میں جو کہے گی حق کہے گی کما ھو رائج فی زماننا (جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رائج ہے۔ ت) تو یہ محض مردود و باطل ہے جو حلف شرع مطہر نے مدعا علیہ پر لازم کیا ہے اس سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا کہ یہ دربارہ مستقل یمین منعقدہ ہے جس کا کفارہ بہت آسان اور یہاں مقصود وہ یمین ہے کہ اگر کاذب ہو تو غموس ہو جس کا انجام معاذ اللہ ہلاکت ہے اور اس کے لئے کوئی کفارہ ہی نہیں، شرح ہدایہ للعلامۃ الاتقانی صدر باب الاستحلاف میں ہے:

الیمین الکاذبۃ مھلکۃ فالمدعی علیہ متی اتوی حق المدعی فالشرع جعل الیمین الکاذبۃ حقالہ حتی تصیر مھلکۃ ایاہ بازاء ما اھلک من المال اھلاکا بازاء اھلاک۔[2]

جھوٹی قسم ہلاکت ہے، تو مدعٰی علیہ جب مدعی کے حق کو ضائع کرتا ہے تو شریعت نے مدعی کے لئے جھوٹی قسم کو حق قرار دیا ہے تاکہ وہ مدعٰی علیہ کے لئے مال کو ہلاک کے عوض ہلاکت بن جائے۔ (ت)

اسی طرح کافی و نتائج الافکار وغیرہا اسفار میں ہے کلام مذکور امیر النساء بیگم کا اولاً نفی مطلق ہونا محل نظر ہے پاس بمعنی ملک بھی مستعمل ہے کسی سے کوئی کتاب عاریۃً مانگے اور وہ اس کے کتب خانہ میں نہ ہو تو کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس نہیں اگرچہ دور رکھی ہے اول متروکہ ضیاء النساء بیگم سے مباین ہے اور دوم خاص من وجہ بہرحال اس کی نفی اس کی نفی کو مستلزم نہیں اور عموم ہی مانئے تاہم بے ضابطگی واضح، یہ استلزام نکتہ بعد الوقوع سہی مگر شرعاً یمین اس طور پر لینی چاہئے کہ نکول کرے تو دعوی کا بذل یا اقرار ظاہر ہو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰ و ۴۶۱

[2] غایۃ البیان

یہاں ہرگز ایسا نہیں اگر بے تقیید متروکہ مطلقاً قسم لیتے کہ فلاں فلاں اشیاء اس قیمت و وزن کی تیرے پاس نہیں وہ قسم کھانے سے انکار کرتی تو مطلق کا اقرار ہوتا جو مقید کا اقرار قرار نہ دیا جاسکتا تو نکول مہمل و فضول رہتا، جامع الفصولین میں ہے:

لایفید تحلیفہ لانہ لنکول ھو کاقرار[1]

اس کو قسم دینا مفید نہیں کیونکہ اس کے انکار پر وہ اقرار قرار پائے گا۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

فائدۃ التحلیف القضاء بالنکول فاذا لم یجز القضاء بالنکول عما ذکر فکیف یجوز التحلیف بہ لان التحلیف انما یقصد لنتیجتہ و اذا لم یقض بالنکول فلا ینبغی الاشتغال بہ وکلام العقلاء یصان عن اللغو کما اشار لذلک فی البحر والمنح[2] اھ باختصار۔

قسم کھلانے کا فائدہ انکارِ قسم پر فیصلہ کرنا مقصود ہے تو جہاں قسم کے انکار پر فیصلہ جائز ہو قسم کھلانا کیونکر جائز ہوگا، کیونکہ مقصود نتیجہ خیز قسم ہے اور جب قسم کے انکار پر فیصلہ نہ کیا جاسکے تو قسم کا شغل نہ کیا جائے حالانکہ عقلاء کے کلام کو لغو ہونے سے بچایا جاتا ہے جیسا کہ اس کی طرف بحر اور منح میں اشارہ ہے اھ باختصار (ت)

ان امور میں زیادہ نظر کی حاجت نہیں جب کہ بالبداہۃ آشکارا ہے کہ حلف مذکور محض ناکافی ومہمل واقع ہوا اور حکم حاکم دیوانی کی اصلاً تعمیل نہ ہوئی حاکم نے یادداشت میں صراحۃً یہ الفاظ لکھے تھے کہ کوئی چیز اس فہرست میں کے بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم پاس مدعا علیہا کے نہیں ہے نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضے میں آئی اس دوسرے فقرے پر مطلق لحاظ نہ ہوا صرف پاس نہیں موجود نہیں پر حلف لیا گیا جس نے حلف کو محض ناقص و ناقابل قبول کردیا ممکن کہ بعد انتقال ضیاء النساء بیگم اشیائے دعوٰی کل یا بعض قبضہ امیر النساء بیگم میں آئی ہوں اور اب موجود نہ ہوں اب اس کے قبضے میں نہ ہوں صرف کردی ہوں تلف کردی ہوں ہبہ کردی ہوں تو قبضہ موجودہ و وجود فی الحال کی نفی سے کیا کام نکلا لاجرم حلف میں مدعیہ کے لئے نظر بکسیر متروک ہوئی اور اس کی حق تلفی صاف محتمل رہی۔ جامع الفصولین میں ہے:

ذکر الخصاف فی دعوی الودیعۃ اذا لم تکن حاضرۃ یحلفہ باللہ مالہ ھذا المال الذی ادعاہ فی یدک ودیعۃ

خصاف نے ذکر کیا ہے کہ امانت کے دعوٰی میں اگر چیز حاضر نہ ہو تو مدعٰی علیہ سے یوں قسم لی جائے کہ خدا کی قسم وہ مال جو تیرے قبضہ میں بطور امانت ہونے

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۲

[2] العقود الدریۃ تنقیح فتاوٰی حامدیہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۹

ولا شئ منه ولا له قبلك حق منه لانه متی اتلفه اودل انسانا علیه لم یکن فی یده فیکون علیه قیمته فلایکتفی بقوله فی یدك بل یضم الیه ولا له قبلك حق منه احتیاطا۔[1]

کا دعوٰی کرتا ہے وہ اس کا حق نہیں اور نہ اس میں کچھ اس کا حق ہے اور نہ ہی تیری طرف اس کا کوئی حق ہے، کیونکہ جب اس نے امانت کو تلف کردیا ہو یا کسی اور کو دے دی اور اپنے قبضہ میں نہ ہو، تو اس صورت میں اس پر قیمت لازم ہوگی، تو تیرے قبضہ والی بات کافی نہ ہوگی بلکہ اس کے ساتھ، اور تیری طرف کوئی حق اس کے لئے نہیں ہے، شامل کرنا بطور احتیاط ضروری ہے۔ (ت)

حلف دینا مدعی یا وکیل مدعی کا حق نہیں حقِ حاکم ہے حق مدعی حلف لینا یعنی طلب حلف ہے و بس، ولہذا اگر مدعی خود حاکم کے سامنے دار القضاء میں بطور خود مدعا علیہ کو حلف دے لے مقبول نہیں اگرچہ وہ حلف بروجہ کافی ہی دیا گیا ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:

لو حلف بطلب المدعی یمینه بین یدی القاضی من غیر استحلاف القاضی فهذا لیس بتحلیف لان التحلیف حق القاضی کذا فی القنیة وهکذا فی البحر الرائق۔[2]

اگر مدعی از خود قاضی کی موجودگی میں مدعٰی علیہ سے قسم طلب کرے تو قاضی کی طلب کے بغیر قسم کھلانا جائز نہیں کیونکہ قسم کا مطالبہ اور قسم کھلانا قاضی کا حق ہے، قنیہ اور بحر الرائق میں یوں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

المدعی لو اسقطه ای الیمین قصدا بان قال برئت من الحلف او ترکته علیه او وهبته لایصح وله التحلیف بخلاف البراءة عن المال لان التحلیف للحاکم، بزازیة۔[3]

مدعی نے اگر مدعٰی علیہ سے قسم کو ساقط کرتے ہوئے کہا میں نے تجھے قسم سے بری کیا، یا، تجھ سے قسم لینا میں نے ترک کیا یا میں نے تجھے یہ حق ہبہ کردیا تو مدعی کا قصداً قسم کو ساقط کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ قسم کھلانا قاضی حاکم کا حق ہے، اس کے برخلاف اگر مدعی اس کو مال سے بری کردے تو جائز ہے، بزازیہ۔ (ت)

اسی میں ہے:

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳

[3] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۰

اليمين حق القاضی مع طلب الخصم[1] فریق مخالف کے مطالبہ پر قسم قاضی کا حق ہے (ت)

اسی میں ہے :

ونقل المصنف عن القنية ان التحليف حق القاضی فما لم يكن باستحلافه لم يعتبر[2] مصنف نے قنیہ سے نقل کیا ہے کہ قسم کھلانا قاضی کا حق ہے تو جو قسم قاضی کی جانب سے نہ ہو وہ معتبر نہیں (ت)

تو ہدایت صاحب حق یعنی حاکم کے خلاف جو ناکافی و ناتمام حلف رکھا گیا اگرچہ خود وکیل مدعیہ یا مدعیہ نے آپ ہی لکھا ہو کیا معتبر ہو سکتا ہے بلکہ ناکافی حلف تو خود حاکم کا رکھا ہوا بھی مقبول نہیں اسے بیکار ٹھہرا کر دوبارہ حلف دینا ہوگا۔

محیط و جامع الفصولین و تبیین الحقائق و عالمگیریہ و درر الحکام و درمختار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے :

فی كل موضع وجبت اليمين فيه علی البتات فحلف علی العلم (ولفظ جامع الفصولين عن المحيط فحلفه القاضی علی العلم) لا تكون معتبرة حتی لا يقضی عليه بالنكول ولا تسقط اليمين عنه[3] جس مقام پر قطعیت پر قسم چاہیے تو وہاں علم کی قسم کھائی، (اور جامع الفصولین میں محیط سے منقول الفاظ یہ ہیں) تو قاضی نے وہاں اس سے علم کی قسم لی، تو یہ معتبر نہ ہوگی حتی کہ ایسی قسم کے انکار پر فیصلہ نہ کرسکے گا اور نہ ہی قسم ساقط ہوگی (ت)

وجیز امام کردری نوع ثالث فصل سابع کتاب القضاء میں ہے :

من له حق الحلف علی البتات اذا حلف القاضی خصمه علی العلم يبقی لخصمه حق البتات[4] جہاں پر صاحب حق کو قطعیت پر قسم مطلوب ہو وہاں قاضی مدعی علیہ سے علم کی قسم لے تو دوسرے فریق یعنی مدعی کو قطعیت پر قسم کا حق باقی ہے (ت)

ان عبارات سے واضح کہ حلف جب فی نفسہٖ ناکافی ہو تو اگرچہ دونوں صاحب حق اعنی مدعی و قاضی کی مرضی مجتمع ہوجائے جب بھی مقبول و مسقط حلف نہ ہوگا اور بہ طلب مدعی دوبارہ حلف دینا لازم آئے گا۔

فانهم ما تبوا عدم اعتباره علی وقوعه جس طور قسم واجب تھی اس کے خلاف قسم پر فقہاء نے

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[2] ؎ ؎ ؎ ۲/ ۱۱۶

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ التبیین کتاب الدعوٰی الباب الثالث الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۴
جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۴

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب القضاء فصل سابع نوع ثالث ؎ ؎ ۵/ ۲۰۵

لا علی الوجہ الذی وجب لوکان بلا تحلیف القاضی لم یعتبر قط وان وقع علی الوجہ الواجب کما سلف وکذا لوکان بلا طلب المدعی۔ فی جامع الفصولین اواخر الفصل الخامس عشر عن فتاوی رشید الدین القاضی لو حلف بغیر طلب المدعی ثم طلب المدعی تحلیفہ فلہ ان یحلفہ ثانیا[1] اھ فعلم ان وقوعہ لا علی الوجہ الواجب مستقل بالرد و ان وقع بطلب المدعی و تحلیف القاضی۔

عدم اعتبار کو مرتب کیا ہے کہ قاضی کی طرف سے قسم طلب کئے بغیر صحیح طور بھی قسم ہوئی تو ہرگز معتبر نہ ہوگی جیسا کہ گزرا ہے اور یونہی اگر وہ قسم مدعی کے مطالبہ کے بغیر ہوئی ہو، جامع الفصولین کی پندرھویں فصل میں فتاوی رشید الدین سے منقول ہے کہ قاضی نے اگر مدعی کے مطالبہ کے بغیر قسم لے لی اور اس کے بعد مدعی نے قسم کا مطالبہ کیا ہو تو اس کو دوبارہ قسم کھلانے کا حق ہوگا اھ، تو معلوم ہوا کہ واجبی طور کے خلاف ہونا یہ نا اعتباری کی مستقل وجہ ہے اگرچہ یہ مدعی کے مطالبہ اور قاضی کے قسم لینے پر ہو۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں لازم کہ حاکم امیر النساء بیگم سے دوبارہ حلف تام شرعی بروجہ صحیح وکافی لے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ از ریاست رامپور متصل زیارت نعیم شاہ صاحب، مرسلہ سید چھٹن میاں صاحب، غرہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک منزل مکان اپنا وقف کر کے زید کو متولی اس کا کردیا، زید قابض مکان مذکور ہے، اب زید پر بکر نے دعوٰی ایک دیوار چھپت و پاکھے مکان اپنے کا دائر کچہری کیا، زید نے بکر کی دیوار چھپت و پاکھے سے انکار کیا۔ بکر نے حصر دعوی اپنے کا حلف زید پر کیا، زید کہتا ہے کہ میں مالک مکان موقوفہ نہیں ہوں مجھ پر شرعاً حلف متوجہ نہیں ہوتا ہے، پس دریافت کیا جاتا ہے کہ زید پر حلف شرعاً نسبت دعوی بکر آتا ہے یا بوجہ متولی اور غیر مالک مکان ہونے کے حلف متوجہ نہیں ہوتا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع صورت مستفسرہ میں زید متولی پر حلف متوجہ نہیں متولی پر حلف صرف اس وقت میں آتا ہے جب خود اس پر کسی عقد کا دعوٰی کیا جائے مثلاً کوئی مدعی ہو کہ فلاں زمین وقفی اس نے میرے اجارے میں دی عقد تمام ہوگیا اور اب قبضہ نہیں دیتا یا اس کے مثل اور دعوٰی۔ تنویر الابصار میں ہے:

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/۲۰۵

الوصی والمتولی وابوالصغیر یملك الاستحلاف ولایحلف[1]

وصی، متولی، نابالغ کا باپ قسم لے سکتے ہیں اور ان سے قسم نہیں لی جاسکتی۔ (ت)

درمختار و تنویرالابصار و بحرالرائق میں ہے:

لایستحلف الاب فی مال الصبی ولا الوصی فی مال الیتیم ولا المتولی للمسجد والاوقاف الااذا ادعی علیہم العقد[2]

والد سے نابالغ بیٹے کے مال سے متعلق، ولی سے یتیم کے مال اور متولی سے مسجد و اوقاف کے متعلق قسم نہ لی جائے گی ان سے قسم صرف اس صورت میں لی جائیگی جب ان پرکسی عقد کا دعوٰی ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لایستحلف الاب اھ ای لوجنی الصبی جنایۃ فانکرابوہ اووصیہ اوادعی احد جدارالمسجد اوالدار الموقوفۃ اوانہ انفق علی الوقف شیئا باذن المتولی السابق[3]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

ماتن کا قول کہ "باپ سے قسم نہ لی جائے گی الخ" یعنی بچّے کی جنایت کا دعوٰی ہو اور باپ اس کا انکار کرے یا اس بچّے کے لئے وصی ہو وہ انکار کرے یا کوئی متولی پر مسجد یا وقف شدہ مکان اور اس کی دیوار کا دعوٰی کرے یا یہ کہ اس نے پہلے متولی کی اجازت سے وقف پر اپنا مال خرچ کرنے کا دعوٰی کیا ہو تو ان پر قسم نہ ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۹: از شہر مدرسہ اہلسنت مسئولہ مولوی عبدالرحیم متعلم مدرسہ مذکور جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

ماقولکم رحمکم اللہ (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا فرمان ہے۔ ت) کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا اور اس سے ایک لڑکا عمرو پیدا ہوا بالقضائے الٰہی زید فوت ہوا والد زید خالد موجود ہے جو دادا عمرو کا ہوتا ہے اب بوجہ نزاع جائداد کے خالد دادا عمرو کا یہ قول ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے نہیں ہوا تھا اور نیز قاضی جس نے نکاح پڑھایا تھا اس سے اس امر میں جھوٹ بلوانا چاہتا ہے کہ جھوٹی گواہی

---

[1] درمختار شرح تنویرالابصار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۸
[2] 〃 〃 〃 〃 کتاب الوقف 〃 ۱/ ۴۰۱
بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۹
[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۹

دے دو کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا کفارہ ادا کردیا جائے گا، آیا جائز ہے کہ قاضی نکاح کچہری میں کہہ دے کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا سچ بولے اور شہادت کاذبہ میں کفارہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب

جھوٹی قسم جو آئندہ کی بابت کھائی جائے اس کا کفارہ ہے اور جھوٹی گواہی کا کچھ کفارہ نہیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"جھوٹی گواہی دینے والا گواہی دینے کی جگہ سے اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ تعالٰی اس کے لیے جہنم واجب کردیتا ہے۔" واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از نباہیڑہ علاقہ ریاست ٹونک مرسلہ خدا بخش ابراہیم ۳۰ رمضان ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بحکم شرع شریف میں دعوٰی کیا مبلغ للعہ مع اللعہ کا مدعا علیہ نے مااللعہ سہ کا اقرار کیا باقی رقم مذکور سے انکار کیا تو عدالت شریعت نے مدعی کے پاس سے ثبوت طلب کیا اس میں مدعی نے پانچ گواہ پیش کئے گواہ مذکور عدالت شریعت میں قابل التفات کے نہیں اس وجہ سے کہ گواہوں میں اختلاف بہت اور مجہول گواہی دینے سے عدالت شریعت نے گواہی نامنظور فرمائی اور از روئے حدیث شریف کے مدعا علیہ پر قسم کا حکم دیا وہ حدیث شریف یہ ہے:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر[1] گواہی مدعی پر اور قسم منکر پر لازم ہے (ت)

آیا اس صورت میں حدیث شریف کا مطلب یہی ہے کہ گواہ پیش ہونے پر بھی مدعا علیہ پر بھی قسم عائد ہوتی ہے یا نہیں، جواب استفتاء بحوالہ کتب وعبارت عنایت فرمائیں اس لئے کہ میرے مقدمہ کی پیشی ۴ شوال ۱۳۳۸ھ ہے براہِ کرم جواب جلد عنایت ہو۔

الجواب

شہادت کے موجود ہوتے مدعی مدعا علیہ کا حلف طلب نہیں کرسکتا مگر شہادت وہ ہے کہ مفید مدعا ہے ورنہ نام شہادت ہے حقیقۃً شہادت معدوم ہے ایسی صورت میں مدعا علیہ پر حلف عائد ہوسکتا ہے مگر حاکم بطورِ خود اس پر حلف نہیں رکھ سکتا بلکہ مدعی کا طلب کرنا شرط ہے وہ چاہے کہ مدعا علیہ سے حلف لیا جائے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الدعوٰی باب البینۃ علی المدعی الخ دارصادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲
صحیح البخاری کتاب الرہن باب اذا اختلف الراہن والمرتہن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲
جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء ان البینۃ علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰

تو قاضی اس سے حلف لے اس لئے کہ حلف حق مدعی ہے جس طرح حلف لینا حقِ قاضی ہے بالجملہ جب مدعی شہادت اصلاً نہ دے یا جو گواہ پیش کرے ان سے ثبوتِ دعوٰی نہ ہو تو اگر مدعی مدعا علیہ کا حلف نہ مانگے مقدمہ خارج کردیا جائے،

20

لانہ ادعی ولم ینور دعواہ بالبینۃ والمدعی علیہ منکروھذا لایطلب حلفہ فانسدت طرق القضاء۔

کیونکہ دعوٰی کرکے گواہی پیش نہ کرے اور مدعی علیہ منکر ہے مدعی اس سے قسم بھی طلب نہ کرے تو فیصلہ کے راستے بند ہوگئے۔ (ت)

اور اگر مدعی حلف مانگے تو بطورِ خود مدعا علیہ پر قسم نہیں رکھ سکتا اگر رکھے گا اور وہ حلف سے انکار کردے یہ انکار معتبر نہ ہوگا کہ حلف لینا حق قاضی ہے حاکم برطلب مدعی مدعا علیہ پر حلف رکھے اب اگر مدعا علیہ حلف سے انکار کردے تو دعوٰی ڈگری کیا جائے اور حلف کرلے تو ڈسمس۔ ہدایہ میں ہے:

اذا صحت الدعوی سأل القاضی المدعی علیہ عنہا لینکشف وجہ الحکم فان اعترف قضی علیہ بہا، وان انکر سأل المدعی البینۃ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الک بینۃ فقال لا فقال لک یمینہ سأل و رتب الیمین عما فقد البینۃ فلابد من السوال لیمکنہ الاستحلاف وان احضرھا قضی بہا لانتفاء التھمۃ عنہا، وان عجز عن ذلک وطلب یمین خصمہ استحلفہ علیہا لما روینا ولابد من طلبہ لان الیمین حقہ الا تری انہ کیف اضیف الیہ بحرف اللام فلابد

جب دعوٰی صحیح ہو تو قاضی مدعا علیہ سے دعوٰی کے متعلق سوال کرے تاکہ فیصلہ کا طریقہ واضح ہوسکے تو اگر مدعٰی علیہ دعوٰی کو مان لے تو اس کے خلاف دعوٰی کا فیصلہ کردے اور اگر وہ انکار کرے تو اب قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے مدعی کو فرمایا کیا تیرے پاس گواہی ہے تو اس نے کہا نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا اب تجھے مدعی علیہ کی قسم کا حق ہے پس حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے مدعی سے پوچھا اور قسم کو گواہی نہ ہونے پر مرتب فرمایا تو گواہی کا سوال ضروری ہے تاکہ موجود نہ ہونے پر قسم لی جاسکے، اور اگر مدعی نے گواہی پیش کردی تو قاضی اس پر فیصلہ کردے کیونکہ کوئی اعتراض نہ رہا اور اگر گواہی پیش کرنے سے معذور رہے اور وہ مدعٰی علیہ سے قسم طلب کرے تو قاضی قسم لے جیسا کہ ہم نے روایت کیا مدعی کا قسم طلب کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے، دیکھا نہیں کہ

من طلبہ[1] اھ فانظر الی قولہ ان احضرھا قضی بہا فانما اراد البینۃ المثبتۃ للدعوی والیہا الاشارۃ فی قولہ و ان عجز عن ذٰلک ، فمن اتی ببینۃ لم تفد فقد عجز عن اقامتہا علی دعواہ۔

حدیث کے الفاظ میں قسم کو مدعی کی طرف حرف لام سے مضاف کیا ہے تو مدعی کا طلب کرنا ضروری ہے ، اھ، مصنف کے قول "اگر گواہی پیش کردے تو فیصلہ دے دے" پر غور کرو ، تو یہ گواہی صرف وہی ہوسکتی ہے جو دعوٰی کے لئے مثبت ہو اور ایسی ہی گواہی کے متعلق اشارہ فرمایا ، اگر اس سے عاجز ہو ، تو اگر مدعی گواہی پیش کرے جو مفید نہ ہو تو وہ اپنے دعوٰی پر گواہی سے عاجز ہوا۔ (ت)

غایۃ البیان میں ہے :

اذا قال المدعی لی بینۃ حاضرۃ وطلب الیمین لم یستحلف عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ احتج بماروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال للمدعی الک بینۃ قال لا قال لک یمینہ فالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رتب الیمین علی البینۃ فدل علی ان الیمین انما تکون حجۃ عند عدم البینۃ ولان الیمین الکاذبۃ مھلکۃ فالمدعی علیہ متی اتوی حق المدعی فالشرع جعل الیمین الکاذبۃ حقالہ حتی تصیر مھلکۃ ایاہ بازاء ما اھلک من المال اھلاکا بازاء اھلاک وانما یستحق اتواء الحق علی المدعی اذا لم تکن بینۃ فاما اذا کان لہ بینۃ لا یتوی حقہ بل

جب مدعی نے بتایا کہ میرے گواہ موجود ہیں ، اس کے باوجود قسم کا مطالبہ کرے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک قاضی قسم نہ لے گا ، ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مدعی سے یہ استفسار کہ کیا تیری گواہی ہے اس نے جواب میں عرض کیا نہیں ہے ، تو اس کو فرمایا تجھے قسم کا حق ہے ، تو نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قسم کو گواہی پر مرتب فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ قسم تب حجت ہوگی جب گواہی نہ ہو ، اور اس لئے بھی کہ جھوٹی قسم ہلاکت ہے مدعٰی علیہ جب مدعی کا مال ضائع کرے تو شریعت نے مدعی کو اس کی جھوٹی قسم کا حق دیا ہے تاکہ جھوٹی قسم مدعٰی علیہ کے لئے ہلاکت بن جائے تاکہ مدعی کا مال ہلاک کرنے کے بدلے اس کو ہلاکت ملے ، تو اس وجہ میں مدعٰی علیہ مدعی کے حق کو نقصان تب پہنچا سکے گا جب مدعی کے پاس گواہی نہ ہو تو جب تک گواہی ہے

یکنه اثبات حقه بالبینة فلا یجعل الیمین المهلکة حقالہ فی ھذہ الحال لانہ فی غیر وقته[1] اھ ومعلوم ان الاتواء حاصل مع بینة لم تثبت دعواہ فکانت کلا بینة بناءً علی ان البینة اذا لم توافق الدعوی ومنه الشھادۃ بالمجھول بقیت بلا دعوی والدعوی شرط الشھادۃ فی حقوق العباد وانتفاء الشرط انتفاء المشروط فظھرانه عجزمن البینة فله طلب حلف المدعی علیه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس کا حق ضائع نہ کرسکے گا بلکہ مدعی اپنے حق کو گواہی کے ذریعے ثابت کرلے گا لہذا اس حال میں ہلاک کرنیوالی قسم مدعی کا حق نہ بنے گی کیونکہ وہ وقت نہیں ہے اھ اور یہ بات واضح ہے کہ ایسی گواہی جو دعوٰی کو ثابت نہ کرسکے تو وہ کالعدم قرار پائے گی اس بنا پر کہ وہ گواہی دعوٰی کے موافق نہ ہوئی، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ شہادت مجہول ہو تو گویا دعوٰی ثابت نہ ہوا، حالانکہ شہادت کے لئے دعوٰی ضروری شرط ہے تو جب شرط نہ ہوئی تو مشروط نہ ہوا، تو ظاہر ہوگیا کہ دعوٰی پر گواہی سے عاجز ہے تو اسے قسم طلب کرنے کا حق ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۱ از شہر مسئولہ غلام رسول ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک پنچایت قائم ہوئی اور ایک شخص پر ایک امر میں حلف قائم کیا اور سب پنچوں نے اسے منظور کیا اس شخص نے حلف سے بیان کیا وہ معاملہ فیصل ہوگیا بعد کو چند اشخاص نے پنچ سے علیحدہ ہو کر یہ کہا کہ حلف کو نہیں جانتے اور ہمارے یہاں حلف نہیں ہے ہم حلف کو نہیں جانتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں یہ قول قائل کا کہ ہم حلف کو نہیں جانتے ہمارے یہاں حلف نہیں ہے اگر وہ شخص اہلِ اسلام سے ہے اور بوجہ جہالت و نادانی یہ قول کرتا ہے تو گنہگار ہے توبہ چاہئے اور اگر جانتا ہے کہ یہ حکم شرع ہے اور تکذیب کرتا ہے یا اہانت کرتا ہے تو حکمِ کفر عائد ہوتا ہے اس لئے کہ یہ حکم حدیث مشہور البینة للمدعی والیمین علی من انکر[2] (گواہی مدعی کو لازم اور قسم مدعٰی علیہ منکر پر ہے۔ ت) سے ثابت ہے

[1] غایۃ البیان

[2] صحیح البخاری کتاب الرہن باب اذا اختلف الراہن والمرتہن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲
جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء ان البینۃ علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰
سنن الدارقطنی باب فی المرأۃ تقتل اذا ارتدت نشر السنۃ ملتان ۴/ ۲۱۸
السنن الکبرٰی کتاب الدعوی باب البینۃ علی المدعی الخ دارصادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

اور اجماع تمام امت مرحومہ کا اس پر ہے، ہذا صورت الجواب واللہ اعلم بالصواب فقط

بیشک حلف حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ الجواب صحیح العبد المجیب محمد عبد الغفار خاں عفی عنہ

العبد محمد ہدایت اللہ عفی عنہ محمد عبد الجبار خاں عفی عنہ مُہر

الجواب

سائل غلام رسول ترہ فروش رام پوری نے واقعہ بیان کیا کہ ان کی برادری کا کوئی شخص بدایوں سے آیا تھا حسبِ رواج قوم اسے دعوت دینی تھی، ایک برادر اسے دعوت دینے گیا وہ نہ ملا پھر پنچایت میں دعوت نہ دئے جانے کا شاکی ہوا اس پر اس برادر سے کہا گیا تم حلف سے کہہ دو کہ تم دعوت دینے گئے تھے اس نے حلف سے کہہ دیا اس پر چند اشخاص نے وہ لفظ کہے، نیز غلام رسول نے بیان کیا کہ وہ اور حافظ علاء الدین اور جماتین شخص مجیب کے پاس گئے اور واقعہ مذکورہ ہمارے سامنے حافظ مذکور نے مجیب سے کہا اور فتوی طلب کیا جس پر یہ جواب لکھا،

نشان انگوٹھا غلام رسول

اگر یہ بیان واقعی ہے تو یہاں ہرگز نہ کوئی شرعی دعوی تھا نہ کوئی مدعی نہ مدعا علیہ نہ کسی پر حلف عائد، اسے حدیث البینۃ للمدعی والیمین علی من انکر[1] (گواہی مدعی کو لازم اور قسم مدعی علیہ منکر پر ہے۔ت) کے تحت میں داخل کرنا صریح جہل وظلم ہے، اور بالفرض باطل اگر اس کا کہنا کہ میں دعوت دینے گیا تھا دعوی ہوتا تو منکر تو بدایوں والا تھا اس پر حلف آتا نہ کہ مدعی پر، یہ دوسری جہالت شدیدہ ہے، بلاشبہہ ایسا حلف شریعت میں نہیں اور اس نے ٹھیک کہا تو اس پر حکم گنہگاری و توبہ تیسری جہالت ہے اور سب سے سخت تراشدہ وہ کہ اس باطل محض کو معاذ اللہ حکم شرع ٹھہرا کر اس کی تکذیب کے سبب مسلمان پر حکم کفر عائد کرنا، حالانکہ اگر عقل سے کام لیا ہو تو باطل محض کو حکم شرع قرار دینے ہی پر یہ کہنا لازم کہ یہ قرار دینے والا اگرچہ بوجہ جہالت و نادانی یہ قول کرتا ہے تو گنہگار ہے توبہ چاہئے اور اگر جانتا ہے کہ یہ حکم شرع نہیں اور قصداً اللہ ورسول پر جھوٹی شریعت کا افترا کرتا ہے تو حکم کفر عائد ہوتا ہے اس لئے کہ قرآن عظیم میں ہے،

---

[1] صحیح البخاری کتاب الرھن باب اذا اختلف الراھن والمرتھن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۲
جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ما جاء ان البینۃ علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/۱۶۰
سنن الدارقطنی باب فی المرأۃ تقتل اذا ارتدت نشر السنۃ ملتان ۴/۲۱۸
السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الدعوی والبینات دار صادر بیروت ۱۰/۲۵۲

انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون[1] ۳۰۹ جھوٹ کا افترا، وہ لوگ کرتے ہیں جو مومن نہ ہوں (ت)

اور فرماتا ہے :

ان الذین یفترون علی اللّٰہ الکذب لا یفلحون[2] جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے ۔ (ت)

ظاہر صورت اولٰی ہے کہ بوجہ جہالت ایسا کہا ہے جس پر "ھذا صورت الجواب" بنائے کشیدہ قرینہ ہے مگر یہ فقط اس قول باطل ہی کا گناہ نہیں جاہل کو فتوٰی دینا کس نے حلال کیا، حدیث میں ہے :

من افتی بغیر علم لعنتہ ملٰئکۃ السمٰوٰت والارض[3] او کما قال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم۔ جو بے علم فتوٰی دے آسمانوں اور زمین کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں (یا جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ۔ ت)

والعیاذ باللّٰہ تعالٰی ، اور بالفرض اگر سائل کا بیان غلط ہے اور مجیب سے واقعہ بیان نہ کیا گیا جب بھی اتنے بیان سوال سے مجیب کا یہ ٹھہرالینا کہ ترہ فروشوں کی قومی پنچایت میں کوئی شرعی دعوٰی پیش ہوا اور یہ کہ انھوں نے منکر پر حلف رکھا جہالت ہے قومی پنچائتوں کو کون نہیں جانتا و من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل[4] (جو اہل زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے ۔ ت) اور مدعی و منکر کی شناخت ہزاروں جگہ علماء کو سخت دشوار ہوتی ہے نہ کہ جہال، مگر مجیب نے اپنے شہر کے ترہ فروشوں کو شاید امام مجتہد فرض کرلیا مسلمان پر حکم معصیت بلکہ ایک وجہ پر حکم کفر لگانے کے لئے تنقیح ضرور تھی کہ کیا معاملہ کیسا حلف، مگر اسے تو وہ جانے جسے علم و دین سے حصہ عطا ہوا، بہرحال جواب رام پور جہل و ظلم ضرور، ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم ۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۲ از عظیم آباد پٹنہ مرسلہ قاضی محمد عبدالوحید صاحب ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے انتقال کیا اور شوہر اور ایک شیر خوار بچہ اور ایک نانی اور دو بھائی حقیقی چھوڑے، بعد وفات ہندہ آپس میں من حیث ترکہ پانے کے نزاع واقع ہوئی، ہندہ کے بھائیوں نے ہندہ کے شوہر سے دین مہر خالدہ اخت ہندہ کا جو قبل شوہر ہندہ کے نکاح میں

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵
[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶
[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۹۰۱۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳
الفقیہ والمتفقہ باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷
[4] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

تھی اور بعد لاولد فوت ہونے اس کے ہندہ نکاح میں آئی تھی ادا کاری کا مطالبہ کیا اور چونکہ خالدہ اخت ہندہ کا دین مہر واقعی واجب الادا تھا تو جو حصہ ۸/۱ متروکہ کہ شوہر نے پایا وہ شوہر ہندہ نے محض دیانتداری سے بعوض دین مہر چھوڑ دیا، مگر از انجا کہ برادران ہندہ کی جس نے اپنا دین مہر معاف کر دیا تھا نیت صاف نہ تھی چہارم حصہ متروکہ ہندہ کو ابھی اسی دین مہر سابق میں ملا کر ہضم کرنا چاہا اور ہندہ کی نانی کو بھی نالش پر ابھارا تو شوہر ہندہ نے محض بغرض استحفاظ حصہ چہارم اپنے مصلحۃً یہ بیان کرنا شروع کیا کہ ہندہ نے مرض الموت میں اپنی کل جائداد اپنے شیر خوار بچہ کو ہبہ کر دی جس کا کوئی گواہ بجز شوہر ہندہ کے نہ تھا اور بعض مقامات میں بذریعہ تحریری شوہر ہندہ نے اس وقت تک ہبہ کا اقرار کیا کہ وہ ششم حصہ بھی خود اپنے مال سے اسم فرضی اپنے پسر کے خرید لیا اور من بعد برابر کاغذات وغیرہ پر خود اپنے اور اپنے شیر خوار لڑکے کی طرف سے بحیثیت ولایت کے دستخط کرتا رہا اور برابر وہ جائداد پسر ہندہ کے قبضہ میں حسب حصہ رسد کے رہی تا اینکہ وہ لڑکا عاقل و بالغ ہوا پھر اس کی شادی بھی ہوئی تو اب وہ لڑکا کل متروکہ اپنے مادر متوفیہ ہندہ پر دعوٰی کرتا ہے اور چہارم حصہ پدری اور اس حصہ پر جو اس کے باپ شوہر ہندہ نے اپنے پسر کے نام سے اسم فرضی ہندہ کی نانی سے خرید اتھا دونوں کو ہضم کرنا چاہتا ہے اور کچہری میں مقدمہ دائر کیا ہے اور اپنے پدر کے اقرار ہبہ کو جو مثل خریداری ششم حصہ کو وہ مصلحۃً بیان کرتا رہا استدلال میں پیش کرتا ہے اور کسی حال میں باوجود فہمائش بلیغ منازعت سے باز نہیں آتا اور باپ کی تعظیم و تکریم تو در کنار ماں پدر کو غلط اور لغو جانتا ہے اور حقوق پدری کا مطلق خیال نہیں کرتا تو ایسی صورت میں علمائے دین کا اس مصلحتی اقرار پدر متعلق ہبہ کے کیا ارشاد ہے اور اس پسر کے اس تکرار و فساد کو صحیح و درست جانتے ہیں یا بالعکس؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اولاد کو حقوقِ پدری کا خیال نہ کرنا اس کے ساتھ تمرد و مخالفت سے پیش آنا اپنے لئے عذاب مشدید نار و غضب رب قہار کا واجب کرتا ہے، اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں فرض کیا کہ والدین کے ساتھ احسان کرو، انھیں ہُوں نہ کہو، ان سے اعزاز و اکرام کا کلام کرو، اُن کے لئے خاص محبت سے تذلل کا بازو بچھاؤ، ان کے لئے دُعا کرو کہ الٰہی! ان پر رحم فرما جیسا انھوں نے مجھے چھٹپن میں پالا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لایدخلون الجنۃ العاق لوالدیہ والدیوث والرجلۃ من النساء[1]۔ رواہ	تین شخص ہیں کہ جنت میں نہ جائیں گے، ماں باپ کو ستانے والا اور دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت

[1] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۳۵۷
کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب البر والصلۃ باب العقوق مطبع موسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۳۷۲

النسائی والبزار باسنادین نظیفین والحاکم فی صحیحہ المستدرك عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

(اس کو نسائی اور بزار نے صاف سندوں سے اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ مستدرک میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

ثلثۃ لایقبل اللہ عزوجل منہم صرفا ولاعدلا عاق ومنان ومکذب بقدر[1] رواہ ابن ابی عاصم فی کتاب السنۃ باسناد حسن عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

تین شخص ہیں کہ اللہ تعالٰی نہ ان کے نفل قبول کرے نہ فرض : ماں باپ کو ایذا دینے والا اور صدقہ دے کر فقیر پر احسان رکھنے والا اور تقدیر کا جھٹلانے والا (اس کو ابن ابی عاصم نے سندِ حسن کے ساتھ کتاب السنۃ میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

ملعون من عق والدیہ ملعون من عق والدیہ ملعون من عق والدیہ[2] رواہ الطبرانی والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے، ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے، ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے (اس کو طبرانی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

رضا اللہ فی رضا الوالد وسخط اللہ فی سخط الوالد[3] رواہ الترمذی و

اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں (اس کو ترمذی اور حاکم نے

---

[1] العلل المتناہیہ حدیث ۲۲۹ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۵۱
مجمع الزوائد باب ماجاء فیمن یکذب بالقدر الخ دار الکتاب بیروت ۷/ ۲۰۶
[2] المعجم الاوسط حدیث ۸۴۹۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/ ۲۲۶
الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی والحاکم حدیث ۴ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۷
[3] المستدرک للحاکم کتاب البر والصلۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۵۲
جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۲

الحاکم بسند صحیح عن عبد اللہ بن عمرو والبزار عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

(حاکم نے صحیح سند کے ساتھ عبد اللہ بن عمرو اور بزار نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل الذنوب یؤخر اللہ تعالٰی منہا ما شاء الٰی یوم القیٰمۃ الا عقوق الوالدین فان اللہ یعجلہ لصاحبہ فی الحیاۃ قبل الممات[1]۔ رواہ الحاکم والاصبہانی والطبرانی فی الکبیر عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

سب گناہوں کی سزا اللہ تعالٰی چاہے تو قیامت کیلئے اٹھا رکھتا ہے مگر ماں باپ کو ستانا کہ اس کی سزا مرنے سے پہلے زندگی میں پہنچاتا ہے (اس کو حاکم، اصبہانی اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

مال کے لئے ماں باپ سے مخاصمت کتنی بے حیائی بیباکی کافر نعمتی ناپاکی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تعقن والدیک وان امراک ان یخرج من اھلک و مالک[2]۔ رواہ الامام احمد بسند صحیح علی اصولنا والطبرانی فی الکبیر۔

خبردار ماں باپ کی نافرمانی نہ کر اگرچہ وہ تجھے حکم دیں کہ اپنے جورو بچوں مال ومتاع سب سے نکل جا (اس کو امام احمد نے ہمارے اصول پر صحیح سند کے ساتھ اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔ ت)

دوسری روایت میں ہے:

اطع والدیک وان اخرجاک من مالک ومن کل شیئ ھو لک[3]۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند صالح کلاھما عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اپنے ماں باپ کا حکم مان اگرچہ وہ تجھے تیرے مال اور تیری سب چیزوں سے تجھے باہر کر دیں (اسے طبرانی نے اوسط میں، اسے اور مذکورہ بالا حدیث (دونوں) کو معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

او ناشکر، خدا ناترس! مال لایا کہاں سے، تیرا گوشت پوست استخوان سب تیرے ماں باپ

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب البر والصلۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۵۶
[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۳۸
[3] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۹۵۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/ ۳۶۰

کا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انت ومالك لابيك (تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا)

یہ اس وقت ارشاد ہوا کہ ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! مال و عیال رکھتا ہوں اور میرے ماں باپ میرا سب مال لینا چاہتے ہیں یعنی پھر میں اور میرے بال بچے کیا کھائیں گے، فرمایا:

"تُو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے تجھے اس سے انکار نہیں پہنچتا۔"

رواہ ابن ماجة[1] بسند صحیح عن جابر والطبرانی فی الکبیر عن سمرة بن جندب وعبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

اس کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر اور طبرانی نے کبیر میں حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔(ت)

حدیث میں ہے ایک شخص حاضرِ خدمت ہو کر عرض رساں ہوئے،

ان ابیہ یرید ان یاخذ مالہ۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ میرا مال لے لینا چاہتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ادعہ لی انھیں ہمارے حضور میں حاضر لاؤ۔ جب حاضر ہوئے ان سے ارشاد ہوا تمہارا بیٹا کیا کہتا ہے تم اس کا مال لینا چاہتے ہو، عرض کی حضور اس سے پوچھ دیکھیں کہ میں وہ مال لے کر کیا کرتا ہوں، یہی اس کی پھوپی اور اس کی قرابتیں یا میرا اور میرے بال بچوں کا خرچ، اتنے میں جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم! اس مرد پیر نے اپنے دل میں کچھ اشعار تصنیف کئے ہیں جو ابھی خود اس کے کان نے نہیں سُنے یعنی ہنوز زبان تک نہ لایا، حضور پرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اپنے دل میں کچھ اشعار تصنیف کئے ہیں جو ابھی تمہارے کان نے بھی نہ سُنے وہ سناؤ۔ ان صاحب نے عرض کی، اللہ ہمیشہ حضور کے معجزات سے ہمارے دل کی نگاہ ہمارا یقین بڑھاتا ہے، پھر یہ اشعار عرض کرنے لگے: ؎

غذوتك مولودا ومنتك یافعا	تعل بما اجنی علیك وتنهل
اذا لیلة ضافتك بالسقم لم ابت	لسقمك الا ساهرا اتململُ
تخاف الردی نفسی علیك وانها	لتعلم ان الموت حتم موكل

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب التجارات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۷
المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۶۹۶۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۷/ ۲۳۰

كانى انا المطروق دونك بالذى ... طرقت به دونى فعينى تهمل

فلما بلغت السن والغاية التى ... اليك مدى ما كنت فيك اومل

جعلت جزائى غلظة و فظاظة ... كانك انت المنعم المتفضل

فليتك اذ لم ترع حق ابوتى ... فعلت كما الجار المجاور يفعل

واوليتنى حق الجوار و لم تكن ... على بمالى دون مالك تبخل

میں نے تجھے غذا پہنچائی جب سے تُو پیدا ہُوا اور تیرا بار اٹھایا جب سے تو ننھا ہوا میری کمائی سے تو بار بار مکرر سیراب کیا جاتا، جب کوئی رات بیماری کا غم لے کر تجھ پر اترتی میں تیری ناسازی کے باعث جاگ کر لوٹ کر صبح کرتا میرا جی تیرے مرنے سے ڈرتا حالانکہ اسے خوب معلوم تھا کہ موت یقینی ہے اور سب پر مسلّط کی گئی ہے میری آنکھیں یُوں بہتیں کہ گویا وہ مرض جو شب کو تجھے ہُوا تھا نہ مجھے، مجھے ہوا تھا نہ تجھے، میں نے تجھے یوں پالا اور جب تُو پروان چڑھا اور اس حد کو پہنچا جس میں مجھے امید لگی ہوئی تھی کہ اس عمر کا ہو کر تو میرے کام آئے گا تو تُو نے میرا بدلہ سختی و درشت خوئی کیا گویا تیرا ہی مجھ پر فضل واحسان ہے، اے کاش جب تو نے حق پدری کا لحاظ نہ کیا تھا تو ایسا ہی کرتا جیسا پاس کا ہمسایہ کرتا ہے ہمسایہ میں کا حق تو مجھے دیا ہوتا اور مجھ پر اس مال سے کہ اصل میں تیرا نہیں میرا ہی تھا بخل نہ کرتا۔

ان اشعار کو استماع فرما کر حضور پر نور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گریہ کیا اور بیٹے کا گریبان پکڑ کر ارشاد فرمایا:

اذھب انت ومالك لابيك[1]۔ رواه الطبرانى فى المعجم الصغير والبيهقى فى دلائل النبوة عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالٰى عنهما۔

جا تُو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے (اس کو طبرانی نے معجم صغیر اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

حکم سعادت تو یہ ہے مگر بایں ہمہ قضاءً باپ بیٹے کی ملک جدا ہے۔ باپ اگر محتاج ہو تو بقدر حاجت بیٹے کے فاضل مال سے بے اس کی رضا واجازت کے لے سکتا ہے زیادہ نہیں اور یہ لینا بھی

---

[1] المعجم الصغیر للطبرانی باب من اسمہ محمد ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۶۳
دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی اخبارہ من قال فی نفسہ شعرًا الخ 〃 〃 〃 ۶/ ۵-۳۰۴

کھانے پینے، پہننے، رہنے کے لئے، اور حاجت ہو تو خادم کے واسطے بھی، بیٹے کے روپے پیسے سونے چاندی اناج کپڑے یا قابلِ سکونت پدر مکان سے ہو۔ ہاں یہ اشیاء نہ ملیں تو انھیں اغراضِ ضروریہ کے لئے اس کے اور اموال سے جو خلافِ جنس حاجت ہوں بحکمِ حاکم یا حاکم نہ ہو تو علی المفتی بہ بطورِ خود بھی لے سکتا ہے مثلاً کھانے کی ضرورت ہے اناج یا روپیہ نہ پایا تو کپڑے برتن لے سکتا ہے یا کپڑوں کی ضرورت ہے اور دام یا کپڑے نہ ملے تو اناج وغیرہ بیچ کر بنا سکتا ہے نہ کہ اس کی جائداد ہی سرے سے اپنی ٹھہرالے۔ درمختار میں ہے:

فی المبتغی للفقیر ان یسرق من ابنہ الموسر ما یکفیہ ان ابی ولا قاضی ثمۃ والا اثم[1]

مبتغی للفقیر میں ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے انکار پر اس کا اتنا مال چوری کرلے جتنا اس کو نفقہ کے لئے ضرورت ہے جبکہ وہاں قاضی نہ ہو ورنہ گنہگار ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سیاتی قریبا لو انفق الابوان ما عندھما للغائب من مالہ علی انفسھما وھو من جنس النفقۃ لا یضمنان لوجوب نفقۃ الابوین والزوجۃ قبل القضاء حتی لو ظفر بجنس حقہ فلہ اخذہ ولذا فرضت فی مال الغائب بخلاف بقیۃ الاقارب ونحوہ فی المنح والزیلعی وفی زکاۃ الجوھرۃ الدائن اذا ظفر بجنس حقہ لہ اخذہ بلا قضاء ولا رضاء وفی الفتح عند قولہ ویحلفھا باللہ ما اعطاھا النفقۃ وفی کل موضع جاز القضاء بالفرض کان لھا ان تأخذ بغیر قضاء

عنقریب آئے گا کہ اگر غائب بیٹے کا مال پاس ہو تو والدین اپنی ضرورت نفقہ کے لئے اسے صرف کرلیں اور اگرچہ وہ مال جنسِ نفقہ ہو تو والدین ضامن نہ ہوں گے کیونکہ والدین اور بیوی کا نفقہ قضاء کے بغیر بھی واجب ہے لہذا وہ اپنے حق والی جنس پر قابو پالیں تو قبضہ کرسکتے ہیں، اسی وجہ سے غائب کے مال میں ان کا نفقہ بقدرِ ضرورت نافذ ہوتا ہے بخلاف باقی اقارب کے۔ اسی طرح کا بیان منح، زیلعی اور جوہرہ کے باب زکوٰۃ میں ہے، قرض خواہ اپنے حق والی جنس پر قابو پانے پر لے سکتا ہے خواہ رضا اور قضا نہ ہو۔ اور فتح میں اس کے قول کہ "بیوی سے قاضی قسم لے گا کہ خاوند نے مجھے نفقہ نہیں دیا" کے تحت ہے، جہاں قاضی کو بیوی کے لئے نفقہ نافذ

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۴

من ماله شرعا اھ فیقول المبتغی ولا قاضی ثمۃ محمول علی ما اذا کان یاخذہ من خلاف جنس النفقۃ، فلا حاجۃ فیھا الی القاضی وتمامہ فی حاشیۃ الرحمتی وقد اطال واطاب[1]

کرنے کا اختیار ہے وہاں بیوی کو یہ جائز ہے کہ شرعاً وہ بغیر قضا، خاوند کے مال سے حاصل کرلے اھ، تو مبتغی کا یہ قول کہ "وہاں قاضی نہ ہو" یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ غیر جنس نفقہ سے لے، تو جنس نفقہ کی صورت میں قاضی کی ضرورت نہیں، یہ تمام بیان رحمتی کے حاشیہ میں ہے انھوں نے اچھی طوالت سے بیان کیا ہے۔ (ت)

یہاں کہ شوہر ہندہ نے کل متروکہ اپنے پسر کے نام جانب ہندہ سے ہبہ بتایا اور اسی پر کارروائی کی وہ شرعاً اپنے اقرار پر مواخذ ہے اور اس کا دعوٰی کہ اس وقت اپنی چہارم بچانے کے لئے ایسا مصلحۃً محض غلط کہہ دیا تھا ہرگز یوں مسموع نہیں جب وہ خود اتنی مدت تک چہارم کے لئے جھوٹ ظاہر کرتے رہنے کا مقر ہے تو کیا اعتبار ہے کہ اس کے وہی بیانات ممتدہ سچے ہوں اور اب بیٹے کی حرکات کے باعث ناراض ہوکر اس کے اضرار کے لئے یہ اظہار کرتا ہو، غرض کوئی مقر صرف اپنے اقرار سے پھر کر نفع نہیں پا سکتا، مرض الموت کا ہبہ جبکہ وارث کے نام ہو اگرچہ تمام وکمال اجازت دیے کر ورثہ پر موقوف رہتا ہے اور بعض نہ مانیں تو ان کے حق میں باطل ہوجاتا ہے مگر ماننے والے کے حق پر ضرور نافذ رہتا ہے اور یہ شیوع کہ بعد کو عارض ہوا تمامی ہبہ کو مضر نہیں ہوتا، تنویر میں ہے:

المانع شیوع مقارن لا طارئ[2]

غیر منقسم حصّہ ہونا ابتداءً مانع ہے بعد والا طاری ہو تو مانع نہیں ہے۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

لایمنع الشیوع صحۃ الاجازۃ[3]

غیر منقسم ہونا صحتِ اجازت کے لئے مانع نہیں ہے۔ (ت)

تو وہ اجازت شوہر ہندہ اُس کے اپنے حق چہارم پر ضرور اثر انداز ہوئی، اور اسے محض دعوٰی چہارم پانے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ رہا نانی کا ششم کہ اس کے عدم تسلیم کے باعث محفوظ رہا تھا جبکہ اسے اپنے پسر کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۷۶-۶۷۷
[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰
[3] فتاوٰی ہندیۃ

نام خریداوہ بھی اسی کا ہوگیا اگر اصل خریداری اسی کی طرف سے اسی کے نام سے ہوئی جب تو ظاہر ہے کہ ابتداءً لڑکا ہی اس کا مالک ہوا اور اگر خود خریدا اور بیعنامے میں لڑکے کا نام لکھادیا تو اب یہ نہ ٹھہرائیں گے کہ خریداری سے اصل مالک یہ خود ہوا،

لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ کما فی الدر وغیرہ۔[1]

کیونکہ خریداری کا جب نفاذ مشتری (خریدار) پر ہو تو بیع نافذ ہوجائے گی، جیسا کہ دُرّ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور پھر لڑکے کے نام بیعنامہ لکھانا اس کی طرف سے پسر کو ہبہ ہوا لانہ دلالۃ التملیک وقد بیناہ فی فتاوٰنا (کیونکہ یہ مالک بنانے پر دلالت ہے، اس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ ت) تاکہ وہم گزرے کہ جب ماورائے ششم کا بوجہ ہبہ ہندہ حسبِ اقرار شوہر ہوچکا اور یہ ششم بذریعہ شراء اس شخص کی ملک ہوا اور ہنوز نامنقسم ہے تو بیٹے کے نام لکھادینا شیئ مشاع کا اپنے شریک کو ہبہ کرنا ہوا اور وہ علی المذہب المعتمد جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

تم بالقبض فی مقسوم ومشاع لایقسم الا فی مایقسم ولو لشریکہ کما فی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب[2] الخ مختصرا۔

تقسیم شدہ اور ناقابلِ تقسیم کے قبضہ سے ہبہ تام ہوجاتا ہے مگر اس غیر منقسم کا ہبہ جو قابلِ تقسیم ہو قبضہ سے تام نہ ہوگا اگرچہ یہ ہبہ شریک کو ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ عام کتب میں ہے تو وہی مذہب ہے الخ مختصراً (ت)

بلکہ جب وہ مال اس کے قبضہ میں پہنچا اور یہ اقرار کرچکا تھا کہ وہ تمام وکمال بذریعہ ہبہ ملک پسر ہے تو اپنے اسی اقرار پر مواخذ ہوکر یہ ششم بھی سپرد پسر کرنا ہوگا اور وہ بیعنامہ میں اس کا نام لکھانا اس کی تکمیل ٹھہرے گا، بالجملہ اس اقرار کے باعث اب یہ دعوٰی ایسا نہ رہا جیسا کہ ایک وارث ثابت الوراثت کا دعوی صاف وآسان ہوتا۔ اب حکم یہ ہے کہ صورتِ مستفسرہ میں اگر مہر ہندہ واقعی معاف ہوگیا اور اس کے بھائی اسے ناحق دباتے تھے اور اس کے پاس کوئی ذریعہ تحفظ سوا اس اقرار کے نہ تھا جسے اب وہ غلط و بربنائے مصلحت بتاتا ہے تو اوّلاً اس سے گواہ مانگے جائیں گے اگر گواہان شرعی سے ثبوت دے دے کہ یہ اقرار محض کاذب وفرضی تھا فبہا ورنہ بیٹے سے حلف لیا جائے کہ واللہ میرے باپ کا اقرار مذکور

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰
[2] درمختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

سچا تھا اور فرضی نہ تھا اگر وہ حلف سے انکار کرے تو اس کے باپ کا دعوٰی ثابت مانا جائے گا اور حلف کر لے تو رَد ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے:

اقر رجل بمال فی صك واشهد علیه به ثم ادعی ان بعض هذا المال المقر به قرض وبعضه ربا علیه فان اقام علی ذٰلك بینة تقبل وان کان متناقضا لانا نعلم انه مضطر الی هذا الاقرار شرح وهبانیة[1]۔

ایک شخص نے رسید میں درج مال کا دوسرے کیلئے اقرار کیا اور مدعی نے اس پر شہادت پیش کی پھر مقر نے کہا کہ اس مال میں سے کچھ قرض ہے اور کچھ سُود ہے اس پر مقر نے گواہ پیش کر دئے تو یہ گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ یہ بات پہلے اقرار کے مناقض ہے کیونکہ ہمیں علم ہے کہ وہ اس اقرار پر مجبور تھا، شرح وہبانیہ۔ (ت)

اسی میں ہے:

اقر ثم ادعی المقر انه کاذب فی الاقرار یحلف المقر له ان المقر لم یکن کاذبا فی اقرارہ عند الثانی وبه یفتی درر[2]۔

اقرار کرکے پھر کہتا ہے میں نے جھُوٹا اقرار کیا ہے تو مقر لہ (جس کے حق میں اقرار کیا) سے قسم لی جائیگی کہ اقرار کرنیوالے نے سچا اقرار ہے نہ کہ جھوٹا، یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، درر۔ (ت)

یہ فیصلہ قضا ہے اور فیصلہ سعادت وُہ تھا انت ومالك لابیك[3] تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اپنے دونوں جہان کی بھلائی چاہتا ہے تو اسی فیصلہ پر سر رکھ دے کہ یہ فیصلہ اس کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہے اور مسلمان وہی ہے جو ان کا فیصلہ دل سے مان لے، اللہ عزوجل فرماتا ہے تیرے رب کی قسم مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے باہمی جھگڑوں میں تجھے حکم نہ بنائیں پھر تیرے فیصلہ سے اپنے دلوں میں اصلاً تنگی نہ پائیں گے اور قبول کرلیں مان کر[4]۔ اللہ عزوجل توفیق عطا فرمائے، آمین! واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۴۰
[2] درمختار " " " ۲/۱۳۳
[3] مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ عمرو بن شعیب دار الفکر بیروت ۲/۲۰۴
[4] القرآن الکریم ۴/۶۵

مسئلہ ۸۳ از ریاست رام پور محلہ متصل دروازہ انگوری باغ مرسلہ علی رضا خاں ۱۱ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کی خدمت میں بعد ادائے آداب بزرگاں گزارش ہے کہ ہندہ شب کو اپنے باپ کے مکان سے نکل کر زید کے مکان پر آئی اور زید سے برضائے خود نکاح کرلیا، ہندہ کے باپ نے استغاثہ فراری دختر کا کیا اور ہندہ بحکم سرکار اپنے باپ کے سپرد کردی گئی اور زید نے نالش مفتی کے یہاں کی، مفتی صاحب نے دعوٰی فسخ کردیا، عرضی دعوی اور جواب دعوٰی اور جواب و تنقیح عدالت وثبوت مدعی وصفائی مدعا علیہا و اظہارات گواہان وفیصلہ عدالت سب کی نقلیں حاضر ملاحظہ ہیں اس ثبوت پر دعوٰی مفتی نے خارج کردیا ہے، اب علمائے دین کی خدمت میں عرض ہے کہ بعد ملاحظہ کاغذات حکم شرعی سے معزز فرمائیں۔ عرضی علی رضا خاں برادر حسن رضا خاں ساکن رام پور۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب اللہ عزوجل تبارک وتعالٰی احکم الحاکمین عزجلالہ نے خادمان علم سے عہد لیا ہے کہ جب تم سے کسی مسئلہ شرعیہ کا استفسار ہو بے رورعایت حق کا اظہار ہو ورنہ معاذ اللہ مستحق لجام نار ہو، فیصلہ مع جملہ کاغذات مرسلہ نظر سے گزرا بنگاہ اولین واضح ہوا کہ معزز ذی علم مجوز کی نظر کو یہاں بوجوہ کثیر سخت لغزشوں کا سامنا ہوا محض ناکمل مقدمہ پر فیصلہ دے دیا گیا جو کسی طرح جائز نہ تھا، ذی علم مجوز نے بنائے فیصلہ چند امور پر رکھی ہے:

(۱) ابطال مبنائے ثبوت دعوٰی

(۲) قرائن سے ظہور غلطی دعوٰی

مگر افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی وجہ قوانین شرع مطہر کی معیار مبارک پر صحیح نہ اتری تفصیل موجب تطویل لہذا مختصر وجوہ غلطی فیصلہ پر اقتصار کریں وباللہ التوفیق۔

بنائے دعوٰی

(۱) ذی علم مجوز نے اس دعوٰی کا اصلی مبنٰی اس امر کا ثابت ہونا قرار دیا ہے کہ عصمت جہاں بیگم نے حسن رضا خاں کے ساتھ اپنے نکاح کا وکیل بوستاں خاں کو کیا ہے کیونکہ بذریعہ ولی جائز کے نکاح ہونے کا دعوٰی نہیں ہے بلکہ بوستاں خاں شخص اجنبی ہے اور مدعا علیہا بوستاں خاں کی توکیل سے منکر ہے یہاں تک کہ فرمایا صحت نکاح موقوف توکیل ہے جب توکیل غیر ثابت ہے تو اگر نکاح ہو بھی گیا تو بوجہ عدم صحت توکیل کے نکاح ثابت نہیں، یہاں تمام کتب مذہب کی روشن تصریحوں سے سخت ذہول

واقع ہوا، صحتِ نکاح ہرگز تقدم توکیل پر موقوف نہیں، نہ ثبوت نکاح ثبوت توکیل سابق علی النکاح پر۔ اگر کوئی فضولی راہ چلتا محض بلا اجازت وبلا اطلاع ہندہ کا نکاح زید سے خواہ زید کی طرف سے فضولی ہوکر اس کا نکاح ہندہ سے کردے اور طرف ثانی یعنی پہلی صورت میں زید اور دوسری صورت میں ہندہ خود یا اس کا وکیل یا ولی یا اس کی طرف سے بھی کوئی راہ چلتا اسی مجلس میں دو گواہوں کے سامنے کہ سنتے سمجھتے ہوں قبول کرلے نکاح ضرور صحیح ومنعقد ہوجائے گا جبکہ کوئی اس قابل ہو کہ اسے خبر پہنچے اور وہ اس فعل فضول کو روا رکھے تو جائز ہوسکے گا ہاں اس کا نفاذ خود منکوحہ یا ناکح یا دونوں یا ان کے اولیا کی اجازت پر موقوف رہے گا یعنی منکوحہ یا ناکح صرف ایک کی طرف سے کوئی فضولی تھا تو اس کی اپنی اجازت چاہئے اگر بالغ ہو ورنہ ولی کی اور دونوں کی طرف سے فضولیوں نے ایجاب وقبول کیا تو دونوں کی اپنی اجازت پر توقف ہوگا اگر بالغ ہوں یا یا اولیا کی اگر نابالغ ہوں یا ایک کی اپنی اور دوسرے کے ولی کی اگر ایک بالغ دوسرا نابالغ ہو بہر حال صحتِ نکاح میں شبہہ نہیں، ایسا نکاح اگر حاکم کے سامنے ثابت ہو تو ہرگز اس بناء پر رَد نہ کرے گا کہ توکیل تو ہوئی ہی نہ تھی لہذا نکاح ثابت نہیں بلکہ اس وقت تنقیح اس کی لازم ہوگی کہ آیا اجازت پائی گئی یا نہیں، اگر بعد نکاح اجازت قولاً خواہ فعلاً کسی طرح ثابت ہو ضرور ثبوت نکاح کا حکم کرے گا ورنہ نہیں۔

درمختار فصل فضولی میں ہے:

کل تصرف صدر منه کبیع وتزویج وطلاق واعتاق وله مجیز حال وقوعه العقد موقوفا۔[1]

فضولی شخص کا ایسا تصرف کہ اس کے تصرف کے وقت کوئی جائز کرنے والا موجود ہو مثلاً بیع، نکاح کرنا، طلاق واعتاق، تو یہ تصرفات موقوف طور پر منعقد ہوں گے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الموقوف من قسم الصحیح وھو احد طریقین للمشائخ وھو الحق۔[2]

موقوف تصرف صحیح اقسام میں سے ہے، یہ مشائخ کے دو طریقوں میں سے ایک ہے اور یہی حق ہے۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ وبحر الرائق و ردالمحتار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے:

---

[1] درمختار | کتاب البیوع | فصل فی الفضولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۳۱
[2] ردالمحتار | " | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/ ۳

الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ۔[1] بعد کی اجازت سابق وکالت کی طرح ہے۔(ت)

21

تو وکالت بوستاں خاں کو صحت نکاح کا موقوف علیہ اور ثبوت توکیل بوستاں خاں کو ثبوت دعوٰی کا اصل مبنی ماننا دونوں باتیں ناقابلِ قبول ہیں۔

(۲) جلال خاں و امجدی بیگم و سروری بیگم گواہان توکیل ہیں، ذی علم مجوز نے صحت دعوٰی کا دوسرا مبنٰی گواہوں کا مقرہ کو پہچاننا قرار دیا اور اس پر اعتراض کیا کہ جلال خاں کو عدم شناخت مقرہ کی تسلیم ہے اپنے اظہار میں لکھایا ہے کہ عصمت جہاں بیگم پردہ نشین ہے جس وقت گواہی دریافت کرنے کے لئے میں گیا تھا اس وقت کے علاوہ میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہیں دیکھا تھا میں نے عصمت جہاں بیگم کو ایسے پہچانا کہ اس نے اپنا نام مجھے بتایا اور عورات نے بھی مجھ کو بتایا یہ شناخت کافی نہیں اول تو وہ عورات غیر معین ان کا نام گواہ نے نہ لیا کہ ان کی حیثیت کا اندازہ ہوتا نہ صراحت کی کہ کس طرح اس کو بتایا ان سے قطع نظر تعریف اناث بلاشمول مرد نیک اصلاً قابلِ قبول نہیں پس بوجہ عدم شناخت مقرہ شہادت جلال خاں کی کالعدم ہے، سروری بیگم وامجدی بیگم کی شہادتوں میں نقصان نہ بھی ہوں تو بلاشمول شہادت مرد حجت نہیں پس شناخت و توکیل دونوں مفقود ہیں ذی علم معزز مجوز نے لحاظ نہ فرمایا کہ جلال خاں کو فی الحال عصمت جہاں بیگم کی شناخت نہ ہونی تسلیم ہے یا یہ کہ اس وقت سے پہلے نہ پہچانتا تھا گواہ کو وقتِ شہادت مشہود علیہ کا پہچاننا چاہیے یا پہلے سے جان پہچان ہونا ضروری ہے، جلال خاں نے یہ کہا کہ اس وقت کے علاوہ میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہ دیکھا تھا یا یہ کہ اس وقت بھی میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہ دیکھا تھا اور جب صراحۃً وہ اس وقت عصمت جہاں بیگم کو دیکھنا بیان کر رہا ہے تو کسی مرد یا عورت کی تعریف کی کیا ضرورت تھی اگر کوئی عورت بھی اس سے نہ کہتی کہ یہ عصمت جہاں بیگم ہے جب وقت اقرار اس نے خود اپنی آنکھ سے اسے دیکھا اور اسکا منہ دیکھ کر پہچانی ہوئی عورت کے اقرار پر گواہ ہوا تو اس قدر صحت شہادت کے لئے یقیناً کافی ووافی تھا لاکھوں مردوں پر ایسی ہی شہادتیں تحمل کی جاتی ہیں کہ شاہدین نے اس وقت سے پہلے انھیں کبھی نہ دیکھا تھا کیا یہ شہادتیں مردود ہیں یا شاہدوں کو لازم ہے کہ کہیں سے اپنی جان پہچان سے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پکڑ کر لائیں اور پہلے انھیں دکھا کر مشہود علیہ کی تعریف کرالیں اس کے بعد تحمل شہادت کریں کوئی عاقل اس کا قائل نہیں خود وہ عبارت کہ ذی علم مجوز نے فیصلہ کے ساتھ اپنی تجویز کی سند میں پیش کیں تجویز کی رَد پر گواہ عادل ہیں کیا ذی علم مجوز نے درمختار کی یہ عبارت نقل نہ کی :

او یری شخصھا ای القائلۃ مع شھادۃ یا یہ کہنے والی عورت کہ میں فلانی بنت فلاں بن فلاں ہوں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

اثنتین بانہا فلانۃ بنت فلان بن فلان[1]

اس پر اس کے ساتھ دو گواہ بھی ہوں، کہ شخص کو دیکھا جا رہا ہو۔ (ت)

کیا اسکی شرح میں ردالمحتار کی یہ عبارت نقل نہ کی:

احترز برؤیۃ شخصہا عن رؤیۃ وجہہا قال فی جامع الفصولین حسرت عن وجہہا وقالت انا فلانۃ بنت فلان بن فلان وہبت لزوجی مہری فلایحتاج الشہود الی شہادۃ عدلین انہا فلانۃ بنت فلان مادامت حیۃ اذیمکن للشاہد ان یشیر الیہا[2]

شخصیت کو دیکھنے کے قول نے چہرے کو دیکھنے سے بچا دیا، جامع الفصولین میں فرمایا: عورت نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور کہا کہ میں فلانہ بنت فلاں بن فلاں نے اپنا مہر اپنے خاوند کو دیا تو گواہوں کو یہ کہنے والے دو عادل گواہوں کی ضرورت نہیں کہ وہ فلانہ بنت فلاں بن فلاں ہے کیونکہ اس کی زندگی میں گواہ کو اشارہ سے بتانا ممکن ہے (ت)

کیا شامی کی یہ عبارت نقل نہ کی:

کذا اذا وکلت بالتزویج فہو علی ہذا اھ ای ان رأوہا اوکانت وحدہا فی البیت یجوزان یشہدوا علیہا بالتوکیل[3]

یوں ہی جب عورت نے اپنے نکاح کے لئے وکیل بنایا اور عورت کو گواہ دیکھ سکتے ہوں یا وہ مکان میں اکیلی ہو تو گواہوں کو اس کی وکالت پر شہادت جائز ہے۔ (ت)

کیا ان عبارتوں میں صاف تصریح نہ تھی کہ دو مرد یا ایک مرد دو عورات کی تعریف اس وقت ضرور ہے جب مقرہ شاہد کے سامنے نقاب یا برقع میں ہو کہ اس کے قدوقامت و بدن وجسامت کا اندازہ کپڑوں میں چھپا نظر آتا ہے چہرہ نہیں دکھائی دیتا اور اگر منہ کھول کر کہے کہ میں فلانہ بنت فلاں بن فلاں ہوں، تو جب تک عورت زندہ ہے گواہ کو اصلاً تعریف کی حاجت نہیں، غرض بربنائے عدم تعریف شہادت جلال خاں کا کالعدم قرار پانا اور اس کی بناء پر سروری بیگم واعجدی بیگم کی گواہیوں کا شہادت مرد سے خالی رہ جانا اور اس کی بناء پر توکیل بوستاں خاں کا ثابت نہ ہونا اور اسکی بناء پر دعوی نکاح کا بے ثبوت رہنا یہ سب بنائے فاسد علی الفاسد ہے، ہاں یہاں ضرور قصور رہا کہ شاہد جبکہ عصمت جہاں بیگم کو پہلے سے نہ پہچانتا تھا کہ وقت توکیل اسے دیکھ کر خود ہی پہچان لیتا اور وقت شہادت اپنے علم ذاتی سے گواہی دیتا کہ وہ عورت جس نے میرے سامنے توکیل کی عصمت جہاں بیگم

---

[1] درمختار | کتاب الشہادات | مطبع مجتبائی دہلی | ۹۲/۲
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۳۷۳/۴
[3] " | کتاب النکاح | " " | ۲۷۲/۲

ہی تھی بلکہ اس نے اسی وقت مقرہ کو دیکھا اور اسی کی زبانی یا اور عورات کے بیان سے بھی جانا تھا کہ یہ عصمت جہاں بیگم ہے تو احتمال تھا کہ واقع میں وہ کوئی اور عورت تھی جس نے بفریب اپنے آپ کو عصمت جہاں بیگم ظاہر کیا اس شبہہ کے رفع کو حاکم پر لازم تھا کہ عصمت جہاں بیگم کو وقت شہادت جلال خاں کے سامنے کرتا اور اس کا منہ کھلوا کر شاہد سے گواہی لیتا کہ یہ وہی عورت ہے جسے تُو نے وقتِ توکیل دیکھا تھا اگر جلال خاں شناخت کرتا تو اس کی گواہی کامل تھی ورنہ باطل، مگر یہ قصور شاہد کا نہیں، شاہد کا کیا زور تھا کہ عصمت جہاں بیگم کو جو اس وقت اپنی توکیل سے منکر اور بر سر خلاف ہے بالجبر حاضر لاتا اور اس کا منہ کھول کر دیکھ کر گواہی دیتا یہ کام تو حاکم کا تھا جو متروک رہا اور محض بے ترتیب و نا مکمل مقدمہ پر فیصلہ دے دیا گیا مجوز کا فرمانا کہ شناخت کرانا مقرہ کا گواہ مذکور کو شرط تھا جو متروک ہے نہایت حق و بجا ہے واقعی شناخت کرنا گواہ کا کام تھا وہ اس نے متروک نہ کیا کہ نہ وہ اس کے اختیار میں تھا نہ اس سے چاہا گیا ہاں شناخت کرانا حاکم کا کام تھا وہ ضرور متروک رہا مگر ترتیب مقدمہ میں مجوز کا خود قصور رکھنا اور اپنے فعل کا الزام گواہ کو دے کر بلا وجہ شہادت و دعوی رد فرما دینا ایک سخت تعجب انگیز بات ہے۔

(۳) **اختلافات**، ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے مذہب میں اختلاف وہ مضر ہے جو اصل معاملہ پر اثر انداز ہے زائد و فضول باتیں کیسی ہی ہوں تو مضر نہیں محض لغو اندازہیں ان میں اختلافات ہزار ہوں اصلاً قابل لحاظ نہیں یہاں دعوٰی صرف اس قدر ہے کہ عصمت جہاں بیگم سے میرا نکاح ہوا ہے وہ مجھے دلا دی جائے مہر وغیرہ کچھ زیر بحث نہیں تو شاہدوں یا شہود و دعوٰی میں مقدار مہر یا جنس مہر کا اختلاف اصل دعوٰی میں کچھ مخل نہیں، کیا اگر مہر میں دس اشرفیاں ٹھہری ہوں تو نکاح ہوگا بیس ٹھہری ہوں تو نہ ہوگا اور جب مہر در بارۂ نکاح ایک امر زائد ہے تو محض بالائی لغو باتیں کہ بوستان خاں[1] کے جاتے وقت جلال خاں دروازہ میں کھڑا تھا یا اس کے پیچھے پیچھے گیا تھا، عصمت جہاں بیگم[2] نے تین بار اجازت دی یا ایک بار کہا تھا، جلال خاں نے عصمت جہاں بیگم سے سوال کیا یا اس نے خود بے سوال کہا تھا، عصمت جہاں بیگم نے شمسن بیگم کے کہنے پر بوستان خاں سے خطاب کیا یا وہ کہنے نہ پائی تھی کہ اس نے کہہ دیا، نکاح میں بتاشے بٹے تھے یا چھوہارے یا مٹھائی۔ محمد حسین خاں اپنے بیٹے کے ساتھ آیا یا بعد وغیرہ وغیرہ لغویات کا کیا ذکر، میں بعونہٖ تعالےٰ ان تمام امور پر تفصیلاً بحث کیا چاہتا ہوں یہاں اس عام جامع مہم و نافع قاعدہ کو خوب سمجھ لیا جائے کہ فیصلوں میں بار بار ایسی بیکار بحثیں پیش آتی ہیں اور ان کے سبب مسلمانوں کے حقوق پر برا اثر پڑتا ہے، بہت ادب سے تاکیدی گزارش کی جاتی ہے کہ اسلامی عدالتیں توجہ تام سے ان احکام شرعیہ کو سنیں اور ان پر کاربند رہیں کہ حقوق مسلمین ضائع نہ ہوں صفر ۱۳۱۶ھ

میں اسی ریاست سے مقدمہ بگا بیگم بنام عباس علی خاں کا فیصلہ بغرض استصواب یہاں آیا تھا اس میں بھی ایسے ہی زائد و لغو اختلافات کی بنا پر ذی علم مجوز نے دعوی مدعیہ رد فرمایا تھا جس کا جواب مظہر صواب بہ تفصیل تام یہاں سے بھیج دیا گیا انھیں جواہر زواہر سے چند کلمات کا التقاط پھر کیا جاتا ہے زائد و فضول و بیکار باتوں میں تفاوت اصلاً لائق التفات نہیں۔ وجیز امام کردری میں ہے:

التناقض فیما لایحتاج الیه لا یضر اصله فی الجامع الصغیر[1] اھ

غیر ضروری چیز میں تناقض ہو تو اصل واقعہ کے ثبوت میں مضر نہیں ہے اس کی اصل جامع صغیر میں ہے اھ (ت)

جامع الفصولین کی فصل ۱۱ میں ہے:

القاضی لو سأل الشهود قبل الدعوی عن لون الدابة فقالوا کذا ثم عند الدعوی شهدوا بخلاف ذلك اللون تقبل لانه سأل عما لا یکلف الشاهد بیانه فاستوی ذکره وترکه ویخرج منه مسائل کثیرة[2]

قاضی نے اگر دعوی سے قبل گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا تو انھوں نے کوئی رنگ بتایا اور دعوی کے ساتھ گواہوں نے کوئی دوسرا رنگ بتایا تو ان کی گواہی مقبول ہوگی کیونکہ اس نے ایسی چیزوں کا سوال کیا جن کے بیان کا شاہد پابند نہیں تھا تو ان چیزوں کا ذکر اور عدم ذکر برابر ہے اور اس قاعدہ سے بہت سے مسائل کی تخریج ہے (ت)

خلاصہ اور ہندیہ میں ہے:

لو سأل القاضی الشهود عن لون الدابة وذکروا ثم شهدوا عند الدعوی وذکروا الصفة علی خلافه تقبل والتناقض فیما لایحتاج الیه لایضر[3] کذا فی الخلاصة۔

اگر قاضی نے دعوی سے قبل گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا انھوں نے کوئی بتایا اور دعوی کے ساتھ انھوں نے کوئی دوسرا رنگ بتایا تو دعوی مقبول ہوگا اور یہ تناقض غیر ضروری چیزوں میں ہے لہذا مضر نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ (ت)

خانیہ و بحر الرائق و ظہیریہ و عالمگیریہ میں ہے:

لو اختلفا فی الثیاب التی کانت علی الطالب

اگر گواہوں نے ان کپڑوں میں جو طالب، مطلوب

---

[1] فتاوی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیہ کتاب الشہادات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۵۱
[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۰
[3] فتاوی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰

او المطلوب او المرکب او قال احدھما کان معنا فلان و قال الاخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انه یجوز ولا تبطل ھذه الشهادة۔[1]

یا سواری پرچڑھنے کے متعلق مختلف بیان دیا، یا ایک نے کہا ہمارے ساتھ فلاں تھا اور دوسرے نے کہا نہیں تھا تو امام محمد نے اصل (مبسوط) میں فرمایا کہ یہ شہادت جائز ہوگی باطل نہ ہوگی (ت)

فتاوٰی قاعدیہ و فتاوٰی القرویہ میں ہے:

قال الشهادة لو خالفت الدعوی بزیادة لا یحتاج الی اثباتها او بنقصان کذلك فان ذٰلك لا یمنع قبولها مثاله لو شهدا علی اقرارہ بمال فقالا اقر فی یوم کذا والمدعی لم یذکر الیوم او شهد اولم یؤرخا والمدعی ارخ او شهدا انه اقر فی بلد کذا وقد اطلق المدعی او ذکر المدعی المکان ولم یذکراہ او ذکر المدعی مکانا و ھما سمیا غیر ذٰلك المکان او قال المدعی اقر وھو راکب فرس او لابس عمامة و قال اقر وھو راجل او راکب حمار اولابس قلنسوة واشباہ ذٰلك فانه لا یمنع القبول لان ھذه الاشیاء لا یحتاج الی اثباتها فذکرها والسکوت عنها سواء کذا لو وقع مثل ھذا التفاوت فی الشهادتین لا یضر۔[2]

انھوں نے فرمایا اگر دعوٰی سے زائد کسی ایسے امر میں جو دعوٰی کے اثبات میں ضروری نہیں یا یوں ہی کسی کمی جس سے دعوٰی میں کوئی اثر نہیں پڑتا، میں گواہوں نے اختلاف کیا تو اس سے دعوٰی کو قبول کرنے میں کوئی ممانعت نہیں، مثلاً گواہوں نے بیان دیا کہ فلاں نے میرے پاس مال کا اقرار کیا گواہوں نے کہا فلاں روز اس نے اقرار کیا حالانکہ مدعی نے دعوٰی میں کسی دن کو ذکر نہ کیا، یوں ہی گواہوں نے اقرار کی تاریخ بیان نہ کی جبکہ دعوٰی میں تاریخ کا ذکر ہے، یا یوں کہ گواہوں نے کہا کہ فلاں شہر میں اقرار کیا جبکہ مدعی نے کسی شہر کو ذکر نہ کیا ہو یا مدعی نے جگہ ذکر کی اور گواہوں نے جگہ کو ذکر نہ کیا، یا مدعی نے دعوٰی میں ایک جگہ ذکر کی گواہوں نے دوسری جگہ کو ذکر کیا، یا مدعی نے کہا اس نے گھوڑے پر سواری یا عمامہ پہنے ہوئے اقرار کیا جبکہ گواہوں نے پیدل یا گدھے پر سواری یا ٹوپی پہنے اقرار کا ذکر کیا تو ایسے اختلاف سے دعوٰی کے مقبول ہونے میں ممانعت نہ ہوگی کیونکہ مذکورہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۳

[2] فتاوٰی القرویہ ؍؍ الثامن فی الاختلاف الخ دار الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۹۵-۳۹۴

اشیاء دعوٰی کے اثبات کے لئے ضروری نہیں ہیں اس لئے ان کا ذکر اور عدمِ ذکر برابر ہے یونہی ان چیزوں میں اگر گواہوں نے بھی اپنے بیانات میں اختلاف کیا تو دعوٰی کے لئے مضر نہیں ہے (ت)

اصل شہادت میں اتفاق شافی و وافی کے بعد بعض فضولیات میں ایسے نامؤثر بلکہ آسان اختلافوں کو دستاویز بنا کر شہادات متفقہ کو رد کر دینے کا اگر فتح باب ہو تو عامہ حقوق ضائع ہو جائیں ظالمین اموال و فروج پر دسترس پائیں مظلوم اپنے حق سے محروم رہ جائیں کچہریاں صرف اعانت ظلم کے صیغے نظر آئیں، کہ انسان نسیان کے لئے ہے اور زوائد ضائعہ کی طرف نہ ذہن ابتداءً التفات تام کرتا ہے نہ حافظہ انتہاءً ان کا اہتمام ایسی کسی بات میں اختلاف ہو جانا درست نہیں بلکہ غالب ہے خصوصاً اس بدعت شنیعہ کے ہاتھوں جو آج کل کے وکلا نے اتلاف حقوق و تکذیب صدوق کے لئے تراشی اور رقصات نے اس پر تقریر کی کہ محض براہِ مغالطہ شہود کا بیان متزلزل کر دینے کے لئے صدہا سوالات فضول و مہملات سو سو طرح کے پیچ دے کر کرتے اور شرع نے جن کے اکرام کا حکم دیا جنھیں ذریعہ دادرسی مظلوم بنایا ان کے اغوار و تضلیل و ازلال و تذلیل میں کوئی دقیقہ نامرعی نہیں رکھتے اس بیہودہ بے معنی کشاکش پریشان کن میں آدمی کے آئے حواس جاتے ہیں خصوصاً نساء و ضعفاء و ارباب سلامت صدور اور وہ لوگ جنھیں کچہریوں کا اتفاق کم ہو یہ تو ان حضرات کے تجزہ و دست مال ہیں جب فہرست شہود میں ایسوں کا نام پاتے ہیں برائے تفاخر فرماتے ہیں وہ بہت سیدھے مسلمان ہیں دیکھنا دو سوالوں میں بول جائیں گے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بھولا راست باز جھوٹا ٹھہرتا ہے اور جھوٹا فسوں ساز سچا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المؤمن غر کریم والفاجر خب لئیم[1]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والحاکم بسند جید عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

مومن کریم ہونے پر دھوکہ کھاتا ہے اور فاجر شخص شاطر ہونے کی بنا پر دھوکہ ساز ہوتا ہے۔ اس کو ابوداؤد، ترمذی اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جیّد سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

وہاں ایسے کسی اختلاف یسیر کا بھی اصلاً واقع نہ ہونا ہی تعجب ہے تو ان پر نظر کا حاصل سوا اضاعت حقوق و اعانت عقوق کے اور کیا قرار پا سکتا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، پُر ظاہر کہ اس میں حرج صریح ہے اور حرج بنص قطعی مدفوع، جامع الفصولین میں ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی حسن المعاشرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۳۰۴/۲

عدم القبول فی امثالہ یفضی الی الحرج و التضییق وتضییع کثیر من الحقوق وامرنا بیسر لا بعسر والحرج مدفوع شرعاً[1]

ایسی صورتوں میں دعوٰی کا غیر مقبول ہونا، حرج اور تنگی اور کثیر حقوق کے ضیاع کا باعث ہوسکتا ہے حالانکہ ہمیں آسانی کا حکم ہے مشکل کا نہیں حالانکہ حرج شرعاً مدفوع ہے۔ (ت)

روایت نادرۂ ابی یوسف کو مذہب امام ابی یوسف کہنا کس قدر خلاف فقاہت ہے، نہ قاضی و مفتی کو اس پر عمل کی اجازت، جامع صغیر و مبسوط امام محمد و بحرالرائق و اشباہ والنظائر و زواہر الجواہر و درمختار و فتاوٰی صغرٰی و فصول عمادی و خزانۃ المفتین و جامع الفصولین و غایۃ البیان و فتاوٰی انقرویہ و ردالمحتار و فتاوٰی خلاصہ و کافی و لسان الحکام و معین الحکام و عقود دریہ و وجیز کردری و فتاوٰی خانیہ و فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی قاعدیہ وغیرہا کتب معتمدۂ مذہب کی عبارات کثیرہ اوپر گزریں کہ اس روایت نادرہ کے سراسر خلاف ہیں اور انھیں پر انحصار نہیں عامۂ کتب مذہب میں اس کا خلاف موجود، نوادر میں بھی یہ صرف روایت ابی یوسف ہے برخلاف امام اعظم وہمام اقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ تو جماہیر کے خلاف امام کے خلاف ظاہر الروایۃ کے خلاف دلیل کے خلاف بے تصحیح صریح و ترجیح رجیح ائمہ افتا ایک روایت شاذہ نادرہ پر فیصلہ کیونکر روا۔ ائمہ و علماء کی روشن تصریحات ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں وہ مرجوع عنہ ہے، قول مرجوح پر افتا و قضا جہل و خرق اجماع ہے نہ کہ مرجوع عنہ کہ سرے سے قول ہی نہ رہا، لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کردینے کا حکم فرمایا، ردالمحتار میں ہے:

قد صرحوا بان العمل بما علیہ الاکثر[2]

فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ اکثریت کے قول پر عمل ہوگا۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

یجب علینا الافتاء بقول الامام[3]

ہم پر امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی ضروری ہے۔ (ت)

خیریہ میں ہے:

المقرر ایضا عندنا انہ لایفتی و

ہمارے ہاں یہ بھی مسلّم ہے کہ فتوٰی اور عمل صرف

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر فی الاختلاف بین الدعوٰی اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۶

[2] ردالمحتار فصل فی البئر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۵۱

[3] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۷۰-۲۶۹

لایعمل الا بقول الامام الاعظم اھ[1]۔ | امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر ہوگا اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ماخلف ظاہر الروایۃ لیس مذھبا لاصحابنا۔[2] | جو ظاہر روایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہے (ت)

بحرالرائق میں ہے:

ماخرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ[3]۔ | جو قول ظاہر روایت سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہوتا ہے اور جو مرجوع عنہ ہو وہ امام صاحب کا قول نہیں رہتا۔ (ت)

تصحیح القدوری و درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[4]۔ | فتوٰی اور حکم مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کے خلاف ہے۔ (ت)

حواشی ثلٰثہ سادات ثلٰثہ ابراہیم حلبی واحمد مصری ومحمد شامی میں ہے:

اولٰی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاہر الروایۃ اذالم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنہ[5]۔ | ظاہر روایت جس کی تصحیح نہ ہُوئی ہو کے خلاف فتوٰی دینا اور مرجوع عنہ پر فتوٰی دینا اس سے بھی زیادہ باطل ہے (ت)

تنویر و شرح علائی میں ہے:

لایخیر الا اذا کان مجتھد أبل المقلد (لایخیر اذا لم یکن مجتھدا کذا فی بعض النسخ) متی خالف معتمد مذھبہ لاینفذ حکمہ وینقض ھو المختار | خیار نہیں ہوگا مگر جبکہ وہ مجتہد ہو بلکہ قاضی مقلد بھی جب اپنے قابل اعتماد مذہب کے خلاف کرے تو جائز نہیں اس کا حکم نافذ نہ ہوگا اور کالعدم قرار پائے گا'

---

[1] فتاوٰی خیریہ | کتاب الشہادات | دارالفکر بیروت | ۲/۳۳
[2] ردالمحتار | کتاب احیاء الموات | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/۲۷۸
[3] بحرالرائق | کتاب القضاء فصل فی التقلید | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۶/۲۷۰
[4] درمختار | مقدمۃ الکتاب | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۵
[5] ردالمحتار | خطبۃ الکتاب | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۱/۵۱

للفتوی[۱] یہی فتوٰی کے لئے مختار ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذا حکم بغیرہ لم یصح[۲] قاضی، امام صاحب کے اصح اقوال پر حکم کا پابند ہے اگر غیر اصح پر حکم دیا تو صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

(۴) تفصیلی اختلافات کی طرف چلئے، جلال خاں کے بیان سے اس کا وقت آنے بوستاں خاں کے کھڑا ہونا بیرونی دروازہ میں پہلے سے اور مسماتوں کے بیان سے جلال خاں وکالے خاں کا ان کے پیچھے پیچھے آنا ثابت ہے یہاں اظہاروں کی عبارات پر قدرے بے غوری واقع ہوئی، جلال خاں کا بیان یہ ہے جب بوستاں خاں اندر مکان کے چبوترے پر گئے ہیں تو میں دروازہ اندرونی میں مکان کے اندر کھڑا تھا مجھ میں اور بوستاں خاں میں تخمیناً فاصلہ ۴گز کا تھا اور امجدی بیگم سروری بیگم کہتی ہیں پھر محمد رضا خاں اور بوستاں خاں گھر میں آئے اور پیچھے پیچھے کالے خاں وجلال خاں بھی آئے عورتیں ان گواہوں کے گھر میں آتے وقت کا حال بیان کرتی ہیں کہ آگے آگے بوستاں خاں اور پیچھے پیچھے جلال خاں گھر میں آئے اور جلال خاں گھر میں داخل ہونے کے بعد اس وقت کا حال کہتا ہے جب بوستاں خاں اندر مکان کے چبوترے پر گیا تھا ان میں کیا اختلاف ہوا بوستاں خاں اور اس کے پیچھے جلال خاں گھر میں آئے جلال خاں دروازہ اندرونی پر رک رہا بوستاں خاں چبوترہ پر گیا دونوں بیان صادق ہیں ذی علم مجوز کی نظر نے اس لفظ میں لغزش فرمائی ہے کہ جلال خاں کے بیان سے وقت آنے بوستاں خاں کے حالانکہ اس کا یہ بیان مکان کے اندر چبوترہ پر بوستاں خاں کے جانے کے وقت کا ہے، کہاں بوستاں خاں کا مکان میں آنا اور کہاں اس کا اندرونی مکان چبوترہ پر جانا۔

(۵) جلال خاں نے بیان کیا میں نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تم کیا کہتی ہو تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار حسن رضا خاں کے ساتھ نکاح پڑھوانے کے لئے بوستاں خاں کو دیا، مسماتان مذکور دریافت کرنا جلال خاں کا عصمت جہاں بیگم سے بیان نہیں کرتیں سروری بیگم و امجدی بیگم نے اگر عصمت جہاں بیگم سے جلال خاں کا دریافت کرنا بیان نہ کیا تو یہ بھی تو نہ کہا کہ جلال خاں نے دریافت نہ کیا بے اس کے پوچھے خود ہی عصمت جہاں بیگم نے بتایا تھا پھر یہ اختلاف کیا ہوا کیا عدمِ ذکر ذکرِ عدم ہوتا ہے، بھلا یہ تو لغو وفضول بات ہے خاص متعلق اصل معاملہ میں تصریح علماء ہے کہ شاہدین میں جب ایک ایک بات بیان کرے دُوسرا نہ بیان کرے

---

[۱] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[۲] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۶

توجتنی بات میں دونوں متفق ہیں شہادت مقبول ہوگی اور جتنی بات صرف ایک کے بیان میں ہے وہ بوجہ عدم نصاب شہادت ثابت نہ ہوگی مثلاً زید وعمرو نے گواہی دی کہ بکر نے خالد کو وکیل کیا زید نے اپنی شہادت میں اتنا اور بڑھایا کہ پھر معزول کردیا عمرو نے عزل کا ذکر نہ کیا تو وکالت ثابت ہوجائے گی اور معزولی ثابت نہ ہوگی، فصول عمادیہ وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

لوشہد ابالوکالۃ وزاد احدھما انہ عزلہ جازت شہادتہما علی الوکالۃ ولم تجز علی العزل[1]

اگر گواہوں نے وکالت کی گواہی دی اور ایک نے یہ بات زائد کہی کہ وہ معزول ہوچکا ہے تو نفس وکالت پر دونوں کی شہادت مقبول ہوگی، معزولی کی زائد بات معتبر نہ ہوگی۔ (ت)

(۶) مسماتان مذکور کہتی ہیں عصمت جہاں بیگم نے تین مرتبہ کلمات اجازت کہے جلال خاں تین مرتبہ اجازت دینا بیان نہیں کرتا، یہ بھی وہی عدم ذکر و ذکرِ عدم میں فرق نہ کرنا ہے جلال خاں یہ بھی تو نہیں کہتا کہ عصمت جہاں بیگم نے تین مرتبہ نہ کہا صرف ایک ہی بار کہا تھا اُس مقدمہ بگا بیگم بنام عباس علی خاں میں بھی اس قسم کے اختلافات تجویز فرمائے گئے تھے جنھیں فقیر نے اپنے فتوٰی میں لکھا، رب العزت جل وعلا نے سورۂ نمل میں فرمایا:

یٰموسٰی لاتخف انی لایخاف لدی المرسلون[2]

اے موسٰی (علیہ السلام)! آپ خوف نہ کریں میرے حضور رسولوں کو خوف نہیں ہوتا (ت)

اور سورۂ قصص میں فرمایا:

یٰموسی اقبل ولا تخف انک من الاٰمنین[3]

اے موسٰی (علیہ السلام)! آگے بڑھو خوف نہ کرو آپ بیشک امن والوں میں ہیں (ت)

اور سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا:

قال خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولٰی[4]

فرمایا اسے پکڑو اور خوف نہ کرو ہم اسے عنقریب پہلی حالت پر پھیر دیں گے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفصول العمادیۃ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۷

[2] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۱

[4] " " ۲۰/ ۲۱

ان دونوں سورتوں میں ذکرندا ہے یہاں نہیں بلکہ جملہ لا تخف کے سوا ہر جگہ نیا کلام نقل فرمایا ہے ، کیا معاذاللہ یہ قرآن مجید کا اختلاف ٹھہرے گا ، ہماری رائے میں ایک بڑا اختلاف ذکر سے رہ گیا ، اظہارات کی نقلیں کہ یہاں آئی ہیں ان میں سروری بیگم و امجدی بیگم کے بیان میں جتنی جگہ عصمت جہاں بیگم کا نام آیا ہے سب جگہ مع لفظ بیگم ہے اور جلال خاں کے بیان میں ایک جگہ لفظ بیگم نہیں تو ارشاد فرمانا تھا کہ عورتیں عصمت جہاں بیگم کہتی ہیں اور جلال خاں نے ایک جگہ بے لفظ بیگم کہا لہذا گواہیاں بوجہ اختلاف مردود ہیں۔

(۷) جلال خاں نے بیان کیا کہ جب بوستاں خاں اندر مکان کے گئے تو حسن رضا خاں کی ہمشیرہ سے کہا کہ تم اس عورت سے میرے روبرو کہلوادو ، چنانچہ انھوں نے اس عورت سے کہا کہ تم خود اپنے مُنہ سے کہو ، تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار الخ ، مسماتوں نے یہ کہا ہے کہ بوستاں خاں نے میری بڑی نند سے کہا کہ بیگم اب لڑکی سے کہو کہ کیا کہتی ہے جو میں بھی سنوں ، میری نند کہنے بھی نہ پائی کہ عصمت جہاں بیگم نے کہا کہ میں ہوں عصمت جہاں بیگم میں نے حسن رضا کے ساتھ الخ ۔ سارے اختلافوں میں یہ بڑا بھاری اختلاف ہے کہ ظاہراً نفی واثبات کا فرق ہے ، جلال خاں کہتا ہے شمسن بیگم کے کہنے پر عصمت جہاں بیگم نے کہا عورتیں کہتی ہیں شمسن بیگم کہنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نے کہہ دیا مگر انصاف کیجئے تو یہ اعتراض بھی مہمل ہے۔

اوّلاً اظہار جلال خاں کی نقل جو یہاں آئی اس کی عبارت یہ ہے بوستاں خاں اندر مکان کے گئے حسن رضا کی ہمشیرہ سے جا کر کہا کہ تم میرے رُوبرو کہلوادو ، چنانچہ انھوں نے اس عورت سے کہا کہ کہہ دو ، تب اس عورت نے اپنی زبان سے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار کہہ دیا ایک چار حرفی کلمہ ہے ، شمسن بیگم عصمت جہاں بیگم کے پاس بیٹھی تھی اس نے آہستہ سے کہا کہ کہہ دو سروری بیگم و امجدی بیگم نے نہ سنا سروری بیگم کے بیان میں کہیں نہیں کہ وہ اس وقت شمسن بیگم یا عصمت جہاں بیگم کے پاس ہی زانو سے زانو ملائے بیٹھی تھی اور خصوصاً امجدی بیگم نے تو صاف بیان کیا ہے کہ جوان عورت ہوں میرا تینوں سے پردہ ہے میں اس وقت اوٹ میں ہو گئی تھی دولائی اوڑھ کر اوٹ کر کے ذرا آڑ سے بیٹھی تھی خصوصاً ایسے وقت لوگوں کے کان دُلہن کے بیان کی طرف لگے ہوتے ہیں بالائی لوگوں کے ایں و آں کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

ثانیاً محتمل کہ ادھر تو شمسن بیگم نے اس سے کہا کہہ دو یا یہی کہ تم خود اپنے منہ سے کہو ادھر عصمت جہاں بیگم نے بوستاں خاں سے خطاب شروع کر دیا ، دونوں بیان ایسے متصل معاً واقع ہوئے کہ سامع کو اشتباہ ہو کہ یہ عصمت جہاں بیگم نے بطور خود کہا یا شمسن بیگم کے کہنے سے کہا جلال خاں غیر آدمی اس نے حسب عادت زنان دوشیزہ نیک گمان کیا کہ شمسن بیگم کے کہنے ہی سے کہا ہوگا سروری بیگم عصمت جہاں بیگم کی بھانجی ہے

وہ اپنی خالہ کے طلاقت لسانی سے خوب آگاہ تھی جس کا اظہار عصمت جہاں بیگم کے اظہاروں میں ہوا ہے جن کا بیان ان شاء اللہ تعالےٰ آگے آتا ہے اس نے جانا کہ اس کی نچلی طبیعت کا گرم توسن کیا محتاج مہمیز ہوتا شمسن بیگم کے منہ سے پوری بات بھی نہ نکلی تھی کہ اس نے توکیل کا خطبہ پڑھنا شروع کر دیا، ذرا غور سے سروری بیگم کے لفظ دیکھئے وہ یہ نہیں کہتی کہ میری نند کچھ بولی بلکہ کہتی ہے میری نند کہنے بھی نہیں پائی کہ عصمت جہاں بیگم نے کہا یعنی اس کا کہنا ختم نہ ہُوا تھا کہ عصمت جہاں بیگم نے خطاب آغاز کیا، اہلِ زبان جانتے ہیں کہ کسی فعل کا ہو پانا اس کے تمامی واختتام پر ہوتا ہے نہ کہ وسط و آغاز میں، مثلاً امام قعدۂ اولیٰ بھُول کر تیسری رکعت کو کھڑا ہوا سیدھا نہ ہوا تھا کہ مقتدی نے تسبیح کی امام نے بعد سلام کہا تم نے بیجا بتایا تمھاری نماز نہ ہوئی کہ قعدۂ اولےٰ سے کھڑے ہو کر عود کا محل نہیں تو مقتدی کہے گا آپ ابھی اُٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ میں نے بتایا یعنی قیام ہنوز تمام نہ ہوا تھا۔

(۸) مسماتوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ بوستاں خاں کو لڑکی پہلے سے نہ جانتی تھی آگے بڑھ کر لکھا یا کہ اجازت دیتے وقت کہا بوستاں خاں بھائی تم کو وکیل کیا جب مدعا علیہا بوستاں خاں کو پہلے سے نہ جانتی تھی تو بوستاں خاں کا نام کیسے جانا کیونکہ مسماتوں نے کسی جگہ نہ لکھایا کہ کس نے اس کا نام بتا دیا تھا، یہ اعتراض بھی سخت حیرت انگیز ہے۔

اولاً تو کسی شخص کو جاننا اس کے ساتھ شناسائی و تعارف کو کہتے ہیں اجنبی آدمی جسے کبھی نہ دیکھا ہو اس وقت اس کا نام کسی کی زبان سے سُن لینے سے یہ نہ کہا جائیگا کہ ہم اسے جانتے ہیں۔

ثانیاً بالفرض کہا بھی جائے تو امجدی بیگم و سروری بیگم نے جاننے کی مطلقاً نفی کب کی وہ تو صاف کہہ رہی ہیں کہ پہلے سے نہ جانتی تھی کیا کسی کا نام معلوم کرنے کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ پہلے سے اُسے جانے ورنہ نام معلوم نہیں ہو سکتا، عورتوں کو اس بیان کی کیا ضرورت تھی کہ عصمت جہاں بیگم نے بوستاں خاں کا نام کس سے سنا، ایسے مواقع کے عام معمولی واقعات پر نظر فرمائی جاتی تو خود معلوم ہو جاتا کہ عصمت جہاں بیگم کو اس کا نام کیونکر معلوم ہوا، ذی علم مجوز نے خود فرمایا ہے کہ بوستاں خاں اجنبی شخص تھا سروری بیگم کے اظہار میں ہے کہ جو مرد اس وقت مکان میں آئے جلسے کی نصف عورتوں کا ان سے پردہ تھا امجدی بیگم نے خود اپنا بیان کیا کہ میرا کوئی رشتہ بوستاں خاں سے نہیں ہمارے خاندان میں پردہ کا رواج ہے ایسے جلسے میں غیر مرد ہرگز بلا اطلاع نہیں جاتے ضرور اول سے کہا گیا کہ بوستاں خاں اذن لینے کو آتے ہیں اور جب وہ آیا اور اس نے شمسن بیگم سے کہا کہ بیگم میرے سامنے کہلوا دو ضرور عصمت جہاں بیگم نے معلوم کیا کہ یہی بوستاں خاں ہے پھر نام معلوم کرنے کو بعید از عقل بتانا کیونکر قرینِ عقل ہوا۔

ثالثاً واقعات رائجہ کو جانے دیجئے ذرا اظہارات جلال خاں و بوستاں خاں و امجدی بیگم و سروری بیگم پر

نظر فرمایئے یہ سب بالاتفاق کہہ رہے ہیں کہ بوستاں خاں کے گھر میں جانے سے پہلے عصمت جہاں بیگم سے بوستاں کے نام کی توکیل کرالی گئی تھی دوبارہ بوستاں خاں اپنے سامنے توکیل کرانے کو گھر میں گیا تو عصمت جہاں بیگم کو اس کے جانے سے پہلے ضرور اس کا نام معلوم ہو چکا تھا آگے جو بیباکی و بیحیائی کا اعتراض فرمایا ہے اس کا حال بعونہ تعالٰے ذکر قرائن میں آتا ہے۔

(۹) بوستاں خاں نے اول بیان کیا ہے کہ جب میں اندر گیا تو عصمت جہاں دالان میں پشت پھیرے بیٹھی تھی پھر آخر قول میں لکھایا کہ جب میں گیا تو اس نے مجھ سے ایسا پردہ کیا تھا کہ میں نصف چہرہ دیکھ سکتا تھا اور اُوپر کے حصے پر گھونگھٹ تھا یہ دونوں قول متناقض ہیں جب پشت پھیرے بیٹھی تھی تو نصف چہرہ دکھائی دینا محالات سے ہے،

اولاً یہ محال سہی کیا پیٹھ پھیرے بیٹھنے والے کو وقت خطاب ادھر منہ کرنا بھی محال ہے بوستاں خاں نے اول بیان میں یہ کہا ہے کہ میں مکان میں گیا تو پشت پھیرے عصمت جہاں بیگم بیٹھی تھی، یہ نہیں کہا کہ اخیر تک وہ پشت ہی پھیرے بیٹھی تھی، آخر بیان میں یہ کہا ہے کہ وقت نکاح میں نے عصمت جہاں کو ناک کے نیچے سے دیکھا تھا نصف اُوپر کی ناک پر گھونگھٹ تھا یہ نہیں کہا کہ جس وقت میں مکان میں گیا اسی وقت عصمت جہاں کو اس طرح اپنے سامنے بیٹھا پایا پھر دونوں میں منافی کیا ہوئی، یہاں جو نقل اظہار آئی اس کے الفاظ یہ تھے اور اگر بالفرض بیان آخر میں وہی لفظ ہوں کہ جب میں گیا تو اس نے مجھ سے ایسا پردہ کیا تھا کہ میں نصف چہرہ الخ جب بھی بات صریح ظاہر ہے وہ مکان میں جاتے وقت کا ابتدائی حال ہے اور یہ وقت خطاب پردہ و حجاب کا یہاں بھی یہ نہ کہا کہ جب میں گیا تو وہ ایسی بیٹھی تھی کہ میں نصف چہرہ الخ۔

ثانیاً ممکن کہ عصمت جہاں بیگم اول تا آخر پشت پھیرے ہی بیٹھی رہی ہو مگر بیان میں یہ کہیں نہیں آیا کہ وہ دیوار سے ملی بیٹھی تھی وہ وسط دالان میں ہوگی بوستاں خاں مزید وثوق کے لئے خود اندر گیا تھا کہ میرے سامنے عصمت جہاں بیگم اقرارِ توکیل کرے اس نے اقرار سُن لیا مگر سمجھا کہ مقرہ کی معرفت چہرہ چاہیئے کہ طریق توثیق جو اس کا مقصود خاص تھا اس میں ہے لہذا وہ آگے بڑھا اور سامنے سے عصمت جہاں بیگم کو دیکھا، کیا یہ بھی محال ہے بغرض مثبت اختلاف مستدل ہے اور احتمال قاطع استدلال ہے۔

(۱۰) شفیع حیدر خاں کی خاص متعلق معاملہ گواہی کو جس طرح محض بے علاقہ خیال فرمایا گیا اس کا ذکر تو بعونہ تعالٰے دیگر اعتراضات کے جواب میں آئے گا یہاں بھاری اختلاف یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جلسے میں شریک ہی نہ تھا اس لئے کہ بوستاں خاں بعد نکاح کے تقسیم ہونا بتاشوں کا اور صاحبزادے نظام الدین خاں چھوہاروں کا اور یہ گواہ خلاف ان کے تقسیم ہونا شیرینی کا بیان کرتا ہے واقعی

شفیع حیدر خاں سے یہ بھاری غلطی ہوئی کہ اس نے بتاشوں کو شیرینی کہا اسے کیا معلوم تھا کہ بتاشے میٹھے ہوتے ہیں،

اولاً ذی علم مجوز نے سنا ہوگا کہ حسبِ رسم قدیم نکاح میں چھوہارے ضرور ہوتے ہیں، پھر کہیں ان کے ساتھ شکر بھی ہوتی ہے، کہیں بتاشے چھوٹے کہیں بڑے، کہیں اور قسم کی مٹھائی، اور شیرینی کا لفظ ان سب کو عام ہے، یہاں اگر چھوہارے اور بتاشے تقسیم ہوئے اور ایک گواہ نے ایک شے دوسرے نے دوسری کا خاص نام تیسرے نے عام ذکر کیا، کیا گناہ ہوا!

ثانیاً بعض لوگ نکاح ختم ہوتے ہی معاً اُٹھ جاتے ہیں اور خرموں کی تقسیم معاً ہوتی ہے ممکن کہ نظام الدین خاں بھی فوراً اٹھ گیا ہو اس کے سامنے خرما ہی تقسیم ہوئے تھے بعد کو بتاشے بٹے، وہ اس نے نہ دیکھے کہ انھیں بیان کرتا، بوستان خاں شفیع حیدر خاں نے خرموں کی تقسیم کا ذکر ضروری جانا کہ وہ تو عادۃً تقسیم ہوتے ہی ہیں دوسری چیز جو تقسیم ہوئی اس کا بیان کیا اگرچہ وہ بھی محض بے ضرورت و زائد تھا۔

(۱۱) مہر میں بوستان خاں نے قسم اشرفی نادرشاہی اور اس گواہ نے محمد شاہی بیان کی ہے حالانکہ شہادت ایک وقت اور جلسے کی ہے یہ دلیل ہے کہ گواہ مذکور شریک جلسہ نہ تھا۔

(۱۲) نیز گواہ نے تعداد اشرفی کی خلاف دعوی مدعی کے بیان کی ہے مدعی نے اپنے بیان میں دس لکھا ہے گواہ نے بیس، پس یہ شہادت کالعدم ہے، تمام اختلافات میں یہی دو اصل معاملہ نکاح سے کچھ متعلق ہیں کہ مہر بدل نکاح ہے مگر اگر کتبِ فقہ پر نظر فرمائی جاتی تو ظاہر ہوتا کہ مہر نکاح میں مقصود نہیں وہ محض تابع و زائد ہے، یہاں تک کہ عقد نکاح میں اگر نفی مہر کی شرط کرلی جائے نکاح صحیح ہوجائے گا اور مہر مثل لازم آئے گا تو ایسی چیز جس کا سرے سے ہونا نہ ہونا ہی اصلِ نکاح پر کچھ اثر نہیں ڈالتا اس کی کمی بیشی یا سکہ کے تفاوت سے کیا ضرر ہوسکتا ہے، لاجرم ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمائی کہ ایک گواہ ہزار روپے مہر بتائے اور دوسرا پندرہ سو، یا گواہ سَو اشرفی مہر کہتے ہوں اور مدعی ڈیڑھ سو، یا مدعی ہزار دینار بتاتا ہو اور گواہ دو ہزار، سب صورتوں میں نکاح ثابت ہے، اور ان اختلافات سے گواہوں یا دعوٰی پر کوئی بُرا اثر نہ پڑے گا۔ ہدایہ و کافی و تبیین الحقائق و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

واللفظ لھا فی النکاح یصح باقل المالین عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سواء کانت الدعوی من الزوج او من المرأۃ، ویستوی

الفاظ عالمگیری کے ہیں نکاح کے باب میں، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں دو مذکور رقموں میں سے کم رقم پر نکاح درست قرار پائیگا دعوی مرد کا ہو یا عورت کا اس میں بڑی رقم کا

فیہ دعوی اقل المالین او اکثرھما فی الصحیح[1]

دعوٰی ہو یا کم کا ہو کوئی فرق نہیں صحیح مذہب میں۔ (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

اختلفا فی قدر البدل لا تقبل الا فی النکاح[2]

کسی بدل میں گواہوں کا اختلاف ہو تو نکاح کے علاوہ کسی اور معاملہ میں قبول نہ ہوگی (ت)

درمختار میں ہے:

شھد واحد بشراء عبد او کتابتہ علی الف و آخر بالف و خمس مائۃ ردت و صح النکاح بالف مطلقا استحسانا[3] (ملتقط)

گواہوں میں سے ایک نے عبد خریدنے یا اس کی کتابت میں ہزار اور دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کا ذکر کیا تو شہادت مردود ہوگی، اور اگر نکاح میں یہ اختلاف ہو تو استحساناً ایک ہزار پر شہادت قبول ہوگی (ملتقطاً)۔ (ت)

تبیین الحقائق پھر قرۃ العیون میں ہے:

ویستوی فیہ دعوی اقل المالین فی الصحیح لاتفاقھما فی الاصل وھو العقد فالاختلاف فی التبع لایوجب خللا فیہ[4]

کم مقدار میں دونوں کی گواہی متفق ہو پائیگی کیونکہ اس اصل مقدار میں دونوں متفق ہیں اور اصل سے زائد میں اختلاف خلل کا موجب نہیں ہے (ت)

جب کتب مذہب میں روشن تصریحیں تھیں کہ مہر کے اختلافات خواہ باہم گواہوں میں ہوں خواہ گواہ مدعی میں ہوں دعوٰی نکاح اور شہادتوں سے ثبوتِ نکاح کو مطلقاً کچھ ضرر نہیں دیتے یہی مذہب امام ہے یہی استحسان ہے یہی صحیح ہے تو حاکم یا مفتی کو اس سے عدول کیونکر حلال ہوا۔

(۱۳) حسن رضا خاں مدعی نے اپنے اظہار ۱۹؍ اکتوبر میں بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے نکاح میں اپنے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۶
الہدایۃ " باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۸

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتبخانہ کراچی ۱/ ۱۶۴

[3] درمختار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۹

[4] قرۃ عیون الاخیار " " " مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۲

پھوپھی زاد بھائی محمد حسین خاں کو شریک کیا تھا محمد حسین خاں گواہ اپنی شرکت جلسہ نکاح میں بیان نہیں کرتا اس گواہ کو بروز خانہ تلاشی زبانی والدہ مدعی کے نکاح کا علم ہوا جس سے بے اصلیت دعویٰ کی معلوم ہوتی ہے محمد حسین خاں کی گواہی وکالت یا عقد نکاح سے متعلق نہیں بلکہ وہ صرف عصمت جہاں بیگم کے جواب دعویٰ کی تکذیب کرتی ہے مگر سخت قابلِ افسوس بات ہے کہ اظہار حسن خاں کی نقل جو یہاں آئی اس میں صاف یہ لفظ لکھے ہیں میں نے کسی کو نہیں بلایا میری شہر میں رشتہ داری ہے محمد حسین خاں میرے پھوپھی زاد بھائی ہیں میں نے ان کو نہیں بلایا تھا اور محمد حسین خاں کی زوجہ کو بھی نہیں بلایا تھا میں نے بار بار بہ تکرار سائل سے دریافت کیا کہ اس نقل میں کوئی تفاوت تو نہ ہوا اس نے بوثوق تمام کہا کہ ایک حرف کا ہرگز فرق نہیں میں نے کئی بار کہا کہ فیصلے میں تو یہ لکھا ہے، سائل نے باصرار کہا کہ اظہار میں وہی تھا کہ نہیں بلایا فیصلے میں اس کا عکس نقل کیا ہے اب اس کو کیا کہا جائے میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسی حالت میں بے اصلی دعویٰ کی معلوم ہوتی ہے یا فیصلے کی۔

(۱۴) نکاح نامہ جو ثبوت میں پیش کیا گیا اس میں تاریخ نکاح ۲۵ / اپریل ہے دعویٰ اس نکاح کی بابت ہے جس کا وقوع بقول مدعی ۲۴ / اپریل کو ہوا ہے یہ وجہ بھی واسطے بے اصلیت دعویٰ کے ظاہر ہے۔ ذی علم مجوز نے نکاح نامہ کو وجہ ثبوت میں لیا اور بوجہ اختلاف تاریخ بے اصلی دعویٰ کے دلیل قرار دیا، یہاں اولاً جو فقہی مباحث ہیں خادمِ فقہ پر پوشیدہ نہیں مگر اتنی بات تو عام فہم ہے کہ عوام رات کو روز گزشتہ کا تابع ٹھہراتے ہیں شب آئندہ کے بارہ بجے جو آنے والا ہو اسے آج دن میں کہیں گے کہ آج رات کے بارہ بجے آئے گا اور اہلِ علم باتباع شرع رات کو روزِ آئندہ کا تابع مانتے ہیں شبِ جمعہ اس رات کو کہیں گے جس کی صبح کو جمعہ ہو نہ کہ وہ جو بعد جمعہ آئی سوا لیالی حج کے کہ وہ حج میں تابع روزہائے گزشتہ ہیں لہذا اگر دسویں شب میں طلوع صبح سے پہلے وقوفِ عرفہ کرلیا حج ہوگیا کہ وہ رات عرفہ ہی کی رات ہے یہ نکاح آدھی رات کو یا اس کے قریب اپریل کی پچیسویں شب میں ہوا جس کی صبح کو ۲۵ تھی مدعی نے عرف عام عوام کے طور پر ۲۴ / اپریل کہی کہ رات تابع روز گزشتہ سمجھی نکاح نامہ میں ذی علم قاضی نے ۲۵ / اپریل لکھی کہ شب تابع روز آئندہ تھی۔

ثانیاً جب انگریزی تاریخ انگریزی مہینہ تحریر میں آیا اور انگریزی میں تاریخ میں رات آدھی رات سے بدلتی ہے ولہذا ریل و تار کے دفاتر میں آدھی رات سے آدھی رات تک پورے ۲۴ گھنٹے شمار ہوتے ہیں فلاں ریل گاڑی ۱۴ بجے چلے گی یعنی دن کے دو بجے، یہ تار ۲۰ بجے دیا گیا یعنی شام کے ۸ بجے۔ ممکن کہ نکاح خواں نے ۱۲ بجے جانا سمجھ کر خیال کیا ہو کہ انگریزی تاریخ بدل گئی لہذا ۲۵ / اپریل لکھی۔

(۱۵) نکاح نامہ میں سکونت مدعا علیہا کی محلہ مدرسہ تحریر ہے قاضی نکاح خواں جس سے ترتیب و خانہ پری نقشہ کے متعلق ہے اس نے اپنی گواہی میں تحریر کرایا ہے کہ میں نے اس کی سکونت کی بابت دریافت

نہ کیا تھا پس بلا دریافت نقشہ میں سکونت کا اندراج یہ کارروائی برادرِ مدعی کی ہے جیسا کہ نکاح خواں نے بیان کیا ہے کہ یادداشت نکاح نامہ برادر حسن رضاخاں سے میں نے لکھائی تھی، **اوّلاً** مقدمہ موجودہ میں نکاح خواں کی شہادت کہ اس عہدہ سے استعفا کے بعد اپنے فعل پر ہے حاکم کو اس کا لینا سننا ہی ممنوع تھا لانہ اشتغال بمالایصح کماسیأتی (کیونکہ یہ غیر صحیح کام میں مشغولیت ہے جیسا کہ آئیگا۔ت) اور جب وہ شہادت شرعًا کوئی چیز نہیں تو اس کے اختلاف سے دعوٰی پر اثر ڈالنا یعنی چہ۔ 22

ثانیاً قاضی کے اظہار میں یہ ہے کہ حسن رضاخاں کے بھائی سے کاغذ لکھوایا تھا میں نے یہ دریافت نہیں کیا کہ لڑکی کی عمر کس قدر ہے میں نے اور کچھ نہیں پوچھا کہ لڑکی کون سے مکان میں رہتی ہے اور کوئی بات میں نے نہیں دریافت کی، یہاں اس دریافت کی نفی ہے کہ لڑکی کس مکان میں رہتی ہے نہ اس دریافت کی کہ کس محلہ میں رہتی ہے، ظاہر ہے کہ مکان محلہ سے خاص ہے اس سے سوال کی نفی محلہ سے سوال کی نفی نہیں کرسکتی جبکہ سوق عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ محلہ سے سوال کیا کہ وُہ کہتا ہے اور کچھ نہیں پوچھا اور کوئی بات دریافت نہ کی، یہ اور کا لفظ بڑھانا ہی صاف کہہ رہا ہے کہ اسی قدر پوچھا اس سے زیادہ کچھ نہ پوچھا اگر اس نے اتنا بھی نہ پوچھا ہوتا تو یہ نہ کہتا کہ اور کچھ نہ پُوچھا بلکہ یُوں کہتا کہ میں نے کچھ نہ پوچھا ان دونوں محاوروں کا فرق اہلِ زبان پر ظاہر ہے، رہا یہ کہ آخر کیا پوچھا اس کا پتہ مظہر نے ان لفظوں سے دیا کہ اس نے برادر حسن رضاخاں سے کاغذ لکھوایا تھا یعنی خانہ پُری نقشہ کے لئے جتنی ضرورت ہے بس اسی قدر پوچھا اور محمد رضاخاں سے خانہ پری کو کہا اور کچھ نہ پوچھا کہ عمر کتنی ہے کس مکان میں رہتی ہے۔

ثالثاً اندراج نقشہ کے لئے واقفیت درکار ہے خواہ بعد سوال ہو یا بلاسوال تو نفی سوال نفی علم کو مستلزم نہیں وقت نکاح کی گفتگو دن میں لوگوں کے تذکرہ سے اس نے بے دریافت کے سُن لیا ہوگا کہ عصمت جہاں بیگم محلہ مدرسہ میں رہتی ہے بلکہ اتفاقًا تذکرہ مردمان کی بھی حاجت نہیں پیشہ نکاح خوانی والے کو اکثر اہلِ شہر سے واقفیت ہوجاتی ہے اور عصمت جہاں بیگم کا باپ خود ایک مشہور آدمی تھا اس کا نام اس وقت ضرور لیا گیا تھا کہ مسعود خاں کی بیٹی کا نکاح ہے جیسا کہ خود قاضی کے اظہار میں موجود ہے وہ جانتا تھا کہ مسعود خاں ساکن محلہ مدرسہ ہے لہٰذا عصمت جہاں بیگم کی سکونت مدرسہ اسے بلادریافت معلوم ہوگئی۔ محمد رضاخاں نے جب بحکم قاضی خانہ پری کی جس کا قاضی کو اعتراف ہے تو وہ خود قاضی کی خانہ پری تھی اور یہ کارروائی قاضی کی کارروائی ہوئی نہ کہ محمد رضاخاں کی،

فان فعل المامور یرجع الی الاٰمر لاسیما فیما لا تتعلق الحقوق

کیونکہ مامور کا فعل آمر کی طرف راجع ہوتا ہے خصوصًا ان امور میں جہاں حقوق کا تعلق مامور سے نہیں ہوتا

بالمامور کما ھٰھنا۔ جیسا کہ یہاں ہے (ت)

(۱۶) تعداد مہر مندرج نکاح نامہ۔ اس کا جواب ۱۲ میں گزرا، نکاح نامہ اگر ہو تو ایک گواہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور گواہ و مدعی کے بیان میں اختلاف تعداد مہر دعوی نکاح کو اصلاً مضر نہیں کما علمت۔

(۱۷) محمد حسین خاں نے اپنا آنا بمکان حسن رضا خاں بروز خانہ تلاشی بہمراہی اپنے پسر محمد حسن خاں کے بیان کیا ہے محمد حسین خاں لکھاتا ہے کہ میرے والد جب آئے تھے کہ اظہار ہو چکا تھا اپنے بعد آنا اپنے باپ کا بیان کیا ہے **اولاً** محمد حسین خاں کے بیان میں یہ ہے کہ میں آیا اور میرا لڑکا آیا، اس میں ہمراہی کا لفظ کہیں نہیں لفظ (اور) حرف (و) کا ترجمہ ہے جس سے نہ معیت مفہوم ہو نہ ترتیب نہ تراخی نہ تعقیب، صرف اشتراک پر دلیل ہے کما صرح بہ جمیع کتب الاصول (جیسا کہ تمام کتب اصول میں اس کی تصریح ہے۔ ت) یہاں تو محمد حسین خاں نے اپنے اور اپنے لڑکے کے لئے دو فعل جدا جدا ذکر کئے کہ میں آیا اور میرا لڑکا آیا، اگر ایک ہی فعل میں لفظ "اور" کے ساتھ جمع کرتا ہرگز معیت مفہوم نہ ہوتی، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وجاء فرعون ومن قبلہ والمؤتفکٰت بالخاطئۃ[1] فرعون آیا اور اس سے پہلے والے اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے۔ (ت)

ایک کلمہ جاء میں سب کو جمع فرمایا یہاں اس بیان کی کیا ضرورت کہ فرعون و قوم لوط میں تقریباً دو ہزار برس کا فاصلہ تھا کہ خود من قبلہ فرعون پر واؤ کے ساتھ معطوف ہے قبلیت و معیت کیونکر جمع ہوتیں۔

ثانیاً بالفرض محمد حسین خاں یہی کہتا کہ میں اپنے لڑکے کے ساتھ آیا تھا اور محمد حسن خاں کہتا میرے بعد آئے تو اس اختلاف کا بھی کچھ اثر نہ پڑتا، فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما کی عبارت نمبر ۳ میں گزری کہ

لوقال احدھما کان معنا فلان وقال الاٰخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انہ یجوز ولا تبطل ھذہ الشھادۃ[2] ایک گواہ نے کہا ہمارے ساتھ فلاں تھا اور دوسرے نے کہا ہمارے ساتھ نہیں تھا تو اصل میں ذکر فرمایا کہ یہ گواہی جائز ہے باطل نہ ہوگی (ت)

(۱۸) جو واقعات محمد حسن خاں نے لکھائے محمد حسین خاں نہیں لکھاتا کیونکر لکھاتا حالانکہ وہ اظہار عصمت جہاں بیگم کے بعد آیا تھا جیسا کہ محمد حسن خاں نے بیان کیا محمد حسین خاں اگر وہ سب واقعات لکھاتا تو اس بیان محمد حسن کی تکذیب ہوتی کہ اظہار ہو چکا تھا کچھ باقی تھا جب میرے والد آئے، یہ طرفہ بات ہے کہ دلیل

---

[1] القرآن الکریم ۶۹/ ۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

کذب نہ پائے جانے کو دلیل کذب قرار دیا جاتا ہے، ــــــــــ معہذا اوپر واضح ہو چکا کہ اگر دونوں معاً آتے اور ایک کچھ واقعات بیان کرتا کہ دوسرے کے بیان میں نہ آتے ہرگز اختلاف نہ تھا کہ عدمِ ذکر ذکرِ عدم نہیں۔ یہ تھے وہ تمام بے اصل و بے اثر اختلافات جن کی بناء پر ذی علم مجوز نے شہادتوں کو رد فرما دیا اب شہادات پر دیگر اعتراضات کی طرف چلئے۔

دیگر اعتراضات

(۱۹) جلال خاں نے تمام اظہار میں مدعا علیہا کا نام نہ لیا اس کا اظہار نسبت ایک عورت غیر معین کے قلمبند ہوا ہے بعد پورا لکھا دینے اظہار کے اس نے کہا اور کچھ نہ لکھاؤں گا بعد سننے اظہار اور کرنے انکار کے اس نے بیان کیا کہ جس کا یہ نکاح ہوا تھا اس عورت نے اپنا نام عصمت جہاں بیگم بنت مولوی مسعود خاں بتایا تھا، **اولاً** یہاں جو نقل اظہار جلال خاں آئی اس میں شروع سے یہ لفظ ہیں محمد رضا خاں نے مجھ سے کہا یہ عورت عصمت جہاں بیگم حسن رضا خاں کے ساتھ نکاح کرتی ہے تم گواہی دو۔ پھر یہ لفظ ہیں میں گھر میں اندر گیا تو والدہ حسن رضا خاں نے عصمت جہاں کو مجھ کو دکھا دیا، تو کیونکر صحیح ہو کہ تمام اظہار میں مدعا علیہا کا نام نہ لیا۔

ثانیاً کچہریوں کا ضابطہ یہ ہے کہ گواہ بیان کرتا ہے اور اہلکار لکھتا جاتا ہے ظاہر ہے کہ کہنے اور لکھنے میں بڑا فرق ہے کچھ الفاظ کا رہ جانا مستبعد نہیں ولہذا یہ امر لازم رکھا گیا ہے کہ اظہار لکھ کر گواہ کو سنا لیا جائے کہ کہیں کچھ فرق کچھ کمی بیشی ہو تو صحیح ہو جائے اظہار اس وقت مکمل سمجھا جاتا ہے جب بعد سنانے کے تطبیق ہو جائے اب اگر کچھ لفظ لکھنے سے رہ جائیں تو فرمائیے گواہ کیا کرے اگر سکوت کرتا ہے تو اظہار ناقص رہتا ہے بتاتا ہے تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تو بیان سننے کے بعد کہتا ہے اگر واقعی ابتدائی اظہار جلال خاں میں وہ فقرے کہ ہم نے اوپر نقل کئے مکتوب نہیں تو ذی علم مجوز نے بہت مناسب تحریر فرمایا کہ اظہار ایک غیر معین عورت کی نسبت قلمبند ہوا ہے قلمبند یونہی ہوا ہوگا جس کی تصحیح جلال خاں نے سناتے وقت کر دی۔

ثالثاً یہی سہی کہ گواہ نے اولاً تمام اظہار میں عصمت جہاں بیگم کا نام نہ لیا مگر ابھی کہ مجلس اظہار ختم نہ ہوئی گواہ نے وہاں سے قدم نہ ہٹایا اگر ایک امر کہ اگلے بیان کے کسی حرف سے اصلاً مخالف نہ تھا زائد کیا کیا گناہ ہوا خصوصاً وہ بھی کہ شاہد کو اس کا بیان نہایت ضرور تھا، ادائے شہادت کہ اللہ عزوجل نے اس پر فرض کیا ہے اس کے ناقص رہا جاتا تھا۔ بھلا یہاں تو ابھی مجلس نہ بدلی تھی شاہد وہاں سے ہٹنے بھی نہ پایا تھا، علمائے کرام یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر شاہد عدل مجلس شہادت بدلنے کے بعد دوسری مجلس میں آکر کہے کہ جس کے باب میں میں نے گواہی دی اس مدعی کا یہ نام ہے یا مدعا علیہا کا نام مجھ سے چھوٹ

گیا تھا اس کا یہ نام ہے جب بھی قبول کرلیں گے اور شہادت میں اصلاً نقص نہ جانیں گے کہ ان ناموں کا بیان سے رہ جانا کوئی محلِ تہمت نہیں اور اگر مجلس ہنوز نہ بدلی جب تو موضع شبہہ و تہمت کی تبدیلیں بھی قبول کرلیں گے مثلاً گواہی دی کہ اس مدعی کے اس مدعا علیہا پر ہزار روپے آتے ہیں، ختم شہادت کے بعد کہا میں بھول گیا تھا پانسو آتے ہیں یا مجھے یاد نہ رہا تھا دو ہزار آتے ہیں ان تبدیلیوں سے قبول شہادت میں کچھ فرق نہ آئے گا جبکہ مجلس ہنوز نہ بدلی ہو اور شاہد شاہد شرعی ہو یہاں کہ نہ مجلس بدلی نہ شاہد نے کوئی تبدیلی کی صرف ایسی بات بیان کرتا ہے جس میں بتصریح علماء تہمت نہیں اور اس کا تدارک ادائے فریضۂ شہادت کے لئے اس پر لازم تھا بعد سماع اظہار اس کے بڑھانے کو وجہ نقص قرار دینا اصلاً صحیح نہیں ہوسکتا، کافی و بحرالرائق و عنایہ و عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ لھٰذہ ان کان عدلا قبلت شہادتہ فی غیر موضع الشبھۃ مثل ان یدع لفظۃ الشھادۃ اویترك ذکراسم المدعی اوالمدعی علیہ اوالاشارۃ الٰی احدھما سواء کان فی مجلس القضاء اوفی غیرہ اما فی موضع شبھۃ التلبیس کما اذا شھد بالف ثم قال غلطت بل ھی خمسمائۃ اوبالعکس تقبل اذا قال فی المجلس، وبعد ماقام عن المجلس فلم تقبل[1] اھ باختصار۔

الفاظ عالمگیری کے ہیں، اگر گواہ عادل ہو تو موضع شبہہ کے غیر میں اس کی یہ شہادت کہ لفظ شہادۃ یا مدعی یا مدعی علیہ کا نام یا دونوں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ چھوٹ گیا مقبول ہوگی خواہ مجلس قضاء ہو یا غیر ہو لیکن مقام شبہہ میں مثلاً پہلے اس نے ہزار کی شہادت دی اب کہتا ہے یہ غلطی ہوئی بلکہ پانچ سو ہے یا اس کا عکس کرتا ہے تو مجلس قضاء میں قبول کی جائیگی اور مجلس قضاء ختم ہونے کے بعد قبول نہ ہوگی اھ اختصاراً (ت)

رابعاً بفرض غلطیہ بھی سہی کہ جلال خاں کا پچھلا الحاق نہ مانا جائے گا پھر کیا ہوا اسی قدر نا کہ عصمت جہاں بیگم کا نام اس نے نہ لیا مگر اس سے غیر معین عورت پر شہادت کہاں سے لازم آئی وہ صراحۃً کہہ چکا ہے کہ میں نے اس عورت کا منہ دیکھا تھا نام سے تو وہ تعیین ہو بھی نہیں سکتی جو منہ دیکھنے سے ہوتی ہے تو وہ ضرور ایک معین عورت پر گواہی دے رہا ہے جو اس کی دیکھی ہوئی ہے ہاں مجوز کو معلوم نہ ہوا کہ عصمت جہاں بیگم ہی وہ عورت ہے جسے گواہ نے دیکھا اور اس پر گواہی ادا کی یا وہ کوئی اور عورت تھی ہم اوپر بیان کر آئے کہ اس کا چارہ کار مجوز کے ہاتھ میں تھا نہ کہ گواہ کے، مجوز نے عصمت جہاں بیگم کو کیوں نہ بلوایا شاہد کے سامنے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۳

اس کا منہ کیوں نہ کھلوایا کہ وہ شناخت کرتا عصمت جہاں بیگم اگر ذی عزت خاندان سے پردہ نشین مخدرہ تھی کہ کچہری میں اس کا آنا مناسب نہ تھا حاکم نے اپنے امین کے ساتھ جلال خاں کو عصمت جہاں بیگم کے مکان پر بھیج کر تکمیل شہادت کرائی ہوتی، خود شہادت کامل نہ ہونے دینا اور شاہد پر اعتراض کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بالجملہ کچھ خاص اسم و نسب ہی کے ساتھ معرفت لازم نہیں بلکہ یا یہ ہو یا معرفت چہرہ۔ جامع الفصولین میں ہے :

المعرفة بالوجه او بالنسب لابد منها لاداء الشهادة۔[1]	شہادت کی ادائیگی میں چہرے یا نسب کی شناخت ضروری ہے۔ (ت)

اس اظہار میں اگر قسم اول متروک تھی ثانی مذکور تھی اور اس کی تکمیل بدست حاکم تھی فافہم۔

(۲۰) سروری بیگم واجدی بیگم کی شہادتوں پر اعتراض فرمایا کہ مدت واقعہ کی بلا ایراد حرف یا کے اس طرح بیان کی ہے کہ عرصہ سات آٹھ ماہ کا ہوا جو محمول وہ مدت پر ہے ایسی شہادت بوجہ جہالت شرعاً قابل قبول نہیں، بلا ایراد حرف یا کا ذکر تو بیکار ہے حرف یا کے ساتھ ہوتا جب بھی تعیین نہ ہوتا بلکہ جب تعیین نہ ہونا اور اظہر تھا مگر ذی علم مجوز نے اتنا خیال نہ فرمایا کہ ثبوت نکاح تعیین زمان پر موقوف نہیں، نہ جہالت زمانہ اس کو مضر، تردد تردید سے آخر اسی قدر تو مفہوم ہوگا کہ گواہ کو تاریخ یاد نہیں پھر کیا حرج ہوا۔ علماء تو فرماتے ہیں اگر حاکم گواہ سے وقت پوچھے اور وہ صراحۃً اپنی بے علمی بیان کرے کچھ مضر نہیں کہ یہ لغو زائد بات ہے جس کی تعیین کی ضرورت نہیں، وجیز کردری پھر قرۃ العیون میں ہے :

لو سألهما القاضی عن الزمان او المكان فقالا لا نعلم تقبل لانهما لم یكلفا به[2] وفیها عن الدر المنتقی عن الفتح وغیره لا یكلف الشاهد الی بیان الوقت والمكان[3] اقول وبون بیّن بین اختلافهما فی المكان او الزمان وبین تردد احدهما فی احدهما فان كلا	اگر قاضی جگہ یا زمانہ کے متعلق گواہوں سے سوال کرے اور وہ لاعلمی ظاہر کریں تو گواہی قبول ہوگی کیونکہ وہ اس کے پابند نہیں ہیں اھ۔ اسی میں الدر المنتقی سے فتح وغیرہ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ گواہ کو مکان یا زمان کے بیان کا پابند نہیں کیا جائے گا اھ، میں کہتا ہوں گواہوں کا زمان یا مکان کے بیان میں اختلاف اور دونوں میں سے ایک کا بیان میں تردد کرنا، ان دو صورتوں میں واضح فرق ہے، اختلاف کی

---

[1] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] و [3] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۱

المختلفین قاطع بمقالہ و باختلاف الزمان والمکان یختلف الفعل و ما الحق بہ اما المس دد فلو یقطع بشئ فلو یکن الاکعدم البیان فلا خلف فلا محذور۔

صورت میں دونوں کی بات ایک دوسرے کی بات کیلئے قاطع ہے جبکہ تردد کرنیوالا دوسرے کی بات کا قاطع نہیں ہے تو یہ عدمِ بیان کی طرح ہے جس سے دوسرے کا خلاف نہ ہوا تو خرابی نہ ہوئی۔ (ت)

(۲۱) بوستاں خاں کی شہادت غیر معتبر کہ وکیل نکاح ہے بذریعہ وکالت خود عقد کرانا مدعا علیہا کا بیان کیا ہے اور وکیل کی شہادت جس امر میں وہ وکیل ہو ناجائز ہے۔ یہ اعتراض اگر کچھ اصلیت رکھتا تو نہ فقط شہادت بوستاں خاں بلکہ خود حاکم مجوز پر بھی تھا بیان مدعی و تنقیحات مجوز سے ظاہر ہے کہ پیش از شہادت علم مجوز میں آچکا تھا کہ اسے وکیل بنایا گیا ہے اور یہ اپنی وکالت سے وقوعِ تزویج کی شہادت دے گا تو اسی وقت مجوز پر لازم تھا کہ اسے ہرگز شہود میں نہ لیں اور نہ اتنی طویل دیر تک سماع شہادت و جرح وغیرہ میں اپنا اور اس کا اور وکلائے فریقین کا وقت ضائع نہ فرمائیں کہ جو امر اصلاً صحیح نہیں اس سے اشتغال تضییع وقت کے علاوہ ممنوع و ناجائز و گناہ ہے، قنیہ و درمختار وغیرہما میں ہے:

تکرہ تحریما لانہ اشتغال بما لا یصح[1]

مکروہ تحریمہ ہے کیونکہ یہ غیر صحیح امر میں اشتغال ہے (ت)

مگر بحمد اللہ نہ ذی علم مجوز کا وقت ضائع ہوا نہ گواہ کا، نہ اس سماع شہادت میں مجوز نے کوئی شرعی گناہ کیا کہ شرعاً بوستاں خاں کی شہادت اس مقدمہ میں ضرور قابلِ سماعت و قبول تھی وکیل کی شہادت جس امر میں وہ وکیل ہو اس وقت ناجائز ہے کہ مشہود بہ یعنی امر مقصود بالشہادت خود اس وکیل کا فعل ہو کہ انسان کی شہادت اپنے فعل پر مقبول نہیں خود عبارات مسلکہ فیصلہ میں قرۃ العیون سے ہے:

قولہ والوکیل ای بالنکاح قولہ لو باثبات النکاح ای لا تقبل باثبات النکاح لانہا شہادۃ علٰی فعلہ[2]

اس کا قول، اور وکیل یعنی نکاح کا۔ اس کا قول اگر نکاح کے اثبات میں ہو، یعنی اثبات نکاح میں قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ اپنے فعل پر شہادت ہے (ت)

نیز یہی علت درمختار سے نقل فرمائی مگر یہاں ایسا نہیں، یہاں فعل و مشہود بہ دو ہیں نکاح کی اجازت دینی

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۱

کہ عصمت جہاں بیگم کا فعل تھا اور تولی عقد یعنی ایجاب یا قبول کرنا کہ قاضی نکاح خوان کا فعل تھا ان دونوں میں بوستان خاں کا کوئی فعل نہیں وہ بیچ میں صرف مبلّغ اجازت تھا جیساکہ ان بلاد کے عرف عام میں ہر وکیل نکاح کا حال ہے کہ نکاح پڑھوانا قاضی سے مقصود ہوتا ہے اور یہ وکیل صرف مبلّغ اجازت، نہ یہ کہ آپ تولی عقد کرے والمعھود عرفا کالمشروط لفظا کما نصوا علیہ قاطبۃ (عرف میں معینہ چیز لفظوں میں مشروط کی طرح ہے جیساکہ اس پر سب نے نص کی ہے۔ ت) ولہٰذا ذی علم مجوز نے بھی عقد کرانا کہا نہ کہ عقد کرنا اور مبلّغ کی شہادت مقبول ہے اگرچہ وہ اپنا فعل تبلیغ بھی شہادت میں بیان کرے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

عن ابی یوسف فی النوادر اذا شھد شاھدان ان فلانا امرنا ان نبلغ فلانا انہ قد وکلہ ببیع عبدہ وقد اعلمناہ او امرنا ان نبلغ امرأتہ انہ جعل امرھا بیدھا فبلغناھا وقد طلقت نفسھا جازت شہادتھما ولو قالا نشھد انہ قال لنا خیرا امرأتی فخیرناھا فاختارت نفسھا لا تقبل شہادتھما کذا فی المحیط۔[1]

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے نوادر میں مروی ہے کہ جب کوئی گواہ یہ شہادت دے کہ مجھے فلاں نے حکم دیا ہے کہ ہم فلاں کو یہ بات پہنچادیں کہ اس نے اس فلاں کو بیع کا وکیل بنایا ہے اور ہم نے اس تک وہ بات پہنچا دی، یا یہ شہادت دی کہ ہمیں حکم دیا کہ ہم اس کی بیوی کو اطلاع دیں کہ اس نے طلاق کا اختیار اسے تفویض کیا ہے تو ہم نے بیوی کو اطلاع کردی ہے اور اس نے اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے، یہ گواہی جائز ہے، اور اگر گواہوں نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنی بیوی کی طلاق کا اختیار سونپا ہے اور ہم نے اس کی بیوی کو اختیار دے دیا اور اس نے اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے تو یہ شہادت قبول نہ ہوگی' محیط میں ایسا ہی ہے۔ (ت)

(۲۲) سید فضل علی شاہ قاضی نکاح خواں اگرچہ نیک آدمی اور بہت اچھا ہے لیکن شہادت بوجہ جہالت غیر مفید ہے کہ شہادت مذکور سے نہ تعیین تاریخ ثابت ہے نہ مہینہ نہ اسمائے گواہان نہ وکالت نہ اسم منکوحہ جو شرط ہے اس مقدمہ میں، سید صاحب موصوف کی شہادت ضرور محض نامسموع ہے اور یہی وہ شہادت ہے جس کا سُننا اور اس میں اپنا اور شاہد و وکلائے فریقین کا وقت ضائع کرنا مجوز کو ہرگز جائز نہ تھا کہ جب وہ پیش از شہادت عہدۂ نکاح خوانی سے مستعفی ہوچکے اور اب خود اپنے فعل یعنی عقد کرنے پر گواہی دے رہے ہیں تو یہ شہادت ہرگز صحیح نہیں اور اس کا سُننا سنانا سب ناجائز و تضییع وقت تھا۔ اس شہادت پر اعتراض

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۷۲

یہ ہے نہ یہ کہ تعیین تاریخ و ماہ و ذکر اسماء گواہان و وکالت سے خالی ہونے کے باعث بوجہ جہالت غیر مفید ہے شہادتِ نکاح میں ان اشیاء سے کسی کا ذکر اصلاً لازم نہیں، تاریخ و ماہ کی نسبت عبارات نمبر ۲ میں گزریں اور وکالت واسمائے گواہان کا ذکر اس سے بھی زیادہ لغو و غیر ضروری، کیا ذی علم مجوز کسی کتاب سے ثبوت دے سکتے ہیں کہ شہادت نکاح میں جب تک اسماء گواہان و وکالت کا ذکر نہ ہو مردود ہے؟ ہرگز نہیں، رہا اسم منکوحہ اگرچہ قاضی صاحب نے عصمت جہاں بیگم کا نام زبانی نہ لیا صرف اتنا کہا کہ نام رجسٹر میں لکھا ہے مگر یہ ضرور کہا کہ مسعود خاں کی دختر نے اپنے نفس کا اختیار دیا مسعود خاں کی دختر جو اپنے نفس کا اختیار دینے کے قابل ہو ایک یہی عصمت جہاں بیگم ہے، اس کی دو چھوٹی بہنیں بہت صغیر سن ہیں کہ کسی تصرف کی اجازت دینے کے قابل نہیں اور مقصود منکوحہ کا تعیین ہے اگرچہ کسی طرح ہو کچھ نام لینے ہی کی ضرورت نہیں مثلاً گواہ گواہی دیں کہ زید نے اپنی بڑی لڑکی کا نکاح کیا شہادت مقبول ہے یہاں تک کہ اگر گواہ یہ بھی کہیں کہ مگر ہم نہیں جانتے کہ یہ مدعا علیہا زید کی بڑی لڑکی ہے جب بھی گواہی مقبول ہوگی اور مدعی سے اس پر گواہ لئے جائیں گے کہ یہی مدعا علیہا اس کی دختر کلاں ہے، عالمگیریہ میں ہے:

فی الخزانۃ قالا زوج الکبری لکن لاندری الکبری یکلفہ باقامۃ البینۃ ان الکبری ھذہ[1]

خزانہ میں ہے کہ گواہوں نے بڑی لڑکی کا ذکر کیا اور ساتھ ہی کہا لیکن ہمیں بڑی لڑکی کا تعارف نہیں ہے تو گواہوں کو پابند کیا جائیگا کہ بیان کریں کہ بڑی لڑکی یہ ہے۔ (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

شھدا انہ زوج بنتہ منہ ولا نعرفھا بوجھھا فلو لم تکن لہ الا بنت واحدۃ تقبل لزوال الجھالۃ[2]

گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے اپنی لڑکی کا فلاں سے نکاح کیا ہے لیکن ہم لڑکی کو چہرہ سے نہیں پہچانتے تو اگر اس شخص کی ایک ہی لڑکی ہو تو شہادت قبول کی جائیگی کیونکہ جہالت نہ رہی (ت)

(۲۳) محمد جان کی شہادت ضرور لغو و مہمل ہے کہ وہ صراحۃً کہتا ہے میں نے نہ سنا کیا نام مسماۃ کا لیا تھا اور نام کے علاوہ بھی کوئی پتہ اصلاً نہیں بتاتا مگر علی حسین کی گواہی اگرچہ لغو رہی کہ ناکح و منکوحہ کسی کا نام نشان نہیں لیکن انصافاً وہ لغو رکھی گئی شاہد جب ایسی گول مجمل بات کہے تو حاکم کو حکم ہے کہ اس سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب السابع الفصل الثالث نورانی کتبخانہ پشاور ۳/ ۵۰۳
[2] جامع الفصولین الفصل العشرون فی دعوی النکاح الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۷

استفسار کرے تاکہ بات صاف ہوجائے ناتمام بات کہے تو اس سے پوچھے کہ بات پوری ہوجائے۔

معین الحکام میں ہے:

ینبغی ان یسھل اذن البینات ولا یمطلھم فاذا حضروا انسھم وقربھم و بسطھم و سألھم عن شھادتھم فان کانت تامۃ قیدھا وان کانت ناقصۃ سألھم عن بقیتھا وان کانت مجملۃ سألھم عن تفسیرھا۔[1]

گواہوں کی اجازت کا معاملہ آسان بنانا مناسب ہے اس معاملہ میں گواہوں کو تاخیر میں مبتلا نہیں کرنا ہوگا جب وہ حاضر ہوجائیں تو قاضی ان کو اُنس، قُرب اور فراخی دے کر ان سے شہادت لے اگر شہادت مکمل ہو تو نوٹ کرلے ورنہ ناقص ہو تو بقیہ امور پوچھے اور اگر شہادت مجمل ہو ان سے تفسیر پوچھے۔(ت)

اور یہ تلقین نہیں بلکہ نظر ہے جس کے لئے قاضی مقرر ہوا، اکثر ابنائے زمانہ جاہل ہیں وہ نہیں جانتے کہ شہادت میں شرعًا کیا کیا ضرور ہے اگر انھیں کے بیان پر چھوڑا جائے عام شہادتیں ناقص و ناتمام اتریں گی اور حقوق مسلمین ضائع ہوں گے و لہذا اگر حاکم جانے کہ مدعی دعوی بروجہ صحیح ادا نہ کرسکے گا تو اسے اجازت ہے کہ مدعی کو دعوی کرنے کا طریق سکھادے ورنہ وہی حاصل ہوگا کہ صاحبِ حق حق سے محروم رہے گا،

عالمگیریہ میں ہے:

رجل لا یحسن الدعوی والخصومۃ فامر القاضی رجلین فعلماہ الدعوی والخصومۃ ثم شھدا علی تلك الدعوی جازت شھادتھما ان کانا عدلین ولا باس بذلك علی القاضی بل ھو جائز فیمن لا یقدر علی الخصومۃ ولا یحسن الدعوی خصوصا علی قول ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی کذا فی الظھیریۃ۔[2]

اگر کوئی شہادت یا بحث کا طریقہ نہیں جانتا تو قاضی دو۲ آدمیوں کو حکم دے کہ وہ اس کو شہادت اور بحث سکھائیں پھر وہی دو شخص اگر اس دعوٰی کے گواہ ہوں تو ان کی شہادت جائز ہوگی بشرطیکہ وہ دونوں شخص عادل ہوں اس میں قاضی پر کوئی اعتراض نہ ہوگا بلکہ یہ جائز ہوگا جبکہ مدعی شخص دعوٰی اور بحث بہتر کرنے کی قدرت نہیں رکھتا خصوصًا امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ظہیریہ میں یوں ہے۔(ت)

---

[1] معین الحکام الفصل السادس فی سیرتہ مع الخصوم مصطفی البابی مصر ص ۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۵

(۲۴) شفیع حیدر خاں کی شہادت پر اعتراض کہ وہ گواہ نہ توکیل کا ہے نہ شناخت کا، جو الفاظ نکاح کے بابت گواہی دی ہے اس میں نہ نام ناکح کا لیا نہ منکوحہ کا سخت تعجب خیز ہے نقل اظہار کہ یہاں آئی اس کا شروع ان لفظوں سے ہے "عرصہ کم و بیش سات ماہ کا ہوا کہ حسن رضا خاں کا نکاح مسماۃ عصمت جہاں بیگم مولوی مسعود خاں کی بیٹی سے ہوا میرے روبرو میں اس جلسہ نکاح میں شریک تھا" اب اسے کیا کہا جائے یہ تو کھلا گواہ نکاح ہے اور ناکح و منکوحہ دونوں کا نام لے رہا ہے، ہاں اخیر میں یہ لکھا یا ہے کہ بوستاں خاں باہر آئے اور کہا کہ چندا میاں نکاح پڑھا تو تب قاضی صاحب نے خطبہ پڑھا بعد ایجاب و قبول نکاح پڑھایا یہاں بیشک زوجین کا نام نہ لیا پھر کیا ضرور تھا جبکہ اول صراحۃً بتا چکا۔

(۲۵) نظام الدین خاں کی گواہی کا وہی حال ہے جو نمبر ۲۳ میں علی حسین کی نسبت گزرا۔

(۲۶) جلال خاں کا حصۂ بیان بابت انعقاد نکاح اس وجہ سے قابلِ لحاظ نہیں کہ جبکہ اس کی شہادت نسبت ثبوت توکیل جو اصل بنا و موقوف علیہ صحت دعوی ہے کالعدم ہے تو اس بارے میں اس کا حصۂ بیان کیا معتبر ہو سکتا ہے،

اولاً بیانات سابقہ میں واضح ہوگیا کہ نہ ثبوت توکیل موقوف علیہ صحت دعوٰی تھا نہ جلال خاں کی گواہی نسبت توکیل کالعدم، دونوں باتیں غلط ہیں۔

ثانیاً بالفرض اگر ایک حصۂ بیان بوجہ عدمِ تعریف مقبول نہ ہو تو دوسرا حصۂ بیان کہ امر جداگانہ کے متعلق ہے کیوں مردود ہونے لگا، نمبرہ میں فصولِ عمادیہ و فتاوٰی عالمگیریہ سے گزرا کہ ایک گواہ نے صرف وکالت پر گواہی دی دوسرے نے وکالت و عزل دونوں پر یعنی وکیل بھی کیا پھر معزول بھی کر دیا تو دوسرے کی گواہی دربارۂ عزل مردود ہے کہ نصاب تام نہیں اور دربارۂ وکالت مقبول کہ اس پر نصاب کامل ہے، درمختار میں ہے:

شھدا بالف وقال احدھما قضی خمس مائۃ قبلت بالف الا اذا شھد معہ اٰخر[1]	دونوں نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے یہ بھی کہہ دیا کہ اس نے پانچ سو ادا کر دئے ہیں

تو ایک ہزار میں گواہی درست ہوگی مگر جب پانچ سو کی ادائیگی میں کوئی دوسرا ساتھ گواہی دے (ت)

دیکھو یہاں بھی ایک گواہ کا یہ حصۂ شہادت کہ مدعا علیہ پر ہزار روپے آتے تھے مقبول ہوا اور دوسرا حصہ کہ ان میں سے پانچسو ادا کر چکا ہے نہ سُنا گیا کتب فقہ میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی۔

---

[1] درمختار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۰

اما قول الدر الشهادة اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل[1] فقد حققنا فیما علقنا علٰی رد المحتار ان معناہ ان المشھود بہ الواحد لایقبل مرۃ ویرد اخرٰی بل اذا رد رد مطلقا ابدا الا اذا کان لہ تعلق بامرین وقام بہ وجہ الرد نظرا الی احدھما دون الاٰخر کما فی صور الاستثناء الثمان منھا شرب الخمر الثابت بشھادۃ رجل وامراتین یقبل فی حق العتق والطلاق المعلقین بہ لا فی حق الحد اذ لاشھادۃ للنساء فی الحدود وھکذا فی البواقی ولیس المراد ان الشاھد بعدۃ امور فردت شھادتہ فی احدھا لامر یختص بہ لا نقدح فی الشاھد ردت فی الامور الباقیۃ ایضا فان ھذا باطل قطعا[2] ثم ذکرت الفرعین المذکورین۔

لیکن دُر کا یہ قول کہ جب بعض شہادت باطل ہوئی تو کل باطل ہوجائے گی، تو اس کی تحقیق ہم نے ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں کردی ہے کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ ایک مشہود بہ (جس بات کی شہادت دی جارہی ہو) کو ایک دفعہ رَد کرنے پر دوبارہ قبول کرنا جائز نہیں جب رَد کردیا تو رَد ہی ہوگا دوبارہ قبول نہ ہوگا بشرطیکہ اس ایک مشہود بہ کا تعلق دو مختلف صورتوں سے نہ ہو اور اگر اس کا تعلق دو مختلف صورتوں سے ہے اور ایک صورت رَد کی ہے دوسری نہیں ہے، جیساکہ آٹھ استثناؤں میں سے ایک یہ کہ شراب خوری جب ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو تو یہ شہادت شراب خوری سے معلق کردہ امور عتق اور طلاق میں مقبول ہے اور یہی شہادت شراب خوری پر حد کے لئے مقبول نہ ہے کیونکہ حد میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں، یُوں ہی باقی امور میں بھی۔ ردالمحتار کی عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ گواہ جب متعدد امور کی شہادت دے اور ایک میں شہادت اس کی خصوصیت کی بناء پر مردود ہوجائے تو باقی امور میں بھی شہادت مردود ہوجائے کیونکہ یہ بات قطعًا باطل ہے، پھر میں نے اس پر مذکور دو فرعیں ذکر کی ہیں۔ (ت)

(۲۷) محمد حسن خاں کی شہادت اس وجہ سے لغو ہے کہ اس تمام بیان میں کہیں تذکرہ نام مدعا علیہا کا نہیں، نہ کوئی ثبوت اس کی شناخت کا ہے بلکہ ایک حکایت ہے کہ کوٹھری میں سے جو آواز آرہی تھی اس کا اعادہ کیا ہے، یہ اعتراض بھی تمام شہادت پر نظر نہ فرمانے سے ناشئی ہے،

اوّلاً محمد حسن خاں نے جہاں یہ کہا ہے کہ ایک کوٹھری جس میں کواڑ نہیں ہیں پردہ پڑا تھا اس میں سے یہ آواز آرہی تھی کہ میں اپنی خوشی سے آئی ہوں میری سوتیلی ماں سے ہمیشہ رنج رہتا تھا میرے والد مولوی مسعود خاں شہر میں نہیں ہیں حسن رضا کے ساتھ میرا بڑا ابھی ہوچکا تھا اس وجہ سے میں یہاں چلی گئی اور ان سے آکر کہا میرا آج ہی نکاح کردو نہیں تو میں جیسے پہلے چلی گئی تھی ویسے ہی چلی جاؤں گی، وہاں یہ بھی کہا ہے کہ

---

[1] درمختار کتاب الشہادات باب قبول الشہادۃ وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] جد الممتار علی ردالمحتار

پردہ سے مُنہ بھی نکالا تھا میں نے منہ بھی دیکھا تھا پھر ثبوت شناخت کی کیا ضرورت، یہاں بھی وہ مباحث پیش آئیں گے جو امر ۱۹ و ۲۰ میں نسبت شہادت جلال خاں گزرے محمد حسن خاں صرف کوٹھری کی آواز کا حاکی نہیں بلکہ آواز والی کو اسی وقت منہ دیکھ کر پہچانے ہوئے ہے۔

ثانیاً دربارۂ نام مدعا علیہا وہ بحث جو زیر امر ۲۲ گزری عائد ہے مولوی مسعود خاں کی بیٹی جو اس اظہار کے قابل ہو صرف عصمت جہاں بیگم ہے رفع جہالت کو اس قدر بس ہے اگرچہ نام نہ لیا گیا، یہ اور اس کو باپ کی گواہی ثبوت نکاح کے لئے نہ تھی بلکہ اس سے بیان عصمت جہاں بیگم کی تکذیب مقصود ہے کہ وہ برضائے خود آئی ہے نہ کہ دوسری طرح۔

(۲۸) محمد حسن خاں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ تھانہ دار نے نہال الدین خاں اور محمود خاں سے کہا تم نے اس کوٹھری میں یہ بھی دیکھ لیا کہ کوئی اور تو نہیں انھوں نے کہا اس میں ہماری ہی بھانجی ہے اور کوئی نہیں یہ قول بھی محمد حسن خاں کا غلط ہے اس لئے کہ مسماۃ نہال الدین خاں کی بہن اور محمود خاں کی بھتیجی ہے نہ کہ بھانجی۔

اولاً کسی امر عظیم میں اشتغال کے وقت آدمی کی زبان ایک آدھ لفظ میں بہک جانا کچھ مستبعد نہیں ہوتا محمود خاں کے لئے اس واقعہ کا سخت امر عظیم ہونا باتفاق فریقین ثابت ہے فریق عصمت جہاں بیگم کے طور پر تو ظاہر ہے کہ ایک فیصلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مسعود خاں اسی صدمہ سے دوران مقدمہ مرگیا محمود خاں ان کا حقیقی بھائی ہے اگر بھتیجی کا بھانجی شدت صدمہ میں زبان سے نکل جائے کیا جائے تعجب ہے اور فریق حسن رضا خاں کے طور پر یوں کہ معاذاللہ حقیقی بھتیجی نوجوان کنواری باپ کے یہاں سے بھاگ کر ایک شخص کے یہاں چلی گئی اور خود نکاح کرلیا اور باپ بالجبر بلانا چاہتا ہے تو چچا اور بھائی کے سامنے یہ صاف اظہار میں تھانے دار کو کہہ رہی ہے میں نہیں جانتی کون سے پیڑ پر رہتے ہیں کس باغ کی مولی ہیں عیاذاً باللہ یہ کیا تھوڑے صدمہ کا مقام ہے پھر اتنی زبان بہکنا کیا محال، اور جب یہ ممکن اور ضرور ممکن تو مجوز ذی علم نے کیونکر یقین کرلیا کہ یہ محمد حسن خاں کی غلطی ہے، کیا محتمل نہیں کہ محمود خاں ہی کی غلطی ہو اسی نے گھبراہٹ اور سخت رنج کی حالت میں بھانجی کہا محمد حسن خاں نے جو اس سے سُنا وہی نقل کردیا اسے اپنی طرف سے تصرف کا کیا اختیار تھا مع ہذا کیا محال ہے کہ عصمت جہاں بیگم کی ماں محمود خاں کی رشتہ کی بہن ہو تو بھانجی کہنے میں کوئی غلطی بھی نہیں۔

ثانیاً بالفرض اگر یہ لغزش محمد حسن خاں ہی نے کی تو کیا الزام ہے کیا یہاں عصمت جہاں بیگم کی نسبت قرابت کا کوئی مقدمہ پیش تھا کہ بھتیجی کی جگہ بھانجی کہنے میں فرق پڑگیا یا شاید خواہ مدعی کا اس کے بھانجے ہونے

ہیں کوئی نفع بھتیجی ہونے میں کوئی نقصان تھا پھر ایسے لغو وفضول امر سے جس کے لئے مقدمہ میں کوئی اثر نہیں اعتراض یعنی چہ۔

(۲۹) یہ بھی لغویت قول گواہ مذکور ہے کہ اس نے واقعہ کی مدت قطعی آٹھ ماہ کی بیان کی ہے اور بروجہ حساب کہ تاریخ عقد ۲۴ اپریل ۱۹۱۰ء سے تا روز ادائے شہادت کہ ۴ دسمبر ۱۹۱۰ء ہے مدت سات ماہ نو دن ہوتے ہیں تو یہ شہادت متعلق کسی واقعہ ماقبل کے ہے،

اولاً سخت حیرت ہے کہ یہاں جو نقل اظہار آئی اس میں صاف یہ لفظ ہیں عرصہ تخمیناً آٹھ ماہ کا ہوا کہاں تخمیناً کہاں قطعاً۔

ثانیاً اللہ عزوجل فرماتا ہے:

الحج اشھر معلومٰت[1] زمانۂ حج چند ماہ معلوم ہیں۔

اشھر بصیغۂ جمع فرمایا جس کا اقل تین ہے حالانکہ وہ صرف یکم شوال سے دہم ذی الحجہ تک دو مہینے دس دن، اور امام شافعی کے نزدیک نہم تک دو مہینے نو دن ہیں۔ ردالمحتار میں علامہ مصطفٰی رحمتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے حاشیہ درمختار سے ہے:

اطلاق اشھر فی قولہ تعالٰی الحج اشھر معلومٰت علی شھرین وبعض الثالث[2]

اشھر جمع کا اطلاق، اللہ تعالٰی کے قول "اشھر معلومات" میں دو ماہ اور ایک ماہ کے کچھ حصے پر کیا گیا ہے (ت)

جب دو مہینے نو دن کو تین مہینے کہنا جائز ٹھہرا تو سات مہینے نو دن کو آٹھ مہینے کہنے میں کیا گناہ ہوا، ہاں اگر محمد حسن خاں قید لگاتا کہ پورے آٹھ مہینے ہوئے یا بے کم وبیش یا کامل تو ضرور اعتراض کا محل تھا، معالم التنزیل میں ہے:

شوال وذوالقعدۃ وتسع من ذی الحجۃ وانما قال اشھر بلفظ الجمع لان العرب تسمی الوقت تاما بقلیلہ وکثیرہ فیقول اتیتك یوم الخمیس

شوال، ذوالقعدہ اور نو دن ذی الحجہ ہیں، اس کے باوجود اشھر جمع کا لفظ فرمایا، کیونکہ عرب لوگ کچھ وقت کا تمام وقت پر اطلاق کرتے ہیں، وہ کہتا ہے میں جمعرات کو تیرے پاس آیا حالانکہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۷
[2] ردالمحتار

وانما اتاہ فی ساعۃ منہ ویقولون زرتک العام وانما زارہ فی بعضہ اھ مختصراً۔
آنا صرف ایک ساعت میں ہوا، یوں ہی کہتے ہیں میں نے اس سال تیری زیارت کی حالانکہ زیارت کچھ حصہ میں کی ہے اھ مختصراً (ت)

ولہذا جب احتمال مجاز رفع کرنا چاہا قرآن عظیم نے قید کمال بڑھا کر تلک عشرۃ کاملۃ[2] (یہ دس کامل ہیں۔ ت) فرمایا کشاف میں زیر قولہ تعالٰی حولین کاملین (دو سال کامل۔ ت) لکھا توکید کقولہ تعالٰی،

تلک عشرۃ کاملۃ لانہ مما یتسامح فیہ فتقول اقمت عند فلان حولین و لم تستکملھما[3]۔
یہ دس کامل ہیں، کیونکہ یہ ان امور میں سے ہے جن میں تسامح سے کام لیا جاتا ہے، تو کہتا ہے میں نے فلاں کے پاس دو سال قیام کیا حالانکہ تو نے پورے دو سال نہ کیا۔ (ت)

شہادتوں پر دیگر اعتراضات کا بھی خاتمہ ہوگیا، اب قرائن سنئے:

قرائن: (۳۰) واقعہ حیرت خیز خلاف عقل ہے، عورت پردہ نشین ناکتخدا معزز نامی شخص کی بیٹی کا پاپیادہ تنہا شب میں بلا اعانت شخص دیگر کے محلہ مدرسہ سے باغ انگوری کے مکان آنا بخواہش نکاح کی کرنا اور بلا علم شرکت اعزا و معززین محلہ بوکالت اجنب ناآشنا و شہادت اشخاص غیر شناسا نکاح ہونا اصلاً قابل باور ہونے کے نہیں اور اس سے پہلے توکیل بوستاں خاں کی نسبت فرمایا مدعا علیہا پردہ نشین شریف زادی ہے اس بیباکی و بے حیائی کے ساتھ ایک شخص اجنب سے ایسے شرم کے وقت جو ذلیل ترین عورت بھی ایسی باتیں نہیں کرسکتی بلحاظ رسم و رواج شرفا اصلاً عقل سلیم اس کو باور نہیں کرسکتی یہ جملہ کارسازی مصلحتی و صنعتی ہے۔

اولاً صریح شہادتوں کے خلاف قرائن پر حکم ناممکن۔ علماء فرماتے ہیں:

ان البینۃ کاسمھا مبینۃ والثابت بالشھادۃ کالثابت بالمشاھدۃ۔
البینۃ اپنے نام کی بناء پر واضح کرنے والا ہوتا ہے، شہادت سے ثابت شدہ چیز مشاہدہ سے ثابت شدہ کی طرح ہے (ت)

---

[1] معالم التنزیل علٰی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ الحج اشھر المصطفٰی البابی مصر ۱/۱۸۰

[2] القرآن الکریم ۲/۱۹۶

[3] الکشاف للزمخشری تحت آیۃ حولین کاملین انتشارات آفتاب قم ایران ۱/۳۶۹-۷۰

آدمی جس طرح آنکھوں دیکھی بات کو محض اس بنا پر رَد نہیں کرسکتا کہ قرینہ اس کے خلاف ہے یوں ہی ثابت بالشہادۃ کو، قرائن سے غایت درجہ اگر ہوگا تو یہ کہ بیان شہود میں ریب و تہمت پیدا ہو اور محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الاصل میں تحریر فرماتے ہیں کہ ریب و تہمت کے سبب گواہیاں رَد نہیں ہوسکتیں،

فی الھندیۃ عن المحیط عن الاصل القاضی وان کان یتھمھم فالشھادۃ لاترد بمجرد التھمۃ۔[1]

ہندیہ میں محیط سے اصل (مبسوط) کے حوالہ سے ہے کہ اگر قاضی گواہوں کو متہم بھی کرے تب بھی محض تہمت کی بناپر شہادت مردود نہ ہوگی (ت)

شریف زادیوں کا مکان سے جاکر باختیار خود نکاح کرلینا اگرچہ رسم عام نہیں مگر شرعًا ممنوع وحرام نہیں، اگر تلاش کیجئے تو رامپور ہی میں اس کی بیس نظیریں ملیں گی اور رات کو پیادہ گلی کوچوں میں پھرنا تو وہاں بکثرت شائع ہے جس طرح لکھنؤ میں، بریلی میں شریف خاندان اسے ضرور عیب سمجھتے ہیں مگر رامپور میں اگر یہ عیب ہے تو برائے گفتن ہے عملی طور پر اکثر خاندانوں میں عیب نہیں بلکہ وہاں بہت جگہ منگنی وغیرہ کی تقریبوں میں شب کو آپ ڈھول بجاتی ہوتی نکلنے کی رسم ہے ان میں کنواریاں بیاہیاں جوان بڑھیاں سب طرح کی ہوتی ہیں اور بعض بیباکیں تو مردانہ لباس پہن کر پیچھے کا جوڑی لگاکر گلی گشتی کی ہیں یہاں تک مسموع ہوا کہ بعض اُونچے گھروالیاں اسی وضع میں سڑک پر مقتول ملیں والعیاذ باللہ رب العٰلمین مفتی وحاکم دونوں پر لازم کہ جہاں کی نسبت حکم یا فتوٰی دیں خاص وہاں کے رسم و رواج پر لحاظ کریں دوسرا رواج اگرچہ کیسا ہی عام ہو وہاں کے اپنے رواج کا معارض نہیں ہوسکتا۔

ثانیًا رسم ورواج کے قرائن تو اس وقت ڈھونڈھئے کہ خود اصل شخص مبحوث عنہ کے افعال و اقوال، حرکات و اعمال پر اطلاع نہ ہو جب خود اس کی حالت معلوم، پھر دوسروں کے رواج سے اس پر حکم کیا معنی، یہاں دو باتیں حیرت خیز و تعجب انگیز اور عقل سلیم سے بعید سمجھی گئیں، ایک تو عصمت جہاں بیگم کا پاپیادہ گھر سے تنہا چلاجانا، دوسرے اجنبی شخص بوستاں خاں سے بیباکانہ یہ گفتگو کہ بھائی بوستاں خاں میں نے تمھیں اپنے نکاح کا وکیل کیا۔ ان دونوں باتوں کی زندہ نظیریں بدرجہا ان سے زائد خود عصمت جہاں بیگم کے افعال واقوال میں موجود، یہی عصمت جہاں بیگم مدعا علیہا یہی عورت پردہ نشین ناکتخدا یہی معز ز نامی شخص کی بیٹی یہی نوجوان کنواری شریف زادی ابھی قریب زمانہ ہوا اس نکاح سے دو ہی مہینے پہلے اپنے مکان

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

بے اشتباہ کو چھوڑ دینا اصلاً کوئی وجہ نہ رکھتا تھا۔ لاجرم قرین قیاس یہی ہے کہ جیسا وہ کہتا ہے وہی واقع ہوا اور اس نے اپنی دیانت خواہ سادگی سے بیان واقعہ میں کوئی تصنّع نہ کیا جو گزرا تھا بے کم و بیش وہی بیان کر دیا ورنہ وہ بناوٹ چاہتا تو اسے یہ کہنا بہت آسانیاں دیتا کہ عصمت جہاں بیگم ڈولی میں اپنی بھانجی کے پاس آئی اور نکاح کی خواستگار ہوئی، ہم نے دیوانی و فوجی دونوں مقدموں کے کاغذات فریقین و گواہان فریقین کے اظہارات بتفصیل دیکھے اصلاً کسی حرف سے نہ تو عصمت جہاں بیگم کے دامن عصمت میں کوئی لوثِ التباس نظر آتا ہے نہ بیان حسن رضا خاں میں کوئی امر بعید از قیاس، غیب کا علم عالم الغیب عز جلالہٗ کو ہے مگر روداوں کا ملاحظہ بے رُو رعایت حالت واقعہ یہ بتاتا ہے کہ عصمت جہاں بیگم ضرور اپنے نام کی عصمت جہاں ہے حاشا اس پر کسی بدوضعی کا ثبوت نہیں مگر اس کی طبیعت خلقۃً "خوش باش و آزادی پسند لطیف و ظریف واقع ہوئی ہے وہ صدموں کا تحمل درکنار محکومی و دست نگری سے بھی بیزار ہے حبیب النساء بیگم اس کی سوتیلی ماں ہے حسبِ عادت زنان بلکہ رواج عام ہر زمان اس عداوت کے رشتے سے عصمت جہاں بیگم کو اذیت پہنچتی تھی اور کچھ نہ ہو تو کم از کم وہ محض محکوم و دست نگر رکھی گئی تھی اس کی آزاد طبیعت اس قید و بند سے بھاگتی تھی جیسا کہ وہ خود اپنے اظہار میں دربارہ شاکی ہے کہ میرے پاس روپیہ علیحدہ نہیں رہتا ہے چچا یا ماں بھائی سے کہہ کر چیز منگا سکتی ہوں ایسی چیز جس کو میرا جی چاہے اور یہ لوگ منع کریں نہیں منگا سکتی ہوں، انھیں وجوہ سے وہ ایک بار تنگ آکر اسٹیشن تک فرار کر چکی اس بار پکڑی گئی اور پھر اس کو اسی قید کا سامنا ہوا اور مظنون ہے کہ اب بوجہ فرار قید و تشدد میں اور اضافہ ہوا ہو وہ وقت کی منتظر تھی اس کا باپ بمبئی گیا ادھر سوتیلی ماں کو ستانے کا زیادہ موقع ملا ہو گا ادھر اس نے اپنی آزادی قائم کرنے کا اچھا وقت پایا سوچی کہ ابکی بار بھی پہلا ہی سا فرار ہوا تو اسی طرح بیکار جائے گا وہ تدبیر کیجیے کہ ہمیشہ کو آزاد ہو جائیے۔ حسن رضا خاں سے اس کا بیڑا ہو چکا تھا جیسا کہ خود اس کی ماں نے اپنے ایک اظہار میں اقرار کیا ہے اسے سب کے ظاہر ڈولی منگا کر حسن رضا خاں کے یہاں جانے کا حسبِ رسم زمانہ کوئی موقع نہ تھا لہٰذا اس کا پاؤں ایک بار کُھل چکا تھا رات آنے کی منتظر تھی اس کے یہاں معمولاً آٹھ یا نو بجے رات کو سو جاتے ہیں جیسا کہ خود اس نے اپنے اظہار میں لکھایا ہے باپ گھر میں نہ تھا ماں بھائی نو بجے سو گئے اس نے دس بجے راہ مقصود لی اس کے بھائی نے سوتے وقت اچکن ٹوپی اتار کر رکھ دی تھی یہ سمجھی کہ چاندنی رات ہے کہ صفر کی آٹھویں شب تھی اور ابھی راستہ چل رہا ہے جیسا کہ خود اس کی طرف کے اظہاروں میں ہے کہ راہ میں اس کے چچا وغیرہ لوگ ملے تھے اپنے لباس میں کہیں پہچانی نہ جائے لہٰذا بھائی کی شکرگزاری کے ساتھ اس کی اچکن ٹوپی زیب بدن کی اور وہی ہوا جو وہ سمجھتی تھی کہ

اب کسی نے نہ پہچانا یہاں تک کہ وہ اپنی بھانجی کے گھر میں آگئی، یہاں کی عورتیں اجنبی جوان کو آتے دیکھ کر ضرور گھبرائی ہوں گی مگر یہ محل اس کے کھل جانے کا تھا اس کے اتنے کہنے پر کہ میں ہوں عصمت جہاں بیگم، وہ گھبراہٹ اب اس تعجب سے بدل گئی ہوگی کہ تم اس وقت اس وضع میں کہاں، اور اس کا اس نے وہی جواب دیا ہوگا جو اپنی خودمختاری کے اظہار میں کہہ چکی تھی کہ میری سوتیلی ماں مجھے زہر دیئے دیتی ہے میرا نکاح کر دو ورنہ پہلے کی طرح پھر چلی جاؤں گی وہ خوب سمجھ لی تھی کہ اس کی آزادی قائم کرنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو یہی نکاح ہے کہ اس کے بعد وہ لوگ مجبور ہو جائیں گے، شوہر کا گھر اسٹیشن کا کمرہ نہ ہوگا جہاں سے ضامن شاہ خاں پکڑ لے جائیں اس نکاح کے لئے ضرور تھا کہ اس کے اعزہ و اقارب و اہل محلہ نہ بلائے جائیں کہ یہ تو بالکل برعکس مراد ہوتا تو اس کو یہاں قرینہ بے اصلی دعویٰ ٹھہرانا اصل مطلب سے غفلت پر مبنی ہے۔ تلاشی کے وقت اچکن ٹوپی کا مدعی کے یہاں سے برآمد ہونا بھی اسی کا مؤید ہے کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ لوگ ڈاکہ ڈالنے جائیں اور فقط روپے آٹھ آنے کے دو استعمالی کپڑے لے کر چلے آئیں پھر انھیں اپنے یہاں رکھ چھوڑیں یہاں تک کہ کئی دن بعد تلاشی میں نکلیں حالانکہ کپڑا فوراً پہچانے جانے کی چیز ہے، لاجرم وہ اسی طرح آئے جس طرح مدعی بیان کرتا ہے اور انھیں گھر میں رکھنے سے احتراز نہ کیا کہ خود پہننے والی ہی موجود تھی اور اس نے اپنی خوشی سے نکاح کیا تھا مدعی مطمئن تھا کہ فساد نہ اٹھے گا آخر کئی روز تک اس کے چچا بھائی خاموش رہے۔ تھانے میں بھی خبر نہ کی بلکہ چچا اور بھائی اور بہنوئی خود یہاں آکر اس سے مل گئے جیسا کہ حبیب النسا بیگم و عصمت جہاں بیگم و نہال الدین خاں کے اظہار سے ثابت ہے وہ اقرار کرتا ہے کہ محمد رضا خاں مجھ کو اندر مکان کے لے گئے تھے اور دوسرے اظہار میں یہ بھی لکھایا ہے کہ محمد رضا خاں نے لڑکی سے کہہ دیا تھا کہ تمھارے بھائی آتے ہیں، کیا جو کوئی بھگا کر لاتا ہے اس کے بھائی کو یوں مکان کے اندر لے جاتا ہے، آگے نہال الدین خاں کا کہنا کہ بعد لے جانے کے محمد رضا خاں نے مجھ سے کہا کہ تم کیوں آئے ہو چلے جاؤ ہم تم کو ماریں گے، محض نامقبول ہے، ان لوگوں کو نامنظور ہوتا تو پہلے ہی مکان میں کیوں جانے دیتے، ہاں شاید اس نے اندر جا کر اپنی بہن کو کچھ بہکانا یا دھمکانا شروع کیا ہو، اس پر محمد رضا خاں نے ایسا کہا ہو نیز مدعی کو اطمینان تھا کہ کسی نے فساد چاہا بھی تو عصمت جہاں بیگم جوان عورت خودمختار ہے اس پر کسی کی ولایت جبریہ نہیں وہ اپنی عصمت پر تہمت نہ رکھے گی، اور ہوا بھی ایسا ہی، وہاں جو اس کا اظہار ہوا ہے اس میں سارا واقعہ کہہ سنایا مگر جب بالجبر باپ کے یہاں بھیجدی گئی یہاں اسے پڑھایا ہوا سبق پڑھنا پڑا، اس سلسلہ وار قرین قیاس واقعہ کو دیکھ کر کچھ بھی اس کا تعجب نہیں رہتا کہ عصمت جہاں بیگم نے کیونکر دوستاں خاں سے خطاب نوکیل

کیا ہوگا مگر زیادہ تعجب تو اس کا ہے کہ عصمت جہاں بیگم کے اظہارات جو اس نے اجنبی مردوں حکام وغیرہم کے سامنے دھڑلے کی صفائی سے آٹھ دس صفحہ مطول پر لکھائے ہیں جن میں وُہ عندلیب ہزار داستان بن کر چہکی ہے جن میں کہیں نہ تو اس کی تیوری پر میل آیا نہ اس کی آنکھ جھپکی نہ اس کی زبان بہکی ہے انھیں ملاحظہ فرما کر اتنی بات کو بعید از عقل سلیم کہا جاتا ہے کہ بھائی بوستاں خاں میں نے تمھیں اپنے نکاح کا وکیل کیا، ان اظہاروں کا دیکھنے والا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کمسن نوجوان پردہ نشین شریف زادی جسے غیر مردوں سے بات کرنے کا اتفاق تو بالائے طاق بقول اس کے یہ بھی نہیں جانتی کہ میرے مکان کے دروازہ کے سامنے کس کا مکان ہے وُہ اور خاص اہلکاران حکومت کے سامنے چالاک وکیلوں کے پیچ در پیچ جرحوں کے مقابل یہ کچھ طراریں دکھایا یوں صفائی سے نکل جانا سچ پُوچھئے تو بعید از عقل سلیم اسے کہئے اس کے ابتدائی اظہار پر کچھے دار بیان کا تسلسل دیکھ کر وکلائے مدعی کو گمان ہوا تھا کہ شاید اس کے قانون دان باپ نے اسے اظہار لکھ کر دے دیا ہے جسے پڑھ کر سنا رہی ہے جس کا جواب اس نے وہ چمک کر دیا کہ کاغذ دیکھنے والے پر لعنت ہے کتنا پہلو دار جواب ہے، معلوم نہیں اس کاغذ کو کہتی ہے جس کی نسبت وکیل مدعی نے شبہہ کیا یا اس کاغذ کو جس پر اس کا اظہار لکھا جا رہا ہے اور وکیل وغیرہ کے پیش نظر ہے، خیر یہاں تو شبہہ صحیح تھا خواہ بے اصل مگر جرحوں کے جواب تو وہ لکھوا کر نہ لا سکتی تھی وہاں اس کی تیز زبانیاں شیوا بیانیاں قابل تماشہ ہیں اس کے باپ کی نسبت کوتوال ریاست نے لکھایا ہے کہ تجربہ کار قانون دان مشہور ہے مگر موازنہ تو صاف کہہ رہا ہے کہ عصمت جہاں بیگم کا اظہار اس کے باپ کے اظہار سے کہیں زیادہ چاق و بالطمطراق ہے وُہ ان اجنبی مردوں نہ صرف اجنبی بلکہ حاکمانہ اظہار لینے والوں اور مخالفانہ جرحیں کرنے والوں کے مجمع میں اپنی ظریف طبیعت کے رنگ کو بھی نہ بھولی زہر یا دھتورے کے لڈو جنھیں کھلا کر اسے اور اس کے سارے کو بیہوش کر دینا بتایا گیا ہے ان کی تعداد و وزن تخمین سے وکلا نے سوال کیا تھا جس کا جواب لکھاتی ہے کتنے نہیں بتا سکتی نہ یہ بتا سکتی ہوں کہ پانچ تھے یا پانچ سے زیادہ تھے، آٹھ تھے یا آٹھ سے زیادہ تھے، تخمینہ سے بھی نہیں بتا سکتی کہ دس تھے یا اس سے زیادہ تھے چار یا پانچ تخمیناً تھے، ان چار پانچ کا وزن نہیں بتا سکتی، نہ ایک لڈو کا وزن تخمیناً بتا سکتی ہُوں کہ ماشہ بھر یا تولہ بھر یا چھٹانک بھر تھا یا سیر بھر تھا یا من بھر تھا۔ سوال تھا کہ ایک لڈو کتنے نوالوں میں کھا لیتی تھیں، جواب دیا یہ نہیں بتا سکتی، نہ یہ کہہ سکتی ہوں کہ ایک لڈو کے آٹھ یا دس یا بیس یا پچاس نوالے ہوتے تھے۔ سوال تھا کہ لڈو کھانے کے کتنی دیر بعد یہاں سے روانہ ہوئی، کہا تخمیناً بھی نہیں بتا سکتی۔ وکیل نے پُوچھا ایک گھنٹے بعد یا ڈیڑھ گھنٹے بعد۔ کہا میں کچھ

نہیں کہہ سکتی سب گھنٹے بعد، پھر ایک سوال کے جواب میں کہا آنے میں اور کھانا کھانے کے وقت تک چار پانچ گھنٹے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتی "مجھ کو متشابہ تھا" وکیل نے پوچھا متشابہ آپ کو کیوں تھا، اس پر بولی آپ نے لفظ "ہ" زیادہ کر دیا مجھ کو کتاب سے بتلا دو یہ میری سمجھ میں نہیں آتا، زہر کے لڈو کھانے کے آثار سے سوال ہوا اس کا جواب دیتی ہے ہم کو یاد نہیں کہ کلیجے پر جلن تھی یا نہیں ہم کو یاد نہیں کہ پیٹ میں درد ہوا تھا یا نہیں، یہ بھی یاد نہیں کہ گلے میں سوزش ہوتی تھی یا نہیں، آئینہ ہمارے ہاتھ میں نہ تھا کہ میں دیکھتی کہ آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں یا کیا، مجھے یاد نہیں کہ میرے گلے میں خشکی تھی یا نہیں، تین مہینے سے اونچا عرصہ ہوا۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ کسی کو پیاس تھی کہ نہیں، میں نہیں کہہ سکتی میرے سر میں درد ہوا یا نہیں، میں نہیں کہہ سکتی کہ چکا چوند ہوا یا نہیں، نہ میں نے پاگل دیکھا نہ میں جانوں "نہ کودنا" اچھلنا "جنون" لڑکھڑانا "پاؤں کا پھدکنا" ناچنا "واہی تباہی" ہوا میں ہاتھ مارنا "ان سب باتوں کو میں نہیں جانتی، یہاں تک کہ لکھاتی ہے کسی مرد نے کہا پلنگ پر لیٹ جاؤ میں لیٹ گئی پلنگ پر لیٹنے کے بعد صبح تک ہوش نہ ہوا صبح کو اٹھی جب معلوم ہوا کہ مجھے خراب و بے عزت کیا پاجامے کی کلیوں پر خون لگا تھا یہ نہیں معلوم کس نے خراب کیا، جب تک منظورہ ملزمان کے قبضہ میں رہی منظورہ سے برا کام حسن رضا خاں ڈرا دھمکا کر کرتا رہا، کچہریوں کے اظہار اور وکلاء کی جھاڑ میں بڑے بڑے مرد گھبرا جاتے ہیں نہ کہ عورت نہ کم سن نہ کہ پردہ نشین نہ کہ نا تجربہ نہ کہ ایسے بھنور سے کی پلی جسے یہ بھی خبر نہیں کہ اس کے دروازے کے سامنے کس کا مکان ہے نہ کہ ایسی گلفشانیاں یہ حرف گیریاں نہ کہ کلیوں کے خون تک کا صفائی سے بیان، یہ سب اس کی آزاد و بیباک طبیعت کے چھچھے تھے، پھر اسے اتنا کہنا کیا محال تھا کہ بھائی بوستاں خاں! میں نے تمھیں وکیل نکاح کیا غرض یہاں مدعائے مدعی کے خلاف کوئی قرینہ نہیں بلکہ قرائن بھی اسی کی طرف ہیں۔

تنقیحات

فیصلے کے تمام اعتراضات متعلق دعویٰ و شہادات سے فروغ پایا اتنے مختصر لفظ تنقیحات کی نسبت بھی گذارش ہیں کہ ذی علم مجوز نے تین تنقیحیں کیں:

(۱) عصمت جہاں بیگم بالغہ کا نکاح اس کی رضا و توکیل سے ہوا یا نکاح نہ ہوا اور وہ نابالغہ تھی اور حسن رضا خاں اس کا کفو نہ تھا۔

(۲) آیا پیش از نکاح بڑا ہوا۔

(۳) آیا مدعا علیہا اپنے باپ کے گھر سے تنہا پیدل رات کو آئی یا بالجبر بھگالی گئی۔ پچھلی دو تنقیحوں پر تجویز

دی ہے کہ سوا محمد حسن خاں کے کوئی شہادت نسبت امر دوم نہ گزری شہادت مذکورہ صحیح ہوتی تو بوجہ عدم کفایت کالعدم تھی پس امر دوم بھی غیر ثابت ہے اور نسبت امر سوم بھی کوئی ثبوت سوا ایک حصہ بیان شفیع حیدر خاں کے پیش نہ ہوا وہ بھی غیر ثابت ہے اگر شہادت صحیح بھی گزرتی تو بوجہ عدم کفایت کالعدم ہوتی ہماری رائے میں **اوّلاً** امر اخیر کی تنقیح قائم کرنی اور اس پر تجویز دینی ہی محض فضول تھی، اس محکمہ میں حسن رضا خاں کی طرف سے دعوٰی نکاح و رخصت تھا نہ کہ عصمت جہاں بیگم کی طرف سے دعوٰی جرم، تو آنا بخوشی ہوا یا بالجبر، اس کی بحث یہاں محض بیکار تھی، آنا درکنار خود نکاح اگر بالجبر ہو صحیح و نافذ ہے کہ نکاح و طلاق میں اکراہ ان کی صحت میں مخل نہیں۔ درمختار کتاب الاکراہ میں ہے:

صح نکاحہ وطلاقہ وعتقہ[1] الخ۔ اس کا نکاح، طلاق اور عتق صحیح ہے الخ (ت)

ثانیاً تنقیح دوم اس سے زیادہ عبث و لغو تھی کہ نکاح میں پیڑا ہونے نہ ہونے کو تو اصلاً دخل ہی نہیں کیا اگر بیڑا پہلے ہوجاتا تو نکاح صحیح و جائز تھا، نہ ہوتا تو نہ تھا، پھر اسے معرض بحث میں لانا اور اس پر تجویز سنانا لایعنی چہ۔

ثالثاً ان دو بیکار تنقیحوں کی جگہ پہلی تنقیح کے ہی دو جزء اخیر کو یعنی عصمت جہاں بیگم کا نابالغہ ہونا حسن رضا خاں کا اس کے کفو نہ ہونا مستقل تنقیحیں کرنا تھا کہ نفس حکم میں شرعاً ان باتوں کو دخل عظیم تھا مگر وہ ایک بے التفاتی کے ساتھ پہلی تنقیح میں ضمناً ذکر کردی گئیں اور مطلقاً ان کی نسبت تحریر فرمادیا کہ ثبوت ذمہ مدعی و تردید ذمہ مدعا علیہا، حالانکہ ان میں جزء اخیر یعنی عدم کفائت کا بار ثبوت ذمہ مدعا علیہا تھا وہ اس میں مدعیہ تھی کہ اصل کفائت ہے لان الناس بنو اب و ام (کیونکہ تمام لوگ باپ اور ماں کی اولاد ہیں۔ ت)

رابعاً فیصلہ میں ان دونوں ضروری جزء تنقیح کی نسبت کسی تجویز کا ذکر نہیں عدم کفائت کا تو کوئی ثبوت عصمت جہاں بیگم کی طرف سے نہ گزرا وہ قابل ثبوت تھی بلکہ وہ کاغذات دیکھنے میں آئے ہیں جن سے معاملہ عدم کفائت بالعکس معلوم ہوتا ہے یعنی عصمت جہاں بیگم بہ نسبت حسن رضا خاں کے بہت کم قوم ہے اور ضرور ذی علم مجوز نے بھی اس کی یہ مہمل بات ناقابل التفات جانی اور خود اس کی طرف سے اس کی بحث سے مطلق سکوت نے ظاہر کردیا کہ وہ صرف برائے گفتن کچھ الفاظ تھے جن کے نیچے معنی نہ تھے بلوغ کے بارے میں مسل میں نظیرن و محبوبن دائیوں کے اظہار ہیں جن میں وہ لکھاتی ہیں کہ عصمت جہاں بیگم جس کو ہم نے

---

[1] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۷

ابھی دیکھا ہے عرصہ ڈھائی تین سال سے بالغ ہے۔ مجوز نے سوال فرمایا کہ بلوغ کے آثار بتاؤ، اس پر جواب دیا کہ جوان عورت کی چھاتیاں پوری ہوتی ہیں چنانچہ اس کی چھاتیاں پوری ہیں عارضہ جو عورات کو ہوتا ہے وہ عارضہ بھی اس کو موجود ہے اور اسی قسم کا ایک بیان بوستان خاں نے اپنے اظہار میں کیا ہے وہ کہتا ہے علامات بلوغ کے میں نے دیکھے ہیں کیونکہ وہ میرے سامنے آتی تھی اس وجہ سے میں کہتا ہوں کہ وہ بالغ ہے وہ جسیم عورت تھی اور سینہ کی چوڑائی وغیرہ اور جسم اس کا معمولی عورت سے زیادہ تھا اور چھاتیاں اس کی مثل انار بڑے کے تھیں نکاح ہونے کے بعد دیکھی تھیں یہاں اعتراض کو گنجائش تھی کہ جب ذی علم مجوز نے دائیوں کے اس بیان پر کہ وہ ڈھائی تین سال سے بالغہ ہے قناعت نہ کی تھی تو انھوں نے جو علامات بتائیں بدرجۂ اولٰی قابلِ قناعت نہ تھیں پستان کا ابھار شرعاً مثبت بلوغ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لااعتبار لنبات العانۃ ولا اللحیۃ واما نھود الثدی فذکر الحموی انہ لایحکم بہ فی ظاہر الروایۃ وکذا ثقل الصوت کما فی شرح النظم الھاملی ابوالسعود وکذا شعر الساق والابط والشارب[1]

زیر ناف بالوں یا داڑھی اُگنے کا اعتبار نہیں لیکن پستانوں کا اُبھرنا، تو حموی نے ذکر کیا ہے کہ اس سے بلوغ کا حکم نہ کیا جائے گا ظاہر روایت میں۔ یوں آواز کا ثقل بھی جیسا کہ شرح نظم الھاملی ابوسعود میں ہے اور یوں ہی پنڈلی، بغل اور مونچھوں کے بال کا حکم ہے (ت)

اور عورتوں کا عارضہ نہیں معلوم انھوں نے حیض کو کہا یا کسی اور عارضۂ نفسانی کو، شہادت میں ایسی گول بات نہیں لی جاتی، تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس کا بالغہ ہونا ذی علم مجوز کو تسلیم ہے جب تو اس کی توکیل پر صحتِ نکاح کو موقوف فرمایا ورنہ نابالغہ کی توکیل و عدمِ توکیل یکساں ہے اور جب یہ دونوں بحثیں ذی علم مجوز کے نزدیک طے شدہ تھیں اور بیشک ثبوت نکاح و توکیل پر کافی شہادتیں گزر گئیں، صرف شہادت توکیل میں اتنا قصور خود منجانب مجوز باقی رہا کہ عصمت جہاں بیگم کو جلال خاں کے سامنے لاکر منہ دکھا کر شناخت کرائی جاتی، اگر وہ شناخت کردیتا مقدمہ اس روش پر جو آج کل اسلامی ریاستوں اور خود رام پور میں شائع ہورہی ہے بہمہ وجوہ مکمل ہوجاتا اور فیصلہ بحق مدعی لازم تھا۔ بالجملہ فیصلہ ناتمام و ناقص اور سراسر پیش از وقت ہے، اور جتنی وجوہ شہادات مدعی وثبوت دعوی پر اعتراض فرمائے ہیں سب بے اصل ہیں، مقدمہ اس تکمیل کا محتاج ہے جس کا ہم نے ذکر کیا اور اس کے بعد فیصلہ بحق مدعی ہونا لازم۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر فصل بلوغ الغلام بالاحتلام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۷

مسئلہ ۸۵: ازلاہور محلہ بازار حکیماں مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی ۲۳ شعبان ۱۳۲۲ھ

سوال اوّل: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ جس قاضی کو تقلید قضا از جانب سلطان وقت یا از جانب عام رعایا حاصل ہو اور وُہ از جانب مقلد خود ماذون بخلافت ونیابت بھی ہو وہ قاضی حاکم عدالت شریعت کو کسی مقدمہ خاص میں یہ تحریر لکھیں حال یہ کہ وُہ حاکم عدالت شریعت بھی قاضی کے ماتحتوں میں سے ایک حاکم ہے (کہ اگر ہمشیرگان زید کا حصہ مال زید میں ہو تو بعد تحقیق دلایا جائے) اور بعد چند روز حاکم مذکور کو یہ تحریر بھیجے کہ فلاں مقدمہ کا فیصلہ بہت جلدی کرکے حکمنامہ تعجیلت میرے حضور میں پیش کریں پس حاکم شریعت نے بعد تحقیقات شرعی باتفاق مفتیان عدالت کل عذرات مدعا علیہ دفع کرکے ہمشیرگان زید کو متروکہ زید میں ڈگری دلائی، اب یہ امر دریافت ہے کہ اس ڈگری دلانے کو حکم قاضی کہنا چاہئے یا کیا، اور اس حکم مجمع علیہ کو تاوقتیکہ خلاف کتاب اللہ وسنتِ مشہورہ واجماع نہ ہو خود حاکم شریعت مذکور یا قاضی دیگر اس کا نقض کرسکتا ہے شرعاً بعد ایک زمانہ کے یا نہیں؟ اور اگر حاکم مذکور نے حکم مذکور نقض کرکے خلاف حکم اول حکم دے دیا تو قابل اجراء شرعاً حکم اول رہے گا یا ثانی۔

سوال دوم: ایک شخص رئیس ریاست اسلام ہے جس کو عزل ونصب اہلکاروعمالان ریاست کا اختیار حاصل ہے اور اس کو قاضی ماذون بالخلافت بھی کہہ سکتے ہیں اس رئیس نے کسی ایسے شخص کو جو اس رئیس کا نائب فی التحریر ہے یہ حکم دیا کہ یہ شخص فلاں مقدمہ کا فیصلہ شرعی کرے اس حکم کے بعد اس نائب نے اس مقدمہ میں فیصلہ شرعی کردیا پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نائب، رئیس کے اس حکم دینے کے بعد نیابت فی القضا کا مصداق ہوسکتا ہے یا نہیں اور اس نائب کا حکم شرعی دیا ہوا بجائے حکم رئیس کے ہے یا نہیں؛ نقض اس حکم کا رئیس یا وُہ خود نائب کرسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) والی ملک رئیس خود مختار حاکم اسلام یا بحال ضرورت حسب روایات جامع الفصولین وتتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا اتفاق رعایا سے قاضی مطلق بنایا ہوا یا ان کا مقلد قاضی ماذون بالاستخلاف جس مقدمہ میں کسی اہل قضا کے فیصلہ کا حکم دے وہ فیصلہ فیصلۂ قاضی شرع ہے کسی کو اس کے نقض کا اختیار نہیں مگر جبکہ اپنے مذہب معتمد مفتی بہ کے خلاف واقع ہوا ہو تو منقوض ہوگا بلکہ راساً صحیح ہی نہ ہوا اگرچہ خلافِ اجماع نہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذا حکم بغیرہ لم یصح[1]

قاضی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے صحیح ترین قول پر حکم کا مامور ہے اگر اس کے بغیر حکم کیا تو وہ حکم صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۶

درمختار میں ہے،

لایخیر الا اذا کان مجتھد اہل المقلد متی خالف معتمد مذھبہ لاینفذ حکمہ وینقض ھوالمختار للفتوٰی کما بسطہ المصنف فی فتاواہ وغیرہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اختیار نہ ہوگا مگر مجتہد کو بلکہ مقلد جب اپنے قابل اعتماد مذہب کے خلاف حکم کرے گا تو وہ نافذ نہ ہوگا اور اس کو کالعدم قرار دیا جائے گا، یہی فتوٰی کیلئے مختار ہے جیسا کہ مصنف وغیرہ نے اس کو اپنے فتاوٰی میں مبسوط کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) فی الواقع وہ حکم میں استجماع شرائط صحت منقوض نہیں ہوسکتا ہاں اگر خلاف مذہب معتمد ہو رد کردیا جائے گا اور نفاذ نہ پائے گا فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا میں ہے:

لیس للقاضی المقلد ان یحکم بالضعیف ولو حکم لاینفذ[2] اھ مختصرا و تمامہ فی فتاونا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مقلد قاضی کو جائز نہیں کہ وہ ضعیف قول پر حکم دے اور اگر اس نے ایسا کیا تو نافذ نہ ہوگا اھ مختصراً، اور اس کی مکمل بحث ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۶: از ریاست رامپور محلہ گھوٹر مرسلہ محمد رفیق خاں ۱۱ شوال ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بمقدمہ عبدالعلی خاں ولد محمد عمر خاں بنام محمد رفیق خاں ولد محمد سعید خاں حاکم دیوانی نے یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ مع نقول اظہارات گواہان فریقین حاضر ملاحظہ ہے یہ فیصلہ شرعاً صحیح وقابل بحالی ہے یا باطل وقابل منسوخی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

کاغذات نظر سے گزرے یہ فیصلہ محض مہمل ومختل واقع ہوا، عبدالعلی خاں نے وقت رجسٹری عندالبائع والمشتری طلب مواثبت واشہاد کا دعوٰی کیا رفیق خاں کا جو بیان مندرج فیصلہ ہے اس میں اس طلب کا نہ انکار نہ اقرار بلکہ جواب دعوٰی اس امر پر مبنی ہے کہ مدعی کو قبل رجسٹری علم بالبیع ہوچکا اور اس نے نہ فقط تسلیم کیا بلکہ صراحۃً لینے سے انکار کردیا یہاں جو مسئلہ اسناد الی الماضی فیصلہ میں مذکور ہوا اور اس میں شفیع کا مدعی ہونا ذکر کیا اس مسئلہ کے فہم میں سخت لغزش واقع ہوئی طلب خصومت سے پیشتر کی طرف

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۳۵

اسناد علم وہ اسناد الی الماضی نہیں کہ اس قدر سے تو شفیع کو چارہ نہیں، اگر عین وقت خصومت عند القاضی اپنا علم بالبیع بیان کرے اور شفعہ کا مدعی ہو شفعہ باطل ہوجائے گا کہ اس نے طلب مواثبت و اشہاد دونوں چھوڑ کر طلب خصومت سے آغاز کیا اور طلب واحد کو تینوں طلب کے قائم مقام کیا چاہتا ہے یہ باطل و مبطل شفعہ ہے کما بینہ المولی خیرالدین الرملی فی الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ[1] (جیسا کہ اس کو آقا خیرالدین الرملی نے فتاوی خیریہ لنفع البریۃ میں ذکر کیا ہے۔ ت) بلکہ وہ اسناد الی ما قبل الاشہاد ہے اگر شفیع کہے کہ اشہاد سے پہلے مجھے علم نہ ہوا تھا تو یمین کے ساتھ مصدق ہوگا اور مشتری پر بینہ، اور اگر کہے کہ اس سے پہلے مجھے علم ہوا اور میں نے طلب مواثبت کی تو شفیع پر بینہ کما حققناہ فیما علقناہ علی رد المحتار (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) مگر یہاں یہ مسئلہ اصلاً زیر بحث نہیں کہ جب طلب مواثبت و اشہاد عند البائع والمشتری کا اقرار انکار مدعا علیہ نے کچھ نہ کیا یہ سکوت ہے اور مذہب اصح میں سکوت بے آفت بھی انکار ہے، درمختار میں ہے:

لوسکت کان انکارا فتسمع البینۃ علیہ الا ان یکون اخرس، اختیار[2]	اگر خاموش ہوا تو انکار ہوگا جس پر گواہی سنی جائیگی لیکن اگر گونگا ہو تو پھر انکار نہیں، الاختیار۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وبہ افتیت لما ان الفتوی علی قول الثانی فیما یتعلق بالقضاء[3]	میں نے اسی پر فتوٰی دیا کیونکہ قضاء کے متعلق امام ابویوسف کے قول پر فتوٰی ہوتا ہے (ت)

تو صورت دائرہ میں مدعی علی حالہ مدعی رہا اور بار ثبوت اسی پر ہوا اور اتنا خود مجوز کو بھی تسلیم ہے اگرچہ اس کی وجہ دوسری سمجھی تو مدار مقدمہ بینۂ مدعی سے ثبوت دعوٰی پر رہا اب اس کے گواہوں پر نظر ڈالئے تو ایک گواہی بھی اصلاً اس کے مفید نہیں، سید عطاء الحق و محمد علی خاں تو بالکل خلاف دعوٰی و خلاف واقع شہادت دے رہے ہیں زمین بے عمارت بیع ہوئی اور اسی پر شفیع نے دعوی کیا مکان مشتری نے بعد شراء بنایا اور یہ دونوں گواہ شفیع کی طلب اس لفظ سے بیان کر رہے ہیں کہ مکان

---

[1] فتاوٰی خیریۃ | کتاب الشفعۃ | دارالمعرفۃ بیروت | ۲/ ۱۵۴
[2] درمختار | کتاب الدعوٰی | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۱۱۵
[3] بحرالرائق | " | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۷/ ۲۰۳

محمد توفیق خاں نے جو لیا ہے میں نے اپنے شفعہ میں لیا اس مکان کا میں شفیع ہوں۔ فیاض خاں کہتا ہے کہ اسد علی خاں یعنی بائع نے کاغذ رجسٹرار کے سامنے پیش کیا رجسٹرار صاحب نے کاغذ پڑھ کر سنایا تو عبدالعلی خاں نے کہا کہ رفیق خاں نے جو زمین بیچی ہے میں نے اپنے شفعہ میں لی اور بیان کرتا ہے کہ کاغذ رجسٹرار صاحب نے اول سے آخر تک مدعی مدعا علیہ کو سنایا تھا یہاں طلب شفیع کو سنانے پر مرتب کرتا ہے اور سنانا اول سے آخر تک کہتا ہے تو مواثبت کا ثبوت درکنار ظاہراً مواثبت فوت ہوئی غالباً انھیں وجوہ سے ذی علم مجوز نے بھی ان تین گواہوں کو نظر انداز کیا اگرچہ نہایت قابل افسوس یہ بات ہے کہ یہ گواہان مدعی ہو کر خود ان کے مقر اور بیان مدعا علیہ کے موافق شہادت دے رہے ہیں اسے نظر انداز کرنا قرینِ انصاف نہ تھا کچھ بیان اس کا عنقریب آئیگا ان شاء اللہ تعالٰی، رہے تین گواہ اور فیصلہ کا سارا دار و مدار انھیں پر ہے ان میں رجسٹرار صاحب کی گواہی تو محض کالعدم ہے وہ طلب مدعی کے وقت بائع و مشتری کا موجود ہونا ضرور بیان کرتے ہیں مگر ان لفظوں کا نہ کہ ان کے مصداق کا۔ شہادت وہ ہے جو اپنے علم سے ناشئی ہو اور وہ اتنا بھی نہیں کہتے کہ بائع و مشتری اگر میرے سامنے آئیں تو ان کو شناخت کرلوں گا بلکہ اسے بھی اس شرط پر مشروط کرتے ہیں کہ اگر یاد آگئے تو شناخت کرلوں گا پھر مدعی نے نہ ان سے شناخت کرانے کی کوشش کی نہ ظاہر ہوا کہ انھیں یاد آئے یا نہیں تو ایسی گواہی محض پادر ہوا ہے وقت رجسٹری نسبت حاضری تسلیم مشتری ہرگز اس کا اقرار نہیں کرتا کہ شفیع نے میرے سامنے طلب کی رجسٹری امر آنی نہیں امر ممتد زمانی ہے اس ناقص گواہی کی تکمیل ذمہ مدعی تھی، وکلائے مدعا علیہ پر کیا ضرور تھا کہ گواہی مدعی کے رفع نقصان کی درخواست کرتے تو فیصلہ کی یہ تحریر کہ رجسٹرار صاحب کی بابت نسبت شناخت عاقدین کے وکیل مدعا علیہ نے کوئی درخواست پیش نہیں کی اور سکوت کیا تو یہ سکوت دلیل تسلیم کی ہے نہایت عجیب ہے جب گواہی مخالف میں صریح نقص موجود ہے تو سکوت اس بنا پر ہوگا کہ وہ خود ہی ناقص و نامکمل ہے ہمیں اس میں گفتگو کی کیا حاجت، نہ یہ کہ سکوت کیجئے تو ناقص کو کامل مان لیجئے یہ کون سا قاعدہ عقل یا نقل کا ہے، نہیں نہیں بلکہ یوں کہئے کہ گواہی محض نامکمل تھی اور اس کی تکمیل اپنے نفع کے لئے مدعی پر لازم تھی تو مدعی کا سکوت صاف دلیل ہے کہ وہ اس کی تکمیل سے عاجز تھا یا کم از کم اس کو مکمل کرنا نہ چاہا اور ناقابل اسناد رکھا بلکہ غور کیجئے تو غالباً صاف ثابت ماننا پڑے کہ رجسٹرار صاحب کو نہ عاقدین یاد آئے نہ ان کی شناخت کرسکے، اظہارات سے ظاہر ہے کہ وہ بمواجہہ عاقدین لئے گئے متعدد گواہوں نے ان حاضرین کو اشارہ سے بتایا رجسٹرار صاحب اگر پہچان سکتے تو صاف کہتے کہ وہ دونوں یہ ہیں، مولوی نعمت اللہ نے اتنا بھی نہ کہا کہ طلب مدعی کے وقت بائع و مشتری موجود تھے صرف اس قدر کہا کہ یہ یاد نہیں کہ سوا اہلکار زمین رجسٹری اور بائع و مشتری اور عبدالعلی خاں کے کوئی اور اس وقت تھا یا نہیں،

قطع نظر اس سے کہ یہاں بائع ومشتری مستثنیٰ میں ہیں اور جمہور حنفیہ کے نزدیک مستثنیٰ سکوت عنہ ہوتا ہے اور سکوت بیان نہیں تو بائع ومشتری کی نسبت گواہ کو کچھ یاد ہونا اصلاً ثابت نہ ہُوا یہاں جب گواہ نے یہ کہا کہ یاد نہیں کہ کوئی اور تھا یا نہیں، تو اس "یا نہیں" نے حکم کو مردود کردیا اور یہ استثناء حکم مردود سے ٹھہرا جس کا حاصل یہ ہوا کہ مستثنیٰ لوگوں کی نسبت احد الامرین یاد ہے، ہونا یا نہ ہونا، نہ یہ کہ خاص ہونا یاد ہے، اس کی توزیع یوں ہوسکتی ہے کہ ملازمین رجسٹری کی نسبت ہونا یاد ہو اور بائع ومشتری کی نسبت نہ ہونا پس دونوں مذہب پر یہ شہادت بالاتفاق مہمل وناکافی ہے معہذا مولوی نعمت اللہ کا بیان صراحۃً مدعی ودیگر گواہان مدعی کی تکذیب کرتا ہے وہ لفظ طلب یہ بیان کرتا ہے کہ صاحبو تم گواہ رہنا کہ یہ بیعہ میں نے اپنے شفعہ میں لیا اور صاف تصریح کرتا ہے کہ یہ لفظ کہے تھے یعنی نقل بالمعنیٰ نہیں نقل باللفظ ہے اور اسی پر قناعت نہ کی بلکہ صریح حصر کردیا کہ یہی لفظ کہے تھے حالانکہ مدعی و دیگر گواہان سب کے بیان میں لفظ طلب ان کے غیر اور ان سے زائد ہیں، نیاز علی خاں کی گواہی اگر صاف بھی ہوتی تو ایک تنہا کیا قابلِ سماعت تھی مگر اس نے صرف عبدالعلی خاں کہا ہے مجرد اسم کے سوا کوئی تعیین تمیز کا بیان نہ کیا نہ وقتِ اظہار اس کو اشارہ سے بتایا یہ اعتراض نہ تنہا اس پر بلکہ باقی سب گواہوں پر بھی ہے فریقین میں کسی نہ کسی کی تعیین ہر ایک کے اظہار میں متروک ہوئی ہے اور شرعاً ایسی نامعین گواہی معتبر نہیں، ائمہ کرام تو حاضر پر اشارہ شرط بتاتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے:

یحتاج فی الشھادۃ علی الحاضر الی الاشارۃ الی المدعی علیہ والمدعی[1] الخ۔

کسی حاضر پر شہادت میں مدعی یا مدعیٰ علیہ کی طرف اشارہ ضروری ہے الخ (ت)۔

اور آج کل عامیانہ روش میں جو توصیف بلفظ مدعی ومدعا علیہ پر قناعت کی جاتی ہے ان شہود نے یہ لفظ بھی بعض فریقین کی نسبت نہ کہے تو صرف نام کیا کافی ہوسکتا ہے عبدالعلی خاں ہزاروں ہیں بالجملہ گواہان مدعی میں اصلاً کوئی گواہی قابلِ التفات نہیں تو یہاں اس مسئلہ سے استناد کہ بینہ مشتری سے بینہ شفیع اولیٰ ہے محض باطل و بے معنی ہے پہلے بینہ ہو بھی تو لے جب تو اولویت وعدم اولویت میں بحث کی جائے۔ علاوہ بریں روایات منقولۂ فیصلہ اس صورت میں ہیں کہ جب یہ دعوٰی طلب کرے اور وہ انکار کہ اس کو علم ہوا اور طلب نہ کی فیصلہ میں درمختار سے نقل کیا:

انکر المشتری طلب المواثبۃ فانہ یحلف علی العلم وان انکر طلب

مشتری نے مواثبہ کے طلب سے انکار کیا تو علم کے متعلق حلف لیا جائے اور اگر گواہی کے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

الاشھاد حلف علی البینات ولو برھن فبینۃ الشفیع احق[1]

طلب سے انکار کرے تو بیّنہ پرحلف لیا جائے اور اگر بیّنہ پیش کریں تو شفیع کا بیّنہ اولٰی ہوگا۔ (ت)

نیز نقل کیا:

مشتری میگوید کہ تو روز پنجشنبہ دانستہ و طلب نکردہ قول قول مشتری بود لانہ ینکر الطلب والبینۃ علی الشفیع[2]

مشتری کہتا ہے تو نے جمعرات جان لیا اور مطالبہ نہ کیا تو مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ طلب کا منکر ہے اور بیّنہ شفیع پر ہے۔ (ت)

نیز عالمگیری سے لکھا:

اقام المشتری بینۃ ان الشفیع علم بالبیع ولم یطلب الشفعۃ و اقام الشفیع البینۃ انہ طلب حین علم فالبینۃ بینۃ الشفیع[3]

مشتری نے گواہی پیش کی کہ شفیع نے بیع کا علم ہونے کے باوجود شفعہ کا مطالبہ نہ کیا اور شفیع نے گواہی پیش کردی کہ اس نے علم ہوجانے پر شفعہ کا مطالبہ کیا ہے تو شفیع کی گواہی معتبر ہے۔ (ت)

اسی طرح بقیہ عبارت میں تصویر مسئلہ دعوٰی طلب و انکار طلب میں ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نفی مجرد پر گواہی مقبول نہیں فان البینات للاثبات کما اثبتہ الائمۃ الاثبات (توبیشک شہادت اثبات کیلئے ہوتی ہے جیسا کہ ائمہ نے اسکو ثابت کرتاہے) مگر یہاں مشتری یا اسکے گواہوں نے صرف انکار طلب پر قناعت نہ کی بلکہ صاف یہ کہا کہ بعد بیع شفیع کو اطلاع دی گئی اور اس نے لینے سے صریح انکار کیا یہ شہادت نفی نہیں شہادت اثبات ہے اور اس کی تاریخ مقدم ہے اور گواہی گواہان شفیع اس کے معارض نہیں ہوسکتی ان کا علم اس قدر کو محیط ہے جتنا شفیع سے وقت رجسٹری صادر ہُوا انھوں نے ہرگز نہ کہا کہ اس سے پہلے شفیع نے لینے سے انکار نہ کیا تھا یا شفیع کو اس سے پہلے علم بالبیع ہوا تھا اور وہ ایسا کہہ سکتے تھے اور اگر کہتے تو مقبول نہ ہوتا کہ اب انکی شہادت شہادت

---

[1] درمختار | کتاب الشفعۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۲۱۴

[2]

[3] فتاوٰی ہندیہ | الباب الثالث | نورانی کتب خانہ پشاور | ۵/۱۷۴

علی النفی ہوتی وانما البینات للاثبات (حالانکہ گواہی اثبات کیلئے ہوتی ہے۔ت) یہاں اگرچہ کلام بروجہ دیگر ممکن مگر مقصود یہ ہے کہ روایات منقولہ فیصلہ یوں بھی صورت مقدمہ سے جُدا ہیں نظر برونداد ظاہر یہی ہے کہ واقع میں شفیع کو پہلے سے علم ہوچکا تھا اب کہ نگاہِ عوام میں وقعت دعوٰی پیدا کرنے کے لئے اس کا منتظر رہا کہ جب بیعنامہ رجسٹری میں پیش ہو تو رجسٹرار کے سامنے طلب بجالائے تاکہ ایک قیمتی گواہ طلب کا مل جائے لہٰذا وہ خاص اسی دن اسی وقت محکمۂ رجسٹری میں پہنچا جبکہ بیعنامہ رجسٹری ہونے کو تھا اگر اسے پہلے سے کچھ علم نہ تھا تو خاص اس دن تاریخ وقت کی تعیین کسی الہام کے ذریعہ سے ہُوئی یا خواب سے اور خود اس کے گواہوں سے دو گواہ صاف بتا رہے ہیں کہ پیش از طلب اسے علم ہولیا تھا، سید عطاء الحق نے کہا کہ عبدالعلی خاں قبل پیش ہونے بیعنامہ کے گھنٹہ بھر اول یہ کہہ گئے تھے کہ میں طلبِ شفعہ کروں گا۔ محمد علی خاں کہتا ہے رجسٹری کے محکمہ کے باہر مجھ سے عبدالعلی خاں نے کہا تھا کہ میں طلب شفعہ کروں گا، مشفوعہ کا کاغذ آج تصدیق ہوگا ایسی صریح باتوں کو جن سے خود گواہان مدعی بطلان شفعہ کی شہادت دے رہے ہیں نظرانداز کرنا بہت نامناسب تھا اس فیصلہ کے بطلان پر اور بھی وجوہ ہیں مگر جس قدر مذکور ہُوا اظہارِ حق کے لئے اِن شاء اللہ تعالٰی کافی ووافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از ریاست رامپور محلہ گھیر فتح محمد خاں مرسلہ سعید الرحمٰن خاں ۲۰ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ مسمّی زید نے جو مسلمان ہے مسمّی بکر کے پاس جو ہندو ہے زیور نقرئی وزنی دوصد روپیہ بھر بالعوض ایک سوپندرہ روپیہ کے بشرح سود فیصدی دو روپیہ ماہوار رہن کیا بکر نے جانچ وزن زیور کا کرکے نقرئی سمجھ کر رکھ لیا اور زرسود زید بکر کو ماہ بماہ ادا کرتا رہا، اب جو زید نے بکر پر عدالت میں دعوی انفکاک رہن باداے ایک سوپندرہ روپیہ زررہن کے کیا تو بکر یہ عذر کرتا ہے کہ وہ زیور مرہونہ نقرئی نہیں تھا بلکہ قسم جرمن سلور کا تھا جو نہایت کم قیمت جنس بمقابلہ نقرہ کے ہے مگر بکر نے کوئی شہادت اس بارہ میں پیش نہیں کی زید کی طرف سے جو گواہ گزرے ہیں وُہ متفق اللفظ زیور کا نقرئی ہونا بیان کرتے ہیں البتہ تفصیل زیور میں کچھ اختلاف بیانی ہے جو اس وجہ سے قابلِ لحاظ نہیں ہے کہ حسب دعوی زید زیور کا وزنی دوصد روپیہ ہونا مسلمہ بکر ہے۔ بکر کو صرف عذر قسم زیور یعنی نقرہ وجرمن سلور ہونے میں ہے عدالت نے بلاکسی شہادت کے قول مرتہن کو تسلیم کرکے فیصلہ دیا ہے جس کی نقل شامل استفتاء ہذا ہے اور زید نے بناراضی اس فیصلہ عدالت کے مرافعہ بعدالت بالادست کیا ہے نقل وجوہات اپیل بھی منسلکہ استفتاء ہذا ہے بعد ملاحظہ فیصلہ عدالت ووجوہات اپیل حسبۃً للہ فتوی تحریر فرمائیے کہ فیصلہ عدالت جو بحوالہ ایک روایت فقہ کے ہے صحیح ودرست ہے یا غیر صحیح اور قابل منسوخی ہے یہ ملحوظ فرمایا جائے کہ مرتہن ہندو اور راہن

مسلمان ہے اور حسب رواج بازار جو کوئی زیور رہن رکھتا ہے اول جانچ اس کی بخوبی کرلیتا ہے کہ وہ کس قسم کا ہے اور کس مالیت کا ہے بوقت رہن مرتہن نے جانچ کر کے اور اس کو قسم نقرہ تسلیم کر کے رہن کیا تھا فقط۔

الجواب

فیصلہ نظر سے گزرا، سخت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ باستثناء اتنی بات کے کہ ذی علم فاضل مجوز نے اس میں دو تنقیحیں قائم فرما کر تنقیح دوم خلاف مدعا علیہ تجویز فرمائی، باقی وہ سرتاپا باطل و خلاف شرع واقع ہوا، تنقیحیں یہ ہیں :

(۱) آیا مدعی نے زیور نقرہ مندرجہ عرض دعوٰی بعوض ما عہ/ مدعا علیہ کے پاس رہن رکھا تھا کہ اب تک بہ قبضہ مدعا علیہ ہے، اب مدعی بہ ادائے ما عہ زیور طلب کرتا ہے باوجود اقرار فک نہیں کرتا ثبوت ذمہ مدعی۔

(۲) آیا زیور جرمن سلور کا تھا نقرہ کہہ کر مدعا علیہ کو دھوکا دے کر ما عہ لے لئے ثبوت ذمہ مدعا علیہ۔

تنقیح اول کو فاضل مجوز نے تین وجہ سے خلاف مدعی فیصل کیا :

وجہ اول جہالت شہادت کہ کسی شہادت سے تفصیل زیور مطابق عرضی دعوی بقید وزن و قیمت ثابت نہیں جس کا اظہار و تعین ضروری ہے۔

وجہ دوم اختلاف باہمی شہود، اور وہ دو ہیں :

(۱) پہلے گواہ نے مدعی کا دکان مدعا علیہ پر بہمراہی شفیع خاں آنا نہیں بیان کیا، گواہ ع۲ نے دکان مدعا علیہ کا آنا بہمراہی شفیع خاں بیان کیا ہے، حالانکہ جلسہ واحد کے گواہ ہیں۔

(۲) گواہ ع۱ نے ایک کاغذ مدعی کا لکھنا اور ع۲ نے اس کے خلاف مدعا علیہ کا ایک رقعہ فارسی میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر مدعی کو دینا تحریر کرایا ہے حالانکہ مدعا علیہ فارسی لکھنا نہیں جانتا، نہ مدعی نے مدعا علیہ کا رقعہ لکھنا عرضی دعوی نہ اظہار میں لکھایا بلکہ مدعی نے اپنے اظہار میں ایک شخص غیر سے رقعہ لکھانا مدعا علیہ کا اقراری اپنا بیان کیا ہے حالانکہ توافق درمیان شہادت کے شرط ہے۔

وجہ سوم تناقض دعوٰی کہ مدعی نے جو تفصیل زیور عرضی دعوٰی میں تحریر کی اس کو مالیتی دو سو روپیہ تحریر کی اور جو وزن ہر عدد کا تحریر کیا از روئے میزان کل زیور ما عہ بھر ہوتا ہے اور جو

بیانِ مدعی عدالت میں تحریر ہوا اس میں وزن زیور دو۲۰۰سو روپیہ بھر ہونا لکھا یا ہے لغو بیانی مدعی بداہۃً واضح ہے کہ فی زماننا زیور نقرہ دو۲۰۰سو روپیہ بھر قیمتی دوسو روپے کا کسی عنوان نہیں ہوسکتا۔ یونہیں تنقیح دوم کو خلاف مدعا علیہ فیصل فرمایا اور تصریح کی کہ امر مذکور بحق مدعا علیہ غیر ثابت ہے کہ اس قول کی کہ مدعی زیور جرمن سلور نقرئی ظاہر کرکے رہن رکھا کوئی شہادت منجانب مدعا علیہ نہ گزری نہ مثل آمدہ فوجداری میں کوئی ثبوت قول مدعا علیہ کا ہے اس وجہ سے کہ مسل مذکور بربنائے عدمِ پیروی خارج ہوئی ہے۔ تنقیحوں کی نسبت یہ تجویزیں دیکھ کر فرمایا لیکن چونکہ مدعا علیہ کو اقبال ہے کہ مدعی زیور وزنی دوسو روپیہ بعوض ماعہ رہن رکھ کر روپیہ لے گیا مگر زیور مرہونہ جرمن سلور کا ہے اور مدعی کو دعوٰی ہے کہ میں نے زیور چاندی کا رکھا یعنی غیر اس کے جو عدالت میں مدعا علیہ نے پیش کیا تو لائق تصفیہ یہ ہے کہ بصورت عدم ثبوت قول فریقین بحالت اقبال فریقین بصراحت مذکورہ کس کا قول لائق اعتبار ہے، مسئلہ یہ ہے کہ جس ایسے دعوٰی میں کہ راہن کہے میں نے زیور اس کا غیر رہن رکھا ہے اور مرتہن کہے یہی رکھا ہے، قول مرتہن معتبر ہے کہ وہ قابض ہے (ترجمہ درمختار جلد رابع ص ۴۰۰) چونکہ نفس رہن و تعداد زر رہن میں اختلاف نہیں پس جبکہ قول مرتہن معتبر ہے مگر بحلف لیکن یہاں استدعا مدعا علیہ کی نسبت اخذ حلف مدعی کے نہیں تو قابل نفاذ حکم حسب قول مدعا علیہ زیور مرہونہ یہی جرمن سلور کا رہا جو باد لائے ماعہ دعوی مدعی لائق ڈگری ہے بنا براں حکم ہوا کہ دعوٰی مدعی واسطے دلائے جانے اسی زیور موجودہ کے بادائے ماعہ کے بحق مدعی ڈگری ہو انتہی تمام تجویز و فیصلہ کا حاصل اسی قدر ہے، اس میں تنقیح دوم خلاف مدعا علیہ تجویز ہونا ضرور حق و بجا ہے باقی تمام تجویز میں براہ بشریت غلطی ہوئی۔ تنقیح اول کو خلاف مدعی تجویز فرمانے کی تینوں وجہیں محض ناکافی۔ تناقض دعوی جس کا ضرر خود جانب مدعی عائد ہو ہرگز مانع صحت دعوٰی نہیں، پہلے وہ زیور نقرہ وزنی ماعہ کا مدعی تھا پھر صرف وزنی ما بیان کیا اس میں اپنے ہی لئے ماعہ بھر چاندی کی کمی کرلی اسے جزء متروک کہتے ہیں نہ کہ تناقض

جس کا حاصل یہ کہ اب اس کا دعوٰی صرف دو سو روپے بجز زیور نقرئی کی نسبت رہا زیادہ کا دعوٰی متروک ہوگیا نہ کہ تمام وکمال باطل ٹھہرا۔ جامع الفصولین جلد اول ص ۱۲۵ میں ہے :

التناقض علی نفسہ لایمنع صحۃ الدعوی لانہ ادعی اولاکل المال لنفسہ ثم ادعی بعضہ فقد ادعی انقص من الاول فتسمع[1]

اپنے معاملہ میں تناقض صحتِ دعوٰی کے لئے مانع نہیں ہے اس لئے کہ پہلے کل مال کا دعوٰی اپنے لئے کیا پھر بعض مال کا، تو یہ پہلے مال سے کم ہے تو قابلِ سماعت ہوگا۔ (ت)

ایضاً ص ۱۲۷ :

ادعاہ مطلقا فقال المدعی علیہ فی دفعہ انہ کان ادعاہ بسبب فقال المدعی انا ادعیہ الاٰن بذٰلک السبب و ترکت دعوی الملک المطلق تسمع دعواہ ثانیا ویبطل الدفع[2]

کسی نے مطلقاً دعوٰی کیا تو مدعی علیہ نے دفاع میں کہا اس نے تو سبب سے متعلق دعوٰی کیا تھا اس پر مدعی نے کہا میں اسی سبب کے متعلق دعوٰی کر رہا ہُوں اور پہلا مطلق دعوٰی ترک کرتا ہوں تو سماعت دوبارہ ہوگی اور مدعی علیہ کا دفاع باطل ہوجائیگا۔ (ت)

ایضاً ص ۱۴۵ :

ادعی علیہ اربعۃ اشیاء سماھا فانکر فحلف ثم قال المدعی کنت اخذت الاثنین من الاربعۃ وبرھن علی الاثنین تقبل[3]

ایک نے دوسرے پر چار چیزوں کا دعوٰی کیا مدعا علیہ نے انکار کردیا اور قسم اٹھالی، پھر مدعی نے دعوٰی میں کہا کہ میں نے دو چیزیں چار میں سے لے لی تھیں اور باقیماندہ پر دو گواہ پیش کئے تو گواہی قبول ہوگی (ت)

ایضاً ص ۱۲۵ :

التناقض انما یمنع اذا تضمن ابطال حق علی احد[4]

تناقض اس وقت مانع ہوگا جب اس سے کسی کا کسی پر حق باطل ہوتا ہو۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۳
[2] " " " " " ۱/ ۱۲۷
[3] " " " " " ۱/ ۱۴۵
[4] " " " " " ۱/ ۱۲۵

فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

24 ادعی علی اٰخر نصف دار معین ثم ادعی بعد ذلک جمیع الدار لایسمع[عہ] وعلی القلب یسمع[1]۔

ایک نے دوسرے پر کسی معین دار کے نصف کا دعوٰی کیا پھر کل دار کا دعوٰی کر دیا تو یہ دعوٰی قابلِ سماعت نہیں، اگر اس کا عکس ہو تو قابلِ سماعت ہوگا۔ (ت)

عالمگیری جلد چہارم ص ۲۵۰:

لوادعی انہا لہ ورثہا من ابیہ ثم ادعی ہو مع اٰخرانہما ورثاہا من المیت و

کسی نے ایک حویلی کے متعلق دعوٰی کیا یہ میری ہے اور مجھے والد کی وراثت میں ملی ہے پھر اس نے

عہ والصواب انہ یسمع فی الوجہین جمیعا الا اذا کان قال وقت دعوی النصف لاحق لی فیہا سوی النصف فحینئذ لاتسمع دعویاہ جمیعا کذا فی المحیط[2] اھ ہندیۃ، اقول وذلک للتناقض الصریح بین قولیہ وقد عاد یدعی اکثر مما ادعی اولا فبطل القولان بخلاف ما اذا ادعی اولا جمیع الدار ثم ادعی نصفہا و قال لاحق لی فیہا سوی النصف حیث تقبل الدعوی الثانیۃ لانہ من باب ترک بعض الدعوی والتناقض علی نفسہ لایضر صحۃ الدعوٰی کما اسمعناک من جامع الفصولین ۱۲ منہ۔

عہ درست یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں قابلِ سماعت ہے ہاں اگر نصف کے دعوٰی کے وقت یہ کہہ دیا ہو کہ باقی میں میرا حق نہیں تو اس صورت میں دونوں دعوے قابلِ سماعت نہ ہوں گے، جیسا کہ محیط میں ہے اھ ہندیہ۔ میں کہتا ہوں یہ اس لئے کہ اس صورت میں اسکے دونوں قول میں تناقض ظاہر ہے کہ پہلے دعوٰی کے مقابلہ میں دوسرے میں زیادہ کا مدعی ہے لہذا دونوں قول باطل ہوں گے اس کے برخلاف جب پہلے کل دار کا مدعی ہو اور بعد میں نصف کا، اور ساتھ ہی کہہ دیا ہو کہ باقی میں میرا حق نہیں ہے تو دوسرا دعوٰی قبول کیا جائے گا کیونکہ پہلے دعوٰی کے بعض کو اس نے ترک کر دیا جبکہ اپنے حق میں تناقض صحت دعوٰی کو مضر نہیں ہے جیسا کہ قبل ازیں ہم نے آپ کو جامع الفصولین سے سنایا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الدعوٰی الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۸۹

[2] فتاوٰی ہندیہ " الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۰

اقاما البینة علٰی ذٰلک تقبل کذا فی الخلاصۃ۔[1] کسی دوسرے کے اشتراک سے دعوٰی کیا کہ یہ حویلی ان دونوں کو میّت سے وراثت میں ملی ہے اور اس پر انھوں نے گواہی پیش کردی تو گواہی مقبول ہوگی۔ خلاصہ میں اسی طرح ہے۔ (ت)

مدعی کی لغوبیانی بھی ہرگز ثابت نہیں، چاندی کا نرخ کم ہونا اسے مستلزم نہیں کہ دو سو روپے کا قیمتی نہ ہوسکے کیا صنعت کوئی چیز نہیں، کیا اس سے شَے کی مالیت اضعافاً مضاعفۃً نہیں ہوجاتی، دہلی کے سادہ کاری کے چھلّے انگوٹھیاں تو نگے تعویذ وزن میں حباب کے مثل ہوتے ہیں اور قیمت کس درجہ زیادہ۔ ولہٰذا شرعاً حکم ہے کہ ان کی زکوٰۃ خلاف جنس سے دی جائے تو قیمت صناعی کا اعتبار ہوگا نہ کہ وزن کا معراج الدرایہ و نہر الفائق و ردالمحتار وغیرہا میں:

لہ ابریق فضۃ وزنہ مائتان و قیمتہ ثلثمائۃ۔[2] کسی کا چاندی کا کوزہ جس کا وزن دو سو درہم ہے اور اس کی قیمت تین سو درہم ہے (ت)

نیز جامع الرموز و شامی وغیرہما میں:

ابریق فضۃ وزنہ مائۃ درھم و قیمتہ بصناعتہ مائتان۔[3] چاندی کا کوزہ وزن سو درہم اور اس کی بناوٹی قیمت دو سو درہم ہے۔ (ت)

وغیرذٰلک تصریحات فقہائے کرام دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ سو روپے بھر زیور کی بھی قیمت دو سو روپے بلکہ زائد ہوسکتی ہے نہ کہ دو سو روپے بھر کی قیمت دو سو روپے ہونا محال ٹھہرے، **اختلاف گواہان کی وجہ** اول تو سخت عجیب ہے، شفیع خاں کا اس وقت ہمراہ مدعی ہونا اگر ایک گواہ نے بیان کیا تو دوسرے نے اس سے انکار تو نہ کیا کہ باہم اختلاف گمان کیا جائے اسے اصل مقدمہ سے کیا تعلق تھا جس کا بیان ہر گواہ پر لازم ہوتا ہے اور بفرضِ باطل اگر لازم ہوتا بھی تو دوسرے کا بیان بوجہ ترک امر ضروری ناقص ٹھہرتا اختلاف شہادت اس وقت بھی نہ کہہ سکتے کہ ذکر و عدم ذکر تخالف نہیں بلکہ ذکر و ذکر عدم، ہم بارہا فیصلہات ریاست کے ایسے خود قرارداد اختلاف پر بحث کرچکے اور آیات قرآنیہ سُنا چکے ہیں کہ ایک ہی قصے کے بیان میں رب عزوجل نے ایک جگہ ایک بات ذکر فرمائی دوسری جگہ ترک فرمائی کیا معاذ اللہ اسے قرآن عظیم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۱
[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰
[3] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۱۱
ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰

کا اختلاف قرار دیا جائے گا حالانکہ رب عزوجل فرماتا ہے:

افلایتدبرون القرآن ولوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔[1]

کیا قرآن میں تدبر نہیں کرتے اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں کثیر اختلاف پاتے۔ (ت)

اور اس کی تو لاکھوں مثالیں ملیں گی کہ بہت باتیں جو قرآن عظیم نے ذکر قصص میں ترک فرمائیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام نے بیان فرمائیں، کیا یہ اللہ ورسول کا اختلاف بیان ٹھہرے گا والعیاذ باللہ تعالٰی۔

اختلاف دوم کی بھی حالت اسی کے قریب ہے گواہ اول نے مدعی کا ایک کاغذ لکھنا بیان کرکے صاف کہہ دیا کہ یاد نہیں کس نے لکھا تھا تو وہ اس کے کلام میں ذکر تحریر کالعدم ہوگیا ایک شخص کہے زید نے فلاں کام کیا دوسرا کہے یاد نہیں کس نے کیا تو اس میں کیا اختلاف بیان ہُوا، معہذا اگر اس کا وہی قول لیجئے کہ مدعی نے ایک کاغذ لکھا تو اس کے کلام میں یہ کہاں ہے کہ مدعا علیہ نے کچھ نہ لکھا اس کا ترک ذکر ہے نہ ذکر نفی اور گواہ دوم مدعا علیہ کا ایک رقعہ لکھنا بیان کرکے کہتا ہے اور کوئی رقعہ نہیں لکھا گیا تھا یہ بظاہر اس تقدیر پر کہ گواہ اول کے بیان میں مدعی کا کاغذ لکھنا بالجزم فرض کرلیں اختلاف مذکورہ فیصلہ سے زیادہ اختلاف موہوم ہوسکتا ہے کہ وہاں اثبات تھا اس میں نفی ہے مگر ذی علم فاضل مجوز نے اسے قلم انداز فرمایا اور وجوہ اختلاف میں نہ لیا اور ایسا ہی چاہئے تھا کہ یہاں اثبات ونفی ایک شیئ پر وارد نہیں جس سے اختلاف پیدا ہو عرف ناس سے آگاہ جانتا ہے کہ ایسی جگہ رقعہ صرف اس کاغذ کو کہتے ہیں جو سند کے لئے بطور صک ودستاویز تحریر ہوتا ہے، گواہ اول نے لفظ رقعہ نہ کہا کاغذ کہا وہ رقعہ سے عام ہے اور خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں، ممکن کہ عام دوسرے فرد کے ضمن میں متحقق ہو یعنی مدعی نے کوئی رقعہ لکھا ہو بلکہ اور کوئی کاغذ مثل یادداشت فہرست زیور وغیرہ تحریر کیا ہو، اس میں کیا تناقض ہُوا، ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ حالانکہ مدعا علیہ فارسی لکھنا نہیں جانتا معلوم نہیں کس بنا پر ہے کیا مدعا علیہ کا زبانی انکار ہُوا وہ مان لیا یا اس کی نفی پر کوئی شہادت گزری حالانکہ ایسی نفی پر شہادت اصلاً مسموع نہیں۔ شخص غیر اور خود مدعا علیہ کے لکھنے میں کیا منافات ہے اگر اظہار گواہ دوم میں یہ لفظ کہ اپنے ہاتھ سے لکھا نہ ہو جب تو ظاہر ہے کہ لکھوانے کو لکھنا کہنا برابر عرف شائع ہے خود اسی فیصلہ میں مجوز نے فرمایا کہ مدعی نے تفصیل زیور عرضی دعوٰی میں تحریر کی وزن ہر عدد کا تحریر کیا حالانکہ عرضی دعوٰی غالباً وکلاء لکھتے ہیں نہ کہ خود مدعی۔ اور اگر اظہار میں اپنے ہاتھ سے لکھنے کا ذکر ہے جب بھی کیا دونوں کا لکھنا جمع نہیں ہوسکتا۔ کیا اکثر ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی خود مسودہ کرکے جس کے متعلق ہے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۲

اسے دکھا کر پسند کرا کر دوسرے سے صاف کرا دیتا ہے خصوصاً وہ کہ بدخط ہو۔ کیا ممکن نہیں کہ اس نے جو لکھ کر دیا کہیں مشکوک تھا مدعی نے تبدیل چاہی اس نے دوسرے سے لکھوا دیا اور اصل یہ ہے کہ ایسی فضول باتوں میں اختلاف پر نظر نامعتبر، اگر اس نے خود لکھا تو کیا فائدہ دوسرے سے لکھوایا تو کیا نقصان؟ مدعی نے لکھا تو کیا نفع، مدعا علیہ نے لکھا تو کیا ضرر، اور اگر دونوں نے لکھا یا کسی نے نہ لکھا تو اس سے معاملہ پر کیا اثر۔ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب مہذب و ظاہر الروایۃ و قول امام و معتمد جماہیر کتب مستندہ میں اختلاف صرف وُہ مضر ہے جو اصل معاملہ پر خلل انداز ہو زائد و فضول باتیں کہ یوں ہوں تو دعوٰی میں خلل نہیں یوں ہوں تو ضرر نہیں محض نظر انداز ہیں ان میں اختلاف اصلاً قابلِ لحاظ نہیں ہم نے اپنے فتاوٰی میں ریاست رامپور ہی کے ایک فیصلہ پر اس مسئلہ کے متعلق کتب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لے کر بحر الرائق وغیرہ کتب معتمدہ متاخرین تک بائیس کتابوں کی سند پیش کی ہے یہاں اسی قدر کافی کہ فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیری وغیرہما میں تصریح ہے کہ :

التناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر[1] ۔ اگر غیر ضروری چیز میں تناقض ہو تو مضر نہیں ہے۔(ت)

ذی علم مجوز نے تو ایک کا ہمراہی شفیع خاں بیان کرنا دوسرے کا اسے ذکر نہ کرنا اختلاف مضر قرار دیا اور فتاوٰی امام قاضی خاں و بحر الرائق و فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں اور نص صریح امام محرر المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تصریح ہے کہ اگر ایک نے کہا فلاں شخص اس وقت ساتھ تھا دوسرے نے صاف انکار کیا کہ وہ ساتھ نہ تھا جب بھی شہادت میں خلل نہیں کہ مطلب سے زیادہ باتوں میں اختلاف ناقابلِ التفات ہے عبارت یہ ہے :

قال احدھما کان معنا فلان و قال الاٰخر لم یکن معنا فلان ذکر فی الاصل انہ یجوز ولا تبطل ھذہ الشہادۃ[2] ۔ ایک نے کہا وہ فلاں ہمارے ساتھ تھا دوسرے نے کہا ہمارے ساتھ نہ تھا، تو اصل میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ شہادت باطل نہ ہوگی۔(ت)

جہالت شہادت بھی وہ مضر ہوتی ہے جس سے طریق حکم مسدود ہو ورنہ تصریح ائمہ ہے کہ مذہب اصح وارجح و معتمد میں ہرگز مضر نہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے :

رجل ادعی فی دار رجل طریقا و ایک شخص نے دوسرے کی حویلی میں اپنے راستہ کا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰
[2] ؍؍ ؍؍ الباب الثامن ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۳/ ۵۰۹

اقام البینۃ فشھد الشھود بان لہ طریقا فی ھذہ الدار جازت شھادتھم وان لم یحدوا الطریق لان الجھالۃ انما تمنع قبول الشھادۃ اذا تعذر القضاء بھا وھٰھنا لایتعذر فان عرض الباب العظمی یجعل حکما لمعرفۃ الطریق[1] اھ مختصرا۔

دعوٰی کیا اور اس پر گواہ پیش کئے تو گواہوں نے گواہی دے دی کہ اس حویلی میں اس کا راستہ ہے تو یہ شہادت جائز ہے اگرچہ حویلی میں راستہ موجود نہیں پاتے، کیونکہ جہالت وہاں شہادت کی قبولیت میں مانع ہوتی ہے جب وُہ قضا کو متعذر بنائے جبکہ یہاں متعذر نہیں ہے کیونکہ بڑے دروازے کی چوڑائی سے راستے کا فاصلہ معلوم ہوسکتا ہے اھ مختصراً۔ (ت)

اسی میں ہے :

قدمت ماھو الاظھر الاشھر[2]

میں مشہور اور اظہر کو پہلے لاتا ہُوں (ت)

طحطاوی و ردالمحتار میں ہے :

قدمہ قاضی خاں فکان ھو المعتمد[3]

قاضی نے اس مسئلے کو پہلے ذکر کیا ہے لہذا یہی قابلِ اعتماد ہے (ت)

عالمگیری میں ہے :

الاصح ان ھذہ الشھادۃ مقبولۃ علی کل حال کذا فی المحیط[4]

یہ شہادت بہرصورت مقبول ہے جیسا کہ محیط میں ہے (ت)

اور یہاں طریق حکم واضح ہے جسے عنقریب بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالٰی ظاہر ہے کہ شہادت اس امر کے لئے درکار ہوتی ہے جس میں فریقین مختلف ہوں نہ کہ اس کے لئے جس میں اتفاق ہو ایک سو پندرہ روپے کے عوض زیور رہن رکھا جانا اور اس کا دوسو روپے بھر وزن میں ہونا مرتہن کو خود قبول ہے تو وزن پر شہادت کی اصلاً حاجت نہ تھی اختلاف اس میں تھا کہ زیور چاندی کا تھا یا

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الدعوٰی باب الیمین رجل ادعی نول کشور لکھنؤ ۳/۵۱۱
[2] " " مقدمۃ الکتاب " ۱/۲
[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۵
[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۰۴

بزمن سلور کا، اس کی نسبت دونوں گواہوں نے بالاتفاق موافق دعویٰ شہادت ادا کی تو یہ بیّنہ اس اقرار مرتہن سے مل کر ثبوت دیتی ہے کہ چاندی کا زیور وزن میں دو سو روپے بھر ماعـــہ کے عوض مرہون تھا اب طریق حکم میں کیا خفا ہے شہادتیں جب کہ موانع قبول نہ رکھیں مجوز پر لازم ہوا کہ دو سو روپے بھر نقرئی زیور ماعـــہ لے کر راہن کو واپس دینا مرتہن پر لازم کرے اعداد زیور کا شہادت سے تحقیق نہ ہونا مانع حکم نہ ہوگا کہ جنس شَی مدعیٰ مع وزن وقدر زر رہن معلوم ہولی اسی قدر اس پر الزام حق کے لئے کافی ووافی ہے، معین الحکام ص ۴۴۱ میں ہے،

لوقالوا نشهد ان له علیه دراهم لا نعرف عددها فهی ثلثة، وکذا لو شهدوا ان علیه دریهمات جعلت ثلثة ثم حلف علی شهادتهم لان الشهود قد بیّنوا بشهادتهم شیئًا معلومًا وهی الدراهم ویحلف مع شهادتهم لجواز ان یکون اکثر من ذلك[1]

اگر گواہوں نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ اس کے دوسرے پر دراہم ہیں جن کی مقدار معلوم نہیں تو تین درہم کا حکم ہوگا اور یونہی اگر انھوں نے دراہم کی جگہ دریہمات کہا یعنی جمع کی تصغیر بتائی تو بھی تین ہی ہونگے، پھر قاضی اس شہادت کے ساتھ ساتھ مدعا علیہ سے قسم لے گا (کہ اس سے زائد نہیں) کیونکہ گواہوں نے ایک معلوم چیز کی شہادت دی یعنی دراہم جس کی تعداد معلوم نہیں، قسم اس لئے لی جائے گی کہ ہوسکتا ہے تعداد تین سے زیادہ ہو، زائد کے انکار پر قسم ہوگی (ت)

دیکھو فقط اتنی شہادت پر کہ مدعا علیہ پر مدعی کے کچھ روپے ہیں یا تھوڑے سے درم ہیں حالانکہ گواہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمیں گنتی نہیں معلوم کہ کتنے روپے آتے ہیں شرع نے گواہی مقبول رکھی اور اقل درجہ یعنی تین روپے لازم کئے اور اسے ایک شے معلوم پر شہادت دینا فرمایا یعنی روپے جس سے فقط جنس مدعیٰ بہ کا علم ہوا نہ کہ عدد وزن مجموع کا جس کے علم سے گواہوں نے صاف انکار کردیا تو یہاں کہ شاہدوں نے جنس بھی بتائی کہ چاندی کا تھا اور مجموعی وزن بھی بتایا کہ دو سو روپے بھر تھا اور خود یہ مجموعی وزن فریقین کو تسلیم بھی ہے یہ کیونکر شہادت مجہولہ قرار پاکر رَد ہوسکتی ہے۔ غرض تنقیح اول کی تجویز سراسر غلط واقع ہوئی، اس کے بعد فیصلے میں اور سخت بھاری غلطیاں ہوئیں جن کا اندازہ بھی دشوار ہے ذی علم فاضل مجوز نے یہاں مدعی اور مدعا علیہ کی شناخت میں غور نہ کیا عوام کا خیال یا عرف یہ ہے کہ جو کچہری میں پہلے آکر نالشی ہو مطلقًا وہی مدعی ہے اور جواب دینے والا مدعا علیہ۔ مگر شرع مطہر میں ہزار بار

---

[1] معین الحکام الباب الحادی والعشرون مصطفی البابی الحلبی مصر ص ۱۱۶

اس کا عکس ہوجاتا ہے جو نالش لے کر آیا مدعا علیہ ٹھہرتا اور جواب دہندہ مدعی قرار پاتا ہے۔ ولہذا علماء فرماتے ہیں کہ مدعی اور مدعا علیہ میں تمیز کرنی ایک سخت مہم و دشوار کام ہے جس میں غور کامل حاکم پر فرض تام ہے مثلاً زید عمرو پر مدعی ہوا کہ اس پر میرے ہزار روپے قرض آتے ہیں، عمرو نے جواب دیا میں ادا کرچکا ہوں، اب عمرو مدعی ہے کہ ادائے دین کا دعوٰی کرتا ہے اور زید مدعا علیہ کہ انکار رکھتا ہے، ذی علم پر اس کے نظائر کا وفور مخفی نہیں، یہاں جب کہ مرتہن نے دوسو روپے بھروزن کا زیور رہن لے کر ماعہ ر قرض دینے کا اقرار کیا اور ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی دنیادار علی الخصوص وادستدوالا ہندو ہرگز دوروپے کا مال رہن لے کر ماعہ ر قرض نہ دے گا، ہندوؤں کا تو عام قاعدہ ہے کہ برابر قیمت کا زیور بھی ہرگز قبول نہیں کرتے جب تک مقدار دین سے ڈیوڑھا دونا نہ ہو، تو ظاہر یہی ہے کہ وہ زیور ضرور چاندی کا تھا اور ضرور ماعہ ر سے زیادہ قیمت کا تھا جب تو ہندو نے اس پر ماعہ ر دے دئے۔ اب اس کا یہ ادعا کہ راہن نے مجھے دھوکا دے کر جرمن سلور کا زیور چاندی کا بتا کر ماعہ ر مجھ سے لے لئے محض خلاف ظاہر ہے جو بے شہادت صحیحہ ہرگز قابل قبول نہیں ورنہ ہر شخص ہمیشہ ایسے ہی دھوکے کا ادعا کرکے لوگوں کا مال ہضم کرلیا کرے کہ آج کل شہادتوں کا معیار شرع پر ٹھیک اترنا بہت دشوار ہے خصوصاً جہاں فضول و زوائد محض باتوں کے ذکر و عدم ذکر پر گواہیاں رَد ہوتی ہوں تو معاملہ خود ان کی قسم پر آکر ٹھہرے گا جو ایسے پیچ کریں انھیں قسم کھاتے کیا لگتا ہے اور اس فیصلہ موجودہ کا سا فیصلہ ہوا تو قسم کی بھی حاجت نہیں یوں ہی مال ہضم ہے، کیا شرع مطہر اسے گوارا کرسکتی ہے حاشا وکلّا، سخت عجب یہ ہے کہ فاضل مجوز کو خود معلوم تھا کہ جرمن سلور کا زیور بتانے میں مرتہن ہی شرعاً مدعی ہوگیا اور راہن اس بارہ میں مدعا علیہ ہے جب تو اس تنقیح دوم کا بار ثبوت مرتہن پر رکھا تھا ثبوت مدعی پر ہوتا ہے یا منکر پر۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر[1] گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم منکر پر ہے۔ (ت)

تو قطعاً مانا کہ مرتہن مدعی ہے اور قطعاً جانا کہ اس کا ثبوت دینا اس پر ہے اور صاف تصریح فرمائی کہ وہ اصلاً ثبوت نہ دے سکا اور ظاہر ہے کہ راہن نے جرمن سلور ہونے کا اقرار نہ کیا نہ وہ اس پر قسم کھاتے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الرہن ۱/ ۳۴۲ و جامع الترمذی ابواب الاحکام ۱/ ۱۶۰
سنن الدارقطنی باب فی المرأۃ تقتل اذا ارتدت نشر السنۃ ملتان ۴/ ۲۱۸
السنن الکبرٰی کتاب الدعوٰی والبینات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

سے منکر ہوا تو بینہ، اقرار، نکول تینوں طریقے معدوم، اور محض اس مدعی یعنی مرتہن کے زبانی بیان پر جرمن سلوہ ہونا مقبول۔ یُوں ہو تو لوگوں کے جان و مال ہلاک و تلف ہوں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو یعطی الناس بدعواهم لادعی ناس دماء رجال و اموالهم و لکن الیمین علی المدعی علیہ[1]

لوگ اگر اپنے دعوٰی پر دے دیے جائیں تو لوگوں کے خون اور مال کا دعوٰی کر بیٹھیں، ہاں یوں ہے کہ مدعا علیہ پر قسم ہے۔

اور یہیں سے ظاہر ہُوا کہ روایت درمختار کو اس سے علاقہ نہیں وُہ وہاں ہے کہ مرتہن خلاف ظاہر کا مدعی نہ ہو تو آپ ہی اس کا قول معتبر ہوگا کہ وہ قابض ہے یہاں خود فاضل مجوز کو اعتراف ہے کہ مرتہن امر خلاف ظاہر کا مدعی ہے جب تو تنقیح دوم میں لکھا تھا کہ ثبوت ذمہ مدعا علیہ ہے، کیا جس کی بات ظاہر کے مطابق ہو اس پر بار ثبوت ہوا کرتا ہے تو روایت درمختار سے استناد صراحۃً خود اپنی تجویز بار ثبوت کے خلاف ہے، اگر ادعائے خلاف ظاہر کی حالت کو بھی یہ روایت شامل ہو تو بنیوں کی ایک ایک دیا سلائی لاکھ لاکھ روپے کی ہو جائے، زید نے کسی بنیے سے کچھ رہن رکھ کر لاکھ روپے قرض لے جب وہ قرض ادا کرنے آئے بنیا دیا سلائی کی ایک ڈبیا دکھائے کہ یہ رہن رکھ کر لاکھ روپے مجھ سے لے گئے جتنے مدیون گواہ پیش کرے ان میں کسی لفظ زائد و بیکار کے ذکر و ترک کا اختلاف پڑ جائے جس سے عام شہادتوں کا خالی ہونا سخت ہی دشوار ہے گواہیاں تو یُوں رَد ہو گئیں اور اب قول مرتہن کا معتبر ہے حکم ہو جائے کہ راہن کو ڈگری دی گئی مگر یہی، یوں کہ یہی دیا سلائی قابل نفاذ حکم ہے لاکھ روپے ادا کرکے دیا سلائی گھر کو لے جائے، اس صورت کو باطل مانئے تو کیوں، حالانکہ روایتِ درمختار کا اطلاق اسے بھی شامل ہے اس میں اسی قدر تو ہے کہ:

قال الراهن الرهن غیر هذا و قال المرتهن بل هذا هو الذی رهنته عندی فالقول للمرتهن لانه القابض[2]

یعنی راہن نے کہا مرہون اور چیز تھی، مرتہن نے کہا بلکہ یہی تھی، تو قول راہن کا معتبر ہے کہ وہ قابض ہے۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب الیمین علی المدعی علیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴
[2] درمختار کتاب الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۷

اسے لاکھ روپے اور دیا سلائی کی ڈبیہ کا مسئلہ کیونکر خارج کیجئے گا۔ رہن یہی تھی یا اور چیز تھی یہاں بھی صادق۔ لاجرم ماننا پڑے گا کہ یہ اس صورت کو شامل نہیں جس میں مرتہن خلاف ظاہر ادعا کرے تو بعینہٖ یہی علت یہاں بھی ہے، مرتہن خلاف ظاہر ہی کا مدعی ہوا ہے جب تو اس تنقیح کا بارِ ثبوت اس پر تھا، لاجرم عالمگیریہ میں فرمایا:

الظاھر یکذبہ (ای المرتھن) فیما قال فلا یقبل قولہ اذا جحد الراھن ذٰلک کذا فی المحیط۔[1]

ظاہر حال اس کو یعنی مرتہن کو جھوٹا قرار دیتا ہے لہذا اس کا قول معتبر نہ ہوگا جبکہ راہن اس کا انکار کر رہا ہے، محیط میں یونہی ہے۔ (ت)

پھر اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ اس روایت غیر متعلقہ کے بھی خلاف کیا گیا روایت میں قول مرتہن کیلئے مانا ہے اور قول کسی کا معتبر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس سے حلف لیا جائے گا اگر حلف کرے اس کا قول مقبول ہُو خود فاضل مجوز کو اقرار ہے کہ قولِ مرتہن معتبر ہے مگر بحلف، صورت وا ترہ میں بے حلف ہی اسی کا قول معتبر ہوگیا اور اس کا عذر یہ تحریر فرمایا کہ مدعی نے اس کے حلف کی استدعانہ کی، سبحان اللہ اگر مدعی نے استدعانہ کی تھی اور مجوز کے زعم میں مرتہن پر حلف عائد تھا تو بلاحلف فیصلہ کیونکر دے دیا۔ کیا اگر مدعی گواہ نہ دے سکے اور حلف مدعا علیہ کی خود استدعا بھی نہ کرے کہ ان کچہریوں میں یہ معمول کالمنسوخ ہو رہا ہے تو اب قاضی کو حکم ہے کہ بلاگواہ و بلاحلف تو دبخود قول مدعا علیہ خلاف مدعی قبول کر کے فیصلہ دے دے، فتاوٰی امام قاضیخاں و اشباہ والنظائر و فتاوٰی خیریہ میں ہے:

القاضی لایقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار والنکول۔[2]

قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ کرے گا اور وہ حجت گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے (ت)

پھر لطف یہ کہ ساری بلا تو مدعی بیچارے کے سر پڑی کہ ماضے رچہرہ وار دے کر دو روپے کا کھلونا لے لے اور نام یہ فرمایا گیا کہ مدعی کی ڈگری ہُوئی۔ بالجملہ اس فیصلہ کا منسوخ کرنا لازم ہے بلکہ اسے تو منسوخ کرنا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۹۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/۷۴۲

فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/۵۱

الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۳۸

بھی کیا کہئے منسوخ تو وُہ ہو جو کچھ وجود بھی رکھتا ہو نہ یہ کہ تجویز کہ اصلاً کسی اصل شرعی عقلی عرفی سے لگاؤ نہیں رکھتی جس میں مرتہن کو کہ مدعی ہو لیا مقبول القول مانا گیا اور وہ بھی ایسا کہ اس کی نری زبان بلا حلف مقبول، نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ انصافاً (ہم اللہ تعالٰی سے عفو ومعافی کا سوال کرتے ہیں انصاف کے طور پر)

یہاں **طریق حکم** یہ ہے کہ اگر گواہانِ راہن کی وہ دونوں شہادتیں بروجہ شرعی گزر چکی ہیں تو ان سے زیور نقرئی وزنی دوسو روپے بھر ہونا ضرور ثابت ہے۔ مرتہن پر لازم کیا جائے کہ چاندی کا زیور اتنے وزن کا پیش کرے اگر وہ لے آئے اور اسی تفصیل کے مطابق ہو جو راہن نے بیان کی فبہا، اور اگر راہن کہے کہ یہ وہ زیور نہیں تو اب روایتِ درمختار اس مسئلہ سے متعلق ہوگی راہن تفصیل پر گواہ نہ لایا تو مرتہن سے حلف لے، اگر وہ حلف کرے تو وہی نقرئی دوسو روپے بھر کا زیور کہ مرتہن پیش کرے مرہون قرار پائے راہن ما عــہ دے کر وہ چاندی کا زیور لے لے، اور اگر مرتہن زیور نقرہ سے منکر ہی رہے تو یہ ٹھہرے گا کہ زیور اس نے تلف کردیا ایک سو پندرہ روپے بھر کے عوض تو مرتہن کا دین ساقط ہوگیا باقی پچاسی روپے بھر چاندی راہن کو واپس دے۔ عالمگیری باب رہن الفضۃ بالفضۃ میں ہے:

يجوز رهن الدراهم والدنانير فان رهنت بجنسها فهلكت هلكت بمثلها من الدين وان اختلفا في الجودة وهذا عند ابي حنيفة رضي الله تعالٰى عنه[1] الخ۔ والله تعالٰى اعلم۔

دراہم ودیناروں کا رہن رکھنا جائز ہے تو اگر یہ بجنسہا رہن رکھے گئے ہوں تو ہلاک ہوجانے پر ان کی مثل لازم ہوگی اگرچہ دونوں فریق جید اور ردی ہونے میں اختلاف بھی کریں اور یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں ہے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۹: از ریاست رام پور محلہ گھیر مردان خاں مرسلہ ضیاء الدین صاحب ۸ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

سوال اوّل: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندہ دعویدار مہر کی پدر اپنے سے بقدر حصہ فرائض کے ہے اور پدر اس کا ابراء دین مہر کا مجیب ہے ثبوت ابراء دین مہر میں دو مرد اور دو عورتیں پدر ہندہ نے گزرانے ہیں جن کا حرف بحرف بیان نقل کرکے گزارش ہے کہ بروایات فقہیہ بیان شہود مشمولہ فتوٰی ثبوت ابراء دین مہر میں کافی ہے یا نہیں؟

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الرہن الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۷۳

سوال دوم: ہندہ دعویدار اس امر کی ہے کہ میری ماں کا نکاح بتعداد مہر پچاس ہزار روپیہ بکر
کے ساتھ ہوا ہے بکر سے بقدر حصۂ فرائض دلا دیا جائے بکر مجیب ہے کہ تعداد مہر مجھے یاد نہیں مگر
والدۂ ہندہ نے مہر مجھے معاف کر دیا ابراء مہر کی شہادت بھی پیش کی لیکن شہادت مذکور عند العدالت کافی و
مثبت نہ ہوئی ہندہ ثبوت تعداد مہر میں یہ کہتی ہے کہ مجھے ثبوت تعداد مہر کا اس وقت دینا تھا جب کہ
مدعا علیہ یعنی بکر کمی بیشی تعداد مہر میں کلام کرتا بکر کو تعداد مستدعویہ سے اقرار و انکار نہیں بلکہ سکوت ہے صرف
ابراء کا دعوی تھا جس کو ثابت نہ کر سکا، اب عند الشرع عدالت کو درصورت عدم ثبوت ابراء دین مہر ڈگری
بحق مدعیہ باوجود نہ ثابت کرنے تعداد دین مہر کے دینی چاہئے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

بیانات متعلق سوال اوّل

بیان مرد اوّل کا: گواہی اللہ کے واسطے دیتا ہوں کہ میں بکر کے یہاں بیٹھا تھا کہ عمرو بغرض فاتحہ پڑھنے
کے آئے بعد فاتحہ کے عمرو نے زید برادر بکر سے دریافت کیا کہ بکر کی بی بی نے اپنا مہر بخش دیا یا نہیں میرے
سامنے زید برادر بکر نے کہا کہ میرے اور کریم کے سامنے بخش دیا اور عمرو سے کہا کہ تم سب لوگ گواہ رہنا وقت

۱۲ بجے دن کے بعد کا تھا بکر کی بی بی کے مرنے کے دوسرے یا تیسرے روز کا یہ ذکر ہے خوب یاد نہیں،
سوال: عمرو نے دریافت کیا تھا کہ بکر کی بی بی نے مہر بخش دیا یا للّن کی ماں نے؟ مجھے یاد نہیں کہ کیا کہا تھا
جس کے جواب میں زید نے کہا کہ مہر بخش دیا، زید نے اور بھی چند مرتبہ ہمارے روبرو بیان کیا کہ للّن کی ماں
نے مہر بخش دیا۔ سوال: بکر کی بی بی کے انتقال کو کس قدر مدت گزری؟ تخمیناً اٹھارہ بیس سال ہوئے۔
سوال منجانب بکر: کریم مسماۃ کے حقیقی بھائی تھے؟ جواب: میں جہاں تک خیال کرتا ہوں حقیقی تھے۔

بیان دوسرے مرد کا: اللہ کو حاضر ناظر جان کر گواہی دیتا ہوں اللہ کے واسطے یہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے محمد شفیع یعنی بکر کی
بی بی کے میاں فیض اللہ شاہ کی بیٹی کی فاتحہ کو گیا تھا میں نے زید برادر بکر سے دریافت کیا کہ کریم کی بہن
للّن کی ماں نے مہر بکر کو بخش دیا زید اور کریم دونوں نے کہا للّن کی ماں نے مہر معاف کر دیا اور یہ کہا کہ
اس بات پر گواہ رہنا اٹھارہ انیس سال کا عرصہ گزرا وقت دوپہر کا تھا یہ واقعہ مرنے سے دوسرے
دن کا ہے۔

بیان عورت کا: عرصہ تخمیناً بیس سال کا گزرا کہ بکر کی بی بی نے اپنے خاوند بکر کو مہر بخش دیا تھا
تین مرتبہ سوال کیا کہ کس کو بخشا، جواب دیا بکر کو سوال مہر کی تعداد معلوم نہیں تعداد مہر کی بابت اس وقت
ذکر میرے سامنے نہیں ہوا زبیدہ بکر کی بی بی تھیں مہر بخشنے سے دو روز بعد انتقال ہوگیا دق میں مبتلا تھیں

دو گھڑی رات گئی تھی عورتیں تھیں، مرد کوئی نہیں، فقط ان کے بھائی موجود تھے، خالد نے منجانب بکر دریافت کیا کہ زید اس وقت کہاں تھے؛ کیا گھر میں موجود تھے؟

دوسری عورت کا بیان: گواہی دیتی ہوں اللہ کے واسطے میں بکر کے گھر ان کی بی بی کی دریافت حال کے واسطے گئی تھی بکر کی بیٹی نے ان سے کہا مہر کی بابت کیا کہتی ہو، انھوں نے آنکھ کھولی اور کہا میں نے مہر بخش دیا اور میرے حقوق بھی ان سے بخشوا دیجیو، دو گھڑی رات گئی تھی، کس قدر مرد تھے؛ کوئی نہیں صرف عورتیں تھیں، جس نے پہلے گواہی دی ہے یہ تھیں؛ کہا موجود تھی مہر کے معاف کرنے سے دو روز بعد مرگئیں جس وقت مہر معاف کیا ہے اس وقت ہوش و حواس باقی تھے۔

الجواب

(ا) بیانات شہود اربعہ نظر سے گزرے ان میں ایک بیان بھی اس قابل نہیں کہ اس کی جانب کچھ بھی التفات کیا جائے محض مہمل و مختل ہیں۔ شہادت شہود و مشاہدہ و حضور و معاینہ سے ہے دونوں مردوں میں کوئی خود اپنے سامنے زوجہ مدعا علیہ کا مہر معاف کرنا نہیں بیان کرتا بلکہ برادران زن و شو یا صرف برادر شوہر سے اپنا سُننا بیان کرتے ہیں اور معافی مہر ان مسائل استثنائیہ سے نہیں جن میں سماعی بات پر شہادت دینی جائز ہے، ہدایہ میں ہے:

لا یجوز للشاھد ان یشھد بشیئ لم یعاینہ الا النسب والموت والنکاح والدخول وولایۃ القاضی وھذا استحسان والقیاس ان لا تجوز لان الشہادۃ مشتقۃ من المشاھدۃ وذٰلک بالمعاینۃ ولم یحصل فصار کالبیع، وجہ الاستحسان ان ھذہ الامور تختص بمعاینۃ اسبابھا خواص من الناس ویتعلق بہا احکام تبقی علی انقضاء القرون فلولم یقبل فیھا الشہادۃ بالتسامع

گواہوں کو جائز نہیں کہ بغیر دیکھے کوئی گواہی دیں ماسوائے نسب، موت، نکاح، دخول یعنی جماع اور قاضی کی ولایت، کے یہ استحسان ہے جبکہ قیاس یہ ہے کہ ان امور میں بھی جائز نہ ہو کیونکہ لفظ شہادت مشاہدہ سے مشتق ہے اور یہ معاینہ سے ہی ہوسکتا ہے جبکہ یہاں معاینہ نہیں ہے لہٰذا یہ امور بھی دیگر معاملات بیع وغیرہ کی طرح ہوتے ہیں لیکن استحسان اس لئے کہ یہ امور اپنے اسباب کے معاینہ سے مختص ہوتے ہیں جن کا معاینہ خاص لوگ کرتے ہیں انھی اسباب کی بنا پر ان امور کے احکام زمانہ بھر باقی رہتے ہیں تو اگر ان میں سننے سنانے پر شہادت

ادی الی الحرج وتعطیل الاحکام بخلاف البیع لانہ یسمعہ کل واحد[1]۔

قبول نہ کی جائے توحرج اور احکام کی تعطیل تک معاملہ پہنچ جائے بخلاف بیع وغیرہ امور کہ ان کو ہر ایک سنتا ہے۔ (ت)

بزازیہ میں کہ در بارۂ مہر شہادت سماعی کی اجازت دی اس کے معنٰی یہ ہیں کہ مقدار مہر پر حاضران جلسۂ نکاح سے جماعت عظیم یا ثقہ عادل دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کے بیان سن کر گواہی دینی جائز ہے کہ جب نکاح پر شہادت بالتسامع روا ہوئی تو مہر بھی اس کا تابع ہے نہ یہ کہ سنی سنائی معافی مہر پر شہادت جائز ہو علماء نے مہر کو کہا ہے نہ کہ معافیِ مہر کو، اور ان دونوں میں فرق بدیہی ہے، درمختار میں ہے:

لایشھد احد بمالم یعاینہ بالاجماع الا فی عشرۃ منھا العتق والولاء عند الثانی والمھر علی الاصح بزازیۃ الخ[2]۔

کوئی بھی بغیر معاینہ شہادت نہ دے گا بالاجماع، مگر صرف دس چیزوں میں جن میں عتق، ولاء اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں مہر بھی اصح قول کے مطابق شامل ہے بزازیہ الخ۔ (ت)

طحطاوی میں ہے:

لان المھر تبع للنکاح ذکرہ عبدالبر[3]۔

کیونکہ مہر نکاح کے تابع ہے، اس کو امام عبدالبر نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

قرۃ العیون میں ہے:

لانہ من توابع النکاح فکان کاصلہ[4]۔

کیونکہ یہ نکاح کے توابع میں سے ہے لہذا اس کا وہی حکم ہے جو اصل کا ہے۔ (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

الشھادۃ بالسماع من الخارجین من بین جماعۃ حاضرین فی البیت عند النکاح

نکاح والے کمرے سے نکلنے والے لوگوں سے سُن کر بھی یہ شہادت جائز و مقبول ہے کہ مہر اتنا ہے دوسرے

---

[1] الہدایۃ کتاب الشہادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار " دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۳۶

[4] قرۃ عیون الاخیار " مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۹

بان المھر کذا تقبل لا ممن سمع من غیرھم[1] (بالمعنی)۔

لوگوں سے سُن کر یہ شہادت جائز نہیں، (بالمعنی)۔ (ت)

اور بفرضِ باطل اگر یہاں شہادت بالسماع جائز بھی ہوتی تو جبکہ شاہدوں نے اپنی شہادت میں سماع ہونے کی تصریح کردی قابل قبول نہ رہی، ہدایہ میں ہے:

وینبغی ان یطلق اداء الشھادۃ ولا یفسر، اما اذا فسر للقاضی انہ یشھد بالتسامع لم تقبل شہادتہ کما ان معاینۃ الید فی الاملاك مطلق للشھادۃ، ثم اذا فسر لاتقبل کذا ھذا[2]۔

مناسب ہے کہ گواہ شہادت کو مطلق رکھیں اور تفسیر نہ کریں اور اگر قاضی کے ہاں تفسیر کردی کہ میں سُن کر شہادت دے رہا ہوں تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی جیسا کہ قبضہ کا بیان املاک میں مطلق ہے پھر اگر کوئی اس کو بیان کردے کہ صرف قبضہ معلوم ہے ملکیت معلوم نہیں تو ملکیت میں یہ شہادت قبول نہ ہوگی، اسی طرح یہاں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وان فسر الشاھد للقاضی ان شھادتہ بالتسامع او بمعاینۃ الید ردت علی الصحیح الا فی الوقف والموت[3]۔

اگر قاضی کے ہاں گواہ نے تفسیر کردی میری شہادت سماع یا قبضہ پر مبنی ہے تو رَد کردی جائے گی صحیح قول پر، ماسوائے موت اور وقف کے۔ (ت)

ان دونوں شہادتوں کی حقیقت تو اس قدر ہے مگر شاہدین نے یہ چاہا کہ اپنی سماعی گواہی کو شہادۃ علی الشہادۃ کے دائرہ میں لے آئیں اور غالباً اسی لئے بیان اصول میں یہ لفظ ذکر کئے کہ تم لوگ گواہ رہنا تاکہ شرط تحمیل کی تکمیل کریں لیکن ان سے بہت باتیں رہ گئیں جن کے سبب یہ مقصد بھی پورا نہ ہوا اور شہادت بدستور ناکارہ رہی،

اوّلاً اصول یعنی برادرانِ زن وشو کا بیان شہادت نہیں، حکایت ہے کہ ان کے بیانوں میں "گواہی دیتا ہوں" کا لفظ نہیں تو یہ شہادت علی الحکایۃ ہوئی جس کا حاصل وہی شہادت بالتسامع ہے نہ کہ شہادۃ علی الشہادۃ۔ درمختار میں ہے:

---

[1] جامع الفصولین — الفصل الثانی عشر — اسلامی کتب خانہ کراچی — ۱/۱۷۲
[2] الھدایۃ — کتاب الشھادات — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۳/۱۵۸
[3] درمختار — " — مطبع مجتبائی دہلی — ۲/۹۲ و ۹۳

کیفیتہا ان یقول الاصل مخاطبا للفرع اشھد علی شہادتی انی اشہد بکذا[1]

اس کی کیفیت یہ ہے کہ اصل گواہ فرع کو خطاب کرتے ہُوئے کہے کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں تُو میری اس گواہی پر گواہ بن جا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ انی اشہد بکذا قید بقولہ اشہد لانہ بدونہ لایسعہ ان یشہد علی شہادتہ[2]

اس کا قول "انی اشہد بکذا" یہ اس کے قول "اشہد" کے لئے قید ہے کیونکہ اس قید کے بغیر وُہ اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنا سکتا۔ (ت)

ہدایہ وطحطاوی میں ہے:

لابدان یشہد عندہ کما یشہد عند القاضی لینقلہ الی مجلس القاضی وھو بالشین الثالثۃ[3]

اصل کے لئے ضروری ہے کہ فرع کے سامنے اس طرح شہادت دے جس طرح قاضی کے ہاں شہادت دیتا تاکہ فرع اسی کو مجلسِ قضاء میں نقل کرسکے اس طرح کہ تیسرے شین یعنی اصل کی شہادت کو دُہرائے۔ (ت)

ثانیاً اصل کا فرع سے یہ کہنا ضروری ہے کہ میری شہادت کا شاہد رہنا برادران زن وشو دونوں کے کلام میں شہادت پر اشہاد نہیں بلکہ صرف اتنا ہے کہ تم سب لوگ گواہ رہنا یا یہ کہ اس بات پر گواہ رہنا یہ اس قدر کافی نہیں اور اس کی بناء پر جو شہادت علی الشہادت دی جائے مردود ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قید بقولہ اشہد علی شہادتی لانہ لوقال اشہد علیّ بذلك لم یجز لاحتمال ان یکون الاشہاد علی نفس الحق المشہود بہ فیکون امرا بالکذب وبعلی لانہ لوقال بشہادتی لم یجز لاحتمال ان یکون امرا بان یشہد

اشہد بشہادتی (میری شہادت پر شہادت دے) کے ساتھ اس لئے مقید کیا کیونکہ اگر اس کی بجائے بذلك (اس امر کی) کہے تو جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں احتمال رہے گا کہ اصل واقعہ پر گواہ بنا رہا ہے جو جھُوٹ کہنے کا حکم قرار پائے گا، اور علی شہادتی (میری شہادت پر) سے مقید اس لئے

---

[1] درمختار کتاب الشہادات باب الشہادۃ علی الشہادۃ — مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۰۰

[2] ردالمحتار " " " — داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۹۳

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار " " — دارالمعرفۃ بیروت ۳/۲۵۹

مثل شہادتہ بالکذب[1] — کیا کہ اگر "علی" کی بجائے "لشہادتی" لام کے ساتھ دے تو جائز نہیں کیونکہ احتمال رہے گا کہ اس کی شہادت جیسی شہادت دے جو کہ جھوٹ کا حکم قرار پائے گا۔ (ت)

اسی طرح حموی و طحطاوی وغیرہما میں ہے۔

ثالثاً شاہد دوم کا بیان یہ ہے کہ زید اور کریم دونوں نے یہ کہا کہ لڈن کی ماں نے مہر معاف کر دیا اور یہ کہا کہ اس بات پر گواہ رہنا۔ اس عبارت سے کچھ نہ کھلا اور یہ کہا کا عطف "معاف کر دیا" پر ہے یا "دونوں نے کہا" پر، بلکہ اول ہی قریب ہے، اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ عورت نے مہر معاف کیا اور لوگوں سے کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ رہنا، تو شاہد دوم کا بیان اس ٹوٹے پھوٹے بیان تحمل سے بھی خالی ہے۔

بالجملہ وُہ شہادتیں محض نامسموع ہیں۔ رہیں عورتیں، اوّل تو وہ تنہا رہ گئیں اور تنہا دو عورتوں کی گواہی بالاجماع مقبول نہیں، پھر ان کے بیانوں میں خود جو تخالف اور مردوں کے بیان کی مخالفت ہے، اس سب سے قطع نظر کیجئے تو ان کی شہادت صاف کہہ رہی ہے کہ یہ معافی مرض الموت میں ہوئی عورت دق میں مبتلا تھی یہ اس کی عیادت کو گئی تھیں آخر وقت کی حالت تھی، بیٹی نے پوچھا مہر کی بابت کیا کہتی ہو، انھوں نے آنکھ کھولی اور کہا میں نے مہر بخش دیا اور میرے حقوق بھی ان سے بخشوا دیجو، دو روز کے بعد انتقال ہوگیا اور مرض الموت میں معافی وصیت ہے کہ وارث کیلئے بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں۔ درمختار میں ہے:

یعتبر حال العقد فی تصرف منجز فان کان فی الصحۃ فمن کل مالہ والا فمن ثلثہ، والمراد التصرف الذی ھو انشاء ویکون فیہ معنی التبرع وھبتہ ووصیتہ[2] اھ مختصرا۔

فوری نافذ ہونے والے معاملہ میں اس کے اجراء کا حال معتبر ہے اگر یہ صحت میں ہو تو تمام مال میں نافذ ہوگا ورنہ تو ثلث میں نافذ ہوگا، اور مراد وہ تصرف ہے جو بطور انشاء ہو اور اس میں تبرع، ہبہ یا وصیت کا معنٰی ہو، اھ، مختصراً۔ (ت)

طحطاوی میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات باب الشہادۃ علی الشہادۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹۳

[2] درمختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۶

والابراء والصدقة مثل ماذکر قھستانی۔[1] اپنے حق سے کسی کو بری کرنا اور صدقہ بھی مذکور کی مثل ہوگا، قہستانی۔ (ت)

تو عورتوں کی شہادت بجائے نافع ہونے کے مدعی ابراء کو اور مضر ہے کہ وہ ابراء ہوا بھی تو ایسے وقت ہوا کہ بے اجازت مدعیہ مدعا علیہ کو مفید نہیں، کلام یہاں ہنوز اور باقی ہے مگر اس قدر بھی وضوح میں کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) جبکہ بکر اثبات ابراء نہ کرسکا حاکم ہندہ سے حلف لے اگر وہ حلف سے انکار کرے ابراء ثابت ہوجائیگا اور دعوی مدعیہ رد کردیا جائیگا، اور اگر حلف کرلے تو دعوٰی ابراء باطل ہوگیا، اب ہندہ کا دعوی مہر باقی ہے حاکم نظر کرے کہ پچاس ہزار کا مہر جس کا ہندہ دعوٰی کرتی ہے آیا مادرِ ہندہ کے مہر مثل سے زائد تو نہیں، اگر زائد نہ ہو تو ہندہ ہرگز محتاج گواہان نہیں کہ مقدار مہر مثل تک زن و وارثانِ زن کا بیان بے حاجت شہادت مقبول ہے کہ بوجہ موافقت مہر مثل ان کا قول موافق ظاہر ہے اور جس کا قول موافق ظاہر ہو وہ مدعا علیہ ہے اور جو مدعا علیہ ہے بار ثبوت اس پر نہیں اس کے مخالف پر ہے یہاں تک کہ اگر مہر مثل عورت یا اس کے ورثہ کا شاہد ہو یعنی ان کے دعوٰی سے مساوی یا زائد ہو اور مرد کمی کا دعوٰی کرے اور فریقین گواہ دے دیں تو عورت کے گواہ مسموع بھی نہ ہوں گے کہ شہادت اثبات خفی کے لئے ہے نہ کہ اظہار ظاہر کے واسطے، یہاں اگر بکر پچاس ہزار سے کم کسی مقدار کا تعین بتاتا تو وہ مدعی تھا اس سے گواہ مانگے جاتے اگر گواہان عادل سے مقدار اقل کا ثبوت دے دیتا تو ہندہ کو اسی قدر کا حصہ دلایا جاتا اور گواہ نہ دے سکتا تو ہندہ سے قسم لے کر اس کا دعوٰی ڈگری کردیا جاتا اس صورت میں پچاس ہزار کے گواہ دے دیتی تو سُن لئے جاتے کہ مدعی کی جانب گواہ نہ تھے اور اگر کوئی گواہ نہ دیتی اور قسم کھانے سے بھی انکار کرتی تو اسی مقدار اقل کا حصہ پاتی جس کا بکر مدعی ہوتا اب کہ بکر کمی کا دعوٰی بھی نہیں کرتا نا اسے پچاس ہزار کی مقدار سے انکار ہے تو بیان ہندہ کہ شہادت مہر مثل سے روشن ہے صاف بے مزاحم ہے اور اسے پوری ڈگری پانے کا استحقاق ہے، اور اگر مہر مثل پچاس ہزار سے کم تھا تو اب ہندہ دربارۂ زیادت ضرور مدعیہ ہوگی، اور بکر کا کہنا کہ مجھے تعدادِ مہر یاد نہیں ہرگز جواب کافی وصحیح نہیں اسے یُوں نہ چھوڑا جائے گا بلکہ حاکم اس سے سوال کرے آیا مہر پچاس ہزار کا بندھا تھا، اگر وہ کہے اتنا تھا تو کچھ کم کرکے پُوچھے جو مقدار مہر مثل سے ہنوز زائد ہو اگر وہ اس کی بھی نفی کرے تو اور گھٹا کر دریافت کرے یہاں تک کہ مقدار مہر مثل تک پہنچے اگر وہ اس کی بھی نفی کرے تو حاکم اس سے قسم لے اگر وہ قسم

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض دار المعرفۃ بیروت ۴/۳۲۸

کھالے اور ہندہ اپنے دعوٰی کے گواہ نہ دے سکے تو حاکم صرف بقدر حصہ مہر مثل کے ہندہ کو ڈگری دے مثلاً مہر مثل تیس ہزار ہے اور بکر نے اس کی بھی نفی کی اور قسم کھالی اور ہندہ نے پچاس ہزار کے گواہ نہ دئے تو ہندہ کو تیس ہزار کا حصہ دلایا جائے اور بکر قسم کھانے سے انکار کرے تو پورے پچاس ہزار کا۔ اور اگر بکر سوال حاکم پر انکار اقرار کچھ نہ کرے یہی کہتا رہے کہ مجھے یاد نہیں تو حاکم اسے جبر کرے کہ مقدار مہر بتائے اگر نہ مانے قید کرے یہاں تک کہ کسی مقدار کی تعیین کا مقر ہو اب اگر یہی پچاس ہزار قبول کئے تو ہندہ پوری ڈگری پائے اور اب بھی اسے اثبات مقدار کی حاجت نہ رہی اور اگر کم مانے تو حاکم نظر کرے کہ جو مقدار اس نے مانی عورت کے مہر مثل سے تو کم نہیں اگر کم نہ ہو تو اب مہر مثل بکر کا شاہد ہوگا اور وہ خالص مدعا علیہ رہے گا اور بار ثبوت ہندہ پر آئے گا اگر گواہان عادل دے دے گی پورے دعوٰی کی ڈگری پائے گی اور اس صورت میں اگر بکر اقل کے گواہ بھی دے گا تو اسی وجہ سے جو اوپر جانب ہندہ میں مذکور ہوئی شاہدان ہندہ کے مقابل مسموع نہ ہونگے ہاں اگر ہندہ گواہ نہ لاسکی تو بکر کے گواہ سن لئے جائیں گے اور ہندہ مقدار اقل کا حصہ پائے گی اور دونوں گواہ نہ دے سکے تو بکر سے قسم لی جائے اگر قسم کھالے تو مقدار اقل کا حصہ ہندہ کو دلایا جائے اور قسم سے انکار کرے تو پھر بے حاجت گواہان پورا دعوٰی ڈگری ہو اور اگر یہ مقدار کہ بکر نے مانی مہر مثل سے بھی کم ہے تو اب مہر مثل کسی کا شاہد نہیں اس لئے کہ دعوٰی بکر سے زائد اور دعوٰی ہندہ سے کم ہے اب ان میں جو گواہ دے دے گا اسی کا قول ثابت ہوگا اور دونوں گواہ دے دیں تو مہر مثل کے حصہ کی ڈگری دی جائے گی اور کوئی نہ دے سکے تو بکر سے قسم لی جائے اگر انکار کرے تو ہندہ کا پورا دعوٰی ڈگری ہو اور قسم کھالے تو ہندہ سے قسم لی جائے اگر انکار کرے تو حصہ اقل دلائی جائے اور وہ بھی قسم کھالے تو مہر مثل کے حصہ کی ڈگری ہو۔ یہ سب تفصیل اس صورت میں ہے کہ مادر ہندہ کا مہر مثل معلوم ہو اور اگر نہ معلوم ہو تو حاکم کو اختیار ہے چاہے ہندہ سے پچاس ہزار کے گواہ طلب کرے چاہے اپنے معتمدوں کے ذریعہ سے عورت کا مہر مثل تحقیق کرکے کارروائی بالاعمل میں لائے۔

جامع الفصولین میں مختلفات امام ابی اللیث سے ہے:

ادعت الفامن مهرها علی ورثۃ زوجها تصدق الی تمام مهر مثلها عندح لان مهر المثل یحکم عندہ فمن شهد له فله القول[1]	اگر عورت نے خاوند کے ورثاء پر ایک ہزار مہر کا دعوٰی کیا تو مہر مثل کی مقدار تک عورت کی تصدیق کی جائیگی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں، کیونکہ ان کے

ہاں مہر مثل فیصل ہوتا ہے، تو مہر مثل جس کی تائید کرے گا اس کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل العشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۹

اسی میں عدہ سے ہے:

ادعت مهرا علی وارث الزوج وانکر وارثه یوقف قدر مهر مثلها ویقول القاضی لورثه کان مهرها کذا امر اعلی من ذٰلك لو قال لاقال کان کذا دون ما قاله فی المرۃ الاولی الی ان ینتهی الی مقدار مهر مثلها۔[1]

عورت نے خاوند کے وارث پر مہر کا دعوٰی کیا اور وارث انکار کرتا ہے تو مہرِ مثل معلوم کرکے قاضی وارث سے مہرِ مثل سے زائد مقدار وارث سے پوچھے گا کہ اس کا اتنا مہر ہے یا اس سے زائد ہے اگر وارث انکار کرے تو پھر قاضی پہلے سے کم مقدار پوچھے حتی کہ مہرِ مثل تک پہنچ کر وارث سے سوال ختم کردے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

اختلفا فی قدرہ حال قیام النکاح فالقول لمن شهد له مهر المثل بیمینه وای اقام بینة قبلت سواء شهد مهر المثل له اولها اولا ولا، وان اقاما البینة فبینتها مقدمة ان شهد مهر المثل له وبینته مقدمة ان شهد مهر المثل لها لان البینات لاثبات خلاف الظاهر وان کان مهر المثل بینهما تحالفا فان حلفا او برهنا قضی به وان برهن احدهما قبل برهانه لانه نوّر دعواہ وموت احدهما کحیاتهما فی الحکم۔[2]

نکاح کی موجودگی میں خاوند بیوی کا مہر کی مقدار میں اختلاف ہوا تو اس کی بات معتبر ہوگی جس کی تائید مہرِ مثل کریگا ساتھ قسم لی جائیگی جس نے گواہ پیش کئے اسکی بات تو مقبول ہوگی خواہ مہرِ مثل اس کا یا بیوی یا دونوں کا ہے یا کسی کا نہ ہے اگر خاوند اور بیوی دونوں گواہ پیش کریں تو بیوی کی گواہی کو ترجیح ہوگی اگر مہرِ مثل مرد کی تائید کرے اور مرد کی گواہی کو ترجیح ہوگی اگر مہرِ مثل بیوی کی تائید کرے کیونکہ گواہی سے ظاہر کا خلاف ثابت کیا جاتا ہے اور اگر مہرِ مثل دونوں کے دعووں کے درمیان ہو تو دونوں سے اپنے اپنے دعوٰی پر قسم لی جائے گی، اگر دونوں نے قسم کھائی یا دونوں نے گواہی پیش کی تو قاضی مہرِ مثل پر فیصلہ کرے اور اگر صرف ایک نے اپنے دعوٰی پر گواہی پیش کی تو اسکی گواہی قبول کی جائے کیونکہ اس نے اپنے دعوٰی کو واضح کردیا اور دونوں میں سے ایک کی موت ہو تو دونوں کی حیات والا ہی حکم ہوگا۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل العشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۹
[2] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲-۲۰۳

ردالمحتار میں ہے:

قوله لمن شهد له مهر المثل ای فیکون القول لها ان کان مهر مثلها کما قالت او اکثر ولہ ان کان کما قال او اقل وان کان بینهما ای اکثر مما قال واقل مما قالت ولا بینة تحالفا ولزم مهر المثل کذا فی الملتقی وشرحه، قوله وان کان هذا بیان لثالث الاقسام، فانه اذا لم یقیما البینة او اقاماها قد یشهد مهر المثل له اولها او یکون بینهما فقد مر بیان القسمین الاولین فی المسألتین، وهذا بیان الثالث وقوله فان حلفا راجع الی المسألة الاولی وقوله او برهنا راجع الی الثانیة لکن کان علیه حذف قوله تحالفا لانه اذا برهنا لا تحالف قوله تحالفا فان نکلت المرأۃ وجب الف واذا نکل یقضی بالفین ماعرف ان ایهما نکل لزمه دعوی الاٰخر وصورة المسألة فیما اذا ادعت الالفین وادعی هو الالف وکان مهر المثل الفا وخمسمائة قوله قضی به ای بمهر المثل اھ مختصرا۔

ماتن کا قول "مہرمثل جس کی شہادت" یعنی بیوی کی بات مانی جائے گی جب مہرمثل اتنا ہو یا زائد ہو اور خاوند کی بات مانی جائے گی جب مہرمثل اس کے قول کے برابر ہو یا کم ہو، اگر دونوں کے درمیان ہو یعنی مرد کے دعوٰی سے زائد اور بیوی کے دعوٰی سے کم ہو، تو گواہی نہ ہونے کی صورت میں دونوں سے قسم ہوگی اور مہرمثل لازم ہوگا۔ ملتقٰی اور اس کی شرح میں یوں ہے، ماتن کا قول "ان کان" یہ تیسری قسم کا بیان ہے، تین قسمیں یہ ہیں: (۱) دونوں نے گواہی پیش نہ کی (۲) یا دونوں نے پیش کی اور مہرمثل کسی ایک کی تائید کرے (۳) یا مہرمثل دونوں کے دعوٰوں کے بین بین ہو، تو ماتن نے پہلے دونوں مسئلوں میں پہلی دونوں قسموں کا بیان بتایا اور اب یہ تیسرے کا بیان ہے، اس کا قول "دونوں نے اگر قسم کھائی" یہ پہلے مسئلہ کا بیان اور اس کا قول "دونوں نے گواہی پیش کی" یہ دوسرے کا بیان ہے لیکن "دونوں قسم دیں" والے قول کو حذف کرنا مناسب تھا کیونکہ جب گواہی پیش کردیں تو قسم نہیں ہوگی، اس کا قول "دونوں قسم دیں" "تو عورت قسم سے انکار کرے تو خاوند کا دعوٰی ہزار کا واجب ہوگا اور اگر خاوند قسم سے انکار کرے تو عورت کا دو ہزار فیصلہ کُن ہوگا جیسا کہ معلوم ہوچکا کہ جب ایک قسم سے انکار کرے تو دوسرے کا دعوٰی ثابت ہوجاتا ہے، یہاں مسئلہ کی صورت یہ ہے، عورت کا دعوٰی دو ہزار، مرد کا ایک ہزار جبکہ مہرمثل ڈیڑھ ہزار ہو، اس کا قول "اس پر فیصلہ دے" یعنی مہرمثل پر، اھ مختصراً۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۱-۳۶۲

فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذا ادعت مہرھا علی وارث زوجھا اکثر من مہر مثلھا ان کان الوارث مقرا بالنکاح یقول لہ القاضی اکان مہرھا کذا اکثر من مہر مثلھا فان قال الوارث لا، یقول القاضی اکان کذا یذکر مہرا دون الاول لکنہ اکثر من مہر مثلھا ان قال لا یقول لہ القاضی اکان کذا الی ان یاتی القاضی علی مقدار مہر المثل، فبعد ذٰلک اذا قال الوارث لا الزمہ القاضی مقدار مہر المثل و یحلفہ علی الزیادۃ ھذا اذا کان القاضی یعرف مقدار مہر مثلھا فان کان لا یعرف یامر امناء بالسوال ممن یعلم او یکلفھا اقامۃ البینۃ علی ما تدعی[1]

جب عورت خاوند کے وارث پر مہر مثل سے زائد مہر کا دعوٰی کرے تو اگر وارث نکاح کا اقرار کرتا ہے تو قاضی کو چاہئے کہ وہ مہر مثل سے زائد کا وارث سے اقرار کرائے اگر وہ انکار کرے تو پھر پہلے سے کم کا اقرار کرائے اگر وُہ انکار کرے تو اور نیچے آئے اور جب قاضی مہر مثل پر آجائے اور اس پر بھی وارث انکار کرے تو قاضی مہر مثل کو اس پر واجب کردے اور زیادہ سے انکار پر اس سے قسم لے، یہ جب ہے کہ قاضی مہر مثل معلوم کرچکا ہو اور اگر اسے مہر مثل کی مقدار معلوم نہیں تو قاضی کو چاہئے کہ وہ اہل کاروں کو حکم دے کہ وہ اس شخص سے پوچھیں جو اس عورت کے مہر مثل کی مقدار کو جانتا ہو، یا پھر عورت کو پابند بنائے کہ وُہ اپنا مہر مثل ثابت کرنے کیلئے گواہ پیش کرے جو مقدار ثابت کریں (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

مات فادعت امرأتہ المسمی فقالت ورثتہ نعلم ان لک مہرا ولا نعلم قدرہ یجبرون علی البیان ومعنی الجبر ان یحبسوا حتی یقروا بمقدار المہر لقیام الورثۃ مقام الزوج[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

خاوند فوت ہوا تو بیوی نے مقررہ مہر کا دعوٰی کیا تو ورثاء نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ تیرا مہر ہے لیکن ہمیں مقدار کا علم نہیں تو ان کو مجبور کیا جائے گا کہ وُہ مقدار بتائیں، اور جبر کا مطلب یہ ہے کہ ان کو مہر کی مقدار کے اقرار تک محبوس کیا جائے، کیونکہ ورثاء خاوند کے قائم مقام ہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب الدعوٰی الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۰۲

[2] جامع الفصولین الفصل العشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶۲

مسئلہ ۹۰ ۔ ۹۱ از ریاست جاورہ ملک مالوہ محلہ شاہ گنج ڈاکخانہ کہنہ مرسلہ حضرت سید مقبول عیسٰی میاں صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۲۶ھ

سوال اول: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص متمول وصاحبِ ازواج و اولاد و املاک تھا اس کے انتقال کے بعد باہم بعد چند برس کے بابت تقسیم ایک مکان کے جس میں مرتے دم تک زید متوفی مع سب اولاد وازواج کے رہتا تھا اور اسی مکان میں انتقال کیا تکرار پیدا ہوئی تاآنکہ ایک پسر نے بقدر اپنے حصہ کے تقسیم کرا پانے نالش کی ایک سوتیلی بہن عذر دار جوابدہ ہوئی کہ یہ مکان میرے باپ زید نے اپنی زندگی میں میری ماں فرید بیگم کو ہبہ کیا ہے ہبہ نامہ ضائع ہوگیا اور قبضہ میری ماں کا وقتِ ہبہ ہوگیا اور بعد ماں کے میں قابض ہوں اور تین گواہ قبضہ کے پیش کیے جن کے بیان میں اختلاف کثیر ہے ایک کہتا ہے سات برس اور دوسرے کہتے ہیں بارہ تیرہ برس ہوئے اور پسر خواہندہ تقسیم کو ہبہ سے لاعلمی وانکار ہے اور گواہان پسر خواہندہ تقسیم کے بیان بمضمون واحد نسبت عدم ہبہ اور ہونے قبضہ جمیع ورثاء انتقال مورث سے آج تک مؤید دعوٰی خواہندہ تقسیم ہے حالانکہ مکان مذکور میں دیگر ورثاء بھی اب تک سکونت رکھتے ہیں اور مستدعی تقسیم کا بھی کسی قدر اسباب اس مکان کی ایک کوٹھری میں اب تک رکھا تھا پس ایسی صورت میں قبضہ مشکوک میں از روئے شرع شریف ہبہ بحق مادر دختر بقول دختر بطور جائز متصور ہوسکتی ہے یا حالات صورت قبضہ سے ہبہ ناجائز ہوئی۔ بیّنوا توجروا فقط۔

ملخص گواہی سید امیر شاہ: مکان متنازعہ کو رسول خاں نے مسماۃ صنوبر بیگم مدعا علیہا کو ہبہ کیا ہے جس کو عرصہ بہت ہوا یعنی چھ سات سال کا ہوا ہبہ کی تکمیل میرے رُوبرو ہوئی اور اس وقت دوسری زوجہ کو جو شامل رہتی تھی علیحدہ کرکے مسماۃ صنوبر بیگم مدعا علیہا کا تنہا قبضہ کرادیا تھا اور دوسری زوجہ کو پٹھان ٹولی کے مکان میں بود وباش کرادی گئی تھی بعد نوشت ہبہ نامہ۔

ملخص گواہی سلطان ولد نذر محمد خاں: رسول خاں جمعدار نے اپنی حیات میں مکان متنازعہ کو صنوبر بیگم کو ہبہ کیا تھا ہبہ تحریری ہوا تھا اور جمعدار صاحب کے دستخط بھی ہوئے تھے ہبہ نامہ تحریر ہونے کے بعد قبضہ دلادیا گیا تھا جمعدار نے قبضہ دلانے سے اول جو کچھ ان کا مال واسباب تھا چوکی میں بھیج دیا تھا۔ مدعا علیہا ۱ کو مدعا علیہا ۲ نے اس مکان میں رکھا ہے خوشحال خاں مدعا علیہا ۲ ان کی والدہ کی اجازت سے رہتے ہیں مکان کو ہبہ ہوئے تیرہ سال ہوتے ہوں گے جمعدار نے اپنے مرنے سے چھ سات اول ہبہ نامہ لکھا تھا تاریخ یاد نہیں مکان متنازعہ کا کوئی حصہ مدعی کے قبضہ میں نہیں ہے مدعی کی والدہ کا سامان بعد قبضہ کے علٰحدہ کردیا میرے سامنے علیحدہ کردیا تھا بعد کو ہم نے دستخط ہبہ نامہ پر کیے تھے۔

ملخص گواہی عبدالمجید خاں: مدعا علیہا ۲ کو جمعدار نے مکان متنازعہ ہبہ کر دیا تھا اندازاً بارہ سال کا عرصہ ہوا جب ہبہ نامہ لکھا گیا تھا اس پر میری شہادت ہوئی تھی اس وقت مدعا علیہ ۲ کا قبضہ بھی مکان متنازعہ پر کرا دیا تھا جمعدار نے اس مکان کو خالی کر کے اپنا کل اسباب دوسرے مکان میں رکھوا دیا اور مستورات کو بھی اس مکان سے علٰحدہ کر دیا اور ہمارے سامنے جمعدار مذکور نے کہا کہ میں نے مدعا علیہا کا قبضہ دلا دیا ہے اور یہ مکان آپ کو دیا مدعا علیہا ۲ اس وقت موجود تھیں اور ان سے یہ سب جمعدار نے کہہ دیا تھا مدعا علیہا کو ہبہ نامہ سپرد کر دیا تھا مکان متنازعہ میں اس وقت سوائے مدعا علیہا کے اور کوئی نہیں تھا اور کوئی ہو تو مجھ کو معلوم نہیں یہ مجھے معلوم نہیں کہ سوائے زوجہ خوشحال خاں و خوشحال خاں مدعا علیہا ۲ اور کون کون مکان مذکور میں رہتا ہے مدعا علیہا ۲ کو جب دستاویز سنائی گئی تو اس وقت مضمون سنا تھا مضمون ہبہ نامہ کا یہ یاد ہے کہ یہ لکھا ہوا تھا کہ اور سب کو تو حصہ دے دیا ہے تم کو اب یہ مکان ہبہ کیا جاتا ہے تم قبضہ کر لو جمعدار نے اردو میں اپنا نام لکھا تھا مجھے نہیں معلوم کہ زوجہ خوشحال خاں و خوشحال خاں مکان متنازعہ میں کس کی اجازت سے رہتے ہیں آیا مدعا علیہا ۲ نے اجازت دی ہے یا نہیں۔

اعتراضات مفتی

سید امیر شاہ کی شہادت، معاینہ قبضہ مدعا علیہا ۲: اوپر مکان متنازعہ فیہ وقت ہبہ کرنے رسول خاں جمعدار کے مکان مذکورہ کو یوں بیان کیا ہے کہ دوسری زوجہ کو جو شامل رہتی تھی علٰحدہ کر کے مسماۃ صنوبر بیگم کو تنہا قبضہ دلا دیا ہے اور رسول خاں کے اسباب سے مکان کو خالی کرنا نہیں بیان کیا ہے اور نہ رسول خاں کا خود علٰحدہ ہونا اس مکان سے بیان کیا ہے حالانکہ تمامیت قبضہ کے لئے واہب کے اسباب مقبوضہ جو اس مکان موہوبہ میں رکھا ہوا ہو اور خود ذات واہب سے اس مکان موہوبہ کا خالی ہونا ضروری ہے ہبہ میں وقت قبضہ کے۔ اور رسول خاں کا اسباب مقبوضہ اس مکان میں ہونا وقت ہبہ گواہوں کی گواہی سے ثابت ہے اور خود رہنا ان کا اس مکان میں سب کو ظاہر ہے اور بہرام خاں کی گواہی سے ثابت ہے کہ جمعدار مرنے تک اسی مکان میں رہے، سید امیر شاہ کی گواہی ہوئی اوپر معاینہ قبضہ ناقصہ کے لہذا انکی شہادت معتبر نہیں ہے۔

سلطان خاں کی گواہی میں اوپر معاینہ قبضہ کے خود نکلنا رسول خاں کا مکان مذکورہ سے واسطے قبضہ دلانے کے بیان نہیں کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ مدعی کی والدہ کا سامان بعد قبضہ کے علٰحدہ کر دیا تھا اس سے یہ معلوم ہوا کہ مدعی کی والدہ کا سامان قبضہ دلانے کے وقت اس مکان میں رکھا تھا بعد کو علٰحدہ کیا گیا اور قبضہ کے وقت مکان موہوبہ مدعی کی والدہ کے سامان مقبوضہ کے ساتھ مشغول تھا، تو یہ بیان بھی

قبضہ ناقصہ کا ہوا لہذا یہ گواہی بھی معتبر نہیں۔
عبد الحمید خاں کی گواہی جو اوپر معاینہ قبضہ کی ہے اس میں یہ نقصان ہے کہ ذات رسول خاں سے خلو اس مکان کا نہیں بیان کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ مکان متنازعہ میں اس وقت سوائے مدعا علیہا کے اور کوئی نہیں تھا اور کوئی ہو تو مجھے معلوم نہیں، اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد الحمید خاں کو پورا علم مکان کے خالی ہونے کا نہ تھا تو یہ گواہی بھی قبضہ ناقصہ کی ہوئی۔ جائز ہے کہ اس مکان میں اور کوئی ہو سوائے موہوب لہا کے اس کے ہونے کے سبب سے قبضہ موہوب لہا کا تام نہ ہوا اور عبد الحمید خاں کی گواہی جو اقرار واہب پر ہے اور ہمارے سامنے جمعدار مذکور نے کہا کہ میں نے مدعا علیہا ۲ کو قبضہ دلادیا تو یہ گواہی اوپر اقرار قبضہ کے اور دونوں گواہوں سابق کی گواہی ہے اوپر معاینہ قبضہ کے اس اختلاف کے سبب سے یہ گواہی عبد الحمید خاں کی مقبول نہیں ہے۔ مثل اور خارجی تحقیقات سے ثابت ہے کہ مدعا علیہا اول اور ان کے شوہر بہرام خاں قدیم سے اس مکان میں رہتے ہیں اور اپنے اموال اور اسباب کے قابض اور متصرف ہیں اس مکان میں اب بھی قبل بھی قابض اور متصرف تھے اور مکان موہوب کا مشغول ہونا قبضہ موہوب لہا کے وقت ایسے اسباب کے ساتھ کہ موہوب لہا کے قبضہ میں نہ ہو دوسرے شخص کے قبضہ میں ہو مانع تمامیت قبضہ ہے اور کسی گواہ نے خلو مکان کا مدعا علیہ ۱ اور اس کے شوہر اور دونوں کے اسباب سے بیان نہیں کیا اس صورت میں بھی مشاہدہ قبضہ ناقصہ کا ہوا کہ مانع ہے تمامیت قبضہ کا، مکان موہوب اگر قبل از ہبہ موہوب لہا کے قبضہ تامہ میں فرض کیا جائے تو انعقاد عقد ہبہ کے لئے صراحۃً قبول کرنا موہوب لہ کا ایجاب ہبہ کو چاہئے فقط قبضہ قائم مقام قبول نہ ہوگا اور عقد ہبہ منعقد نہ ہوگی اس صورت میں سب گواہوں نے یہ بیان کیا رسول خاں نے ہمارے سامنے مکان متنازعہ کو مدعا علیہا ۲ کو ہبہ کیا یہ تو ایجاب ہی ہے اور یہ کسی نے نہیں بیان کیا کہ مدعا علیہا ۲ نے اس ہبہ کو قبول کیا یا نہیں، کیا تو ایجاب ہوئی بغیر قبول صریح کے، تو اس صورت میں عقد ہبہ منعقد نہ ہوا تو وہ مکان ہبہ کے سبب سے مملوک موہوب لہا کا نہ ہوا، گواہان مذکورہ کی گواہی کے نقصانات سے اور مدعی کے متعدد گواہوں کے بیان سے کہ جمعدار کے اکثر اہل وعیال اور زوجات اس مکان متنازعہ فیہ میں حین حیات رسول خاں اور بعد ممات رسول خاں سب مشترک رہتے تھے اور اس مکان میں سب قابض تھے اور قبضہ تامہ جو شرط ہبہ ہے وہ متحقق نہیں ہوا تھا مسماۃ صنوبر بیگم کے واسطے، لہذا میری رائے میں یہ آتا ہے کہ بابت مکان متنازعہ فیہ کا ہبہ مدعا علیہا ۲ کو ثابت نہیں ہے، مکان مذکور میراث کے طور پر وارثان رسول خاں پر تقسیم کیا جائے فقط دستخط مولوی محمد جمل۔

سوال دوم: زید نے مکان کا ہبہ بنام مسماۃ آفریدہ بیگم اپنی ایک زوجہ کے منجملہ ازواج لکھا ہبہ نامہ

کی تحریر کے بعد مکان موہوبہ پر بدستور قبضہ واہب کا تاحیات واہب رہا یعنی واہب مع اپنے اطفال و ازواج کے مع اس زوجہ کے جس کے نام ہبہ لکھا مرتے وقت تک اس مکان میں رہا بعد وفات زید ورثائے زید بالاجمال و بالاشتراک اس مکان پر قابض رہے اب وقت درخواست ہونے تقسیم مکان کے باہم شرکا کے وہ ہبہ ظاہر ہو کر از روئے شرع شریف جائز ہوگی یا ناجائز قرار پائے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) اس مقدمہ میں تحقیق حکم شرعی تنقیح چند مسائل پر موقوف فنقول وباللہ التوفیق (تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔ ت)

مسئلہ اولٰی ہمارے مشایخ مذاہب رحمہم اللہ تعالٰی کو اختلاف ہے کہ قبول بھی مثل ایجاب رکن ہبہ ہے یا نہیں،

مشی علی الاول فی الکافی والکفایۃ والتنویر والدر وھبۃ الھدایۃ وقال الاتقانی انہ قول الامام علاء الدین فی تحفۃ الفقہاء ومشی علی الثانی فی الحصر والمختلف والنھایۃ والدرایۃ والعنایۃ والعینی وعامۃ الشروح قال الاتقانی انہ قول الامام شیخ الاسلام خواھر زادہ فی مبسوطہ وبہ جزم فی کتاب الایمان من الھدایۃ والکرمانی والتاویلات ومحیط السرخسی۔

کافی، کفایہ، تنویر، در اور ہدایہ کے ہبہ میں اول کو اختیار کیا، اور اتقانی نے کہا کہ تحفۃ الفقہاء میں امام علاء الدین نے یہی فرمایا ہے اور حصر، مختلف، نہایہ، درایہ، عنایہ، عینی اور عام شروح میں ثانی کو اختیار کیا۔ اتقانی نے کہا کہ شیخ الاسلام خواہرزادہ نے مبسوط میں یہ فرمایا اور اسی پر ہدایہ کے کتاب الایمان میں اور کرمانی اور تاویلات اور محیط سرخسی نے اعتماد کیا ہے۔ (ت)

اور راجح ومعتمد ومفتی بہ یہ ہے کہ قبول رکن نہیں غایت یہ کہ شرط ثبوت ملک ہو پھر قبضہ کہ مجلس میں ہو اگرچہ بے اذن صریح واہب یا باذن واہب ہو اگرچہ بعد مدت وہ اس قبول کا قائم مقام ہوجائیگا قول حق اور تحقیق یہ ہے کہ قبضہ بنفسہٖ شرط ثبوت ملک ہے اور وہی دلالۃً قبول بھی ہوجائے گا، رہا پیش از قبضہ حاجت اس قدر ہے کہ قبول کا منافی یعنی رَد و امتناع نہ پایا جائے، امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی نے بدائع میں تصریح فرمائی کہ رکنیت قبول قول امام زفر وقیاس ہے اور استحسان عدم رکنیت ہے[1] اور معلوم ہے کہ عمل ہمیشہ استحسان پر ہے الا فی مسائل عدیدۃ لیست ھذہ

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الھبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۱۵
فتح القدیر بحوالہ البدائع " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۸۰

منھا (مگر متعدد مسائل میں، جن میں سے یہ نہیں ہے۔ ت) اور فتاوٰی قاضی خاں و نیز حاوی الفتاوٰی میں قبضۂ موہوب لہ بعد مجلس کو جبکہ باذن واہب ہو مثبت ملک ٹھہرایا اگرچہ موہوب لہ نے قبول کردم نہ کہا ہو اور صراحۃً فرمایا: بہ ناخذ[1] (ہم یہی اختیار کرتے ہیں۔ ت) یہ لفظ اعاظم الفاظ افتا سے ہے کما فی الدر[2] وغیرھا (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے۔ ت)۔ قبضہ اگرچہ قائم مقام قبول ہے مگر قبول رکن ہوتا تو ماورائے مجلس پر موقوف نہ رہ سکتا،

لان الایجاب لفظ واللفظ عرض والعرض لایبقی زمانین فلایکن ارتباط القبول بہ الااذا تحقق فی مجلسہ لان الشرع جعل المجلس جامعا للکلمات۔

کیونکہ ایجاب لفظ ہے اور لفظ عرض ہے اور عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا لہذا قبول کا اس سے ربط نہ ہوگا مگر جبکہ وہ اسی مجلس میں متحقق ہو کیونکہ شریعت نے مجلس کو متفرقات کا جامع قرار دیا ہے۔ (ت)

خود ہدایہ و درمختار وغیرہما عامہ کتب میں تصریح فرمائی کہ اگر زید نے قسم کھائی ہبہ نہ کروں گا پھر عمرو سے کہا یہ شیئ میں نے تجھے ہبہ کی اور عمرو نے ہبہ قبول نہ کیا قسم ٹوٹ گئی کہ ہبہ فقط اس کے ایجاب سے متحقق ہوگیا اگرچہ عمرو نے قبول نہ کیا اور اگر قسم کھائی کہ نہ بیچے گا پھر عمرو سے کہا میں نے یہ شے تیرے ہاتھ بیچی اور عمرو نے قبول نہ کیا قسم نہ ٹوٹی کہ بیع بے ایجاب و قبول دونوں کے متحقق نہ ہوگی تو بے قبول مشتری بیچنا صادق نہ آیا۔ یہ تیسری وجہ اس قول کی ترجیح کی ہے کہ عام کتب معتمدہ حتی کہ ان میں بھی جو رکنیت کی تصریح کرتی تھیں یہ مسئلہ یونہی مسطور ہے جس سے عدم رکنیت روشن و منصور ہے،

اما تعلیل الکفایۃ والکافی الحنث فی الھبۃ بانہ اتی بما ھو مقدورھا والیمین انما تنسحب علی ما ھو فعلہ ولیس الا الایجاب فمنقوض بعدم الحنث فی البیع کما لایخفی فانہ ثمہ ایضا لایقدر

ہبہ کی حنث کی بحث میں کفایہ اور کافی کا یہ علت بیان کرنا کہ وہ اپنا مقدور ہی بجا لاسکتا ہے جبکہ قسم اس کے فعل پر ہی مرتب ہوتی ہے اور صرف ایجاب ہی اس کا فعل ہے، یہ علت بیع میں عدمِ حنث کی وجہ سے سالم نہیں رہے گی جیسا کہ مخفی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الحاوی الفتاوٰی کتاب الہبہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۳۷۷
فتاوٰی قاضی خاں کتاب الہبۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۲

[2] درمختار مقدمۃ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

الا علی الایجاب و لا یحنث به فیه وفاقا[1]

نہیں، کیونکہ یہاں بھی وہ صرف ایجاب پر قادر ہے حالانکہ اس میں بالاتفاق ایجاب سے حنث نہیں ہے (ت)

نتائج الافکار میں ہے:

فی البدائع اما رکن الهبة فهو الایجاب من الواهب فاما القبول من الموهوب له فلیس برکن استحسانا والقیاس ان یکون رکنا وهو قول زفر وفی قول قال القبض ایضا رکن[2] الخ۔

بدائع میں ہے لیکن ہبہ میں رکن وہ واہب کا ایجاب ہے جبکہ موہوب لہ کا قبول کرنا استحسانًا رکن نہیں ہے حالانکہ قیاس اس کے رکن ہونے کا مقتضی ہے امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی کے ایک قول میں ہے کہ قبضہ بھی رکن ہے الخ (ت)

عالمگیری میں ہے:

لوقال وهبت منك هذا العبد والعبد حاضر فقبضه جازت الهبة وان لم یقل قبلت کذا فی الملتقط، ولوکان العبد غائبا فقال له وهبت منك عبدی فلانا فاذهب واقبضه فقبضه جاز وان لم یقل قبلت وبه ناخذ کذا فی الحاوی للفتاوی[3]

اگر کسی نے کہا میں نے تجھے یہ عبد حاضر ہبہ کیا تو اس نے قبضہ کرلیا تو ہبہ جائز ہوجائیگا اگرچہ موہوب لہ نے قبول کرنے کا قول نہ کیا ہو، ملتقط میں یوں ہے اور اگر عبد غائب ہو تو یوں کہا کہ میں نے اپنا فلاں عبد تجھے ہبہ کیا تو جاکر قبضہ کرلے اس نے قبضہ کرلیا تو ہبہ جائز ہوگا اگرچہ موہوب لہ نے "میں نے قبول کیا" نہ کہا ہو، ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے حاوی للفتاوی میں یونہی ہے (ت)

اسی طرح فتاوی امام اجل قاضی خاں[4] میں ہے۔

اقول وبما قررنا ظهر ما فی

اقول (میں کہتا ہوں) ہم نے جو تقریر کی اس سے

---

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار کتاب الهبة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۸۰

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

[3] فتاوی ہندیہ الباب الثانی فیما یجوز من الهبة و ما لایجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۷

[4] فتاوی قاضیخان کتاب الہبہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۶

المحیط من انه لایشترط فی الھبۃ القبول وان استشکلہ فی البحر وذٰلک لانہ ان اس ید خصوص القبول بالقول فغیر لازم قطعا وان اکتفی بالقبول دلالۃ فاشتراط القبض مغن عنہ فانہ یدل علیہ فلایکون شرطا بحیالہ نعم یشترط ان لایوجد منافیہ کما اشرنا الیہ۔

محیط میں بیان کردہ یہ بات واضح ہوگئی کہ ہبہ میں قبول کرنا شرط نہیں ہے اگرچہ بحر میں اس پر اشکال کیا ہے، یہ اس لئے کہ اگر قبول سے مراد خاص زبانی قبول کا لفظ کہنا مراد ہو تو یہ قطعاً ضروری نہیں ہے اور اگر دلالۃً قبول کرنا مراد ہے تو قبضہ کی شرط اس کو کافی ہے کیونکہ قبضہ قبول کرنے پر دال ہے لہذا ہبہ میں قبول کرنا کسی طرح شرط نہ ہوگا، ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ وہاں قبولیت کے منافی کوئی چیز نہ پائی جائے جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔(ت)

شرعاً وعقلاً وعرفاً جب تک مالک مکان خود مکان میں ہو اسی کا قبضہ ہے اس کا مال اسباب رکھا ہو تو اسی کا قبضہ ہے اس کے اہل وعیال رہتے ہوں تو اسی کا قبضہ ہے ولہذا اگر مکان ہبہ کیا اور ہنوز خود واہب یا اس کا اسباب یا اہل وعیال مکان میں ہیں ان سے تخلیہ نہ کیا اور موہوب لہ سے کہتا ہے میں نے تجھے قبضہ دیا تو اس کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایصح قولہ اقبضھا وسلمت اذا کان الواھب فیہ او اھلہ او متاعہ کذا فی التاتارخانیۃ[1]

جب واہب خود یا اس کے اہل وعیال یا اس کا سامان مکان میں موجود ہو تو واہب کا یہ کہنا کہ قبضہ کرلو یا میں نے سپرد کردیا، مکان کے قبضہ کیلئے صحیح نہ ہوگا، تاتارخانیہ میں یوں ہے(ت)

اسی طرح اگر کوئی شخص مالک کی اجازت سے عاریۃً یعنی بے اُجرت رہتا ہے تو جب بھی مکان قبضۂ مالک ہی میں ٹھہرے گا کہ مرتہن یا مستاجر کی طرح اس کا قبضہ مستقلہ نہیں بلکہ قبضۂ مالک ہی کی فرع اور اسی سے مستفاد ہے تو اس کا نافی نہ ہوگا بلکہ اس کی تقریر وتاکید کرے گا ولہذا اگر مکان جس میں بلا اجرت اور لوگوں کو سکونت دے رکھی ہے مالک نے اپنے نابالغ بچہ کو ہبہ کیا ہبہ کرتے ہی مِلکِ پسر ہوگیا ان لوگوں سے تخلیہ درکار نہیں کہ ان کا قبضہ خود قبضۂ واہب ہے اور اپنے ولدِ صغیر کو ہبہ کرنے میں خود اپنا ہی قبضہ مطلوب ہے، امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

لو وهب من ابنه الصغير دارًا والاب ساكنها ومتاعه فيها جازت الهبة، وملكها الابن بمجرد قوله وهبتها له لانها في يده وسكناه ومتاعه فيها لاينا في يده بل يقررها فتكون هي في قبضه وهو الشرط، و لو كان يسكنها غيره باجر لا يجوز لما ذكرنا ان في الغاصب والمرتهن والمستاجر ان كل واحد منهم قابض لنفسه و عامل لنفسه بخلاف المودع لان يده يد المالك) وان كان بغير اجر جازت الهبة و ملكها الابن بمجرد العقد ذكره محمد رضی الله تعالٰی عنه في المنتقی۔[1]

اگر باپ نے اپنے نابالغ بیٹے کو مکان ہبہ کیا حالانکہ باپ اس میں سکونت پذیر ہے یا باپ کا سامان اس میں موجود ہے تو ہبہ جائز ہوگا اور یہ کہہ دینے سے کہ میں نے بیٹے کو یہ مکان ہبہ کیا بیٹا مالک ہوجائیگا کیونکہ نابالغ کے لئے باپ کا قبضہ ہی کافی ہونے کی وجہ سے مکان میں باپ کی رہائش اور سامان قبضہ کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ قبضہ کا ثبوت ہے لہذا یہ بیٹے کے قبضہ میں ہے یہی قبضہ شرط ہے اور اگر اس مکان میں باپ کا غیر کوئی کرایہ دار ہو تو یہ قبضہ ہبہ کے لئے صحیح نہ ہوگا، اس کی وجہ ہم نے ذکر کردی ہے یعنی غاصب، رہن لینے والے، اُجرت پر لینے والے' کے بارے میں ذکر کیا کہ یہ لوگ اپنی ذات کے لئے قابض اور عامل ہوتے ہیں، اس کے بخلاف امانت پاس رکھنے والا، کہ اس کا قبضہ امانت کے طور پر مالک کا قبضہ قرار پاتا ہے، اور اگر باپ کے ہبہ کردہ مکان میں کوئی دوسرا بغیر کرایہ رہائش پذیر ہے تو مذکورہ صورت میں ہبہ جائز اور ہبہ کردینے سے نابالغ بیٹا مالک قرار پائے گا۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اس کو منتقٰی میں ذکر فرمایا ہے۔ (ت)

اور قبضہ دلانے کے معنی شرعًا وعقلًا وعرفًا یہی ہیں کہ اپنا قبضہ اٹھا کر اس کا قبضہ کرادیا جائے ورنہ جب تک اپنا قبضہ موجود ہے اس کا قبضہ کیونکر ہوگا کہ شیئ اپنے منافی کے ساتھ جمع نہیں ہوتی آخر نہ دیکھا کہ جب تک تخلیہ تامہ نہ ہو واہب کے اس قول کو کہ میں نے تجھے قابض کردیا صحیح نہ مانا اور کلام مدعی کا ہو خواہ شاہد خواہ کسی عاقل کا' وہ معنی صحیح ہی پر محمول ہوگا۔ جامع الفصولین فصل اربعین میں ہے؛

مطلق كلام العاقل او تصرفه يحمل على الصحة بقضية الاصل وكذا

عاقل کے کلام اور تصرف کو اصل قاعدہ کے مطابق صحت پر محمول کیا جائے گا اور یوں ہی اس کی

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الہبہ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۹۵، ۹۶

الشھادۃ علی ھذا[1] — شہادت کو بھی۔ (ت)

تو گواہ جب شہادت دیں کہ واہب نے ہبہ کیا اور قبضہ کرادیا اس کے یہی معنٰی ہیں کہ اپنا قبضہ اٹھا کر موہوب لہ کو قابض کر دیا اور اوپر معلوم ہو چکا کہ جب تک وہ خود یا اس کا اسباب یا اہل وعیال یا کوئی ساکن جو بلا اجر اس کی اجازت سے رہتا ہو مکان میں موجود ہے واہب کا قبضہ نہ اٹھا تو قبضہ دلانا صادق نہ ہوا حالانکہ شہود قبضہ دلانے کی گواہی دے رہے ہیں تو بالضرورت اس شہادت کے یہی معنی ہیں کہ تخلیہ تام ہولیا اور واہب و متاعِ واہب و اہل وعیالِ واہب وغیرہم جملہ مذکورین جن کی بقا قبضۂ واہب کی بقا ہو اس وقت مکان میں نہ تھے بالجملہ قبضہ دلانے کی شہادت بعینہٖ تخلیہ وفراغ کی شہادت ہے جس کے بعد اس کے ذکر صریح کی اصلاً حاجت نہیں جس طرح حاکم کے حضور نکاح کی گواہی میں شہود کا اتنا کہنا کافی ہے کہ فلاں مدعی نے فلاں مدعاعلیہا سے نکاح کیا تمام شرائط کی تفصیل کہ اس وقت دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ سامع فاہم موجود تھے اور مجلس واحد میں انھوں نے ایجاب وقبول سُنے وغیرذٰلک بیان کرنے کی حاجت نہیں لان الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ (کیونکہ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے لوازمات سمیت ثابت ہوتی ہے۔ ت)

ولہذا شہادت ہبہ خواہ دعوی ہبہ کی تصویروں میں جہاں دیکھئے علمائے کرام قدست اسرارہم نے اسی قدر پر قناعت فرمایا ہے کہ ہبہ کیا اور قبضہ دے دیا اس کے ساتھ یہ نہیں بڑھاتے کہ اور واہب خود بھی مکان سے الگ ہو گیا اور اپنا مال واسباب بھی نکال لیا اور اپنے اہل وعیال کو بھی جدا کر دیا اور جو لوگ بلا اجارہ اجازۃً رہتے تھے ان کو بھی ہٹا دیا اس کے بعد قبضہ کرایا، تو وجہ وہی ہے کہ یہ سارا بیان اُتنے کہنے میں آگیا کہ قبضہ کرادیا جیسے جملہ شرائطِ نکاح اس لفظ میں آگئے کہ نکاح کیا جامع الفصولین آخر فصل ۱۱ میں ہے:

شھد احدھما کہ ایں بخواست ایں زن را وشھد الاٰخر کہ ایں زن خود را بایں داد تقبل[2] — ایک نے شہادت دی کہ اس نے عورت کو نکاح کی پیشکش کی ہے اور دوسرے نے یوں شہادت دی کہ عورت نے خود اپنے آپ کو اس کے نکاح میں دیا تو یہ شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

قال ھذہ امرأتی او قال ھذہ منکوحتی وشھد وانہ کاف تزوجھا تقبل — مرد نے کہا یہ میری بیوی ہے، یا کہا میری منکوحہ ہے اور گواہوں نے شہادت میں کہا کہ اس نے اس

---

[1] جامع الفصولین — الفصل الاربعون — اسلامی کتب خانہ کراچی — ۲/۳۳۲

[2] " — الفصل الحادی عشر — " " " — ۱/۱۶۸

هذہ الشہادۃ۔[1] سے نکاح کیا تو یہ شہادت قبول ہوگی۔(ت)

بلکہ عالمگیری میں اسی سے ہے :

شہدوا انہا امرأتہ وحلالہ ولم یذکروا العقد المختار انہ یجوز۔[2]

گواہوں نے کہا یہ اس کی بیوی ہے اور اس کے لئے حلال ہے اور نکاح کا ذکر نہ کیا تو مختار مذہب ہے کہ یہ شہادت جائز ہے۔(ت)

خانیہ پھر ہندیہ ج ۳ ص ۵۰۱ میں ہے :

ادعی دارا فی ید رجل انہا لہ فجاء بشاہدین وشہدا ان فلانا وہبہا لہ وقبضہا منہ وھو یملکہا[3] الخ۔

کسی شخص کے مقبوضہ مکان کے متعلق ایک شخص نے دعوی کیا کہ یہ میرا ہے اور اس پر دو گواہ پیش کئے جنھوں نے شہادت دی کہ یہ مکان مدعی کو فلاں شخص نے ہبہ کیا اور اس نے اس سے قبضہ لیا تو مدعی مالک ہوگا الخ۔(ت)

ایضاً صفحہ ۵۱۱ :

شہد احدھما ان المدعی اقرانہ وھبہ للذی فی یدیہ وقبضہ منہ وشہد الاخر انہ اقرانہ نحلہ للذی فی یدیہ وقبضہ[4] (ای تقبل)۔

ایک گواہ نے کہا کہ مدعی نے اقرار کیا کہ قابض نے یہ مکان اسے ہبہ کیا ہے اور اس نے قبضہ لیا ہے جبکہ دوسرے گواہ نے کہ اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس نے یہ مکان قابض کو عطیہ دے کر قبضہ دیا ہے تو شہادت قبول کی جائیگی۔(ت)

ایضاً ج ۴ ص ۸۷ :

ادعی الھبۃ مع القبض[5] الخ ایضا ادعی ان فلانا وھبہا لہ وقبضہا منہ[6]

ہبہ مع قبضہ کا دعوی کیا الخ، نیز دعوی کیا کہ فلاں نے اسے ہبہ کیا اور قبضہ اس نے لے لیا،

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الشہادات باب الاختلاف بین الدعوی والشہادۃ قلمی نسخہ ۲/۱۱۳

[2] فتاوی ہندیہ " " الباب السابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۵۰۳

[3] " " کتاب الشہادات الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۵۰۱

[4] " " " الباب الثامن " " " " ۳/۵۱۱

[5] " " " کتاب الدعوی الباب التاسع " " " ۴/۸۷

[6] " " " " " " " " " ۴/۸۷

ایضا دعوی الھبۃ والصدقۃ مع القبض فیھما مستویان[1]

نیز ہبہ اور صدقہ کے دعوی کے ساتھ قبضہ لینے کا دعوٰی ہو تو دونوں کا حکم مساوی ہے۔(ت)

فتاوٰی قاضی خاں:

دار فی ید رجل فاقام رجل البینۃ انہ اشتراھا من فلان غیر ذی الید بالف درھم وھو یملکھا ونقدہ الثمن واقام اٰخر البینۃ ان فلانا اٰخر وھبھا منہ وقبضھا[2]

ایک شخص کے مقبوضہ مکان کے متعلق دوسرے نے گواہ پیش کئے کہ یہ مکان میں نے قابض شخص کے غیر سے ہزار روپے کے عوض خریدا ہے جس کا وہ مالک ہے، اور اس کی قیمت نقد ادا کی ہے اور دوسرے ایک شخص نے اسی مکان کے متعلق گواہ پیش کئے کہ فلاں دوسرے شخص نے یہ مکان مجھے ہبہ کیا اور قبضہ دیا ہے۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں سید امیر شاہ و عبدالمجید خاں کی شہادتیں کہ ہبہ و معاینہ قبضہ کی ہیں قبضہ تامہ بتا رہی ہیں اور ان پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتے کہ رسول خاں کی ذات و متاع سے تخلیہ نہ بیان کیا بیشک بیان کیا کہ قبضہ دلانے کے خود یہی معنی ہیں، یونہی بہرام خاں اور اس کی زوجہ اور ان کے اسباب سے بھی تخلیہ اسی میں آگیا کہ جو باجازت مالک بلا اجرت رہتا ہو اس کا قبضہ بھی قبضہ مالک ہے تو قبضہ دلانا اس سے تخلیہ کو مستلزم کما حققنا اٰنفا (جیسا کہ ابھی ہم نے تحقیق کی ہے۔ت) بلکہ زیادات صاحب محیط و فصول عمادی و بحر الرائق و منح الغفار و درمختار و عالمگیری وغیرہا معتمدات میں تو یہاں تک تصریح ہے کہ غیر واہب کے ملک و اسباب سے موہوب کا مشغول ہونا تمامی ہبہ کا سرے سے مانع ہی نہیں، فصول و ہندیہ میں ہے:

اشتغال الموھوب بملك غیر الواھب ھل یمنع تمام الھبۃ ذکر صاحب المحیط فی الباب الاول من ھبۃ الزیادات انہ لایمنع[3]

کسی موہوب چیز کا واہب کے غیر کی ملکیت میں مصروف ہونا کیا ہبہ کے تمام ہونے سے مانع ہے، صاحب محیط نے زیادات کے ہبہ کے باب اول میں ذکر کیا کہ مانع نہیں ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸۷

[2] فتاوٰی قاضیخاں 〃 فصل فی دعوی الملك بالسبب نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۸۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفصول العمادیۃ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

درمختار میں ہے :

26 شغلہ بغیر ملك واھبہ لایمنع تمامھا[1] | واہب کی ملکیت کے غیر میں مصروف ہونا مانع نہیں ہے۔ (ت)

اور جب کہ کلام شاہد اس حکم سے کہ ہم بیان کرچکے جملہ موانع صحت ارتفاع پر محمول اور وقت قبضہ مجرد کسی شخص غیر موہوب لہ کا مکان میں موجود ہونا مانع تمامی قبضہ نہیں جب کہ نہ وہ قبضہ مستقلہ رکھتا ہو جیسے مرتہن ومستاجر، نہ اس کا قبضہ قبضہ مالک ہو جیسے اہل وعیال ومودع ومستعیر کہ مانع قبضہ غیر ہے نہ کہ مجرد وجود غیر، اور ہر شخص کہ مکان میں ایک ساعت کے لئے موجود ہو مکان کا قابض نہیں کہلاتا کیا سائل کہ سوال کے لئے آئے یا نوکر یا ملاقات کے لئے آنے والا دوست وغیرہم قابضان مکان گنے جاتے ہیں، ہرگز نہیں، عبدالمجید خاں کا کہنا کہ اس وقت سوا مدعا علیہا کے اور کوئی نہ تھا اور کوئی ہو تو مجھے معلوم نہیں ہرگز شہادت قبضہ تامہ میں خلل انداز نہیں، ہاں اگر وہ یہ کہتا کہ اس وقت اور کسی کا بھی قبضہ ہو تو مجھے معلوم نہیں تو بیشک بیان اول کے منافی ہوتا۔ قبضہ صنوبر بیگم کی شہادت تو وہ صاف ادا کرچکا جس کے یہی معنی ہیں کہ اور کوئی قابض نہ تھا پھر کسی غیر قابض کا ہونا نہ ہونا اگر اسے معلوم نہ ہو بلکہ پچاس اشخاص غیر قابضین کا ہونا معلوم ہو تو کیا ضرر ہے، کیا موہوب لہ کے قبضہ لیتے وقت اگر اس کے نوکر چاکر یا عزیز اقربا یا تحمل شہادت کے لئے بعض اہل محلہ وغیرہم ساتھ ہوں تو قبضہ تامہ نہ ہوگا کس نے لازم کیا ہے کہ موہوب لہ اس وقت تنہا مکان میں چھوڑ دیا جائے کوئی فرد بشر اس کے پاس نہ جانے پائے، اور جب یہ دونوں شہادتیں معاینہ قبضہ کی ہیں اور معاملہ ہبہ کا ہے تو مدت میں اختلاف کہ ایک چھ سات سال دوسرا بارہ سال بتاتا ہے کچھ مضر نہیں۔ فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے :

ان اختلفوا فی عقد لایثبت حکمہ الا بفعل القبض کالھبۃ والصدقۃ والرھن فان شھدوا علی معاینۃ القبض واختلفوا فی الایام والبلدان جازت شھادتھم فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھما ولو شھدوا علی | ایسا عقد جس میں قبضہ کے عمل کے بغیر حکم ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ہبہ، صدقہ اور رہن تو اس میں اگر گواہوں نے قبضہ دیکھنے کی شہادت دی اور وقت اور مقام میں گواہوں کا اختلاف ہوا ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ شہادت قبول کی جائے گی اور گواہوں نے

---

[1] درمختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۵۹

اقرار الراهن والمتصدق والواهب بالقبض جازت الشہادۃ فی قولہم۔[1]

واہب، صدقہ کرنے والے اور راہن کے اس اقرار پر کہ قبضہ دے دیا تو بالاتفاق سب کے قول میں یہ شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

فتاوٰی صغرٰی میں ہے :

لوشہد ابرھن واختلفا فی زمانہ اومکانہ وھما یشہدان علی معاینۃ القبض تقبل وکذا شراء وھبۃ وصدقۃ۔[2]

اگر دونوں گواہوں نے رہن رکھنے کی شہادت دی اور مکان و زمان میں اختلاف کیا تو قبضہ دیکھنے کی گواہی دی تو شہادت مقبول ہوگی اور یونہی خریداری، صدقہ اور ہبہ کا حکم ہے۔ (ت)

بالجملہ یہ دونوں شہادتیں ہبہ ہونا اور صنوبر بیگم کا قبضہ تامہ ہوجانا بروجہ کافی بیان کررہی ہیں ان کے مقابل جانب مدعی کی شہادت کہ واہب کا اسباب مقبوضہ وقت ہبہ اس مکان میں تھا یہ تو اصلاً وارد نہیں کہ موہوب کا وقت ہبہ ملک واہب سے خلو ضرور نہیں وقت قبضہ موہوب لہ ضرور ہے اور وقت ہبہ وقت قبضہ سے مقدم ہے تو اس شہادت کو ان شہادات سے کچھ مس نہیں اور یہ شہادتیں کہ واہب تادم مرگ اس مکان میں رہا یا بہرام خاں اور اس کی زوجہ ہمیشہ سے اس میں رہتی ہیں، ان کا حاصل اگر ہے تو اتنا کہ تخلیہ ہوا صنوبر بیگم کا قبضہ تامہ نہ ہوا تو یہ سب شہادتیں نفی پر ہیں اور نفی پر شہادت مقبول نہیں جب تک متواتر نہ ہو جسے شہر کا ہر چھوٹا بڑا ہر عالم جاہل جانتا ہو اور عام لوگوں کی گواہیاں اس پر گزر جائیں۔ فتاوٰی صغری و جامع الفصولین و معین الحکام میں ہے :

لاتقبل لانہا قامت علی النفی لان قولہما کان فی مکان کذا نفی معنی ولوکان اثباتا صورۃ اذا الغرض نفی ماقامت علیہ البینۃ الاولٰی۔[3]

شہادت قبول نہ کی جائیگی کیونکہ یہ نفی پر شہادت ہے کیونکہ گواہوں کا کہنا کہ فلاں مکان میں تھا، اگرچہ یہ صورۃً اثبات ہے مگر معنیً غرض یہ ہے کہ پہلی گواہی سے جو چیز ثابت ہوتی ہے اس کی نفی کی جائے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۰۹
[2] فتاوٰی صغرٰی
[3] جامع الفصولین بحوالہ فتاوٰی صغرٰی الفصل الثانی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۲

عالمگیری میں ذخیرہ سے ہے:

الاان تاتی العامۃ وتشھد بذلک فیؤخذ بشھادتھم[1]

مگر عام لوگ بتائیں تو اس پر لی گئی شہادت قبول ہوگی۔ (ت)

نیز ان دونوں میں ہے:

الاان تکون ظاھرا استفیضا یعرفہ کل صغیر وکبیر وکل عالم وجاھل[2]

مگر ظاہر مشہور کہ ہر چھوٹا بڑا، عالم وجاہل اسے جانتا ہو۔ (ت)

اور یہاں مستفیض متواتر شہادتیں خاص اس امر پر گزرنی درکار تھیں کہ وقت قبضہ صنوبر بیگم رسول خاں یا اس کا اسباب اس مکان میں موجود تھا یا فلاں لوگوں کا قبضہ تھا ورنہ یہ مجمل بات کہ فلاں ہمیشہ سے اس میں رہتے ہیں یا مرتے دم تک رہے اصلاً کافی نہیں کہ ان شہادتوں کی بنا استصحاب حال پر ہوگی اور موہوب لہا کی شہادتیں خاص اس وقت تخلیہ تامہ بتا رہی ہیں تو وہ شہادات ان کے معارض نہیں ہوسکتیں کہ تخلیہ صرف ایک ساعت خفیفہ وقت قبضہ ضرور تھا اس کے بعد عمر بھر خود رسول خاں کا قبضہ باجازت صنوبر بیگم خواہ بلااجازت غصباً رہے تو جو ملک کہ صنوبر بیگم کے لئے بعد ہبہ قبضہ تامہ سے ثابت ہولی زائل نہیں ہوسکتی کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) جامع الفصولین اواخر فصل عاشر میں ہے:

ادعی دارا انی اشتریتہ من ابیک وبرھن ذوالید انہ ملک ابیہ الی یوم موتہ ومات وترکہ میراثا لاتقبل بینتہ لانھم شھدوا باستصحاب الحال والمدعی اثبت الزوال[3]

کسی نے ایک شخص کے مقبوضہ مکان پر دعوٰی کیا یہ مکان میں نے تیرے والد سے خریدا ہے جبکہ قابض کہتا اور شہادت پیش کرتا ہے کہ یہ موت تک میرے والد کی ملکیت رہا اور اس نے اپنی موت پر اس کو بطور ترکہ میراث چھوڑا ہے، تو قابض کی یہ شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ یہ سابقہ حال پر شہادت ہے جبکہ مدعی ملکیت کے زوال کو ثابت کررہا ہے۔ (ت)

اور جب کہ شہادتیں صنوبر بیگم کو بعد ہبہ قبضہ دلانا بیان کررہی ہیں تو قبول صنوبر بیگم اصلاً ضرور نہیں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۱۴

[2] " " " " ۳/ ۵۱۶

[3] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰

شہادتوں میں اس کا عدم بیان درکنار اگر بیان عدم ہوتا جب بھی مضر نہ تھا کہ قبضہ جو مجلسِ ہبہ میں ہوا اگرچہ بے اذن واہب یا باذنِ واہب ہوا اگرچہ مجلسِ ہبہ کے بعد وہ مطلقاً مثبت ملک موہوب لہ ہو اور یہی دلیل قبول ہے اگرچہ موہوب لہ نے صراحۃً قبول ہبہ نہ کیا ہو۔ شلبی علی التبیین میں امام قاضی خاں سے اور حاوی الفتاوٰی و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

وھذا نص الھندیۃ لو قال وھبت منك ھذا العبد والعبد حاضر فقبضہ جازت الھبۃ وان لم یقل قبلت کذا فی الملتقط، ولو کان العبد غائبا فقال لہ وھبت منك عبدی فلانا فاذھب واقبضہ فقبضہ جاز وان یقل قبلت و بہ ناخذ کذا فی الحاوی للفتاوی[1]

یہ ہندیہ کی عبارت ہے، اگر کسی نے کہا یہ عبد میں نے تجھے ہبہ کیا، عبد حاضر تھا موہوب لہ نے اسی وقت عبد کو قبضہ میں لے لیا تو ہبہ صحیح ہوجائیگا اگرچہ زبانی "میں نے قبول کیا" نہ کہا ہو جیسا کہ ملتقط میں ہے اور اگر عبد غائب اور کہا فلاں عبد میں نے تجھے ہبہ کیا جاکر قبضہ کرلو پس اس نے قبضہ کرلیا تو اگرچہ زبانی قبول کرنے کی بات نہ کی ہو تو بھی ہبہ جائز ہے، ہمارا یہی مختار ہے۔ الحاوی للفتاوی میں یوں ہے۔(ت)

اسی طرح امام فقیہ النفس قاضیخاں نے اسے بہ ناخذ (ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں۔ت) فرمایا، سوال میں بیان گواہان کا خلاصہ لکھا ممکن کہ پورا بیان دیکھنے سے کوئی اور بات پیدا ہو مگر جس قدر خلاصہ ہمارے سامنے پیش ہوا اس میں سید امیر شاہ و عبدالمجید خاں کی شہادتیں اعتراضات سے پاک ہیں اگر بیان کامل میں کوئی بات مضر شہادات نہیں اور یہ دو گواہیاں قابل قبول شرع اور بروجہ شرعی گزرگئی ہوں تو ضرور ہبہ مکان بحق صنوبر بیگم ثابت ہے اور مکان تقسیم سے بری۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) سائل کو تحریر ہبہ نامہ سے اعتراف ہے قبضہ موہوب لہ میں کلام ہے اور قاضی ریاست نے مدعیہ ہبہ و قبضہ کا دعوٰی سماعت کیا اور اس پر گواہ لئے جیسا کہ سوال اول سے ظاہر ہے اور ہم اس کے جواب میں واضح کر آئے کہ ان میں دو شہادتیں اگر بروجہ مقبول شرعی گزری ہوں تو ہبہ تام و ثابت ہے اور ساعت قبضہ موہوب لہا سے پہلے اور بعد آج تک اور دن کا اس میں رہنا بسنا قابض

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۷
[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الہبہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۹

ہونا مخل صحت ہبہ نہیں تو اس تقدیر پر اس سوال دوم کے لئے کوئی منشا باقی نہیں، ہاں اگر یہ گواہیاں شرعاً مخدوش و نامقبول ہوں تو ان گواہیوں پر کہ اب تک واہب کا قبضہ رہا اب بھی التفات نہ ہوگا کہ شہادت علی النفی معتبر نہیں بلکہ مدعیہ ہبہ کی درخواست پر خواہندۂ تقسیم سے حلف لیا جائے گا کہ اس کے علم میں واہب نے کبھی موہوب لہا کو قبضہ نہ دلایا اگر وہ حلف سے انکار کرے گا ہبہ ثابت ہوجائے گا اور حلف کرے گا تو ہبہ غیر ثابت قرار پاکر مکان میں سے اس خواستگار تقسیم کا حصہ جدا کر دیا جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۲: از ریاست رامپور بنگلہ آزاد خاں مرسلہ مفتی لطف اللہ صاحب خلف مفتی محمد سعد اللہ صاحب ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ

بخدمت مبارک جناب مولانا مخدوم و مکرم ذی المجد والکرم جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب دام مجدکم! بعد سلام مسنون التماس ہے کہ ایک شخص نے دعوی عاریت زیور کا کیا ہے اس میں صفت وزن اور قیمت کا اظہار کیا ہے شہود نے مطابق گواہی دی ہے لیکن وزن نہیں بیان کیا ہے اسی نقصان کے نظر سے شہادت مقبول نہیں ہوئی ہے مدعی عذر دار نے روایت ذیل فتاوی عالمگیری میں پیش کی ہے:

ان وقعت الدعوی فی عین غائب لایدری مکانہ بان ادعی رجل علی رجل انہ غصب منہ ثوبا او جاریۃ و لا یدری انہ قائم او ھالك ان بین الجنس والصفۃ والقیمۃ فدعواہ مسموعۃ و بینتہ مقبولۃ۔[1]

اگر کسی ایسی چیز کے متعلق دعوٰی ہو جو غائب ہو اور معلوم نہ ہو کہ کہاں ہے یوں کہ کسی نے دوسرے کے خلاف دعوٰی کیا کہ اس نے میرا کپڑا یا لونڈی غصب کر رکھی ہے معلوم نہیں کہ موجود ہے یا ضائع ہوگئی ہے اور مدعی نے اس پر شہادت میں جنس، صفت اور قیمت بیان ہو تو اس کا دعوٰی مسموع اور گواہی مقبول ہوگی۔ (ت)

ظاہر ہے کہ روایت ہذا متعلق بہ غصب ہے کیا یہی حکم عاریت میں بھی جاری ہوسکتا ہے یعنی مثل غصب کے عاریت میں بھی اگر شہود وزن کا ذکر نہ کریں گے جب بھی شہادت مقبول ہوگی چونکہ نظر عالی نہایت وسیع ہے اور محققانہ مسلک ہے لہذا آپ کی خدمت باعظمت میں تصدیعہ دیا جاتا ہے کہ جواب باصواب سے آگاہ فرمایا جائے مقدمہ کی تاریخ ۱۱ دسمبر ۱۹۰۸ء مقرر ہے، امید کہ ورود جواب سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵

قبل میعاد شرف حاصل ہوگا۔

خاکسار نیازمند دیرین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) از ریاست رام پور ۸ دسمبر ۱۹۰۸ء

الجواب

اللھم لک الحمد (یا اللہ! تمام حمدیں تیرے لئے ہیں۔ت) اصل مقصود دعوی وشہادت دونوں میں تعیین مدعی بہ ہے کہ قضا ممکن ہو فان القضاء بمجھول غیر معقول (مجہول چیز کا فیصلہ عقل کے خلاف ہے۔ت) درمختار میں ہے:

شرطھا ای شرط جواز الدعوی معلومیۃ المال المدعی اذ لا یقضی بمجھول[1]۔

اس کی شرط یعنی دعوی کی شرط یہ ہے کہ وہ مال معلوم ہو جس کا دعوی کیا گیا ہے کیونکہ مجہول چیز کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ (ت)

پھر جو شَے حاضر ہو اس کی طرف اشارہ تعیین کے لئے کافی ہے۔ جامع الفصولین میں ہے:

تسمع الدعوی بحضرتہ عند الاشارۃ الیہ وحینئذ یستغنی عن ذکر الاوصاف والوزن والنوع[2]۔

مدعٰی کے حاضر ہونے پر اس کی طرف اشارہ سے دعوی مسموع ہوگا اور اس صورت میں دعوٰی میں چیز کے اوصاف، وزن اور اس کی نوعیت بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ (ت)

اسی میں ہے:

لوکان عینا حاضرا لایشترط ذکر اوصافہ[3]۔

اگر کسی موجود حاضر چیز سے متعلق دعوٰی ہو تو اس کے اوصاف کو ذکر کرنا شرط نہیں (ت)

یہاں تک کہ وزن بیان نہ کرنا درکنار اگر غلط وخلاف واقع بیان کیا ضرر نہ کرے گا لان التسمیۃ تلغو عن الاشارۃ (کیونکہ اشارہ کی وجہ سے اوصاف کا ذکر لغو ہوجاتا ہے۔ت) بزازیہ میں ہے:

ادعی حدیدا وذکر انہ عشرۃ امناء فاذا ھو عشرون او ثمانیۃ تقبل الدعوی

حاضر لوہے کو اشارہ کرکے دعوٰی کیا اور بیان کیا کہ یہ دس من ہے جبکہ وہ بیس من یا آٹھ من نکلا تو

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۵

[2] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۷

[3] " " " " " ۱/ ۷۹

والشھادۃ لان الوزن فی المشار الیہ لغو[1]

دعوٰی اور شہادت دونوں مقبول ہیں کیونکہ مشار الیہ چیز میں وزن کا بیان لغو ہوتا ہے۔(ت)

اور جو شئی حاضر نہ ہو اس میں جنس وقدر، بالجملہ اس قدر اشیاء کا بیان ضروری ہے جن سے اس کی پُوری تعیین بقدرِ امکان واحتیاج حاصل ہو، کنز الدقائق و تبیین الحقائق میں ہے:

(لایصح الدعوی حتی یذکر شیئا علم جنسہ وقدرہ) لان فائدتھا الالزام بواسطۃ الاشھاد ولایتحقق الاشھاد ولا الالزام فی المجھول فلایصح[2]

کوئی دعوٰی صحیح نہیں ہوتا جب تک شئی کو ذکر کرکے اس کی جنس اور قدر کو بیان نہ کیا جائے کیونکہ دعوے کا مفاد گواہی کے ذریعے الزام ثابت کرنا ہے جبکہ الزام اور گواہی مجہول چیز میں متحقق نہیں ہوسکتے اس لئے دعوٰی صحیح نہ ہوگا۔(ت)

قرۃ العیون میں ہے:

معلومیۃ المال المدعی ای ببیان جنسہ وقدرہ بالاجماع لان الغرض الزام المدعی علیہ عند اقامۃ البینۃ ولا الزام فیما لایعلم جنسہ وقدرہ[3]

جس مال کا دعوٰی ہو اس کا جنس اور مقدار بیان سے معلوم ہونا بالاجماع ضروری ہے کیونکہ غرض یہ ہے کہ مدعی علیہ کو گواہی کے وقت الزام دیا جائے جبکہ جنس اور قدر معلوم ہوئے بغیر الزام متحقق نہیں ہوگا۔(ت)

اور ظاہر ہے کہ سونے چاندی میں قدر وہی وزن ہے، جامع الفصولین میں ہے:

فی الذھب والفضۃ المقدر ھو الوزن[4]

سونے اور چاندی کے دعوٰی میں ضروری بیان وزن کا ہے(ت)۔

تو بیان وزن ضروری ہے اور بغیر اس کے دعوٰی ہو یا شہادت صحیح نہیں، بحرالرائق میں ہے:

اشار باشتراط معلومیۃ الجنس و

جنس اور قدر کے معلوم ہونے کی شرط میں انھوں

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الدعوٰی الفصل الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۴۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الدعوی المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/۲۹۱

[3] قرۃ عیون الاخیار " مصطفی البابی مصر ۱/۳۱۶

[4] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۷۵

القدرالی انہ لابد من بیان الوزن فی الموزونات[1] نے اشارہ کیا ہے کہ وزنی چیز میں وزن کا بیان ضروری ہے (ت)

عبارت عالمگیری سے اس مقدمہ میں استناد صحیح نہیں اوّلاً غصب و عاریت میں فرق ظاہر ہے کہ غصب ان مستثنٰی اشیاء سے ہے جن کے دعوٰی میں قدرے جہالت تحمل کی جاتی ہے، ردالمحتار میں ہے:

یستثنی من فساد الدعوی بالمجہول دعوی الرھن والغصب لما فی الخانیۃ معزیا الی رھن الاصل اذا شھدوا انہ رھن عندہ ثوبا ولم یسموا الثوب ولم یعرفوا عینہ جازت شھادتھم والقول للمرتھن فی ای ثوب کان وکذلک فی الغصب اھ فالدعوی بالاولی اھ بحر[2]

مجہول چیز کے دعوٰی کے حکم سے رہن اور غصب کا دعوٰی مستثنٰی ہے کیونکہ خانیہ میں اصل (مبسوط) کے رہن کے حوالہ سے ہے کہ جب گواہوں نے شہادت میں کہا کہ اس شخص نے فلاں کے پاس کپڑا رہن رکھا ہے اور کپڑے کا نام ذکر نہ کیا اور نہ ہی گواہ کپڑے کو جانتے ہیں تو یہ شہادت جائز ہوگی اور کپڑے کے تعین میں مرتہن کا قول معتبر ہوگا کہ وہ کون سا کپڑا ہے اور غصب میں بھی حکم یہی ہے اھ (شہادت میں جہالت جب قابل اعتبار ہے) تو یہاں دعوٰی میں بطریق اولٰی جائز ہوگی اھ بحر (ت)

ولہذا اس میں ذکر قیمت کی بھی حاجت نہیں، خود اسی عبارت عالمگیری میں کلام منقول سوال کے متصل ہی تھا:

وان لم یبین القیمۃ اشار فی عامۃ الکتب انہا مسموعۃ کذا فی الظہیریۃ[3]

دعوٰی میں اگر قیمت کا بیان نہ ہو تو عام کتب میں دعوٰی کے مسموع ہونے کا اشارہ ہے، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے (ت)

ثانیاً روایت مذکورہ کو بعض ائمہ اس صورت پر محمول کرتے ہیں کہ مدعا علیہ غصب کا مقر ہو اور عامہ مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی اگرچہ یہ تخصیص نہیں کرتے مگر ان کے نزدیک وہ قبول دعوٰی و شہادت صرف

---

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۹۵
[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲۰
[3] فتاوٰی ہندیہ " الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵

حق حبس مدعا علیہ میں ہے یعنی تاکہ حاکم اسے حبس کرے کہ شئی مدعی حاضر لائے نہ کہ ابتداءً اسی قدر شہادت پر ڈگری دی جائے۔ جامع الفصولین میں ہے:

لوادعى عينا غائبا لايعرف مكانه بان ادعى انه غصب منه ثوبا او قنا ولايدرى قيامه او هلاكه فلو بين الجنس والصفة والقيمة تقبل دعواه، ولو لم يبين قيمته اشار في عامة الكتب الى انها تقبل فانه ذكر في كتاب الرهن لوادعى انه رهن عنده ثوبا وهو ينكر تسمع دعواه، وذكر في كتاب الغصب ادعى انه غصب منه امة وبرهن يسمع وبعض مشايخنا قالوا انما تسمع دعواه لو ذكر القيمة وهذا هو تاويل ما ذكر في الكتاب و قال الفقيه الاعمش رحمه الله تاويل ما ذكر في الكتاب ان الشهود شهدوا على اقرار المدعى عليه بالغصب فثبت غصب القن باقراره في حق الحبس والحكم جميعا، وعامة المشايخ على ان هذه الدعوى والبينة تقبل ولكن في حق الحبس واطلاق م رحمه الله تعالى في الكتاب يدل عليه ومعنى الحبس

کسی ایسی موجود غائب چیز کا دعوٰی کیا جس کے مقام کا علم نہیں جیسا کہ کسی دوسرے پر کپڑے یا غلام کو غصب کرنے کا دعوٰی کیا اور کہا معلوم نہیں کہ وہ مغصوب قائم ہے یا ہلاک ہوگیا ہے، تو ایسی صورت میں اگر مدعی نے اس چیز کی جنس، صفت اور قیمت کو بیان کیا تو دعوٰی مقبول ہوگا اور اگر قیمت کا ذکر نہ کیا تو عام کتب میں مقبول ہونے کا اشارہ ہے، کیونکہ انھوں نے کتاب الرہن میں ذکر کیا کہ ایک نے اگر کپڑے کے رہن کا دعوٰی کیا تو مدعٰی علیہ نے انکار کیا تو مدعی کا دعوٰی مسموع ہوگا، اور انھوں نے کتاب الغصب میں یوں ذکر کیا ہے ایک شخص نے دعوٰی کیا کہ فلاں نے میری لونڈی غصب کی ہے اور گواہ پیش کرے تو یہ دعوٰی مسموع ہوگا اور بعض مشائخ نے ذکر کیا کہ اگر قیمت ذکر کی تو دعوٰی مسموع ہوگا یہ کتاب میں مذکور کی تاویل ہے اور فقیہ ابوالاعمش رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ کتاب الغصب میں مذکور کی تاویل یہ ہے کہ گواہوں نے مدعٰی علیہ کے غصب کے اقرار پر شہادت دی ہو تو اقرار کی بنا پر غلام کا غصب قید اور حکم دونوں میں ثابت ہوگا جبکہ عام مشائخ نے یوں ذکر کیا کہ یہ دعوٰی اور گواہی قبول ہوگی لیکن صرف حبس میں، جبکہ کتاب میں مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کا مطلق بیان اس کی تائید پر دلالت کرتا ہے اور حبس کا معنٰی یہ ہے کہ مدعٰی علیہ

ان یحبسہ حتی یحضرہ لیعید البینۃ علی عینہ فلو قال لا اقدر علیہ حبس قدر مالوقدر احضرہ ثم یقضی علیہ بقیمتہ۔[1]

کو قید میں اس وقت تک رکھا جائے جب تک وہ غلام کو حاضر نہ کردے تاکہ حاضر ہوجانے پر گواہوں سے دوبارہ غلام کی تعیین پر شہادت لی جائے اگر اس دوران قیدی کہے کہ میں اس کو حاضر کرنے پر قادر نہیں ہوں تو اس وقت تک قید رکھا جائے کہ اگر قدرت ہوتی تو وہ ضرور حاضر کردیتا اس اندازے کے بعد تیسرے مرحلہ پر قاضی اس پر قیمت کا حکم دے گا (ت)

ثالثاً اگر ان سب سے قطع نظر ہو تو اس عبارت میں صورت ثوب وکنیز فرض کی ہے اور وہ موزونات سے نہیں ان میں جنس وصفت وقیمت ہی تعیین کرنے والے تھے اس سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ زیور میں بھی ذکر وزن ضروری نہ ہو حالانکہ وہ موزون ہے اور کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بیان قدر دکیل و وزن ضروری ہے کما تقدم (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ت) آخر نہ دیکھا کہ اگر دعوٰی ایسے ریشمیں کپڑے کا ہو جو وزن سے بکتا ہے بیان وزن لازم ہے، اسی عالمگیریہ میں ہے:

اذا ادعی دیباجا فان کان عینا یشترط الاشارۃ الیہ وعند ذلک لاحاجۃ الی بیان الوزن وسائر اوصافہ وان کان دینا ففیہ اختلاف المشایخ ھل یشترط ذکر الوزن فعامتھم یشترط وھو الصحیح ذخیرۃ اھ مختصرا۔[2]

اگر دیباج کپڑے کا دعوٰی ہو تو اگر سامنے حاضر ہو تو اس کی طرف اشارہ کرنا دعوٰی میں شرط ہے اس صورت میں وزن اور دیگر اوصاف کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر وہ دیباج حاضر نہیں تو اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ کیا وزن کا بیان ضروری ہے جبکہ تمام فقہائے نے اس کو شرط قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے، ذخیرہ، مختصراً۔ (ت)

اسی میں ہے:

اذا ادعی جوھرا لابد من ذکر الوزن اذا کان غائبا وکان المدعی علیہ منکرا کون ذلک فی یدہ کذا فی السراجیۃ۔[3]

جب جواہر کا دعوٰی ہو تو وزن کا ذکر ضروری ہے جب وہ جواہر غائب ہو اور مدعی علیہ اپنے قبضہ ہونے کا انکار کرتا ہو، سراجیہ میں یوں ہے۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۶

[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۴/ ۷

جامع الفصولین میں ہے :

فی دعوی الدیباج ھل یشترط ذکر الوزن، الصحیح انہ یشترط وذکر فی "جف" انہ فی دعوی الدیباج والجوھر یشترط ذکر الوزن۔[1]

دیباج کے دعوٰی میں کیا وزن کا ذکر شرط ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ شرط ہے جامع الفتاوٰی میں ذکر کیا کہ دعوی دیباج اور جوہر میں وزن کا ذکر شرط ہے (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ دعوی استرداد عاریت کا ہو اگر دعوی استہلاک کا تھا یعنی اتنا زیور اسے عاریۃً دیا تھا اس نے تلف کردیا تو اب یہ بلعینہٖ دعوی غصب ہے اور اس کا حکم وہ ہے کہ اوپر مذکور ہوا،

وذٰلک لان الامانات تنقلب مضمونات بالتعدی والامین یعود بہ غاصبا۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

یہ اس لئے کہ امانتیں دخل اندازی کی بنا پر مضمون ہوجاتی ہیں اور امانت رکھنے والا غاصب قرار دیا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۳ از ریاست رامپور مرسلہ سید مسعود شاہ صاحب تحویلدار باورچی خانہ انگریزی ریاست رامپور ۷ ربیع الآخر ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید نے ایک منزل مکان منہدمہ (یعنی ہر چہار جانب دیوار ہائے شکستہ بقدر ساڑھے تین درعہ بلند موجود تھیں) چار سو پچیس درعہ اراضی مسمی بکر سے خرید کرکے مکان پختہ تعمیر کیا اور پس پشت مکانِ نو تعمیر کے ۱۲ گرہ عرض اور سراسر طول اراضی برائے آبچک چھوڑی۔ مسمی عمرو نے جس کا مکان پس پشت پر سے جز واراضی آبچک میں مداخلت ناجائز کیا اس کے تخلیہ کا زید نے عمرو پر دعوٰی کیا عمرو نے یہ جوابدہی کی اراضی مدعا بہ ملکیت مدعی نہیں بلکہ میری مملوکہ ہے اور دستاویز پر میری گواہی نہیں ہے مگر عمرو نے کوئی ثبوت اپنی ملکیت کا اور باطل ہونے دستاویز بیعنامہ کا پیش نہیں کیا عدالت نے جو پیمائش اراضی کی کرائی تو بموجب تعداد مندرجہ بیعنامہ کے اراضی مدعیہ آبچک مکان مدعی پائی گئی مگر عدالت نے دعوی مدعی کو اس بناء پر نامنظور فرمایا کہ اس مقدمہ میں شہادت بالبینہ یا اقبال یا نکول نہیں ہے جس پر مدارِ فیصلہ ہونا چاہئے زید نے شہادت دستاویز بیعنامہ کو کافی تصور کرکے شہادت بالبینہ پیش نہیں کیا ورنہ وہ بہت سی شہادتیں بالبینہ پیش کرسکتا تھا اور اب بھی پیش کرسکتا ہے اس صورت میں عدالت کو دعوی نامسموع فرمانا چاہیے تھا

---

[1] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۹

یا زید کو ہدایت واسطے پیش کرنے شہادت بالبینہ کے فرمانی لازم تھی؟ اور اب عدالت مرافعہ میں شہادت بالبینہ مدعی کہ جس کو اس نے عدالت ابتدائی میں پیش نہیں کیا ہے پیش کرسکتا ہے یا نہیں؟ جو واسطے حق رسی و انصاف کے ضروری ہے نقل فیصلہ ہمراہ اس استفتا کے پیش کی جاتی ہے۔

الجواب

تجویز ملاحظہ ہوئی، ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ "ثبوت دعوٰی کا بینہ سے ہوتا ہے یا اقرار مدعا علیہ سے یا نکول عن الحلف سے، یہاں ان تین وجوہ شرعیہ سے کوئی نہیں" بہت صحیح ہے مگر ساتھ ہی یہ لحاظ بھی ضرور تھا کہ جس طرح ثبوت دعوٰی بغیر ان تین کے نہیں ہوسکتا یونہی قضائے قاضی بھی بغیر ان تین اور چوتھی یمین کے ناممکن ہے ان تین سے کوئی ہو تو مدعی کو ڈگری دے اور ان کے بدلے مدعا علیہ کی یمین ہو تو ڈسمس (DISMISS) کرے اور چاروں نہ ہوں تو حاکم ڈگری ڈسمس کچھ نہیں کرسکتا اصلاً فیصلہ نہیں دے سکتا اور دے گا تو وہ فیصلہ بھی باطل و نامسموع ہوگا کہ حکم کے چھ ارکان ہیں ان میں سے جو رکن مفقود ہو حکم باطل و مردود ہے ان چھ میں ایک طریق حکم ہے اور وہ حقوق العباد میں انھیں چار اشیاء میں منحصر، تو جہاں ان میں سے کچھ نہ ہو طریق مسدود اور فیصلہ غلط و مردود۔ درمختار میں ہے:

ارکانہ ستۃ علی نظمہ ابن الغرس بقولہ ؎

قاضی کے فیصلہ کے چھ رکن ہیں جن کو ابن الغرس نے اپنی نظم میں یوں بیان کیا ؎

اطراف کل قضیۃ حکمیۃ
ست یلوح بعدھا التحقیق
حکم ومحکوم بہ ولہ
ومحکوم علیہ وحاکم وطریق[1]

ہر فیصلہ کے معاملہ میں چھ پہلو ہیں
جن کے بعد تحقیق واضح ہوگی
حکم، محکوم بہ، محکوم لہ،
محکوم علیہ، حاکم اور وجہ حکم

ردالمحتار میں ہے:

ای لاتکون محلا لثبوت حق المدعی فیھا وعدمہ الابالاستجماع ھذہ الشروط الستۃ والطریق فیما یرجع الی حقوق العباد المحضۃ عبارۃ عن الدعوی والحجۃ وھی اما البینۃ اوالاقرار اوالیمین اوالنکول عنہ[2] اھ ملتقطا۔

یعنی کسی محل میں مدعی کے حق یا عدم حق کا ثبوت ان چھ شرطوں کے پائے جانے کے بغیر نہیں ہوسکتا اور خالص حقوق العباد میں فیصلے کا طریقہ، دعوی اور حجت یعنی گواہی یا اقرار یا قسم یا انکار قسم ہے اھ (ت)

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱
[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۷-۹۸

فتاوی قاضی خاں پھر بحرالرائق پھر فتاوی خیریہ میں ہے:

انما ینفذ القضاء عند شرائطہ من الخصومۃ وغیرھا فاذا لم توجد لم ینفذ[1]

کسی مقدمہ وغیرہ میں فیصلہ اپنی شرائط پائے جانے پر نافذ ہوگا جب تمام شرائط نہ پائے جائیں تو نافذ نہ ہوگا (ت)

نیز فتاوی علامہ خیرالدین رملی میں ہے:

صرح فی البحر فی مواضع متعددۃ انہ لایعمل بالتنافیذ الواقعۃ فی زماننا لعدم استیفائھا الشرائط الحکمیۃ التی نص علیھا ابن الغرس فی الفواکہ البدریۃ بقولہ
حکم ومحکوم بہ ولہ
ومحکوم علیہ وحاکم وطریق[2]

بحر میں متعدد مواضع پر تصریح ہے کہ ہمارے زمانہ میں نافذ اکثر فیصلے قابل عمل نہیں کیونکہ ان میں فیصلہ کی تمام شرطیں جمع نہیں ہیں جن کو ابن الغرس نے فواکہ البدریہ میں یوں بیان کیا ہے:
حکم، محکوم بہ، لہ ومحکوم علیہ و
حاکم وطریق۔

یہاں تین چیزوں یعنی بینہ، اقرار، نکول کا نہ ہونا خود مجوز کو تسلیم اور چوتھی یعنی یمین کا نہ ہونا بھی واضح۔ نہ مدعی نے طلب حلف کیا نہ حاکم نے مدعا علیہ سے حلف مانگا نہ مدعا علیہ نے حلف کیا تو بغیر اصلا کسی طریق شرعی کے مجوز کو فیصلہ کرنے کا کیا اختیار تھا ایسا ہی اختیار فرض کیا جائے تو دعوی پیش ہوتے ہی تحریر فرما دینا تھا کہ حکم ہوا کہ دعوی مدعی نامسموع ہوا آخر اس پر یہی تو الزام ہوتا کہ بلاوجہ شرعی دعوی نامسموع کیا وہ الزام اب بھی حاصل ہے تو زمین پیمائش کرانے اور مدعا علیہ کے دس گواہ سُننے سے سوا تطویل لاطائل کے کچھ مفاد نہ ہوا جب شرعاً بیعنامہ میں گزوں کی تعداد لکھی ہوئی کوئی حجت شرعیہ نہ تھی اور فی الواقع وہ اصلاً حجت نہیں تو پیمائش کرانی محض فضول ہوتی، شرع مطہر نے گواہ مدعی پر رکھے ہیں اور قسم مدعا علیہ پر تو مدعا علیہ یعنی منکر سے ثبوت انکار پر گواہ لینا کوئی معنی نہ رکھتا تھا حدیث میں ارشاد ہوا:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر[3]

گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم منکر کے ذمہ ہے (ت)

---

[1] فتاوی خیریہ بحوالہ فتاوی قاضیخاں کتاب ادب القاضی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۹
[2] " " " " " " " " ۲/ ۲۴-۲۳
[3] صحیح البخاری کتاب الرہن ۱/ ۳۴۲ وجامع الترمذی ابواب الاحکام ۱/ ۱۶۰ وسنن الدارقطنی نشر السنۃ ملتان ۴/ ۲۱۸
نصب الرایہ کتاب الدعوی باب الیمین المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۹۵

ہدایہ و بحرالرائق میں ہے :

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر قسم و القسمۃ تنافی الشرکۃ۔[1]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق، گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم انکار کرنے والے کے ذمہ، یہ تقسیم ہے اور تقسیم اشتراک کے منافی ہے۔ (ت)

پھر تجویز میں فرمانا کہ "ان کے اظہارات کے ملاحظہ سے ثابت ہے کہ دروازہ مدعا علیہ بدستور جائے قدیم پر ہے اور مدعی نے جو دیوارِ مکان خود تعمیر کی ہے بجائے بنیاد قدیم تعمیر کی ہے" صراحۃً شہادت علی النفی کا قبول کرنا ہے دروازہ مدعا علیہ جائے قدیم پر ہونے کا اسی قدر حاصل کہ مدعا علیہ نے ملک مدعی میں کوئی تصرف نہ کیا، یونہی دیوار مدعی بجائے بنیاد قدیم تعمیر ہونے کا اسی قدر محصل کہ مدعی نے کوئی آنچ نہ چھوڑی جس میں مدعا علیہ تصرف کرتا تو یہ صاف صاف نفی پر شہادتیں ہیں کہ اعتبار معنی کا ہے نہ کہ لفظ کا۔

ہدایہ و کافی و بحر وغیرہا میں ہے :

الاعتبار للمعانی دون الصور فان المودع اذا قال رددت الودیعۃ فالقول قولہ مع الیمین وان کان مدعیا للرد صورۃ لانہ ینکر الضمان۔[2]

معانی کا اعتبار ہے صورتوں کا نہیں، کیونکہ جب امانت رکھنے والا کہے کہ میں نے امانت واپس کردی ہے تو اس کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی اگرچہ صورتاً وہ واپس کرنے کا دعوٰی کررہا ہے، وجہ یہ ہے کہ واپسی کا دعوٰی کرکے اپنے ذمہ سے ضمان کا انکار کررہا ہے۔ (ت)

بلکہ یہاں معنًی وصورۃً ہر طرح نفی ہے کہ قدم خود مفہوم سلبی ہے یعنی حادث وجدید نہ ہونا۔ بالجملہ جس قدر کارروائی اس مقدمہ میں واقع ہوئی سب محض بیکار و بے اثر و بیگانہ و بے ثمر ہوئی۔ میں نہیں کہتا کہ غلط فیصلہ ہوا، یہ تو جب کہا جائے کہ فیصلہ ہوا ہو اور اس میں خطا ہو۔ یہاں تو سرے سے فیصلہ ہوا ہی نہیں، یہ تجویز جس کا نام عوام میں فیصلہ رکھا جائے ہرگز فیصلہ ہی نہیں، ایک کاغذ سادہ ہے کہ فیصلہ کے چھ رکن شرع مطہر نے مقرر فرمائے اور یہاں رکن ششم معدوم ہے اور بغیر رکن کے وجود شیئ محال جس کی تصریحیں ابھی کتب معتمدہ سے گزریں تو مقدمہ ہنوز روز اول پر ہے مدعی بلاشبہہ

---

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۴

[2] بحرالرائق بحوالہ الہدایہ " " " ۷/ ۱۹۳

گواہ دے سکتا ہے اور ان کا سُننا حاکم پر فرض ہے اگر وُہ نہ سُنے تو دوسرے محکمہ میں اس کے گواہ سُنے جائیں۔ معین الحکام میں ہے:

المواضع التی تصرفات الحکام فیہا لیست بحکم ولغیرھم من الحکام تغییرھا والنظر فیہا علی انواع کثیرۃ وانا اذکر عشرین نوعا[1] (الی ان قال) النوع التاسع التصرف فی انواع الحجاج بان یقول لااسمع البینۃ لانک حلفت قبلہا مع علمک بہا وقدرتک علی احضارھا فلغیرہ من الحکام ان یفعل ما ترکہ[2]۔

وہ مقامات جہاں حکام کے تصرفات، حکم وفیصلہ نہیں بنتے اور دوسرے حکام کو ان میں تبدیلی اور غور کا اختیار ہے، یہ کثیر اقسام ہیں اور میں بیس اقسام ذکر کررہا ہوں، اور آگے فرمایا، نویں قسم، بحث کی انواع میں تصرف ہے، یوں کہ قاضی کہے کہ میں تیرے گواہوں کی شہادت نہ سُنوں گا کیونکہ قبل ازیں تو گواہوں کو جاننے اور ان کو پیش کرنے پر قدرت کے باوجود قسم دے چکا ہے، تو اس حکم کو تبدیل کرنے کا دوسرے حکام کو اختیار ہے (ت)

حاکم اپیل کو اختیار ہے کہ خود گواہ سُنے اور مقدمہ حسبِ شرح ترتیب دے یا محکمہ ابتدائی کو واپس بھیجے کہ بعد تکمیل شرعی و اسماع گواہان مدعی وہاں فیصل ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴: از ریاست بہاولپور ملک پنجاب تحصیل منچن آباد ڈاکخانہ صادق پور موضع واڑہ سراج الدین مرسلہ پیر نور محمد صاحب ولد پیر قمرالدین صاحب ذات چشتی ۳ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیر صدرالدین نے ۱۲۸۶ھ میں ایک طوائف مسماۃ رنگ بھری سے نکاح کیا اس وقت رنگ بھری کے دو نابالغ بیٹے اللہ بخش و الٰہی بخش موجود تھے اور تیسرا جوان بیٹا اللہ دتا تھا صدرالدین نے وقت نکاح مذکور سے رنگ بھری کو مثل ازواج کے پردے میں رکھا جب تک وہ بے پردہ اپنے پیشۂ حرام میں تھی، یہ دونوں بچے کہ خورد سال تھے ماں کے ساتھ پیر مرحوم کے یہاں رہے جن میں ایک کی شادی بھی پیر موصوف نے کردی رنگ بھری کا بڑا بیٹا اب تک الگ اور اپنے پیشۂ حرام میں ہے صدرالدین مرحوم کے دو بیٹے زوجہ خاندانی مسماۃ نور سائن

---

[1] معین الحکام الرکن السادس مصطفی البابی مصر ص ۳۸

[2] ؎ ؎ ؎ ؎ ص ۴۰

سے تھے بدرالدین و سراج الدین پیر مرحوم کی کچھ جائداد علاقہ ریاست بہاولپور اور کچھ پاکپٹن شریف علاقہ انگریزی میں حسب تفصیل ذیل تھی:

علاقہ ریاست: واڑہ پیران کل، چک قمرالدین ۳۴۴ حصہ سوم، بلاڑہ پیر نبی بخش حصہ سوم، بلاڑہ صدرالدین کل۔
علاقہ انگریزی: واڑہ پیران کلاں، بلاڑہ پیران حصہ سوم، شیخوپور ملکیت ایک چاہ۔

صدرالدین نے ۱۳ر شوال ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۱ر مئی ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا اللہ بخش و الٰہی بخش نے اپنے آپ کو پسران متوفی قرار دے کر ضلع منٹگمری میں بعض جائداد واقع علاقہ انگریزی کا داخل خارج چاہا، جون ۱۸۹۲ء میں عنایت اللہ پٹواری کے سامنے بدرالدین و فریق دوم کے بیانات ہوئے جن میں بدرالدین نے ان کے پسران صدرالدین ہونے سے انکار اور انھوں نے اس کا اظہار کیا شیخ لطافت علی نائب تحصیلدار نے ۲۷ ستمبر ۱۸۹۲ء کو ایک نقل رواج عام اقوام چشتی کے بنا پر جو بغرض ملاحظہ حاضر ہے چاروں کو فرزند صدرالدین قرار دے کر اندراج نام کا حکم دیا بدرالدین نے منشی عزیز الدین اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے یہاں اپیل کی بالآخر تنہا بدرالدین نے کسی دباؤ یا مصلحت سے راضی نامہ کرلیا جس میں کل جائداد ہر دو علاقہ کا ذکر ہے مگر جب مجوز نے بدرالدین کا بیان لیا تو اس نے صرف جائداد علاقہ انگریزی کی نسبت تصفیہ ہونا بیان کیا اور فریق دوم نے بھی اس کا یہ بیان حسن کر تسلیم کیا اس بنا پر ۲۵ر فروری ۱۸۹۳ء کو وہ مقدمہ وہاں فیصل ہوگیا جائداد واقع علاقہ انگریزی کے ⅖ میں نام اللہ بخش و الٰہی بخش اور ⅗ میں نام سراج الدین و بدرالدین مندرج ہوا سراج الدین اس راضی نامہ میں شریک نہ تھا نہ وہ وہاں موجود تھا مگر بدرالدین نے اس اظہار سے کہ وہ میرا حقیقی بھائی ہے میرا اس کا نفع نقصان مشترک ہے اس کی طرف سے راضی نامہ کرلیا، اس صلح نامہ کی بنا پر فریق ثانی نے یکم جون ۱۸۹۳ء کو جائداد واقع ریاست کے داخل خارج کی بھی درخواست تحصیل منچن آباد میں دی جس کی کارروائی ملاحظہ کاغذات سے ظاہر ہوگی جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ بدرالدین و سراج الدین نے ۲۲ر اگست ۱۸۹۳ء کو دعوی اللہ بخش و الٰہی بخش تسلیم کیا اور ۳ر اکتوبر ۱۸۹۳ء کو کاردار نے حکم دیا کہ محکمہ بندوبست میں درخواست دے کر اندراج نام کرالیں لیکن انھوں نے کوئی درخواست نہ دی نہ اندراج نام ہوا اس وقت کاربندوبست جاری تھا بلکہ دسمبر ۱۸۹۲ء میں ختم ہوچکا تھا بجائے اس کے ۲۹ر دسمبر ۱۸۹۸ء کو فریق ثانی نے پھر اسی تحصیل منچن آباد میں درخواست اندراج نام دی جو ۲۳ر مارچ ۱۸۹۹ء کو بوجہ عدم پیروی خارج ہوئی جب ۱۹۰۶ء میں بندوبست جدید ہوا مدعیوں نے یہاں چارہ جوئی کی ۲۵ر جون ۱۹۰۶ء کو داخل خارج منظور ہوکر ۶ جنوری ۱۹۰۷ء کو محکمہ مشیرت مال سے منسوخ ہوگیا ناچار ۲۷ر مئی ۱۹۰۷ء کو مدعیان نے نظامت بہاولپور میں نالش دخلیابی

دائر کی جو شیخ حسین بخش صاحب ناظم کے یہاں سے ۳۱ مارچ ۱۹۰۸ء کو ڈسمس ہوئی مدعیان نے افسر مال کے یہاں اپیل کی ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو یہاں سے بربنائے فتوائے ثالثان کامیابی پائی جس کی حالت یہ ہے کہ بحکم مولوی عبدالمالک صاحب افسر مال فریقین نے ثالثی کی طرف رجوع کی چار ذی علم ثالث قرار پائے، مولوی عطا محمد صاحب مدرس بھوگانوالہ، مولوی عبدالرحیم صاحب اول مدرس عربی خانقاہ مہاران شریف، مولوی اللہ بخش چک نادر شاہی، مولوی جمال الدین ساکن ماڑی میاں صاحب۔ اور شرط تحریر ہوئی کہ اگر روداد مسل سے مدعیوں کا اولاد پسر صدر الدین ہونا شرعاً ثابت ہو تو ان کی وراثت کے باب میں فتوائے ثالثان ناطق ہوگا۔ ثالث اول الذکر نے نسب ثابت نہ مانا باقیوں نے اثبات کیا، افسر مال نے کثرت رائے پر فیصلہ دیا مدعا علیہم نے اجنبی میں نگرانی کی جس پر مولوی رحیم بخش صاحب رزیڈنٹ جوڈیشل ممبر نے تحریر فرمایا کہ (جو عذرات واقعات پر ہیں ہم ان کو زیر بحث لانا نہیں چاہتے کیونکہ ڈگری بربنائے فیصلہ ثالثی ہوئی ہے) لہذا ہر دو فتوائے ثالثان وفیصلہ نظامت وفیصلہ افسر مال و اظہارات گواہان فریقین وجملہ کاغذات متعلقہ کے نقول باضابطہ خدمت علمائے دین میں حاضر کرکے امیدوار کہ خالصاً لوجہ اللہ حکم شریعت مطہرہ سے آگاہ فرمائیں کہ تین ثالث صاحبوں کا پہلا فتوٰی اور ثالث چہارم کا فتوائے دوم ان میں کون سا مطابق شرع شریف ہے اور فتوائے اول میں جن جن وجوہ سے مدعیان کو ثابت النسب مانا ہے وہ شرعاً صحیح ہیں یا غلط، نیز از روئے اقرار نامہ ثالثی مدعا علیہم اس فتوائے ثالثان کے پابند ہوئے یا نہیں، اور بالجملہ روداد مسل موجود سے بحکم شرع شریف دعوائے مدعیان ڈگری ہونا چاہیے یا ڈسمس، کاغذات متعلقہ کی مکمل نقول تو حاضر خدمت ہیں مگر آسانی ملاحظہ کے لئے واقع استفتاء کا خلاصہ یہاں گزارش:

(۱) علاقہ آزروئے آپ میں عنایت اللہ پٹواری کے سامنے بدر الدین وغیرہا کا بیان رپورٹ حکم، آج زبانی بدر الدین پسر متوفی کے معلوم ہوا کہ مسمی صدر الدین والد مظہر فوت ہوگیا، مظہر و سراج الدین ہر دو پسر وارث و قابض ہیں نیز ظاہر کیا حسب تفصیل ذیل والد مظہر رنگ بھری کنجی کو لے کر اس جگہ واڑہ پیران سے چلا گیا اور دیہات پار علاقہ ریاست بہاولپور میں بہت عرصہ تک رہا کیونکہ اس وقت چچا ہمارا محمد بخش برادر خورد والد مظہر زندہ تھا اس کے خوف سے اپنے دیہہ میں نہ آیا ان دنوں میں یہ دو تولد ہیں، جب چچا ہمارا مر گیا تب نکاح اس کے ساتھ کیا اور اس جگہ آکر آباد ہوا یہ ہر دو پھلگ والد مظہر کے ہیں اللہ بخش و الٰہی بخش نے ظاہر کیا کہ

صدر الدین
نور سائن | رنگ بھری
بدر الدین | سراج الدین | اللہ بخش | الٰہی بخش

27
27

والد ہمارے نے ہم کو بطور دوسرے فرزندان کے پرورش کی ہے کچھ فرق نہیں کیا، چاہتے ہیں کہ ہم چاروں کا نام بحصہ برابر درج کیا جائے لہذا لکھا تا ہذا برائے حکم مناسب پیش کرتا ہوں، ۹ رجون ۱۸۹۲ء عنایت اللہ پٹواری۔

(۲) رواج عام اقوام چشتی پرگنہ پاک پٹن ضلع منٹگمری کتاب جلد ۲ ۱۸۷۲ء موجودہ دفتر فارسی محافظ خانہ مندرجہ صفحہ ۸۹ لغایت ۹۰، ہمراہ عورت کمین مثل کنجری و موچیانی و ترکھانی و مچھانی کے نکاح بموجب شرع شریف کے جائز ہے اگر کوئی صاحب جائداد ہمراہ ایسی عورت کے نکاح کرلے تو اولاد اس کی مثل عورت ہم کف کے مالک ہوتی ہے۔ اگر ایسی عورت بدون نکاح رہے اور اس سے اولاد پیدا ہو تو ایسی اولاد حرام کی ہوتی ہے ان کو وراثت سے کچھ حصہ نہیں ملتا (نظائر) موضع واڑہ پیران میں مسمی صدرالدین نے ہمراہ عورت بیوہ قوم پیرنی کے نکاح کرلیا ہے اولاد اس کی بعد وفات صاحب جائداد کے مالک ہوگی۔

(۳) راضی نامہ مدخلہ کچہری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع منٹگمری مایانکہ بدرالدین و سراج الدین و اللہ بخش و الٰہی بخش پسران پیر صدرالدین ہیں حسب ذیل مواضعات واقع علاقہ انگریزی و واقع ریاست بہاولپور خاص ملکیت پیر صدرالدین صاحب والد مظہران کی ہے ہم فریقین کل جائداد زرعی پر وقت وفات والد صاحب سے قابض ہیں اس لئے ہم فریقین نے برضامندی خود آپس میں اس طرح تصفیہ کیا ہے کہ کل جائداد مندرجہ بالا علاقہ انگریزی و ریاست کے پانچ حصے ہے، تین حصے بدرالدین و سراج الدین کو دیں گے اور دو حصے کل جائداد زرعی سے اللہ بخش و الٰہی بخش کو دیں گے، جس قدر زیادہ نصف سے بدرالدین و سراج الدین کو دیا گیا اس کا سبب یہ ہے کہ وہ بسبب سرداری کے بڑے ہیں، سراج الدین اس وقت موجود نہیں اس کی طرف سے مجھ بدرالدین ذمہ دار ہے کہ وہ اور میں بدرالدین حقیقی بھائی ہیں ۲۵ رفروری ۱۸۹۲ء۔

(۴) بیان بدرالدین و تصدیق مدعیان نسبت راضی نامہ مذکورہ، استفسار بدرالدین ولد صدرالدین باقرار صالح ۲۵ رفروری ۱۸۹۲ء صدرالدین متوفی ہمارے والد کی جائداد زرعی علاقہ تحصیل پاکپٹن میں حسب ذیل ہے، واڑہ پیران کلاں سالم بلاڑہ پیران سوم حصہ شیخوپور میں ایک چاہ کی اراضی، والدم مرگیا جب سے میرا اور سراج الدین میرے برادر حقیقی اللہ بخش و الٰہی بخش برادران سوتیلی والدہ ہماری کا قبضہ جائداد پر علی الحساب بسبب تنازع رہا ہے، اب برضامندی یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل پانچ حصے کرکے تین پانچویں مجھے اور سراج الدین کو ملے اور دو پانچویں اللہ بخش و الٰہی بخش کو، جو زیادہ حصہ نصف سے مجھے اور سراج الدین کو دیا ہے وہ بوجہ اس کے ہے کہ میں اور سراج الدین بڑے بھائی ہیں، سراج الدین پار ریاست میں ہے اور میرا اور اس کا نفع نقصان مشترکہ ہے لہذا میں اس کی جانب سے

ذمہ دار ہوں۔ بدرالدین بقلم خود۔ دستخط عزیز الدین اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول۔ استفسار۔ اللہ بخش و الٰہی بخش پسران صدرالدین باقرار صالح ۲۵ فروری ۱۸۹۳ء۔ بدرالدین برادر کلاں اپنے کا بیان ہم نے سنا یہ صحیح اور منظور ہے۔ اللہ بخش و الٰہی بخش بقلم خود۔

(۵) شجرہ نسب و حقوق مالکان موضع واڑہ پیران کلاں تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری مرتبہ ۱۸۹۴ء

شیخ قریشی المعروف چشتی
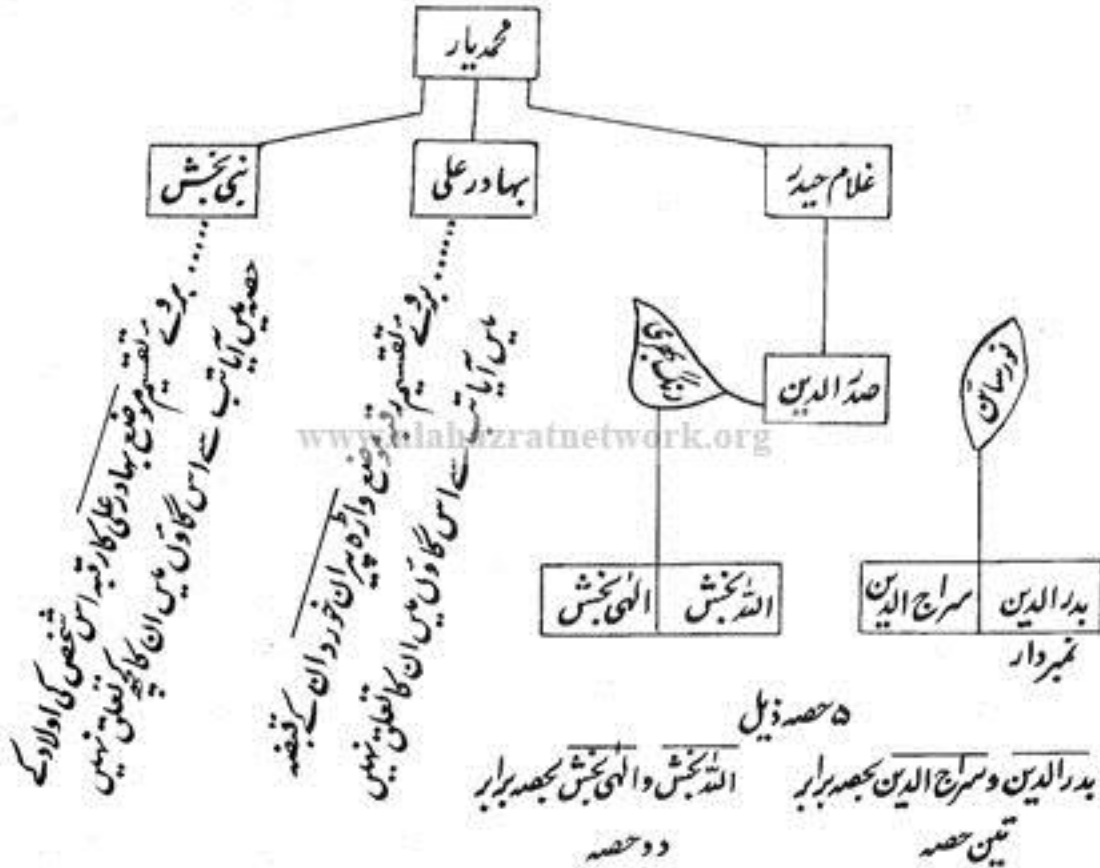
بموجب حکم ۲۵ فروری ۱۸۹۳ء حصص ملکیت برخلاف حصہ جدی کے رسمی قرار پائے۔

(۶) درخواست ابتدائی مشمولہ مسل نمبری ۲۳ موضع بلاڑہ صدرالدین تحصیل منچن آباد بابت داخلخارج مظہران برادر حقیقی و سراج الدین و بدرالدین برادران سوتیلے ہمارے کا راضی نامہ ہوا۔ نقل فیصلہ پیش کرکے ملتمس کہ موضع مذکورہ کا ½ حصہ ہمارے نام داخلخارج فرمایا جائے، یکم جون ۱۸۹۳ء العبد اللہ بخش و الٰہی بخش پسران صدرالدین اللہ بخش بقلم خود۔ بیان سائل لیا جائے برائے تکمیل مسل حوالہ قانون گو ہو۔

یکم جون ۱۸۹۳ء ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ۔

(۷) بیان اللہ بخش مشمولہ مسل نمبری ۲۳ - نام اپنا اللہ بخش باپ کا نام صدر الدین عمر تخمیناً ۵۰ سال حاضر آکر لکھوایا کہ مظہر اور الٰہی بخش برادر مظہر و بدر الدین و سراج الدین پسران شیخ صدر الدین ہر چہار وارث بحصہ برابر ہیں بدر الدین و سراج الدین نے ملکیت موضع بلاڑہ صدر الدین میں ہمارا نام درج نہیں کرایا اس باعث تکرار تھا برادری میں تصفیہ ہمارا ہو چکا ہے بموجب راضی نامہ ۲/۵ حصہ بنام مظہر و الٰہی بخش داخلخارج فرمایا جائے، اللہ بخش بقلم خود - بعد تصدیق حکم ہوا کہ باجرائے پروانہ بدر الدین و سراج الدین و الٰہی بخش بنابر قلمبندی بیان طلب کیا جائے، یکم جون ۱۸۹۳ء، آج مسل پیش ہوئی حکم ہوا کہ فریقین مقدمہ طلب ہو کر بیان ان کا قلمبند کیا جائے، ۱۳ جون ۹۳ء مسل پیش ہوئی آج تک نہ فریقین مقدمہ حاضر ہوتے ہیں نہ رپورٹ پیشکار شامل مسل ہوئی لہذا حکم ہوا کہ مقرر پیشکار کو لکھا جائے کہ جلد مطلوبگان کو بھجوادیں، ۲۹ اگست ۱۸۹۳ء -

(۸) پروانہ بنام پیشکار صادق پور مشمولہ مسل نمبری ۲۳ - اندریں مقدمہ ۱۳ جون کو طلبی فریقین براد قلمبندی بیانات کی گئی تھی، آج تک ان کی جانب سے نہ رپورٹ شامل مسل ہوئی نہ فریقین حاضر آئے ہیں لہذا مکرر قلمی ہے کہ آپ فی الفور فریقین کو بھجوادیں، ۲۹ اگست ۱۸۹۳ء فریقین کو باخذ محلکہ روانہ کارداری میں کیا جائے ۶ ستمبر ۹۳ء، حکم سے اطلاع پائی سراج الدین بیمار ہے بروقت صحتیابی اس کے حاضر ہو جائیں گے، ستمبر ۱۸۹۳ء العبد بدر الدین العبد اللہ بخش، جناب عالی مطلوبگان کو ہدایت احضار کی گئی اور العبد کرائے گئے ہیں سراج الدین سخت بیمار ہے بعد شفا حاضر ہو گا ۸ ستمبر ۱۸۹۳ء -

(۹) بیان بدر الدین وغیرہ مشمولہ مسل نمبری ۲۳ واقع ۲۲ اگست ۱۸۹۳ء، سوال اللہ بخش و الٰہی بخش پسران صدر الدین نے لکھوایا ہے کہ تم نے کل ملکیت صدر الدین کی محکمہ بندوبست میں اپنے نام درج کاغذات موضع بلاڑہ صدر الدین کرالی ہے حالانکہ مظہران بھی وارث ہیں منٹگمری سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ ۲/۵ حصہ مظہران اور ۳/۵ حصہ تمہارا قرار پایا ہے نام مظہران درج کاغذات فرمایا جائے تم کو اس ایزادی میں کیا عذر ہے؟

(جواب) مظہران کو کسی طرح کا عذر اس ایزادی میں نہیں ۲/۵ حصہ میں نام اللہ بخش و الٰہی بخش کا ایزاد فرمایا جائے، العبد بدر الدین بقلم خود، العبد سراج الدین - چونکہ اس ایزادی میں فریقین کو کچھ عذر نہیں لیکن یہ مسل بصیغہ وراثت دائر ہے وراثت کا فیصلہ محکمہ بندوبست میں ہو چکا ہے فریقین کو ہدایت ہو کہ درخواست ایزدی نام گذرانکر حسب ضابطہ ایزادی کرادیں مسل پیشی سے خارج ہو کر داخل دفتر ہو - مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۸۹۳ء - چونکہ یہ مسل ماہ اکتوبر میں داخل دفتر نہ ہوئی

اب داخل دفتر ہو ۲۳ر نومبر ۱۸۹۳ء ۔

(۱۰) سند مولوی نورالدین توگیروی نکاح خواں شیخ صدرالدین و رنگ بھری پیش کردہ مدعاعلیہم، برحکام واضح باد کہ بتاریخ ۱۲۸۶ھ ہجری مقدس ایں خادم الشرع عقد نکاح پیر صدرالدین چشتی ولد پیر غلام حیدر چشتی در موضع کلاچی رُوبروئے گواہان قمرالدین نمبردار کلاچی واکبر علی ساکن کلاچی و مولوی غلام قادر ساکن چمن شاہ با رنگ بھری کنجری ولد نامعلوم بستہ اللہ بخش و الٰہی بخش قبل ازیں نکاح پیدا بودند، تحریر ۲۲ر ربیع الاول ۱۳۱۰ھ العبد نورالدین توگیروی گواہ شد غلام قادر ساکن چمن شاہ

(۱۱) سند مولوی مذکور پیش کردہ مدعیان، برعلماء وحکام واضح باد کہ صدرالدین ولد پیر غلام حیدر چشتی را بطور نصیحت چند سال قبل از نکاح مشہورہ گفتہ کہ با رنگ بھری نکاح کردہٴ یا نے، صدرالدین گفت من خفیہ از برادری روبروئے دو کس گواہان مسماۃ مذکورہ نکاح کردہ بودم گفتم آفریں شمارا کہ ایں کار بہتر کردہٴ ۔ تحریر ۲۶ر ربیع الاول ۱۳۱۰ھ خادم الشرع نورالدین توگیروی ۔ حشمت علی اقرار المقر۔

مدعی حضرات کی پیش کردہ سند از مولوی مذکور علماء وحکام پر واضح ہو کہ صدرالدین ولد پیر غلام حیدر چشتی کو نکاح مذکورہ سے قبل چند سال بطور نصیحت کہا تھا کہ تم نے رنگ بھری سے نکاح کیا ہے یا نہیں کیا، صدرالدین نے جواب میں کہا کہ میں نے برادری سے خفیہ دو گواہوں کی موجودگی میں مسماۃ مذکورہ سے نکاح کیا ہے تو میں نے کہا کہ تمھیں آفرین ہے کہ تم نے یہ کام بہت اچھا کیا ۔ تحریر ۲۶ر ربیع الاول ۱۳۱۰ھ خادم شرع نورالدین توگیروی وحشمت علی۔

(۱۲) بیان مولوی غلام قادر مسل نمبری ۱ فیصلہ ۶ر جولائی ۱۹۰۶ء تحصیل منچن آباد غلطی بندوبست باقرار صالح نام اپنا غلام قادر ولد مولوی جان محمد عمر ۔ سال سکنہ چمن شاہ تحصیل پاکپتن، عرصہ تخمیناً ازتیس ۳۰ سال کا گزرا ہوگا کہ پیر صدرالدین کا نکاح اللہ بخش و الٰہی بخش کی والدہ رنگ بھری سے مولوی نورالدین صاحب نے روبروئے مظہر، قمردین، اکبر علی شاہ پڑھا تھا اس وقت اللہ بخش سات آٹھ سال کا تھا قرآن شریف مولوی صاحب مذکور سے پڑھا کرتا تھا الٰہی بخش تخمیناً چار سال کا تھا ۔ یہ ہر دو شخص اللہ بخش الٰہی بخش اس نکاح سے پہلے موجود تھے جب بدرالدین وقاسم علی کو اس شہادت کی ضرورت پیش آئی کہ یہ دونوں لڑکے قبل از نکاح موجود تھے اور مولوی صاحب مذکور سے انھوں نے تحریر حاصل کی تو شہادت کے دستخط میں نے کردیئے میرے دستخط اس کاغذ پر موجود ہیں مظہر کو بھی حال معلوم ہے العبد مولوی غلام قادر۔

(۱۳) درباره درخواست ابتدائی مدعیان درتحصیل منچن آباد مشمول مسل نمبری ۴ گزارش ہے کہ ۱۵ر شوال ۱۸۹۲ء میں پیر صدرالدین پدر فریقین کا انتقال ہوگیا ہم چہار برادران کا بابت تقسیم ترکہ پدری تنازعہ ہوکر نالش کی نوبت پہنچی جو بتاریخ ۳ر فروری ۱۸۹۳ء فیصلہ اکسٹرا اسسٹنٹ ضلع منٹگمری داخلخارج حسب ذیل املاک آنروئے آب وریاست بہاولپور بدرالدین وسراج الدین اللہ بخش والٰہی بخش ہوکر عملدرآمد ہوا ان املاک ریاست ہذا میں قبضہ ادائے مالگزاری ($\frac{2}{5}$) وکاشت پرداشت $\frac{2}{5}$ حصہ موقع پر موجود ہے لہذا عارض کو $\frac{2}{5}$ بلاارہ بدرالدین بنام مظہران داخلخارج فرمایا جائے ۲۹ دسمبر ۱۸۹۸ء اللہ بخش والٰہی بخش بقلم خود، برائے تکمیل حوالہ قانونگو ہو اور بذریعہ پروانہ اسامیاں طلب کی جائیں، ۲۹ر دسمبر ۱۸۹۸ء

(۱۴) حکم ظہری پرچہ کھتونی مشمولہ مسل نمبری ۱۴۔ آج مسل پیش ہوئی، پایا گیا کہ فریقین نے بعد دینے درخواست باوصف اجرائے احکامات کے پیروی نہیں کی لہذا حکم ہوا کہ مسل مقدمہ بعدم پیروی خارج ہو ۲۳ر مارچ ۱۸۹۹ء۔

(۱۵) درخواست دربندوبست جدید۔ درخواست غلطی بندوبست بموجب فیصلہ شیخ عزیز الدین کلکٹر ضلع منٹگمری، اگرچہ حقیقت پر از وقت وفات پدرم قبضہ مالگزاری بموجب فیصلہ مذکور الصدر ہمارا چلا آتا ہے بوجہ غلطی بندوبست داخل خارج کاغذات سرکاری نہ ہوا چونکہ اب دوران بندوبست ہے لہذا مستدعی کہ داخلخارج ہمارے نام بموجب فیصلہ انگریزی وپرچہ مالگزاری $\frac{2}{5}$ حصہ فرمایا جائے۔ نقل فیصلہ وپرچہ ملکیت شامل درخواست ہے، یکم جنوری ۱۹۰۶ء مستدعی اللہ بخش ولد پیر صدرالدین۔

(۱۶) بیان اللہ بخش بعد درخواست مذکور، نام اپنا اللہ بخش ولد پیر صدرالدین ذات چشتی عمر ۔۔۔ سال بتلا کر بیان کیا والد مظہر فوت ہوچکا ہے اس کے چار پسر تھے بدرالدین سراج الدین فوت ہوچکے ہیں غلطی بندوبست سے بعد فوت صدرالدین کے بدرالدین سراج الدین کا داخلخارج وراثت ہوکر عملدرآمد ہوگیا اور مظہر والٰہی بخش کے نام اندراج نہ ہوا ضلع انگریزی میں مقدمہ دائر ہوا جس سے یہ قرار پایا کہ $\frac{2}{5}$ حصہ مظہر والٰہی بخش کے لئے جائیں جس کی نقل شامل درخواست ہے چاہتا ہوں $\frac{2}{5}$ حصہ پر داخلخارج فرمایا جائے۔ اللہ بخش ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ۲ر جنوری ۱۹۰۶ء۔

(۱۷) درخواست تقرر ثالثان مشمولہ مسل ۱۶ مرجوعہ ۲۷ر اپریل ۱۹۰۸ء۔ کل مقدمہ سپرد ثالثان کرکے اعتراضات قانونی ورواجی چھوڑ دئے گئے ہیں لکھ دیتے ہیں کہ اگر موجودہ روئداد مسل سے مدعیان کا اولاد صحیح النسب ہونا پیر صدرالدین موصوف سے ثابت ہوجائے تو مجھ مدعا علیہ کو واپسی جائداد سے

کچھ انکار نہ ہوگا اگر ان کا شرعاً نسب ثابت نہ ہو تو پھر ان کا میراث سے کچھ تعلق نہ ہوگا اور بشرط اولاد صحیح النسب ہونے کے فتوائے ثالثان ناطق ہوگا اور رہیں کچھ عذر نہ ہوگا، ۱۸ جون ۱۹۰۸ء، بمقام صادق پور روبرو افسر صاحب مال مولوی عبد المالک۔ العبد اللہ بخش مدعی بقلم خود، العبد الٰہی بخش مدعی بقلم خود، العبد احمد شاہ مدعا علیہ بقلم خود۔ تحریر ہوا کہ مولوی صاحبان تمام موضع چک بھوگا نوالہ میں جمع ہو کر بموجب روئداد مسل کے فتویٰ دیں۔ امور تنقیح بحث طلب یہ ہیں کہ آیا مدعیان پیر صدر الدین کی اولاد صحیح النسب ہے یا نہیں۔ دوسرا راضی نامہ مصدقہ ضلع منٹگمری کا شرعاً کیا اثر ہے، فیصلہ کثرت رائے ثالثان پر کیا جائے گا فتویٰ چار یوم کے اندر داخل ہو، ۱۸ جون ۱۹۰۸ء دستخط افسر مال۔

(۱۸) فتویٰ مولوی عبد الرحیم وغیرہ مشمولہ مسل نمبری ۱۶۔ مدعیان نے ایک صلحنامہ از جانب والد و چچا مدعا علیہما پیش کیا جس میں صریح لکھا ہے کہ مدعیان پیر صدر الدین کے بیٹے ہیں۔ علاوہ ازیں معتبر شہادت سے ثابت ہے کہ پیر صدر الدین مورث مدعیان کو اپنا بیٹا تسلیم کرتا تھا بدر الدین و سراج الدین نے تحصیل میں بھی مدعیان کو اپنے بھائی پیر صدر الدین کے بیٹے قرار دے کر لکھوایا ہے کہ بیشک حسب مضمون صلحنامہ ریاست میں بھی ملکیت کا عملدرآمد ہونا چاہیے۔ علاقہ آزروے آب میں بھی پٹواری کے سامنے سراج الدین و بدر الدین نے مدعیان کو اپنے بھائی لکھوائے ہیں۔ رواج عام اقوام چشتی اور شجرہ نسب جو ضلع منٹگمری میں لکھا ہے مدعیان پیر صدر الدین کی اولاد اور وارث لکھے ہیں اور اس پر پیر صدر الدین اور بعض شاہدان نفی نسب کے ثبوت نسب پر گواہیں موجود ہیں شہادت مدعا علیہما نفی پر مشتمل ہیں اور شہادات نفی مقبول نہیں ہوتے۔ پس بوجہ اقرار پیر صدر الدین بولدیت مدعیان اور تسلیم بدر الدین و سراج الدین اخوت مدعیان کو فتویٰ شرعی یہ ہے کہ مدعیان کا نسب پیر صدر الدین سے ثابت ہے۔

اذا اقر وارث واحد بوارث كمن ترك ابنا فاقر باخ لا يثبت نسبه عندهما وقال ابو يوسف يثبت وبه اخذ الكرخي لانه لما قبل في الميراث قبل في النسب وان كان اكثر من واحد بان كان رجلين

جب ایک وارث دوسرے کے وارث ہونے کا اقرار کرے جیسا کہ میت کا بیٹا اپنے بھائی کا اقرار کرے تو شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھائی کا نسب ثابت نہ ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نسب ثابت ہو جائے گا اور امام کرخی نے اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ ایک کے اقرار سے جب وارث ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو نسب میں اس کا قول تسلیم کیا جائے گا اور

اورجلا وامرأتين فصاعدا يثبت النسب باقی ادھم بالاجماع لکمال النصاب و يستحق حظه من نصيب المقر اھ حموی[۱] قرة العیون۔

ایک سے زائد ورثا مثلاً دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کسی کے وارث ہونے کا اقرار کریں تو اس اقرار سے نسب بالاجماع ثابت ہوجائے گا کیونکہ شہادت کا نصاب کامل ہے اور اقرار کرنے والوں کے حصہ میں یہ بھی شریک ہوگا اھ ۱۲ حموی قرة العیون (ت)

مولوی نورالدین صاحب نکاح خواں کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت نکاح ثانی مدعیان موجود تھے اور دوسری تحریر میں ہے کہ نکاح مشہور سے پہلے پیر صدرالدین کا نکاح مخفی والدہ مدعیان کے ساتھ تھا ہر نکاح مخفی جو روبروئے گواہان کے ہو معلن ہوجاتا ہے اور شرعاً جائز نافذ ہے باپ نے جب اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ماں اس کی آزاد ہے تو یہ اقرار فرزندی اقرار ہوگا اس عورت کے منکوحہ ہونے پر۔ درمختار، طحطاوی، قنیہ ۱۲ نورالہدایہ العبد عبدالرحیم اول مدرس عربی خانقاہ مہاران شریف، اللہ بخش چک نادرشاہی، احقر العباد جمال الدین بقلم خود۔

(۱۹) فتوٰی مولوی عطا محمد مشمولہ مسل نمبری ۱۶۔ ملاحظہ مسل سے ظاہر کہ مدعیان نے بابت اثبات نسب و وراثت تین امر پیش کیے، ایک شہادت، دوسرا اقرار پیر صدرالدین بذریعہ نقل رواج عام جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد موجودہ صدرالدین از رنگ بھری وارث ہوں گے اس رواج عام پر مہر صدرالدین بھی ہے گو اس میں نام اللہ بخش و الٰہی بخش نہیں لیکن اولاد بحسب الظاہر رنگ بھری و صدرالدین بغیر ان دونوں کے اور کوئی نہیں لہٰذا ضرورۃً یہی تصور کیے جائیں گے، تیسرا صلحنامہ جس میں بدرالدین کی طرف سے اقرار صریح ہے لیکن اقرار سراج الدین نہیں ثابت ہوتا کہ سراج الدین موقع پر نہ تھا۔ ایسا ہی کسی اور جگہ مسل مقدمہ سے اقرار سراج الدین ثابت نہیں جس وقت تحصیلدار منچن آباد نے مخاطب ہو کر فرمایا تم کو اس ایزادی میں کوئی عذر ہے تو سراج الدین نے بیان کیا کہ کوئی عذر نہیں، اس سے تسلیم صلحنامہ بحق جائداد ثابت ہوتا ہے نہ بحق ثبوت نسب جیسا کہ استفہام تحصیلدار و جواب سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن احقر کو بہ نسبت ہر ایک امر ان تینوں میں سے بحق ثبوت نسب اعتراض ہے۔ امر اول شہادت۔ رکن شہادت شرع شریف میں لفظ اشھد یا اس کا ہم معنی چنانچہ گواہی میدہم ہے۔ درمختار:

---

[۱] قرة عیون الاخیار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مصطفی البابی مصر ۲/۱۴۹

ورکنھا لفظ اشھد لاغیر لتضمنہ معنی مشاھدۃ وقسم واخبار للحال فکانہ یقول اقسم باللہ لقد اطلعت علی ذٰلک و انا اخبر بہ وھذہ المعانی مفقودۃ فی غیرہ فتعین[1]

شہادت کا رکن لفظِ شہادت ہے دوسرا کوئی لفظ رکن نہیں کیونکہ یہ لفظ مشاہدہ کے معنی اور قسم اور حال کی خبر کو متضمن ہے گویا کہ گواہ نے یوں کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اس واقعہ پر اطلاع پائی اور میں اس کی خبر دیتا ہوں جبکہ یہ معانی کسی دُوسرے لفظ میں نہیں پائے جاتے لہذا یہی لفظ شہادت متعین ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولا یخلو عن معنی التعبد اذلم ینقل غیرہ[2]

اور شہادت عبادت سے خالی نہیں جبکہ شارع کی طرف سے دوسرا کوئی لفظ اس عبارت میں منقول نہیں ہوا (ت)

تنویر الابصار:

لزم فی الکل لفظ اشھد بلفظ المضارع بالاجماع لقبولھا والعدالۃ لوجوبہ[3]

تمام گواہیوں میں اشھد کا لفظ مضارع بالاجماع لازم ہے قبولیت کے لئے اور گواہوں کی عدالت وجوب کی بناء پر ضروری ہے (ت)

قرۃ العیون میں ہے:

حتی لوقال اعلم اواتیقن لا تقبل شھادتہ لان النصوص ناطقۃ بلفظ الشھادۃ فلا یقوم غیرھا مقامھا۔[4]

حتی کہ اگر گواہ نے "میں جانتا ہوں" یا "یقین رکھتا ہوں" کہہ دیا تو قبول نہ ہوگا کیونکہ تمام نصوص لفظ الشھادۃ کو بیان کر رہی ہیں اس کی جگہ دوسرا لفظ قائم مقام نہ بنے گا (ت)

مولوی اسحٰق دہلوی کا غیر ضروری کہنا لفظ اشھد کو مخالف نصوصِ فقہا و ماثور ہے اور بس،

---

[1] درمختار | کتاب الشہادات | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۹۰
[2] ردالمحتار | 〃 | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/ ۳۷۰
[3] درمختار شرح تنویر الابصار | 〃 | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۹۱
[4] قرۃ عیون الاخیار | 〃 | مصطفی البابی مصر | ۱/ ۵۶

ظاہر ہے کہ شہادات مندرجہ مسل میں لفظ اشہد یا اس کے ہم معنی کا کہیں نام و نشان نہیں لہذا یہ شہادات قبول کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ امرِ ثانی اقرار صدر الدین مع نقل رواج عام میں یہ اعتراض ہے کہ دفاتر سلطانیہ اور سجلات محاضر کے امور مندرجہ تب حجت ہوتے ہیں کہ ان کے یا محافظ دفتروں کے ہاتھ محفوظ رہیں۔ اگر فریقین مقدمہ یا اجنبی کے ہاتھ میں آجائیں تو حجت نہیں ہوتے۔ شامی جلد ۴ ص ۳۲۱:

سجل القاضی لایزوّر عادۃ حیث کان محفوظا عند الامناء بخلاف ما کان بید الخصم[1]

قاضی کے دفتری امور کے کاغذات جعل سازی سے عادۃً اس وقت محفوظ ہوتے ہیں جب وہ امین لوگوں کے پاس محفوظ ہوں بخلاف جب وہ مخالف فریق کے ہاتھ میں ہوں۔ (ت)

چونکہ نقل رواج عام بذریعہ مدعیان پہنچی اور اصل سجل کا ملاحظہ نہ ہوا حجت شرعی نہ ہوگی۔ امرِ ثالث صلحنامہ میں یہ اعتراض ہے کہ فقط اقرار بدر الدین بہ ثبوت نسب ثابت ہوتا ہے سراج الدین کا اقرار بہ نسب کسی جگہ سے ثابت نہیں پس اقرار ایک بدر الدین بموجودگی سراج الدین مثبت نسب نہیں ہوسکتا۔ تنویر الابصار:

لواقر رجل بنسب فیہ تحمیل علی غیرہ لایصح الاقرار، ومن مات ابوہ فاقر باخ شارکہ فی الارث ولم یثبت نسبہ[2] (ملخصًا)

اگر ایک شخص کسی کے نسب کا اقرار کرے جس سے دوسرے کے حصہ پر زد پڑے تو یہ اقرار صحیح نہ مانا جائے گا، اگر کسی کا والد فوت ہو اور اپنے بھائی کا اقرار کرے تو یہ بھائی اس کے ساتھ وراثت میں شریک ہوگا لیکن اس ایک کے اقرار سے والد سے نسب ثابت نہ ہوگا (ملخصاً)۔ (ت)

عبارت قرۃ العیون سے مطلب مولوی صاحبان ثابت نہیں، عبارت مذکورہ سے مقصود بیان اس صورت کا ہے کہ مقر وارث واحد ہو کہ اس کے ساتھ کوئی وارث نہ ہوا، اگر وارث دیگر ہو تو ثبوت نسب اقرار واحد شخص سے بموجب روایت امام ابو یوسف بھی نہیں ہوسکتا۔ خود قرۃ العیون کی اس سطر سے پہلے ملاحظہ فرمائیے:

قال فی البدائع ان الوارث لوکان کثیرا

بدائع میں فرمایا اگر ورثاء کثیر ہوں تو ایک کے کسی

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۸

فاقر واحد منهم باخ اٰخر ونحوه لا یثبت نسبه ولا یرث معهم ولو اقر منهم رجلان او رجل وامرأتان یثبت نسبه بالاتفاق، ولو کان الوارث واحدا فاقر به یثبت عند ابی یوسف خلافا لابی حنیفۃ ومحمد وبقول ابی یوسف اخذ الکرخی اھ وظاھر المتون علی ترجیح قولھما کما لا یخفی اھ قرۃ العیون[1] ج ۲ ص ۱۳۱۔

بھائی کے متعلق اقرار کرنے سے اس بھائی کی نسب ثابت نہ ہوگی اور باقی ورثاء کے حصوں میں شریک نہ ہوگا، اور اگر ان ورثاء میں سے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اقرار کریں تو پھر بالاتفاق نسب ثابت ہوجائے گا، اور اگر ایک ہی وارث اقرار کرے تو امام ابویوسف کے نزدیک نسب ثابت ہوگا بخلاف امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی، امام ابویوسف کے قول کو امام کرخی نے لیا ہے جبکہ ظاہر متون نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ قرۃ العیون جلد ۲ ص ۱۳۱ (ت)

چونکہ صورت مقدمہ میں بدرالدین کے ساتھ دوسرا وارث سراج الدین ہے تو اقرار بدرالدین اکیلے کا بموجب روایت امام ابویوسف بھی مثبت نسب نہ ہوگا، ہر دو تحریرات مولوی نورالدین قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان تحریرات سے نہیں جو شرعاً حجت ہو باقی رہا اقرار بحق جائداد تو اقرار بدرالدین سے ضرور شرکت فی الوراثۃ اس کے حق میں ثابت ہے سراج الدین کا قول روبروئے تحصیلدار بظاہر تسلیم صلحنامہ بحق جائداد ہے وبلحاظ استقلال کلام وعدم ضمیر راجع کلام مستانف ہوگی مبنی بر اقرار نہ ہوگی، بہرحال شرکت فی الوراثۃ در کل جائداد یا درحصہ بدرالدین بموجب ضمانت وثابت ہوگی اور بموجب صلحنامہ اقرار بدرالدین مستحق وراثت علی حسب صلحنامہ ہوں گے۔ خادم الشرع عطا محمد مدرس بھوگانوالا بقلم خود فقط

(۲۰) رپورٹ ثالثان مشمولہ مسل نمبری ۱۶۔ گزارش ہے کہ سوائے تحقیقات جدید کے مظہران فیصلہ نہیں کرسکتے اور اب تحقیقات جدید کا موقع نہیں رہا کہ احمد شاہ مدعا علیہ نے محکمہ پریذیڈنٹی میں واسطے منسوخی ثالثان کے عرضی دی ہے اور بیان کیا ہے کہ مسل واسطے ملاحظہ کے محکمہ مذکور الصدر میں طلب کی گئی ہے اس واسطے تحقیقات جدید ملتوی کی گئی پھر جب حکم ہو تحقیقات کی جائیگی ۲۱ جون ۱۹۰۵ء العبد اللہ بخش چک نادر شاہی، العبد عطا محمد مدرس عربیہ بھوگانوالا، العبد عبدالرحیم اول مدرس عربیہ مہاران شریف۔

---

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۴۷

(۲۱) نقل عرضی منسوخی ثالثان مشمولہ مسل نمبری ۱۶ ، جناب عالی افسر صاحب مال نے من مدعاعلیہ کو ثالث مقرر کرنے کو ارشاد فرمایا تھا لیکن سائل نے انکار کیا تھا اور اس میں رضامند نہیں تھا عدالت موصوف نے مجھ سے جبراً اقرار نامہ ثالثی داخل کرالیا ہے جس میں سائل بالکل رضامند نہیں جیسا کہ پہلے سے رضامند نہیں تھا لہذا التماس ہے کہ تقرر ثالثی منسوخ فرمایا جائے اور جیسی کارروائی قبل از تقرر ثالثی تھی ویسی ہی جاری کی جائے ۲۱ جون ۱۹۰۸ء فدوی احمد شاہ ولد سراج الدین بقلم خود۔

نقل حکم پریزیڈنٹ : مسل کا ملاحظہ کیا گیا درخواست تقرر ثالثان دستخطی شاکی ہے ، ایک اعلیٰ افسر کی نسبت بدظنی کی کوئی وجہ ہے اس لئے ناقابلِ التفات قرار دے کر مسل بمراد کارروائی ضابطہ واپس جائے ۔ دستخط پریذیڈنٹ صاحب ۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (یااللہ ! حق اور درستی عطا فرما ۔ ت) قبل اس کے کہ ہم بتوفیقِ الٰہی یہاں حکمِ شرعی بیان کریں اتنی گزارش فریقین مقدمہ وحکام سب سے ضرور کہ معاملہ اہل اسلام کا ہے ریاست مسلمانوں کی ہے ابتداءً ہی ہر فریق پر فرض تھا کہ حکم شرع پر گردن رکھتا ، حکام پر فرض تھا کہ شرع مطہر کے موافق فیصلہ کرتے ۔

قال اللہ تعالٰی فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما[1]۔

(اللہ تعالٰی نے فرمایا :) اے نبی ! تیرے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنی باہمی نزاع میں تجھے حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تو حکم فرمائے اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور دل سے مان لیں ۔

وقال تعالٰی الم ترالی الذین یزعمون انھم اٰمنوا بما انزل الیك وما انزل من قبلك یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ ویرید الشیطٰن ان یضلھم ضلٰلا بعیدا[2]۔

(اور اللہ تعالٰی نے فرمایا :) کیا تو نے انھیں نہ دیکھا جن کا دعوٰی ہے کہ وہ ایمان لائے قرآن مجید اور اگلی کتابوں پر ، پھر یہ چاہتے ہیں کہ مخالفان خدا و رسول کی بات پر فیصلہ رکھیں حالانکہ انھیں تو ان سے منکر ہونے کا حکم تھا اور شیطان چاہتا ہے انھیں دور کی گمراہی میں ڈال دے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۵
[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

وقال تعالیٰ یایھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین[1]

(اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے آجاؤ یعنی ہر بات میں احکام اسلام ہی کی پیروی کرو اور شیطانی راہ کے پیچھے نہ جاؤ بیشک وہ تمھارا صریح دشمن ہے۔

وقال تعالیٰ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفٰسقون[2] وقال تعالیٰ فاولٰئک ھم الظٰلمون[3]

(اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) جو شریعت مطہرہ کے مطابق حکم نہ کریں تو وہی لوگ فاسق ہیں (اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) وہی لوگ ظالم ہیں۔

اب کہ معاملہ ثالثی تک پہنچا اور اہل علم ثالث کئے گئے اور ان سے فتوٰی طلب ہوا تو خود ہی تمام بادی چھنٹ گئی اور صرف شرع مطہر پر بنائے کار رہی ولہٰذا اقرار نامہ میں فریقین نے لکھ دیا تھا کہ "کل مقدمہ سپرد ثالثان کرکے اعتراضات قانونی اور رواجی چھوڑ دیے گئے ہیں" اب صرف اتنا دیکھنا رہا کہ فتوائے ثالثان صحیح و مطابق قواعد شرعیہ ہے یا نہیں، اور اس جانچ میں صرف قواعد شریعت مطہرہ پر نظر لازم، قانونی یا رواجی جھگڑوں کی طرف اصلاً التفات نہیں، نہ یہ کہ معاذ اللہ شرعی احکام کو تاویلات دُور از کار کرکے قانون و رواج کی طرف ڈھالنا کہ یہ ان تمام آیات کریمہ کے صریح مخالف ہوگا، واللہ الہادی۔

اب ہم بیان حکم شرعی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وباللہ التوفیق، کاغذات ملاحظہ ہوئے یہ فیصلہ کہ ثالثوں نے کیا اور اسی پر افسر مال نے مدار حکم رکھا شرعاً محض باطل ہے اس کا بطلان بہت وجہ سے ہے،

ایک یہ کہ فیصلہ کرنے والے شرعاً ثالث ہی نہ تھے، نہ ان کو اصلاً فیصلہ کا اختیار تھا نہ ان کا فیصلہ کسی راہ چلتے اجنبی کی بات سے زیادہ وقعت رکھتا ہے۔

دوم اگر وہ ثالث فرض بھی کئے جائیں جب بھی انھیں خاص اس فیصلہ کا اختیار نہ تھا جو انھوں نے دیا۔

سوم اس سے بھی قطع نظر ہو تو ان کا فیصلہ بوجہ باہمی اختلاف رائے کے نامعتبر ہے۔

چہارم ان سب سے درگزریے اور نفس فیصلہ کو دیکھئے جو تین ثالثوں نے کیا تو وہ خود ہی یکسر مخالف شرع واقع ہوا ــــ اب ان سب وجوہ کو بتوفیق اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸
[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۷
[3] ؍؍ ۵/ ۴۵

وجہ اوّل: پنچوں کو فیصلہ کا اختیار اس وقت ہوتا ہے کہ ان کے حکم دینے تک فریقین ان کے پنچ ہونے پر راضی رہیں، اگر ایک فریق بھی پنچ کے حکم دینے سے ایک آن پہلے اس کی ثالثی پر ناراضی ظاہر کرے فوراً وہ ثالثی سے نکل جائے گا اور اسے حکم دینے کا کچھ اختیار نہ رہے گا اور حکم دے تو اصلاً نہ سنا جائیگا یہاں تک کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں اگر تمام ترتیب وتکمیل مقدمہ کے بعد جب صرف حکم دینے کی دیر رہی تھی ثالث نے ایک فریق سے کہا میرے نزدیک حجت تجھ پر قائم ہوگئی میں تجھ پر حکم دیا چاہتا ہوں اس نے کہا میں تیرے ثالثی سے راضی نہیں، بس یہ کہتے ہی ثالث کو اختیار جاتا رہا اب وہ کچھ حکم نہیں کرسکتا۔ درمختار جلد ۴ صفحہ ۵۲۰ میں ہے:

(ینقض احدھما بنقضہ) ای التحکیم بعد وقوعہ[1]	ثالث بننے والے کے فیصلہ کو ایک فریق بھی رد کرسکتا ہے (ت)

ردالمحتار جلد ۴ صفحہ ۵۴۲ میں ہے:

لکل منھما عزلہ قبل الحکم[2]	ثالث کے فیصلہ سے قبل کوئی ایک فریق بھی ثالث کو معزول کرسکتا ہے (ت)

فتاوٰی عالمگیری جلد ۳ ص ۱۲۱ میں محیط سے ہے:

لو وجّہ الحکم القضاء علی احدھما یرید بہ ان الحکم قال لاحد الخصمین قامت عندی الحجۃ بما ادعی علیك من الحق ثم ان الذی توجہ علیہ الحکم عزلہ ثم حکم علیہ بعد ذٰلك لاینفذ حکمہ علیہ[3]	اگر حکم کسی ایک فریق پر فیصلہ متوجہ کرے، سے مراد یہ ہے کہ حکم ایک فریق کو کہے کہ دعوٰی کرنیوالے کی حجت میں تجھ پر قائم سمجھتا ہوں کہ حق ہے پھر یہ فریق اس کو معزول کردے اور اس کے باوجود حکم اس فریق کے خلاف فیصلہ دے دے تو وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

یہاں کہ احمد شاہ نے قبل حکم ثالثان ثالثی سے اپنی ناراضی بذریعہ عرضی ظاہر کی ثالثی فوراً منسوخ ہوگئی اور ثالثان کا فیصلہ ایسا ہی ہوگیا جیسے راہ چلتا کوئی اجنبی کچھ کہہ جائے اور اس کی نسبت یہ عذر کہ

---

[1] درمختار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲
[2] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۰
[3] فتاوٰی ہندیہ " الباب الرابع والعشرون نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور ۳/ ۳۹۸

درخواست تقرر ثالثان احمد شاہ کی دستخطی ہے کچھ بکار آمد نہیں، احمد شاہ نے عرضی میں فقط یہی بیان نہ کیا کہ مجھ سے جبراً تقرر ثالثان کرالیا ہے میں رضامند نہ تھا بلکہ صاف لکھ دیا ہے کہ "سائل بالکل رضامند نہیں جیسا کہ پہلے رضامند نہ تھا" اس کا اس قدر لکھنا منسوخی ثالثی کے لئے کافی ہے پس ثالثی باطل محض ہوگئی اور یہ فیصلہ اصلاً قابلِ التفات نہیں۔

وجہ دوم: بالفرض اگر ثالثی باقی بھی رہتی تو ملاحظہ مسل سے ظاہر کہ مدعا علیہم میں ایک لڑکا خدابخش نابالغ بھی ہے اور جب کہ فیصلہ بحق مدعیان دیا گیا تو اس کا ضرر اسے بھی پہنچے گا اور ثالثوں کو کوئی اختیار نہیں کہ ایسا فیصلہ دیں جس کا اثر نابالغ پر پڑے۔ ردالمحتار جلد ۴ ص ۴۷۵ میں ہے:

لا یصح حکمہ بما فیہ ضرر علی الصغیر بخلاف القاضی[1]

نابالغ کے خلاف ضرر رساں فیصلہ حکم نہیں دے سکتا بخلاف قاضی کہ وہ ایسا کرسکتا ہے (ت)

اور وجہ اس کی ظاہر کہ ثالثی کا حاصل فریقین کا باہمی ایک صلح کرلینا ہے احمد شاہ کو کیا اختیار کہ ایسی صلح کرے جس سے اس کے نابالغ بھائی کو نقصان پہنچے۔ درمختار صفحہ ۳۵۳ میں ہے:

(التحکیم) صلح معنی فلا یصح تعلیقہ ولا اضافتہ عند الثانی وعلیہ الفتوی کما فی قضاء الخانیۃ۔[2]

تحکیم یعنی کسی کو ثالث بنانا معنیً صلح ہے لہذا اس کی تعلیق و اضافت جائز نہیں، یہ امام ثانی یعنی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، جیسا کہ خانیہ کی قضا میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الدرر فانہ تولیۃ صورۃ وصلح معنی اذ لایصار الیہ الا بتراضیھما لقطع الخصومۃ بینھما۔[3]

درر میں فرمایا: یہ صورتاً تولیت ہے اور معناً صلح ہے کیونکہ اس سے دونوں فریقوں کی رضامندی سے ان کے جھگڑے کو ختم کرنا مطلوب ہوتا ہے (ت)

وجہ سوم: ہم پہلے کہہ چکے ہیں اور خود فریقین نے تسلیم کیا کہ قانونی و رواجی باتیں سب بالائے طاق رکھی گئیں معاملہ صرف شریعت مطہرہ کے سپرد ہے اور یہی فرض تھا، اب شرع مطہر کا حکم سُنئے

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۴۹
[2] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۳
[3] ردالمحتار " باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۲۸

ثالثی جب متعدد اشخاص کے سپرد کی جائے تو ان کا وہی حکم مسلّم و قابلِ اعتبار ہوگا جو وہ سب باتفاق رائے فیصلہ کریں اور اختلاف پڑے تو ان میں کسی کا حکم قابلِ لحاظ نہیں ایسے مقامات میں کثرت رائے پر نظر نہیں ہوسکتی جہاں کوئی اختیار متعدد اشخاص کو سپرد کیا گیا ہو مثلاً چند شخصوں کو وکیل کیا تو ان سب کی رائے متفق ہونا ضرور ہے یا متعدد اشخاص کو اپنے مال کا وصی کیا تو جو تصرف ہوگا سب کی مجموعی رائے سے ہوسکے گا یا چند اشخاص کو وقف کا متولی کیا تو اس میں بھی بعض یا اکثر کی رائے سے کچھ نہ ہوسکے گا جب تک سب کی رائے متفق نہ ہو بعینہٖ یہی حالت ثالثوں کی ہے اور ان سب کی وجہ یہی ہے کہ اختیار دینے والا المجموع کی رائے پر راضی ہوا تھا نہ کہ بعض کی۔ اشباہ والنظائر صفحہ ۲۵۱ میں ہے:

الشیئ المفوض الی اثنین لایملکہ احدھما کالوکیلین والوصیین والناظرین والقاضیین والحکمین[1]

جو چیز دو کو تفویض کی جائے ایک واحد مالک نہ ہوگا جیساکہ دو وکیل، دو وصی، دو منتظم، دو قاضی اور دو ثالث۔ (ت)

ہدایہ جلد دوم ص ۱۳۲ میں ہے:

اذا وکل وکیلین فلیس لاحدھما ان یتصرف فیما وکلا بہ دون الاٰخر وھذا فی تصرف یحتاج فیہ الی الرأی کالبیع والخلع وغیر ذلک لان الموکل رضی برأیھما لا برأی احدھما[2]

جب کسی نے دو وکیل بنائے تو جس معاملہ میں دونوں وکیل ہیں ایک وکیل دوسرے کے بغیر اس میں تصرف نہیں کرسکتا، یہ ان امور میں ہے جن میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بیع اور خلع وغیرہ، کیونکہ موکل دونوں کی رائے پر راضی ہے ایک کی رائے پر نہیں (ت)

اسی کے صفحہ ۶۵۷ میں ہے:

الولایۃ تثبت بالتفویض فیراعی وصف التفویض وھو وصف الاجتماع اذ ھو شرط مفید[3]

ولایت تفویض سے ثابت ہوتی ہے لہذا تفویض کے وصف کی رعایت ضروری ہے اور یہ دونوں کی اجتماعی رائے کا وصف ہے (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶ تا ۱۸
[2] الہدایۃ کتاب الوکالہ فصل فی تصرف الوکیلین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۹۱
[3] الہدایۃ کتاب الوصایا باب الوصی وما یملکہ ″ ″ ″ ۴/ ۶۹۰

اسی کے صفحہ ۹۲ میں ہے :

28

لوحکما رجلین لابد من اجتماعهما لانه امر یحتاج فیه الی الرأی[1]

اگر دونوں فریقوں نے دو ثالث بنائے تو دونوں کی اجتماعی ثالثی ضروری ہے کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے (ت)

ان عبارات میں دو کا ذکر صرف تصویر مسئلہ ہے قید حکم نہیں کہ دلیل مذکور ہدایہ دو اور دس سب کو شامل ہے، لاجرم ادب الاوصیاء ہامش جامع الفصولین جلد دوم صفحہ ۳۴۵ میں ہے :

فی الخانیة وغیرها ان حکم هذا الفصل انه لایتمکن احد الوصیین او الاوصیاء من التصرف بدون حضور رأی الباقی الافیما لابد منه او لایکون فیه مدخل للرأی وهو اشیاء معدودة الخ[2]

خانیہ وغیرہ میں ہے کہ اس معاملہ کا حکم یہ ہے کہ دو یا زیادہ وصی میں سے کسی ایک کو باقیوں کے بغیر تصرف کا حق نہیں مگر جب کوئی اہم مجبوری ہو یا معاملہ ایسا ہو جس میں مشورہ کی ضرورت نہ ہو جبکہ یہ چند امور ہی ہیں الخ (ت)

اسی کے صفحہ ۳۵۲ میں ہدایہ سے ہے :

اقر الوصیان بان معهما ثالثا یملك القاضی نصب الثالث معهما اعترافا بالعجز عن التصرف[3]

دو وصیوں نے اپنے ساتھ تیسرے وصی کا بھی اقرار کیا ہو تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی تیسرے کو ان کے ساتھ مقرر کرے کیونکہ ان دونوں نے تصرف سے اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے (ت)

یہ مسئلہ ہدایہ کتاب الشہادۃ صفحہ ۱۰۹ میں ہے :

ونصها الوصیان اذا اقرا ان معهما ثالثا یملك القاضی نصب ثالث معهما لعجزهما عن التصرف باعترافهما[4]

اس کی عبارت یہ ہے دو وصیوں نے اقرار کیا کہ ان کے ساتھ تیسرا بھی ہے تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ کسی تیسرے کو ان دونوں کے ساتھ مقرر کرے کیونکہ انھوں نے خود اپنے اعتراف سے تصرف سے عجز ظاہر کیا ہے۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب القضاۃ باب التحکیم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۴

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی تعدد الاوصیاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۵

[3] " " " " " " " " " " " " ۲/ ۳۵۳

[4] الہدایۃ کتاب الشہادات باب من یقبل شہادتہ ومن لایقبل مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۴

عنایہ ہامش الفتح ج ۶ ص ۴۶ میں ہے:

شہادتھما بثالث معھما اعتراف لعجزھما عن التصرف بعد ما استقلا لھما بہ۔[1]

اپنے ساتھ تیسرے کے بارے میں ان کی شہادت اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ تصرف میں عاجز ہیں کیونکہ وہ اس میں استقلال نہیں رکھتے۔ (ت)

فتح القدیر جلد مذکور صفحہ ۴ میں ہے:

وصیا المیت لما شھدا بالثالث فقد اعترفا بعجز شرعی منھما عن التصرف الا ان یکون ھو معھما۔[2]

میت کے دو وصی ہیں انھوں نے جب اعتراف کیا کہ ہمارے ساتھ تیسرا ہے تو انھوں نے اپنے شرعی عجز کا اظہار کردیا کہ تیسرے کے بغیر ہم تصرف نہیں کرسکتے (ت)

نیز اشباہ صفحہ ۱۴۸ میں ہے:

ماثبت لجماعۃ فھو بینھم علی سبیل الاشتراک الا فی مسائل الی اخرہ وعد ثلثا لیس ھذہ منھا۔[3]

جو امر جماعت کے لئے ثابت ہو تو وہ پوری جماعت اس میں شریک ہوگی ماسوائے چند مسائل کے جن کا عدد تین ہے یہ مسئلہ ان میں سے نہیں۔ (ت)

تو یہاں کہ اختلاف رائے واقع ہوا ثالثوں میں کسی کا فیصلہ معتبر نہ رہا۔

وجہ چہارم: اگر یہ وجوہ کچھ بھی نہ ہوتے تو فیصلہ خود ہی اصول شرع کے بالکل خلاف ہوا ہے روئداد مسل اثبات نسب اللہ بخش و الٰہی بخش میں شرعاً محض ناکافی ہے ثالثوں نے اس کے لئے سات چیزوں سے استناد کیا چھ ثبوت تحریری یعنی کاغذات نمبر ۱، ۲، ۳، ۵، ۹، ۱۱ جن کا خلاصہ سوال میں گزرا اور ساتواں ثبوت زبانی یعنی شہادات مگر بہت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان میں ایک بھی میزان شرع پر کامل و کافی نہیں۔

کاغذ اوّل رپورٹ پٹواری

(۱) فتوائے ثالثان کا بیان کہ "پٹواری کے سامنے سراج الدین و بدر الدین نے مدعیان کو اپنے بھائی

---

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الشہادات باب من یقبل شہادتہ ومن لایقبل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۹۳
[2] فتح القدیر " " " " " " " " ۶/ ۴۹۴
[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب النکاح ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۴۴

لکھوائے ہیں" سخت عجب ہے اولاً وہ اگر ہے تو صرف بدرالدین کا بیان جس میں اظہار سراج الدین کا نام نہ نشان۔

(۲) اس کے کس لفظ کس حرف میں بدرالدین نے اللہ بخش و الٰہی بخش کو اپنا بھائی کہا اس نے تو صاف اس کے خلاف یہ بیان کیا کہ وہ دونوں قبل از نکاح پیدا ہوئے ہیں اس سے اتنا بھی نہ کھلا کہ نطفہ پیر صدرالدین سے پیدا ہوئے۔ کنچنیان جو بلا نکاح رکھی جاتی ہیں مقید نہیں ہوتیں کیا خبران کی اولاد کس سے ہے، نہ ہرگز اس بیان میں پیر بدرالدین نے معاذاللہ صراحۃً اپنے باپ کو زنا کی طرف نسبت کیا کنچنی کو لے کر چلا جانا گانا ناچ دیکھنے سننے کے لئے بھی ہوسکتا ہے کچھ زنا ہی ضرور نہیں، اور بفرضِ غلط اگر بدرالدین کی یہی مراد مانی جائے تو بھی ان کے بھائی ہونے کا اقرار کہاں ہوا، ایسی اولاد بے نکاح کو شرع اس صاحب نطفہ کی اولاد کب مانتی ہے، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاھر الحجر۔[1] بچہ اس کا جس کا نکاح ہے اور زانی کیلئے پتھر۔

(۳) بالفرض اس میں اگر سراج الدین کا بھی نام ہوتا اور بھائی ماننے کی صریح تصریح بھی، جب بھی کیا حجت ہوسکتا کہ یہ نہ سراج الدین کا بیان ہے نہ بدرالدین کا، بلکہ ایک پٹواری کا قول ہے کہ انھوں نے ایسا بیان کیا جس کی عدالت بھی معلوم نہیں، کیا شرع میں کسی کا اقرار ایک شخص واحد مجہول العدالۃ کے بیان سے ثابت ہوسکتا ہے، ہرگز نہیں،

قال اللہ تعالیٰ واشھدوا ذوی عدل منکم۔[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے میں سے دو عادل گواہ بناؤ۔ (ت)

پٹواریوں کی سیکڑوں رپورٹیں اپنے تھوڑے سے فائدے کے لئے خلاف واقع گزرا کرتی ہیں ہر شخص جسے زمینداری سے تعلق رہا ہے اسے اپنے تجربے سے جانتا ہے میں نہیں کہتا کہ عنایت اللہ نے ایسا کیا مگر تحسین ظن اور چیز ہے اور حجت شرعیہ دوسری چیز۔

کاغذ دوم رواج عام

(۴) رواج عام کی نسبت ثالثوں کا فرمانا کہ اس میں مدعیوں کو پیر صدرالدین نے وارث لکھا ہے

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع و کتاب الوصایا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۶ و ۳۸۳
مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دالفکر بیروت ۱/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

بہت سخت عجب ہے رواج عام کی عبارت سامنے موجود ہے اس میں نہ مدعیوں کا نام ہے نہ مدعیوں کی ماں کا نام، صرف اس قدر ہے کہ "صدرالدین نے ہمراہ عورت بیوہ قوم پیرنی کے نکاح کرلیا ہے اولاد اس کی بعد وفات صاحبِ جائداد کے مالک ہوگی" اس سے کیا ثابت ہوا کہ کون عورت اور کس کی اولاد یہ اقرار اگر ہے تو محض مجہول کے لئے ہے جس کی جہالت سخت فاحشہ ہے بیوہ عورت قوم پیرنی لاکھوں ہیں اور ایسے مجہول کے لئے اقرار بالاتفاق باطل ہے۔ ہدایہ جلد دوم صفحہ ۱۶۵ میں ہے:

جھالۃ المقربہ لایمنع صحۃ الاقرار لان الحق قد یلزمہ مجھولا بان اتلف مالایدری قیمتہ بخلاف الجھالۃ فی المقرلہ لان المجھول لایصلح مستحقا۔[1]

جس چیز کا اقرار کیا جائے وہ مجہول ہو تو مانع اقرار نہیں کیونکہ حق مجہول ہوتے ہوئے بھی لازم ہوجاتا ہے یُوں کہ اقرار کیا کہ چیز تلف کی ہے جس کی قیمت معلوم نہیں بخلاف مقرلہ یعنی جس کے حق میں اقرار کیا ہو کیونکہ مجہول شخص مستحق نہیں بن سکتا۔ (ت)

بحرالرائق جلد ہفتم ص ۲۷۲ میں ہے:

جھالۃ المقرلہ مانعۃ من صحتہ ان تفاحشت کل واحد من الناس علی کذا۔[2]

مقرلہ کی جہالت فاحشہ اقرار کی صحت کے لئے مانع ہے اس میں تمام لوگ شامل ہیں۔ (ت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد پنجم ص ۴ میں ہے:

لوکان المقربہ مجھولا لایمنع صحۃ الاقرار بخلاف الجھالۃ فی المقرلہ سواء تفاحشت اولا لان المجھول لایصلح مستحقا ھکذا ذکر شمس الائمۃ و ذکر شیخ الاسلام فی مبسوطہ والناطفی فی واقعاتہ انھا اذا تفاحشت لایجوز وان لم تتفاحش جاز۔[3]

اگر مقربہ یعنی جس چیز کا اقرار ہو، مجہول ہو تو وہ اقرار کی صحت کے لئے مانع نہیں بخلاف مقرلہ کے خواہ یہ جہالت وسیع ہو یا نہ ہو کیونکہ مجہول شخص مستحق نہیں ہوسکتا، شمس الائمہ نے یوں ذکر کیا ہے جبکہ شیخ الاسلام نے اپنی مبسوط میں اور ناطفی نے اپنی واقعات میں فرمایا کہ اگر جہالت فحش ہو تو مانع ہے اور یہ جہالت کھلی نہ ہو تو اقرار جائز ہے۔ (ت)

---

[1] الہدایہ — کتاب الاقرار — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۳/۲۳۰
[2] بحرالرائق — " — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۷/۲۵۰
[3] تبیین الحقائق — " — المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر — ۵/۴

اسی طرح فتاوٰی عالمگیریہ جلد چہارم ص ۵۹ میں ہے۔

اشباہ والنظائر صفحہ ۲۵۴ میں ہے الاقرار للمجھول باطل[1] الخ (مجہول شخص کے لئے اقرار باطل ہے الخ۔ ت) اس پر ثالث چہارم یعنی مولوی عطا محمد صاحب نے جو یہ خیال کیا کہ "گو اس میں نام اللہ بخش والٰہی بخش نہیں ہے لیکن چونکہ اولاد بحسب الظاہر رنگ بھری وصدرالدین کی بغیر ان دونوں کے اور کوئی نہیں، لہٰذا ضرورۃً یہی تصور کئے جائیں گے، میں اس کے لئے بھی شرع میں کوئی اصل نہیں پاتا اولاً کیا اگر کوئی اقرار کرے کہ ایک شخص ساکن ہندوستان کے ہزار روپے مجھ پر قرض آتے ہیں توجو کوئی ہندوستانی اس پر دعویدار ہوکر کھڑا ہوگا ہم باور کرلیں گے کہ وہ یہی ہے جس کی نسبت اقرار کیا تھا نہیں بلکہ ضرور اسے ثبوت دینا ہوگا اس قدر شدید جہالت درکنار زید اگر کہے خالد کے مجھ پر سو روپے آتے ہیں پھر خالد نامی ایک شخص مدعی ہو کہ میں خالد ہوں میرے روپے آتے ہیں ہرگز اس قدر سے ثبوت دعوٰی نہ ہوگا اور مقر کا اس کے حق میں انکار کرنا حلف کے ساتھ مان لیا جائے گا۔ وجیز امام کردری پھر ردالمحتار جلد دوم صفحہ ۵۵۷ میں ہے:

اذا اقر بمال لمسمی فادعی رجل انہ ھو وانکر یصدق بالحلف مالہ علی ھذا المال[2]

جب ایک نے کسی مسمّٰی شخص کے حق میں مال کا اقرار کیا اور دوسرے نے دعوٰی کیا وہ مسمّٰی میں ہوں لیکن اقرار کرنے والا اس کا انکار کرتا ہے تو انکار کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی کہ مدعی کا اس پر یہ مال نہیں ہے۔ (ت)

توجب صراحۃً نام لے دینے سے بھی ثبوت نہ ہوگیا کہ ایک نام کے ہزاروں ہوتے ہیں تو اتنی سخت مجہول بات کہ بیوہ پیرنی کیا مفید ثبوت ہوسکتی ہے اگر کہئے یہاں ثبوت کا پتہ یوں چلتا ہے کہ آخر رنگ بھری سے پیر صدرالدین نے نکاح کیا ہے اور وہ قوم کی پیرنی ہے یوں ہم نے سمجھ لیا کہ وہ عورت یہی ہے، ہم کہیں گے کیا ثبوت ہے کہ تحریر رواج عام کے وقت رنگ بھری نکاح صدرالدین میں تھی اور ہو بھی تو غایت درجہ ایک قرینہ ہے جسے مفتی نے خود ظاہر کیا اور ہدایہ وغیرہ تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ:

الظاھر یصلح حجۃ للدفع

ظاہر حال دفاع کی دلیل ہوسکتا ہے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۰

[2] ردالمحتار

لا للاستحقاق [1]　　　　استحقاق کی نہیں۔ (ت)

یعنی ظاہر سے سند لانا مدعا علیہ کو مفید ہوسکتا ہے مدعی کو اصلاً مفید نہیں اور یہاں اللہ بخش و الٰہی بخش مدعی ہیں تو ظاہر انھیں کیا بکار آمد ہوسکتا ہے اگر کہئے رواج عام کی تاریخ ۱۸۶۲ء اور نکاح کی تاریخ ۱۲۸۶ھ کہ مولوی نورالدین نکاح خواں نے اپنی تحریر میں لکھائی دونوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت تحریر رواج رنگ بھری نکاح پیر صدرالدین میں تھی تو اس کا جواب عنقریب آتا ہے کہ تحریر مولوی نورالدین اصلاً شہادت میں لئے جانے کے قابل نہیں نہ اس پر کوئی التفات ہوسکتا ہے اور یہ امر خود مفتی موصوف کو بھی مسلّم ہے۔

(۵) ثانیاً بلکہ رواج عام کی عبارت تو یہ کہہ رہی ہے کہ وہ عورت جس کی نسبت اقرار تھا رنگ بھری نہ تھی کوئی اور تھی اس میں عورت کو بیوہ لکھا ہے اور بیوہ وہ جس کا شوہر مرگیا ہو، رنگ بھری کنچنی تھی پیر صدرالدین سے نکاح کے ہونے تک اسی اپنے پیشہ ناجائز میں تھی ایسی عورت کو بیوہ نہیں کہتے۔ حسن اتفاق سے ۱۵ شعبان معظم ۲۷ھ روز چہارشنبہ کو فریق دوم شیخ اللہ بخش بھی منچن آباد سے ہمارے پاس آئے ہم نے اس خیال پر کہ شاید اہل پنجاب میں بیوہ کا کوئی اور محاورہ ہو فریق اول ان کے ہمراہی سے پہلے ہی دریافت کرلیا تھا مزید اطمینان کے لئے ان فریق دوم سے بھی استفسار کیا انھوں نے بھی جواب دیا کہ بیوہ اسی کو کہتے ہیں جس کا پہلا خاوند مرگیا ہو، ہم نے پوچھا تمھاری والدہ کا پیر صدرالدین سے پہلے کسی اور شخص سے بھی نکاح ہوا تھا، کہا کوئی نہیں، تو صاف ظاہر ہوا کہ رواج عام کی تحریر رنگ بھری سے متعلق نہیں، اس کا جواب فریق دوم کو کچھ بن نہ آیا مگر احمد شاہ فریق اول کی طرف اشارہ کرکے کہا یہی بتادے کہ پیر صدرالدین نے اور کسی عورت سے نکاح کیا تھا، اس کا جواب ان کو دے دیا گیا کہ تم مدعی ہو تمھاری دلیل کی تصحیح تمھارے ذمہ ہے مدعا علیہ پر اس کا کوئی بارِ ثبوت نہیں، ہوگئی کوئی عورت بیوہ جس سے پیر صدرالدین نے نکاح کیا اور لاولد مرگئی ہو۔

(۶) فرض کیجئے کہ رواج عام میں رنگ بھری کا صاف نام اور پورا پتہ لکھا ہوتا پھر بھی کیا کام آتا، یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا تھا کہ رنگ بھری کی جو اولاد ہو مطلقاً پیر صدرالدین کی وارث ہوگی اگرچہ نطفہ پیر صدرالدین سے نہ ہو آخر رنگ بھری کا بیٹا اللہ دتا بھی تو ہے اسے کیوں نہیں وارث

---

[1] الہدایہ　کتاب القضاء　فصل فی القضاء بالمواریث　مطبع یوسفی لکھنؤ　۳/ ۱۴۷
ردالمحتار　باب القسامۃ　داراحیاء التراث العربی بیروت　۵/ ۴۰۵

ٹھہراتے، تو بالضرورۃ مطلب یہ ہے کہ رنگ بھری کی جو اولاد نطفۂ پیر صدر الدین سے ہو وہ پیر موصوف کی وارث ہوگی، اب یہ بیان ایک شرطیہ کی حیثیت میں آگیا جس سے یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ پیر صدر الدین کے رنگ بھری سے کوئی اولاد ہے بھی یا نہیں، اگر فرض کیجئے کہ رنگ بھری کے بچہ سرے سے ہوتا ہی نہیں جب بھی واجب العرض میں یہ لکھا سکتے تھے کہ نطفۂ پیر صدر الدین سے اس کی اولاد پیر موصوف کی وارث ہوگی جس کا مطلب وہی ہوتا ہے کہ اگر ہو، اور اس میں سر یہ ہے کہ رواج عام و واجب العرض ایک قاعدہ و قانون وضع کرنا ہوتا ہے جس پر آئندہ جزئیات کی بنا ہو جیسا کہ خود صاحب افسر مال نے فقرہ ۱۲ میں فرمایا کہ "یہ ایک رواج عام مثال قرار دی گئی جس پر آئندہ فیصلجات خاندان کی وراثت کا مدار ہے" اور ظاہر ہے کہ ایسی عام باتیں حکم شرطیہ میں ہوتی ہیں یعنی ایسا ہو تو یہ ہوگا نہ کہ کسی واقعہ کی خبر دینا کہ ایسا ہوگیا مثلاً درمختار جلد سوم صفحہ ۴۶۲ میں ہے:

ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا[1]

یعنی جو بات بالاتفاق کفر ہے وہ اعمال و نکاح سب کو باطل کر دیتی ہے اور اس کی اولاد ولد الزنا ہے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ جس سے کلمہ کفر صادر ہو خواہی نخواہی اس کے لئے کوئی منکوحہ و اولاد ہے بلکہ وہی مطلب ہے کہ اگر اس کے کوئی منکوحہ ہو تو نکاح جاتا رہے گا اگر اس کے بعد اس سے اولاد ہوگی تو ولد الزنا ہوگی بعینہٖ یہاں بھی یہی معنی ہیں۔ نظیر کے لئے بیان واقعہ تو وہ ہے کہ پیر صدر الدین نے ایسی عورت سے نکاح کرلیا ہے پھر وہی قانونی حکم پر تفریع ہے کہ پیر صدر الدین سے اگر اس کے اولاد ہوئی تو وارث ہوگی ظاہر ہے کہ اس قدر محصل رواج تسلیم کرنے پر بھی کچھ ثابت نہ ہوا کہ اللہ بخش و الٰہی بخش کس کے نطفہ سے ہیں، عبارت رواج عام بر تقدیر تصریح نام بھی اتنا بتاتی کہ اولادِ رنگ بھری جو نطفۂ پیر صدر الدین سے وارث ہوگی یہ کس نے بتایا کہ یہ دونوں نطفۂ پیر صدر الدین سے ہیں تو تحریر رواج عام سے استناد محض بے معنی ہے۔

(۷) یہاں سخت استعجاب اس کا ہے کہ فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ ۱۲ میں عبارت رواج عام سے ایک فقرہ یہ نقل ہوا ہے کہ "اس کی اولاد نرینہ موجود ہے" اور یہی فقرہ لطافت علی صاحب تحصیلدار انگریزی کے فیصلہ میں ہے ہمارے سامنے رواج عام کی دو نقلیں باضابطہ موجود ہیں ایک ضلع منٹگمری سے

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۹

آئی ہوئی اور دوسری ریاست سے لیکن دونوں میں اس فقرے کا اصلاً پتہ نہیں اب اصل عبارت رواج عام اگر فی الواقع اس فقرے سے خالی ہے جب تو امر ظاہر ہے ورنہ اس کا ہونا ان وجوہ کا سبب جو اوپر گزریں اور آئندہ آتی ہیں ثبوت نسب ِاعیان میں تو بکار آمد نہیں مگر ایسی تحریرات کے نامعتبر وساقط ہونے کے لئے جس کی بحث ہم ابھی کیا چاہتے ہیں ایک کافی نظیر قابل یادداشت ہے۔

(۸) یہ سب اس وقت ہے کہ وہ نقل جو مدعیوں نے پیش کی شرعاً سند میں لے لینے کے قابل فرض کرلی جائے ورنہ درحقیقت وہ محض لاشئی ہے، مولوی عطا محمد صاحب کا اس پر اعتراض بہت ٹھیک ہے فی الواقع محاضر وسجلات جہاں قابلِ اعتبار ہوتے بھی ہیں تو اسی قدر کہ حاکم مجوزا پنے دفتر پر جو اس کے حفظ میں اس کے مہرونشان کے ساتھ زیر نگہبانی ہے اعتماد کرسکتا ہے مدعی مدعا علیہ جو کاغذ پیش کریں بے شہادت مقبولۂ شرعیہ اصلاً قابلِ التفات نہیں، ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۰۸ میں ہے:

الدیوان وضع لیکون حجۃ عند الحاجۃ فیجعل فی ید من لہ ولایۃ القضاء، ومافی ید الخصم لایؤمن علیہ التغییر بزیادۃ او نقصان[1]

کاغذی ریکارڈ حاجت کے وقت دلیل بنانے کیلئے تیار کیا جاتا ہے اس لئے ایسے شخص کے قبضہ میں ہونا چاہئے جو قضاء کی ولایت والا ہو اور جو مخالف فریق کے قبضہ میں ہو وہ کمی بیشی سے محفوظ نہیں۔ (ت)

نیز صفحہ مذکورہ میں ہے:

قال ابوالعباس یجوز الرجوع فی الحکم الی دواوین من کان قبلہ من الامناء اھ ای لان سجل القاضی لایزوّر عادۃ حیث کان محفوظا عند الامناء بخلاف ماکان بید الخصم[2]

ابوالعباس نے فرمایا: سابق امین لوگوں کے ریکارڈ کی طرف کسی حکم میں رجوع کیا جاسکتا ہے اھ یعنی اس لئے کہ قاضی کا دفتری ریکارڈ جعل سازی سے عادتاً محفوظ ہوتا ہے جب وہ امین لوگوں کے پاس محفوظ ہو بخلاف جب وہ مخالف فریق کے قبضہ میں ہو۔ (ت)

اسی کی جلد مذکور صفحہ ۳۹۵ میں ہے:

ویجب تقییدہ ایضا بما اذا کان

یہ قید بھی ضروری ہے کہ جب وہ ریکارڈ قاضی کے

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸
[2] ؎ " " " " ۴/ ۳۰۹

دفترہ محفوظا عندہ فلو کانت کتابتہ فیما علیہ فی دفتر خصمہ فالظاھر انہ لایعمل بہ خلاف لما بحثہ ط لان الخط مما یزور وکذا لوکان لہ کاتب والدفتر عند الکاتب لاحتمال کون الکاتب کتب ذٰلک علیہ بلا علمہ۔[1]

پاس محفوظ ہو، تو اگر ایک کے خلاف تحریری ریکارڈ اس کے مخالف کے پاس ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس پر عمل نہ ہوگا۔ طحاوی کی بحث اس کے خلاف ہے کیونکہ خط میں جعلسازی ہوسکتی ہے اور یوں ہی اگر قاضی کا کاتب ہو اور ریکارڈ کاتب کے پاس ہو تو احتمال ہے کہ کاتب نے قاضی کے علم کے بغیر دوسرے کے خلاف لکھ دیا ہو۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۱۷ میں ہے:

والخط لایعتمد علیہ ولا یعمل بہ ولا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضیین لان القاضی لایقضی الابحجۃ وھی البینۃ والاقرار والنکول کما فی الاقرار الخانیۃ۔[2]

خط پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس پر عمل کیا جاسکتا ہے اور گزشتہ قاضیوں کے خط سے لکھا ہوا وقف نامہ قابلِ عمل نہیں کیونکہ فیصلہ حجت کی بنا پر ہی قاضی کرسکتا ہے اور شرعی حجت صرف گواہی، اقرار اور قسم سے انکار ہے جیسا کہ خانیہ کی بحث اقرار میں ہے۔ (ت)

بعینہٖ اسی طرح اشباہ والنظائر صفحہ ۲۰۵ میں ہے، ہدایہ جلد دوم ص ۱۰۴ میں ہے:

انما الخلاف فیما اذا وجد القاضی شہادتہ فی دیوانہ اوقضیتہ لان مایکون فی قمطرۃ فھو تحت ختمہ ویومن علیہ من الزیادۃ والنقصان فحصل لہ العلم بذلک، ولا کذٰلک الشہادۃ فی الصک لانہ فی ید غیرہ۔[3]

اختلاف صرف اس صورت میں ہے کہ جب قاضی ریکارڈ یا فیصلہ میں کسی شہادت کو پائے اور اگر ریکارڈ قاضی کے خاص مُہر والے بکس میں ہو تو کمی بیشی سے محفوظ سمجھا جائے گا تو اس سے قاضی کو علم ہوجائیگا کسی کاغذ پر لکھی ہُوئی شہادت کا معاملہ ایسا نہیں کیونکہ وُہ غیر کے تصرف میں ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۴

[2] فتاوٰی خیریہ " باب التحکیم دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹

[3] الہدایۃ کتاب الشہادات فصل مایتحملہ الشاہد علی ضربین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷

اسی طرح ردالمحتار جلد ۴ ص ۴۰۸ میں ہے۔ فتح القدیر جلد ۵ ص ۱۹ میں ہے :

انی اری انه اذا کان محفوظا مامونا علیه من التغییر کان یکون تحت ختمه فی خریطته المحفوظة عنده ان یتوجه العمل بها بخلاف ما اذا کان عند غیرہ لان الخط یشبه الخط[1]

میری رائے ہے کہ جب محفوظ اور تغیر سے اطمینان ہو کہ اس کے پاس محفوظ بیگ مُہر زدہ میں ہو تو اس پر عمل کو ترجیح ہے بخلاف جبکہ وہ غیر کے پاس ہو کیونکہ خط دوسرے خط کے مشابہ ہوسکتا ہے (ت)

(۹) یہیں سے ظاہر ہوا کہ فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ ۲۵ میں جو اس کاغذ کے اعتبار پر قول شیخ ابو العباس سے استناد کیا بجائے خود نہیں شیخ ابو العباس کے کلام میں کلرکوں یعنی کاتبوں محرروں کا ذکر نہیں بلکہ امناء فرمایا ہے اور اس سے مراد خود قضاۃ ہیں جس پر قبلہ کا لفظ دال ہے یعنی قاضی اپنے سے پہلے امناء کے دفتروں پر عمل کرسکتا ہے جب کہ وُہ ان کے پاس محفوظ رہا ہو، ولہذا درمختار میں اس کے بعد خیریہ سے نقل کیا :

ان کان للوقف کتاب فی سجل القضاۃ وھو فی ایدیھم اتبع ما فیه استحسانا۔[2]

جب وقف کی کتاب قاضی کے ریکارڈ میں ہو اور اس کی نگرانی اور قبضہ میں ہو تو استحساناً اس کے مندرجات کی اتباع کی جائیگی (ت)

اور اگر امین سے عام بھی مراد ہو تو دفاتر زمانہ کچھ امنائے شرعیہ ہی کے ہاتھ میں محفوظ نہیں رہتے بلکہ محافظ دفتر وغیرہم اکثر نامسلم بھی ہوتے ہیں جو شرعاً کسی طرح امین نہیں ہوسکتے، نہ ان کی حفاظت پر اعتماد، نہ ان کے قول یا فعل پر اعتبار، یہی حالت نقل نویسوں اور قاریوں اور سامعوں کی ہے اور جو کوئی کچہریوں کی کارروائی سے آگاہ ہے وُہ ایسے کاغذات پر دستخط حکام کی بھی حقیقت جانتا ہے، کارکن لوگ عام ازیں کہ مسلم ہوں یا کافر، ثقہ ہوں یا فاسق، انھوں نے کام کیا اور کاغذات کا ایک انبار حاکموں کے سامنے دستخطوں کے لئے رکھ دیا، حاکم کو ایک اجمالی حالت کے سوا تفصیل پر بھی پُوری اطلاع نہیں ہوتی، نہ کہ نقول کے ایک ایک حرف کا خود مقابلہ کرنا یہ تو قطعاً نہیں ہوتا، نہ وُہ ایسے متفرقات کی طرف توجہ کی فرصت پاسکتے ہیں پھر دستخط حاکم ہونے نے کیا فائدہ دیا، اب یہیں دیکھئے

---

[1] فتح القدیر کتاب الشہادات فصل فی کیفیۃ الاداء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۶۵

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

صاحب افسر مال عبارت رواج عام سے یہ فقرہ نقل کرتے ہیں کہ "اس کی اولاد نرینہ موجود ہے" اور ہمارے سامنے دو نقلیں باضابطہ حاضر ہیں ایک میں بھی ان لفظوں کا پتہ نہیں تو معلوم ہوا کہ نقول میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اور وہ صالح اعتماد نہیں۔

(۱۰) علامہ شامی نے جہاں شیخ ابو العباس کا یہ کلام نقل کیا اس کے متصل ہی یہ افادہ فرمایا کہ دفتر جب بروجہ کامل زیر نگہداشت حاکم محفوظ ہو اس کا اعتبار بھی صرف بضرورت ان مقدمات میں ہے جن کو زمانہ مدید گزر چکا، شاہدوں کا انتقال ہو گیا، تازہ معاملہ ان میں داخل نہیں، وہ شرع کی اسی اصل کلی کے نیچے ہے کہ لا یعتمد علی الخط ولا یعمل بہ (خط پر اعتماد اور عمل نہ کیا جائیگا۔) (ت) نرے کاغذ پر نہ اعتماد ہو نہ اس پر اعتبار ہو سکے، عبارت شیخ ابو العباس کے متصل کلام فتاوٰی خیریہ جو ابھی ہم نے ذکر کیا نقل کر کے فرماتے ہیں:

والظاھر ان وجہ الاستحسان ضرورۃ احیاء الاوقاف ونحوھا عند تقادم الزمان بخلاف السجل الجدید لامکان الوقوف علی حقیقۃ ما فیہ باقرار الخصم او البینۃ فلذا لا یعتمد علیہ[1]۔

استحسان کی وجہ ظاہری طور پر یہ ہے کہ قدیم اوقاف اور اس جیسے امور کو زندہ رکھنے کے لئے ضرورت ہے برخلاف جدید ریکارڈ کے کہ اس میں حقیقت پر اطلاع فریق کے اقرار یا گواہی سے ممکن ہے اس لئے اس پر اعتماد نہیں کیا جائیگا۔ (ت)

(۱۱) صاحب افسر مال نے فقرہ ۲۵ میں ایسے کاغذات کو کتاب القاضی الی القاضی کے قبیل سے مان کر معتبر ٹھہرانا چاہا ہے، یہ فقرہ بہت قابل قدر ہے، ہم بخوبی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے کاغذات جو کچہریوں سے آئیں کتاب القاضی الی القاضی کے قبیل سے ٹھہرائے جائیں مگر اب یہ دیکھنا رہا کہ کتاب القاضی الی القاضی کن شرائط سے مقبول ہو سکتی ہے، تمام کتب میں تصریح ہے کہ اس کا قبول صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ قاضیِ شرع جسے سلطانِ اسلام نے فصل مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے مثلاً کوئی شرعی گواہی گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام و نشان پُورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لئے کافی سمجھے تو اس پر عمل کر سکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ قاضی کاتب خط لکھ کر ان گواہوں کو سُنا دے یا اس کا مضمون بتا دے اور خط بند کرکے ان کے سامنے سر بمہر کردے، اور اول یہ کہ اس کا مضمون ایک کُھلے ہوئے پرچہ پر الگ لکھ کر بھی ان شہود کو دے دے کہ اسے یاد کرتے رہیں یہ آکر مضمون پر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے اور سربمہر خط اس قاضی کے حوالے کریں یہ زیادہ احتیاط کے لئے ہے ورنہ خیر اسی قدر کافی ہے کہ دُو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں عادل کو خط سپرد کر کے گواہ کرلے اور وہ باحتیاط یہاں لاکر شہادت دیں بغیر اس کے اگر خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا تو ہرگز مقبول نہیں اگرچہ وہ خط اسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر اس کی اور محکمۂ قضا کی مُہر بھی لگی ہو اور اس کے سوا اور شرائط بھی ہیں کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کتاب الصوم میں ذکر کیں۔ درمختار میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی بحکمه وان لم یحکم کتب الشهادة لیحکم المکتوب الیه بها علی رأیه وقرأ الکتاب علیهم او اعلمهم بمافیه وختم عندهم وسلم الیهم بعد کتابة عنوانه وهو ان یکتب فیه اسمه واسم المکتوب الیه وشهرتهما واکتفی الثانی بان یشهدهم انه کتابه وعلیه الفتوی ولا یقبل کتاب من محکم بل من قاض مولی من قبل الامام[1] (ملخصًا)۔

ایک قاضی اپنے فیصلہ کو نفاذ کے لئے دوسرے قاضی کی طرف بھیجے گا، اور فیصلہ نہ کیا ہو تو شہادت لکھ بھیجے گا تاکہ مکتوب الیہ قاضی شہادت پر اپنی رائے سے فیصلہ دے، بھیجتے وقت قاضی گواہوں کو خط سُنائے گا یا اس کا مضمون بتا کر مُہر لگائے گا، عنوان اور پتہ لکھ کر گواہوں کے سپرد کردے گا، چٹھی میں اپنا اور مکتوب الیہ قاضی کا نام اور گواہوں کی شہادت قلمبند کرے گا جبکہ دوسرا (مکتوب الیہ) قاضی گواہوں سے شہادت لینے پر اکتفاء کرے گا کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے فتوٰی اسی پر ہے صرف باقاعدہ سرکاری قاضی کی چٹھی قبول ہوگی ثالث کی چٹھی قبول نہ ہوگی (ملخصًا)۔ (ت)

دُرر وغُرر میں ہے:

لا یقبله ایضا الا بشهادة رجلین او رجل وامرأتین لان الکتاب

مکتوب الیہ قاضی چٹھی کو دُو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر قبول نہ کرے گا

---

[1] درمختار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۴-۸۳

قد یزور اذا الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم فلایثبت الا بحجۃ تامۃ۔[۱]

کیونکہ چٹھی میں جعل سازی ہوسکتی ہے بوجہ اس کے کہ خط خط کے اور مہر مہر کے مشابہ ہوتا ہے لہذا چٹھی کامل شہادت کے بغیر پایہ ثبوت کو نہ پہنچے گی۔ (ت)

ظاہر ہے کہ یہ کاغذات اصلاً ان شرائط پر نہیں آتے تو ان کا رد واجب ہوا اور ان کا قبول کرنا محض خلاف شریعت کہ ۱ کاغذات کے متعلق یہ بیان ہم نے ان چار نمبروں میں کئے ان تمام کاغذات کے رد کو کافی و وافی ہیں جن سے ثالثوں نے استناد کیا ہے لہذا ہمیں آئندہ کاغذات کے متعلق زیادہ بحث کی ضرورت نہ ہوگی ان چار نمبروں کے بیانات سمجھ لینے والا بے تکلف جان سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی کاغذ اس پیمانے پر نہیں جو شریعت مطہرہ میں درکار ہے تو وہ کاغذ بادی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ میں نہیں کہتا کہ مدعیوں کی طرف کے جو کاغذ ہیں انھیں کی یہ حالت ہے بلکہ فریقین کے کاغذی ثبوت کی یہی کیفیت ہے کہ شریعت مطہرہ کے دربار میں وہ ایک کاغذی ناؤ سے زیادہ نہیں، ہم اگر اپنے بیان میں کسی کاغذ سے استناد کریں گے تو وہ الزاماً ہوگا نہ کہ تحقیقاً۔

(۱۲) مجھے رواج عام کی نسبت زیادہ تحریر کی ضرورت نہیں البتہ صرف افسر مال کے اس فقرہ ۱۲ کے متعلق کہ "اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ کل مالکان کی موجودگی میں یہ واقعہ قلمبند ہوا اور اللہ بخش و الٰہی بخش کا صحیح النسب ہونا امر محقق تھا اور کسی کو شک و شبہہ نہیں تھا یہاں تک کہ یہ ایک رواج عام مثال قرار دئے گئے جس پر آئندہ فیصلجات خاندان کی وراثت کا مدار ہے، لطافت علی صاحب تحصیلدار کی ایک تحقیقات کا بیان کردینا مناسب ہے وہ اپنے فیصلہ ۲ ستمبر ۱۹۲۱ء فقرہ پنجم میں لکھتے ہیں کہ "عام تحقیقات اور موقع سے ظاہر ہے کہ بدرالدین کو خصوصاً اور اقوام چشتی گرد و نواح کو عموماً بلحاظ اپنی شرافت کے یہ امر نہایت ناگوار ہے کہ پیرنی زادگان یعنی عذر داران کو جائداد میں حصہ دیا جائے۔" اس تحقیقات کو بیان موصوف صاحب افسر مال سے ملاکر دیکھنا اس خیال کی ایک واضح راہ دیتا ہے کہ مدعیان وہ نہیں جن کی نسبت معززان قوم حصہ دار ہونے پر راضی ہوچکے اور خاندان کے لئے اسے ایک نظیر بناچکے یہ وہی معززان قوم تو ہیں جن میں ان کو حصہ دئے جانے پر عام ناراضی ہے تو ضرور ہے کہ وہ مدعیان کو صرف پیرنی زادہ سمجھتے تھے نہ کہ پیرزادہ اور رواج عام میں اس اولاد پیرنی کی نسبت رضامندی دی گئی ہے جو پیرزادہ یعنی نطفہ پیرصدرالدین سے ہو۔

---

[۱] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب القضاء باب کتاب القاضی میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱۴

(۱۳) احمد شاہ کا اس کتاب پر اعتراض نہ کرنا جس سے صاحب افسر حال نے فقرہ ۲۵ میں استناد کیا ہے بالبداہۃ اس بناء پر نہیں کہ وہ اپنے علم ولیقین سے جانتا ہے کہ پیر صدر الدین نے یہ تحریر لکھی یا اس پر مُہر کی وُہ تحریر احمد شاہ کی ولادت سے بھی پہلے کی ہے اس کا سکوت اس عام غلطی کی بناء پر ہے جو آج کل لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے کہ ایسے کاغذات کو جو کچہریوں سے بے شرائط کتاب القاضی الی القاضی آتے ہیں رواجاً و قانوناً مستند سمجھے جاتے ہیں اس کے ذہن میں بھی وہی رواج و قانون تھا یہ شرعی مسئلہ کہ فتوٰی دینے والے عالموں اور فیصلہ کرنے والے حاکموں پر بھی مخفی رہا، احمد شاہ اسے کیونکر جان سکتا تھا بلکہ اگر اسے معلوم بھی ہوتا جب بھی وُہ کچہری میں ایسے اعتراض کا موقع نہ پاتا کہ قانونی بات کی مخالفت پر کیونکر کھڑا ہو سکتا تھا اب کہ بالاتفاق فریقین تمام رواجی و قانونی باتیں ترک کر دی گئیں اور معاملہ شریعت مطہرہ کے سپرد ہوا وہ مبنٰی جس کی بناء پر احمد شاہ معترض نہ ہُوا تھا زائل و باطل ہو گیا یہ تو اعتراض سے اس کا سکوت ہے اگر وہ اسی عام غلط فہمی پر بنا کر کے اس کاغذ کے مستند ہونے کی تصریح بھی کر دیتا جب بھی وُہ اقرار کہ بنائے باطل پر مبنی تھا شرعاً باطل ہوتا، جامع الفصولین و اشباہ والنظائر صفحہ ۱۱۹ میں ہے:

اقر بالطلاق بناء علی ما افتی بہ المفتی ثم تبین عدم الوقوع فانہ لایقع[1]

کسی شخص نے مفتی کے فتوٰی کی بناء پر طلاق کا اقرار کیا پھر واضح ہُوا کہ طلاق کا وقوع نہیں ہُوا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ (ت)

یہ بحث یاد رکھنے کی ہے کہ اور کاغذات کی نسبت بھی اگر احمد شاہ کے عدم اعتراض سے استناد ہو تو سب کا یہی جواب شافی و کافی ہے۔

کاغذ سوم صلحنامہ پیر بدر الدین

(۱۴) یہ کاغذ مدعیوں کا سب سے زیادہ مایہ الاستناد ہے ہر محکمہ میں اپنے دعوی کی بناء اسی پر رکھی ہے اور عموماً فیصلہ کرنے والوں نے بھی اسے کوئی جلیل چیز سمجھا یہاں تک کہ اگر خلاف بھی کیا تو بربنائے اعتباری بلکہ اور وجوہ سے، اس سب کا منشا وہی ہے کہ آج کل ہندیوں کے ذہن میں رواج قانون کے باعث قانونی باتیں اصول مسلمہ کے طور پر رچی ہوئی ہیں اگرچہ شرع مطہر میں ان کی کچھ اصل نہ ہو مدعیان و قانونی حکام سے تعجب نہیں، عجب تو ان اہل علم سے ہے جن سے شرعی سوال ہوا اور شریعت کا حکم

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱

دریافت کیا گیا اور ان سے جن کو شرعی فیصلہ کے لئے مقدمہ سپرد ہوا اور جن سے فریقین نے صاف کہہ دیا کہ قانونی رواجی باتیں چھوڑ دی گئیں محض احکامِ شرعیہ سے فیصلہ کرو تاہم ان صاحبوں نے توجہ نہ فرمائی اور اپنے فتوٰی اور اپنے فیصلہ میں ایسی چیز معتبر مانی جو شرعاً محض بے بنیاد ہے ہم عہ میں فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی خیریہ و اشباہ والنظائر سے لکھ آئے کہ قاضی صرف تین طور پر حکم دے سکتا ہے یا تو گواہان شرعی قائم ہوں یا مدعا علیہ دعوٰی تسلیم کرلے یا اس پر حلف رکھا جائے اور وہ قسم سے انکار کردے ان کے سوا نرا کاغذ کوئی چیز نہیں، نہ اس پر عمل ہوسکے، نیز فتاوٰی خیریہ جلد ۲ ص ۱۱ میں ہے:

المقرر عند علماء الحنفیة انه لا اعتبار بمجرد الخط ولا التفات الیه اذ حجج الشرع ثلاثة وھی البینة او الاقرار او النکول کما صرح به فی اقرار الخانیة فلا اعتبار بمجرد المحضر المذکور ولا التفات الیه الا اذا ثبت مضمونه بالوجه الشرعی اعنی باحدی الحجج الشرعیة المشار الیھا[1]

علماءِ احناف کے ہاں طے شدہ ہے کہ محض خط قابلِ التفات ہے اور نہ ہی قابلِ اعتبار ہے کیونکہ شرعی دلائل صرف تین ہیں، گواہی، اقرار اور قسم سے انکار، جیسا کہ خانیہ نے اقرار کی بحث میں تصریح کی ہے لہذا محضر نامہ مذکور قابلِ اعتبار اور قابلِ التفات نہ ہوگا سوائے اس کے کہ اس کا مضمون شرعی طریقہ یعنی مذکور شرعی دلائل سے ثابت ہوجائے (ت)

نیز اسی کے صفحہ ۲۲ جلد ۲ میں ہے:

ابرز کتابا من السجل فوجد فیه کذا وکذا ولیس الموجود فیه سوی خط فی ورق لیس من حجج الشرعی فی شیئ[2] (ملتقطا)۔

قاضی نے پہلے ریکارڈ میں سے چٹھی نکالی اس میں کوئی مضمون لکھا ورق پایا تو وہ شرعی دلیل کے بغیر حجت نہ بنے گا (ملتقطا)۔ (ت)

جوہرہ نیرہ ج ۳ ص ۲۴۵ میں ہے:

ولا یقبل الکتاب الا بشھادة رجلین او رجل وامرأتین لان الکتاب یشبه الکتاب فلا یثبت الا بحجة

کوئی مکتوب دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر مقبول نہ ہوگا کیونکہ مکتوب دوسرے مکتوب کے مشابہ ہوتا ہے لہذا شرعی حجۃ

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲

[2] " " " " " باب خلل المحاضر والسجلات " ۲/ ۲۴

تامۃ اھ[1] — کے بغیر پایۂ ثبوت کو نہ پہنچے گا اھ (ت)

دیکھو کیسی صاف تصریحیں ہیں کہ ایسی جملہ تحریرات نرے کاغذ ہیں جن میں سیاہی سے نقش بنے ہوئے ہیں اور وُہ شرع میں حجت ہونا درکنار اصلاً التفات کے قابل نہیں۔

(۱۵) دواوین قضاۃ یعنی دفترِ حکام لیجئے تو ہم ع۸ میں ردالمحتار و ہدایہ و فتح القدیر و خیریہ سے بیان کر آئے کہ دفترِ حکام وہی معتبر ہے جو خاص ان کی حفاظت میں ان کے مُہر و نشان کے نیچے ہو اور یہ کہ آج کل کے محافظ دفتری مسلمانوں کے ساتھ بھی خاص نہیں نہ کہ ثقہ عادل کے ساتھ اور نہ کہ جو نقل فریق کے ہاتھ میں ہو ہرگز قابلِ اعتماد نہیں۔

(۱۶) ع۸ میں یہ بھی گزرا کہ دفترِ حکام کا اعتبار بھی بضرورت ان مقدمات میں ہے جن کو زمانہ دراز گزرا اور ان پر ثبوت شرعی نہیں مل سکتا جہاں کہ معاملہ تازہ ہے حاکم خود اپنے دفتر پر کارروائی نہ کرے گا بلکہ انھیں طرق شرعیہ بینہ و اقرار و نکول کی طرف رجوع ضروری ہوگی اس پر ردالمحتار کی عبارت گزری، نیز اسی میں ہے:

لابدمن تقییدہ بتقادم العھد کما قلنا توفیقا بین کلامھم[2] — قدیم زمانہ کی قید ضروری ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے فقہاء کرام کے کلام میں تطبیق دیتے ہوئے۔ (ت)

(۱۷) خود صاحب افسرِ مال نے ان کاغذات کا بہت اچھا فیصلہ کردیا کہ انھیں کتاب القاضی الی القاضی کے باب سے سمجھا جائے واقعی کچہری سے آئی ہوئی نقلیں اگر محمول ہوسکتی ہیں تو اسی پر اور تمام کتبِ مذہب کا اتفاق ہے کہ کتاب القاضی الی القاضی بے شہادت عادلہ کاملہ ہرگز معتبر نہیں اگرچہ اس پر قاضی کے دستخط اور دارالقضاء کی مہر بھی ہو، اس پر عبارات کتب ع۱۱ میں گزریں۔

(۱۸) بلکہ انصافاً صلحنامہ کی عبارت کتاب القاضی الی القاضی کی حد تک پہنچ ہی نہیں سکتی، شہادت ہونا نہ ہونا بالائے طاق، صلحنامہ حاکم نے خود لکھا، نہ اس کے سامنے لکھا گیا، نہ مسل میں یہی بیان ہے کہ پیر بدرالدین نے حاکم کے سامنے اس کے لکھنے یا اس پر دستخط کرنے سے اقرار کیا بلکہ حاکم کے سامنے استفسار پر جو اس کا بیان ہونا ذکر کیا جاتا ہے اور جس پر فریق کی تصدیق بھی موجود ہے وہ بیان تحریر صلحنامہ سے قاصر ہے صلحنامہ میں کل جائداد ریاست و انگریزی کی نسبت تصفیہ ہونا مذکور ہے اور بیان استفسار میں صرف جائداد علاقہ انگریزی ذکر ہے جس سے شبہہ کیا جاسکتا ہے کہ پیر بدرالدین نے قطع نزاع و رفع فساد

---

[1] الجوھرۃ النیرۃ — کتاب آداب القاضی — مکتبہ امدادیہ ملتان — ۲/ ۲۴۵

[2] ردالمحتار — کتاب القضاء — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۴/ ۳۰۹

کے لئے جائداد علاقہ انگریزی میں مدعیوں کو دو خمس دینا گوارا کرلیا کہ وُہ قلیل و کم حیثیت ہے بڑا حصہ اس کا اور ریاست کی وافر جائداد اپنے اور اپنے بھائی کے لئے کافی سمجھی، راضی نامہ میں کاتب نے خود فریق کی تحریک سے تمام جائداد کا ذکر کردیا ہو تو وُہ کچھ مؤثر نہیں ہوسکتا ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اعتبار اس کا ہے جو تمسک لکھانے والے نے اپنی زبان سے کہا اس کا کچھ اعتبار نہیں جو کاتب نے لکھا، فتاوٰی خیریہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ میں ہے:

العبرۃ بما تلفظ بہ الواقف لالما کتب الکاتب فمن عبارات علمائنا العبرۃ لما ھو الواقع فی نفس الامر[1] اھ۔

واقف کے تلفظ کا اعتبار ہے نہ کہ کاتب کی لکھائی کا جیسا کہ ہمارے علماء کرام کی عبارات میں ہے کہ صرف نفس الامر واقعہ کا اعتبار ہے۔ (ت)

بدرالدین کا لکھا ہوا نام کوئی دلیل شرعی نہیں کہ اسی کے قلم سے ہے نہ نشان خط ملنے کا کوئی اعتبار، ہدایہ و عالمگیری وغیرہا صد ہا کتب مذہب میں تصریح ہے کہ الخط یشبہ الخط[2] (خط خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ت) اس کی کچھ عبارتیں اوپر بھی گزریں، نیز اشباہ والنظائر صفحہ ۳۶۱ وغیرہا میں ہے:

فاستکتب وکان بین الخطین مشابھۃ ظاھرۃ دالۃ علی انھما خط کاتب واحد لایحکم علیہ بالمال فی الصحیح[3]۔

اس نے کچھ لکھوایا اور دو خطوں میں واضح مشابہت ہے کہ ایک ہی کاتب کے معلوم ہوتے ہیں تو مالی معاملات میں اس لکھائی پر فیصلہ نہ دیا جائے گا صحیح قول میں۔ (ت)

اور بالفرض دستخط اسی نے کئے جب بھی کچھ بعید نہیں کہ اس نے صرف جائداد انگریزی کی نسبت کہا اور کاتب نے عمدًا یا غلطًا کل کی نسبت لکھ دیا اور اس نے اس اعتماد پر کہ جو میں نے کہا وہی لکھا ہوگا خاص نظر نہ کی اور دستخط کردئے ایسا ہونا کچھ دُور نہیں۔ ہدایہ جلد دوم ص ۱۵۷ میں ہے:

اذا کتب کتاب الشراء علی وصی کتب کتاب الوصیۃ علی حدۃ وکتاب الشراء علی حدۃ لان ذلک احوط، ولو

کوئی شخص جب وصی کا تقرر کرکے اس کو خریداری کا اختیار لکھوانا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وصیت نامہ اور اس کا اختیار نامہ علیحدہ علیحدہ لکھوائے کیونکہ اس میں

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دار الفکر بیروت ۱/ ۴۰-۱۳۹
[2] الہدایۃ کتاب الشھادۃ فصل مایتحملہ الشاہد علٰی ضربین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷
[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۸

کتب جملۃ عسی ان یکتب الشاھد شہادتہ فی اٰخرہ من غیر تفصیل فیصیر ذٰلك حملا لہ علی الکذب[1]

احتیاط ہے، اگر دونوں کو اکٹھا لکھوایا تو ہوسکتا ہے کہ گواہ اپنی شہادت آخر میں بغیر تفصیل درج کرے جس کی بنا پر وُہ تحریر جھوٹ پر محمول ہوجائے (ت)

اسی کے ہامش پر کافی امام نسفی سے ہے :

کتب اشتری من فلان وصی فلان و اشھد علیہ قوما وفیھم من لم یشھد علی الایصاء فربما یشھد بالکل فیکون حملا لہ علی الکذب[2]

کاتب نے یوں لکھا کہ فلاں نے فلاں سے چیز خریدی اور کچھ لوگوں کی گواہی بھی لکھی اوران گواہوں میں کوئی ایسا شخص بھی تھا جو وصیت کے وقت موجود نہ تھا تو ہوسکتا ہے کہ وہ خریداری کی شہادت میں وصیت کی شہادت بھی کہہ دے تو اس سے گواہ کو جھوٹ پر آمادہ کرنا لازم آتا ہے (ت)

کیا ہم علانیہ نہیں دیکھتے ہیں کہ اس نے مجوز کے سامنے صرف جائداد انگریزی کا اقرار کیا ہے تحریر صلحنامہ کے بعد حاکم کے سامنے بیان اس کی تصدیق وتحقیق کے لئے ہوتا ہے نہ یہ کہ فیصلہ تو قرار پایا ہو ایک ہزار پر اور بیان میں اقرار کرے پانچ سو کا پھر فریق بھی سُن کر تصدیق کرے کہ یہ بیان صحیح ہے۔

(۱۹) ان سب امور سے اگر قطع نظر بھی کی جائے تو اس کا حاصل کتنا، صرف اس قدر کہ پیر بدرالدین نے مدعیوں کو اپنا بھائی تسلیم کیا مولوی عطا محمد صاحب کا اس پر اعتراض بہت صحیح ہے کہ جب وارث متعدد ہوں تو ایک کے اقرار سے مورث پر نسب نہیں ثابت ہوسکتا یہ اگرچہ خود اپنے اقرار پر ماخوذ ہو جبکہ اس پر قائم رہے مگر دوسروں پر اس کا اثر کچھ نہیں پڑسکتا امام ابویوسف کی روایت اول تو خلاف مذہب امام اعظم مختار ہونی مسلم نہیں، نہ بہ اخذ الکرخی کہنے سے اس کا مفتٰی بہ ہونا ثابت، اور یہ ایک لفظ دیکھنا اور ظاہر المتون علی ترجیح قولہما چھوڑ دینا بس عجیب ہے۔

ثانیاً وہ روایت صراحۃً اس صورت میں ہے کہ ایک ہی وارث ہو اور وہ دوسرے کی نسبت وراثت کا اقرار کرے اور دو یا زیادہ وارثوں میں سے ایک نے اقرار کیا تو بالاتفاق نسب ثابت نہ ہوگا، ثالثوں کی نظر نے یہاں کوتاہی کی، اسی قرۃ العیون کو اگر ایک ورق پہلے دیکھتے تو یہ دھوکا نہ ہوتا۔ وہ عبارت مولوی عطا محمد کے فیصلہ میں گزری، اور جامع الفصولین جلد ۲ صفحہ ۵۴

---

[1] الہدایہ کتاب الوصایا باب الوصی وما یملکہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۶۹۴

[2] حواشی الہدایۃ مع الہدایہ " " " " " " " ۴/۶۹۴

میں ہے:

الوارث لو واحد اقر بابن اخر للمیت لایثبت نسبہ من المیت خلافا لابی یوسف والشافعی واجمعوا انہ یشارکہ فی الارث لنا ان مجرد تحمیل النسب علی الغیر لا یقبل کما لو اقر بہ فی حیاتہ او علی انسان اٰخر او کان فی الورثۃ غیرہ[1] اھ۔	اگر ایک وارث نے میّت کے لئے کسی اور بیٹے کا اقرار کیا تو اکیلے ایک اقرار سے اس کا نسب میّت سے ثابت نہ ہوگا اس میں امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالٰی کا خلاف ہے تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وُہ مقرلہ وراثت میں شریک ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر کی طرف نسب منسوب کرنا

بغیر دلیل معتبر اور مقبول نہیں جیسا کہ زندہ شخص کی طرف یا دوسرے شخص کا نسب یا وارثوں میں کوئی دوسرا بھی ہو اھ (ت)

ملاحظہ مسل سے واضح ہے کہ اس اقرار میں پیر سراج الدین شریک نہ تھا بلکہ وہ اس تحریر کے وقت موجود بھی نہ تھا اس کی طرف سے اگر اس اقرار کا رَد ثابت نہیں تو اس کی تسلیم کا بھی پتہ نہیں غایت درجہ سکوت ہے، اور شرع کا قاعدہ مقرر ہے کہ لاینسب الی ساکت قول (کسی ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہ ہوگا۔ت) جامع الفصولین واشباہ والنظائر و ردالمحتار وغیرہا میں اس کی تصریح ہے یعنی سکوت کرنے والے کو کسی بات کا قائل نہیں ٹھہرایا جاتا مستثنٰی صورتیں جو ان کتابوں اور ان کے شروح و حواشی میں ذکر کی ہیں یہ مسئلہ ان میں داخل نہیں۔ اظہار تحصیل منچن آباد سے جو صاحب افسر مال نے پیر سراج الدین کا بھی اس اقرار کو تسلیم کرنا نکالا ہے اس کا حال ان شاء اللہ عنقریب آتا ہے۔

(۲۰) شرع مطہر میں ایسے رشتے کا اقرار جس میں اپنے غیر پر نسب لازم کرنا ہو جیسے کسی کو اپنا بھائی بتانا کہ اس میں باپ پر نسب لازم کیا گیا خود اس مقر کے مال میں بھی اتنا ضعیف و کمزور مانا گیا ہے کہ جب تک کوئی دور کے رشتہ کا ضعیف سا ضعیف وارث موجود ہو بلکہ کوئی رشتہ دار بھی نہیں صرف مولی الموالاۃ ہو اس وقت تک یہ شخص جس کے نسب کا اقرار کیا ہے خود مقر کے ترکہ میں سے کچھ نہیں پاسکتا تمام کتب میں اس کی تصریح ہے ایسے واضح اور مشہور مسئلہ کو چھوڑ کر روایت امام ابو یوسف کے وہ معنی قرار دینا اور اسے مفتٰی بہ ٹھہرانا سخت عجیب ہے۔ طحطاوی ج ۴ ص ۳۷۳ میں ہے:

ان کان للمقر وارث معلوم غیر الزوجین	اگر اقرار کرنے والے کے اپنے قریب بعید کوئی بھی

---

[1] جامع الفصولین الفصل التاسع والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۴۵

قریب او بعید فھو اولی بالمیراث من المقرلہ لانہ لما لم یثبت نسبہ منہ لایزاحم الوارث المعروف ولامزاحمۃ اذا کان الوارث احد الزوجین وان لم یکن لہ وارث مزاحم استحق المقرلہ میراثہ لان للمقر ولایۃ التصرف فی مال نفسہ عدم الوارث[1]

زوجین کے علاوہ معروف وارث موجود ہوں تو مقرلہ کی نسبت وہ معروف وارث وراثت کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ جب مقرلہ کا نسب ثابت نہیں ہے، تو وہ معروف ورثاء کے مقابل نہیں آسکتا، اور جب زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث ہو تو وہاں کوئی مزاحمت نہ ہوگی، اور اگر ان مقرلہ کے مقابل کوئی بھی معروف وارث نہ ہو تو پھر مقرلہ مقر کی وراثت کا حقدار ہے کیونکہ مقر کو اپنے مال میں تصرف کی ولایت ہے۔ (ت)

جامع الرموز صفحہ ۶۱۳ میں ہے :

ولو اقر رجل بنسب من غیر ولاد قریب بینھما کالاخ والعم والجد وابن الابن لایصح اقرارہ بالنسب۔[2]

اگر مقر (اقرار کرنے والے) نے ولادت کے علاوہ کسی قریبی رشتہ کا اقرار کیا جیسے بھائی، چچا، دادا، پوتا ہونے کا۔ تو یہ اقرار نسب صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

ایضاح شرح اصلاح للعلامہ ابن کمال پاشا قلمی ص ۲۶۴ میں ہے :

لایصح لما فیہ من تحمیل النسب علی غیر فلا یرث الا عند عدم وارث معروف قریبا کان او بعیدا۔[3]

صحیح اس لئے نہیں کہ اس میں غیر پر نسب ٹھونسنا ہے تو کسی قریب یا بعید معروف وارث کی عدم موجودگی میں ہی مقرلہ وارث ہوسکے گا

اگر ایک اس کے اقرار سے نسب ثابت ہوجاتا تو وارث قوی کا ضعیف تر وارث سے محروم کردینا کیا معنی رکھتا بلکہ واجب ہوتا کہ اس سے نیچے درجے کے جتنے ورثاء ہوں سب اس کے آگے محروم ہوں لیکن ایسا قطعاً نہیں تو ثابت ہُوا کہ نسب ثابت نہ ہوا۔

(۲۱) ایسے نسب کا اقرار اگرچہ مقر کے مال پر نافذ ہو مگر یہ ایک فقہی فتوٰی ہے اور حکم یا قاضی کو مطلقاً اختیار نہیں ہوتا کہ وہ صورت مقدمہ میں جو حکم مسئلہ پائیں اس پر فیصلہ کردیں ان کا حکم اس حد

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۴۰۳

[2] جامع الرموز کتاب الاقرار مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۴۵۸

[3] ایضاح شرح اصلاح

یک محدود رہتا ہے جس قدر انھیں قاضی یا حکم کرنے والے نے اختیار دیا ہے مثلاً تقلید قضا میں سلطان نے یہ قید لگادی کہ تجھے فلاں روز قضا کا اختیار دیا تو اسی دن اس کا حکم حکمِ قاضی ٹھہرے گا دوسرے دن کچھ نہیں، یا یہ تخصیص کردی کہ تجھے فلاں مکان میں اختیارِ قضا ہے تو وہ اس مکان کے اندر ہی قاضی رہے گا اس سے باہر کچھ اختیار نہیں رکھتا، یا یہ شرط لگادی کہ تجھے فلاں فلاں قبیلے یا فلاں فلاں اشخاص پر قاضی کیا تو وہ انھیں کا فیصلہ کرسکتا ہے ان کے ماوراء میں مثل اور رعایا کے ہے علٰی ہذا القیاس جو قید لگادی جائے اس کے ساتھ مقید رہے گا کہ وہ بذاتِ خود والی نہیں بلکہ دوسرے کے ولایت دینے سے ولایت پاتا ہے تو وہ جس شرط کے ساتھ اختیار دے گا اسی کے ساتھ مختص رہے گا بعینہٖ یہی حال حکم کا ہے قاضی کی تولیت جانب فریقین سے ہے تو فریقین ثالثوں کو جن شرائط کا پابند کرینگے اسی قدر انھیں اختیار فیصلہ ہوگا باقی میں وہ ایک راہ چلتے اجنبی کے مثل ہیں، اشباہ ص ۲۲۳ میں ہے:

القضاء یجوز تخصیصه وتقییدہ بالزمان والمکان واستثناء بعض الخصومات کما فی الخلاصة۔[1]

قضاء کو کسی زمانہ، مکان اور بعض خصومات سے مقید اور مخصوص کرنا جائز ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ (ت)

درمختار جلد چہارم ص ۵۴ میں ہے:

القضاء یتخصص بزمان ومکان و خصومة حتی لو امر السلطان لعدم سماع الدعوی بعد خمسة عشر سنة فسمعها لم ینفذ۔[2]

قضاء کو کسی زمانہ، مکان اور خصومت سے مختص کرنا جائز ہے حتی کہ اگر سلطان نے پندرہ سال بعد دعوٰی کی سماعت سے روک دیا ہو اور قاضی نے اس مقررہ مدت کے بعد سماعت کی تو نافذ نہ ہوگی (ت)

ردالمحتار صفحہ مذکورہ میں ہے:

قال فی الفتح الولایة تقبل التقیید و التعلیق بالشرط کقوله اذا وصلت الی بلدة کذا فانت قاضیها والاضافة کجعلتك قاضیا فی راس الشهر و

فتح میں فرمایا کہ ولایت شرط سے تعلیق و تقیید کو قبول کرسکتی ہے مثلاً سلطان کا یہ کہنا کہ جب تم فلاں شہر پہنچ جاؤ تو تم وہاں کے قاضی ہوجاؤ گے، اور اضافت و نسبت کو بھی قبول کرسکتی ہے کہ میں نے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۹
[2] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

والاستثناء کجعلتك قاضیا الا فی قضیة فلان ولا تنظر فی قضیة کذا[1] (ملخصاً)

تجھے فلاں ماہ کے شروع سے قاضی بنایا، اور ولایت استثناء کو بھی قبول کرسکتی ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ میں نے تجھے فلاں کیس کے ماسوا میں قاضی بنایا یا یوں کہ فلاں کیس کو زیر غور نہ لانا۔ (ت)

نیز صفحہ ۵۳۱ میں ہے:

یکون القاضی معزولاعنہا لما علمت ان القضاء یتخصص[2]

قاضی کی قضاء خاص ہوسکتی ہے اس لئے وہ اس تخصیص کی بناء پر معزول ہوتا ہے (ت)

درمختار صفحہ ۵۳۹ جلد ۴ میں ہے:

التحکیم تولیة الخصمین حاکما یحکم بینہما[3]

ثالثی دو فریقوں کا کسی کو حاکم بنانا کہ وہ ان دونوں میں فیصلہ کرے۔ (ت)

یہاں فریقین نے اقرار نامہ ثالثی میں یہ قید لگادی تھی کہ اگران کا شرعاً نسب ثابت نہ ہو توان کا میراث سے کچھ تعلق نہ ہوگا اور بشرط اولاد صحیح النسب ہونے کے فتوٰی ثالثان ناطق ہوگا جس کا صاف حاصل یہ تھا کہ نسب ثابت نہ ہو تو دربارہ وراثت انھیں حکم کا اختیار نہیں ثالث چہارم نے کہ ثبوت نسب نہ مانا اور وراثت مال کی نسبت فیصلہ دیا معلوم نہیں یہ کس اختیار سے تھا نہیں سے ظاہر ہوا کہ صاحب افسر بال کا فقرہ ۲۵ میں فیصلہ ثالث چہارم سے یہ استناد کہ اصل مطلب کی بات یعنی وراثت مال انھوں نے بھی مان لی ہے اسی قدر کافی ہے ایک محض بے اثر چیز سے استناد ہے۔

کاغذ چہارم شجرہ نسب

(۲۲) شجرہ نسب جو منٹگمری سے آیا اس کی نسبت علاوہ ان اعتراضوں کے جو ایسے کاغذات کی نسبت مکرر گزر چکے اور ثابت کردیا گیا کہ وہ شرعاً استناد درکنار التفات کے بھی قابل نہیں یہ شجرہ حاکم کی کسی اپنی تحقیقات پر مبنی نہیں بلکہ اسی صلحنامہ بدرالدین پر اس کی بناء ہے اور ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کرآئے کہ وہ اپنی ذاتی نامعتبری کے علاوہ ثبوت نسب کے بارہ میں محض مہمل ہے تو یہ شجرہ کہ اس پر مبنی تھا

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۲

[2] " " " " ۴/ ۳۴۳

[3] درمختار " باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲

اسی کی طرح باطل و بے عمل ہے ہاں جائداد انگریزی میں بدرالدین کی طرف سے قطع نزاع کے لئے اس کے یہ الفاظ قابلِ لحاظ ہیں کہ "حصہ ملکیت برخلاف حصہ جدی کے" رسمی قرار پایا۔

کاغذ نجم ۹ اظہار منچن آباد

(۲۳) کاغذات کے متعلق جو نفیس جلیل ابحاث شرعیہ ہم بار بار لکھ آئے اور ثابت کر آئے کہ شرع مطہر ایسے نرے کاغذی جمع خرچ پر اصلاً لحاظ نہیں فرماتی وہی بحثیں اس کاغذ کے بھی مہمل و بیکار ہونے کے لئے کافی تھیں مگر اس کاغذ کی حالت نے ان عظیم بحثوں کی اور بھی تائید و تصدیق کر دی اور خود ہی ایک واضح نظیر ہو کر زبانِ حال سے صاف بتا دیا کہ دیکھو شرع مطہر حکیم ہے وہ ایسی وجوہ سے نری کاغذی بات کو نامعتبر فرماتی ہے یکم جون ۱۸۹۳ء کو اللہ بخش نے تحصیل منچن آباد میں درخواست دی کاردار صاحب نے طلبی فریقین کا حکم دیا ۱۳؍ جون کو پھر پیشی ہوئی اب مکرر حکم طلبی تحریر ہوا ۲۹؍ اگست کو پیشی ہوئی اور کاردار صاحب نے لکھا کہ اب تک نہ فریقین آئے نہ کوئی رپورٹ پیش کار کی شامل ہوئی اب حکم تاکیدی طلبی کا بھیجا گیا ۶؍ ستمبر کو باخذ مچلکہ طلبی ہوئی ۷؍ ستمبر کو فریقین کی اطلاع یابی اور سراج الدین کی بیماری کا عذر تحریر ہوا ۸؍ ستمبر کو پیشکار نے اسی مضمون کی رپورٹ تحصیل میں بھیجی ادھر تو یہ کارروائی ہو رہی ہے ادھر ۲۲؍ اگست کو بدرالدین اور سراج الدین حاضر ہو گئے اظہار بھی دے گئے حکم بھی ہو چکا مقدمہ ختم بھی ہو گیا مسل داخل دفتر بھی ہو گئی اور ۲۹؍ اگست کو پھر کاردار صاحب شاکی ہیں کہ ۱۳؍ جون سے اب تک کوئی نہیں آیا اس خوابِ پریشان کی کیا تعبیر کہی جائے ۲۲ سے ۲۹ تک ایسی مدت بھی تو طویل نہ گزری تھی کہ کاردار صاحب اور تمام اہل محکمہ کسی کو یاد نہ رہا کہ ابھی فریقین حاضر ہو کر اظہار دے چکے ہیں مقدمہ ختم ہو چکا ہے اب یہ دوبارہ پیشی کیسی اور مکرر طلبی کس لئے، اور مچلکوں کی شدت کس بنا پر، ناچار صاحب افسر مال کو بھی فقرہ ۲۰ میں تسلیم کرنا پڑا کہ اہلمد ایسی بدعنوانیاں بطور خود کر لیتے ہیں حاکم کو اطلاع بھی نہیں ہوتی اور احکام جاری کر دیتے ہیں اور خود ہی حکم اخیر بھی لکھ دیتے ہیں کبھی یہ کہ داخل دفتر ہو کبھی یہ کہ بندوبست میں پیروی کرو اور یہ بھی تصریح فرمائی کہ دفتر والوں سے سازش ہو کر بھی ایسی کارروائیاں ہو جاتی ہیں اور یہ بھی کہ تمیدان اہلمدوں کی سبز چراگاہ ہے جب یہ سب کچھ ثابت ہے تو کون سی دلیل قائم ہے کہ یہ دوبارہ طلبی اور بار بار کی پیشیوں کے احکام بھی اہلمدوں کے بطور خود لکھے ہوئے ہیں اور ۲۲؍ اگست کا اظہار و حکم ان کی سبز چراگاہ سے دور و محفوظ ہے حاکم دستخطوں کو دیکھا جائے تو وہ ان احکام پر بھی ہیں نہ نرے دستخط شرع میں کوئی حجت کہ سیکڑوں بن سکتے ہیں،

اور متعدد کتابوں سے اس کی تصریح گزری غرض دفتر والوں کو خود مختاریاں ماننے بغیر چارہ نہیں اور انھیں چلبش خولیش کچھ تحریروں سے خاص کر لینے اور فلاں تحریر کو ان سے محفوظ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، یہی شناعتیں تو ہیں جن کے سبب شرع مطہر نے ان کا دربار ہی جلادیا اور سبز چراگاہوں کا راستہ یک قلم بند فرمایا۔

(۲۴) پھر اس پر کارداد صاحب کا جو حکم بتایا جاتا ہے کتنے مزہ کا ہے ایک فریق داخلخارج کی درخواست کرتا ہے دوسرے کو کہتے ہو کہ وہ بلا عذر قبول کر رہا ہے پھر بندوبست میں درخواست دینے پر اسے ملتوی کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے یہ اظہار اگر واقعی ہوتا تو کاردار صاحب فوراً حکم انتقال دیتے اور اسی کا موقع تھا جیسا کہ خود صاحب افسر مال کو فقرہ ۱۰ میں تسلیم ہے کہ "کاردار کو انتقال کا حکم دینا تھا" غرض یہ حکم اگرچہ فریقین راضی ہوں مگر انتقال ابھی نہ ہونا چاہئے بلکہ بندوبست جاری ہے اس میں درخواست دو ایک ایسا عجیب حکم ہے جس کی نظیر انھیں سبز چراگاہوں میں مل سکتی ہے جاہلوں تک میں تو مثل مشہور ہے کہ دو دل راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ لہٰذا قرین قیاس یہی ہے کہ ۸ ستمبر تک فریقین کی حاضری نہ ہوئی جیسا کہ مسل سے واضح ہے اور یہ ۲۲ اگست کا اظہار اور بے معنی حکم اسی دفتری سازشوں اور سبز چراگاہوں کی سیاہ کاری ہے۔

(۲۵) لطف یہ کہ بندوبست اس تاریخ سے پہلے کبھی کا ختم ہوچکا تھا اور کاردار صاحب یہ ہدایت کریں کہ بندوبست جاری ہے اس میں درخواست دو، دیکھو فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ ۲۴، پھر اگر یہاں تسلیم کیا جائے کہ بندوبست اس وقت جاری تو مدعیوں کا اس میں درخواست نہ دینا کیا معنی' بدرالدین و سراج الدین کی رضامندی کو وہ ایک بار آزما چکے تھے کہ بقول ان کے راضی نامہ کر کے کاربند نہ ہوئے اور ان کا اندراج نام نہ کرایا جس پر انھیں تحصیل میں عرضی دینی پڑی کیا انھوں نے نہ سنا تھا کہ آزمودہ را آزمودن جہل ست (آزمائے ہوئے کو آزمانا جہالت ہے۔ ت) اب دونوں بھائی اقرار لکھا چکے اور بندوبست جاری تھا تو مدعی ہرگز اپنا کام پختہ کر لینے سے نہ بیٹھتے، پھر خوبی یہ کہ جب چھ سال بعد بندوبست جدید میں غلطی کی اصلاح چاہی تو اس درخواست میں بھی مدعیوں نے اس اقرار و تسلیم ہر دو برادران کا کوئی ذکر نہ کیا بلکہ صلحنامہ منٹگمری ہی کو دستاویز بنایا اگر تحصیل منچن آباد میں دونوں بھائیوں نے یوں بلا عذر ان کے نام انتقال تسلیم کر لیا ہو تو سب سے زیادہ بنائے کار اسی پر رکھنی تھی نہ یہ کہ درخواست میں اس کا نام تک نہیں۔

(۲۶) صاحب افسر مال فقرہ ۱۰ میں اپنے یہاں کے محکموں کے سخت شاکی ہیں اور وہاں کے انتقالات کو بہت سنگلاخ دشوار گزار راہ بتاتے ہیں مگر سختیاں وہیں پیش آتی ہیں جہاں منازعت ہو مزاحمت ہو، کیا اس کی کوئی نظیر بتائی جا سکتی ہے کہ فریقین راضی نامہ کر لیں ایک فریق

اس کا اجرا چاہے دوسرا بلا عذر قبول کرے باینہمہ بار بار کی تحریکوں کے بعد سولہ سال تک معاملہ ہنوز روز اول ہے یہ اسی امر کی تائید کرتا ہے کہ اگر واقع ہو تو اس قدر ہو گا کہ پیر بدر الدین نے جھگڑا کاٹنے کے لئے علاقہ انگریزی کی تھوڑی جائداد سے چھوٹا حصہ رسمی طور کا جیسا مصالحتوں میں ہوتا ہے، نہ جدی حصہ جیسا برابر کے بھائیوں کو دیا جاتا ہے مدعیوں کو دینا گوارا کیا، پیر سراج الدین نے بھی اس پر سکوت کیا مگر ریاست کی جائداد نہ کبھی دینی چاہی نہ اس میں مزاحمت ترک کی نہ مدعیوں کے پاس کوئی کافی ثبوت تھا وہ ارادہ کرتے تھے اور بیٹھ رہتے تھے تحصیل منچن آباد میں درخواست دی اور حاضر نہ ہوئے، بقول مدعیان محکمہ بندوبست کی ہدایت ہوئی اور وہاں نہ گئے اس کے بعد تحصیل میں پھر درخواست دی اور پیروی کو نہ آئے یہ سب قرائن ان کے بے اصلی دعویٰ کے ہیں اور کچھ بھی قرینہ نہ ہوتا تو بارِ ثبوت ان کے ذمہ تھا جس سے وہ آج تک سبکدوش نہ ہوئے بالجملہ اس کاغذ پنجم کی حالت سب سے زیادہ ردی ہے ثبوت میں اس کا نام لینا شرع تو شرع عقل عرفی سے بھی میل نہیں رکھتا۔

کاغذ ششم عـ۱۱ تحریر مولوی نورالدین

(۲۷) نرے کاغذ کی بے اعتباری تو دلائل قاہرہ سے بارہا ہم ثابت کر آئے مگر یہ کاغذ ایک شہادت ہے کوئی فیصلہ نہیں کسی کاغذ محکمہ کی نقل نہیں کوئی تمسک نہیں جن میں کاغذی ثبوت برخلاف اصول شرع آجکل قابل توجہ سمجھے گئے ہیں جو کسی واقعہ کی شہادت ادا کرنا چاہے وہ ایک پرچہ پر لکھ کر کسی فریق کو دے دے اور فریق اسے محکمہ میں پیش کرے کہ یہ فلاں کا بیان ہے جس کے ساتھ اتنی شہادت بھی نہ ہو کہ فلاں نے ہمارے سامنے یہ کاغذ لکھا یہ دستخط اسی کے ہیں اس نے ہمارے سامنے کئے محض فریق کے زبانی بیان پر وہ کاغذ شہادت میں لے لیا جائے ایسا تو شاید قانون و رواج میں بھی نہ ہو گا شرع کا حکم تو پہلے ہی سُن چکے کہ بجوئے نخرند۔

(۲۸) صاحب افسر مال نے فقرہ عـ۹ میں مولوی نورالدین پیش کردہ مدعا علیہ کو یوں مشکوک ٹھہرایا کہ اس میں اہتمام کیا گیا ایک روپیہ کے کاغذ پر لکھائی گئی حالانکہ فریق مقدمہ جسے رواجاً اپنی سند سمجھے اس میں رواجی استحکام کی کوشش کوئی منشاء شک نہیں ہو سکتی شاید اگر سادہ پرچہ لکھا ہوتا تو اس پر یہ شک ہوتا کہ کچے کاغذ کا کیا اعتبار، مگر انصافاً اگر شک جاتا ہے تو تحریر پیش کردہ مدعیان زیادہ محلِ ریب ہے نورالدین کی اپنے دل کی لکھی ہوئی اتنی ہی بات ہے جو اس نے تحریر اول میں لکھی کہ نکاح میں نے پڑھایا اور یہ دونوں وقتِ نکاح موجود تھے اگر اس وقت اس کے ذہن میں یہ ہوتا کہ میرے پڑھائے ہوئے نکاح

سے پہلے خفیہ نکاح ہو لیا تھا تو وُہ ضرور اسے ذکر کرتا یا کم از کم ایسا لفظ نہ لکھتا جو اس کے علم کے خلاف مدعیوں پر ناحق برا اثر ڈالتا مگر جب وُہ تحریر دے چکا اور مدعیوں کو اس سے اپنا ضرر ظاہر ہوا تو تیسرے دن یہ دوسری تحریر پیدا کی گئی یا جس طرح ممکن ہوا ایک عاجز مولوی سے لی گئی۔

(۲۹) نرے کاغذی ثبوت ماننے والوں کو یہ کہنا پڑے گا کہ دونوں تحریریں مولوی نورالدین کی ہیں اور اس نے یا تو پہلی تحریر میں اخفائے حق کیا اور مدعا علیہ کی خاطر یا کسی طمع سے مدعیوں کو ضرر پہنچانا چاہا یا دوسری تحریر میں خلافِ حق بات بنائی اور مدعیوں کے لحاظ خواہ کسی لالچ سے مدعا علیہ کو نقصان رسانی چاہی بہر حال اس کی شہادت ساقط ہو گئی اور اس کی بات قابلِ التفات نہ رہی۔

(۳۰) بالجملہ مدعیوں کا یہ کاغذ پیش کرنا ان کو نافع تو کچھ نہ ہوا مگر ان کے ضرر کا دروازہ کھول گیا اسی کاغذ سے ظاہر ہو گیا کہ وُہ اپنی ماں کے نکاح مشہور کے وقت اپنا موجود ہونا تسلیم کرتے ہیں اور اس لاعلاج مرض کا یوں مداوا چاہتے ہیں کہ نورالدین کہتا تھا کہ پیر صدرالدین نے کہا تھا کہ ایک نکاح خفیہ دو گواہوں کے سامنے پہلے ہو لیا تھا نکاح مشہور کے وقت ان کا موجود نہ ہونا تو یہ خود مان چکے، رہا یہ کہ پہلے کوئی خفیہ نکاح ہُوا تھا اس کا ثبوت دینا ان پر عائد ہوا جس سے وُہ آج تک عہدہ برآنہ ہوئے، عہدہ برآ نہ ہونا درکنار اس کی طرف رُخ بھی نہ کیا اور کیونکر رُخ کرتے وُہ جانتے تھے کہ اس کا چارہ ان کی قدرت میں نہیں، کیا فقط نورالدین کا بیان نکاح کو ثابت کر دے گا کیا شرع میں اس کی کوئی نظیر ہے کہ صرف ایک شاہد کے بیان اقرار سے نکاح ثابت ہو جائے تمام کتب اور خود قرآن عظیم میں تصریح ہے کہ کم از کم دو گواہوں کی ضرورت ہے تو مدعیان نہ نکاح مشہور سے پیدا ہُوئے نہ نکاح خفیہ ثابت کر سکے پھر کس بنا پر وارث بن بیٹھے۔

(۳۱) فرض کیجئے کہ نکاح خفیہ مان بھی لیا جائے تو اس کی کوئی مدت بیان میں نہ آئی کہ کب اور نکاح مشہور سے کتنا پہلے ہوا نورالدین نے صرف چند سال کہا جس کا صدق تین بلکہ اردو کا چند دو سال پر بھی ممکن، اور گواہ نکاح مولوی غلام قادر کا بیان ہے کہ نکاح مشہور کے وقت اللہ بخش آٹھ سال اور الٰہی بخش چار برس کا تھا غرض اس قدر میں شک نہیں کہ حالت مبہم ہے اور تحریر مولوی نورالدین سے کچھ نہیں ثابت ہو سکتا کہ ان کی ولادت بعد نکاح خفیہ ہوئی، نہ اقرار پیر صدرالدین میں اس کا کچھ تذکرہ۔ صدرالدین نے اتنا ہی تو کہا کہ پہلے نکاح خفیہ کر چکا ہوں، یہ کب کہا کہ مدعی اسی نکاح خفیہ سے پیدا ہیں، مدعی درکنار اس نے نکاح خفیہ و مشہور کے بیچ میں اپنی کوئی اولاد ہونے کا اصلاً ذکر نہ کیا پھر خفیہ نکاح سے مدعیوں کا پیر صدرالدین کی اولاد ہونا کیونکر ثابت ہوا عجب ہے کہ صاحب افسر مال نے فقرہ ۹ میں ایسے مہمل کاغذ کو جواب دندان شکن فرمایا جو انصافاً خود اپنے پیش کرنے والے ہی کو ضرر رساں ہے۔

(۳۲) ثالث صاحبان اور صاحب افسر مال نے فقرہ ۹ و ۲۱ میں یہ تو لکھا کہ صحت نکاح کے لئے دو گواہ کافی ہیں اسی قدر سے اعلان ہوجاتا ہے، بیشک ہوجاتا ہے، اور ضرور کافی ہیں مگر اس طرف کسی صاحب نے توجہ نہ فرمائی کہ دو گواہوں کے سامنے ہونے کا ثبوت بھی تو درکار ہے یا بلا ثبوت رجماً بالغیب مان لیا جائے گا کیا ان گواہوں نے خود آکر ثالثوں یا صاحب افسر مال کے سامنے شہادت دی کیا انھوں نے اپنی شہادت پر دو شاہد عدل اپنے نائب کرکے بھیجے اور انھوں نے براعات شرائط شرعیہ شہادۃ علی الشہادۃ ادا کی یا کیا ہوا کچھ بھی نہ ہوا دو گواہ ہونے کا ثبوت کیا ہے پیر صدر الدین کا اقرار، ان کے اقرار کا ثبوت کیا ہے؛ مولوی نور الدین کا بیان، ان کے بیان کا ثبوت کیا ہے؟ ایک کاغذ میں کچھ حرف لکھے ہوئے ہیں، اس کاغذ کا ثبوت کیا ہے؛ صرف مدعیوں کا بیان، تو حاصل یہ ٹھہرا کہ نری مدعیوں کی زبان نکاح خفیہ کی گواہ ہے اور اسی کی بناء پر اسے مانا گیا ہے حالانکہ ؎

باطل ست آنچہ مدعی گوید

(جو کچھ مدعی نے کہا ہے وہ باطل ہے۔ت)

ایسا ثبوت اگر مان لیا جائے تو نرے عرضی دعوٰی ہی پر کیوں نہ مدعیوں کو ڈگری دیا جایا کرے آخر وہ اس میں بھی تو کہا کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں ہمارا بیان سچا ہے غرض اس کاغذ کا سند میں نام لینا بھی شرعاً عقلاً عرفاً کسی طرح کوئی معنی نہیں رکھتا۔ الحمدللہ تمام کاغذی سندوں کے جواب سے فراغ پایا اور واضح ہوگیا کہ ان میں ایک پرچہ بھی قابلِ استناد نہیں۔ اب امر ہفتم کی طرف چلئے۔

سند ہفتم شہادات

(۳۳) شہادتوں پر مولوی عطا محمد صاحب کا اعتراض بہت حق و بجا ہے فی الواقع شرع مطہر نے حقوق العباد میں لفظ اشہد یا اس کا ترجمہ کہ گواہی می دہم یا گواہی دیتا ہوں رکن شہادت قرار دیا ہے بغیر اس کے ہرگز شہادت متحقق نہیں ہوسکتی، خالی خبر ہوگی جو یہاں اصلاً قابلِ التفات نہیں، تمام کتب مذہب میں اس کی تصریح ہے، ہدایہ جلد دوم ص ۱۰۱ میں ہے :

ولا بد فی ذٰلک کلہ من العدالۃ ولفظۃ الشہادۃ فان لم یذکر الشاھد لفظۃ الشہادۃ وقال اعلم او اتیقن لم تقبل شہادتہ[1]

ان سب میں عدالت اور لفظ شہادت ضروری ہے اگر گواہ نے لفظ شہادت نہ کہا اور میں جانتا ہوں یا مجھے یقین ہے کہا تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۵

اسی میں ہے :

اما لفظۃ الشہادۃ فلان النصوص نطقت باشتراطھا اذ الامر فیھا بھذہ اللفظۃ ولان فیھا زیادۃ توکید فان قولہ اشھد من الفاظ الیمین کقولہ اشھد باللہ فکان الامتناع عن الکذب بھذہ اللفظۃ اشد[1]۔

لفظ شہادت تو اس لئے کہ تمام نصوص نے اس کو شرط کہا ہے کیونکہ شہادت کا حکم اسی لفظ سے بیان ہوا ہے اور اس لئے کہ اس لفظ میں تاکید زیادہ ہے کیونکہ شاہد کا اشھد کہنا، یہ قسم کے الفاظ میں سے ہے (جیسے اشھد باللہ قسم ہے) لہذا اس لفظ میں جھوٹ سے امتناع زیادہ قوی ہے (ت)

فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۱۰۰ میں ہے :

وقد وقع الامر بلفظ الشہادۃ فی قولہ تعالٰی واقیموا الشہادۃ للہ وقولہ علیہ الصلوۃ والسلام اذا رأیت مثل الشمس فاشھد فلزم لذلک لفظ الشہادۃ[2]۔

اللہ تعالٰی کے ارشاد اقیموا الشہادۃ (شہادت قائم کرو) اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد اذا رأیت مثل الشمس فاشھد (یعنی جب سورج کی مثل دیکھ لے تو شہادت دے) تو اس سے لفظ شہادت لازم ہُوا کیونکہ یہاں لفظ شہادت سے حکم دیا گیا ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ جلد ۳ صفحہ ۴۵۰ میں ہے :

واما رکنہا فلفظ اشھد بمعنی الخبر دون القسم ھکذا فی التبیین[3]۔

لیکن شہادت کا رکن، تو لفظ اشھد بمعنی خبر ہے بمعنی قسم نہیں ہے، تبیین میں یونہی ہے (ت)

اسی طرح بحر الرائق جلد ہفتم ص ۶۱ میں ہے، درمختار و ردالمحتار و قرۃ العیون کی عبارتیں فتوائے مولوی عطا محمد صاحب میں گزریں اور خود تکثیر عبارات کی کیا حاجت جبکہ علماء نے قرآن عظیم ہی کا نص اس پر ذکر فرمایا۔

(۳۴) صاحب افسر مال کا فقرہ ۲۵ میں اس ناممکن الجواب اعتراض پر یہ اعتذار پیش کرنا کہ فقہائے لفظ اشھد کی شرط تو ضرور لگائی مگر اس کی علت یہی ہے کہ اشھد میں معنی قسم ہیں تو معنی قسم جس لفظ سے پُورے کرلئے جائیں شرط حاصل ہوجائے گی سخت عجیب ہے جس کی نظیر یہی ہوسکتی ہے کہ نماز

---

[1] الہدایۃ | کتاب الشہادۃ | مطبع یوسفی لکھنؤ | ۳/ ۱۵۵
[2] فتح القدیر | کتاب الشہادات | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۶/ ۴۵۶
[3] فتاوٰی ہندیہ | " " الباب الاول | نورانی کتب خانہ پشاور | ۳/ ۴۵۰

کے لئے شرع میں ہیئت تو ضرور مقرر ہے جس میں قیام ورکوع وسجود وقعود وغیرہا ارکان ہیں مگران سب سے مقصود تعظیم الٰہی ہے تو وہ جس طرح حاصل ہو نماز ادا ہوجائے گی کچھ ان ارکان کی ضرورت نہیں، شہادت میں لفظ اشہد شرط نہیں بلکہ فقہائے نے اسے رکن شہادت لکھا ہے جیسا کہ تبیین الحقائق و بحرالرائق وعالمگیریہ سے گزرا اور کوئی شے بغیر اپنے رکن کے متحقق نہیں ہوسکتی۔

(۳۵) سخت عجب یہ ہے کہ کتابیں صاف تصریحیں کررہی ہیں اور کوئی لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، درمختار سے گزرا:

هذه المعانی مفقودة فی غیره فتعین[1] | یہ معنی اس کے غیر میں مفقود ہے تو یہ متعین ہے۔ (ت)

اسی طرح بحرالرائق جلد ۷، ص ۶۱ میں قرۃ العیون سے گزرا: لایقوم غیرها مقامها[2] (دوسرا اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ ت)

بحرالرائق جلد ۷، ص ۶۸ میں ہے:

شرط لجمیع انواعها لفظ اشهد بالمضارع فلا یقوم غیره مقامه وقد منا ان لفظها رکن[3] | تمام اقسام شہادت میں لفظ اشہد مضارع ہے لہٰذا دوسرا لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا جبکہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ یہی لفظ رکن ہے۔ (ت)

پھر اس کا مطلب یہ ٹھہرانا کہ کچھ اس لفظ کی خصوصیت نہیں بالکل دن کورات سے تفسیر کرنا ہوگا۔

(۳۶) یہ بھی محض غلط ہے کہ اس کی علت معنی قسم ہے بلکہ معانی کثیرہ کا اجتماع جن میں سے ایک معنی قسم بھی ہے، درمختار کی عبارت گزری:

لتضمنه معنی مشاهدة وقسم واخبار للحال[4] | کہ مشاہدہ قسم اور حال کے معنی کو متضمن ہے۔ (ت)

فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۱۱ میں ہے:

---

[1] درمختار | کتاب الشہادات | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۹۰
[2] قرۃ عیون الاخیار | " " | مصطفی البابی مصر | ۱/ ۵۶
[3] بحرالرائق | " " | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۷/ ۶۲
[4] درمختار | " " | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۹۰

لفظة الشهادة اقوی فی افادة تاکید متعلقها من غیرها من الالفاظ کا علم واتیقن لما فیها من اقتضاء معنی المشاهدة والمعاینة التی مرجعها الحس[1]

شہادت کا لفظ اپنے متعلق کی تاکید میں دوسرے ہم معنی الفاظ کی نسبت اقوٰی ہے جیسے کہ لفظ "میں جانتا ہوں" مجھے یقین ہے، کے مقابلہ میں، کیونکہ شہادت کا لفظ مشاہدہ اور معاینہ جس کا مرجع حس ہے، کو چاہتا ہے۔ (ت)

بلکہ عالمگیری سے گزرا کہ اشهد بمعنی خبر رکن ہے نہ بمعنی قسم۔

(۳۷) یہ بھی ہرگز مسلم نہیں کہ کچہریوں میں حلف کے معنی پورے کرائے جاتے ہیں کہیں یہ کہلوایا جاتا ہے سچ کہوں گا خدا میری مدد کرے کہیں یوں کہ خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ کہوں گا ان الفاظ کو یمین سے کچھ تعلق نہیں اور اگر وہی لفظ کہلوائے جائیں جو صاحب افسر مال نے لکھے کہ خدا کی قسم میں سچ کہوں گا تو یہ یمین منعقدہ ہوتی یعنی آئندہ کی نسبت جس کے خلاف کرنے پر پندرہ سیر گیہوں یا تین روزوں میں کام نکل سکتا ہے بخلاف اشهد کہ اس میں یمین غموس ہے کہ سلطنت ہفت اقلیم یا لاکھ روزے بھی اس کا کفارہ نہیں ہو سکتے تو اس میں اس کے معنی کا ادا ہوجانا کیونکر ممکن۔

(۳۸) دوسرا لفظ صاحب افسر مال نے یہ لکھا کہ خدا کو حاضر ناظر جان کر شہادت دوں گا یہ بھی ایک وعدہ ہے جو کسی اشهد کے معنی پورے نہیں کرسکتا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ شہادت بلفظ مضارع بمعنی حال لازم ہے درمختار سے ابھی گزرا واخبار للحال[2] (حال کی خبر دینا ہے۔ ت) ردالمحتار ج ۴ ص ۳۷۰ میں ہے:

فلو قال شهدت لایجوز لان الماضی موضوع للاخبار عما وقع فیکون غیر مخبر فی الحال[3]

اگر اس نے "شہدت" بلفظ ماضی کہا تو ناجائز ہے کیونکہ ماضی گزشتہ واقعہ کی خبر کے لئے وضع کیا گیا ہے تو یہ ماضی، حال کی خبر نہ دے گا (ت)

جب صیغہ ماضی معتبر نہ ہوا جو یمین میں مثل صیغہ حال ہے حلفت باللہ اور احلف باللہ کا ایک ہی حکم ہے تو شہادت دوں گا صیغہ استقبال کیا حیثیت رکھتا ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ قسم کھاؤں گا

---

[1] فتح القدیر — کتاب الشهادات — المکتبة النوریة الرضویة سکھر — ۶/۴۵۶
[2] درمختار — " — مطبع مجتبائی دہلی — ۲/۹۰
[3] ردالمحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۴/۳۷۰

کیا اس کہنے سے قسم ہو جاتی ہے یا جھوٹ سے باز رہ سکتا ہے۔

(۳۹) اور اصل حقیقت امر یہ ہے کہ تعین لفظ اشہد میں جو علتیں توجیہیں بیان میں آئیں از قبیل نکات و لطائف ہیں وہ ایک حکم تعبدی ہے یعنی شرع مطہر نے خاص اسی لفظ کو معین فرما دیا تو اب اس سے تجاوز جائز نہیں۔ ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۷۰ و بحرالرائق جلد ۷ ص ۶۰ - ۶۱ میں ہے:

اقتصر علیہ اتباعا للماثور ولا یخلو عن معنی التعبد اذ لم ینقل غیرہ[1]

اس نے اس پر اقتصار کیا، منقول و ماثور کی پیروی کرتے ہوئے جبکہ یہ تعبد کے معنی سے خالی نہیں، اور اس کا غیر منقول نہیں۔ (ت)

تو اس کی علت تلاش کرنا اور اس کا دوسری جگہ اجرا چاہنا سرے سے باطل ہو گیا، ان تقریرات سے آفتاب کی طرح روشن ہُوا کہ ہندی کچہریوں میں جہاں لفظ اشہد نہیں کہلواتے اور ان بے معنی الفاظ مذکورہ یا ان کے امثال سے حلف لیتے ہیں وہ زنہار اصولِ شرع سے مطابقت نہیں کہا سکتا، شئی اگر اپنی ضد سے مکمل ہو سکتی ہو، ان کی اگر رات سے تکمیل ہو سکتی ہو تو ان الفاظ میں اصول شرع کو مکمل سمجھ سکیں، انگریزی و ہندی کچہریوں میں مثبت سمجھے ہوئے دعوے اگر شرعاً غیر مثبت ٹھہریں تو کیا استحالہ ہے بلکہ اصول شرع کے اتباع نہ کرنے سے شرعاً ان کا غیر مثبت ہونا خود ہی لازم، نہ یہ کہ ان کو مثبت بنانے کے لئے اصولِ شرع تبدیل کر دیئے جائیں، یہاں کی کچہریوں میں کفار کی گواہیاں مسلمانوں پر عموماً سُنی جاتی ہیں اور ان پر فیصلے ہوتے ہیں اور وُہ دعوے مثبت ٹھہرائے جاتے ہیں اسے کون سے اصولِ شرع سے تطبیق دی جائے گی حالانکہ رب العزت جل وعلا فرماتا ہے:

لن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا[2]

اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔ (ت)

خود صاحب افسر مال اپنے اسی فیصلہ فقرہ ۱۳ میں فرماتے ہیں: "قبضہ کی بابت ریلا رام پیشکار اور غلام حیدر خاں پیشکار کی شہادت شامل مسل ہے اور ان کی شہادت سے ثابت ہے کہ قبضہ رہا پس دو معزز اہلکاروں کی شہادت معتبر شہادت ہے ہمارا فرض ہے کہ اس کو قبول کریں اور یقین کے ساتھ قبول کریں" حالانکہ شرع مطہر اسے حرام بتاتی ہے فاسق کی نسبت تو ارشاد ہوا:

یایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا

---

[1] ردالمحتار بحوالہ البحر الرائق کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰
[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

بجہالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم ندٰمین[1] ندے بیٹھو پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔ (ت)

ذکر کفار، والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔

(۴۰) صاحب افسر مال فقرہ ۸ میں اس شہادت مدعیان کو متواتر حقیقی بناتے ہیں کہ "یہ شہادت تواتر تک پہنچ چکی ہے جس کے خلاف ہونے کا احتمال نہیں" اور عجب یہ کہ مدعیوں کے تیس گواہ کے مقابل مدعا علیہ کے پینتالیس گواہوں کو لفظ "چند کس" سے تعبیر فرماتے ہیں جس کی انتہا نو تک ہے یہ مجمل جرح کہ وہ یا اجیر ہیں یا اس فریق کے جتھے والے ہر طرف کے گواہوں پر ہو سکتی ہے جو ان میں معزز ہوئے ان پر طرفداری اور باقیوں کو اجورہ داری کا الزام لگا دینا کیا دشوار ہے، ان الزامات کی راہ تو شرع مطہر نے گواہوں میں عادل ہونے کی شرط لگا کر بند فرمائی تھی جب یہ شرط اٹھ گئی بلکہ گواہ کے مسلمان ہونے کی بھی قید نہ رہی تو ہر گونہ الزام آسان ہے جس میں دونوں فریق کی حالت یکساں ہے بلکہ اس نوٹ کی بناء پر جو صاحب افسر مال نے اپنے آخر فیصلہ میں دیا جس میں مدعیوں کو اخلاقاً وعادۃً مدعا علیہ سے بہت بہتر بتایا اور مدعا علیہ کو چالباز کمینہ عادت کا آدمی شریر وغیرہ بالفاظ سخیف سے یاد فرمایا احتمال طرفداری گواہان مدعیان کی طرف زیادہ قائم ہوتا ہے ظاہر ہے کہ خوش اخلاق و نکوسیر آدمی کا جتھا بھاری ہوتا ہے مکار شریر چالباز سے لوگ نفرت کرتے ہیں اگرچہ لطافت علی صاحب تحصیلدار نے جو تحقیقات موقع لکھی وہ اس کا عکس ظاہر کرتے ہیں اور معزز خاندان چشتیاں کو مدعیوں سے نفرت بتاتے ہیں بہر حال یہ زائد و خارج از بحث باتیں ہیں، کلام اس میں ہے کہ وہ تواتر جس میں خلاف کا احتمال بھی نہ رہے اس کے یہ معنی نہیں جس میں فریقین کے انتخاب کو کوئی دخل ہو ہر فریق اپنی مرضی کے گواہ چھانٹ چھانٹ کر اسم نویسی کرائے یہ تیس بتائے وہ پینتالیس لے آئے بلکہ تواتر کے یہ معنی ہیں کہ وہاں کے تمام لوگ چھوٹے بڑے عالم جاہل سب اس امر سے واقف ہوں عام لوگ یک زبان و متفق اللسان ایک ہی بات کہیں۔ فتاوٰی عالمگیری جلد ۳ ص ۱۵۲ میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ،

ان تاتی العامۃ وتشہد بذلك فیؤخذ بشہادتہم کذا فی الذخیرۃ[2] اگر عام لوگ یہی بات کہیں اور یہی شہادت دیں تو یہ شہادت قبول کرلی جائے گی، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۱۴

نیز اسی کے صفحہ ۱۵۳ پر اس کی تشریح یوں فرمائی:

30

کونہ ظاھرا مستفیضا یعرفہ کل صغیر و کبیر وکل عالم وجاھل کذا فی الذخیرۃ[1]۔

اس کے ظاہر مستفیض ہونے کی وجہ سے کہ اس کو ہر بڑا چھوٹا، عالم اور جاہل جانتا ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ یہاں ایسا نہیں فہرست گواہان کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ ایک ہی خاندان کے لوگ مدعی کے گواہ ہیں کچھ لوگ مدعا علیہ کے، ایک ہی بستی کے کچھ لوگ اِدھر کے شاہد ہیں کچھ لوگ اُدھر کے، ایک بھائی اِدھر کا گواہ ہے تو دوسرا حقیقی بھائی دوسری طرف کا۔ بھانجا مدعیوں کا گواہ ہے تو ماموں مدعا علیہ کا۔ تواتر حقیقی کی صُورت ہوتی تو معاملہ بدیہیات سے ہو جاتا کہ متواترات اقسام بدیہی سے ہیں اور بدیہی پر دلیل قائم کرنا بے معنی، تو صاحب افسر مال کو اپنے فیصلہ میں ، نمبر ابتدائی کے علاوہ کہ متعلق واقعات ہیں اکیس نمبر بحث کے کیوں لکھنے پڑتے یا ادھر تواتر ہوجاتا تو ہم کو ۲۱ کے مقابل ۴۲ نمبر لکھنے کی کیا ضرورت ہوتی۔ بزازیہ اور قرۃ العیون ج ۴ ص ۶۰۰ میں ہے:

فی المحیط ان تواتر عند الناس وعلم الکل یقضی بفراغ ذمتہ لانہ یلزم تکذیب الثابت بالضرورۃ والضروریات مما لم ید خلھا شک[2] اھ۔

محیط میں ہے اگر لوگوں میں تواتر ہے اور سب جانتے ہیں تو اس کے ذمہ کی فراغت کا حکم کردیا جائے گا کیونکہ یہ بدیہی طور پر ثابت ہے اور اسے نہ ماننے پر ضروری معلوم شدہ کی تکذیب لازم آئے گی جبکہ ضروری بدیہی امور میں شک کا دخل نہیں ہوسکتا۔ (ت)

(۴۱) اگر ۳۰ گواہ ہونے کے سبب شہادت مدعیان متواتر ہوگئی تو شہادت مدعا علیہ بدرجہ اولٰی متواتر ہوگی کہ اس کے ۵۴ گواہ ہیں اور اب وہ اعتراض جو تالثوں اور مجوزنے فقرہ ۲۲ میں اس پر کیا کہ وُہ شہادت نفی ہے اور نفی پر شہادت مقبول نہیں باطل ہو جائے گا کہ شہادت جب متواتر ہو یقیناً مقبول ہے اگرچہ نفی پر ہو۔ فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی بزازیہ و اشباہ والنظائر صفحہ ۲۱۴ میں ہے: تقبل بینۃ النفی المتواتر[3] (نفی پر متواتر بات کو بطور دلیل قبول کیا جائیگا۔ ت) درمختار جلد ۲ ص ۶۰۰ میں ہے:

شہادۃ النفی المتواتر مقبولۃ[4]۔ متواتر نفی کو شہادت کے طور قبول کیا جائیگا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۱۵

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادۃ باب القبول وعدمہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۱

[3] الاشباہ والنظائر بحوالہ ظہیریہ و بزازیہ الفن الثانی کتاب القضاء والشہادۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۲

[4] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

(۴۴) بحمد اللہ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہُوا کہ ثالثوں نے جتنی سندوں پر بنائے فیصلہ رکھی سب محض ناکارہ و بے اعتبار ہیں، روئداد مسل مدعیوں کا نسب اصلاً ثابت نہیں کرتی سخت محلِ افسوس یہ ہے کہ ثالث صاحبوں نے خود یہ سمجھ لیا تھا کہ مسل کے موجودہ کاغذات وشہادات ناکافی ہیں اور بے تحقیقات مزید کے حقیقت معاملہ سمجھ میں نہیں آسکتی ملاحظہ ہو رپورٹ ثالثان کاغذ ۲۰ گذارش ہے کہ سوائے تحقیقات جدید کے مظہران فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں یہاں ثالثوں نے روئداد مسل پر فیصلہ کرنے سے صاف صاف استعفا دے دیا یا باوصف اس کے بلاتحقیق جدید فیصلہ کیا اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ صاحب افسرمال خود موقع پر تحقیقات کے لئے تشریف لے گئے اور علاقہ کے تمام سرآوردہ اشخاص اور چشتیوں کو طلب کیا مگر بے تحقیقات جدید کہ اسی کی شرعاً ضرورت تھی معاملہ بربنائے روئداد ناکافی مسل سپرد ثالثان کرادیا۔ دیکھو فیصلہ افسرمال فقرہ ۲۴، میں نہیں کہتا کہ مدعیوں کا اولاد پیر صدر الدین نہ ہونا ثابت ہے غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ ان کا اولاد پیر صدر الدین ہونا ثابت نہیں تمام کاغذات وشہادات موجودہ مسل ان کا نسب ثابت کرنے میں عاجز و قاصر ہیں ان کا دعوٰی نامسموع ہونے کے لئے ثبوت عدم درکار نہیں عدم ثبوت کافی ہے اور وہ بلاشبہہ حاصل، لہٰذا دعوٰی مدعیان باطل۔ یہاں اور ابحاثِ فقہیہ بھی باقی ہیں مگر جس قدر گزارش ہوا ذی انصاف متبع شرع کے لئے اس قدر بہت ہے وباللہ التوفیق، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۵ تا ۱۰۱ از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خان صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخصوں میں زرِ مہر کا جھگڑا ہے ان دونوں شخصوں نے اہل اسلام کے دو شخصوں کو پنچ اور ایک کو سرپنچ اس جھگڑے کے فیصلے کے واسطے باقاعدہ بنا دیا، پنچان و سرپنچ صاحب نے بالاتفاق اپنی اور نیز اپنی جماعت کثیر اہل اسلام پابندِ صوم وصلوٰۃ سے ایک فیصلہ تجویز کردیا، فیصلہ سنانے کے قبل پنچان وسرپنچ ونیز دیگر شریک رائے اہل اسلام نے ہر دو فریق کو کہ جن کی جانب سے پنچ وسرپنچ بنائے گئے تھے یہ تجویز سنادی کہ جو فیصلہ ہم دو فریق کو سنادیں گے وہ تم دونوں کو بخوشی خاطر قبول ومنظور ہوگا یا نہیں، اور اس فیصلہ میں خواہ کسی فریق کا کیسا ہی نقصان کثیر ہو وہ برداشت کرنا ہوگا ہر دو فریق نے نہایت رضامندی سے اس تجویز کو قبول اور منظور کیا اس کے بعد پنچان وسرپنچ صاحب نے بآوازِ بلند مجمع کثیر میں اس فیصلہ کو جو باہم نزاعی تھا سنایا ایک فرقہ نے اس کو منظور کرلیا اور ایک فرقہ نے اس کو نامنظور کیا، اب جس فرقہ نے اس کو نامنظور کیا تو از روئے شرع شریف کے اس معاہدہ کی تکمیل جو بروقت فیصلہ سنانے کے ہر دو فریق سے منظور کرائی تھی اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۲) دو شخصوں میں تبادلہ جائداد پر جھگڑا تھا ان دونوں شخصوں نے اس کے فیصلہ کے واسطے دو پنچ اور

ایک سرپنچ بنائے، پنچ وسرپنچ صاحبان نے دونوں شخصوں سے چار چار ہزار روپیہ جمع کرالیا اور ایک جماعت کثیر اہلِ اسلام کے رُوبرو حلف شرعی وخدا ورسول کو درمیان وکلام مجید درمیان کرکے یہ وعدہ ہر دو شخصوں سے کرالیا کہ جو تم دونوں شخصوں میں سے ہمارا فیصلہ کیا ہوا نہ مانے گا ہم اس کا روپیہ ضرور دوسرے کو دے دیں گے ان دونوں شخصوں نے جن کی جائداد کا جھگڑا تھا اس بات کو قبول ومنظور کرلیا اور پختہ عہد وپیمان شرعی کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ اگر ہم میں سے جو کوئی فیصلہ کئے ہوئے کو نہ مانے اس کا روپیہ آپ دوسرے کو دینا، ہم کو یہ بات قبول ومنظور ہے، اب پنچان وسرپنچ صاحبان نے اپنا فیصلہ کیا ہوا دونوں شخصوں کو سنایا، ایک نے منظور کرلیا اور ایک نے نہیں منظور کیا، جس نے کہ نہیں منظور کیا اس کا روپیہ حسبِ وعدہ نیز پنچ یا سرپنچ صاحبان کے دوسرے کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کسی شخص کو پنچ یا سرپنچ کسی فیصلہ کے لئے بنایا جائے تو وہ صرف یکطرفی شہادت وثبوت خفیہ پر اپنی تجویز لکھ سکتا ہے یا نہیں اور ایسی تجویز جائز ہے یا نہیں؟

(۴) اگر پنچ سرپنچ نے ایک فریق سے بوجہ طمع ناجائز کے سازو اتفاق کرکے فریق دوم کے خلاف فیصلہ دیا ہو تو ایسے شخصوں کا فیصلہ کیا ہوا ازروئے شرع جائز ہوگا یا ناجائز؟

(۵) اگر کوئی شخص قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھائے اور پھر اس قسم کے خلاف کرے تو ایسا شخص قابل قاضی وحاکم بنانے کے ہے یا نہیں اور اس کا فیصلہ مانا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۶) حاکم وقاضی کو شہادت لینا باقاعدہ ضرور ہے یا نہیں یا صرف اس کا ذاتی علم فیصلہ کرنے کے واسطے جائز ہے یا ناجائز؟

(۷) ازرُوئے شرع شریف کے رشوت لینا کیسا گناہ ہے اور رشوت لینے والا حاکم وقاضی و شاہد معتبر ہے یا غیر معتبر، اس کا فیصلہ کیا ہُوا قابل تسلیم ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر فیصلہ مطابق شرع ہو ہر فریق کو ماننا لازم ہے اور باطل وخلافِ شرع ہو تو کسی پر اس کی پابندی نہیں،

قال اللہ تعالٰی ان الحکم الا للہ [1]۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: حکم صرف اللہ تعالٰی کا ہے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۵۷

اور ماننے نہ ماننے پر کوئی خاص معاہدہ کرلیا ہو تو اس کی پابندی ضروری نہیں کہ ایک مہمل شرط ہے کوئی عقد شرعی نہیں۔

شرط اللّٰہ احق واوثق[1] قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی کی شرط کردہ زیادہ پختہ اور قوی حق ہے، یہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) وہ شرط حرام باطل تھی اور وُہ روپیہ ہر ایک کو اس کا واپس دینا فرض اور دوسرے کو دینا حرام،

قال اللّٰہ تعالٰی لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[2] واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طور پر مت کھاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) شہادت شرع میں صرف مدعی سے لی جاتی ہے مدعا علیہ سے گواہ لینا کچھ ضرور نہیں اور گواہان قبول شرعی کے ساتھ اگر کسی خفیہ تحقیقات سے اطمینان کرلیا تو اس میں بھی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر[3] رواہ الدارقطنی والبیھقی وابن عساکر عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما قال النووی سند البیھقی حسن وصحیح۔

گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم منکر پر ہے۔ اس کو دارقطنی، بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ امام نووی نے فرمایا: بیہقی کی سند حسن اور صحیح ہے (ت)

ہاں اگر حاکم نے خلاف شرع ناجائز بے ضابطہ کارروائی کی تو وُہ جس حد کی ناجائز ہوگی اس کے قابل اس پر حکم ہوگا سائل نے کوئی تفصیل نہ بیان کی کہ صورت خاصہ کا حکم دیا جاتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۴) اظہار سائل سے معلوم ہوا کہ طمع ناجائز سے مراد کچھ لے کر فیصلہ دینا ہے ایسا فیصلہ مطلقاً مردود

---

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۷۷

[2] القرآن الکریم ۲/۱۸۸

[3] صحیح البخاری کتاب الرہن ۱/۳۴۲ و جامع الترمذی ابواب الاحکام ۱/۱۶۰ و سنن الدارقطنی ۴/۲۱۸ السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الدعوی والبینات دار الفکر بیروت ۱۰/۲۵۲

وبے اعتبار ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اجمعوا انه اذا ارتشی لاینفذ قضاؤہ فیما ارتشی[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

فقہاء نے اجماع کیا ہے کہ قاضی نے جس فیصلہ میں رشوت لی ہے وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۵) حلف کا حکم جوابِ سوال چہارم میں گزرا، اگر شرعاً اس قسم کا خلاف اسے کرنا چاہئے تھا تو اس پر کچھ الزام نہیں اور وہ حاکم و قاضی بنائے جانے میں مخل نہیں اور اگر ناجائز تھا تو ایسے کو قاضی و حاکم نہ بنایا جائے اور اگر بنایا گیا تو اس کا فیصلہ اب بھی مانا جائے گا اگر مطابق شرع ہو، فتح القدیر میں ہے:

ان الفسق لایوجب العزل فولایته قائمة وقضائه بحق فلم لاینفذ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

قاضی کا فسق موجبِ عزل نہیں تو اس کی ولایت قائم اور فیصلہ حق ہے تو کیونکر نافذ نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۶) فتوٰی اس پر ہے کہ قاضی و حاکم کا ذاتی علم فیصلہ کے واسطے کافی نہیں، نہ اسے اس پر فیصلہ دینا جائز، اشباہ میں ہے:

الفتوی علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

ہمارے زمانہ میں آج فتوٰی یہ ہے کہ قاضی کے علم پر مبنی فیصلہ پر عمل جائز نہیں ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۷) رشوت لینا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے لینے والا حرامخوار ہے مستحق سخت عذاب نار ہے، دینا اگر بمجبوری اپنے اوپر سے دفع ظلم کو ہو تو حرج نہیں اور اپنا آتا وصول کرنے کو ہو تو حرام ہے اور لینے دینے والا دونوں جہنمی ہیں اور دوسرے کا حق دبانے یا اور کسی طرح ظلم کرنے کے لئے دے تو سخت تر حرام اور مستحق اشد غضب وانتقام ہے،

فی وصایا الھندیة عن فتاوی الامام قاضیخاں ان بذل المال لاستخراج

ہندیہ کے وصایا میں امام قاضی خاں کے فتاوٰی سے منقول ہے کہ دوسرے پر اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الدعوٰی والبینات نولکشور لکھنؤ ۴۶۰/۳

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی المکتبۃ النوریۃ الرضویہ سکھر ۳۵۸/۶

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۳۵۳/۱

حق له علی اٰخر رشوة وان بذل لدفع الظلم عن نفسه و ماله لایکون رشوة اھ[1] والمسألة تحتاج الی زیادة تقریر و تحریر وتنقیح وتنقیر لاتفرغ له الاٰن و باللّٰه التوفیق۔

مال خرچ کرے تو رشوت ہے اور اگر اپنے پر ہونے والے ظلم یا اپنے مال پر ناجائز دخل کو ختم کرنے کے لئے مال خرچ کرے تو یہ رشوت نہ ہوگی اھ، اور یہ مسئلہ تقریر، چھان بین، تنقیح اور تحقیق کو چاہتا ہے جس کی فی الحال فرصت نہیں، و باللہ التوفیق (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

لعن اللّٰه الراشی والمرتشی والرائش الذی یمشی بینهما[2]۔ رواه الامام احمد عن ثوبان رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔

اللہ کی لعنت رشوت دینے والے اور لینے والے اور ان کے دلال پر۔ اسے امام احمد رحمہ اللہ نے ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا (ت)

قاضی و شاہد کا مسئلہ جواب ششم و ہفتم میں گزرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۲: از رامپور چوک حیدر علی خاں مرسلہ محمد ایاز صاحب ٹھیکیدار ۱۱ رمضان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دعوٰی زر قرضہ اپنے کا بنام بکر دائر کیا حاکم نے ڈگری زر قرضہ بنام بکر صادر فرمایا مگر اپنی تجویز میں قسط بندی کردی، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعاً حاکم کو بدون رضامندی مدعی اختیار قسط بندی کا حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب

حاکم کو نہ ہرگز اپنی طرف سے قسط بندی بے رضائے مدعی کر دینے کا اختیار نہ اس کی اس قسط بندی کا کوئی اعتبار، بلکہ وہ ایک لغویات محض ناقابل التفات ہے، حاکم کا فرض ہے کہ جب دعوٰی اس کے نزدیک ثابت ہوجائے فوراً مطابق دعوٰی حکم دے اگر تاخیر کرے گا فاسق و معزول و مستحق تعزیر ہوگا،

الاولٰی لرجاء الصلح بین الاقارب الثانیة اذا استمهل المدعی[3]، کما

مہلت دینا اقارب میں صلح ہے یا مدعی جب اس کا اظہار کرے، جیسا کہ الاشباہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوصایا الباب التاسع فی الوصی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۰

[2] مسند امام احمد ترجمہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۲۷۹

فی الاشباہ[1] ولاحاجۃ الی استثناء ثالثۃ ذکرھا وھوما اذاکان عندہ فیہ ریبۃ لان الکلام اذا اثبت الامر۔

میں ہے، اور تیسرے کے استثناء کی حاجت نہیں ہے اور وہ یہ کہ جب قاضی کو اس میں شک ہو، کیونکہ یہ کلام اس صورت میں ہے جب قاضی کے ہاں معاملہ ثابت ہوجائے۔ (ت)

نہ کہ برخلاف دعوٰی اپنی طرف سے کوئی بات بڑھادے۔ غمز العیون میں ہے:

یجب علی القاضی الحکم بمقتضی الدعوٰی عند قیام البینۃ علی سبیل الفور فلو اخر اثم ویعزل و یعزر کما فی جامع الفصولین[2]۔

قاضی پر لازم ہے کہ دعوٰی پر گواہی مل جانے پر اس کے مطابق فیصلہ فوراً کردے اگر تاخیر کریگا تو گنہگار ہوگا اور معزولی اور تعزیر کا مستحق ہوگا جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے۔ (ت)

قسط بندی ایک قسم اجل ہے اور اجل حق مدیون ہے۔ ہدایہ و خانیہ و اشباہ وغیرہا میں ہے:

الاجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ[3]۔

مہلت مقروض و مدیون کا حق ہے تو اسی کو ساقط کرنے کا حق ہے۔ (ت)

تو یہ مدیون کے لئے ایک ایسے حق کا ثابت کرنا ہے جس کا کوئی ثبوت نہ تھا، نہ بینہ نہ اقرار نہ نکول، تو بلاثبوت اثبات محض باطل و نامقبول۔ خانیہ و اشباہ و خیریہ وغیرہا میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار والنکول[4]۔

قاضی صرف دلیل پر فیصلہ کرسکتا ہے اور وہ صرف گواہی، اقرار اور قسم سے انکار ہے (ت)

طرفہ یہ کہ ثبوت درکنار خود مدیون جس کے لئے حاکم نے یہ حق ثابت کرنا چاہا اس حق کا اپنے لئے مدعی نہ تھا مدعا علیہ نے کب کہا تھا کہ یہ مطالبہ مجھ پر قسط بندی سے واجب ہے اور ظاہر ہے کہ دعوی شرط قضا ہے بلا دعوٰی خود قضا کر بیٹھنے کا حاکم کو کیا اختیار ہے اور اگر مراد انشاء تنجیم ہو یعنی دین تو موجل باقساط نہ تھا مگر میں اس کی قسط بندی کرتا ہوں تو یہ منصب قضا سے محض بیگانہ ایک مشورہ ہے جس کا قبول کرنا کسی پر واجب نہیں، نہ اسے پرائے مال پر کچھ اختیار ہے، نہ یہ کہ جبر پہنچتا ہے کہ مال تو تیرا واجب ہے مگر ابھی نہ لے، غایت

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاۃ والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۶۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی " " " " " " ۱/۳۶۰

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات " " " " ۲/۴۸

[4] " " کتاب القضاۃ والشہادات " " " " ۱/۳۳۸

یہ کہ مدیون کو بزعم خود کم استطاعت سمجھا ہو مگر یہ سمجھ بھی محض بے اصل ہے، بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ دین ایک عقد بیع کا ثمن تھا اور ایسی حالت میں اسے بلابینہ ناقابل ادا مان لینا صحیح نہیں۔ خانیہ و ہندیہ وغیرہما میں ہے:

ان کان الدین واجبًا بدلًا عما ھو مال کالقرض وثمن المبیع القول قول مدعی الیسار مروی ذٰلک عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ و علیہ الفتوی لان قدرتہ کانت ثابتۃ بالبدل فلا یقبل قولہ فی زوال تلک القدرۃ۔[1]

اگر وصولی کسی مالی بدل کی وجہ سے ضروری ہو مثلاً قرض یا مبیع کا ثمن ہے تو قابل ادائیگی ہونے کی بات مانی جائے گی، یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اور اسی پر فتوی ہے کیونکہ مبدل حاصل کرلینے سے مدیون کی قدرتِ ادائیگی ثابت ہے لہذا اس قدرت کے زوال کی بات نہ سُنی جائیگی (ت)

اس انشائے تاجیل کا حاصل اگر دائن کو منع کرنا ہے تو یکمشت اپنا دین نہ لے تو یہ حجر مکلف پر حجر بلاوجہ شرعی ہے اور وہ باطل ہے اور اگر اس کا حاصل مدیون سے یہ کہنا ہے کہ تو مثلاً مہینہ پیچھے اتنا ادا کیا کر، تو ایسا دائن خود کہے تو تاجیل نہ ہوگی اور جس وقت چاہے یکمشت لے سکے گا نہ کہ غیر دائن جسے دین سے کوئی تعلق نہیں پرائے دین کو موجل کردے۔ اشباہ میں ہے:

قال الدائن للمدیون اذھب واعطنی کل شھر کذا فلیس بتاجیل لانہ امر بالاعطاء۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر وصولی کرنے والا مدیون سے کہے کہ جا ماہانہ اتنی قسط دے دیا کر، تو یہ مہلت کا بیان نہیں ہے کیونکہ یہ ادائیگی کا حکم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از شہر بریلی محلہ روہیلے ٹولہ مسئولہ جناب ملک اعجاز ولی خاں صاحب زید مجدہم ۱۱ رمضان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بنام بکر بابت غلہ قیمتی سے۴ بایں دعویدار ہے کہ میرا غلہ ناجائز طور پر لے لیا ہے دلایا جائے، بکر کو لینے غلہ سے اقبال ہے مگر وہ کہتا ہے کہ میرا قرضہ بذمہ زید چاہئے تھا میں نے یہ غلہ قیمتی سے۴ مذکورہ بالا اپنے قرضہ میں لیا ہے اس قسم کا بیان بکر انکار دعوی مدعی ہے یا نہیں، اور زید ثبوت نہ پیش کرکے خواستگار حلفِ بکر ہے تو بکر پر شرعاً حلف متوجہ ہوتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب (کتاب یعنی قرآن کریم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ قاضی خاں کتاب ادب القاضی الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ کراچی ۳/۴۱۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۱۳

سے بیان کیجئے روزِ حساب اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں بکر دعوٰی زید یعنی غلّہ لے لینے کا مقر اور اپنے قرضہ کا مدعی ہے یہاں نہ زید کے ذمہ کوئی ثبوت دینا رہا نہ بکر پر حلف آسکتا ہے،

لانہ مقر ومدع وکلاھما لاحلف علیھما واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کیونکہ یہ اقرار کرنے یا دعوٰی کرنے والا ہے جبکہ ان دونوں پر قسم نہیں ہے واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۴: از قصبہ شاہ آباد ضلع ریاست رامپور مرسلہ قمر علی خاں عرف چندا خاں ۱۰ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید وعمرو وبکر نے چند دیہات سرکاری اجارہ پر لئے بعد کو باہم شرکا میں تقسیم دیہات آپس میں ہوگئی جس کے حصہ میں جو دیہہ آیا وہ اس کی ادائے جمع سرکاری کا ذمہ دار رہا اقرار نامہ تقسیم لکھ کر تصدیق ہوگئی، اس اقرار نامہ میں زید نے یہ لکھا کہ میں ایک ہزار روپے کی قرعہ یعنی توفیر کے بکر کو باقساط ادا کروں گا، اب بکر اس ایک ہزار روپے کا دعویدار ہے، زید عذر کرتا ہے کہ ایک رقم مبہم کا مجھ سے اقرار کرالیا ہے ہر شخص اپنے حصہ کے دیہات پر قابض ہے، یہ ہزار مجھ پر کیسے چاہئیں، جو دیہات مدعی کے لئے نامزد ہوئے وہ بقبضہ مدعی ہیں بعد تقسیم میرے قبضہ میں نہ آئے نہ ان کی توفیر مجھے ملی ان کی توفیر بکر مدعی پاتا ہے لہذا زرِ توفیر بذمہ مدعا علیہ کیسے چاہئے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعاً ایسا اقرار مقر پر لازم الوفا ہے یا نہیں؟ نقل اقرار نامہ سرِ رشتہ سوال ہے۔

الجواب

ملاحظہ اقرار نامہ و بیان سائل سے واضح ہوا کہ یہ دیہات ریاست سے ان تین شخصوں نے مستاجرانہ لئے تھے ریاست نے زرِ منافع ۱۵ ہزار پیشگی ان سے لیا اس میں سے قریب نصف زید نے دیا اور بکر نے کہ ہندو ہے کچھ نہ دیا مگر ریاست زرِ مستاجری پر ضمانت لیتی ہے یہ کفالت تنہا جامداد بکر سے ہوئی لہذا اسے شریک کیا گیا وقتِ تقسیم ۸ کا حصہ زید کا قرار پایا اور ۴-۴ کا باقی شریکوں کا۔ جو دیہات بکر کو دئے گئے ان کی چوتی میں کہ بکر کو ملتی بقدر ایک ہزار روپے کی تھی لہذا زید نے یہ اقرار نامہ لکھ دیا، یہ نہ کوئی عقد شرعی ہے نہ اقرار شرعی، نہ بکر کا زید پر کچھ آتا ہے نہ زید کہتا ہے کہ اس کا مجھ پر اتنا آتا ہے، نہ کسی ثالث کا دین کہ بکر پر آتا ہو زید اس کی کفالت کرتا ہے محض ایک مہمل تحریر ہے جس کا حاصل ایک وعدہ بے معنی سے زائد نہیں ایسے وعدہ کی وفا پر جبر نہیں ہوسکتا نہ بکر کو اصلاً مطالبہ کا استحقاق ہے۔ ہندیہ واشباہ

وبزازیہ وغیرہما میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ وعدہ وفائی پر جبر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵: از رامپور محلہ بارہ دری محمود خاں مسئولہ جناب عبد اللہ خاں صاحب ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین درمیان اس مسئلہ کے کہ ہندہ تین نابالغ لڑکے لڑکیوں کی نانی ہے اور زید ان نابالغ بچوں کا باپ ہے، سعیدہ ان نابالغ بچوں کی ماں، زوجہ فوت ہوگئی، ان نابالغ بچوں کی جائداد غیر منقولہ علاقہ انگریزی میں واقع ہے۔ ہندہ نے اس جائداد کی نگرانی وغیرہ کے لئے برضامندی زید سرٹیفکیٹ ولایت حاصل کرلیا ہے۔ اب ہندہ نے بولایت انھیں نابالغان اور باستدلال حصول سرٹیفکیٹ از علاقہ انگریزی زید پر نابالغان کی طرف سے مہر کی نالش کی ہے۔ زید نے عدالت ججی ریاست رامپور میں ان نابالغ بچوں کے ولی دوران مقدمہ ہونے کی درخواست کی ہے، اور بکر باپ زید کا یعنی دادا نابالغان درخواست کرتا ہے کہ شرعاً مجھے حقِ ولایت نابالغان حاصل ہے لہذا دوران مقدمہ کے لئے ولی نابالغان مقرر کردیا جاؤں، یہ تینوں درخواستیں متضاد ہیں، مفتیانِ شرع متین سے یہ دریافت طلب امر ہے کہ مسماۃ ہندہ جو سرٹیفکیٹ ولایت باجازت باپ نابالغان علاقہ انگریزی میں حاصل کرچکی اس کی ولایت ریاست ہذا کے مقدمات میں مقابلہ زید مدعا علیہ قائم وبرقرار رہے گی یا زید مدعا علیہ ولی دوران مقدمہ ان نابالغ بچوں کا مقرر ہوسکتا ہے یا بکر دادا ولی دورانِ مقدمہ مقرر ہوسکتا ہے اور اس کی نسبت دو صورتیں ہیں اگر زید ولی مقرر نہ ہو تب یہ ولی قائم ہوسکے گا یا زید کے ولی قائم ہونے کی حالت میں اس کو حقِ ولایت نابالغان حاصل ہے بصراحت روایاتِ کتبِ فقہ جواب عنایت ہو۔ فقط المرقوم ۱۱ جون ۱۹۱۲ء

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں نہ نانی کوئی شے ہے نہ وہ سرٹیفکیٹ کوئی چیز، نہ زید اپنی ولایت منتقل کرسکتا تھا نہ باپ کے ہوتے دادا کو استحقاقِ ولایت ہے۔ یہ کارروائیاں سب مہمل وبے معنی ہیں ہاں اگر زید پر سعیدہ کا مہر آتا ہو اور انکار کرے تو قاضی شرع اپنی طرف سے جسے چاہے نابالغوں پر وصی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷
الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الحظر والاباحۃ دار القرآن کراچی ۲/ ۱۱۰
العقود الدریۃ مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

کرے یہ وصی دعوی کرسکے گا اور اگر زید مہر کا معترف ہے جب تو اس پر نابالغوں کی طرف سے دعوئ مہر نانی کرے خواہ دادا خواہ کوئی اصلاً قابلِ سماعت نہیں۔ جامع الصغار فصل النکاح میں ہے:

ماتت عن زوج واولاد صغار وعلی الزوج المھر فان اقر الزوج بالمھر لم یؤخذ منه لان الاب یملك حفظ مال صغیرہ وان انکر ینصب القاضی وصیا فیثبت علیه المھر ویؤخذ منه ویدفع الی الوصی فانه بانکارہ تظھر خیانته وعند ظھور الخیانة یکون للقاضی ولایة دفع مال الصغیر الی وصی غیرہ[1]۔ واللّٰہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

بیوی نے خاوند اور نابالغ بچے وارث چھوڑے اور خاوند کے ذمہ مہر باقی ہے اگر خاوند مہر کا اقرار کرتا ہے تو خاوند سے مہر وصول نہ کیا جائے گا کیونکہ اپنے نابالغ بچوں کے مال کا وہی محافظ ہے اور اگر خاوند اپنے ذمہ مہر کا انکار کرے تو قاضی بچوں کے حق میں کسی کو وصی بناکر مہر کو ثابت کرے تو خاوند سے مہر وصول کرکے وصی کے سپرد کرے کیونکہ خاوند کے انکار سے اس کی خیانت واضح ہوگئی جبکہ خیانت کے ظاہر ہوجانے پر قاضی کو اختیار مل جاتا ہے کہ بچوں کا مال وصی کے سپرد کردے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶: از ریاست رامپور متصل اصطبل سرکاری عید گاہ دروازہ مرسلہ حسن جہاں بیگم ۱۵ رجب ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نانی نابالغین نے نابالغین کی طرف سے برفاقت ابن زید نابالغان کے باپ پر نابالغین کی والدہ متوفیہ کے دین مہر کی نالش کی ہے اور زید دین مہر سے منکر ہے اور چاہتا ہے کہ میں ولی دوران مقدمہ مقرر کیا جاؤں اور نیز والدِ زید بھی خواستگار ہے حالانکہ دادا کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے اور خوف تلف جائداد نابالغین کا پورا اندیشہ ہے اور نانی مشفقہ امینہ ہے اور مصلح ہے پس استفسار اس امر کا ہے کہ ان تینوں میں سے ولی دوران مقدمہ کون ہوسکتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں جبکہ زید مہر کا منکر ہے تو وہ اس مقدمہ میں ہرگز ولی نہیں ہوسکتا بلکہ حاکم پر لازم ہے کہ کسی دوسرے امین متدین کارگزار کو نابالغوں پر وصی کرے اگر دادا ٹھیک نہیں اور اس سے

---

[1] جامع الصغار علی ہامش جامع الفصولین آداب الاوصیاء فصل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۴

ضررنابالغان کااندیشہ ہے اور نانی امینہ مصلحہ مشفقہ ہے تو وہی باپ دادا سے احق ہے ورنہ قاضیِ شرع جس کو مناسب جانے۔ جامع احکام الصغار میں ہے:

ماتت عن زوج واولاد صغار وعلی الزوج المھر فانکر ینصب القاضی وصیا فیثبت علیہ المھر ویؤخذ منہ ویدفع الی الوصی فانہ بانکارہ تظھر خیانتہ وعند ظھور الخیانۃ یکون للقاضی ولایۃ دفع مال الصغیر الی وصی غیرہ۔[1]

بیوی نے خاوند اور نابالغ بچے وارث چھوڑے اور خاوند کے ذمہ مہر باقی ہے اور خاوند انکار کرتا ہے تو قاضی کسی کو وصی مقرر کرے جو مہر کو ثابت کرکے وصول کرے کیونکہ مہر کا انکار کرکے خاوند نے خیانت کردی جبکہ خیانت کے ظہور پر قاضی کو مال وصول کرکے کسی وصی کو دینے کا اختیار مل جاتا ہے (ت)

اسی عبارت سے واضح ہوا کہ اگر قاضی کے نزدیک ثابت ہوجائے کہ مہر آتا تھا اور زید منکر ہوا تو نہ فقط اس مقدمہ یا مہر کے بارہ میں بلکہ تمام اموال نابالغان سے زید کی ولایت اٹھادی جائے گی لظھور خیانتہ وانعدام صیانتہ فخرج عن امانتہ (خیانت ظاہر ہونے اور حفاظت معدوم ہوجانے پر امانت سے محروم ہوگیا۔ ت) اور جملہ اموال نابالغان نانی مصلحہ امینہ کو سپرد کئے جائیں گے یا جو رائے قاضی میں اصلح وانسب ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۷: از ریاست رام پور محلہ گھیر شرف الدین خاں متصل فیلخانہ کہنہ مسئولہ غلام جعفر خاں صاحب ۱۸ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ مدخولہا کو طلاق مغلظہ دی بعدازاں منکوحہ زید بدیں بیان دعویدار ہوئی کہ بوقت عقد نکاح مبلغ سوالاکھ روپیہ اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی تعداد دین مہر مقرر ہوئے تھے اور یہ کل دین مہر بذمہ زید اس وقت تک واجب الادا ہے، بنابریں میرا کل دین مہر زید سے دلایا جائے زید مدعا علیہ مجیب ہوا کہ تعداد دین مہر یاد نہیں کہ بوقت عقد نکاح کس قدر مسمے ہوا تھا مگر نکاح ہوا اور مدعیہ نے کل دین مہر یا فقتی اپنا بزمانہ حلالت مدعا علیہ اللہ کے واسطے معاف وابرا کردیا مدعیہ نے چند کس گواہ پیش کئے اور سب نے بیان کیا کہ بوقت عقد نکاح سوالاکھ روپیہ اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی دین مہر کے مقرر ہوئے تھے اور

---

[1] جامع الصغار علی ہامش جامع الفصولین آداب الاوصیاء فصل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۱۱۴

کسی گواہ نے یہ بیان نہیں کیا کہ دین مہراب تک بذمہ زید مدعا علیہ واجب الادا ہے صرف گواہان مدعیہ نے اسی قدر بیان کیا کہ سوالاکھ روپے اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی وقت عقد نکاح کے دین مہر مقرر ہوا تھا تو ایسی حالت میں گواہی گواہان مدعیہ کے معتبر ہوں گی یا نہیں اور مدعیہ دلا پانے مہر مذکورہ کے مستحق ہوگی یا نہیں، اور اگر عورت ثبوت مہر پر گواہ پیش کرے اور مرد ابراء مہر پر گواہ پیش کرے تو شرعاً کس کے گواہ اولی بالقبول ہوتے ہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں موافق روایت مفتی بہا کے شرعاً شہادت گواہان مدعیہ معتبر اور مقبول نہیں اور مدعیہ دلاپانے مہر کے مستحق نہیں،

قال فی درر الاحکام ناقلا عن العنایۃ ادعت المرأۃ الف المھر بانھا واجبۃ علی الزوج الی یومنا ھذا وقال الزوج انک قد ابرأتنی منھا فاقامت المرأۃ شھودا وشھدوا بالف المھر ولم یبینوا انھا واجبۃ علیہ الی یومنا ھذا لم تقبل شھادتھم علی الاصح۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ العبد المجیب محمد شجاعت علی مدرس مدرسہ ارشاد العلوم۔

درر الحکام میں عنایہ سے منقول ہے عورت نے خاوند پر مہر کے ہزار کا دعوٰی کیا کہ آج اس کے ذمہ ہے اور خاوند کہتا ہے کہ تُو نے اس میں کچھ سے مجھے بری کردیا ہے تو عورت نے گواہ پیش کئے جنھوں نے ہزار مہر کی گواہی دی اور بیان میں انھوں نے آج تک باقی ہونے کی بات نہ کی تو صحیح قول کے مطابق یہ گواہی قبول نہ ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔ العبد المجیب محمد شجاعت علی مدرس مدرسہ ارشاد العلوم (ت)

الجواب صحیح محمد عبدالغفار خاں۔

الجواب صواب ابوالافضال محمد فضل حق۔

فی الواقع صورت مسئولہ عنہا شہادت شہود مدعیہ ناکافی اور بروقت تعارض شہود اثبات مہر وابراء کے شہود ابراء اولی بالقبول ہیں۔ واللہ سبحٰنہ اعلم محمد منور العلی۔

الجواب

صورت مذکورہ میں گواہان زن کی شہادت دربارۂ مقدار مہر مسمی مقبول و معتبر ہے جس مقدار کا وہ دعوٰی کرتی ہے اگر اس کے مہر مثل سے زائد ہے جب تو ظاہر ہے کہ وہ دربارۂ زیادت مدعیہ ہے اور یہ شہادت

---

[1] الدرر الحکام

اس کے دعوٰی کے مطابق گزری تو بحال استجماع شرائط معروفہ ضرور واجب القبول ہے،

لانہا نورت دعوٰہا بالبینۃ والبینۃ کاسمہا مبینۃ والثابت بشہادۃ عدلین کالثابت بمشاہدۃ العین۔

کیونکہ بیوی نے اپنا دعوٰی گواہوں سے واضح کردیا، اور بیّنہ اپنے نام کی طرح روشن کرنے والا ہوتا ہے اور دو گواہوں عادلوں کی شہادت سے ثابت شدہ چیز ایسے ہے جیسے آنکھ کے مشاہدہ سے ثابت ہوتی ہے۔(ت)

اور اگر مہر مثل کے برابر یا اس سے کم ہے جب بھی شہادت مفید و مقبول ہے اگرچہ عورت اس صورت میں صرف مدعا علیہا ہے کہ اگر گواہ نہ دیتی اسے حلف کرنا پڑتا اور ایسی جگہ حلف سے بچنے کے لئے مدعا علیہ کے گواہ مسموع ہیں، درر الاحکام باب المہر میں ہے:

ان اقامت بینۃ قبلت وان اقامہا الزوج قبلت ایضا لان البینۃ تقبل لرد الیمین کما اذا اقام المودع بینۃ علی رد الودیعۃ الی المالک تقبل[1]

اگر بیوی نے گواہی پیش کردی تو مقبول ہوگی اگر خاوند نے پیش کی تو وُہ بھی قبول ہوگی کیونکہ قسم کو رَد کرنے کے لئے گواہی مقبول ہوتی ہے جیسے امین امانت مالک کو واپس کرنے پر شہادت پیش کرے تو قبول کی جائیگی (ت)

بلکہ اگر مہر مثل معلوم نہ ہو اور شوہر اس مقدار کو مہر مثل نہ مانے تو عورت کو آپ ہی گواہ دینے کی حاجت ہوئی کہ اتنا مہر تھا یہ وہی شہادت ہے جو اس سے شرع طلب فرماتی تو عدم قبول کی وجہ کیا ہے یا یہ گواہ دیتی کہ اس کا مہر مثل اس قدر یا اس سے زائد ہے، پھر اسے حلف کرنا پڑتا کہ اس قدر مہر مقرر ہوا تھا اس شہادت نے اُس شہادت اور حلف دونوں سے غنی کردیا، بہرحال مفید و واجب القبول ہوئی۔ فتاوٰی امام قاضیخاں و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ھذا اذا کان القاضی یعرف مقدار مہر مثلہا فان کان لایعرف یأمر امناءہ بالسؤال ممن یعلم اویکلفہا اقامۃ البینۃ علی ماتدعی[2]

یہ اس صورت میں جب قاضی مہر مثل کی مقدار جانتا ہو تو اگر اسے معلوم نہ ہو چاہیے کہ وُہ اپنے قابلِ اعتماد عملہ کو کہے کہ وہ معلومات والوں کو پوچھیں یا قاضی عورت کو پابند کرے کہ وہ اپنے مہر مثل کے دعوٰی کو ثابت کرنے کے لئے گواہ پیش کرے۔(ت)

---

[1] درر الاحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب النکاح باب المہر میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۷

[2] فتاوٰی امام قاضیخاں کتاب الدعوی والبینات فصل فیما یتعلق بالنکاح الخ نولکشور لکھنؤ ۴/۴۹۵

درمختار میں ہے :

یشترط فی ثبوت مہر المثل اخبار رجلین او رجل وامرأتین ولفظ الشہادۃ فان لم یوجد شہود عدول فالقول للزوج بیمینہ[1]

مہر مثل ثابت کرنے کے لئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی اور اس میں لفظ شہادت شرط ہے اور اگر عادل گواہ نہ ملیں تو خاوند کا قول قسم لے کر تسلیم کیا جائے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے :

من تزوج امرأۃ ثم اختلفا فی المہر فالقول قول المرأۃ الی تمام مہر مثلہا[2]

اگر زوجین مہر میں اختلاف کریں تو مہر مثل کی حد تک بیوی کی بات معتبر ہے (ت)

عبارت منسوبہ بہ درر الحکام وعنایہ کہ،

ادعت المرأۃ الف المہر بانہا واجبۃ علی الزوج الی یومنا ھذا وقال الزوج انك قد ابرأتنی منہا فاقامت المرأۃ شہودا وشہدوا بالف المہر ولم یبینوا انہا واجبۃ علیہ الی یومنا ھذا لم تقبل شہادتہم علی الاصح[3]

عورت نے ہزار مہر کا دعوٰی کیا کہ یہ آج تک خاوند کے ذمہ واجب ہے اور خاوند کہتا ہے کہ تُو نے مجھے اس سے بری کردیا ہے تو عورت نے گواہی پیش کی تو گواہوں نے ہزار کی گواہی دی اور آج تک ذمہ میں واجب ہونے کو بیان نہ کیا تو صحیح قول پر وہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ (ت)

اگران میں اسی طرح ہو جب بھی مسئلہ دائرہ سے متعلق نہیں وہاں کلام اس صورت میں ہے کہ عورت جس مقدار مہر کا دعوٰی کرتی ہے شوہر کو وہ مقدار تسلیم ہے اور معافی کا مدعی شہود نے اب تک مہر ذمہ شوہر پر واجب ہونے کا ذکر نہ کیا تو ان کی شہادت کو دعوی زوج سے تو کچھ مس نہ ہُوا، رہی مقدار مہر زوج کو خود اس کا اقرار تھا اور مقر پر شہادت مسموع نہیں،

الا فی اربع لیس ھذا منہا کما فی البحر بل فی کل موضع

مگر چار میں کہ یہ ان میں سے نہیں ہے جیسا کہ بحر میں ہے بلکہ ہر ایسے مقام میں جہاں اگر گواہی نہ ہو

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲
[2] الہدایۃ " " المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۳۱۴
[3] الدرر الحکام

يتوقع ضرر من غير المقر لولاها فيكون هذا اصلا كما فيه ايضا **اقول** والوجه فيه ان الاقرار حجة ملزمة بنفسه من دون حاجة الى قضاء القاضی ولذا یصح فی غیر مجلس القضاء ونصوا ان القضاء علی المقر قضاء مجازا والشهادة انما هی یسمعها القاضی فیلزم فالزامها علی المقر سعی فی تحصیل الحاصل وهو باطل بخلاف ما اذا افادت فائدة لم یفدها الاقرار وهی التعدیة لان الاقرار حجة قاصرة۔

تو وہاں غیر مقر کی طرف سے ضرر کا خطرہ ہو، تو یہ قاعدہ ہوگا جیسا کہ یہ بھی اسی میں ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) اس میں وجہ یہ ہے کہ اقرار ایسی حجت ہے جو معاملہ کو خود لازم کرتی ہے بغیر قاضی کی قضاء کے، اسی لئے یہ اقرار مجلس قضاء کے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے اور فقہاء نے نص کی ہے اقرار پر قاضی کی کارروائی کو مجازاً قضاء کہا جاتا ہے جبکہ شہادت کو قاضی سُن کر حکم کو لازم کرتا ہے تو مقر پر گواہی کو پیش کرنا تحصیل حاصل ہے جو کہ باطل ہے بخلاف اس صورت کے جس میں شہادت سے ایسا فائدہ حاصل ہو جو اقرار سے نہ ہوتا ہو اور وہ فائدہ حکم کو متعدی بنانا ہے کیونکہ اقرار ناقص حجت ہے (ت)

یہاں تک کہ بعد شہادت اگر مدعا علیہ اقرار کر دے تو حاکم یر بنائے اقرار حکم کرے گا نہ کہ بر بنائے شہادت۔ بحرالرائق میں ہے:

لو برهن المدعی ثم اقر المدعی علیه بالملك له یقضی له باقرار لا ببینة اذ البینة انما تقبل علی المنکر لا علی المقر[1] انتهی **اقول** ووجهه ظاهر لما قدمنا لانه لما اقر قبل القضاء لزم الحق من دون الزام فلم یبق مساغ للالزام والقضاء بالشهادة الزام۔

جب مدعی گواہی پیش کر چکا ہو اور اس کے بعد مدعی علیہ مدعی کی ملکیت کا اقرار کرے تو قاضی اقرار کی بناء پر فیصلہ دے گا کیونکہ گواہی صرف منکر کے خلاف قبول کی جاتی ہے اقرار پر نہیں اھ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس کی وجہ ظاہر ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے کہ جب قضاء سے قبل اقرار کر دے گا تو حق خود بغیر الزام کے لازم ہو جائے گا تو اقرار کے بعد قاضی کی طرف سے لازم کرنے کا جواز نہیں رہتا جبکہ شہادت کی بنا پر فیصلہ الزام ہوتا ہے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۳

[2] " " " ۷/ ۲۰۳

اس وجہ سے وہاں شہادتِ زن نامقبول تھی بخلاف مسئلہ دائرہ کے یہاں شوہر اس مقدار مہر کا مقر نہیں تو گواہان زن ضرور قابل قبول ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اسی قدر پر عورت کو ڈگری دی جائیگی بلکہ شوہر سے ابراء پر گواہ طلب کئے جائیں گے اگر اس نے گواہان شرعی سے ابراء ثابت کردیا اور عورت کی طرف سے اس کا کوئی دفع صحیح نہ پایا گیا یا وہ گواہ نہ دے سکا اور عورت کا حلف چاہا اور عورت نے حلف سے انکار کردیا تو ان دونوں صورتوں میں عورت کا مطالبہ رد کردیا جائے گا اور اگر عورت نے عدم ابراء پر حلف کرلیا تو اپنے پورے مطالبہ کی ڈگری پائے گی جس قدر اس نے شہادت سے ثابت کردیا اب وہ گواہی اس کے کام آئے گی۔ عقود الدریہ میں ہے:

بینۃ البراءۃ اولٰی من البینۃ علی المال ان لم یؤرخا او ارخ احدھما فقط او ارخا سواء، بینۃ المطلوب علی انك اقررت بالبراءۃ اولٰی من بینۃ الطالب علی انك اقررت بالمال بعد اقراری بالبراءۃ و بینۃ الطالب اولٰی ان قال انك اقررت بالمال بعد دعواك اقراری بالبراءۃ۔[1]

برا ءۃ پر گواہی مال پر گواہی سے اولٰی ہے جب دونوں فریق یا ایک فریق نے تاریخ نہ بیان کی ہو یا دونوں نے ایک ہی تاریخ بیان کی ہو مطلوب شخص کی گواہی کہ تو نے برا ءت کا اقرار کیا ہے، اولٰی ہے طالب کی اس گواہی سے کہ تو نے مال کا اقرار میرے براءت کے اقرار کے بعد کیا ہے اور طالب کی یہ گواہی اولٰی ہے کہ تو نے مال کا اقرار اپنے اس دعوٰی کے بعد کیا کہ میں نے تیرے لئے براءت کا اقرار کیا ہے (ت)

جامع الفصولین فصل عاشر میں ہے:

بینۃ الابراء اولٰی من بینۃ ان لہ علیہ کذا فی الحال۔[2]

براءت کی گواہی اولٰی ہے اس گواہی سے کہ اس کے ذمہ فی الحال اتنا مال ہے (ت)

اسی میں وہیں ہے:

الاصل ان الموجب والمسقط اذا تعارضا یؤخر المسقط اذ السقوط یکون بعد الوجوب۔[3]

قاعدہ یہ ہے کہ جب موجب اور مسقط کا مقابلہ ہوجائے تو مسقط کو مؤخر قرار دیا جائے گا کیونکہ سقوط بعد از وجوب ہوتا ہے (ت)

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الشہادۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۸
[2] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۳
[3] " " " " " " ۱/ ۱۴۷

یہاں سے سوال دوم کا جواب بھی واضح ہوگیا کہ بینۂ ابراء بینۂ وجوب پر مرجح ہے اگرچہ گواہان زن یہ تصریح بھی کردیتے کہ آج تک مہر واجب الادا ہے،

فانھم انما یقولون بالاستصحاب فمعناھا نفی الابراء والایفاء ولاشھادۃ علی النفی بل انما یرجع نفیھم الی علمھم وعدم العلم لیس علما بالعدم، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

کہ وُہ استصحاب کا قول کرتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہوا کہ برات اور ادائیگی نہ ہوئی ہے جبکہ کسی نفی پر شہادت جائز نہیں بلکہ ان کی یہ بات ان کے علم کی نفی کی طرف راجع ہوتی ہے جبکہ علم نہ ہونا نہ ہونے کا علم نہیں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۸: از رامپور محلہ گنج از جانب سبزہ فروشاں معرفت سعدن کنجڑا ۱۴ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی اللہ دین کے ذمہ مسمی بھورے چودھری کی دو اشرفیاں مبلغ تیس روپیہ کی واجب الادا ہیں جب اس نے طلب کیں تب جواب دیا کہ میں بھورے چودھری کو عبدالکریم اور نور محمد اور تنسوہ کے سامنے دے چکا جب اس نے دریافت کیا تو انھوں نے بالاتفاق کہا کہ ہمارے سامنے ہرگز تم نے نہیں دیں تم غلط کہتے ہو جب دیکھا کہ سب نے انکار کیا اور میرا جھوٹ کھلا تو اللہ دین نے کہا اچھا میں ان اشرفیوں کے مبلغ تیس روپیہ بروقت حساب کتاب کے مجرا دوں گا اور یہ اقرار چند آدمیوں کے سامنے کیا کہ جس میں چھدا اور کلن اور اشخاص مذکورین موجود تھے پھر جب وقت حساب کا ہوا تو پھر انکار کردیا اور اس اقرار سے رجوع کیا اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں تو تینوں شخصوں مذکورین کے سامنے ادا کرچکا میں نہیں دوں گا، تو اب ایسی صورت میں کہ جب اقرار گواہوں کے سامنے اشرفیوں کے تیس روپیہ ادا کرنے کی بابت کرچکا اور پھر انکار کیا تو یہ انکار بعد الاقرار معتبر ہوگا یا وہی اقرار مقدم کہ جس کا ثبوت گواہوں سے ہے قائم رہے گا اور اللہ دین کے ذمہ تیس روپیہ اشرفیوں کے بھورے چودھری کے واجب الادا ہوں گے یا نہ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ امر دین ہے اور معاملہ حقوق العباد کا ہے احتیاط لازم ہے یہاں جو بھورے چودھری نے آکر بیان کیا اس میں یہ سوال تھا کہ اللہ دین قسم کھاتا ہے اس کی قسم معتبر ہے یا نہیں اور اس کا جواب دیا گیا تھا کہ جب وہ ادا کردینا بتاتا ہے کہ دین کا اقرار کرچکا اور ادا کا دعوٰی کیا تو اب وہ مدعی ہے اور چودھری مدعا علیہ۔ اور مدعی کی قسم معتبر نہیں بلکہ وہ گواہوں سے ثبوت دے کہ ادا کرچکا اگر ثبوت نہ دے سکے اور

چودھری کا حلف مانگے تو چودھری پر حلف آئے گا کہ مجھے ادا نہ کئے میرا مطالبہ اس پر اب تک ہے اگر چودھری قسم سے انکار کرے تو کچھ نہ پائے اور قسم کھالے تو ڈگری دیا جائے۔ رہے چودھری کے گواہ کہ تونے نہیں دئے اصلاً معتبر نہیں کہ شہادت نفی ہے اور نفی پر گواہی مقبول نہیں اور یہاں یہ ٹھہرانا کہ گواہ کے ہوتے حلف کی ضرورت نہیں محض بے معنی ہے، نہ چودھری پر گواہ ہیں نہ اللہ دین پر حلف،

وھذا کلہ ظاھر لمن لہ ادنی المام بخدمۃ الفقہ الشریف فلم یکن لیقع فیہ الارتیاب ولکن لاحول ولاقوۃ الا بتوفیق العزیز الوھاب۔

یہ تمام ظاہر ہے اس شخص پر جس کو فقہ شریف کی خدمت میں ادنٰی حصہ بھی ہے تو اس میں شک نہیں ہونا چاہئے، لیکن اقدام اور قوت اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہیں۔ (ت)

اس قدر صورت کا تو حکم یہ تھا اور سوال میں اکثر عبارات سائلین اپنے فہم کے لائق بالمعنی نقل کرتے ہیں اور جہاں اختلاف لفظ سے حکم بدلتا ہے وہاں ان کے سبب وقت واقع ہوتی ہے اور حق رسی دشوار ہوجاتی ہے خصوصاً بہت خدا ناترس وکلائے مفتعلہ ساختہ الفاظ تعلیم کرتے ہیں جن سے کمی پوری ہوجائے اور یہ سخت مزلۂ اقدام ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، پس اگر شہادات عادلہ شرعیہ متفقہ سے ثابت ہوا کہ اللہ دین نے وہ لفظ کہے کہ اچھا میں ان اشرفیوں کے تیس روپے وقتِ حساب مجرا دوں گا، یہ تو ضرور اقرار ہے کہ اسی زر مدعی کا دینا مانتا ہے اور اقرار کے بعد انکار مسموع نہیں، روپے دیتا ہوں گے، اور اگر اتنا کہنا ثابت ہو کہ اچھا میں تیس روپے وقتِ حساب مجرا دوں گا تو اسے اقرار ٹھہرانا محلِ تامل ہے، ظاہر عبارتِ سوال یہ ہے کہ یہ کلام مبتدا ہے اور مجرا دوں گا وعدہ ہے اور وعدہ کہ کلام مبتدا میں ہو اقرار نہیں اور اچھا کہ بعد منازعت کہا معنی قبول عطا قطع للنزاع کا احتمال رکھتا ہے اور قبول عطا قبول وجوب نہیں اور اقرار قبول وجوب ہے اور اب زر مدعی کی طرف اشارہ نہیں اور مجرا دینا دادنی ہونا چاہتا ہے اور کلام مبتدا میں کوئی مال دادنی ماننا بھی اقرار نہیں فلیتثبت فیہ۔

فتاوٰی قاضی خان میں ہے:

الاصل فیہ ان الکلام اذا خرج علی وجہ الکنایۃ عن المال الذی ادعاہ المدعی یکون اقرارا، رجل قال لغیرہ اقض الالف التی لی علیك فقال ساعطیکھا اوغدا اعطیکھا اوفاتزنھا اوانتقدھا

قاعدہ یہ ہے کہ مدعٰی علیہ کی ایسی کلام جس سے مدعی کے دعوٰی مال کا کنایہ بنتا ہو تو وہ اقرار ہوگا، ایک شخص دوسرے کو کہے کہ وہ ہزار جو میرا تیرے ذمہ ہے اس کو ادا کر، تو وہ جواب میں کہے دوں گا یا کل دوں گا یا ان کو وزن کریا انکو گنتی کر تو یہ مدعی کی

کان اقرارا بالملك، ولو قال اتزن او انتقد لایکون اقرارا[1]

ملکیت کا اقرار ہوگا، اور اگر یوں کہے میں وزن کرتا ہوں یا گنتی کرتا ہوں، تو یہ اقرار نہ ہوگا (ت)

فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذا قال مرا بفلان ده درم دادنی ست قال لایلزمه شیئ مالم یقل هو علی اوفی رقبتی او ذمتی اوهو دین واجب اوحق لازم کذا فی الظهیریة[2]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

اگرکسی نے یوں کہا مجھے فلاں کے دس درم دینے ہیں، تو اس سے کچھ لازم نہ ہوگا جب تک میرے ذمہ، یا مجھ پر، یا میری گردن پر، یا وہ قرض واجب یا حق لازم، کے الفاظ نہ کہے۔ ظہیریہ میں یونہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۹ مسئولہ محمد عبدالقیوم صاحب زمیندار قادرپور پرگنہ سرونج ریاست دارالاسلام ٹونک ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں، زید کی بیوی ہندہ اپنے شوہر کی تیرہ چودہ برس بعد ایک دستاویز جوکہ بحیثیت ہبہ کے ہے پیش کرتی ہے اور بیان کرتی ہے کہ میرے شوہر نے اپنی حیات میں یہ دستاویز مجھ کو لکھ دی تھی اس پر ایک مفتی کے دستخط بھی ہیں لیکن باضابطہ اس کی تصدیق سرکاری دفتر میں نہیں ہوئی ہے نہ وہ اصل دستاویز یا اس کی نقل سرکاری دفتر میں رکھی گئی ہے البتہ مفتی صاحب کے دستخط بحیثیت تصدیق کے ہیں ونیز اس جائداد کا جھگڑا بعد انتقال زید کے ہوا تھا لیکن اس وقت اس نے اس تحریر کو پیش نہیں کیا ایسی صورت میں کیا وہ دستاویز مانی جانے کے قابل ہوسکتی ہے اور شریعت پاک اس تصدیق شدہ دستاویز ونیز متذکرہ کو جس کی نقل یا اصل سرکاری دفتر میں نہیں رکھی گئی ہے صحیح تسلیم فرماکر ہندہ کو فائدہ بخش سکتے ہیں۔ بیان کرو تم اور اجر پاؤ تم فقط۔

الجواب

کوئی دستاویز ثبوت میں پیش نہیں کی جاسکتی جب تک اس کے ساتھ شہادت نہ ہو۔ علماء فرماتے ہیں:

لایعمل بالکتاب لان الخط یشبه

لکھائی پر عمل واجب نہیں کیونکہ خط ایک دوسرے

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الاقرار فصل فیمایکون الاقرار نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۱۳

[2] فتاوٰی ہندیہ ″ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۵۷

الخط والخاتم يشبه الخاتم کما فی الاشباہ والہدایۃ والہندیۃ وغیرھا۔[1]

کے مشابہ ہوتا ہے اور مُہر دوسری مہر کے مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ اشباہ، ہدایہ اور ہندیہ وغیرہا میں ہے۔ (ت)

خصوصاً اس حالت میں کہ بعد موت جھگڑا ابھی ہوا اور اس نے دستاویز پیش نہ کی اب اتنے برسوں کے بعد ظاہر کرتی ہے دستاویز درکنار ایسا دعوٰی ہی قابلِ سماعت نہیں،

بہ یفتی قطعا للتزویر والتلبیس کما فی الخیریۃ[2] والعقود الدریۃ وغیرھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اسی پر فتوٰی ہے تاکہ جعلسازی اور تلبیس کا خاتمہ ہوسکے جیسا کہ خیریہ، عقود الدریہ وغیرہما میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۰: مرسلہ قاضی حسام الدین صاحب از تعلقہ راویر ضلع مشرقی خاندیس ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

ایک شخص فوت ہوا اور اس کے تین لڑکے عاقل و بالغ ہیں اور لیاقت میں تینوں مساوی ہیں تو ایسی حالت میں قضاۃ کا کون مستحق ہے، خلفِ اکبر کا رتبہ و حق برادرانِ خورد سے کم ہے یا زیادہ؟

الجواب

کوئی منصب نہ میراث ہے نہ بڑے چھوٹے پر موقوف، جو لائق تر ہو وہ کیا جائے، اور سب مساوی ہوں تو منصب دینے والا جسے چاہے دے، اور اگر ان سب سے کوئی اجنبی زیادہ لائق ہے تو وہی مستحق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۱: مرسلہ میاں جان شاہ خلیفہ وجانشین حضرت حاجی غلام احمد صاحب مرید میاں احمد علی شاہ صاحب سکینہ ریاست رامپور محلہ بذریہ ہمت خاں ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید لاوارث نے اپنے مکان مملوکہ و مقبوضہ کی نسبت اپنے مریدوں سے ایک مرید بکر نامی کو جو دس سال کی عمر سے اس کی اطاعت و خدمتگزاری میں شبانہ روز بسر کرتا تھا خرقہ خلافت و تبرکات وغیرہ عطا فرما کے اس کو اپنی سجادہ نشینی

---

[1] الاشباہ والنظائر مع غمز عیون البصائر کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸
الہدایہ کتاب القاضی الی القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۹ و ۱۵۰
فتاوٰی ہندیہ کتاب القضاء الباب الثالث والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۴۸

کی خدمت تفویض کی اور ساتھ ہی اس کو یہ وصیت کی کہ یہ مکان تجھ کو ہبہ کرتا ہوں میرے انتقال کے بعد تم اس مکان میں اپنی سکونت رکھ کر مکان مذکورہ میں میرا اور میرے پیر و مرشد نیز دیگر اولیاء و پیرانِ عظام کی علی الدوام فاتحہ عرس بطریقِ فقراء اپنے اہتمام سے سال بسال کرتے رہنا، اور میرے مرید بغرض شرکت عرس بیرونجات وغیرہ سے آئیں ان کو مکان مسطور میں مقیم کرکے ان کے خورونوش کا بھی انتظام کرنا اور جس طرح کہ میں اوراد و اشغال و چلہ کشی وغیرہ خود کرتا اور اپنے مریدوں وغیرہ کو تلقین اور سلسلہ و طریقہ پیری و مریدی وغیرہ کی تعلیم دیتا رہتا ہوں یہی معمول رکھنا، اور زید نے بخیال کم استطاعتی و بے بضاعتی اپنے سجادہ نشین بکر کے مکان مذکورہ کی نسبت بیع کی ممانعت کرکے رہن کی اجازت دی؛ بعد اس وصیت کے زید نے مکان مذکورہ پر بکر کا قبضہ کامل طور سے کرادیا، بکر ایک تارک الدنیا فقیر ہے، وصیتِ پیر و مرشد کو بجان و دل قبول و منظور کرلیا اور زید نے اس وصیت کے کئی سال بعد سفرِ آخرت اختیار کیا بکر زید کی وصیت کے موافق زمانہ اٹھارہ سال سے مکان مذکور پر بلا شرکتِ غیرے قابض و متصرف ہے اور جملہ خدمات کی بجاآوری میں مامور و مشغول ہے بلکہ بسبب انہدام مکان مذبور و نیز برائے سرانجام فاتحہ عرس بباعث تنگدستی مکان مسطور کو رہن کرکے حسب وصیت زید جمیع امورات مفوضہ کو بجالانا مقدم سمجھا ہے ان امورِ متذکرہ بالا کے اکثر و بیشتر لوگ و اہلِ محلہ بخوبی واقف و شاہد ہیں، اب ایک عمرو نامی شخص دنیادار جو اپنے کو متولی زید کے پیر و مرشد کے مزار کا قرار دیتا ہے بوجہ طمع نفسانی و بحرص مفاد دنیاوی اس وصیت زید کو اٹھارہ سال کے بعد کالعدم ظاہر کرکے یہ کہتا ہے کہ زید مجھ کو یہ وصیت کرگیا ہے کہ مکان مسطور فروخت کرکے میرے پیر و مرشد کے مزار کی مرمت و روشنی وغیرہ کرنا، پس صورت مذکورہ بالا میں مکان مقبوضہ اٹھارہ سالہ موا ہبہ شرعاً قبضہ بکر سے علیحدہ ہوکر فروخت ہوسکتا ہے یا نہیں اور خواہش نفسانی عمرو دنیادار کی موافق شرع شریف کے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

سائل مظہر ہے کہ عمرو وہیں کا ساکن ہے اور مدت دراز سے زید کو اس مکان پر قبضہ کے تصرفات مالکانہ مثل ہدم و تعمیر وغیرہ کرتے دیکھ رہا ہے اور اب تک ساکت رہا اب ۱۸ سال کے بعد اس وصیت کا مدعی ہوا، پس صورتِ مستفسرہ میں عمرو کا دعوٰی اصلاً قابلِ سماعت نہیں۔ فتاوٰی امام شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی میں ہے:

سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ تزید علٰی ثلث سنوات

سوال ہوا ایسے شخص کے متعلق کہ ایک حویلی کے کمرہ میں تین سال سے زائد مدت سے مقیم ہے

ولہ جار بجانبہ والرجل المذکور فی البیت متصرف فی البیت المزبور ھدما وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ فھل اذا ادعی البیت اوبعضہ بعد ماذکر من تصرف الرجل المذکور فی البیت ھدمًا وبناءً فی المدۃ المذکورۃ تسمع دعواہ ام لا اجاب لا تسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوٰی[1]

اور شخص مذکور اس کمرہ میں ہر طرف کا تصرف گرانا، بنانا کرتا چلا آرہا ہے اس کے پڑوس میں دوسرا شخص ہے جو مذکورہ مدت سے اس کے تصرفات مذکورہ کو دیکھ رہا ہے، تو کیا اس پڑوسی کو اس کمرہ کے کل یا بعض پر دعوٰی کا حق ہے باوجودیکہ وہ سب کچھ تصرفات دیکھتا رہا ہو۔ جواب دیا کہ اس کے دعوٰی کی سماعت نہ ہوگی مفتی بہ قول کے مطابق۔(ت)

وجیز کردری میں ہے: علیہ الفتوی قطعا للاطماع الفاسدۃ[2] (اسی پر فتوٰی فاسد طمع کو ختم کرنے کے لئے ہے۔ت)، ردالمحتار میں ہے:

مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی قولہ زرعا وبناء المراد بہ کل تصرف لایطلق الا للمالک فھما من قبیل التمثیل قولہ لا تسمع دعواہ ای دعوی الاجنبی ولو جارا[3]

تصرفات مذکورہ پر اطلاع کے باوجود خاموشی دعوٰی کے لئے مانع ہے، ماتن کا قول "زراعت وتعمیر" سے مراد تمام ایسے تصرفات جو صرف مالک کے لئے جائز ہیں یہ دونوں بطور تمثیل ذکر کئے، اس کا قول اس کا دعوٰی نہ سُنا جائے گا یعنی ہر اجنبی کا خواہ پڑوسی ہو۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی ولم یقیدوہ بمدۃ ولا بموت ولیس مبنیا علی المنع السلطانی بل ھو حکم اجتہادی نص علیہ الفقہاء[4]، ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔

تصرفات پر اطلاع ہی دعوٰی سے مانع ہے کسی مدت یا موت کی قید کے بغیر یہ بات فقہاء نے ذکر کی ہے یہ حکم سرکاری پابندی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ یہ اجتہادی حکم ہے جس کو فقہاء نے بالاتفاق بیان کیا ہے ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] العقود الدریہ بحوالہ فتاوی غزی کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴
[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب النکاح الفصل التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۲۶
[3] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۴
[4] العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴

مسئلہ ۱۱۲ از انجمن نعمانیہ لاہور ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

امیر یا امام یا صدر قوم کو شرعاً مسلمانوں کا مشورہ لینے کے بعد کثرت رائے کا اتباع لازمی ہے یا اس کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی رائے پر عمل کرے خواہ وہ رائے کثرت رائے کے خلاف ہی ہو مثلاً انجمن یا مجلس کی صورت میں اس کے متعلقہ کاموں کے لئے ماتحت مجلسیں ہر فن کے ماہرین کی بنادی گئی ہوں اور کل اس عام مجلس کا ایک صدر یا امام یا امیر بھی منظور کرلیا گیا ہو تو خاص فن کی مجلس کے فیصلہ کے خلاف صدر مجلس مذکور کو ان کی رائے حاصل کرلینے کے بعد یہ اختیار ہوگا کہ ان کے فیصلہ کے خلاف حکم دے دے اور وہ قابلِ اتباع ہو یا نہیں؟ یعنی زید جو اس دعوے کا حامی ہے کہ صدر کو کثرت رائے کا اتباع لازمی نہیں وہ اپنے دعوٰی کے ثبوت میں فخرِ کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال پیش کرتا ہے کہ بعض اوقات صحابہ علیہم الرضوان سے مشورہ لینے کے بعد بھی اپنی ذاتی رائے پر عمل کیا اور کلام قدیم میں بھی انھیں الفاظ میں حکم آیا کہ:

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ[1]. اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ (ت)

یعنی اپنی عزیمت پر عمل کرنے کا اختیار دے دیا زید یہ بھی کہتا ہے کہ آج کل کی مجلسوں میں کثرت رائے کا اتباع ایک زمانہ حال کے غیر مذاہب کے رویہ کا اتباع ہے جو درحقیقت مضر ہوتا ہے مثلاً کثرت رائے آج کل کے ایسے مسلمان کی جو مذہبی اتباع میں نہایت کمزور ہوتے ہیں کسی شرعی معاملہ میں بوجہ آرام طلبی ومصلحتِ زمانہ کے خلاف ہوجائے تو کیا اس شرعی مسئلہ کے خلاف کرنا جائز ہوجائے گا، عمرو بکر وغیرہ زید کے مقابل میں یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ خاصہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے تھا بعد میں امت مرحومہ کو اتباعِ سوادِ اعظم کا حکم دیا گیا اور من شذ شذ فی النار[2] (جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔ ت) کا وعید سنایا گیا اور لاتجتمع امتی علی الضلالۃ[3] (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ ت) کی کسوٹی دی گئی اجماع ادلہ شرعی میں قرار پایا جس پر اہل سنت وجماعت کے مذاہب

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۹

[2] المستدرک للحاکم کتاب العلم دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۵

[3] " " ۱/ ۱۱۵-۱۱۶

الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ حدیث ۴۵۹ المکتبۃ الاسلامی بیروت ص ۱۹۰

اربعہ کی بنیاد ہے، نیز زید کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک امر کے متعلق اس کے اہلِ فن کی مجلسیں مقرر کردی گئی ہوں تو ان کا فیصلہ کیوں اجماع کا حکم نہ رکھے گا اور اس کے خلاف صدر کو عمل کرنے کا کیوں اختیار ہونا چاہئے کیونکہ صدر آخر ایک شخص ہے اس کو ایک مجلس کے متفقہ فیصلہ توڑ دینے کا اختیار دینا خالی از خطر نہیں ہوسکے گا اس کے مفسدہ اور مصلحت پر بھی نظر رہنا چاہیے، براہِ کرم ان کے جواب سے بادلہ تحریریہ بہت جلد مطلع فرمادیں۔

المستفتی
سلیم اللہ خاں جنرل سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور

المستفتی
تاج الدین احمد سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور

المستفتی
نور بخش فنانشل سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور

الجواب

دلیل کہ زید نے بیان کی، بجائے خود صحیح ہے۔ خصائص بے دلیل صحیح اختصاص ثابت نہیں ہوتے، مواہب شریف میں ہے:

الخصائص لا تثبت الا بدلیل صحیح قالہ فی شرح تقریب الاسانید[1]

خصائص صحیح دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتے، یہ بات انھوں نے تقریب الاسانید کی شرح میں ذکر کی ہے۔ (ت)

اسی طرح فتح الباری وغیرہ میں ہے۔ یوں تو ہر فضل عطائی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی سے خاص ہے کہ وہی اصل و منبع و مبدء و مرجع ہر فضل ہیں ؎

وکل آی اتی الرسل الکرام بھا ۔۔۔ فانما اتصلت من نورہ بھم[2]

انما مثلوا صفاتك للنا ۔۔۔ س کما مثل النجوم الماء[3]

(جو معجزات مرسلین لائے ہیں وہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نور سے ان تک پہنچے وہ لوگوں کے لئے آپ کی صفات کے مظہر بنے جس طرح ستاروں کیلئے پانی مظہر بنتا ہے۔ ت)

---

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۶۰۰

[2] " " " " ۲/ ۵۸۲

[3] المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویہ حرف الہمزہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۷۷

مگر حقائق عطایائے محمدیہ میں یہ فصل کہ بعد مشورہ بھی اپنی رائے پر اعتماد جائز ہو علمائے کرام نے خصائص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نہ گنا البتہ وجوب مشورہ کو خصائص والا سے شمار کیا کما فی انموذج اللبیب للامام السیوطی والمواھب للامام القسطلانی (جس طرح کہ امام سیوطی کی انموذج اللبیب اور امام قسطلانی کی مواہب میں ہے۔ ت) بلکہ ہمارے علمائے کرام نے ہر حاکم ذی رائے کے لئے اس کے عموم کی تصریح فرمائی کہ مشورہ کرے پھر عمل اپنی ہی رائے پر کرے اگرچہ سب رائے دہندوں کے خلاف ہو یعنی جبکہ مشورہ سے اپنی رائے کی غلطی ظاہر نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو محتاج مشورہ نہیں بلکہ ہر امر میں اپنے رب کے سوا تمام جہان سے غنی و بے نیاز ہیں حضور کا مشورہ فرمانا غلاموں کے اعزاز بڑھانے اور انھیں طریقۂ اجتہاد سکھانے امت کے لئے سنت قائم فرمانے کے لئے تھا وہ خود فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اما ان اللہ ورسولہ لغنیان عنہا ولکن جعلہا اللہ رحمۃ لامتی فمن استشار منہم لم یعدم رشدا ومن ترکھا لم یعدم غیا۔[1] رواہ ابن عدی والبیہقی فی الشعب بسند حسن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

واضح ہو کہ اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مشورہ سے مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالٰی نے مشورہ کو میری امت کیلئے رحمت بنایا ہے تو جو مشورہ کرے گا وہ رہنمائی کو معدوم نہ پائے گا اور جو نہ کرے گا وہ خطا کو معدوم نہ پائے گا۔ اس کو ابن عدی اور بیہقی نے شعب میں سند حسن کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

امام حسن بصری فرماتے ہیں:

قد علم اللہ انہ مابہ الیہم من حاجۃ، ولکنہ اراد ان یستن بہ من بعدہ۔[2] رواہ سعید بن منصور فی سننہ وابن المنذر وابی حاتم والبیہقی۔

اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کے مشورہ کی حاجت نہیں لیکن ارادہ فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کی سنت جاری کی جائے۔ اس کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور ابن منذر، بیہقی اور ابوحاتم نے روایت کیا ہے (ت)

---

[1] شعب الایمان للبیہقی حدیث ۷۵۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۷۶
درمنثور بحوالہ البیہقی وابن عدی وشاورھم فی الامر کے تحت مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۲/ ۹۰
[2] المواہب اللدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۶۰۱

امت کے لئے فائدۂ مشورہ یہ ہے کہ تلاحق انظار وافکار سے بارہا وہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صاحب رائے کی نظر میں نہ تھی اس کا انتظار ہے اور بعد مشورہ بھی کوئی جدید امر کہ اپنی رائے میں ترمیم کرنا واضح نہ ہوا تو رائے روشن مشورۂ بے ضیاء سے احق بالاتباع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

استفت قلبك وان افتاك المفتون[1]۔ رواہ البخاری واحمد فی التاریخ عن وابصۃ بن معبد الجھنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اپنے دل سے فتوٰی لے اگرچہ مفتی حضرات تجھے فتوٰی دیں۔ اس کو بخاری نے تاریخ اور احمد نے حضرت وابصہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کے حق میں کثرت رائے کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ ذی رائے ہے تو اپنی ہی رائے کا اتباع کرے اگرچہ تمام رائے دہندہ خلاف پر ہوں اور غیر کے لئے بھی یہ ہے کہ جو ان میں اعلٰی وافقہ واورع ہے اس کی رائے پر چلے اگرچہ وُہ اکیلا اور اس کے خلاف پر کثیر ہوں۔ معین الحکام میں ہے:

ان کان فی المصر قوم من اھل الفقہ شاورھم، لان اللہ تعالٰی امر رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بذٰلك، فان اتفقوا علی شیئ وکان رأیہ کرأیھم فصل الحکم، وان اختلفوا نظر الی اقرب الاقوال من الحق وامضی ذٰلك وان کان من اھل الاجتھاد، ولا یعتبر السن ولاکثرۃ العدد لان الاصغر والواحد قد یوفق للصواب فی حادثۃ مالا یوفق الاکبر والجماعۃ[2]۔

اگر شہر میں اہلِ فقہ ہوں تو ان سے مشورہ کرے کیونکہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم فرمایا ہے پس اگر ان کا کسی معاملہ پر اتفاق ہو اور اس کی رائے ان کی رائے کے مطابق ہو تو حکم حاصل ہوگیا اور اگر ان کا اختلاف ہو تو اقرب الی الحق قول کو پاکر اس پر عمل کرے اگرچہ وُہ اہلِ اجتہاد میں سے ہو، عمر اور عدد کی کثرت کا اعتبار نہیں کیونکہ کبھی کم عمر اور واحد شخص کسی حادثہ میں درستگی کو پالیتا جس کو بڑا اور جماعت نہیں پاتے۔ (ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ تخ حدیث ۲۹۳۴۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/۲۵۰
مسند احمد بن حنبل مروی از وابصہ بن معبد المکتب الاسلامی بیروت ۴/۲۲۸
[2] معین الحکام الرکن الثانی من ارکان القضاء المقضی بہ مصطفی البابی مصر ص ۲۷

اسی طرح محیط پھر ہندیہ میں ہے :

(وزاد) وینبغی ان یکون ھذا علی قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اما علی قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی فتعتبر کثرۃ العدد ثم قال وان لم یکن القاضی من اھل الاجتہاد وقد وقع الاختلاف بین اھل الفقہ اخذ بقول من ھو افقہ و اورع عندہ[1]۔

اور انھوں نے یہ زائد بات کی کہ یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہونا مناسب ہے لیکن امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر کثرتِ عدد کا اعتبار ہے، اور پھر فرمایا اگر قاضی اہلِ اجتہاد میں سے نہ ہو تو فقہائے کرام کے اختلاف کی صورت میں زیادہ فقیہ اور پرہیزگار کے قول کو اپنائے۔ (ت)

نیز معین الحکام میں ہے :

وان اختلفوا علی الامیر فرأی بعضھم رأیا، ورأی بعضھم رأیا غیرہ لم یعمل مع اکثرھم ولکن ینظر فیما اختلفوا فیہ فما رأہ صوابا قضی بہ وانفذہ، وکذلک ینبغی للقاضی ان یفعل ذلک اختلف علیہ المشاورون من الفقہاء[2]۔

اگر مشورہ دینے والوں میں اختلاف ہو کسی کی رائے کچھ اور کسی کی رائے کچھ ہو تو اکثریت کی رائے پر عمل نہ کرے بلکہ غور کرکے درست رائے قائم کرے اور اس پر عمل کرتے ہوئے فیصلہ دے کر نافذ کرے، اور قاضی کو بھی یہی کرنا چاہیے جب مشورہ دینے میں فقیہ لوگوں میں اختلاف پایا جائے (ت)

عمرو بکر وغیرہما کے استدلال محض باطل ہیں اتباعِ سوادِ اعظم کا حکم اور من شذ شذ فی النار[3] (جو جدا ہوا وہ جہنم میں گیا۔ ت) کی وعید صرف دربارۂ عقائد ہے مسائل فرعیہ فقہیہ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں صحابہ کرام سے ائمہ اربعہ تک رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کوئی مجتہد ایسا نہ ہوگا جس کے بعض اقوال خلافِ جمہور نہ ہوں سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مطلقاً جمع زر کو حرام ٹھہرانا، ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نوم کو اصلاً حدث نہ جاننا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مسئلہ ربا، امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ مدتِ رضاع، امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مسئلہ متروک التسمیہ عمداً،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۱۴
[2] معین الحکام فصل فی جمع الفقہاء للنظر فی حکم القاضی مصطفی البابی مصر ص ۳۳
[3] المستدرک للحاکم کتاب العلم دارالفکر بیروت ۱/۱۱۵

امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ طہارت سور کلب و تعبد غسلات سبع، امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ نقض وضو بلحم جزور وغیرہ ذلک مسائل کثیرہ کو جو اس وعید کا مورد جانے خود شذ فی النار[1] (جو جدا ہوا جہنم میں ڈالا گیا۔ ت) کا مستحق بلکہ اجماع امت کا مخالف اور "نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا[2]" (ہم اس کو پھیر دیں گے جب وہ پھرا، ہم اس کو جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ ت) کا مستوجب ہوگا اور حدیث اجماع اور بھی بعید تر۔ اجماع میں ایک وقت کے تمام مجتہدین کا اتفاق درکار ہے ایک کے خلاف سے بھی اجماع نہیں رہتا اور کسی مجلس کے فیصلہ کو اجماع ٹھہرانا سخت سے سخت نادانی ہے شہر بھر کے فقہاء کا اتفاق تو اجماع درکنار فقیہ کے مقابل اصلاً حجت نہیں ہوتا، نہ کہ اراکین مجلس کا فیصلہ جن میں اکثر بے علم ہوتے ہیں بلکہ بہت جگہ کل۔ بدائع میں ہے:

ان اشکل علیہ حکم الحادثۃ استعمل رأیہ فی ذٰلک وعمل بہ والافضل ان یشاور اھل الفقہ فان اختلفوا اخذ بما یؤدی الی الحق ظاھرا وان اتفقوا علی رای یخالف رأیہ عمل برأی نفسہ ایضا لکن لاینبغی ان یعجل[3] الخ (ملخصا)

اگر کسی حادثہ میں مشکل پیش آئے اپنی رائے کو عمل میں لائے اور افضل یہ ہے کہ اس معاملہ میں اہل فقہ سے مشورہ کرے، اگر ان میں اختلاف ہو تو جو ظاہر طور پر حق کے قریب ہو اسے اختیار کرے اور اگر وہ اس کی رائے کے خلاف کسی رائے پر اتفاق کریں تو اس کو اپنی رائے کا ترک جائز نہیں لیکن عجلت مناسب نہیں الخ (ت)

محیط میں ہے:

اتفقوا علی شیئ ورأی القاضی بخلاف رأیھم لاینبغی ان یترك رأی نفسہ[4]

اگر ان کا اتفاق قاضی کی رائے کے خلاف ہو تو قاضی کو اپنی رائے ترک کرنا جائز نہیں ہے (ت)

معین الحکام میں ہے:

فاذا اجتمع فقہاء البلد علی شیئ

جب شہر کے فقہاء کا کسی رائے پر اتفاق ہو اور

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب العلم دارالفکر بیروت ۱/۱۱۵
[2] القرآن الکریم ۴/۱۱۵
[3] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع کتاب ادب القاضی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۵
[4] محیط

وکان رأیه خلاف ذٰلک فلا ینبغی ان یعجل بالحکم حتی یکتب فیه الی غیرهم ویشاورهم ثم ینظر الی احسن ذٰلک فیعمل به، لان المشورة بالکتاب من الغائب بمنزلة المشورة بالخطاب من الحاضر، فان خالف رأیه رأیهم قضی برأی نفسه، لان رأیه اصوب عنده ورأی غیره لیس بصواب[1]

قاضی کی رائے کے خلاف ہو تو قاضی کو جلدی مناسب نہیں حتی کہ دوسروں سے خط وکتابت اور مشورہ کرے پھر ان آراء میں غور کرکے بہتر رائے کو عمل میں لائے کیونکہ خط وکتابت کے ذریعہ غائب شخص سے مشورہ ایسے ہی ہے جیسے خطاب کے ذریعہ حاضر شخص سے مشورہ ہے اس کے باوجود اگر اس کی رائے ان کی رائے سے مختلف ہو تو اپنی رائے پر عمل کرے اور فیصلہ دے کیونکہ اس کے لئے اپنی رائے پر عمل درست ہے اور دوسرے کی رائے اس کے ہاں درست نہیں ہے۔ (ت)

یہ دلائل پر کلام تھا، رہا حکم **فاقول** وباللہ التوفیق اس میں تفصیل کثیر ہے، معاملہ دائرہ دو قسم ہے: شرعی یا اس کا غیر۔ یہاں شرعی سے مراد وہ امر ہے جس سے حکم وتحدید شرعی متعلق ہو اختیار مکلف پر نہ چھوڑا گیا ہو اور غیر سے وہ جسے شرع نے ہمارے اختیار پر رکھا ہے مثلاً چاندی چاندی کے عوض بیچنے میں مساوات لازم فرمادی ہے کمی بیشی کا اختیار نہیں اور سونا چاندی کے عوض بیچنے میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی، عاقدین کو اختیار ہے کہ پندرہ کی اشرفی ہزار روپیہ کو لیں دیں خواہ ایک پیسے کو،

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[2]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی وجہ سے کہ جب دو مختلف جنس ہوں تو پھر جیسے چاہو فروخت کرو۔ (ت)

تو پونڈ کی قیمت پندرہ روپے ہونا حکم شرعی نہیں لیکن روپے کو بدلے سوا گیارہ ہی ماشے چاندی ہونا حکم شرعی ہے **قسم اول** میں پھر دو صورتیں ہیں، کتب میں اس کا حکم مصرح ہے یا حادثہ جدیدہ ہے کہ اس کا حکم نصوص فقہی سے نکالنا محتاج نظر تفقہ ہے پھر جس کا حکم مصرح ہے وہ ایک ہی حکم ہے جس سے تجاوز ناجائز یا دونوں طرح کے حکم ہیں اور مکلف کو روا ہے ان میں جس پر چاہے عمل کرے، پہلی صورت یہ کہ حکم واحد متفق علیہ ہو یا اگرچہ اختلاف ہے مگر قول راجح ومعتمد ایک ہی ہے خواہ یوں کہ فتوی ایک ہی

---

[1] معین الحکام الرکن الثانی من ارکان القضاء المقضی بہ مصطفی البابی مصر ص ۲۸، ۲۷

[2] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/۴

جانب دیا گیا یا دوسری جانب کی ترجیح ان وجوہ پر کہ خادم فقہ جانتا ہے ضعیف و مضمحل ہے بہرحال دوسرا قول ناقابلِ اخذ ہے،

فان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[1] درمختار عن تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم۔

تو بالتحقیق فتوٰی اور فیصلہ مرجوح قول پر کرنا جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے، یہ درمختار میں علامہ قاسم کی تصحیح القدوری کے حوالہ سے ہے۔ (ت)

اس صورت میں اسی حکم کا اتباع واجب ہے خواہ وہ رائے صدر ہو یا رائے اراکین کل یا بعض ہو یا سب کے خلاف ہو اذ لاحکم لاحد مع الشرع المطھر (شریعتِ مطہرہ کے مقابلہ میں کوئی حکم معتبر نہیں۔ ت) اور دوسری صورت یہ کہ دونوں قول بلا ترجیح آرا ہوں یا ترجیح دونوں طرف متکافی ہو یہ صورت قسم دوم سے ملتحق ہے کہ ایسی حالت میں مکلف مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے۔ درمختار میں ہے:

فی وقف البحر وغیرہ متی کان فی المسألۃ قولان مصححان جاز القضاء والافتاء باحدھما[2]۔

بحر وغیرہ وقف میں ہے، جب کسی مسئلہ میں دو مختلف قول ہوں اور دو صحیح قرار دئے گئے ہوں تو ان میں ایک پر فتوٰی اور قضا جائز ہے (ت)

ردالمحتار کتاب القضاء میں ہے:

ومثلہ یقال فی المقلدین فیما لم یصرحوا فی الکتب بترجیحہ واعتمادہ[3]۔

کتب میں جس مسئلہ پر ترجیح کی تصریح نہ ہو تو دو مقلدوں کے متعلق یہی بات کہی جائے گی (ت)

اور جس کا حکم کتب میں نہیں تو اب چار صورتیں ہیں یا تو صدر و اراکین سب فقیہ متفقہ صاحب نظر و تصرفات صحیحہ ہیں یا صرف صدر یا صرف اراکین کل یا بعض یا کوئی نہیں، بہرحال اس میں جو ایسا نہ ہو اس کی رائے کا کچھ اعتبار نہیں صدر ہو یا رکن تو شکل چہارم میں صدر و اراکین سب کی رائے امر شرعی میں مہمل و معطل ہے اگرچہ ایک ہی رائے پر متفق ہوں بلکہ ان پر فرض ہے کہ اہل علم فقیہ متفقہ کی طرف رجوع

---

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۱۴

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۰۲

اور اس کے ارشاد پر عمل کریں۔

قال اللہ تعالٰی فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ولا یخلو الوجود عمن یمیز ھذا حقیقۃ لاظنا وعلی من لم یمیز ان یرجع لمن یمیز لبراءۃ ذمتہ[2]

ظنی نہیں حقیقی علم والوں سے وجود خالی نہیں علاوہ ازیں اگر خود تمیز نہ کرسکے تو برات ذمہ کے لئے تمیز والوں کی طرف رجوع کرے۔ (ت)

اور شکل دوم میں جبکہ صدر متفقہ اور ارکین خالی ہیں تو اس پر واجب ہے کہ جو حکم وہ کتب معتمدہ سے بعد غور کامل اور فحص بالغ سمجھا اس پر حکم دے، رائے ارکین کی کثرت بلکہ اجماع کا بھی اصلاً لحاظ نہ کرے اور خود ارکین کو روا نہیں کہ اس کا خلاف کریں کہ یہ علم کا مقابلہ جہل سے ہوگا اور وہ جہل مرکب ہے،

قال تعالٰی فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم[3]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: مجھ سے اس معاملہ میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں ہے (ت)

اور شکل سوم میں صدر کی رائے کوئی چیز نہیں پھر اگر ارکین میں جو متفقہ ہیں ایک رائے پر متفق ہیں اسی پر حکم کرے، اور مختلف ہیں تو جسے ان میں افقہ و اورع سمجھے اس کا اتباع کرے کما قدمناہ عن المحیط والھندیۃ (جیسا کہ ہم نے پہلے محیط اور ہندیہ سے بیان کیا ہے۔ ت)، سراجیہ پھر تنویر و دُر میں ہے:

اذا اختلف مفتیان فی جواب حادثۃ اخذ بقول افقھما بعد ان یکون اورعھما[4]

جب کسی حادثہ میں دو مفتیوں کا اختلاف ہو تو ان میں افقہ اور پرہیزگار کے قول کو اختیار کرے (ت)

اور اگر تفقہ میں متقارب اور ورع میں یکساں ہیں تو اب کثرت رائے کی طرف میل کرے فان مظنۃ

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/۷

[2] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[3] القرآن الکریم ۳/۶۶

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۲

الاصابة فیھا اکثر عند من لایعلم وھو اعذر لہ عند ربہ عزوجل (کیونکہ اکثریت کی رائے میں درستگی کا احتمال زیادہ ہے یہ چیز نہ جاننے والے کے لئے عنداللہ بڑا عذر ہے۔ ت) اور اگر کثرت بھی کسی طرف نہ ہو مثلاً چار متفقہ ہیں دو ایک طرف دو ایک طرف، تو جس طرف دل گواہی دے کہ یہ احسن یا احوط فی الدین ہے اس طرف میل اولٰی ہے ورنہ مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے اور اب یہ صورت قسم دوم کی طرف راجع ہو جائے گی۔ معین الحکام میں ہے :

ذکر الحسن بن زیاد فی ادب القاضی لہ الجاھل بالعلم اذا استفتی فقیھا فافتاہ بقول احد اخذ بقولہ ولایسعہ ان یتعدی الٰی غیرہ، وان کان فی المصر فقیھان کلاھما رضا یأخذ عنھما، فان اختلفا علیہ فلینظر ایھما یقع فی قلبہ انہ اصوبھا وسعہ ان یاخذ بہ، فان کانوا ثلثۃ فقہاء واتفق اثنان اخذ بقولھما ولایسعہ ان یتعدی الی قول الثالث[1]۔

حسن بن زیاد نے اپنی ادب القاضی میں ذکر کیا ہے کہ کوئی جاہل جب کسی فقیہ سے سوال کرے اور وہ اسے کسی ایک قول پر فتوٰی دے تو وہ اس فتوٰی کو اپنائے اور غیر کی طرف جانے کی اس کو اجازت نہیں۔ اگر شہر میں دو مساوی فقیہ ہوں تو دونوں سے چاہے رجوع کرے، اگر دونوں میں اختلاف ہو تو اسے چاہئے کہ غور کرے جس کی بات دل میں درست لگے اس کو اپنائے تو یہ جائز ہے اور اگر شہر میں تین فقیہ ہوں اور دو کی رائے متفق ہو تو ان کی بات کو اپنائے اور تیسرے کی طرف رجوع کی گنجائش اسے نہ ہوگی (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قال فی الفتح وعندی انہ لواخذ بقول الذی لایمیل الیہ قلبہ جاز لان ذٰلک المیل وعدمہ سواء[2] الخ۔

فتح میں کہا ہے کہ اگر اس قول کو اپنایا جس کی طرف قلبی میلان نہیں تو میرے نزدیک جائز ہے کیونکہ اس کا میلان اور عدم میلان برابر ہیں الخ (ت)

اقول عارضہ ماذکر الامام الحسن بن زیاد وھو من ائمتنا المجتھدین

اقول (میں کہتا ہوں امام حسن بن زیاد کا ذکر کردہ قول اس کے معارض ہے جبکہ وہ ہمارے امام اعظم

---

[1] معین الحکام الرکن الثانی من ارکان القضاء المقضی بہ مصطفی البابی مصر ص ۲۷

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۳

تلامذۃ امامنا الاعظم فالاخذ بہ اولی من بحث المحقق۔

رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مجتہد تلامذہ میں سے ایک امام ہیں تو محقق صاحب کے قول کے مقابلہ میں اس امام کے قول کو اپنانا بہتر ہے۔ (ت)

شکل اول میں صدر متفقہ کو اپنی رائے پر عمل چاہئے کثرت رائے خلاف پر نظر نہیں کما قدمنا عن معین الحکام والمحیط والعلمگیریۃ (جیسا کہ ہم پہلے معین الحکام، محیط اور عالمگیریہ سے اس کا ذکر کر آئے ہیں۔ت) ہاں اگر اراکین میں کوئی اس سے افقہ واعلم ہے اور اس کے خلاف کے سبب اس کی رائے میں تزلزل آگیا تو روا ہے کہ اس افقہ کا اتباع کرے خواہ اب بھی اپنی ہی رائے پر قائم رہے، یہ صورت بھی قسم دوم سے ملحق ہوجائے گی۔ محیط و ہندیہ میں ہے:

ان اشار ذٰلک الرجل الی شیئ ورأی القاضی بخلاف رأیہ فالقاضی لایترک رأی نفسہ فان اھتم القاضی برأیہ لما ان ذٰلک الرجل افضل وافقہ عندہ لوقضی برأی ذٰلک الرجل ارجو ان یکون فی سعۃ من ذٰلک وان لم یھتم القاضی برأیہ لاینبغی لہ ان یترک رأی نفسہ[1]

اگر یہ شخص قاضی کو کسی چیز کا مشورہ دے اور قاضی کی رائے اس کے خلاف ہو تو قاضی اپنی رائے کو ترک نہ کرے اور اگر قاضی اپنی رائے کو اس بنا پر اہم نہ سمجھے کہ وہ شخص اس سے افقہ اور افضل ہے تو اس بنا پر اگر اس شخص کی رائے پر عمل کرلے تو مجھے امید ہے قاضی کو یہ گنجائش ہے اور اگر قاضی اس شخص کی رائے کو اہم نہیں سمجھتا تو اسے اپنی رائے کا ترک مناسب نہیں ہے۔ (ت)

درمختار میں ملتقط سے ہے:

قضی بمارأہ صوابا لابغیرہ الا ان یکون غیرہ اقوی فی الفقہ ووجوہ الاجتہاد فیجوز ترک رأیہ برأیہ[2]

اپنی رائے پر قاضی فیصلہ دے مگر جب غیر کی رائے کو فقہ اور وجوہ اجتہاد میں اقوی قرار دے تو اس کے مقابلہ میں اپنی رائے کا ترک قاضی کو جائز ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب آداب القاضی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۱۴

[2] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

لکن ھذا اذا اتھم رأی نفسہ ففی الھندیۃ عن المحیط[1]، ونقل ماذکرناہ بمعناہ۔

لیکن یہ تب جائز ہے کہ اپنی رائے کو اس کے مقابلہ میں اہم نہ جانے، تو ہندیہ میں محیط سے معنًا وہ نقل کیا جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

یہ احکام قسم اول کے تھے۔

قسم دوم میں یعنی جہاں جہاں شرعًا اسے اختیار دیا گیا ہے تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ انجمن کسی وقف سے متعلق ہو اور یہ امر دائر شروط واقف میں داخل۔ اس صورت میں جو شرط واقف کا مقتضٰی ہو اس پر عمل کیا جائے خواہ رائے صدر یا ارکین یا بعض کے موافق ہو یا سب کے خلاف۔ کہ شرط واقف مثل نص شارح واجب الاتباع ہے کما نصوا علیہ الا فیما استثنی وھو مفصل فی الاشباہ والغمز وحواشی الدر وغیرھا (جیسا کہ انھوں نے اس پر نص فرمائی ہے ماسوائے ان استثنائی صورتوں کے جن کی تفصیل اشباہ، غمز اور حواشی الدر وغیرہا میں ہے۔ ت) دوم چندہ سے اس کی کارروائی ہو اور امر دائر متعلق بمال، اس صورت میں چندہ دہندوں کی رائے کا اتباع ہے صدر و ارکین ان کے خلاف اجازت صرف مال کے مختار نہیں لان المال فی ھذہ الصورۃ لا یخرج عن ملک المعطین کما حققناہ فی کتاب الوقف من فتاوٰنا (کیونکہ عطیہ دینے والوں کی ملکیت سے اس صورت میں مال خارج نہ ہوگا جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب الوقف میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) جیسے قسم اول سے دو صورتیں ملحق بقسم دوم ہوئی تھیں یونہی قسم دوم سے یہ صورتیں راجع بہ قسم اول ہیں کہ بعارض وقف و ملک غیر ان میں جانب شرع سے تحدید ہوگئی تخییر نہ رہی۔ سوم ان دونوں کے علاوہ یعنی وقف ہو تو امر دائر کو کسی شرط واقف سے تعلق نہ ہو یا چندہ کا کام ہو تو امر دائر متعلق بمال نہ ہو یا چندہ دہندوں کی طرف سے انجمن کو اذن عام ہو حقیقتًا یہی صورتیں قسم دوم ہیں یہاں اگر اس امر میں صدر ذی رائے نہیں اور ارکین جیسا کہ سوال میں ہے ماہر فن، جب تو ظاہر کہ وہاں سے اپنی رائے پر وثوق بے معنی ہے غایت یہ کہ کسی خاص معاملہ میں کسی وجہ سے رائے ارکین میں اسے کوئی شبہہ ہے تو اور متدین ماہروں سے تفتیش کرکے اطمینان کرلے، بالجملہ یہ صورت شکل سوم کے مقارب اور اصالۃً یہاں ویسی ہی طرز عمل مناسب، یونہی اگر صدر خود بھی اس امر کا ماہر ذی رائے ہے تو یہ صورت شکل اول کے مشابہ ہوگی مگر از انجا کہ کسی طرف کرتی مطالبہ شرعی نہیں، بہرصورت یہاں مصلحۃً صدر کو یہی مناسب ہے کہ کثرت رائے

پر عمل کرے کہ باعث وحشت و بددلی اراکین و بدانتظامی مجلس نہ ہو، علماء نے تشریع مشورہ و نزول کریمہ وشاورھم فی الامر[1] کی ایک مصلحت یہ بھی لکھی ہے عہ معالم میں ہے:

قال قتادۃ ومقاتل فان سادات العرب کانوا اذا لم تشاور فی الامر شق ذٰلک علیھم فامر اللہ تعالٰی نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یشاورھم فان ذٰلک اعطف لھم واذھب لاضغانھم واطیب لنفوسھم[2]

حضرت قتادہ اور مقاتل نے فرمایا: عرب سرداروں سے جب مشورہ نہ ہُوا تو ان کی یہ بات گراں گزری اس لئے اللہ تعالٰی نے اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان سے مشورہ کا حکم فرمایا کیونکہ اس سے ان پر شفقت کا اظہار اور ان کے دل کی خلش دُور، اور ان کے نفوس مطمئن ہونے کا سامان ہوگا۔ (ت)

اور شک نہیں کہ ابتداءً ترکِ مشورہ میں وہ ایحاش نہیں جو بعد مشورہ رائے اکثر پر عمل نہ کرنے میں ہے اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں: بشروا ولا تنفروا[3] (خوشخبری دو اور نفرت پیدا نہ کرو۔ ت) ہاں اگر خلاف میں کوئی مصلحت اس مصلحت سے اعظم اور اس کے ترک میں کوئی مفسدہ اس مفسدہ سے اشد ہو تو من ابتلی ببلیتین اختار اھونھما (جو دو مصیبتوں میں مبتلا ہو تو آسان کو اپنائے۔ ت) پر عمل کرے۔

ھذا کلہ ماظھر لی اخذا من کلماتھم وارجو ان یکون منتھی المقال فی ھذا المقام وباللہ التوفیق۔

یہ تمام بحث وُہ ہے جو میں نے ان کے کلام سے ظاہر پاکر حاصل کی، تو مجھے امید ہے کہ اس مقام میں یہ بحث کی انتہا ہے، اور توفیق صرف اللہ تعالٰے کی طرف سے ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳/۱۵۹
[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ وشاورھم فی الامر مصطفی البابی مصر ۱/۴۳۹
[3] صحیح مسلم کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۲
صحیح البخاری کتاب العلم " " " ۱/۱۶
[4] الاسرار المرفوعۃ حدیث ۸۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۱۵

عہ اصل کی عبارت پڑھی نہ جاسکی پھر بھی مطلب میں خلل نہیں۔

تنبیہ: کسی امر کو قسم دوم سے ٹھہرانے میں احتیاط بلیغ ونظر غائر درکار ہے، مسلمانوں کے کم کام ایسے نکلیں گے جن میں شرع مطہر کی طرف سے ابتداءً خواہ بوجہ عارض کوئی تحدید نہ ہو، اب یہیں دیکھئے کہ خالص قسم دوم میں طبائع اکثر اہل زمانہ کے سبب تنفیر کا اندیشہ پیدا ہو کر ایک تحدید شرعی نکل آئی تو حکم کے لئے علم و فہم کامل سے چارہ نہیں اور حق یہ کہ مسلمان بے علم دین ایک قدم نہیں چل سکتا اللہ عزوجل علم دے اس پر عمل دے اس کو قبول فرمائے بجاہ حبیبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العٰلمین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۳: از ریاست رامپور محلہ پیلا تالاب مرسلہ مولوی ہدایت الرسول صاحب ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، عمرو نے پختہ مکان بنایا جس کا دروازہ شارع عام پر واقع ہے اس مکان پر بالاخانے بھی تعمیر کئے۔ ان بالاخانوں میں اسی شارع عام کی طرف چار چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بھی ضرورۃً رکھی ہیں اسی سمت میں شارع عام سے فاصلہ پر بکر کا مکان واقع ہے، ان کھڑکیوں کی وجہ سے بکر کو اپنی بے پردگی کی شکایت واقع ہوئی اور اہل محلہ سے کہا کہ ان کھڑکیوں کے سامنے آڑ کرادینا چاہئے جس سے ہمارے مکان کا سامنا نہ رہے۔ عمرو نے اہل محلہ کے کہنے سے ان روشندانوں پر جستی چادر سے ایسا سائبان ڈال دیا کہ سوا نیچے کی سڑک کے اور کچھ نظر نہیں آتا پھر روشندانوں میں لوہے کی سلاخیں لگادیں اور اڑنگوں سے خوب مضبوط جڑوادیا کہ کسی طرح وہ چادر اٹھ نہ سکے، اب بحالتِ موجودہ ان سے کسی کے مکان کا سامنا مطلقاً نہ رہا، یہ سب کچھ کرکے بکر کو دکھایا گیا جس کو اچھی طرح جانچ کر بکر نے اہل محلہ کے سامنے اپنی رضامندی ظاہر کی اور بتراضی طرفین وہ کھڑکی نما روشندان قائم ہوگئے جو عرصہ ۳ برس سے بدستور قائم ہیں فی الحال بکر نے ایک رنجش تازہ کی وجہ سے ان سہ سالہ قائم شدہ روشندانوں کی مسدودی کا دعوٰی اس بے اصل اور خلاف واقعہ اظہار پر کیا ہے کہ مذکورہ کھڑکیوں کے سائبان اٹھاکر اس کے مکان کی بے پردگی کی جاتی ہے حالانکہ وہ سائبان مطابق بیان بالا نہایت مضبوط جڑے ہوئے ہیں جن کا اٹھانا ناممکن ہے، چنانچہ اس کا معائنہ حاکمِ عدالت کو بھی کرادیا گیا ہے اور نیز اگر موجودہ استحکام سے اور کوئی زیادہ استحکامی حالت تجویز کی جائے تو عمرو اس کے لئے بھی تیار ہے۔ غرض یہ ہے کہ بکر اندر سے سائبان اٹھاکر جھانکنے کا وہم بے اصل رفع کرلے۔ اس واقعہ صحیحہ کو عرض کرکے امیدوار حکم شرعی کا ہوں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جب صورتِ واقعہ یہ ہے کہ سوال میں مذکور ہوئی تو اس صورت میں بکر کا دعوٰی باطل و نامسموع اور ہمارے ائمہ متقدمین ومتاخرین کے اجماع سے مردود و مدفوع ہے، ہمارے جمیع ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ملک خاص میں جس سے دوسرے کا حق متعلق نہ ہو ہر قسم تصرف کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ اس سے بالتبع دوسرے کا ضرر لازم آتا ہو، بہت اکابر نے اسی پر فتوٰی دیا۔

درمختار میں ہے:

ظاهر الرواية عدم المنع مطلقا وبه افتى طائفة كالامام ظهير الدين و ابن الشحنة و والده ورجحه فى الفتح وفى قسمة المجتبٰى وبه يفتى واعتمده المصنف ثمه فقال وقد اختلف الافتاء وينبغى ان يعول على ظاهر الرواية۔[1]

ظاہر روایت مطلقاً عدمِ منع پر ہے اسی پر ایک جماعت مثلاً امام ظہیر الدین، ابن شحنہ اور ان کے والد کا فتوٰی ہے اور فتح میں اسی کو ترجیح دی ہے اور مجتبٰی کی قسمت کی بحث میں "بہ یفتی یعنی اسی پر فتوٰی ہے" فرمایا، اور مصنف نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے وہاں فرمایا کہ فتوٰی مختلف ہے اور مناسب یہی ہے کہ ظاہر روایت پر اعتماد کیا جائے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

وذكر العلامة ابن الشحنة ان فى حفظه ان المنقول عن ائمتنا الخمسة ابى حنيفة وابى يوسف ومحمد وزفر والحسن بن زياد انه لايمنع عن التصرف فى ملكه وان اضر بجاره قال وهو الذى اميل اليه واعتمده وافتى به تبعا لوالدى شيخ الاسلام رحمه الله تعالٰى۔[2]

علامہ ابن شحنہ نے فرمایا کہ میری یاد میں ہے کہ ہمارے پانچوں ائمہ ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد، زفر اور حسن بن زیاد رحمہم اللہ تعالٰی سے ثابت ہے کہ کسی کو ذاتی ملکیت میں تصرف منع نہیں کیا جائے گا اگرچہ پڑوسی کو ضرر ہو۔ اور فرمایا اسی کی طرف میرا میلان ہے اور اعتماد ہے اور اپنے والد شیخ الاسلام کی اتباع میں میرا یہی فتوٰی ہے۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب القضاء مسائل شتّٰی مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶

[2] بحرالرائق " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۳

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: والوجہ لظاھر الروایۃ[1] (معتبر وجہ ظاہر روایت کے لئے ہے۔ ت) اور معلوم ہے کہ فتوٰی جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل واجب ہے
کما فی البحر والخیریۃ ورد المحتار وغیرھا عامۃ الاسفار۔ جیسا کہ بحر، خیریہ اور ردالمحتار وغیرہا عام کتب میں ہے۔ (ت)

اس تقدیر پر تو دعوٰی سرے سے بے بنیاد ہے مگر متاخرین نے بنظرِ مصلحت وحدیث:
لاضرر ولاضرار[2]۔ رواہ احمد عن عباس وابن ماجۃ عنہ وعن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم بسند حسن۔ ضرر رسانی جائز نہیں۔ اس کو احمد نے عباس سے اور ابن ماجہ نے ان سے اور عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بسندِ حسن روایت کیا (ت)

بطور استحسان دفع ضرر بیّن پر نظر کی ہے **اقول** غیر فقیہ اس سے یہ گمان کرتا ہے کہ بیّن کے معنی ہیں ظاہر واضح، تو کیسا ہی ضرر کسی حالت میں جبکہ مخفی نہ ہو مالک کو اپنی ملک میں تصرف سے باز رکھنے کا پروانہ ہے حالانکہ یہ محض وہم وسوئے فہم ہے۔ شرع مطہر نے ملک کی وضع اطلاق تصرف کے لئے فرمائی ہے مالک کو اس کی ملک میں تصرف سے روکنا کیا ضرر نہیں، اور حدیث فرماتی ہے: لاضرر ولاضرار[3] (ضرر رسانی جائز نہیں۔ ت) تو کیا وجہ ہے کہ مطلقاً دوسرے کے ضرر کو خود مالک کے ضرر پر ترجیح دی جائے حالانکہ یہ ترجیح بلامرجح بلکہ بارہا ترجیح مرجوح ہے کہ مالک صاحب حق ہے اور صورت یہ مفروض ہے کہ دوسرے کا اس ملک سے حق متعلق نہیں کمافی السفل لرجال العلو لآخر (جیسے نچلا حصہ ایک کا ہو اور بالائی حصہ دوسرے کا۔ ت) ایک شخص کے مکان میں نہایت وسیع سایہ دار گنجان درخت ہے اس کے برابر ایک محتاج کا گھر ہے جس پر سایہ اسی درخت ہی کا ہے بلاشبہہ اس کے قطع میں جار کا اضرار ہے مگر ہرگز مالک اس سے ممنوع نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر وجامع الفصولین میں فرمایا:

واللفظ للجامع رجل لہ شجرۃ یستظل بھا جارہ ارادقلعھا لایمنع منہ ولو تضرر بہ جارہ اذرب الشجرۃ بالقلع یمنعہ عن الانتفاع کسی شخص کا درخت ہو اور اس کا پڑوسی اس سے سایہ حاصل کرتا ہے اور مالک درخت اکھاڑنا چاہتا ہے تو پڑوسی کے ضرر کی وجہ سے مالک کو اکھاڑنے سے نہ روکا جائے گا، ہوسکتا ہے کہ درخت

---

[1] فتح القدیر مسائل منثورۃ من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۴۱۴

[2] و [3] مسند امام احمد بن حنبل از مسند عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۳۱۳

بملکہ[1] کا مالک اپنی ملکیت سے پڑوسی کو انتفاع سے روکنا چاہتا ہو۔ (ت)

خادمِ فقہ سمجھتا ہے کہ یہاں چار شرطیں ہیں جن کے اجتماع سے وہ ضرر بیّن متحقق ہوگا:

شرطِ اول: وہ ضرر کثیر فاحش ہو یعنی دارِ جار کو گرادے یا بالکل قابلِ انتفاع نہ رکھے دیوار کمزور کرنا اول میں داخل ہے اور حاجتِ اصلیہ سے باز رکھنا دوم۔ محقق نے فتح میں فرمایا:

قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لاضرر ولاضرار لاشك انه عام مخصوص للقطع بعدم امتناع کثیر من الضرر کالتعازیر والحدود ومواظبة طبخ ینتشر به دخان قد یحبس فی خصوص اماکن فیتضرر به جیران لایطبخون لفقرهم خصوصا اذا کان فیهم مریض یتضرر به وکما اریناك من التضرر بقطع الشجرة المملوکة للقاطع فلابد ان یحمل علی خصوص من الضرر وهو مایؤدی الی هدم بیت الجار ونحوه من الضرر البیّن الفاحش، والحاصل ان القیاس ان یفعل صاحب الملك مابدا له مطلقا لانه یتصرف فی خالص ملکه وان کان یلحق الضرر بغیره لکن یترك القیاس فی موضع یتعدی ضرره الی غیره ضررا فاحشا، وهو المراد

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد لاضرر ولاضرار (یعنی ضرر رسانی جائز نہیں) عام مخصوص البعض ہے کیونکہ بہت سے ضرر ایسے ہیں جن سے یقیناً ممانعت نہیں ہے مثلاً تعزیرات اور حدود اور مسلسل آگ سے کچھ پکانا جس سے دھوئیں کا پھیلاؤ بعض جگہ گھٹن پیدا کرتا ہے تو اس سے ایسے پڑوسیوں کو ضرر ہوتا ہے جو اپنے فقر کی وجہ سے کھانا نہیں پکاتے خصوصاً جبکہ پڑوسیوں میں مریض جسے اس کی وجہ سے ضرر پہنچتا ہو، جیسا کہ ہم آپ کو مالک کا اپنے درخت کو کاٹنے پر ضرر بتا رہے ہیں، تو ضروری ہے کہ مذکور حدیث میں ضرر سے خاص ضرر مراد لیا جائے اور وہ جس سے پڑوسی کے مکان گرنے کا خدشہ ہو یا اس طرح کا جو کوئی واضح ضرر ہو۔ حاصل یہ ہے کہ قانون کے مطابق ملکیت والا اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرسکتا ہے کیونکہ وہ خالص اپنی ملکیت میں تصرف کررہا ہے اگرچہ اس سے دوسرے کو ضرر بھی ہو، تاہم یہ قیاس و قانون ایسی جگہ نافذ نہ ہوگا جہاں پڑوسی کو واضح طور پر ضرر پہنچتا ہو، یہی ضرر جس سے دوسرے کے مکان

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۶

بالبين وهومايكون سببا للهدم وما يوهن البناء سبب له او يخرج عن الانتفاع بالكلية وهومايمنع من الحوائج الاصلية كسد الضوء بالكلية، واختاروا الفتوى عليه واما التوسع الى منع كل ضرر مافيسد باب الانتفاع بملك الانسان كماذكرنا قريبا[1] (ملتقطا)۔

گرنے یا کمزور ہونے کا خطرہ ہو، مراد ہے یا ایسا ضرر کہ دوسرے کو اپنی ملکیت کے انتفاع سے بالکل محروم کردے وہ یہ کہ اس کو اپنی حوائج اصلیہ سے روک دے، مثلاً بالکل روشنی کا ختم ہو جانا، فقہاء کرام نے اسی پر فتوٰی کو مختار قرار دیا ہے لیکن یہ کہ ہر ضرر کو ممنوع قرار دینے تک توسیع تو انسان کو اپنی ملکیت سے انتفاع سے محروم کردیگی جیسا کہ قریب ہی ہم نے ذکر کیا ہے (ملتقطا)۔(ت)

اسی طرح عقود دریہ میں حواشی اشباہ علامہ بیری زادہ سے ہے۔

شرط دوم: اس ضرر میں اس کا فعل مستقل ہو فعلِ جار کو اس میں دخل نہ ہو ورنہ اصلاً لحاظ نہ ہوگا مثلاً اس کی چھت سے جار کے زنانہ کا سامنا نہیں مگر زنانہ کے پاس کوئی باغیچہ اور مکان ہے اس کا سامنا ہے یا اس کی چھت سے جار کی چھت ملی ہوئی ہے اور آڑ نہیں کہ عورتیں اس باغیچہ یا اپنی چھت پر آئیں اور یہ اپنی سقف پہ جائے تو بے پردگی ہو یہ ضرر میں محسوب نہیں کہ زنانہ کا سامنا نہیں عورتیں ایسی جگہ کیوں آئیں یہ جار کا فعل ہوا۔ تنقیح الحامدیہ میں ہے:

لزيد طبقة فيها طاقة قديمة مقابلة لقصر ورواق حادثين فى دار جاره عمرو فقام عمرو يكلفه سد الطاقة زاعما انها تشرف على القصر والرواق المذكورين والحال انهما ليسا محل قرار نسائه وجلوسهن بل محله سفل الدار، فهل ليس له تكليفه بذلك[2]۔

زید کے مکان کی دوسری منزل ہے جس میں قدیم کھڑکی ہے اور کھڑکی کے مقابل پڑوسی عمرو کی حویلی میں جدید برآمدہ اور باغیچہ ہے عمرو ضد کرکے کھڑکی کو بند کرانے پر اس خیال سے مجبور کرے کہ کھڑکی والا باغیچہ اور برآمدہ مذکورہ کو جھانکتا ہے حالانکہ وہ باغیچہ اور برآمدہ عمرو کی مستورات کی آرام گاہ اور نشستگاہ نہیں بلکہ مستورات کی اصل وہ جگہ مکان کی پست جگہ میں ہے تو ایسی صورت میں عمرو کو یہ حق نہیں کہ وہ کھڑکی والے کو بند کرنے پر مجبور کرے۔(ت)

---

[1] فتح القدیر مسائل منثورۃ من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان ۶/ ۱۵-۴۱۴

[2] العقود الدریہ کتاب القضاء باب الحبس مسائل شتی۔ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۳۰

فتاوی امام فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی پھر فتح القدیر و جامع الفصولین میں ہے :

واللفظ لہ لولا یقع بصرہ فی دار جارہ ولکن یقع بصرہ علیہم لوکانوا علی السطح لایمنعہ اذا استویا فی الضرر لانہ این کان یقع بصرہ علیہم یقع بصرہم علیہم ایضا فی السطح کذا[1]

لفظ جامع الفصولین کے ہیں، اگر مکان والے کی نظر پڑوسی کے گھر میں نہیں پڑتی لیکن اگر پڑوس والے چھت پر اور کھلی جگہ ہوں تو نظر پڑتی ہے تو ایسی صورت میں پڑوسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے جبکہ دونوں اس ضرر میں برابر ہیں کیونکہ جب ایک کی نظر پڑے گی تو دوسرے کی بھی ان پر نظر پڑے گی جب چھت پر ہوں گے ۔ (ت)

اسی طرح وجیز کردری میں ہے ۔

شرط سوم : وہ ضرر ثابت و متحقق ہو محتمل و متوقع معتبر نہیں مثلاً چھت کے قریب بلند دیوار میں تابدان ہیں کہ اگر سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ کر جھانکے تو ہمسایہ کے زنانے کا سامنا ہو اس کا اعتبار نہ ہوگا اور وہ روشندان بند نہ کئے جائیں گے ۔ عقود الدریہ میں ہے :

سئل فی رجل لہ قاعۃ رفیعۃ البناء ملاصقۃ لدار جارہ ففتح فی اعلاھا بالقرب من سقفھا قمریتین للضوء فقط لیس فیھما اشراف علی حریم الجار الا بالصعود الیہما بسلم عال قام جارہ الاٰن یکلفہ سدھما بدون وجہ شرعی فھل یمنع الجار من ذٰلک الجواب نعم[2]

ان سے ایک شخص کے متعلق سوال ہوا کہ اس کا بڑا بلند مکان ہو اس کے ساتھ ملا ہوا پڑوسی کا مکان ہے تو بلند محل والے اس شخص نے روشنی کے لئے چھت کے قریب اپنے مکان میں دو روشندان پڑوسی کی طرف نکالے جبکہ ان روشندانوں سے پڑوس کے اہل خانہ کو جھانکنے کا کوئی ذریعہ نہیں ماسوائے اس کے کہ بلند سیڑھی لگا کر ان سے جھانکا جائے تو اب پڑوسی ضد کرکے ان روشندانوں کو کسی شرعی وجہ کے بغیر بند کرائے تو کیا پڑوسی کو اس سے روکا جائیگا، جواب دیا کہ ہاں پڑوسی کو اس مطالبہ سے منع کیا جائے گا ۔ (ت)

شرط چہارم : وہ ضرر ناممکن الاحتراز ہو یعنی جس تصرف سے پیدا ہوا ہے اس کے ازالہ کے اور کوئی چارہ کار نہ ہو ورنہ منع تصرف لازم نہ ہوگا ۔ بحر الرائق میں کتاب الاستحسان امام ابوبکر رازی

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۸

[2] العقود الدریہ کتاب القضاء باب الحبس مسائل شتی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۳۰

سے ہے :

الدار اذا کانت مجاورۃ للدور فاراد صاحبہا ان یبنی فیہا تنورا للخبز الدائم کما یکون فی الدکاکین اورحی للطحین اومدقات للقصارین لم یجز لان ذٰلك یضر بجیرانہ ضررا فاحشا لایمکن التحرز عنہ فانہ یاتی منہ الدخان الکثیر الشدید، ورحی الطحن ودق القصارین یوھن البناء بخلاف الحمام فانہ لایضر الا بالنداوۃ ویمکن التحرز عنہ بان یبنی حائطا بینہ وبین جارہ وبخلاف التنور الصغیر المعتاد فی البیوت[1]

ایک مکان دوسرے مکان سے ملا ہوا ہو تو ایک مکان والا اپنے مکان میں دائمی کاروباری تنور روٹیوں کے لئے یا آٹا پیسنے کے لئے چکّی یا دھوبی گھاٹ بنائے تو جائز نہ ہوگا کیونکہ اس سے پڑوس کو کھلا ضرر ہے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے کیونکہ کثیر وشدید دھواں وہاں سے آئے گا اور چکی اور دھوبی گھاٹ سے پڑوس والے مکان کی عمارت کمزور ہوتی ہے اس کے برخلاف حمام ہو تو جائز ہے کیونکہ اس سے رطوبت کا نقصان ہے لیکن اس سے بچنا ممکن ہے کہ اپنے اور پڑوس کے درمیان دیوار بنادے، اسی طرح گھریلو تنور جو عادۃً گھروں میں ہوتا ہے وہ بھی جائز ہے (ت)

جب یہ اصل منع ہوئی مسئلہ دائرہ کی طرف چلئے، یہ تو پہلے معلوم ہولیا کہ ہمارے جملہ ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب مہذب صحیح مرجح پر تو دعوی بکر سرے سے بے بنیاد ہے اور بہت اکابر اس صورت کو فتوائے متاخرین سے بھی جُدا مانتے ہیں اور اس پر وہی اصل حکم ائمہ جانتے ہیں کہ بالاخانے میں دروازہ و دریچہ نکالنے سے اصلاً منع نہ کیا جائے گا جس کی بے پردگی ہو وہ اپنا پردہ بنالے اپنی دیوار اونچی کرلے۔ امام عمادالدین نے فصول میں باآنکہ قول متاخرین اختیار کیا، اس مسئلہ میں عدم منع ہی کو مؤید فرمایا اور محقق علی الاطلاق نے اسے مقرر رکھا، فتح میں بعد نقل مسئلہ مذکورہ فتاوی امام سمرقندی میں فرمایا:

قال فی فصول العمادی وعلی قیاس المسألۃ المتقدمۃ وھی ان لایمنع صاحب الساحۃ من ان یفتح صاحب العلو کوۃ

فصول عمادی میں فرمایا، پہلے مسئلہ پر قیاس کے طور اور وہ یہ کہ صحن والا بالاخانے والے کو روشندان اور کھڑکی نکالنے سے منع نہیں کرسکتا

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاء مسائل شتّٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۳/۷ - ۳۴

ینبغی ان یقال فی ھذہ لیس للجار حق المنع من الصعود وان کان بصرہ یقع فی دار جارہ الاتری ان محمدا رحمہ اللہ تعالٰی لم یجعل لصاحب الساحۃ حق منع صاحب البناء عن فتح الکوۃ فی علوہ مع ان بصرہ یقع فی الساحۃ۔[1]

اس بنا پر یہ حکم مناسب ہے کہ پڑوسی کو یہ حق نہیں کہ دوسرے کو اپنے مکان پر چڑھنے سے منع کرے اگرچہ چھت پر جانے سے پڑوسی کے گھر نظر پڑتی ہو، آپ دیکھتے نہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے صحن والے کو حق نہیں دیا کہ وہ بالاخانہ والے کو کھڑکی نکالنے سے منع کرے حالانکہ ظاہر ہے کہ اوپر کھڑکی سے صحن میں نظر پڑتی ہے۔ (ت)

کتاب الحیطان امام حسام شہید و بحر الرائق وخلاصہ و وجیز کردری و انقرویہ وغیرہا میں ہے:

لوفتح صاحب البناء فی علو بنائہ بابا او کوۃ لایلی صاحب الساحۃ منعہ بل لہ ان یبنی مایستر جھتہ۔[2]

اگر عمارت والا اپنے بالاخانے سے کھڑکی یا دروازہ نکالے تو صحن والے کو حق نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ اپنی طرف کوئی پردہ لگائے۔ (ت)

ارباب الفتوٰی میں ہے:

رجل وکل وکیلا عن زوجتہ باع لہا قطعۃ ارض لجارہ لہ ان یفتح طیاقا مطلۃ علی حوش الموکلۃ المذکورۃ ولیس لہا ان تمنعہ فان استضرت منہ تبنی جدارا فی ارضہا اھ ملخصا۔[3]

ایک شخص نے اپنی بیوی کی طرف سے وکیل بنایا تاکہ بیوی کی زمین کا کچھ حصہ پڑوسی کو فروخت کرے، اگر پڑوسی نے وہاں سے کھڑکی نکالی جس سے مؤکلہ عورت کی چاردیواری میں نظر پڑتی ہو تو عورت اسے منع کرنے کا حق نہیں رکھتی اگر وہ اس سے ضرر محسوس کرتی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی زمین میں پردہ کے لئے دیوار بنالے اھ (ت)

ان کے حکم سے بھی بکر کو کچھ اختیار دعوٰی نہیں۔ رہا قول مضمرات وغیرہا جس میں اس صورت کو داخل فتوائے متاخرین مانا اور بیشک ہمارے بلاد میں یہی اوفق وارفق ہے اس قول پر بھی بکر کو اصلا راہ دعوٰی نہیں کہ جب ان پر جست کے سائبان جڑوادئے جن کے بعد صرف سڑک کا سامنا رہا تو ضرر کثیر فاحش درکنار

---

[1] فتح القدیر مسائل منثورۃ من کتاب القضاء مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۵

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب القضاء مسائل الحیطان ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۹۶
فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الحیطان الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۱۴

[3] ارباب الفتوٰی

سرے سے بکر کا ضرر ہی نہ رہا اُس قول میں یہ ہے کہ:

اذا کانت الکوۃ لنظر وکانت الساحۃ محل الجلوس للنساء یمنع وعلیہ الفتوی۔

اگر کھڑکی دیکھنے کی غرض سے بنائی اور پڑوسی عورتوں کی نشست گاہ صرف وہی صحن والا برآمدہ ہے تو اس صورت میں کھڑکی بنانے سے منع کیا جائے گا اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)۔

یہاں وہ کہ نظر آتا ہے محل جلوس زنان نہیں سڑک ہے اور وہ کہ محل جلوس زنان ہے نظر نہیں آتا تو نہ دریچہ دریچۂ نظر ہوا نہ محل محلِ نساء۔ عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی رجل لہ طبقۃ فی دارہ لھا ثلاث شبابیك مطلات علی الشارع فقط فقام رجل من اھل المحلۃ یعارضہ فی اعادۃ الشبابیك المذکورۃ فھل لیس لہ معارضۃ فی ذلك الجواب نعم[1]۔

سوال ہُوا کہ ایک شخص کی حویلی میں اس کا بالاخانہ ہے جس میں تین کھڑکیاں ہیں جن سے صرف سڑک پر نظر پڑتی ہے تو اہل محلہ میں سے ایک شخص اٹھ کر مذکورہ کھڑکیوں پر اعتراض کرے تو کیا اس معترض کو حق اعتراض تو نہیں؟ الجواب ہاں اسے حق نہیں ہے۔ (ت)

بالجملہ صورتِ مسئولہ میں دعوی بکر ہمارے ائمہ متقدمین وعلمائے متاخرین کسی کے قول پر اصلاً قابلِ سماعت نہیں نیز بیانِ مذکور سے ظاہر ہوا کہ اس حالت میں اس کا انسداد چاہنا شرط چہارم سے مردود ہے کہ ضرر ممکن التحرز تھا اور اس کا چارہ کار عمرو نے کردیا جسے حسب بیان سائل بکر نے بھی قبول کیا اور تین سال تک اس پر راضی رہا اور یہ گمان کہ اگرچہ سائبان قبضوں سے جڑ دئے گئے مگر قبضے اکھڑوا سکتے ہیں اور ایسا کیا تو پھر بے پردگی ہوگی شرط سوم سے مردود ہے کھلے ہوئے طاقچے تک سیڑھی لگا کر چڑھ جانا آسان ہے یا جڑے ہوئے قبضے اکھیڑ کر سائبان اٹھا دینا جب اس صورت کا احتمال قریب مسموع نہ ہوا یہ احتمال بعید کیونکر مسموع ہوسکے گا اور اگر ایسے مہمل احتمالات مان لئے جائیں تو دریچے مٹی یا چوکوں سے بند کردینا کیا نافع ہوگا جو مضبوط جڑے ہوئے قبضے اکھیڑ کر سائبان اٹھا دیگا کیا وہ مٹی کی چھاپ میں روزن نہیں کرسکتا یا ایک آدھ چوکا نہیں نکال سکتا بلکہ غالباً یہ اس سے آسان تر ہوگا تو دعوی انسداد محض تعنت ہوا اور متعنت کا دعوی مسموع نہیں ہوسکتا یہ توحکم ہے، رہا بکر کا وہم اس کا علاج اور نیز اس سے زیادہ استحکام کے سوال کا جواب وہی ہے جو

---

[1] العقود الدریہ کتاب القضاء باب الحبس مسائل شتی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۳۰

محررِ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الاصل میں باب قسمۃ الدار سے کچھ پہلے فرمایا:

لو فتح صاحب البناء فی علوبنائہ بابا لم یکن لصاحب الساحۃ منعہ ولصاحب الساحۃ ان یبنی فی ملکہ مایسترہ[1]

اگر عمارت والا اپنی عمارت کے بالائی حصہ میں دروازہ بنائے تو صحن والے کو منع کا حق نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ اپنی ملکیت میں پردے کا انتظام کرے۔ (ت)

یعنی عمرو کو اجازت دی جائے کہ اپنے دریچوں پر سے سائبان بالکل اتار کر دریچے پورے کھول دے اور بکر سے کہا جائے کہ تو اپنے مکان کا پردہ بنالے کہ عمرو کو اس پر اینٹیں نکال کر جھانکنے کا قابو نہ ہوگا اور بے پردگی کا وہم جاتا رہے گا اور اگر اب بھی اندیشہ ہو کہ بکر نے اپنی دیوار اونچی کی تو عمرو اپنے مکان کو سہ منزلہ کرکے اس میں دریچے نکالے گا اور پھر بے پردگی ہوگی تو قاطع ہر گونہ وہم یہ ہے کہ بکر اپنے صحن پر جست کی چادریں ڈال کر پاٹ لے کہ پھر عمرو تو عمرو آسمان کی نظر سے بھی تحفظ ہوجائے گا ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰینا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتح القدیر بحوالہ الاصل قبیل باب قسمۃ الدار مسائل شتی من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۴

رسالہ

الھبۃ الاحمدیۃ فی الولایۃ الشرعیۃ والعرفیۃ
۱۳۳۳ھ

(شرعی اور عرفی ولایت کے بارے میں احمدی ہبہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱۴: از گوالڑہ ضلع راولپنڈی مرسلہ قاری عبدالرحمٰن صاحب ۷ رجمادی الاخرہ ۱۳۳۳ھ

جناب عالی مدظلہ العالی ان دونوں فتووں کی نسبت جناب کی کیا رائے ہے یعنی واقعی غیر مسلم مسلمانوں کا قاضی ہوسکتا ہے جیسا کہ مفتی عبداللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے، والتسلیم (نقل فتوٰی مطبوعہ[ع] مستشار العلماء)

ع مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی سید عبدالسلام، ۲۹ رجون جمع کردہ لطف الرحمٰن ساکن کرنال متعلق ابطال وقف نواب عظمت علی خاں جاگیردار کرنال جن کو ڈپٹی کمشنر کرنال نے بحیثیت جج دیوانی حکماً مجبور کردیا تھا اس کے بعد انھوں نے وقفنامہ مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۰۸ء رجسٹری شدہ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۸ء لکھا اس فتوے میں یہ ثبوت دینا چاہا ہے کہ جج انگریز قاضی شرع ہے اور اس کے احکام مثل قاضی شرع مثبت احکام شرعیہ ہیں اس کے ساتھ دوسرا فتوٰی اسی مستشار العلماء کا چھپا ہے کہ جب جج قاضی شرع ہے اور قاضی کا حجر جائز تو عظمت علی خاں مجبور ہوگئے اور وقف باطل ہے ۱۲۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے حنفیہ اس بات میں کہ ہندوستان میں جج عدالت دیوانی کا جو انگریز ہو شرع محمدی کے بموجب قاضی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حنفی مذہب کی رُو سے ملک ہندوستان کی موجودہ حالت میں دیوانی عدالت کا جج مسلم بمنزلہ شرعی قاضی کے ہے اور اس کے فیصلے اسی طرح شرعاً قابل نفاذ ہوں گے جس طرح ایک مسلمان قاضی کے ہوسکتے ہیں بشرطیکہ وہ فیصلے مذہب اسلام کے مطابق اور شریعت محمدی کے موافق ہوں۔

ثبوت: حنفی مذہب کی کتابوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا منصبی فرض اور بحیثیت قاضی ہونے کے اس کا اصلی کام یہ ہے کہ وہ بذریعہ اس طاقت اور قوت کے جو بادشاہ کی طرف سے اسے حاصل ہو عام اس سے کہ وہ بادشاہ مسلم ہو یا غیر مسلم، حقدار کی حق رسی کردے جبکہ اس کا حقدار ہونا اسلامی احکام اور شرعی قوانین کے مطابق ثابت ہو پھر یہ ثبوت قاضی کو خود اپنے علم سے حاصل ہو یعنی جبکہ وہ خود اسلامی مسائل اور شرعی احکام سے پورا واقف ہو یا یہ بات بذریعہ کسی لائق مفتی کے فتوی دینے کے اسے حاصل ہو یعنی جبکہ وہ خود اسلامی مسائل اور شرعی احکام سے واقف نہ ہو۔ شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی فرماتے ہیں:

فالصحیح ان اھلیۃ الاجتھاد شرط الاولویۃ فاما تقلید الجاھل فصحیح عندنا خلافا للشافعی رحمہ اللہ وھو یقول ان الامر بالقضاء یستدعی القدرۃ علیہ ولا قدرۃ دون العلم ولنا انہ یمکنہ ان یقضی بفتوی غیرہ ومقصود القضاء یحصل بہ وھو ایصال الحق الی مستحقہ۔ ھدایۃ[1] ج ۶ ص ۳۶۰۔

تو صحیح یہ ہے کہ اجتہاد کی شرط اولٰی ہونے کی ہے لیکن جاہل کا تقرر تو ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں قضاء کا معاملہ اس قدرت کا متقاضی ہے جبکہ علم کے بغیر قدرت اس پر نہیں ہوسکتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جاہل کو دوسرے کے فتوی پر عمل ممکن ہے اور قضاء کا مقصد اس سے حاصل ہوجاتا ہے اور وہ حقدار کو حق دینا ہے۔ ہدایہ ج ۶ ص ۳۶۰ (ت)

محقق شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں:

وقد اختلف فی قضاء الفاسق فاکثر الائمۃ علی انہ لا تصح ولایتہ کالشافعی

فاسق کی قضا میں اختلاف ہے اکثر ائمہ کرام کی رائے ہے کہ یہ صحیح نہیں مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ

---

[1] الہدایہ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۲

وغیرہ کما لا تقبل شہادتہ، وعن علمائنا الثلاثۃ فی النوادر مثلہ لکن الغزالی قال اجتماع ھذہ الشروط من العدالۃ والاجتہاد وغیرھما متعذر فی عصرنا لخلو العصر عن المجتہد والعدل فالوجہ تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شوکۃ وان کان جاھلا فاسقا وھو ظاھر المذھب عندنا، فلو قلد الجاھل الفاسق صح ویحکم بفتوی غیرہ - فتح القدیر[1] جلد ۶ ص ۳۵۷ -

وغیرہ فرماتے ہیں کہ جس طرح فاسق کی شہادت قابلِ قبول نہیں اسی طرح اس کی ولایت بھی صحیح نہیں ہے اور ہمارے تینوں ائمہ کا نوادر میں یہی قول ہے لیکن غزالی نے فرمایا کہ عدالت، اجتہاد اور دیگر شرائط کا جمع ہونا ہمارے زمانہ میں دشوار ہے کیونکہ یہ زمانہ عدل واجتہاد سے خالی ہے تو صحیح طور یہ ہے کہ صاحبِ شوکت سلطان جس کو بھی ولایت سونپ دے اس کی قضاء نافذ ہو گی اگرچہ وہ جاہل فاسق ہو اور ہمارا ظاہر مذہب یہی ہے تو اگر وہ سلطان، جاہل فاسق کا تقرر کر دے تو صحیح ہوگا اور وہ قاضی دوسرے کے فتوے پر فیصلے دے گا۔ فتح القدیر جلد ۶ ص ۳۵۷۔ (ت)

نیز محقق موصوف فرماتے ہیں:

فالصحیح انہا لیست شرطا للولایۃ بل للاولویۃ فاما تقلید الجاھل فصحیح عندنا ویحکم بفتوی غیرہ خلافا للشافعی ومالک واحمد وقولھم روایۃ عن علمائنا نص محمد فی الاصل ان المقلد لا یجوز ان یکون قاضیا ولکن المختار خلافہ قالوا القضاء یستدعی القدرۃ علیہ ولا قدرۃ بدون العلم قلنا یمکنہ القضاء بفتوی غیرہ ومقصود القضاء و

توصحیح یہ ہے کہ اجتہاد ولایت کی شرط نہیں ہے بلکہ اولیٰ ہونے کی شرط ہے لیکن جاہل کا تقرر تو ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے اور غیر کے فتوے پر فیصلے دے گا۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالٰی کا موقف اس کے خلاف ہے اور ہمارے ائمہ سے بھی یہ قول مروی ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل (مبسوط) میں اس پر نص فرمائی ہے کہ کوئی مقلد قاضی نہیں بن سکتا لیکن مختار اس کے خلاف ہے، ائمہ فرماتے ہیں کہ قضا کا منصب اس پر قدرت کا متقاضی ہے جبکہ علم کے بغیر قدرت نہیں ہوتی، ہمارا جواب یہ ہے کہ بے علم

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۵۷

هو ایصال الحق الی مستحقه و دفع الظلم یحصل به فاشتراطه ضائع۔ فتح القدیر[1] جلد ۶ ص ۳۵۹۔

دوسرے کے فتوی پر فیصلے دینا ممکن ہے جبکہ قضاء کا مقصد صرف مستحق کو حق عطا کرنا اور ظلم کا دفاع کرنا ہے اور وہ اس طریقہ سے حاصل ہوسکتا ہے لہذا اجتہاد کی شرط بے مقصد ہے۔ فتح القدیر جلد ۶ ص ۳۵۹۔ (ت)

کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

ویکون من اهل الاجتهاد والصحیح ان اهلیة الاجتهاد شرط الاولویة کذا فی الهدایة حتی لو قلد جاهل وقضی هذا الجاهل بفتوی غیره یجوز کذا فی الملتقط[2]۔ جلد ۳ ص ۳۰۷۔

قاضی اہل اجتہاد سے ہو جبکہ صحیح یہ ہے کہ اجتہاد کی شرط صرف اولی ہونے کے لئے ہے۔ ہدایہ میں ایسے ہے حتی کہ اگر جاہل کا تقرر کیا گیا اور وہ دوسروں کے فتوی پر فیصلے دے تو جائز ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔ جلد ۳ ص ۳۰۷ (ت)

عبدالرحمن آفندی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں فرماتے ہیں:

وفی الشمنی اجتماع هذه الشرائط من الاجتهاد والعدالة وغیرها متعذر فی عصرنا لخلو العصر عن المجتهد والعدل فالوجه تنفیذ قضاء کل من ولاه سلطان ذو شوکة وان کان جاهلا فاسقا[3]۔ جلد ۲ ص ۱۵۱۔

شمنی میں ہے کہ اجتہاد، عدالت وغیرہ کی شرائط کا جمع ہونا ہمارے زمانہ میں دشوار ہے کیونکہ یہ زمانہ اجتہاد اور عدل سے خالی ہے، تو صحیح وجہ یہ ہے کہ جس کو بھی صاحب شوکت سلطان قاضی مقرر کرے اس کی قضاء نافذ ہوگی خواہ وہ فاسق جاہل ہی کیوں نہ ہو۔ جلد ۲ ص ۱۵۱ (ت)

علامہ ابن عابدین کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

قوله والفاسق اهلها سیأتی بیان الفسق والعدالة فی الشهادات وافصح بهذه الجملة دفعا للتوهم من

ماتن کا قول کہ فاسق قضا کا اہل ہے تو شہادات کے بیان میں فسق اور عدالت کی بحث آئے گی، ماتن نے یہ قول یہاں اس لئے بیان کیا تاکہ ان لوگوں کا

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۰-۳۵۹

[2] فتاوی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ کراچی ۳/ ۳۰۷

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۵۱

قال ان الفاسق لیس باھل للقضاء فلا یصح قضاؤہ لانہ لایؤمن علیہ لفسقہ وھو قول الثلاثۃ واختارہ الطحاوی، قال العینی وینبغی ان یفتی بہ خصوصا فی ھذا الزمان اھ اقول لواعتبر ھذا لانسد باب القضاء خصوصا فی زماننا فلذا کان ماجری علیہ المصنف ھو الاصح کذا فی الخلاصۃ وھو اصح الاقاویل کما فی العمادیۃ نہر[1] جلد ۴ ص ۳۳۰ -

توہم ختم ہو جو یہ کہتے ہیں کہ فاسق قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہذا اس کی قضا صحیح نہیں ہے کیونکہ فسق کی وجہ سے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا یہ قول تینوں اماموں کا ہے جسے طحاوی نے اختیار کیا ہے، امام عینی نے فرمایا اس قول پر فتوٰی مناسب ہے خصوصاً موجودہ زمانہ میں، اھ، میں کہتا ہوں کہ اگر اس قول کا اعتبار کیا گیا تو پھر قضا کا دروازہ بند ہوجائے گا خصوصاً ہمارے اس زمانہ میں، لہذا مصنف جس قول پر قائم ہے وہی اصح ہے، خلاصہ میں ایسے ہے اور یہ سب سے اصح قول ہے جیسا کہ عمادیہ میں ہے نہر۔ جلد ۴ ص ۳۳۰ (ت)

نیز علامہ موصوف فرماتے ہیں:

قال فی البحر وبہ علم ان تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضاؤہ علی المسلم حال کفرہ اھ وھذا توجیہ لروایۃ صحۃ التولیۃ اخذ من کون الفتوی علی انہ لاینعزل بالردۃ خلافا لما مشی علیہ المصنف فی باب التحکیم من روایۃ عدم الصحۃ وفی الفتح قلد عبد فعتق جاز قضاؤہ بتلک الولایۃ بلاحاجۃ الی تجدید بخلاف تولیۃ صبی فادرک، ولو قلد کافر فاسلم قال

بحر میں فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ کافر کا تقرر صحیح ہے اگرچہ اس کے کفر کی بناء پر مسلمان پر اس کی قضا صحیح نہ ہوگی اھ، اور یہ اس روایت کی ترجیح قرار پائے گی جس میں کافر کی تولیت کو صحیح کہا گیا ہے یہ اس فتوٰی سے ماخوذ ہے جس میں یہ ہے کہ قاضی کے مرتد ہوجانے پر وہ معزول متصور نہ ہوگا، یہ مصنف کے عدم جواز والے موقف کے خلاف ہے جس کو انہوں نے تحکیم کے باب میں بیان کیا ہے اور فتح میں ہے کہ جب غلام کا تقرر ہوا ہو اور وہ آزاد ہوگیا تو اسی پہلی تقرری پر ہی اس کی قضا جائز ہوگی نئی تقرری کی ضرورت نہیں اس کے برخلاف جب بچے کی تقرری ہوئی اس کے بعد وہ بالغ ہوجائے،

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۹۹

محمد ھو علی قضائہ فصار الکافر کالعبد والفرق ان کلا منھما لہ ولایۃ وبہ مانع وبالعتق والاسلام یرتفع، اما الصبی فلا ولایۃ لہ اصلا۔ ردالمحتار[1] جلد ۴ صفحہ ۳۲۹۔

اگر کافر کی تقرری ہوئی پھر وہ مسلمان ہوجائے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ وہ پہلی تقرری ہی قضاء کرے گا تو یوں کافر عبد کی طرح حکم پائے گا، اور ان دونوں اور بچے میں فرق یہ ہوگا کہ یہ دونوں ولایت کے اہل تھے لیکن ان کا کفر اور غلام ہونا عمل قضا سے مانع تھا اور اب وہ ختم ہوگیا ہے لیکن نابالغ ولایت کا اہل ہی نہیں تھا اس لئے بلوغ کے بعد دوبارہ تقرری ضروری ہے۔ (ت)

نیز فرماتے ہیں:

فی الخانیۃ اجمعوا انہ اذا ارتشی لاینفذ قضاؤہ فیما ارتشی فیہ اھ قلت حکایۃ الاجماع منقوضۃ بما اختارہ البزدوی واستحسنہ فی الفتح وینبغی اعتمادہ للضرورۃ فی ھذا الزمان والا بطلت جمیع القضایا الواقعۃ الاٰن لانہ لا تخلو قضیۃ عن اخذ القاضی الرشوۃ المسماۃ بالمحصول قبل الحکم او بعدہ فیلزم تعطیل الاحکام وقد مر عن صاحب النھر فی ترجیح ان الفاسق اھل للقضاء انہ لو اعتبر العدالۃ لانسد باب القضاء فکذا یقال ھٰھنا[2]۔ ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۳۵۔

خانیہ میں ہے کہ فقہائے نے بالاجماع فرمایا کہ قاضی نے جس کیس میں رشوت لی ہے اس میں اس کی قضاء نافذ نہ ہوگی، میں کہتا ہوں یہ اجماع امام بزدوی کے مختار اس قول سے جس کو فتح میں مستحسن قرار دیا اور (فی زمانہ ضرورت کی بنا پر اس پر اعتماد مناسب ہے) سے ٹوٹ جائیگا ورنہ اجماع کے پیش نظر آج تمام فیصلے باطل ہوجائیں گے کیونکہ کوئی کیس بھی قاضی کے اس عنوان کی رشوت جس کو وہ محصول کہتے ہیں، سے خالی نہیں ہے جس کو وہ فیصلہ سے قبل یا بعد وصول کرلیتے ہیں اس تمام فیصلے کا معطل ہونا لازم آئے گا جبکہ صاحبِ نہر کی یہ روایت گزرچکی ہے جس میں انہوں نے فاسق کی اہلیت قضاء کو ترجیح دی اور کہا ہے کہ اگر عدالت کا اعتبار کیا جائے تو پھر قضاء کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا، یہاں یہی کہا جاسکتا ہے (ت)

علامہ جمال الدین زیلعی بجواب امام شافعی رحمۃ اللہ جن کے نزدیک جاہل کی قضاء درست نہیں ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۸

[2] " " " " ۴/ ۳۰۴

فرماتے ہیں :

ولنا ان المقصود ایصال الحق الی المستحق وھو یحصل بالعمل بفتوی غیرہ ۔ تبیین[1] الحقائق ج ۴ ص ۱۷۶ ۔	ہماری دلیل یہ ہے کہ قضاء سے مقصود یہ ہے کہ مستحق کو اس کا حق دلایا جائے تو غیر کے فتوی پر عمل سے یہ حاصل ہوجاتا ہے ۔ تبیین الحقائق ج ۴ ص ۱۷۶ ۔ (ت)

شیخ الاسلام علاء الدین خفصکی[عہ] درمختار میں فرماتے ہیں :

ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم[2] جلد ۴ ص ۳۳۹ ۔	مسکین وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ سلطان عادل ہو یا ظالم ہو بلکہ کافر بھی ہو تو اس کی طرف سے قاضی کی تقرری جائز ہے مگر وہ جب قاضی کو حق پر فیصلہ سے منع کرتا ہو تو پھر تقرری حرام ہوگی ۔ جلد ۴ ص ۳۳۹ ۔ (ت)

علامہ شامی کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں :

قولہ ولو کافرا فی التتارخانیۃ الاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد[3] ۔ ج ۴ ص ۳۳۹ ۔	ماتن کا قول "اگرچہ کافر ہو" تاتارخانیہ میں ہے کہ قاضی کی تقرری کرنے والے سلطان کیلئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے ۔ ج ۴ ص ۳۳۹ ۔ (ت)

روایت مندرجہ بالا میں سے روایت نمبر ۱ و ۳ و ۸ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا فرض منصبی یہی ہے کہ حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے رفع ظلم کردے جس کے لئے نہ اس کے عالم ہونے کی ضرورت ہے اور نہ مفتی پرہیزگار ہونے کی ، اگر خود عالم ہو تو خیر ' ورنہ دوسرے کے فتویٰ دینے سے اپنے اس غرض کو پورا کرے گا اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا طاقت کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے جو بادشاہ وقت کا عطیہ ہوا ' روایت نمبر ۵ ' ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی میں علم اور اتقا کی شرط اس لئے چھوڑ دی گئی ہے کہ ایسے قاضی کا ملنا جو عالم ہو اور علم کے ساتھ اتقا بھی رکھتا ہو مشکل اور سخت مشکل ہے ، روایت نمبر ۶ ' ۸

عہ صحیح حصکفی ہے حصن کیفا کی طرف نسبت ۱۲ ۔

---

[1] تبیین الحقائق	کتاب القضاء	المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر	۴/۱۷۶
[2] درمختار	"	مطبع مجتبائی دہلی	۲/۷۳
[3] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۴/۳۰۸

سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم اور اتقا کی شرط مان لی جائے تو فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، روایت نمبر ۹ سے بالخصوص یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رشوت لے کر فیصلہ کیا ہوا باوجود بالاجماع باطل ہونے کے متاخرین نے اس لئے جائز اور نافذ مان لیا ہے کہ ایسا نہ کرنے میں فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہوا جاتا ہے کیونکہ قاضی غیر مرتشی کا وجود ہی عنقا ہے، روایت نمبر ۱۰، ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا کا عہدہ اور اس کے اختیارات دینے کے لئے دینے والے بادشاہ کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ روایت نمبر ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم میں قاضی ہونے کی کافی لیاقت ہے اگرچہ مسلمانوں پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوتے، جب روایات مندرجہ بالا سے معلوم ہو گیا کہ قاضی کے لئے علم اور پرہیزگاری کی شرط کو فقہائے متاخرین نے اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ اس کے ماننے سے فیصلوں کا دروازہ بند ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ ملک ہندوستان میں اسلام کی شرط ماننے سے بھی فیصلوں کا دروازہ بند ہو جائیگا اور مسلمانوں کے لئے یا کم از کم اسی جگہ کے مسلمانوں کے لئے جہاں کا قاضی (جج) مسلمان نہ ہو حق رسی کی کوئی صورت نہیں رہے گی کیونکہ گورنمنٹ کو تمام اہلِ مذاہب سے یکساں تعلق ہے اور اس لئے مسلمان قاضی مقرر کرنے کی پابندی نہیں ہو سکتی تو جس جگہ کا قاضی مسلمان نہ ہوگا وہاں یہ مشکل ضرور پیدا ہوگی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حقدار کی حق رسی کی طاقت اور اس کا عمل میں لانا جو منصبِ قضا کا اصل مقصود ہے جس طرح ایک مسلمان سے باوجود عالم پرہیزگار نہ ہونے کے ممکن ہے اسی طرح ایک غیر مسلم قاضی سے بھی ممکن ہے، لہٰذا اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ہر جگہ مسلمان قاضی کا ملنا متعذر اور سخت مشکل ہے نیز اس بات کو کہ قضا کی اصل غرض ایصالِ حق کے حاصل ہونے مسلم اور غیر مسلم دونوں یکساں ہیں، شرعاً یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ملک ہندوستان میں دیوانی عدالت کا جج بموجب شرع محمدی کے قاضی ہو سکتا ہے عام اس سے کہ وہ مسلم یا غیر مسلم اور مسلم ہونے کی شرط کا اسی ملک تک محدود ہونا ضروری ہے جہاں اسلامی گورنمنٹ ہو، ھذا ما استقر علیہ رائی (یہ وہ ہے جس پر میری رائے ٹھہری۔ ت) واللہ بالصواب۔

کتبہ العبد المذنب المفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجیب مصیب	صح الجواب	الجواب صحیح
احمد علی عفی عنہ	محمد حسن عفی عنہ	محمد اکرام الحق
الجواب صحیح	الجواب نعم الجواب	الجواب صحیح
محمد عمر خاں عفی عنہ	محمد یار عفی عنہ امام مسجد طلائی لاہور لقلمہ	غلام رسول مدرس مدرسہ حمیدیہ

قد اصاب من اجاب محمد عالم مدرس مدرسہ حمیدیہ

اس زمانے میں جج کو بشرطیکہ وہ موافق شرع کے حکم دے بضرورت قاضی کا حکم دیا جا سکتا ہے۔

محمد لطف اللہ مہر سابق مفتی حیدرآباد دکن ساکن علیگڑھ ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء

الجواب صحیح محمد امانت اللہ عفراللہ مدرس مدرسہ اسلامیہ علی گڈھ ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء

اظنه صحیحا ولعل الله یحدث بعد ذلك امرًا (میرے گمان میں صحیح ہے ہوسکتا ہے اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی صورت پیدا فرمائے۔ ت) الفقیر محمد ابراہیم عفی عنہ نمبردار کرنال و قاضی تحصیل کرنال بعلم خود ۲۷ جون ۱۹۱۲ء

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ لاولی سواہ والصلوٰۃ والسلام عدد العلم والکلم علی الاولی بالمؤمنین من انفسھم وعلٰی اٰلہ وصحبہ واولیائہ وحزبہ اجمعین اٰمین!

بسم اللہ الرحمن الرحیم، سب تعریفیں اللہ تعالٰی کیلئے جس کے سوا کوئی مددگار نہیں، اور علم اور کلمات کی تعداد برابر صلوٰۃ و سلام ہو اس ذاتِ گرامی پر جو مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے قریب ہے اور آپ کی آل واصحاب و اولیاء اور جماعت سب پر، آمین! (ت)

مولٰنا! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ فقیر ان فتووں کی نسبت اس سے بہتر کیا کہہ سکتا ہے جو حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث ذیل میں ارشاد فرمایا:

اذا وسد الامر الٰی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جس وقت امور نااہلوں کے حوالے کئے جانے لگیں گے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس کو بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

یہ فتوے محض اجتہاد پر مبنی ہیں اور اجتہاد بھی وہ جو آج تک ابوحنیفہ و شافعی درکنار ابوبکر صدیق و عمر فاروق کو بھی میسر نہ ہوا نہ ہوسکتا تھا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین یعنی نص قطعی قرآن عظیم کے مقابل بے اصل و محض جامع قیاس بے اساس، نسأل الله العفو والعافیة (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ ت) تحقیق حق کے لئے تمہید چند مقامات سود مند، **فاقول** و باللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) **مقدمہ اولٰی** حقیقت امر یہ ہے کہ ولایت مجبرہ جس کی تعریف ہے تنفیذ القول علی غیرہ شاء اوابی (دوسرے پر اپنا قول نافذ کرنا

---

[۱] صحیح البخاری کتاب العلم باب من سئل علماء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴

وہ مانے یا نہ مانے۔ت) دو قسم ہے عرفیہ دنیویہ کہ بادشاہ کو رعایا حکام کو محکومین پر ہوتی ہے اسی کے سبب سلاطین کو والیانِ ملک کہا جاتا ہے[1] اور شرعیہ دینیہ کو حقیقۃً اللہ عزوجل پھر اس کی عطا سے اس کے رسول اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہے وبس، جس کی حقیقت ذاتیہ کا بیان اس آیہ کریمہ میں ہے: مالھم من دونہ من ولی[2] (اللہ تعالٰی کے سوا ان کا کوئی ولی نہیں۔ت) اور حقیقت عطائیہ کا بیان اس آیہ کریمہ میں النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم[3] (نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے قریب ہیں۔ت) اور دونوں کا جمع اس آیہ کریمہ میں:

وماکان لمؤمن ولامؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلٰلا مبینا[4]۔

مومن مرد یا عورت کسی کو اپنا اختیار نہیں ہے جب اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی معاملہ کا فیصلہ فرمادیں اور جو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی کا مرتکب ہوگا۔(ت)

پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تفویض و انابت سے اُسے ہے جسے اُنھوں نے جتنی بات میں اپنی ولایت اصلیہ سے اختیار ظلی عطا فرمایا ماذون مطلق کو مطلق اور ماذون امر خاص کو اس امر خاص میں جس کا بیان کریمہ الذی بیدہ عقدۃ النکاح[5] (وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ت) اور کریمہ واسمعوا اطیعوا[6] (سنو اور اطاعت کرو۔ت) میں ہے اور ان انواع ثلثہ یعنی ذاتیہ و عطائیہ و ظلیہ کا اجتماع اس کریمہ میں اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم[7] (اللہ تعالٰی کی اطاعت کرو اور اس کے رسول صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور اولی الامر کی۔ت) **اقول** یہی سر ہے کہ نوع دوم پر اطیعوا مکرر آیا کہ ذاتیہ و عطائیہ دو حقیقتیں ہیں اور نوع سوم کو اسی اطیعوا دوم کے نیچے مندرج فرمایا کہ ظل، اصل سے جدا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

مقدمہ دوم: دونوں ولایتوں میں بحسب مناشی و نتائج و لوازم و مقاصد جو فرق ہیں ان کی بہت تعبیرات ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/۲۶
[2] القرآن الکریم ۳۳/۶
[3] " ۳۳/۳۶
[4] " ۲/۲۳۷
[5] " ۶۴/۱۶
[6] " ۴/۵۹

(۱) ولایت عرفیہ غلبہ واستیلاء سے حاصل ہوتی ہے اور شرعیہ بعطائے شرع۔
(۲) عرفیہ ملکی مسئلہ ہے اور شرعیہ مذہبی ودینی۔
(۳) عرفیہ مقصد سلاطین ہے اور شرعیہ مقصود خاص دین۔
(۴) عرفیہ عالم اسباب میں احکام تکوینیہ الٰہیہ کا آلہ ہے یعنی کن لاتکن یہ امر واقع ہو یہ نہ ہو،
اور شرعیہ احکام تشریعیۂ الٰہیہ کا مثلاً کن مکن (یہ کرو یہ نہ کرو)۔
(۵) عرفیہ تصرفات کے ثمرات حسیہ کی مثمر ہوتی ہے اور شرعیہ معانی دینیہ کی۔
(۶) عرفیہ سے شے غیر موجود موجود ہو جاتی ہے اور شرعیہ سے حکم شرعی غیر حاصل حاصل۔
(۷) عرفیہ دنیا میں مؤثر ہے اور شرعیہ عقبیٰ میں معتبر۔
(۸) عرفیہ کی نافرمانی قوانین سلاطین کی خلاف ورزی ہے اور شرعیہ کی ناحفاظی اللہ عزوجل کی معصیت۔
(۹) عرفیہ کا لحاظ عام ہے کہ بادشاہ کی ہر رعیت پر ہے مسلم ہو یا کافر، اور شرعیہ کا لحاظ خاص کہ اس سے صرف مسلمانوں کو کام ہے۔
(۱۰) عرفیہ کا عمل خاص ہے کہ ہر بادشاہ کی قلمرو تک محدود اور شرعیہ کا عمل دنیائے اسلام پر عام ہے شرق میں ہو یا غرب میں۔

(۱۱) عرفیہ فوج وسپاہ وتیغ وسلاح کے سایہ میں ہے اور شرعیہ فقیر ومحتاج کو بھی بقدر عطا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظلی عطیہ، یہ تمام مضامین اور ان دونوں ولایتوں میں عموم وخصوص من وجہ ہونا اس مثال سے روشن، سلطان نے زید کی قاصرہ کا اپنے پسر سے نکاح کرلیا اور زید راضی نہیں اس نے انکار کردیا اس تصرف کے تمام ثمرات حسیہ دنیا میں مرتب ہوجائیں گے، شی غیر موجود موجود ہوجائے گی یعنی عورت کہ پہلے قبضہ میں نہ تھی اب آجائے گی دوسرا شخص مزاحمت پر قدرت نہ پائیگا مزاحمت کرے گا مستوجب غضب سلطانی وسزائے نافرمانی ہوگا، عورت مرجائیگی تو یہ بزعم زوجیت اس کا ترکہ لے گا پھر اگر بادشاہ نومسلم ہے تو اسے واقع میں بھی نکاح ومباح جانے گا اور اپنے تصرف کو صحیح وصاف مانے گا، یہ تمام امور احکام تکوینیہ الٰہیہ سے صادر ہوجائیں گے مگر احکامِ تشریعیہ کہ نکاح شرعی بولایت شرعیہ سے پیدا ہوتے اصلاً متحقق نہ ہونگے نہ وہ عورت اس کے لئے شرعاً حلال ہوگی نہ بعد مرگ ایک کو دوسرے کا مال وراثۃً جائز ہوگا کہ باپ کے سامنے سلطان کو دربارۂ نکاح ولایت شرعیہ نہ تھی تو نکاح نکاحِ فضولی ہوا اور ولی شرعی کے رد سے باطل ہوگیا،

لان الولایۃ الخاصۃ اقوی من کیونکہ خاص ولایت عام ولایت سے اقویٰ ہے

الولایۃ العامۃ[1] کما فی الاشباہ وغیرھا اقول یعنی الظلیۃ اما الاصلیۃ فما کان لظل ان یقاوم الاصل بل یضمحل دونہ ولذالو زوج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قاصرۃ رجلا من قاصر رجل تم النکاح ولزم ولم یکن لابویھما خیرۃ اصلا بل کذلک لو زوج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا عاقلا بالغا من امرأۃ کذا بدون رضاھما لزم النکاح ولم یکن لھما الخیرۃ من انفسھما کما نصوا علیہ وقد نطق بہ القرآن العزیز۔

جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) ولایت ظلیہ ایسے ہے لیکن ولایت اصلیہ، تو ظلیہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی بلکہ وہ اصلیہ کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہے اور اسی لئے اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی قاصرہ (نابالغہ ومجنونہ ولونڈی) کا نکاح کسی قاصر مرد سے کردیں تو ان کے والدین کو قطعًا کوئی اختیار نہ رہے گا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ نکاح لازم ونافذ ہوگا بلکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی عاقل بالغ مرد کا کسی عورت سے نکاح کردیں تو ایسے ہی لازم نافذ ہوگا اور اس مرد وعورت کو اپنے بارے میں کوئی اختیار نہ ہوگا جیسا کہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے اور قرآن پاک نے اس کو بیان کیا ہے (ت)

اور اگر زید نے اپنی قاصرہ کا نکاح عمرو سے کردیا اور سلطان کی ناراضی ہے اس نے حکمًا اس نکاح کو ناجائز رکھا اور رخصت سے روک دیا عند اللہ اس تصرف کے تمام معانی شرعیہ ترتیب پائیں گے عورت کہ اس کے لئے حلال نہ تھی حلال ہوگئی حکم غیر موجود شرعی ہوگیا دوسرا اگر بے افتراق بموت وطلاق اس سے نکاح کرے گا مستحق غضب جبار وسزائے نار ہوگا عورت مرجائے گی تو عمرو بحکم زوجیت اس کے ترکہ کا شرعًا بقدر حصہ مالک ہوگا، یہ تمام باتیں احکام تشریعیۃ الٰہیہ سے ثابت ہوجائیں گی مگر احکام تکوینیہ کو ولایت عرفیہ سے آتے اصلًا حاصل نہ ہوں گے نہ وہ عورت اس کے قبضہ میں آئے گی نہ یہ دعوی ارث کرسکے گا کہ سلطان کے سامنے باپ کو کیا اختیار، اور یہ نکاح کرائے سلطانی میں خلاف قانون تھا قانونًا باطل ہوچکا،

لان الولایۃ العامۃ املک من الولایۃ الخاصۃ فی الدنیا۔

کیونکہ ولایت عامہ دنیا میں ولایت خاصہ سے زیادہ قوی ہے (ت)

اسی قیاس پر صدہا صورتیں ہیں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ولایت عرفیہ میں تنفیذ سے مراد تحصیل ثمرات حسیہ دنیویہ ہے اگرچہ احکام شرعیہ حاصل نہ ہوں اور ولایت شرعیہ میں مراد اثبات معانی شرعیہ دینیہ ہے اگرچہ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۱

موانع صوریہ زائل نہ ہوں۔

مقدمہ سوم: دونوں ولایتوں کے جو فرق بیان ہوئے ان کا ملاحظہ ہر عاقل پر دو امر واضح کرے گا ایک یہ کہ ہر سلطنت کو اسلامی ہو یا غیر اسلامی اپنے ملک پر ولایت قسم اول ہوتی ہے دوسرے یہ کہ یہی ولایت مطمح نظر سلاطین ہے اسی میں منازعت ان کے نزدیک بادشاہ کی مخالفت قرار پاتی ہے، وہ یہی ولایت چاہتے ہیں کہ فوج ولشکر و تیغ و تبر کی لازم و ملزوم ہے نہ وہ کہ ہر فقیر مفلس بے زر بے پر کے لئے موسوم ہے ولایت قسم دوم کسی نامسلم سلطنت کو مقصود ہونا تو کوئی معنی ہی نہیں رکھتا کہ قصدًا اتباع شرع سے ناشئی ہے نامسلم کو مذہب اسلام کی کب پیروی ہے صدہا سال سے خود مسلمان بادشاہوں کا مقصد اصلی وہی ولایت عرفی ہے وہ اپنے حکم کا نفاذ چاہتے ہیں اگرچہ حکم شرعی نہ ہو جیسا کہ ہزاروں کارناموں سے واضح ہے تو کوئی نامسلم سلطنت کیونکر پابند ولایت شرعیہ ہوسکتی ہے ولایت قسم اول کہ مقصد سلاطین ہے بلاشبہہ ہندوستان میں گورنمنٹ انگلشیہ کو بلانزاع حاصل ہے جس میں کسی فریق کو خلاف نہیں اور خود گورنمنٹ کو اس قدر منظور ہے اس نے کبھی نہ کہا کہ مجھے ہر فریق کے دین و مذہب میں مداخلت ہے بلکہ اس کے خلاف ہمیشہ یہی اعلان کیا اور کرتی ہے کہ ہمیں کسی قوم کے دین و مذہب میں دست اندازی نہیں اور یقینًا ہر ایسی گورنمنٹ جسے اللہ تعالٰی نے عقل معاش بروجہ کمال اور ملکداری کا سلیقہ عنایت فرمائے اسے یہی شایاں ہے حکام و رعایا سب جانتے ہیں کہ گورنمنٹ والیِ ملک ہے اُس کا حکم یہاں نافذ ہے جو چیز وہ جسے دلائے مل جاتی ہے منع کردے رُک جاتی ہے رعیت اس کا حکم مانتی اور اس کا خلاف مضر جانتی ہے، یہ وہی وجود و عدم شئی کے ثمرات ہوئے کہ نتائج ولایت عرفیہ ہیں مگر ہرگز نہ حکام کا دعوی نہ رعایا کا خیال کہ گورنمنٹ کسی کے دین و مذہب میں دست اندازی و مداخلت رکھتی شریعت کے احکام غیر موجود موجود کردیتی یا کرنا چاہتی ہے۔ اب یہی دیکھئے کہ گورنمنٹ روزانہ سُود کی ڈگریاں دیتی ہے اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ مدعا علیہ اتنی رقم مدعی کو دے یہ ہرگز نہیں کہتی کہ مسلمان سود لینے دینے کو شرعًا حلال جانیں یا ڈگری کے سبب اس لینے والے کے لئے سود کو ازروئے شریعت اسلامیہ مباح جانیں، اسی طرح تمام احکام میں اسے اپنے ملک میں تعمیل حکم سے کام ہے اور اسی میں اس کی اطاعت ہے نہ یہ کہ ان احکام کو آخرت میں بھی بکار آمد سمجھو جو کام ولایت شرعیہ کا ہے اور قانون کو عین شریعت اسلامیہ مانو اس پر نہ وہ کسی کو مجبور کرتی ہے نہ اس سے اسے اصلًا بحث، تو بلاشبہہ گورنمنٹ والیِ ملک ہی بننا چاہتی ہے اور وہ ضرور والیِ ملک بااختیار ہے مگر کسی مذہب وملت کی والیِ دین بننا نہیں چاہتی نہ اس سے اسے سروکار ہے تو اس کے خلاف ٹھہرانا خود گورنمنٹ کے بارے میں غلط بیانی اور اس

کے خلاف منشا و اظہار ہے۔

مقدمہ چہارم: شریعتِ مطہرہ اسلامیہ علی صاحبہا وآلہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ نے ولایت عرفیہ کو جس سے آدمی والیِ ملک اور حاکم و بادشاہِ وقت ہوجاتا ہے اور رعایا کو اس کی پابندی لازم ہوتی ہے اس کے حال پر چھوڑا ہے، اسے مسلم نامسلم کسی سے خاص نہ فرمایا جس طرح وہ عرف میں کسی سے خاص نہیں اس لئے کہ وہ زیرِ اثر احکامِ تکوینیہ ہے جسے خدا دے اسے ملے اور شریعت کی بحث صرف احکامِ تشریعیہ سے ہے؛

قال اللہ تعالٰی قل اللھم ملک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء[1] — اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپ فرمادیجئے اے ملک کے مالک تُو جسے چاہے ملک عطا فرمائے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔ (ت)

اس من تشاء میں کوئی خصوصیت اسلام کی نہیں، ولہذا قرآن مجید نے زمانۂ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بادشاہِ مصر کو جابجا بلفظ ملک تعبیر فرمایا،

وقال الملک انی اری[2] وقال الملک ائتونی بہ[3] ماکان لیاخذ اخاہ فی دین الملک[4] — بادشاہ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں، بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ، بادشاہ کے دین میں بھائی کو پکڑنا جائز نہیں۔ (ت)

اور وہ غلط تعبیر سے پاک و منزہ ہے، یوں ہی حضرت بلقیس کو ان کے اسلام سے پہلے قول ہدہد میں بلفظ انی وجدت امرأۃ تملکھم[5] (میں نے ایک عورت کو ان کا بادشاہ پایا۔ ت) ذکر فرمایا اور وہ تقریر علی الغلط سے طاہر و مبرا ہے، تو ثابت ہوا کہ بادشاہ اگرچہ نامسلم ہو ضرور والیِ ملک اور ولایت قسم اول رکھتا ہے مگر مسلمان پر ولایت قسم دوم دینیہ شرعیہ جس سے مسلمان کے حق میں حکم غیر موجود شرعی مذہبًا موجود ہوجائے اور دینی حیثیت سے آخرت میں اس کے کام آئے صرف مسلمان کے ساتھ خاص فرمائی ہے اور کلمۂ حصر و تصریح نفی دونوں طور پر اسے صاف فرمادیا ہے کہ کسی کو مجال تاویل و ابدائے احتمال نہ رہے اول اس آیہ کریمہ میں انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا[6] (تمہارا ولی اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ ت) اور اس آیہ کریمہ میں ولن یجعل

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۲۶
[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۳
[3] ؍؍ ۱۲/ ۵۴
[4] ؍؍ ۱۲/ ۷۶
[5] ؍؍ ۲۷/ ۲۳
[6] ؍؍ ۵/ ۵۵

اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلاً[1] (اور اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ ت) یہاں قطعاً وہی سبیل دینی شرعی مراد ہے کہ سبیل دنیوی کا انتفاع خلافِ مشاہدہ واشہاد ہے، قرآن عظیم اس معنی کی آیات سے مشحون ہے۔ حلبی علی الدر پھر شامی میں ہے:

الکافر لایلی علی ولدہ المسلم لقولہ تعالٰی ولن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا۔[2]

کافر اپنے مسلم بیٹے کا ولی نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا (ت)

نہایہ پھر عالمگیریہ پھر طحطاوی پھر ابن عابدین میں ہے:

تقلید الذمی لیحکم بین اھل الذمۃ صحیح لابین المسلمین وکذلک التحکیم۔[3]

ذمی کا تقرر ذمیوں میں فیصلہ کرنے کے لئے صحیح ہے مسلمانوں میں فیصلہ کرنے کے لئے نہیں، اور ثالثی کا بھی یہی حکم ہے (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لوحکما عبدا فاعتق اوصبیا فبلغ او ذمیا فاسلم ثم حکم لاینفذ۔[4]

اگر فریقین نے کسی غلام کو ثالث بنایا اب وہ آزاد ہوگیا یا نابالغ کو بنایا تو وہ بالغ ہوگیا، یا ذمی کو بنایا تو وہ مسلمان ہوگیا پھر اس کے بعد وہ فیصلہ کریں تو نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار کتاب الشہادات میں ہے:

شرطھا الولایۃ فیشترط الاسلام لوالمدعی علیہ مسلما۔[5]

شہادت کی شرط ولایت ہے اگر مدعا علیہ مسلمان ہو تو گواہ کا مسلمان ہونا شرط ہوگا۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۲

[3] ردالمحتار بحوالہ المنیۃ عن النہایۃ کتاب القضاء باب التحکیم " " " ۴/ ۳۴۸

حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب القضاء باب التحکیم دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۰۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲

[5] درمختار کتاب الشہادات " " " ۲/ ۹۰

اور کتاب القضایا میں ہے :

اهله اهل الشهادة وشرط اهليتها شرط اهليته فان كلا منهما من باب الولاية[1]

قاضی کی اہلیت وہی ہے جو شہادت کی اہلیت ہے اور شہادت کی اہلیت وہی ہوگی جو مدعا علیہ کی اہلیت ہوگی کیونکہ یہ دونوں امر ولایت سے متعلق ہیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے :

لاولاية لكافر على مسلم لقوله تعالٰى ولن يجعل الله للكفرين على المؤمنين سبيلا[2]

کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے : اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ (ت)

اسی کی شہادات میں ہے :

لا تقبل شهادة الذمی علی المسلم لانه لاولاية له بالاضافة اليه[3]

مسلم کے خلاف ذمی کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ اس کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے (ت)

مختصر امام قدوری میں ہے :

لا تصح ولاية القاضی حتی یجتمع فی المولّٰی شرائط الشهادة[4]

قاضی کی ولایت اس وقت تک صحیح نہ ہوگی جب تک میں شہادت کی شرائط پائی جائیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے :

لان حكم القضاء يستقى من حكم الشهادة لان كل واحد منهما من باب الولاية فكل من كان اهلا للشهادة يكون اهلا للقضاء وما يشترط

کیونکہ قاضی کا فیصلہ شہادت کے حکم سے مستفاد ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں امر از قبیل ولایت ہیں تو جو شہادت کا اہل ہوگا وہی قضاء کا اہل ہوگا تو جو چیز شہادت کی اہلیت میں شرط ہے وہ قضا

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۱
[2] الہدایۃ کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/۲۹۸
[3] الہدایۃ کتاب الشہادات باب من یقبل شہادتہ الخ 〃 〃 〃 ۳/۱۶۲
[4] المختصر للقدوری کتاب آداب القاضی مطبع مجیدی کانپور ص ۲۸۳

لاهلية الشهادة يشترط لاهلية القضاء[1] | کی اہلیت میں شرط ہوگی۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

لاولایة للصبی والمجنون ولا المملوك ولا الکافر علی المسلم[2] | نابالغ، مجنون، غلام اور کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں (ت)

بدائع ملک العلماء مسعود کاشانی میں ہے:

لاشهادة للکافر علی المسلم اصلا[3] | مسلم کے خلاف کافر کی شہادت معتبر نہیں (ت)

اسی میں ہے:

لاولایة للکافر علی المسلم لانه لامیراث بینهما، ولان الکافر لیس من اهل الولایة علی المسلم لان الشرع قطع ولایة الکافر علی المسلمین قال الله تعالٰی ولن یجعل الله للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا، وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم الاسلام یعلو ولایعلٰی[4] الخ۔ | کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں کیونکہ دونوں میں میراث نہیں، اور اس لئے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت کی اہلیت نہیں ہے کیونکہ شریعت نے مسلمانوں پر کافر کی ولایت کو ختم کردیا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اسلام غالب ہوگا مغلوب نہیں الخ۔ (ت)

اسی میں ہے:

الصلاحیة للقضاء لها شرائط منها العقل والبلوغ والاسلام فلا یجوز تقلید المجنون والصبی والکافر، لان القضاء من باب الولایة بل هو اعظم الولایات وهؤلاء لیست لهم اهلیة ادنی الولایات وهی | قضاء کی صلاحیت کے لئے چند شرائط ہیں ان میں سے عقل، بلوغ، اسلام ہے تو مجنون، نابالغ اور کافر کی تقرری جائز نہ ہوگی کیونکہ قضاء از قبیل ولایت ہے بلکہ اعظم ولایات میں سے ہے جبکہ ان لوگوں کو ولایت میں سے ادنٰی ولایت جو شہادت میں ہے

---

[1] الہدایہ — کتاب ادب القاضی — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۳/ ۱۳۲

[2] فتاوٰی قاضی خان — کتاب النکاح — فصل فی الاولیاء — نولکشور لکھنؤ — ۱/ ۱۶۳

[3] بدائع الصنائع — کتاب الشہادت فصل واما الشرائط فی الاصل — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۶/ ۲۶۶

[4] " " — کتاب النکاح فصل واما بیان شرائط الجواز — " " — ۲/ ۲۳۹

الشھادۃ فلان لایکون لھم اھلیۃ اعلاھا اولٰی ومن لایصلح قاضیا لایجوز قضاؤہ ضرورۃً[2] اھ ملتقطا۔

وہ بھی نہیں تو لازمًا اعلٰی ولایت کے وہ اہل بطریق اولٰی نہ ہوں گے اور جو قاضی کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کی قضاء لازمًا جائز نہ ہوگی اھ ملتقطًا (ت)

یہ گیارہ کتابوں کی عبارات ہیں مختصر امام قدوری، فتاوٰی امام قاضی خاں، بدائع امام ملک العلماء، ہدایہ امام برہان الدین، نہایہ امام سغناقی، تنویر الابصار، درمختار، حلبی، طحطاوی، شامی، فتاوٰی عالمگیریہ۔ اور خود کثرتِ عبارات کی کیا حاجت کہ بلامبالغہ صدہا ہیں بلکہ شریعت نے ان مسلمانوں پر سلطانِ اسلام کو بھی ولایت نہ دی جو دار الحرب میں اسلام لائے اور ہنوز ہجرت کرکے ہمارے دار میں نہ آئے

قال اللہ تعالٰی عزوجل والذین اٰمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیئ حتی یھاجروا[3]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت نہ کی تمھیں ان سے کوئی ولایت نہیں حتی کہ وہ ہجرت کرلیں۔ (ت)

کتبِ فقہ میں مسائل کثیرہ اس اصل پر مبنی ہیں کہ بحالت اختلاف دار سلطان اسلام کو ولایت نہیں، راجع ابواب نکاح الکافر والمستامن وغیر ذٰلک (نکاح کافر و مستامن وغیرہما کے ابواب کی طرف رجوع کرو۔ ت) ہدایہ میں ہے:

اختلاف الدارین یقطع الولایۃ ولھذا یمنع التوارث[4]۔

دار الاسلام و دار الحرب کا اختلاف ولایت کو ختم کردیتا ہے اس لئے آپس کا وارث ہونا ممنوع ہے۔ (ت)

تو بحالتِ اختلاف دین غیر مسلم کو مسلم کے دینی احکام میں مداخلت کیونکر حکم شرعی ہوسکتی ہے بلکہ ولایت شرعیہ کا دائرہ اس سے بھی تنگ تر ہے، خود سلطانِ اسلام کو، خود اس کی ملک میں خود اسکی مسلمان رعایا پر صدہا باتوں میں شریعتِ مطہرہ نے ولایتِ شرعیہ نہ دی اس کی نظیر وہی تزویج قاصرہ گزری کہ سلطان یا قاضیِ اسلام کا کیا ہُوا نکاح نافذ نہیں اور باپ بھائی یا چچا یا کسی عصبہ بلکہ عصبہ ہو

---

[1] بدائع الصنائع کتاب آداب القاضی فصل واما بیان من یصلح للقضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳-۴

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ فصل واما بیان من افترض علیہ قبول الخ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۷/ ۴

[3] القرآن الکریم ۸/ ۷۲

[4] الھدایہ کتاب الشھادۃ باب من یقبل شھادتہ ومن لایقبل مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۲

تو ذوی الارحام، اور وہ بھی نہ ہوں تو مولی الموالاۃ کا کیا ہوا نافذ۔ تنویر الابصار میں ہے:

34 الولی فی النکاح العصبة بنفسه بشرط اسلام فی حق مسلمة فان لم تکن عصبة فالولایة للام ثم للاخت ثم لولد الام ثم لذوی الارحام (ثم مولی الموالاة اھ در) ثم للسلطان ثم القاضی نص علیه فی منشورہ [1] (ملخصاً)

مسلمان لڑکی کے نکاح کی ولایت اس کے عصبہ بنفسہ کو حاصل ہوگی بشرطیکہ یہ مسلمان ہو، اور اگر عصبہ نہ ہو تو ولایت ماں کو پھر حقیقی بہن کو اور پھر ماں کی طرف سے اولاد کو اس کے بعد پھر ذوی الارحام پھر مولی موالات کو حاصل ہوگی (مولی موالات اسکو کہتے ہیں جس کے ہاتھ پر کوئی کافر مسلمان ہو) اھ در، پھر سلطان پھر قاضی جس کی سند قضاء میں تصریح کردی گئی ہو نکاح صغار کی ولایت پر، اس کو ولایت حاصل ہوگی (ملخصاً)۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

ولهذا قالوا ان القاضی لایزوج الیتیم والیتیمة الاعند عدم ولی لهما فی النکاح ولو ذارحم محرم[عہ] اواما او معتقا۔ [2]

اسی لئے انھوں نے فرمایا کہ قاضی یتیم لڑکے اور لڑکی کا نکاح نہیں کرسکتا مگر جب ان کا کوئی ولی نکاح موجود نہ ہو اگرچہ یہ ولی ذو محرم یا ماں یا آزاد کرنے والا ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته۔ [3]

اگر بعید شخص نے اقرب کی شہر میں موجودگی کے باوجود نکاح کردیا تو اقرب کی اجازت پر نکاح موقوف رہے گا۔ (ت)

عہ اقول قید المحرم لامفهوم له وکان ینبغی عکس الترتیب فان المعتق مقدم علی الام والام علی ذی رحم ۱۲ منه غفرله۔

عہ اقول (میں کہتا ہوں) یہاں محرم کی قید فہم سے بالاتر ہے، اور مناسب تھا کہ ترتیب میں یوں عکس ہوتا کہ آزاد کرنیوالا ماں سے اور ماں ذی محرم سے مقدم کرتے، کیونکہ ترتیب یوں ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴-۱۹۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۱

[3] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

دوسری نظیر اوقاف ہیں وقف میں متولی شرعی کا تصرف معتبر اور اس کے ہوتے سلطانِ اسلام و قاضی کا تصرف بے اثر۔ فتاوٰی امام رشید الدین پھر اشباہ میں ہے:

لا یملك القاضی التصرف فی الوقف مع وجود ناظرہ ولو من قبله۔[1]

قاضی وقف میں تصرف کا مالک نہیں ہوگا جبکہ اس کا متولی موجود ہو اگرچہ یہ متولی اسی قاضی کا مقرر کردہ ہو۔ (ت)

فتاوٰی وبری پھر فتوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا پھر لسان الحکام میں ہے:

لاتدخل ولایة السلطان علی ولایة المتولی فی الوقف۔[2]

وقف میں متولی کی ولایت کے خلاف سلطان کی ولایت مؤثر نہ ہوگی۔ (ت)

تیسری نظیر اموال قاصرین ہیں کہ اولیائے اموال پھر اس کے ولی شرعی مقدم ہیں اور سلطان و قاضی ساتویں درجہ میں۔ قنیہ پھر اشباہ میں ہے:

لا یملك القاضی التصرف فی مال الیتیم مع وجود وصیه ولو کان منصوبه۔[3]

وصی کی موجودگی میں یتیم کے مال میں قاضی تصرف کا مالک نہیں ہے اگرچہ یہ وصی اس نے ہی مقرر کیا ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ولیه ابوہ ثم وصیه ثم وصی وصیه ثم جدہ الصحیح ثم وصیه ثم وصی وصیه ثم الوالی ثم القاضی[عہ][4]

اس کا ولی باپ پھر وصی پھر وصی کا وصی پھر حقیقی دادا پھر اس کا وصی پھر اس کے وصی کا وصی، پھر والی پھر قاضی (ت)

عہ کان علیه ان یقول والقاضی بالواؤ لانه والوالی فی مرتبة واحدة ایهما تصرف جاز ۱۲ منه غفرله۔

عہ یوں کہنا لازم تھا، "والقاضی" یعنی واؤ کے ساتھ، کیونکہ قاضی اور والی کا مرتبہ یہاں مساوی ہے دونوں میں سے جو بھی تصرف کرے جائز ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ فتاوٰی رشید الدین الفن الاول قاعدہ ۱۶ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۹۲

[2] لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص ۲۹۶

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوصایا ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۲۵

[4] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۰۳

لہذا حدیث میں ارشاد ہوا :

السلطان ولی من لا ولی لہ[1]۔ سلطان اس شخص کا ولی ہوگا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔(ت)

شریعتِ مطہرہ نے جس حکم کو اس قدر محدود فرمایا ہو اسے اتنا وسیع کردینا شریعتِ جدیدہ قائم کرنا ہوگا۔ ان دونوں مقدمات سے واضح ہُوا کہ جو ولایت گورنمنٹ کی مقصود و مدعا ہے شرع مطہر اس کا انکار نہیں فرماتی اور جو ولایت شرع مطہر مسلمان پر مسلمان کے لئے خاص فرماتی ہے گورنمنٹ کو نہ اس سے بحث نہ اس کا دعوٰی، تو کیا نہ کہا جائے گا کہ اس کی مخالفت شرع اور گورنمنٹ دونوں پر تہمت۔ نسأل اللہ السلامۃ (ہم اللہ تعالٰی سے سلامتی کی دُعا کرتے ہیں۔ت)

مقدمہ پنجم : اُوپر معلوم ہوا کہ مقصود کبھی وجود شَے ہوتا ہے کبھی حدوث حکم شرعی، قاضی کے یہاں جو مقدمات دائر ہوتے ہیں دونوں قسم کے ہیں اکثر قسم اوّل کے ان کی تنفیذ بمعنی اول و منع موانع ثمرات حسیہ مقصود ہے، مثلاً :

(۱) زید نے عمرو کی جائداد دبا لی۔

(۲) قرض لیا اور ادا نہیں کرتا۔

(۳) چیز بیچی اور قبضہ نہیں دیتا۔

(۴) مول لی اور قیمت نہیں دیتا۔

(۵) ترکہ میں حق ہے اور قابض نہیں ہونے دیتا۔

(۶) مورث نے وصیت کی تھی وارث نہیں مانتا۔

(۷) شوہر رخصت کرا لایا اور نان نفقہ نہیں دیتا۔

(۸) طلاق بائن دے دی ہے اور نہیں چھوڑتا۔

(۹) چیز عاریت لی تھی اور واپس نہیں کرتا۔

(۱۰) وقف میں ناجائز تصرف کررہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان عام صورتوں میں کہ روزانہ جن کی حاجت پڑتی اور جن کے مقدمات دائر ہوتے رہتے ہیں حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے دفع ظلم صرف تنفیذ بمعنی اول مانگتی ہے کہ معانی شرعیہ تو خود موجود ہیں،

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب النکاح باب الولی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۸۴
جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء لانکاح الابولی امین کمپنی دہلی ۱/۱۳۰

اور معلوم ہوا کہ اس تنفیذ کے لئے ولایت قسم دوم کی حاجت نہیں، نہ صرف وہ اس کے لئے کافی، بلکہ ولایت قسم اول کی حاجت، اور تنہا وہی یہاں وادرسی کے لئے بس ہے۔ دوسرے وہ جن میں مسلمانوں کے کسی کام میں معنی شرعی غیر موجود کا اپنی ولایت ونیابت حضرت رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ سے پیدا کرنا ہو مثلاً:

(۱) جمعہ وعیدین میں کسی کو امام بنانا۔

(۲) کسی کو خطیب جمعہ مقرر کرنا کہ ہر مسلمان صالح امامت نماز پنجگانہ، جمعہ وعیدین کی امامت نہیں کرسکتا نہ جمعہ کا خطبہ پڑھ سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے پڑھانے سے نماز صحیح ہو جب تک ماذون من جہۃ السلطان نہ ہو جہاں اذن سلطان ناممکن ہو بضرورت نصب عامۂ مسلمین معتبر ہے کما نص علیہ فی تنویر الابصار والدر المختار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ اس پر تنویر الابصار، درمختار اور عام کتب میں تصریح ہے۔ ت) تو لیاقت خطبہ وامامت مذکورہ ایک معنی شرعی دیتی ہے اور پیش از اذن سلطان مثلاً زید کو حاصل نہیں، اذن دیتے ہی ثابت ومحقق ہوجائے گی اس کے لئے قطعاً ولایت قسم دوم درکار۔

(۳) زن وشو لعان کریں۔

(۴) عنین بعد مرافعہ وتاجیل یکسال وانقضائے اجل وطلب زن طلاق نہ دے تو دونوں صورتوں میں بر نیابت ولی مطلق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان میں تفریق کرنا یعنی خود منکوحۂ غیر کو طلاق بائن دے دینا اور شوہر مانے یا نہ مانے نکاح ثابت کا اس کے قول سے قطع ہو کر شرعاً زوج کا زوجہ زوجہ کا زوج پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجانا ایسا کہ اگر اس کے بعد قربت کریں تو نہ فقط دنیا میں بلکہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی حرام کار ٹھہریں جب تک از سر نو نکاح نہ کریں، اور صورت لعان میں تو نکاح بھی نہیں کرسکتے جب تک مرد وزن دونوں اہلیت لعان پر باقی رہیں اور شوہر خود اپنی تکذیب نہ کرے۔ درمختار میں ہے:

فان التعنا بانت بتفریق الحاکم فیتوارثان قبل تفریقہ[1]

اگر دونوں نے لعان کرلیا تو حاکم کی تفریق سے بائنہ ہوجائیگی اور قاضی کی تفریق سے قبل مرد وعورت ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

تکون الفرقۃ تطلیقۃ بائنۃ عندھما وقال ابویوسف ھو تحریم

طرفین کے نزدیک قاضی کی تفریق طلاق بائنہ ہوگی جبکہ امام ابویوسف رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۲

مؤبد[1] ابدی تحریم ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

سیأتی فی بابہ انھا حرمۃ مؤبد ما دا ما اھلا للعان فاذا خرجا عن اھلیۃ اللعان او احدھما لہ ان ینکحھا وکذا لو اکذب نفسہ حد ولہ ان ینکحھا۔[2]

عنقریب متعلقہ باب میں آئے گا کہ یہ ابدی حرمت ہے جب تک مرد وعورت لعان کے اہل ہیں اور جب دونوں یا ایک کی اہلیت لعان نہ رہے تو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں، اور یونہی اگر مرد نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا حد لگائی جائیگی اور اس کو جائز ہوگا کہ وُہ عورت سے دوبارہ نکاح کرلے۔ (ت)

درمختار باب العنین میں ہے:

بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقھا بطلبھا۔[3]

قاضی کی تفریق سے عورت بائنہ ہوجائے گی اگر مرد طلاق دینے سے انکار کرے یہ تفریق بیوی کے مطالبہ پر ہوگی۔ (ت)

(۵) قاصرہ نے بفور بلوغ اپنے نفس کو اختیار کیا نکاح سے نہ نکلی، شوہر کو اب بھی اس سے وطی حلال ہے، ایک مرجائے گا دوسرا ترکہ پائیگا اگر بعد مرافعہ و تفریق قاضی عنداللہ حرام ہوجائے گی اور بے تجدید نکاح حلت نہ رہے گی اب ایک مرے گا دوسرے کو ترکہ نہ ملے گا۔ مبسوط پھر عالمگیریہ میں ہے:

یحل للزوج ان یطأھا مالم یفرق القاضی بینھما۔[4]

قاضی جب تک دونوں میں تفریق نہ کرے خاوند کو وطی کرنا حلال ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یتوارثان فی ھذا النکاح قبل ثبوت فسخہ۔[5]

اس نکاح کے فسخ ہونے سے قبل دونوں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب اللعان داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۹

[2] الہدایہ

[3] درمختار کتاب الطلاق باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۳

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المبسوط کتاب النکاح الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۵-۲۸۶

[5] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۷

(۶) اپنے حکم سے اختلافی مسئلہ کو اتفاقی کر دینا ائمہ مجتہدین کا اختلاف اٹھا کر متفق کرلینا مثلاً مرد وعورت دونوں شافعی المذہب ہیں مرد نے پیش از نکاح حلف کیا کہ تجھ سے نکاح کروں تو تجھ پر طلاق، پھر نکاح کرلیا، زوجین کے مذہب میں طلاق نہ ہوئی کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یمین مضافہ باطل ہے انھیں باہم قربت حلال ہے، بعدہ عورت نے دعوٰی کردیا حاکم حنفی المذہب نے صحت یمین و وقوعِ طلاق وبینونت زن کا حکم کیا اب عنداللہ ان میں حرمت ثابت ہوگئی ایسی کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی یہی فرمائیں گے کہ دونوں اجنبی واجنبیہ ہیں بے نکاحِ جدید اسے ہاتھ لگانا ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہے، اور اگر زوجین حنفی ہوں نکاح ہوتے ہی عورت پر طلاق بائن ہوگئی لوقوعہ قبل الخلوۃ (کیونکہ یہ طلاق قبل از دخول ہے۔ ت) ان دونوں کے مذہب میں حرمت ثابت ہوگئی کہ اضافت یمین ہمارے نزدیک صحیح ہے اب مثلاً عورت نے قاضی شافعی کے یہاں دعوٰی کردیا قاضی نے بطلان یمین وعدم طلاق کا حکم دیا اب عنداللہ ان میں حلت ثابت ہوگئی ایسی کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی یہی فرمائیں گے کہ یہ دونوں زوج وزوجہ ہیں یہاں تک کہ اس کے حکم سے پہلے جو وطی کرچکا تھا اب اس پر بھی حکمِ حلت ہوگیا۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

قال ان تزوجت فلانۃ فھی طالق ثلث فتزوجھا فخاصمتہ الی قاض شافعی و ادعت الطلاق فحکم بانھا امرأتہ وان الطلاق لیس بشیئ حل لہ ذٰلک، ولو وطئھا الزوج بعد النکاح قبل الفسخ ثم فسخ یکون الوطی حلالا اذا فسخ واذا فسخ لایحتاج الی تجدید العقد۔[1]

اگر کسی نے کہا میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو تین طلاق ہیں، تو اب اس سے نکاح کیا تو عورت نے کسی شافعی قاضی کے ہاں طلاق کا دعوٰی کیا تو اس قاضی نے (اپنے مذہب پر) فیصلہ دیا کہ یہ اس کی بیوی ہے اور یہ طلاق کچھ نہیں تو ایسی صورت میں وہ عورت خاوند کے لئے حلال ہوگی اور اگر خاوند نے اس عورت سے فسخ سے قبل وطی کرلی تو حلال ہوگی اور جب یمین وتعلیق فسخ ہوگئی تو اب تجدید نکاح کی حاجت نہیں۔ (ت)

وجہ یہ کہ قضائے شرعی نے کہ حقیقۃً حکم رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے سلطان وقاضی حضور کے نائب وحکم رساں ہیں اختلاف مجتہدین کو اٹھادیا اور ہر امام ومجتہد پر اس واقعہ میں اسی کو حکم الٰہی جاننا لازم ہوگیا۔

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۶

(۷) قاصر و قاصرہ جن کے لئے کوئی ولی نہیں اپنی ولایت یعنی ولیِ مطلق النبی اولٰی بالمؤمنین من انفسھم[1] (نبی مومنوں کی جانوں سے زیادہ تر والی ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ ت) کی نیابت سے ان میں نکاح کرکے تمام دینی احکام مثلاً قرابت کی حلت کہ پہلے حرام تھی نفقہ کا وجوب کہ پہلے لازم نہ تھا وراثت کا اثبات کہ پہلے ثابت نہ تھی عنداللہ موجود و محقق کردینا وقد تقدم نقلہ (اس کی نقل گزرچکی ہے۔ ت)

(۸) زید نے اپنی ملک خاص بحالت صحت نفس و ثبات عقل وقف صحیح شرعی کی اور متولی شرعی مقرر کرکے اس کے قبضہ میں دے دی تمام مفتی بہ مذاہب پر وقف صحیح و لازم ہوگیا اور زید کا اس میں کوئی حق ملک نہ رہا اس کے بعد وارثوں نے دعوٰی کیا یا خود زید ہی نے درخواست فسخ دی اور حاکم نے اس کے فسخ کا حکم دیا بشرطیکہ وقف پر رجسٹری نہ ہوچکی تھی اور قاضی مذہب مفتی بہ پر قضا سے مقید نہ تھا جس طرح قضاۃ زمانہ مقید ہیں بلکہ خود امام مجتہد تھا جواب صدہا سال سے کوئی نہیں یا سلطان نے اسے مذہب خاص امام اعظم پر قضا کے لئے مقرر کیا تھا اگرچہ فتوٰی اس کے خلاف پر ہو یا اسے مذہب امام پر مطلقاً قضا یا خلاف میں جسے چاہے اختیار کی اجازت دی تھی جو اس زمانہ میں نہیں تو ان شرائط کے ساتھ ایسے قاضی کے حکم سے اس وقف بے رجسٹری کا زائل اور ملک زائل کا عنداللہ حاصل ہوجانا۔ درمختار میں ہے:

اطلق القاضی بیع الوقف غیر المسجل لوارث الواقف فباع صح وکان حکما ببطلان الوقف لعدم تسجیلہ حتی لوباعہ الواقف او بعضہ اورجع عنہ ووقفہ لجہۃ اخری وحکم بالثانی قبل الحکم بلزوم الاول صح الثانی لوقوعہ فی محل الاجتہاد کما حققہ المصنف وافتی بہ تبعا لشیخہ وقارئ الہدایۃ والمولٰی

اگر قاضی نے بے رجسٹری وقف کو اس کے وارث کے لئے فروخت کی اجازت دے دی اور فروخت کردیا تو یہ بیع صحیح ہوگی اور قاضی کا یہ حکم اس وقف بے رجسٹری کو باطل کرنا قرار پائے گا حتی کہ واقف نے خود اس کو یا اس کے بعض کو فروخت کردیا یا پہلے وقف سے رجوع کرکے کسی دوسرے عنوان سے دوبارہ وقف کردیا اور قاضی نے دوسرے عنوان کے وقف کو پہلے وقف سے قبل لازم کردیا تو دوسرے وقف کا حکم صحیح ہوگا کیونکہ قاضی کا یہ حکم محل اجتہاد میں واقع ہوا ہے جیسا کہ مصنف نے

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۶

ابی السعود لکن حملہ فی النھر علی القاضی المجتہد[1] اھ وکتبت علیہ ما نصہ اقول وکذٰلک القاضی المقلد المقلد لیقضی بمذھب ابی حنیفۃ مطلقا وکذا المأذون لہ ان یقضی بہ مطلقا او بما شاء فی الخلافیات وھذا ظاھر جدا لانعدام المانع وھو کونہ معزولا بالنسبۃ الی القول الضعیف[2]

اس کی تحقیق فرمائی اور اس پر اپنے شیخ کی اتباع اور قاری الہدایہ اور ملا مسکین کی اتباع میں فتوٰی دیا، لیکن نہر میں اس کو انھوں نے مجتہد قاضی کی رائے پر محمول کیا اھ۔ میں نے اس پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے، میں کہتا ہوں کہ کسی با اختیار قاضی کا مقرر کردہ مقلد قاضی کہ وُہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر مطلقاً فیصلہ دے اور وہ قاضی جس کو مطلقاً اجازت ہے کہ خلافیات میں اپنی صوابدید پر فیصلہ دے، ان کا فیصلہ بھی ایسا ہی نافذ ہوگا، یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ قاضی کے معزول ہونے والا ضعیف قول بھی یہاں نہیں ہے جو مانع بنے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوقضی الحنفی بصحۃ بیعہ فحکمہ باطل لانہ لایصح الا بالصحیح المفتی بہ فھو معزول بالنسبۃ الی القول الضعیف وما افتی بہ قاریٔ الھدایۃ من صحۃ الحکم ببیعہ قبل الحکم بوقفہ فمحمول علی ان القاضی مجتہد[3]۔

اگر حنفی قاضی نے اس وقت کی بیع کی صحت کا حکم دیا تو اس کا حکم باطل ہوگا کیونکہ اس کے حکم کی صحت صرف صحیح مفتٰی بہ قول پر ہوگی، تو یہ قاضی ایک ضعیف قول کی بناء پر معزول قرار پائے گا اور جو قاری الہدایہ نے وقف کے حکم نامہ سے قبل بیع کے حکم کی صحت پر فتوٰی دیا ہے تو وہ اس بات پر محمول ہے کہ وہ قاضی مجتہد ہو۔ (ت)

حلبی علی الدر پھر ابن عابدین میں ہے:

ومثل القاضی المجتہد من قلدہ مجتہد ایراہ[4] اھ اقول

مجتہد قاضی کی طرح ہے وہ قاضی جس کو اپنی رائے میں کوشاں کے طور پر مقرر کیا گیا ہے اھ اقول

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۵

[2] جد الممتار علی ردالمحتار

[3] و [4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۹۴

ای اذا لم یکن مقیدا بالقضاء بالمفتی بہ فی المذہب الحنفی کقضاۃ زماننا وھو ظاھر والا کان رجوعا الی ماوقع الضرار منہ فانہ اذا لم یصح القضاء بالمرجوح کیف یصح بتقلید مذہب اٰخر فجمع حاصلہ الی ما کتبت وباللہ التوفیق۔

(میں کہتا ہوں) یعنی جب وہ مذہب حنفی میں مفتی بہ قول پر قضاء کا پابند نہ بنایا گیا ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ کے قاضی۔ اور یہ ظاہر بات ہے ورنہ ضرر والی چیز کی طرف رجوع کرنا لازم آئے گا، کیونکہ مرجوح قول پر قضاء صحیح نہ ہو تو دوسرے مذہب کی تقلید کیسے صحیح ہوگی، لہذا حاصل وہی ہے جو میں نے لکھا ہے، اور توفیق صرف اللہ تعالٰی سے ہے۔ (ت)

(۹) بعض حجر تو خود بحکم شرع ثابت ہیں جیسے مجنون اور ناسمجھ بچّے کا ہر تصرف قولی اور معتوہ وصبی عاقل کا دائر بین النفع والضرر سے مجبور ہونا کہ وہ اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتے اور بعض وُہ ہیں کہ بحکم حاکم ثابت ہوتے ہیں جیسے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک مدیون کو بوجہ دین اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول صحیح مفتی بہ پر سفیہ کو بوجہ سفہ ممنوع التصرف کردینا۔ حجر بحکم حاکم بھی تنفیذ کی طرح دو قسم ہے:

اول حسّی کہ ایک آدمی ایک فعل سے حکمًا باز رکھا جائے بغیر اس کے کہ کوئی معنی جدید شرعی حادث ہو۔

دوم شرعی کہ اس کے سبب تصرف کا حکم شرعی مسدود ہوجائے، انسان کی اہلیت کہ عطائے رب العزت ہے باطل وبے اثر ہوکر بہائم سے ملحق ہوجائے۔

اول نتیجہ ولایت قسم اول کا ہے اور دوم علی الاختلاف ولایت قسم دوم کا۔ اس دوم کی ولایت شرعیہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اصلاً سلطانِ اسلام کو بھی نہیں۔ ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی کہ فرماتے ہیں:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لایحجر علی الحر العاقل البالغ السفیہ وتصرفہ فی مالہ جائز وان کان مبذرا مفسدا یتلف مالہ، وقال ابویوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی یحجر علی السفیہ ویمنع من التصرف فی مالہ لابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان فی سلب ولایتہ اھدار

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ حر عاقل بالغ بیوقوف کو محجور (یعنی تصرفات سے روکنا) جائز نہیں ہے اور اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے اگرچہ وہ فضول خرچی اور فاسد کرتے ہُوئے مال کو تلف کردے اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا ایسے بیوقوف کو محجور قرار دینا اور مال میں تصرف کرنے سے روکنا جائز ہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کی ولایت کو ختم کرنا، اس کی آدمیت کو

آدمیتہ والحاقۃ بالبھائم وھو اشد ضررا من التبذیر فلا یتحمل الاعلی لدفع الادنی[1] اھ مختصرا وقد قدم قول الامام واخر دلیلہ واجاب عن دلیلھما وکذٰلک فعل فی الحجر بسبب الدین۔

کو معطل کرنا اور حیوانوں سے لاحق کرنا ہے اور یہ چیز اس کے لئے مال کی فضول خرچی سے زیادہ مضر ہے لہذا اس کے ادنی ضرر کو ختم کرنے کے لئے بڑے ضرر کو نہ اپنایا جائے گا اھ مختصراً، انھوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو مقدم ذکر کیا اور ان کی دلیل کو آخر میں لاکر صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کی دلیل کا جواب دیا اور مصنف نے دین کے سبب مجوری کے عمل میں بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔ (ت)

اور صاحبین رحمہما اللہ کے طور پر بھی بہت مواقع میں سلطان اسلام کا حجر بھی صرف حسی ہوتا ہے نہ کہ شرعی، مثلاً مفتی ماجن وطبیب جاہل ومکاری مفلس پر حجر کہ بحکم سلطان بھی صرف صورۃً ہوگا شرعاً ان کے تصرفاتِ صحیحہ باطل نہ ہوجائیں گے۔ درمختار میں ہے:

لایحجر علی حر مکلف بسفہ وفسق ودین وغفلۃ بل یمنع مفتٍ ماجن یعلم الحیل الباطلۃ کتعلیم الردۃ لتبین من زوجھا او تسقط عنھا الزکاۃ وطبیب جاھل ومکار مفلس[2]۔

حر مکلف کو بیوقوفی، فسق، دین اور غفلت کی وجہ سے مجبور نہ کیا جائے گا بلکہ ماجن مفتی جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہو مثلاً بیوی کو خاوند سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے مرتد ہونے اور اس سے زکوٰۃ ساقط کی تعلیم دینا، نیز جاہل طبیب اور مکار مفلس کو روک دیا جائیگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ بل یمنع اشار بہ الی انہ لیس المراد بہ حقیقۃ الحجر وھو المنع الشرعی الذی یمنع نفوذ التصرف لان المفتی لوافتی بعد الحجر واصاب جاز

ماتن کا قول "بلکہ منع کیا جائے گا" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ممانعت حقیقی پابندی نہیں بلکہ اس سے مراد شرعی ممانعت ہے جو تصرف کے نفاذ کو روکتی ہے کیونکہ اگر وہ مفتی حجر والی کاروائی کے بعد فتوٰی درست دے تو جائز ہے

---

[1] الہدایہ کتاب الحجر باب الحجر للفساد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۲-۳۵۱

[2] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

وکذا الطبیب لوباع الادویۃ نفذ فدل ان المراد المنع الحسی کما فی الدر عن البدائع[1]

اور یونہی وہ طبیب اگر دوا فروخت کرے تو یہ کاروائی نافذ ہوگی تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ منع محض حسی کاروائی ہے جیسا کہ دُرر میں بدائع سے نقل کیا گیا ہے (ت)

اسی قبیل سے ہے سلطان کا ایامِ گرانی میں یا فوج کے لئے اشیاء کا بھاؤ کاٹ دینا کہ اگر بائع برضائے مشتری زیادہ کو بیچے شرعاً جائز و نافذ ہے گا آخرت میں مستحقِ عذاب نہ ہوگا اگرچہ دنیا میں سلطان اسے سزا دے اور اگر اس سلطانی مقرر کردہ بھاؤ پر محض بخوف سلطان بیچے تو وہ شے مشتری کیلئے عنداللہ حلال نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے:

لایسعر حاکم لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتسعروا فان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق الا اذا تعدی الارباب عن القیمۃ تعدیا فاحشا فیسعر بمشورۃ اھل الرأی وفی الاختیار ثم اذا سعر وخاف البائع ضرب الامام لونقص لایحل للمشتری[2] اھ ای اذا باع للخوف کما عبر القھستانی فسقط نظر الشامی و تحقیقہ فی جد الممتار۔

حاکم بھاؤ مقرر نہ کرے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے بھاؤ مقرر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالٰی ہی بھاؤ بنانے والا ہے وہی تنگی وہی وسعت وہی رزق دینے والا ہے، مگر جب تجار قیمت میں فحش گرانی کریں تو پھر حاکم اہل الرائے سے مشورہ کے بعد بھاؤ مقرر کرے تو جائز ہے، اور اختیار میں ہے پھر جب حاکم بھاؤ مقرر کردے اور بائع کو حاکم کی سزا کا خوف ہو اگر اس نے کم بھاؤ پر دیا تو مشتری کو اس بھاؤ خریدنا جائز نہیں اھ یعنی جب بائع محض خوف کی وجہ سے (بغیر رضا) فروخت کرے تو مشتری کو جائز نہیں جیسا کہ قہستانی نے یہ تعبیر کی ہے، تو اب علامہ شامی کا اعتبار ساقط ہوگیا اور اس کی تحقیق جد الممتار میں ہے (ت)

(۱۰) بے اذن و رضائے مدیون اس کی جائداد زرڈگری میں نیلام کردینا ضرور حسا بحکم سلطنت موجود ہوجائے گا، کلام اس میں ہے کہ شرعاً بھی وہ بیع صحیح و نافذ اور شیئ مبیع مشتری کے لئے عنداللہ حلال ہوجائے گی اس پر خواہ اس کے ورثہ پر کہ اس کے بعد اسے اپنی ملک صحیح شرعی جانیں آخرت میں کچھ مواخذہ نہ ہوگا یہ مختلف فیہ ہے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تو اسے سلطان اسلام کیلئے بھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۲

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸-۴۹

جائز نہیں مانتے، ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی اور اس پر دلیل قاطع ارشاد کی، فرماتے ہیں:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لا احجر فی الدین لان فی الحجر اھدار اھلیتہ فلایجوز لدفع ضرر خاص فان کان لہ مال لم یتصرف فیہ الحاکم لانہ تجارۃ لاعن تراض فیکون باطلا بالنص، وقالا اذا طلب غرماء المفلس، حجر القاضی علیہ وباع مالہ ان امتنع من بیعہ، قلنا المستحق قضاء الدین والبیع لیس بطریق متعین لذلك کیف وان صح البیع کان الحبس اضرارا بہما بتاخیر حق الدائن وتعذیب المدیون فلایکون مشروعا[1] اھ مختصرا۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں دین میں کسی کو مجبور نہ کروں گا کیونکہ حجر میں آدمی کی اہلیت معطل ہوتی ہے لہٰذا کسی ضرر خاص کو ختم کرنے کے لئے اہلیت کو ختم کرنا جائز نہیں ہے، اگر ایسے شخص کا مال ہو تو حاکم اس میں تصرف نہ کرے کیونکہ یہ اس کی رضا کے بغیر تجارت قرار پائیگی جو ناجائز اور بذریعہ نص باطل ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ اگر مطالبہ والے حضرات قاضی سے مطالبہ کریں کہ اس پر حجر (مالی تصرف میں پابندی) لگادے اور اس کے مال کو جبراً فروخت کردے تو قاضی ایسا کرے، ہم امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے کہتے ہیں مطالبہ والوں کا حق صرف دین کی ادائیگی ہے اور مطلوب کے مال کو فروخت کرنا یہ واحد طریقہ نہیں ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اگر اس کے مال کی فروخت جائز ہو تو اس کو قید کرنا دوہرا ضرر ہوگا، ایک حق والوں کے حق میں تاخیر اور دوسرا مدیون کو سزا دینا، تو یہ ناجائز ہے اھ مختصراً (ت)

عنایہ میں ہے:

لکنہ (ای الحبس) مشروع بالاجماع فلم یصح البیع[2]۔

لیکن وہ یعنی قید کرنا بالاجماع مشروع ہے تو مال کا فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔ (ت)

صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے مفتی بہ قول پر کہ بشرائط اجازت ہے صریح احداث حکم جدید شرعی وتبدیل توقف بنفاذ وحرمت بحلت کی حاجت ہے۔ یہ دس مثالیں مقدمات قسم دوم کی ہیں ان میں تنفیذ بمعنی دوم درکار ہے اور نیا حکم شرعی کہ اب تک حاصل نہ تھا حاصل کرنے کی ضرورت ہے تو اس کے

---

[1] الہدایہ کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۷-۳۵۶

[2] العنایۃ علٰی ہامش فتح القدیر کتاب الحجر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۲۰۷

عنداللہ صحیح ومقبول اور آخرت میں بکار آمد ہونے کے لئے ولایت قسم اول کافی نہیں بلکہ قطعاً ولایت قسم دوم کی حاجت ہے اور وہ بھی باختلاف صور مختلف کہ ہر امر محتاج ولایت شرعیہ میں ہر ولی شرعی حتی کہ سلطان اسلام کے احکام سے بھی حکم موجود شرعی نہیں بدلتا نہ حکم جدید شرعی حادث ہو جس کے نظائر بیان ہوئے، تو قسم دوم میں مطلقاً والیان ملک مراد لینا درکنار مطلقاً والیان شرع بھی مراد نہیں بلکہ خصوصی مواضع میں شرع مطہر سے ثابت ہونا درکنار کہ شرع نے اس امر میں فلاں کو حکم جدید شرعی پیدا کرنے کا اختیار بخشا ہے بغیر اس کے شریعت پر اجتراً اور وہ پہلی توسیع قطعاً شرع مطہر پر افترا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

تنبیہ: ان تمام تقریرات ومسائل سے روشن ہوگیا کہ کسی امر میں کسی کے لئے ولایت شرعیہ ہونا ہم مسلمانوں کا ایک دینی مذہبی مسئلہ ہے جو خاص لحاظ سے شرع پر مبنی ہے کہیں ہر فقیر مفلس کے لئے ہے اور کہیں سلاطین اسلام کو بھی نہیں، تو اس کے انکار کو انکار سلطنت سے کوئی علاقہ نہیں، آخر نہ دیکھا کہ صدہا جگہ حکم شریعت نے خود سلطان اسلام بلکہ خلیفۃ المسلمین کے لئے بھی ولایت شرعیہ نہ مانی اس سے انکے سلطان و بادشاہ وحاکم وقت و والی ملک ہونے کا انکار نہ ہوا کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) وباللہ التوفیق۔

مقدمہ ششم: جس طرح بعض حجر محتاج حکم حاکم ہیں پھر حکم سے کبھی حجر حسی حاصل ہوتا ہے کبھی شرعی، جس کا بیان گزرا، یوں ہی تقلید قضا کہ فک حجر ہے دست نگر حکم والی ہے اور اس میں بھی تقسیم حسی و شرعی یا دنیوی و دینی ہے قضائے دنیوی کے لئے تو صرف منجانب والی تقرر بس ہے اگرچہ نہ وہ والی مسلم ہو نہ یہ مولٰی، کہ جس ملک میں جس مذہب وملت کے احکام جسے حاکم مقرر کریں گے ضرور وہ حکم پر قادر اور اس کا حکم وہاں نافذ، اور وہاں کی رعایا پر بحکم والیان ملک لازم القبول ہوگا، یہ وہی ولایت قسم اول ہے اور تمام مقدمات قسم اول کے لئے کافی ووافی ہے لیکن قضائے دینی شرعی کہ ولایت قسم دوم ہے اور مقدمات قسم دوم یعنی مسلمان کے حق میں احداث حکم جدید شرعی نافع آخرت کیلئے درکار ہے اس کے لئے جس طرح مولّٰی یا مقلَّد بالفتح یعنی اس قاضی کا مسلم ہونا شرع مطہر نے لازم مانا جس کا روشن ثبوت گزرا، یونہی مولّی یا مقلِّد بالکسر یعنی وہ والی شہر حاکم ذی اختیار صاحب فوج و خزانہ جس کے حکم کی طرف اس کا نصب وعزل منتہی ہو اس کا اسلام بھی لازم ہے کہ قضا ولایت مستقلہ نہیں بلکہ ولایت مقلِّد سے مستفاد، اور عدم مفید وجود نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر میں ہے:

اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما فی بعض بلاد	جب کوئی سلطان ہو اور نہ ہی کوئی ایسا حاکم جس کی طرف سے قاضی کی تقرری ہوسکے جیسا کہ

المسلمین غلب علیھم الکفار یجب علیھم ان یتفقوا علی واحد منھم یجعلونہ والیا فیولی قاضیا ویکون ھو الذی یقضی بینھم وکذا ینصبوا لھم اماما یصلی بھم الجمعۃ۔[1]

مسلمانوں کے وہ علاقے جہاں کفار نے غلبہ پالیا ہے تو وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے کسی ایک پر اتفاق کرکے اس کو والی قرار دیں تو وہ کسی کو قاضی مقرر کردے اور وہ لوگوں میں فیصلے کرے اور یونہی وہ مسلمان کسی کو جمعہ کا امام مقرر کریں جو جمعہ کی نماز پڑھائے۔(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

کل مصرفیہ وال مسلم من جھۃ الکفار تجوز فیہ اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیھم، واما فی بلاد علیھا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیھم طلب وال مسلم۔[2]

ہر ایسا شہر جس میں کفار کی طرف سے کوئی مسلمان والی مقرر ہو اس شہر میں جمعہ وعیدین کا قیام، خراج وصول کرنا، قاضی کی تقرری اور یتیم بچیوں کا نکاح جائز ہوگا کیونکہ اس طرح مسلمانوں کا ان پر غلبہ ثابت ہے اور لیکن وہ علاقے جہاں کفار ہی والی ہوں وہاں مسلمانوں کی رضامندی سے مقرر شدہ قاضی ہی بااختیار قاضی ہوگا تو وہاں مسلمانوں کو جمعہ وعیدین کا قیام جائز ہوگا اور مسلم والی کے لئے جدوجہد ان پر واجب ہوگی۔(ت)

درمختار میں ہے:

لوفقد وال لغلبۃ کفار وجب علی المسلمین تعیین وال وامام للجمعۃ، فتح۔[3]

اگر غلبہ کفار کی بنا پر مسلمان والی مفقود ہو تو مسلمانوں پر اپنے طور کسی قاضی اور جمعہ وعیدین کے امام کا تقرر واجب ہوگا، فتح (ت)

بعینہٖ اسی طرح معراج الدرایہ وتاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا میں ہے کہ ان کی عبارات

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۶۵
[2] جامع الفصولین الفصل الاول اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴
[3] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۳

بعونہ تعالٰی عنقریب آتی ہیں، نہرالفائق میں عبارت فتح القدیر نقل کرکے فرمایا:

هذا هو الذی تطمئن النفس الیه فالیعتمد[1].

یہی وجہ ہے جس پر نفس مطمئن ہوتا ہے تو اس پر اعتماد چاہئے۔(ت)

ابن عابدین نے اسے نقل کرکے فرمایا:

الاشارۃ بقوله هذا الی ما افادہ کلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من کافر[2]۔

اس کے قول "ھذا" سے فتح کے کلام سے جو فائدہ حاصل ہوا کہ کافر کی طرف سے قاضی کی تقرری صحیح نہیں ہے، کی طرف اشارہ ہے(ت)

اور یہ خود نص محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الاصل میں ہے کما سیاتی ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ ان شاء اللہ تعالٰی آگے آئے گا۔ت) یہ تمام نصوص صریحہ واضحہ قاطعہ ہیں کہ قضائے شرعی بمعنی مذکور کے لئے مولی و مولٰی دونوں کا اسلام ضرور ہے **اقول** وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ہاں اس کے لئے بادشاہ ملک کا مسلمان ہونا ضرور نہیں جیسے بادشاہ نامسلم کے زیرحکم کوئی اسلامی ریاست کا والی جس کی مسند نشینی بحکم و منظوری بادشاہ نامسلم ہوتی ہو کسی مسلمان کو اپنی رعایا پر عہدہ قضا دے قاضی شرعی ہوجائے گا اگرچہ بالواسطہ اس کی قضا بادشاہ نامسلم کی طرف مستند ہوئی کہ اسے والیٔ شہر نواب مسلمان نے مقرر کیا اور وہ نواب بادشاہ نامسلم کا مقرر کیا ہوا ہے اور مقلد مقلد مقلد ہے بلکہ وہ نواب مسلمان والی شہر صاحب فوج و خزانہ خود ایک اعلٰی درجہ کا قاضی ہے۔

درمختار میں ہے:

ثم الوالی بالطریق الاولٰی[3]۔

پھر والی بطریق اولٰی۔(ت)

شامی میں ہے:

ای ثبوت الولایة للوالی اولی لان القاضی یستمدها منه[4]۔

یعنی والی کے لئے ثبوتِ ولایت بطریق اولٰی ہوگی کیونکہ قاضی اس سے تقرر پاتا ہے(ت)

---

[1] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار " " " " " ۴/ ۳۰۸

[3] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[4] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۱

اور پر ظاہر کہ اس کا تقرر بلا واسطہ منظوری بادشاہ نامسلم ہوا تو نظر بر استفادہ وسبب وقضا تقلّدِ قضا من سلطان غیر مسلم کہہ سکتے ہیں اگرچہ یہاں حقیقت امر یہ ہے کہ ولایت نواب والی ملک اپنی ولایت عرفیہ یعنی غلبہ واستیلا سے مستفاد ہے کہ شرع مطہر نے والی مسلم کے لئے صرف اسے بھی سبب حصول ولایت معتبرہ عند الشرع مانا ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

السلطان یصیر سلطانا بامرین بالمبایعۃ معہ من الاشراف والاعیان وبان ینفذ حکمہ علی رعیتہ خوفا من قھرہ فان بویع ولم ینفذ فیھم حکمہ لعجزہ عن قھرھم لایصیر سلطانا فاذا صار سلطانا بالمبایعۃ فجار ان کان لہ قھر وغلبۃ لاینعزل[1]

سلطان کی تقرری دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے ایک اشراف اور اعیانِ حکومت کی بیعت، اور دوسرا رعیت پر اس کے دبدبے کی بنا پر اس کے حکم کا نافذ ہونا، تو اس کی بیعت ہوئی لیکن رعیت پر دبدبہ قائم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا حکم نافذ نہ ہوسکا تو سلطان نہ بن سکے گا تو جب سلطان بن گیا اور اپنے دبدبے اور غلبہ کی بنا پر ظلم کیا تو معزول نہ قرار پائے گا۔ (ت)

فصول عمادیہ پھر ہندیہ میں ہے:

ذکر فی الفتاوی ایضا تجوز صلوۃ الجمعۃ خلف المتغلب الذی لامنشور لہ من الخلیفۃ اذا کانت سیرتہ فی رعیتہ سیرۃ الامراء یحکم فیما بین رعیتہ بحکم الولایۃ لان بھذا تثبت السلطنۃ فیتحقق الشرط۔[2]

فتاوٰی میں بھی مذکور کہ ایسے سلطان کی اقتداء میں جمعہ جائز ہوگا جو خود غلبہ پاکر خلیفہ کی منظوری کے بغیر اقتدار پر فائز ہوگیا بشرطیکہ رعیت میں امراء کی سی سیرت قائم کرچکا ہو وہ اپنی ولایت کی بنا پر رعیت میں حکم نافذ کرچکا ہو کیونکہ اس سے سلطنت قائم ہوگئی تو شرط متحقق ہوگئی۔ (ت)

خلاصہ پھر بحر الرائق پھر طحطاوی پھر ابن عابدین میں ہے:

المتغلب الذی لاعھد لہ ای لامنشور لہ ان کان سیرتہ فیما بین الرعیۃ

خلیفہ کی منظوری کے بغیر غلبہ پانے والے نے رعیت میں امراء کی سی سیرت قائم کرلی اور اپنی

---

[1] ردالمحتار — کتاب القضاء — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۴/ ۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیہ — کتاب ادب القاضی — الباب الاول — نورانی کتب خانہ پشاور — ۳/ ۳۰۷

سیرۃ الامراء ویحکم بینھم بحکم الولاۃ تجوز الجمعۃ بحضرتہ[1]	ولایت کی بناء پر حکم تسلیم کرواچکا ہو اس کی موجودگی میں جمعہ قائم ہو سکے گا۔ (ت)

35

غایت یہ کہ اس کی ولایت عرفیہ طریقہ شرعیہ سے مستفاد یعنی بحکم امیر المومنین نہیں تو یہ ایک نواب کیا آج صدہا سال سے تمام رُوئے زمین کے سلاطینِ اسلام ایسے ہی ہیں اپنے استیلا ہی کے باعث سلطانِ اسلام ہیں وُہ اسے بھی حاصل اور منظوری بادشاہ اس کی معین ہے نہ کہ مخل، رہا بوجہ منظوری سبب، اس کی قضاء کو تقلید بادشاہ غیر مسلم کی طرف منسوب کرسکتے ہیں یہی دونوں صورتیں عبارت مسکین،

یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر سواء کان کافرا او مسلما کذا فی الاصل[2]	قضاء کی تقرری سلطان عادل خواہ ظالم سے ہوگی اس کا مسلمان ہونا اور کافر ہونا برابر ہے اصل (مبسوط) میں یونہی ہے (ت)

اور عبارتِ ہندیہ،

ذکر فی الملتقط والاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد کذا فی التاتارخانیۃ[3]	ملتقط میں ذکر کیا کہ سلطان میں اسلام شرط نہیں ہے یعنی جو سلطان قاضی کی تقرری کرے۔ تاتارخانیہ میں یونہی ہے (ت)

میں مراد ہیں اور اس پر دلیل قاطع یہ کہ مسکین نے اسے اصل سے نقل کیا، اصل مبسوط امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام ہے، مبسوط کی عبارت یہ ہے جو ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ میں بحوالہ معراج الدرایہ منقول،

البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لابلاد الحرب لانھم لم یظھروا فیھا حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونھم عن ضرورۃ او بدونھا وکل مصر فیہ وال	وہ بلاد جو کفار کے قبضے میں آئے ہیں وہ بلادِ اسلام ہیں بلادِ کفر نہیں ہیں کیونکہ کافر وہاں کفر کے احکام کو مسلط نہیں کرپائے بلکہ وہاں قاضی اور والی حضرات مسلمان ہیں وہ ایک ضرورت کے تحت یا ضرورت کے بغیر کفار کے ماتحت ہیں، وہ شہر جس میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۳۷-۳۸

[2] شرح الکنز لملا مسکین علٰی ہامش فتح المعین کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۰۷

من جهتهم يجوزله اقامة الجمع و الاعياد والحد وتقليد القضاء لاستيلاء المسلم عليهم فلوالولاة كفارا يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين و يجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما[1]

کفار کی طرف سے مقرر کردہ والی ہو تو جمعہ، عیدین اور حد کا قیام اور قاضیوں کا تقرر اس سے جائز ہے کیونکہ مسلمانوں کا کفار پر غلبہ ہے، تو اگر والی کفار ہوں تو مسلمانوں کو جمعہ کا قیام جائز ہوگا اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہو تو وہ با اختیار قاضی ہوگا اور مسلمانوں پر مسلمان والی کے لئے کوشش لازم ہے۔ (ت)

اور ہندیہ نے اسے تاتارخانیہ سے نقل کیا، تاتارخانیہ کی پوری عبارت یہ ہے جو ردالمحتار کتاب القضاء میں منقول ہے:

الاسلام ليس بشرط فيه اي في السلطان الذي يقلد و بلاد الاسلام التي في ايدي الكفرة لاشك انها بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانهم لم يظهروا فيها حكم الكفر، والقضاة مسلمون والملوك الذين يطيعونهم عن ضرورة مسلمون و لوكانت عن غير ضرورة منهم ففساق وكل مصر فيه وال من جهتهم تجوز فيه اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج و تقليد القضاة وتزويج الايامى لاستيلاء المسلم عليه، واما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضي

اسلام اس میں شرط نہیں یعنی اس سلطان میں جو قاضی کی تقرری کرتا ہے اور جو مسلمانوں کے علاقے کفار کے قبضہ میں ہیں بیشک وہ بلاد اسلام ہیں نہ کہ بلادِ حرب، کیونکہ کفار وہاں احکام کفر غالب نہیں کرپائے جبکہ وہاں قاضی مسلمان ہیں اور وہاں کے ملوک اگر کفار کے ماتحت ضرورت کی وجہ سے ہیں تو وہ مسلمان ہیں، اور اگر بغیر ضرورت ماتحت بنے ہوئے ہیں تو وہ فاسق ہیں اور وہ تمام شہر جن میں کفار کی طرف سے مسلمان والی مقرر ہیں وہاں جمعہ وعیدین کا قیام اور خراج کی وصولی اور قاضیوں کا تقرر اور یتیم بچوں کا نکاح جائز ہے کیونکہ یہاں مسلمان کو ولایت حاصل ہے لیکن وہ بلاد جہاں کفار والی ہوں تو وہاں مسلمانوں کو جمعہ و عیدین کا قیام جائز ہے اور وہاں مسلمانوں کی

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۴۰-۴۱

قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیھم ان یلتمسوا والیا مسلما منھم[1]

باہمی رضامندی سے مقرر شدہ قاضی با اختیار قاضی ہوجائے گا تو مسلمانوں کو لازم ہوگا کہ وہ کوئی اپنا مسلمان والی بنانے کیلئے کوشاں رہیں (ت)

ان نفیس وجلیل عبارات نے صاف صاف ایسے شہروں کی تین قسمیں فرمائیں: ایک وہ ملک جس میں بادشاہ مسلمان ہے مگر نامسلمان حکومت کے زیر اثر ہوگیا ہے جیسے آج کل بخارا شریف۔ اس کا بیان کتاب الاصل میں "او بدونھا" اور تاتارخانیہ میں "فقساق" تک ہے۔ دوسرے وہ کہ ریاست با اختیار صاحبِ فوج وخزانہ اسلامی ہے اور بادشاہ غیر مسلم، اس کا بیان دونوں عبارتوں میں "وکل مصر" سے "لاستیلاء المسلم علیھم" تک ہے۔ تیسرے وہ کہ ان پر والی بھی مسلمان نہیں عام ازیں کہ بادشاہ نامسلم نے تنہا اپنا قبضہ رکھا ہو یا کوئی غیر اسلامی ریاست قبول کی ہو، جیسے رجواڑے۔ اس کا بیان دونوں عبارات کے بقیہ میں ہے جواز تقلید قضائے شرعی دو صورت پیشیں سے خاص فرمایا، اور سوم میں بعینہ وہی جو فتح القدیر وجامع الفصولین سے گزرا ارشاد کیا کہ اب قضائے شرعی تراضی مسلمین پر رہے گی اب بھی اگر تقلد قضا شرعی صحیح ہو تو اس تخصیص اور اس تفریق حکم کے کیا معنی تھے اور عبارت امام محقق علی الاطلاق نے تو اس مفاد صریح کو اور بھی اوضح واصرح فرمادیا کہ،

اذا لم یکن من یجوز التقلید منہ[2] الخ۔

جب کوئی ایسا نہ ہو جس کی طرف سے قاضی کی تقرری ہوسکے الخ (ت)

تو روشن ہوا کہ نامسلم سے تقلد قضائے شرعی انھیں دو صورت وساطت مولّی مسلم میں ہے کہ پہلی صورت میں بادشاہ مسلم اور دوسری میں نواب مسلم ہے، صورت سوم میں یہ حکم ہرگز نہ رکھا اور صراحۃً اس کا عدم جواز ظاہر فرمادیا تو مسکین وہندیہ کہ انھیں اصل وتاتارخانیہ کا حوالہ دے رہے ہیں قطعاً ان کی یہی مراد لازم ورنہ حوالہ باطل اور نقل خلاف اصل ہوجائے گی، ہاں ان دونوں کے اختصار شدید نے اثارت وہم کی جس کے سبب بحرالرائق نے قول مسکین نقل کرکے عبارت مذکورۂ فتح القدیر وجامع الفصولین سے اس کا رد فرمایا کہ:

فی فتح القدیر ما یخالفہ (واثرنا اسلفنا

فتح القدیر میں وہ ہے جو اسکے مخالف ہے (اور جو ہم نے

---

[1] رد المحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۵

ثم قال) ویؤیدہ ما فی جیع الفصولین (ونقل ما قدمنا)[1] — پہلے بیان کیا اسکو نقل کیا پھر کہا جامع الفصولین کا بیان اس کی تائید کرتا ہے اور ہمارے پہلے بیان کو نقل کیا)۔ (ت)

یوں ہی درمختار نے قولِ مسکین ذکر کرکے کلامِ فتح سے اس کا تعقب کیا اور نہر الفائق نے کلامِ فتح نقل فرماکر اسی پر اعتماد لازم بتایا، یہ سب کچھ کلامِ مسکین میں حوالۂ کتاب الاصل دیکھنے پر رہا جو محرر المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کتب ظاہر الروایۃ سے ہے اس درجہ قوتِ عظیمہ کے تخیل پر بھی ان اکابر محققین نے اس پر اعتماد نہ فرمایا مگر بحمداللہ تعالٰی عبارت اصل یونہی ہندیہ کی منقول عنہا تاتارخانیہ کی اصل عبارت دیکھنے سے تمام سحاب شبہات واوہام کا پردہ چاک کرکے حق کا چاند چمکا دیا،

والحمد للہ رب العلمین ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق۔ — تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ تحقیق یوں چاہئے، اور اللہ تعالٰی زیادہ علم والا توفیق کا مالک ہے (ت)

مقدمہ ہفتم: ایک صورت ضرورت یہ آتی ہے کہ والی بھی مسلمان نہ ہو اور واضح ہوا کہ عام احکام جن کی روزانہ حاجت پڑتی ہے ان میں تو صرف ولایت قسم اول درکار ہے ولایت شرعیہ پر توقف نہیں مگر مسلمانوں کی دینی ضرورتیں وہ بھی آتی ہیں جن کے لئے بغیر ولایت شرعیہ سلطان اسلام بھی کافی نہیں ان میں خاص خاص حاجتوں کے لئے فریقین راضی ہوں تو حکم مقرر کرسکتے ہیں مگر بعض جگہ حکم کافی نہیں یا ایک فریق تحکیم پر راضی نہیں، وہاں کیا کیجئے کہ دینی حکم کے لئے دنیوی طریقہ کافی نہیں، اس طریقہ پر ہو جو باجازت شرع احکام شرعیہ کا احداث کرسکے اور آخرت میں کام دے اس کے لئے تمام کتب مذکورہ اور خود محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ حکم دیا کہ مسلمان اپنی ایسی دینی حاجتوں کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی شرع مقرر کرلیں اور ایک لفظ یہ فرمایا کہ کوئی مسلمان والی تلاش کریں کہ وہ قضائے شرعی کا افادہ کرے اس صورت دوم کا وجوب تو یہاں حسب نص قرآن عظیم ساقط ہے،

قال اللہ تعالٰی فاتقوا اللہ ما استطعتم[2] — اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالٰی سے ڈرو۔

وقال اللہ تعالٰی لا یکلف اللہ — اور فرمایا: اللہ تعالٰی

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاۃ فصل یجوز التقلید من السلطان الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۴

[2] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

نفسا الا وسعہا[1]۔ صرف وسعت کے مطابق کسی کو تکلیف دیتا ہے۔ (ت)

بلکہ وجوب درکنار یہاں اس کا جواز بھی نہ ہونا چاہئے کہ اس میں اثارت فتنہ ہے اور فتنہ جائز نہیں، اس میں اسلام و مسلمین کا ذلت پر پیش کرنا ہے اور یہ روا نہیں مگر صورت اولٰے یعنی اپنی ان دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی مقرر کرلینا اور نصب امام و خطیب جمعہ و امام عیدین و تفریق لعان وعنین و تزویج قاصرین و قاصرات بلاولی و فسخ نکاح بخیار بلوغ وامثال ذلک امور جن میں کوئی مزاحمت قانونی نہیں اس کے ذمہ رکھنا بلاشبہہ میسر ہے گورنمنٹ نے کبھی اس سے ممانعت نہ کی۔ جن قوموں نے اپنی جماعتیں مقرر کرلیں اور اپنے معاملات مالی و دیوانی قسم اول بھی باہم طے کرلیتے ہیں گورنمنٹ کو ان سے بھی کچھ تعرض نہیں اور ایسے مقدمات جو عاقل لوگ مصارف و دادوش سے بچنے کے لئے باہمی پنچایت سے فیصل کرلیتے ہیں گورنمنٹ ان کو کب مانع آتی ہے مگر یہ کہئے کہ خود مسلمان کو اپنے دینی امور دینی طور پر ہونے منظور نہ ہوں تو گورنمنٹ کو اس سے کیا بحث۔ تم مسلمان ہو، دین تمہارا ہے، تم جانو تمہارا کام۔ پھر اگر ان خاص امور کے لئے شرعی قاضی بہ تراضی مقرر کئے ہوئے کا حکم نفاذ بمعنی اول ہوتا نہ دیکھئے تکمیل حکم شرع یوں کرلیجئے، اس کے بعد مقدمات قسم دوم بھی قسم اول کی طرف عائد ہوجائیں گے تکمیل نفاذ حسی کے لئے گورنمنٹ نے لاکھوں روپے ماہوار کے صرف سے کچہریاں کھول رکھی ہیں تنفیذ وہاں سے ہوجائے گی، یوں دونوں مقصد دین و دنیا حاصل ہیں اور بفضلہٖ تعالٰی تمام حاجتیں روا اور ضرورتیں زائل ہیں وللہ الحمد، بلکہ مسلمان اگر اپنے دین کو دین سمجھیں اور امور شرعیہ بطریقہ شرعیہ انجام دینا چاہیں تو تلاش کی بھی حاجت نہیں، ہر قطر و ضلع میں جو عالم سُنّی صحیح العقیدہ متدین ہو حکم شرعی کی تکمیل اس کے یہاں کرلیں اور تنفیذ کے لئے گورنمنٹی محکمے کھلے ہوئے ہیں، فتاوٰی امام عتابی پھر حدیقہ ندیہ امام عبدالغنی نابلسی رحمہما اللہ تعالٰی میں اسی ولایت شرعیہ کی نسبت ہے:

اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر

جب زمانہ باکفایت سلطان سے خالی ہو تو معاملات علماء کے سپرد ہوتے ہیں اور امت پر ان کی طرف رجوع لازم ہوتا ہے اور علماء والی بن جاتے ہیں، تو جب لوگوں کو ایک عالم کی طرف رجوع دشوار ہو تو ہر علاقہ اپنے اپنے عالم کی طرف

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع اعلمهم[1] | رجوع میں مستقل ہوگا، تو اگر علماء علاقہ میں کثیر ہوں تو بڑا عالم قابلِ اتباع ہوگا۔(ت)

بحمد اللہ تعالٰی ان مقدمات جلیلہ نے ان فتووں کے حرف حرف کا بطلان آفتاب سے زیادہ روشن کردیا جس کے بعد کسی ذی فہم کو کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی پھر بھی زیادت ایضاح للقاصرین کے لئے ہر جگہ رَد کا مردود سے تعلق بتادینا اور بعض افاضات تازہ کا اضافہ کرنا انسب واولٰی۔ **فاقول و باللہ التوفیق** (تو میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی سے توفیق ہے۔ت):

اول: کلام حاکم نامسلم کی ولایت شرعیہ میں تھا جسے بادشاہ نامسلم نے مقرر کیا سائل نے اسی سے سوال کیا تھا مجیب نے اسی سے جواب دیا اور ثبوت کی سرخی دے کر جو گیارہ[۱۱] عبارتیں گنائیں ان میں پہلی نو[۹] مقلَّد بالفتح اور اخیر کی دو[۲] مقلِّد بالکسر سے متعلق ہیں۔ ان دو[۲] کا بیان شافی مقدمہ ششم میں گزرا کہ انھیں یہاں سے متعلق سمجھنا محض نادانی وبے فہمی ہے وہ صرف اس صورت سے متعلق ہیں کہ ریاست اسلامی کا والی موتی ہو اور بادشاہ نامسلم۔

دوم: بفرض باطل اگر یہ دو عام ہوتیں ہرگز تام نہ ہوتیں کہ کلام تو قاضی نامسلم میں ہے ان دو نے اگر بفرض غلط بادشاہ نامسلم سے تقلد قضائے شرعی مسلم کے لئے مطلقاً جائز رکھا تو نامسلم کے لئے جواز کیونکر ہوگیا، کیا قاضی مسلم و نامسلم کا شرعاً ایک حکم ہے،

قال اللہ تعالٰی افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون[2] | اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح کردیں، تمھیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کرتے ہو۔(ت)

سوم: رہیں وہ نو[۹]، ان میں سے آٹھ[۸] میں نامسلم کا نام تک نہیں، پہلی تیسری چوتھی نویں میں جاہل کا ذکر ہے اور چھٹی آٹھویں میں فاسق اور دوسری پانچویں میں جاہل و فاسق دونوں کا۔ کیا جاہل و فاسق مسلمان نہیں یا مسلم و نامسلم شرعاً یکساں ہیں، جو حکم ان کے لئے شرع نے مانا ہو ان پر قیاس کرکے نامسلم کے لئے بھی ثابت ہوجائے گا، کیا ایسا تعدیہ شرع پر تعدی نہیں و من یتعد حدود اللہ[3] (جو اللہ تعالٰی کی حدود سے تجاوز کرے۔ت) کا کیا حکم ہے۔

---

[1] الحدیقۃ الندیہ الخلق الخامس من الاخلاق الستین الخ المکتبۃ النوریۃ الرضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱
[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۵
[3] " " ۲/ ۲۲۹

چہارم: طرفہ یہ کہ یہاں جاہل سے مراد ہر غیر مجتہد ہے کہ اسے مجتہد کے مقابل اطلاق کیا ہے خود عبارت ہدایہ منقولہ فتوٰی میں ہے:

الصحیح ان اھلیۃ الاجتھاد شرط الاولویۃ فاما تقلید الجاھل فصحیح عندنا[1]۔

صحیح یہ ہے کہ اجتہاد اولٰی ہونے کی شرط ہے تو لیکن جاہل کی تقرری (قضاء کے لئے) تو ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ (ت)

بایں معنی آج تمام دنیا کے عالم اور خود یہ مفتی اور ان کے اساتذہ و اساتذہ اساتذہ صدہا سال سے سب جاہل ہیں کہ کوئی مجتہد نہیں اور ان کے طور پر ان کا اور مجوس و ہنود و نصارٰی و یہود سب کا ایک حکم ہے کیا یہ قابلِ تسلیم عقلِ سلیم ہے۔

پنجم: گیارہ میں یہ دس تو محض بے علاقہ و بیگانہ تھیں مگر سب میں لطیف تر وہ ایک باقیماندہ عبارت ردالمحتار یعنی ساتویں ہے جو اول تا آخر سراسر مزعوم فتوٰی کا رد و ابطال ہے اور مفتی کو اس سے استناد کا خیال ہے مفید و نامفید میں فرق نہ کرنا ایسا دشوار نہ تھا جیسا خود مضر کو مفید سمجھنے میں اشکال ہے، بحرالرائق میں تو یہ فرمایا کہ اگر سلطانِ اسلام کسی نامسلم کو اپنے حکم سے قاضی کر دے جب بھی تاوقتیکہ وہ مسلمان نہ ہو جائے مسلمان پر اس کی قضا صحیح نہیں کہ فرمایا:

لم یصح قضاؤہ علی المسلم حال کفرہ[2]۔

کافر کی قضاء حالتِ کفر میں مسلم پر صحیح نہیں ہے (ت)

اور اس سے استناد اس پر ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ نامسلم بھی نامسلم کو قاضی کر دے اور وہ نامسلم ہی رہے جب بھی مسلمانوں پر اس کی قضاء قضائے شرعی ہے، صحتِ تقلید کے معنی یہ تھے کہ اگر بعد تقلید مسلمان ہو جائے گا تقلید جدید کی حاجت نہ ہوگی نیز قبل اسلام غیر مسلمین پر اس کی قضا صحیح ہو جائے گی نہ یہ کہ مسلمین پر قضائے شرعی ہو، اسی ردالمحتار کے اسی صفحہ میں ہے:

تنبیہ، ظھر من کلامھم حکم القاضی المنصوب فی بلاد الدروز فی

تنبیہ: فقہاء کے کلام سے شام کے علاقہ بلاد دروز میں مقرر قاضی کا حکم واضح ہوا کہ دروز

---

[1] الہدایۃ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۳۲

[2] بحرالرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۵۹

ردالمحتار بحوالہ البحر 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۹۸-۹۹

القطر الشامی ویکون درزیا ویکون نصرانیا فکل منہما لایصح حکمہ علی المسلمین فان الدرزی لاملۃ لہ کالمنافق والزندیق و ان سمی نفسہ مسلماوھذا کلہ بعد کونہ منصوبا من طرف السلطان اوماموربذلک والا فالواقع انہ ینصبہ امیر تلک الناحیۃ ولا ادری انہ ماذون لہ بذلک ام لاولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم[1]	یا نصرانی ہو تو اس کی قضاء مسلمانوں پر جائز نہیں کیونکہ درزی کی کوئی ملت نہیں ہے جیسا کہ منافق اور زندیق کی ملت نہیں ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے، یہ تمام اس صورت میں ہے جب اس کو سلطان کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو یا ایسے کو مقرر کرنے کا مامور ہو اور اگر واقع یہ ہو کہ اس علاقہ کے کسی امیر کی طرف سے درزی قاضی مقرر شدہ ہو اور معلوم نہیں کہ وہ امیر اس بات کا ماذون ہے یا نہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (ت)

ششم : یہ اول عبارت تھا آخر یہ ہے کہ فتح نے فرمایا کافر غلام اگرچہ ایک نوع ولایت رکھتے ہیں مگر ان میں صحت ونفاذ سے مانع موجود ہے جب تک یہ آزاد اور وہ مسلمان نہ ہوگا ان کی قضاء صحیح و نافذ نہ ہوگی یعنی اس کی مطلقًا اور اس کی مسلمان پر کہ فرمایا :

لہ ولایۃ وبہ مانع وبالعتق والاسلام یرتفع[2]	اس کو ولایت ہوئی اور غلامی اور کفر اس کو مانع تھا اب عتق اور اسلام حاصل ہوجانے پر مانع ختم ہوگیا۔ (ت)

اور اس سے استناد اس پر کیا جاتا ہے کہ اس کی قضا مطلقًا قضائے شرعی ہے صحت تقلید کے وہ معنی بھی اس میں واضح فرمادئے تھے کہ :

لوقلد کافر القضاء فاسلم قال محمد ھو علی قضائہ فصار الکافر کالعبد[3]	اگر کفر کی حالت میں قاضی مقرر ہوا تو مسلمان ہوگیا، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ پہلی تقرری پر قاضی ہے تو یہ کافر غلام کی طرح ہوا۔ (ت)

اور عبد (غلام) میں فرمایا :

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۹
[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷
[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۶/ ۳۵۷

قلد عبد فعتق جاز ان یقضی بتلك الولایة من غیر حاجة الی تجدید[1]

عبد تھا جو قاضی مقرر ہوا اب وہ آزاد ہوگیا تو اس پہلی تقرری ولایت پر اس کی قضاء جائز ہوجائیگی نئی تقرری کی ضرورت نہ ہوگی۔ (ت)

ہفتم: طرفہ تر یہ کہ اس روایت ہفتم کا خود حاصل یہ بتایا کہ غیر مسلم میں قاضی ہونے کی کافی لیاقت ہے اگرچہ مسلمانوں پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوتے مگر اگر یہ ٹھہرے کہ ؏

خود گفتہ و خود نداند کہ چیست

(اپنے کہے ہوئے کو خود نہیں جانتا کہ کیا ہے۔ ت)

تو اس کی بات جدا ہے۔

ہشتم: کافی لیاقت سے اگر مراد مطلق قضاء کی لیاقت تو صحیح ہے کہ نامسلم کو نامسلم پر ولایت شرعیہ مل سکتی ہے جیسے اپنے نابالغ بچوں پر۔ درمختار میں ہے:

للکافر ولایة علی کافر مثله اتفاقا[2]

کافر کو اپنے جیسے کافر پر ولایت بالاتفاق حاصل ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

الکافر یجوز تقلیده القضاء لیحکم بین اهل الذمة[3]

اہل ذمہ میں فیصلے کے لئے کافر کو قاضی مقرر کرنا جائز ہے۔ (ت)

مگر اس سے مسلمانوں کے دینی امور میں ان پر ولایت شرعیہ کیونکر لازم، اور اگر عام مراد تو محض باطل اور نصوص قطعیہ قرآن عظیم و تصریحات جملہ ائمہ و کتب کے خلاف ہے جس کا بیان مقدمہ چہارم میں گزرا۔ غرض ثبوت کی یہ حالت تھی کہ گیارہ میں دس بیگانہ و بیکار اور ایک سراپا مخالف و ضار، استنباط کا حال اسی سے آشکار کہ الشجرۃ تنبئ عن الثمرۃ (درخت اپنے پھل کی اطلاع دیتا ہے۔ ت)۔

نہم: روایت ۱، ۳، ۸ سے یہ نتیجہ نکالا کہ قاضی کا فرض منصبی یہی ہے کہ حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے رفع ظلم کرے جس کے لئے نہ عالم کی ضرورت نہ پرہیزگار کی۔ اس سے مراد اگر صرف تنفیذ بمعنی

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷
[2] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳
[3] درمختار کتاب القضاء " " " ۲/ ۷۱

اول ہے تو حصر باطل، بلکہ اس کا فرض منصبی یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے لئے احکام شرعیہ ناحاصلہ حاصل کردے قیامت کو ان کے لئے مواخذۂ الٰہیہ سے نجات کی صورت کرے ائمہ مجتہدین کے اختلاف اٹھا کر مختلف فیہ کو مجمع علیہ کرے۔ اور اگر مراد عام ہے تو یہ قسم دوم ہرگز صرف دنیوی طاقت کا کام نہیں اس کے لئے مولٰی و مولٰی دونوں کا اسلام لازم اگرچہ عالم و متقی ہونا ضرور نہ ہو جیسا کہ مقدمہ ششم میں گزرا۔

دہم: روایات ۲، ۵، ۶، ۸ سے یہ لیا کہ قاضی میں علم و اتقا کی شرط اس نے چھوڑ دی کہ ایسے قاضی کا ملنا سخت مشکل ہے، علم و اتقا کی شرط مان لی جائے تو فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہوا، اور اس پر یہ قیاس کیا کہ ہندوستان میں اسلام کی شرط ماننے سے بھی فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا لہذا اسلام کی قید بھی اڑا دی۔ خود اس فتوٰی کی روایت ۱، ۳، ۴ میں تصریح ہے کہ علم شرط اولویت ہے نہ شرط صحت۔ یہی حال اتقا کا ہے، فصول امام استروشنی پھر غایۃ البیان امام اتقانی میں ہے:

كون القاضي عدلا ليس بشرط ايضا حتى قال اصحابنا رضي الله تعالٰى عنهم ان الفاسق يصلح ان يكون قاضيا والعدالة شرط الاولوية في ظاهر الرواية[1]

قاضی کا عادل ہونا بھی شرط نہیں ہے حتی کہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا بے شک فاسق قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جبکہ عدالت اولی ہونے کی شرط ہے ظاہر الروایۃ میں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

الفاسق اهل للقضاء حتى لو قلد يصح الا انه لا ينبغي ان يقلد هذا هو ظاهر المذهب وعليه مشايخنا رحمهم الله تعالٰى وقال الشافعي رحمة الله تعالٰى عليه الفاسق لا يجوز قضاؤه[2]

فاسق قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے حتی کہ اگر وہ ہو جائے تو صحیح ہے مگر یہ مناسب نہیں کہ اس کی تقرری کی جائے، یہی ظاہر مذہب اور ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی اس پر اعتماد کرتے ہیں البتہ امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ فاسق کی قضاء درست نہیں ہے۔ (ت)

بدائع ملک العلماء میں ہے:

كذا العدالة عندنا ليست بشرط لجواز

یونہی تقرری کے لئے عدالت شرط نہیں لیکن کمال

---

[1] غایۃ البیان

[2] الہدایۃ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۳۲

التقلید لکنها شرط الکمال فیجوز تقلید الفاسق وتنفذ قضایاه اذا لم یجاوز فیها حد الشرع وعند الشافعی رحمه الله تعالٰی شرط الجواز ۔[1]

کے لئے یہ شرط ہے لہذا فاسق کی تقرری اور اس کی قضاء کا نفاذ جائز ہے جب اپنے فیصلوں میں اس نے شرع سے تجاوز نہ کیا ہو، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں عدالت جوازِ قضا کے لئے شرط ہے۔ (ت)

اور اسلام قطعاً شرطِ صحت ہے جس کا ثبوت قرآن عظیم ونصوصِ ائمہ سے گزرا اولویت کی شرطوں سے اگر درگزر کی گئی تو اس سے شرطِ صحت کو بھی اڑا دینے کا جواز کیونکر لازم آیا یعنی علماء نے غیر اولٰی کو صحیح مانا ہے لہذا ہم باطل کو حق مانے لیتے ہیں کیونکہ جیسا خلافِ اولٰی ویسا ہی باطل ایک ہی بات ہے۔

یازدہم: نماز فاسق کے پیچھے مکروہ ہے پھر بھی جمعہ میں جہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو علماء نے بضرورت اس کراہت سے درگزر کی ہے، فتح القدیر میں ہے:

فی الدرایة قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعة لان فی غیرها یجد أماما غیره اھ یعنی انه فی غیر الجمعة بسبیل من ان یتحول الی مسجد اٰخر ولایأثم فی ذٰلك ذکره فی الخلاصة وعلی هذا فیکره فی الجمعة اذا تعددت اقامتها فی المصر علی قول محمد وهو المفتی به لانه بسبیل من التحول حینئذ ۔[2]

درایہ میں ہے کہ ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ فاسق کی اقتداء جمعہ کے بغیر مناسب نہیں کیونکہ جمعہ کے ماسوا نمازوں کے لئے امام دوسرا مل جاتا ہے یعنی غیر جمعہ میں گنجائش ہے کہ وہ دوسری مسجد میں چلا جائے تو گنہگار نہ ہوگا۔ اس کو خلاصہ میں بیان کیا تو اس وجہ کی بناء پر جمعہ میں بھی ایسے امام کی اقتداء مکروہ ہوگی جب جمعہ شہر میں متعدد جگہ ہوتا ہو جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اور وہی مفتٰی بہ قول ہے کیونکہ اس صورت میں بھی اسے دوسرے امام جمعہ کے لئے گنجائش ہے (ت)

لہذا اگر کہیں صرف جاہل مسلمان ہوں جن کو سورۂ فاتحہ بھی صحیح یاد نہیں، جیسے دیہات بلکہ قصبات بلکہ ہندوستان کے شہروں میں لاکھوں آدمی اسی طرح کے ہیں اور کوئی پادری صاحب شوقیہ طور پر فاتحہ اور چند سورتیں ٹھیک یاد کرچکے ہوں تو اس فتوے کی رائے میں بضرورت ان پادری صاحب کو

---

[1] بدائع الصنائع کتاب ادب القاضی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۳

[2] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب الامامة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۴

امام کرکے جمعہ پڑھ لیں گے کہ علمائے بضرورت شرط اولیت سے درگزر کی تھی یہ بضرورت شرط اسلام اڑادیں گے انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

دوازدہم: فاقد الطہورین میں اختلاف ہے کہ تاخیر کرے یا تشبّہ، درمختار میں ہے:

یؤخرھا عندہ وقالا یتشبہ بالمصلین وجوبا ثم یعید بہ یفتی والیہ صح رجوعہ۔[1]

امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک مؤخر کرے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک نمازیوں سے تشبّہ کرنا واجب ہے پھر بعد میں اعادہ کرے، اسی پر فتوٰی ہے، اور امام صاحب کا اس طرف رجوع صحیح ثابت ہے۔ (ت)

بالجملہ اس پر اجماع ہے کہ نماز نہیں پڑھ سکتا مگر اس فتوے کے طور پر بے وضو ہی نمازیں پڑھا کرے کہ اس سے زائد ضرورت کس کی ہوگی اور ضرورت سے اس فتوے نے شرائط صحت بھی ساقط مان لی ہیں۔

سیزدہم: روایت ۸ سے یہ واضح بتانا کہ رشوت لے کر فیصلہ بالاجماع باطل سخت عجیب ہے حالانکہ خود اس روایت کی عبارت منقولہ فتوٰی میں اس کا رَد موجود ہے کہ اجماع کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ امام فخر الاسلام بزدوی کا مختار یہ ہے کہ وہ فیصلہ نافذ ہے، اور اسی کو امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں ترجیح دی۔

چاردہم: مختلف فیہ مسئلہ میں بالفرض ایک طرف ترجیح نہ بھی ہوتی محل ضرورت میں اسے اختیار کرنے سے کیونکر لازم آتا کہ اسے سند بناکر دوسری جگہ بزعم ضرورت اپنی رائے سے نصوص قطعیہ قرآن عظیم واجماع جمیع ائمہ کے خلاف چلئے نہ کہ وہ مسئلہ جس میں فتوائے ائمہ مختلف ہوا اس میں ایک جانب کو ضرورت کے باعث بالخصوص معتمد کرلینے کو رد قرآن واجماع کی حجت بنالیجئے ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

پانزدہم: بفرض باطل بطلان فیصلۂ رشوت پر اجماع ہی ہوتا تو فیصلہ قطعاً اہل سے محل میں صادر ہوا تھا امر خارج وجہ بطلان ہوتا جو انتہائی کوشش کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ قضا عمل لوجہ اللہ ہے اور جب رشوت لے کر قضا کی، عمل اپنے لئے ہوا نہ کہ اللہ عزوجل کے لئے۔ فتح القدیر میں ہے:

حاصل امر الرشوۃ فیما اذا قضی

رشوت کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ حق فیصلہ میں

---

[1] درمختار کتاب الطہارۃ فصل فی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۴

بحق ایجابها فسقه وقد فرض ان الفسق لا یوجب العزل فولایته قائمة وقضاؤه بحق فلم لا ینفذ وخصوص هذا الفسق غیر مؤثر وغایة ما وجه به انه اذا ارتشی عامل لنفسه یعنی والقضاء عمل لله تعالی [1]

رشوت لی تو اس کا حکم فسق ہے اور مفروض یہ ہے کہ وہ معزولی کا موجب نہیں تو اس کی ولایت قائم ہے تو اس کا حق فیصلہ کیوں نہ نافذ ہوگا اور یہ خاص فسق فیصلہ کے لئے مؤثر نہیں ہوگا، اور انتہائی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جب قاضی رشوت لے گا تو گویا وہ اپنی ذات کے لئے عامل ہوا جبکہ قضاء کا عمل اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے ہوتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النهر تبعا للبحر وانت خبیر بان کون خصوص هذا الفسق غیر مؤثر ممنوع بل یؤثر بملاحظة کونه عملا لنفسه وبهذا یترجح ما اختاره السرخسی [2] اھ

بحر کی اتباع میں نہر میں کہا تجھے علم ہے کہ اس خاص فسق کا غیر مؤثر ہونا ممنوع ہے بلکہ اپنے لئے عامل ہوجانے کے پیش نظر یہ مؤثر ہوگا، اس اعتبار سے امام سرخسی کے مختار کو ترجیح حاصل ہوجائیگی اھ (ت)

اقول یہ کہ محقق علی الاطلاق نے نکالا اور اس پر اعتماد نہ فرمایا واقعی اصلاً لائقِ اعتماد نہیں کہ عمل لوجہ اللہ تعالٰی نہ ہونے سے اخلاص گیا" اور عدمِ اخلاص نفیِ ثواب کرتا ہے نہ کہ نفیِ صحت۔ ردالمحتار میں ہے:

الاخلاص شرط للثواب لا للصحة [3]

اخلاص ثواب کیلئے شرط ہے صحت عمل کے لئے نہیں (ت)

یہاں تک کہ اگر کسی سے کہا جائے اس وقت کی نماز پڑھ تجھے ایک اشرفی دیں گے وہ اسی نیت سے نماز پڑھے فرض ساقط ہوجائے گا اگرچہ ثواب نہ پائے گا نہ اشرفی کا مستحق ہوگا۔ درمختار میں ہے:

قیل لشخص صل الظهر ولك دینار فصلی بهذه النیة ینبغی ان تجزئه ولا یستحق

ایک شخص کو کسی نے کہا تو ظہر کی نماز پڑھے تو تجھے دینار ملے گا، تو اس نے اس نیت سے نماز پڑھ لی تو مناسب حکم یہ ہے اس کی نماز جائز قرار پائیگی

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۵۸
[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۰۴
[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب شروط الصلوٰۃ " " " " " ۱/۲۷۸

الدینار[1] | اور دینار کا مستحق نہ ہوگا۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

اما الاجزاء فلما قدمنا ان الریاء لایدخل الفرائض فی حق سقوط الواجب واما عدم استحقاق الدینار فلان اداء الفرض لایدخل تحت عقد الاجارۃ[2]

نماز کو جائز کہنا اس لئے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ریاکاری واجب کے سقوط میں فرائض پر اثر انداز نہیں ہوتی، باقی رہا استحقاق دینار کا معاملہ تو وہ اس لئے کہ فرض کی ادائیگی عقد اجارہ کے تحت داخل نہیں ہوتی۔ (ت)

بلکہ اب فتوٰی جواز اجرت امامت پر ہے اور شک نہیں کہ اجیر عامل لنفسہ ہے نہ کہ عامل ﷲ تعالٰی حالانکہ اس کی نماز قطعاً صحیح ہے بہرحال قضا بر رشوت میں جو کچھ خلل ہے امر خارج میں ہے اہلیت برقرار ہے توجہاں اہلیت شرعاً منتفی ہے اس کا اس پر قیاس کیونکر ممکن۔

شانزدہم: یہ بھی غلط ہے کہ فیصلہ مذکورہ رشوت میں قول متقدمین بطلان ہے اور متاخرین نے نفاذ مانا بلکہ قول بطلان اختیار امام شمس الائمہ سرخسی ہے اور قول نفاذ اختیار امام فخر الاسلام بزدوی کہ ان کے معاصر بلکہ ان سے وفات میں متقدم ہیں، امام بزدوی کی وفات شریف ۴۸۲ھ میں ہے اور امام سرخسی کی حدود سنہ ۵۰۰ھ یا حدود سنہ ۴۹۰ھ میں۔

ہفدہم: یہ بھی غلط ہے کہ قائلان نفاذ نے نفاذ اس ضرورت سے مانا ہو کہ اب سب حکام رشوت خوار ہیں نہ مانیں تو فیصلہ کا دروازہ بند ہوگا یہ امر صرف علامہ شامی نے اپنے زمانے کی نسبت لکھا جو اسی تیرھویں صدی میں تھے جن کے انتقال کو ابھی اسّی سال ہوئے ہیں ۱۲۵۲ھ میں وصال فرمایا۔ قائلان نفاذ کے دلائل واضحہ وہ ہیں کہ گزرے۔

ہجدہم: یہ ضرورت زمانہ امام فخر الاسلام میں کیونکر ہوتی حالانکہ درمختار میں معروضات مفتی ابوسعود سے ہے:

لما وقع التساوی فی قضاۃ زماننا فی وجود العدالۃ ظاھرا ورد الامر

جب ہمارے زمانے کے قاضی حضرات ظاہراً عدالت میں مساوی ہوں تو حکم ہے کہ علم، دیانت

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب شروط الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۶۴

بتقدیم الافضل فی العلم والدیانۃ والعدالۃ[1]

اور عدالت میں جو افضل ہو اس کو ترجیح دی جائے۔ (ت)

اس پر اسی ردالمحتار میں فرمایا:

ھذا کان فی زمنہ وقد وجد التساوی فی عدمہا الاٰن فلینظر من یقدم[2]

یہ ان کے زمانہ میں تھا حالانکہ اب عدم عدالت میں سب مساوی ہیں تو اب ترجیح میں غور کرنا ہوگا۔ (ت)

مفتی ابوالسعود دسویں صدی ہجری کے آخر میں تھے ۹۸۲ھ میں انتقال فرمایا، جب ان کے زمانہ تک تمام قاضی ظاہر العدالۃ تھے تو زمانہ امام اجل بزدوی میں کہ ان سے پورے پانسو برس پہلے تھا سب رشوت خوار کیسے ہوئے۔

نوزدہم: اپنے زمانے تیرھویں صدی کی نسبت جو علامہ شامی نے لکھا وہ بھی محلِ نظر ہے قضاۃ اگر محصول سلطنت کے لئے لیتے تھے جیسے یہاں کورٹ فیس لی جاتی ہے تو وہ رشوت قاضی کیونکر ہوسکتی ہے اور اگر اپنے ہی لئے لیتے تھے جب بھی حدِ رشوت میں اس کا آنا مشکل کہ یہ محصول عام طور پر لیا جاتا ہے نہ کہ خاص اس فریق سے جس کے موافق فیصلہ دیتا ہے اور رشوت کسی کا کام بنانے کے لئے لی جاتی ہے نہ کہ مطلق، یوں ہی اجرت، تو وہ لینا محض ایک غصب ہوگا جو فسق ہے اور فسق مانع نفاذ نہیں۔

بستم: فتوے میں یہ عبارت علامہ شامی فکذا یقال ھنا (یہاں بھی یوں کہا جائے گا۔ت) تک نقل کی اس کے متصل انھوں نے فرمایا: وانظر ماسنذکرہ فی اول باب التحکیم[3] اسے دیکھو جو ہم شروع باب تحکیم میں ذکر کریں گے، اسے چھوڑ دیا۔ شروع باب تحکیم میں یہ فرمایا ہے:

تنبیہ، فی البحر عن البزازیۃ قال بعض علمائنا اکثر قضاۃ عہدنا فی بلادنا مصالحون لانھم تقلدوا القضاء بالرشوۃ ویجوز ان یجعل حاکما بترافع القضیۃ واعترض بان

تنبیہ: بزازیہ سے بحر میں ہے فرمایا، بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہمارے علاقہ کے اکثر قاضی حضرات اس زمانہ میں ثالث ہیں کیونکہ انھوں نے رشوت کے ذریعہ تقرری حاصل کی ہے ان کے ہاں مقدمہ پیش کرنے پر ان کا ثالثی فیصلہ قرار پائے گا اور یہ

---

[1] درمختار | کتاب القضاء | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۷۱
[2] ردالمحتار | 〃 | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/۳۰۰
[3] و[4] 〃 | 〃 〃 〃 〃 | ۴/۳۰۴

الی فعم لیس علی وجه التحکیم بل علی اعتقاد انه ماضی الحکم وحضور المدعی علیه قد یکون بالاشخاص والجبر فلایکون حکماً الاتری ان البیع قد ینعقد ابتداء بالتعاطی لکن اذا تقدمه بیع باطل او فاسد و ترتب علیه التعاطی لاینعقد البیع لکونه ترتب علی سبب آخر فکذا ھنا ولھذا قال السلف القاضی النافذ حکمه اعز من الکبریت الاحمر اھ قال ط وبعض الشافعیة یعبر عنه بانه قاضی ضرورۃ اذ لایوجد قاضٍ فیما علمناہ من البلاد الاوھو راش و مرتش اھ وانظر ما قدمناہ اول القضاء[1]

اعتراض کہ ان کے ہاں دعوٰی ثالثی کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ اس اعتقاد پر کیا جاتا ہے کہ یہ فیصلہ لازم ہوگا اور ان کے ہاں مدعا علیہ کی حاضری عملہ کے ذریعہ اور جبراً ہوتی ہے تو ثالث نہ ہوئے، آپ دیکھتے نہیں کہ دستی تبادلہ سے ابتداءً بیع ہوجاتی لیکن جب پہلے یہ بیع باطل یا فاسد ہوچکی ہو تو اس کے بعد یہ دستی تبادلہ بیع نہیں بن سکتی کیونکہ اب یہ ایک اور سبب پر مرتب ہے تو یہاں بھی معاملہ ایسا ہے اور اسی وجہ سے سلف نے فرمایا کہ ایسا قاضی جس کا حکم نافذ ہوتا ہو بہت کم ہے اھ طحطاوی نے کہا اور بعض شافعی حضرات نے اس کو یوں تعبیر کیا ہے کہ یہ ضرورت کی بنا پر قاضی ہیں اس لئے کہ ہمارے معلومات میں تمام بلاد کے قاضی رشوت لینے اور دینے والے ہیں اھ، جو ہم نے قضاء کے باب کی ابتداء میں بیان کیا ہے اسے دیکھو۔ (ت)

بست ویکم: بلکہ یہیں اس کے متصل یہ عبارت تھی:

وفی الحامدیة عن جواھر الفتاوٰی قال شیخنا و امامنا جمال الدین البزدوی انا متحیر فی ھذہ المسألة لااقدران اقول تنفذ احکامھم لما اری من التخلیط والجھل والجراءۃ فیھم، ولااقدران اقول لاتنفذ لان اھل زماننا کذلک فلو افتیت بالبطلان ادی الی ابطال الاحکام جمیعا یحکم

اور حامدیہ میں جواہر الفتاوٰی سے منقول ہے کہ ہمارے شیخ اور امام جمال الدین بزدوی نے فرمایا میں اس مسئلہ میں حیران ہوں، نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کے حکم نافذ ہیں کیونکہ فیصلوں میں انکی جہالت، جراءت اور خلط دیکھ رہا ہوں اور نہ ہی یہ کہہ سکتا ہوں کہ نافذ نہیں ہیں کیونکہ ہمارے اہل زمانہ اسی طرح ہیں اگر میں باطل ہونے کا فتوٰی دوں تو اس سے تمام فیصلوں کا باطل ہونا لازم آتا ہے، اللہ تعالٰی ہی ہمارے اور زمانہ کے قاضیوں کے درمیان فیصلہ فرمائیگا

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۸-۳۴۷

36 اللہ بیننا وبین قضاۃ من ماننا افسدوا علینا دیننا وشریعۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یبق منھم الا الاسم والرسم[1] اھ۔

انھوں نے ہمارا دین اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت کو فاسد کیا اب ان میں دین وشریعت کا صرف نام ورسم باقی ہے اھ۔ (ت)

سبحان اللہ! ائمہ کرام وعلمائے اعلام تو اسلامی سلطنتوں میں مسلمان سلاطین کے مسلمان قضاۃ میں یُوں فرمائیں بعض حیران ہوں کہ ان کو کیونکر قاضی شرعی مانا جائے بعض تصریح فرمائیں کہ وہ قاضی نہیں پنچ ہیں پھر اسے بھی رَد فرمادیں کہ پنچ کہنا بھی ٹھیک نہیں انھیں قاضی ضرورت ماننا جیسا کہ علامہ شامی کا اس عبارت میں خیال تھا بعض شافعیہ کا قول کہیں سلف صالح سے نقل کریں کہ قاضی شرعی کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر ہے اور یہاں یہ حکم بالجزم ہے کہ اگرچہ نامسلم سلطنت ہو اگرچہ نامسلم حکام ہوں سب قاضی شرعی ہیں فسبحٰن مقلب القلوب والابصار۔

بست ودوم: اس ضرورت سے ائمہ غافل نہ تھے، مقدمہ ہفتم دیکھو کہ خود محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس صورت ضرورت کو ذکر فرمایا اور اس کا علاج بتایا جسے ہم نے موافق قانون وقت کر دکھایا، پھر زعم ضرورت کی کیا گنجائش رہی اور محض باتباع ہوا مخالفت قرآن وتبدیل شریعت واقع ہوئی والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

بست وسوم: جب خاص جزئیہ کتب مذہب اور خود ارشادات محرر مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں صاف صاف بالتصریح موجود تھا تو اس کے خلاف اور تمام نصوص کے خلاف اور خود قرآن عظیم کے خلاف مفتی کو اجتہاد لایعنی وقیاس بے معنی کے کیا معنی، اور ایسی جگہ ھذا ما استقر علیہ رأیی (میری رائے اسی پر قائم ہوئی ہے۔ ت) کی صدا لگانی کس نے مانی۔

بست وچہارم: بالفرض تصریح جزئیہ نہ بھی ہوتی تو اجتہاد کی لیاقت کس گھر سے آئی۔

بست وپنجم: انہم بر علم تو نصِ قرآنی کے مقابل اجتہاد کیسا۔

بست وششم: بالفرض باطل کوئی جزئیہ نادرہ شاذہ ہوتا بھی تو ظاہر الروایۃ ونصوص متواترہ وتصریحات متظافرہ اور خود آیات متکاثرہ کے مقابل مردود ہوتا اور اس پر فتوٰی دینا حسب

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۴

تصریح علماء کرام جہل وخرق اجماع ہوتا، تصحیح القدوری پھر درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق للاجماع[1]	مرجوح قول پر فیصلہ اور فتوٰی جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے۔ (ت)

جہاں کہ وہ بھی ہاتھ میں نہیں اس کی سخت شناعت کس درجہ تھہین۔

بست وہفتم: بفرضِ محال اگر مرجوح نہیں کوئی قول مساوی بھی گھڑ لیا جاتا جب بھی اس کے سبب ابطال وقف روا نہ ہوتا کہ مسائل مختلف فیہا میں فتوٰی اس پر واجب ہے جو وقف کے لئے انفع ہو، نہ اس پر کہ وقف کا الغی ہو کما نصوا علیہ فی غیر ما کتاب (جیسے کہ کثیر کتب میں فقہاء کرام نے تصریح فرمائی۔ ت)

بست وہشتم: مفتی ومصدقین ومستفتی واہل معاملہ سب صاحبوں سے خیرخواہانہ معروض۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ ط اولٰئک الذین ھدٰھم اللہ واولٰئک ھم اولوا الالباب[2]	اے نبی! خوشی کی خبر دے میرے بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر بہتر کی پیروی کریں وہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی عقلمند ہیں۔

اور فرماتا ہے:

والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ط ولم یصروا علی ما فعلوا وھم یعلمون ۝ اولٰئک جزاؤھم مغفرۃ من ربھم وجنٰت تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا ونعم اجر العٰملین ۝[3]	اور جنت ان کے لئے تیار کی گئی ہے کہ جب کوئی بدی یا گناہ کر بیٹھیں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور اللہ کے سوا کون گناہ بخشے اور اپنے کئے پر دانستہ ہٹ نہ کریں ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے معافی ہے اور باغ جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں اور کام والوں کا کیا اچھا نیگ۔

---

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵
[2] القرآن الکریم ۳۹/۱۷، ۱۸
[3] ؍؍ ۳/۱۳۵-۱۳۶

ابوداؤد، ترمذی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما اصر من استغفر[1] جس نے معافی مانگ لی اس نے ہٹ نہ کی۔

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ان الحق قدیم ولا یبطل الحق شیئ و مراجعۃ الحق خیر من التمادی فی الباطل[2] رواہ الدارقطنی والبیہقی و ابن عساکر عن ابی العوام البصری۔ بیشک حق قدیم ہے حق کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی حق کی طرف رجوع باطل پر قائم رہنے سے بہتر ہے (اس کو دارقطنی، بیہقی اور ابن عساکر نے ابوالعوام البصری سے روایت کیا ہے۔ ت)

یہ فرمان امیر المومنین نے اپنے قاضی ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ارسال فرمایا۔

خوشی و شادمانی ہے انھیں جو سُنیں اور گردن رکھیں انسان سے خطا مستبعد نہیں مگر خیر الخطائین التوابون[3] خطاکار کی خیر اس میں ہے کہ توبہ کرے رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم وصححہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اس کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح کہہ کر انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ ت) حق کی طرف رجوع سے عار وسوسۂ ابلیس ہے اس کا ساتھ بہتر یا اس کے ارشاد کی اطاعت جو قرآن مجید میں فرماچکا کہ خطا پر اصرار نہ کیا تو میں نے تمھارے لئے جنت تیار کر رکھی ہے شیطان سمجھاتا ہے کہ رجوع کی تو علم وعقل کو بٹا لگے گا۔ دشمن جھوٹا ہے اور اللہ سچا کہ اچھی بات سن کر ماننے والے ہی ہدایت پر ہیں اور وہی عقل والے ہیں اللہ توفیق دے۔

بست ونہم: یہ فتوے چھپ کر شائع ہوئے ان کا ضرر متعدی ہوا، کہاں دہلی کرنال کہاں راولپنڈی گولڑہ جہاں سے یہاں آیا، اس کا ازالہ مفتی ومصدقین سب پر فرض ہے، جیسے یہ فتوے شائع ہوئے یوں ہی ان کا بطلان، ان سے رجوع ملک میں شائع کریں، اس میں اللہ کی رضا ہے اللہ کے رسول کی رضا ہے، خلق کے نزدیک عزت ووقعت ہے، حق پسند کا لقب ملنا بڑی دولت ہے، رسول اللہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات احادیث شتی من ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹۵

[2] سنن الدارقطنی کتاب الاقضیہ والاحکام نشر السنۃ ملتان ۴/ ۲۰۷

[3] جامع الترمذی ابواب صفۃ القیامۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۷۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اذا عملت سیئة فاحدث عندها توبة السر بالسر والعلانیة بالعلانیة[1] رواہ الامام احمد فی الزھد والطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن۔

جب تو گناہ کرے تو فورًا توبہ کر، خفیہ کی خفیہ اور علانیہ کی علانیہ ۔ (اس کو امام احمد نے زہد میں اور طبرانی نے کبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ ت)

افسوس کہ چھاپنے والے صاحب نے تمہید میں لکھا تھا "بغرض اطلاع عام مسلمان اور علمائے حنفیہ ہندوستان عرض کیا جاتا ہے" اور آخر میں لکھا تھا "یہ مضمون اہل اسلام ہند اور علمائے حنفیہ کے روبرو پیش کرنا ہے" ممکن کہ قریب مواضع دیوبند و تھانہ بھون بھیجا اور جواب موافق ملا یا سکوت رہا ہو یہاں اب تین برس کے بعد ایک بندۂ خدا نے بھیجا اور اس کی صحت و بطلان سے استفتاء کیا اول ہی آجاتا تو مفتی و مصدقین پر حق جلد کھل جاتا، ماننا نہ ماننا جب بھی توفیق پر تھا اب بھی توفیق پر ہے،

وحسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے اور اللہ تعالٰی ہی جسے چاہتا ہدایت فرماتا ہے۔ (ت)

سیوم : اشاعت فتوے میں لکھا ہے کہ جائداد کرنال کے واقف حکماً محجور و ممنوع التصرف کردئے گئے تھے اور حکام رجسٹری کو ممانعت کی گئی تھی کہ ان کی کسی دستاویز انتقال پر رجسٹری نہ کریں اس کے احکام امتناعی کرنال، مظفر نگر، الہ آباد تین محکموں سے ۲۴ اگست لغایت ۲ ستمبر ۱۹۰۵ء صادر ہو چکے تھے، پھر بھی یہ لکھا ہے کہ انھوں نے ۲۵ اگست ۱۹۰۵ء کو اپنی جائداد کا وقف نامہ لکھا اور ۵ ستمبر ۱۹۰۵ء کو اس پر رجسٹری ہوئی ۔ احکام امتناعی کے بعد رجسٹری کیونکر ہوئی تو وہ بھی حکم ہے جس سے فک حجر متصور ہو یا بطور خود کسی اہلکار کی حکم عدولی بہر حال یہ قانونی بحث ہے شریعت مطہرہ کے حکم میں بلاشبہ وہ وقف صحیح ہو کر تام و نافذ و لازم ہے جائداد ملک واقف سے خارج ہو کر خالص ملک الٰہی عزوجل ہوگئی، اور اب ان فتووں کی رُو سے ورثا وقف کو باطل کرکے اس پر مالکانہ قابض ہوگئے اس کا وبال عنداللہ مفتی و مصدقین کے سر ہے بقائے جائداد تک اس مال خدا میں جتنے تصرفات مالکانہ نسلاً بعد نسل ہوا کرینگے ہمیشہ ان کا وبال مفتی و مصدقین کی زندگی میں اور بعد موت قبر میں پہنچا رہے گا

---

[1] الزہد للامام احمد بن حنبل ترجمہ الامام احمد بن حنبل الدیان للتراث قاہرہ مصر ص ۳۵

خود فتوے نے تسلیم کیا ہے کہ احکام قانونی شرعاً وہی مفید ہیں جو مطابق شرع ہوں نامسلم تو نامسلم خود قاضیان اسلام بلکہ سلاطین اسلام اگر کوئی چیز زید کو برخلاف حکم شرع دلا دیں وہ ہرگز اس کے لئے حلال نہ ہوجائے گی احکام سلاطین دنیا تک ہیں آخرت میں کام نہیں آسکتے، سلاطین درکنار خود صاحب شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انکم تختصمون الی فلعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو مما اسمع فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ عن النار فلیأخذھا اولیترکھا[1]۔ رواہ الائمۃ مالک واحمد والستۃ عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

صاف ارشاد فرمایا کہ ایک اگر اپنی چرب زبانی کے باعث حجت میں بازی لے جائے اور ہم اسے ڈگری دے دیں اور واقع میں اس کا حق نہ ہو تو ہمارا ڈگری فرمانا اسے مفید نہ ہوگا وہ مال نہیں اس کے حق میں جہنم کی آگ کا ٹکڑا ہے چاہے لے یا چھوڑ دے (اسکو امام مالک، احمد اور ائمہ صحاح ستہ نے ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ ت)

مفتی ومصدقین پر فرض ہے کہ جس طرح اپنے غلط فتوے سے یہ آتش دوزخ کا ٹکڑا ورثہ کو دلایا یونہی اپنی صحیح ولوجہ اللہ کوششوں سے انھیں اس سے بچانے کی فکر کریں ورنہ انما علیك اثم الاریسیین (کاشتکاروں کا گناہ تجھی پر ہے۔ ت) اللہ واحد قہار سے ڈریں اور ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم ولیسئلن یوم القیمۃ عما کانوا یفترون[2] (اور وہ اپنا بوجھ اور اپنے بوجھ کے ساتھ مزید بوجھ اٹھائیں گے، اور ضرور ان سے قیامت کے روز ان کی افترا بازی پر سوال ہوگا۔ ت) کی جانگزا آفت سے پرہیز کریں۔ یہ ضرور ہے کہ بہت ابنائے دنیا کو ملا ہوا مال چھوڑنا سخت دشوار بلکہ ناممکن ہوتا ہے مگر زمانہ اللہ کے ڈر والے بندوں سے خالی نہیں اور نصیحت نفع دیتی ہے وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین[3] (آپ یاد دہانی کرائیں تو بیشک یاد دہانی مومنوں کو نفع دے گی۔ ت) ابلیس کہ دشمن راہ خدا ہے دوسروں کے بتانے میں آپ کے باطل

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴
صحیح البخاری کتاب الحیل وکتاب الاحکام " " " ۲/ ۱۰۳۰ و ۱۰۶۲
موطا امام مالک کتاب الاقضیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۳۲
مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۰۲ و ۲۹۰ و ۳۰۸

[2] القرآن الکریم ۲۹/ ۱۳

فتووں کا حیلہ سکھائے گا کہ اتنے مولوی حلال کر رہے ہیں عذاب ہے تو ان کی گردن پر، مگر جب آپ حضرات خود ہی خوفِ خدا کرکے حق حکم ان پر ظاہر کریں گے تو کیا عجب کہ اللہ عزوجل اپنے بندوں کو حرام مال سے بچنے اور وقفِ خدا پر تصرف نہ کرنے کی توفیق بخشے اور جب وہ رئیس جاگیردار ہیں تو شاید اسی پر ان کا ذریعہ رزق منحصر نہ ہو اور ہو تو رزق اللہ عزوجل کے ذمۂ کرم پر ہے حرام کھانے سے فاقہ لاکھ جگہ بہتر ہے اور اس میں حکام کی کچھ مخالفت نہیں جس پر ڈگری ہو وہ مجبور کیا جاتا ہے جس کی ڈگری ہو اگر خدا سے ڈرے اور اس مال کو چھوڑ دے حکام کو ہرگز اس سے تعرض نہ ہوگا۔ کیا اچھا ہو کہ روزِ قیامت اللہ واحد و قہار کے حضور کھڑے ہونے سے ڈریں اور قلیل و ذلیل و فانی مال چھوڑ کر جلیل و جزیل و باقی ثواب لیں۔ بہرحال مفتی و مصدقین پر اپنے فرض سے ادا ہونا فرض ہے یہ محض خالص اسلامی غرض ہے۔ دیکھیں کون بندۂ خدا سبقت کرتا اور رضائے الٰہی و ثوابِ عقبٰی و ثنائے دنیا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اللہ عزوجل توفیق دے،

فستذکرون ما اقول لکم و افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد[1] و حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

تو عنقریب یاد کروگے جو تمھیں کہہ رہا ہوں، میں اپنا معاملہ اللہ تعالٰی کے سپرد کرتا ہوں، تحقیق اللہ تعالٰی بندوں کو دیکھتا ہے، ہم کو اللہ تعالٰی کافی ہے۔ (ت)

وصلی اللہ تعالٰی و بارك و سلم علٰی سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ و صحبہ و ابنہ و حزبہ اجمعین اٰمین والحمد للہ رب العالمین، واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و حکمہ عزشانہ احکم۔

مسئلہ ۱۱۵: از ریاست رامپور محلہ لال قبر مرسلہ سید احمد حسن صاحب ۲۷ شوال المکرم ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ۱۵ نومبر ۱۹۱۴ء کو ایک مکان خریدا، ۱۷ جنوری ۱۹۱۵ء کو زید نے اس پر دعوٰی شفعہ کیا اور ۸ جنوری کو علم بیع ہونا اور اسی وقت طلب مواثبت و اشہاد بجالانا بیان کیا اور اس پر پانچ گواہ دیئے ہندہ نے ستات گواہ تسلیم شفعہ کے پیش کئے حاکم نے ان گواہوں پر اعتماد فرماکر دعوٰی رَد کردیا مدعی نے اپیل کی اور گواہان ہندہ پر بہت سی جرحیں نکالیں اور ان کے متعلق دو فتوے داخل کئے سائل نے بریلی دارالافتاء سے

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۴۴

فتویٰ چاہا اس پر فیصلہ و اظہارات جملہ گواہان فریقین کی نقول باضابطہ لانے کا حکم ہوا، سائل نے نقول حاصل کیں اور حسب الحکم مع نقل ہر دو فتوائے مدخلہ مدعی حاضر دار الافتاء ہیں امید کہ بعد ملاحظہ حکم شرعی سے خالصاً لوجہ اللہ اطلاع عطا ہو۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب نقول مذکورہ مطلوبہ دار الافتاء مدخلہ سائل ملاحظہ ہوئیں باضابطہ نقلیں اس لئے طلب کی تھیں کہ تجربہ سے سائلوں کا خلافِ رُوداد اظہار کرکے فتویٰ لینا ثابت ہولیا تھا جس میں سراسر اضاعتِ وقت دار الافتاء تھی، فیصلہ و اظہارات کا ملاحظہ بنگاہِ اولین بتاتا ہے کہ مدعی اپنے دعوی شفعہ کو بروجہ شرعی ثابت کرنے میں محض ناکام رہا، عندالشرع دعوٰی واجب الرد ہے جیسا کہ ذی علم فاضل مفتی نے کیا۔ تمام ابحاث کہ دونوں فتووں میں ظاہر کی گئیں ان پر فرداً فرداً نظر اور ہر باطل کا ابطال مستقل ایک وقت چاہتا تھا مگر ہر دو فتوے مدخلہ مدعی خود ہی رَدِّ دعوٰی کو کافی و وافی ہیں ان سے زیادہ ثبوت کی حاجت نہیں کہ وہ خود مسلّمہ مدعی ہیں لہذا انھیں وجوہ مقبولہ مدعی و مفتیان مدعی سے بطلانِ دعوٰی ثابت کرکے صرف ایک وجہ شرعی اور اضافہ کریں جس کی طرف فیصلہ میں بھی توجہ مبذول نہ ہوئی۔

وجہِ اوّل: پہلے فتوے میں گواہِ ہندہ سیّد ابوالقاسم پر یہ اعتراض ہے کہ اس کے بیان میں مدعی بہا کا تعین نہیں، مدعی بہا یہاں مکان ہے اس کی تعیین کے دو طریقے ہیں: ایک نشان دہی، دوسرے بیانِ حدود۔ دونوں اس کے بیان میں نہیں، ایسی حالت میں گواہی کیونکر مقبول ہوسکتی ہے' اور اس پر قاضی خاں کی تین عبارتیں پیش کیں، سیّد ابوالقاسم کے بیان میں وعدۂ[عہ] نشان دہی ہے کہ مکان کو موقع پر بتادوں گا۔ پانچوں گواہانِ مدعی نے بھی صرف وعدۂ نشان دہی کیا ہے' جب وہ کافی نہیں تو مدعی کی پانچوں گواہیاں مدعا بہا سے خالی اور واجب الرد و نامقبول ہوئیں کہ ان میں نہ بیانِ حدود ہے نہ نشاندہی، بلکہ رحمت علی خاں نے صراحۃً کہا ہے مظہر حدیں مکان متنازعہ کی نہیں بتا سکتا' مظہر حدیں دیکھنے نہیں گیا تھا، گواہیوں میں وقت طلب شفعہ جانب مکان اشارۂ مدعی کا بیان نہ گواہ کا اشارہ ہوا نہ بیانِ حدود۔ مدعی نے اس وقت اشارہ کیا ہو گواہ تو نہیں بتاتے کہ وہ کون سا مکان ہے جس کی طرف اشارہ کرکے طلبِ مواثبت کی تھی فتوی مدعی کو تسلیم ہے کہ اسکی

عہ فتوے میں ہر جگہ یہ لفظ متدعویہ ہے کہ محض مہمل و بے معنیٰ ہے ۱۲۔

تعیین کے دوہی طریقے تھے ، نشاندہی یا بیانِ حدود ، اور وہ دونوں یہاں مفقود ، لہٰذا پانچوں گواہیاں مردود۔

وجہ دوم: عجب یہ کہ گواہی ہندہ میں مکان خود مدعی بہ نہیں بلکہ اس کا دعویٰ تسلیم شفعہ کا ہے مکان صرف متعلقاتِ دعویٰ سے ہے تو جہاں وعدۂ نشاندہی کافی ہو کر صرف ایک شئے متعلق دعویٰ کی تعیین نہ ہونے سے فتوائے مدعی نے شہادتوں کو ناممکن القبول بنایا تو یہاں کہ خود مکان ہی مدعی بہ ہے وعدۂ نشان دہی ناکافی ہو کر بیانِ گواہان میں اس کا عدم تعیین کیوں نہ ان تمام شہادات کو واجب الرد کرے گا۔

وجہ سوم: فتوے نے گواہانِ ہندہ محمد صدیق خاں، محمد سعید خاں، محمد علی خاں پر بھی یہی عدمِ تعیین مدعی بہ کا اعتراض کر کے فرمایا اس لئے شہادت ان کی بالمجہول شرعاً لغو و باطل ہے اور اس پر قاضی خاں اور عالمگیریہ کی عبارتیں پیش کیں۔ یہ سب سے عجیب تر ہے ان تینوں کے اظہار خود موقع پر ہوئے اور نقول میں ہر ایک کے ساتھ صاف تصریح ہے کہ نشاندہی کر دی تو اولاً ان کی شہادت کو بالمجہول کہنا کیسا صریح لغو و باطل ہے۔

ثانیاً جب بالفعل نشاندہی بھی تعیین کو کافی نہ ہوئی تو پانچوں گواہان مدعی کے بیان میں کہ نشاندہی کا صرف وعدہ ہے سو درجہ زائد ان کو شہادت بالمجہول ولغو و باطل کرے گا۔

وجہ چہارم: وہی کہ گواہی مدعا علیہا میں مکان مدعی بہ نہیں جب یہاں نشاندہی کافی نہ ہوئی شہادات مدعی میں کہ خود مکان مدعی بہ ہے وعدہ کس درجہ باطل و ناکام ہوگا۔

تنبیہ: ان افادوں کے بعد دار الافتاء کو اس بحث کی طرف توجہ کی اصلاً حاجت نہیں کہ اس عدمِ تعیین کا جواب فیصلہ میں یہ فرمایا کہ تسلیم اسقاط ہے اس میں تعیین کی ضرورت نہیں اور فتوے نے اس پر رد کیا کہ اس حالت میں ہے کہ اسقاط بالفاظ صریحہ ہوا ہو ورنہ تسلیم لغو اور بعد تسلیم اختیار دعویٰ حاصل، اور اس پر عالمگیری کی عبارت پیش کی، اگرچہ یہ جواب ہرگز صحیح نہیں۔

اولاً وہ عبارت عالمگیری تسلیم دلالۃً میں ہے مثلاً خبر بیع سن کر خاموش رہنا اٹھ جانا یا مشتری سے بلیعہ کی خریداری یا ہبہ یا اجارہ کی خواہش، اور یہاں تسلیم ان لفظوں میں بیان ہوئی ہے کہ اچھی بیگم نے مکان خرید لیا میں بہت خوش ہوا، اس کے لینے سے میں خوش ہوں، مناسب ہے، اچھا کیا، یہ دلالۃً تسلیم کی شق میں کیونکر جا سکتے ہیں۔

ثانیاً دلالۃً تسلیم میں بھی صرف علم شفیع بالبیع درکار ہے نہ کہ تسلیم میں تعیین حدود جس پر

یہاں بحث ہے، خود اسی عبارت عالمگیری میں تسلیم صریح اما یجری مجراہ میں فرمایا:

سواء علم بالبیع او لم یعلم ان کان بعد البیع[1] — بیع کے بعد ہو تو بیع کا علم ہو یا نہ ہو برابر ہے۔ (ت)

اور دلالۃً میں فرمایا:

لا یسقط حقہ ثمہ الا بعد العلم[2] — وہاں حق ساقط نہ ہوگا مگر علم کے بعد۔

وجہ پنجم: فتوے نے گواہ ہفتم سید اچھے میاں کی شہادت پر یہ اعتراض کیا کہ تعیین و تعریف مدعی ومدعا علیہ کی کرنا گواہ پر ضروری ہے بلا اس کے گواہی نامعقول ہے اور تعریف وتعیین بصورت موجودگی مدعی ومدعا علیہ وقت ادائے شہادت اشارہ سے چاہئے یہ یہاں مفقود ہے اور اس پر عالمگیری کی عبارت پیش کی۔ گواہ کے لفظ یہ ہیں: "اس میں پیارے میاں صاحب مدعی حاضر عدالت نے فرمایا یہ مکان تم نے اچھی بیگم کے نام خریدا ہے مناسب ہے۔" اگر مدعی کا نام اور یہ صفت کہ مدعی اور یہ وصف کہ حاضر عدالت ان تینوں کا اجتماع تعیین وتعریف کے لئے کافی نہیں بلکہ بوجہ حضور مدعی خاص اشارہ ہی لازم تھا تو مدعی کے پانچوں گواہوں میں بعینہ یہی حالت ہے ایک نے بھی مدعی کی طرف اشارہ نہ کیا سب نے پیارے میاں مدعی حاضر عدالت ہی کہا ہے یا برادر مدعی سید وزیر علی نے اتنا اور بڑھایا جن کو شجاعت علی کہتے ہیں تو ثابت ہوا کہ بحکم فتوائے مدخلہ مدعی پانچوں گواہان مدعی کی گواہیاں مردود ہیں۔

وجہ ششم: دوسرا اعتراض اسی گواہ پر عدم تعیین مدعا علیہا سے کیا کہ بصورت عدم موجودگی عام آدمی کی تعیین ولدیت وغیرہ سے چاہئے تھی وہ بھی متحقق ان کے بیان میں نہیں ہے لہٰذا شہادت ان کی شرعاً ہرگز قابل قبول نہیں، اس پر بھی وہی عبارت عالمگیری سند ہے، یہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ سید اچھے میاں نے صرف اچھی بیگم کہا اور گواہان مدعی سوائے سید وزیر علی کے بیان میں بھی اگرچہ اچھی بیگم کی ولدیت مذکور نہیں مگر خبر وطلب یعنی شاہ علی حیدر کے اخبار اور مدعی کے طلب شفعہ میں بیان زوجیت ہے، مخبر نے کہا مکان مدن میاں کی بی بی اچھی بیگم نے مول لیا الخ مدعی نے کہا جس قیمت کو یہ مکان مدن میاں کی بیوی اچھی بیگم نے مول لیا، فتوٰی میں یہ عبارت عالمگیری اس لفظ تک نقل فرمائی:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

[2] " " " " ۵/ ۱۸۲

يحتاج الى تسمية الشهود اسم الميت واسم الغائب واسم ابيهما[1]

گواہوں کے نام اور میت اور غیر حاضر اور ان کی ولدیت کے نام ضروری ہیں۔ (ت)

اس کا ظاہر یہ ہے کہ بیان ولدیت ضرور ہے جس سے چاروں گواہان مذکورۂ مدعی کے بیان بھی خالی ہیں مگر یہاں کارروائی اور ہے فتوے نے ناقص عبارت نقل کی اور اس کا تتمہ کہ مضر جملہ شاہدان مذکور مدعی تھا چھوڑ دیا اس کے بعد عبارت عالمگیری یوں ہے:

واسم جدهما شرط الخصاف ذكر الجد للتعريف وهكذا ذكر فى الشروط، ومن مشايخنا من قال هذا قول ابى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالٰى اما على قول ابى يوسف رحمه الله تعالٰى فذكر الاب يكفى كذا فى الذخيرة، والصحيح ان النسبة الى الجد لابد منها كذا فى البحر الرائق[2]

یعنی غیر مشہور شخص کہ حاضر نہیں ضرور ہے کہ اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے دادا کا نام گواہ لیں امام خصاف نے تعریف کیلئے دادا کا ذکر شرط فرمایا ہے ایسا ہی کتاب الشروط میں ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ دادا کا نام لینا ضروری ہونا حضرت سیدنا امام اعظم وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا قول ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک باپ کا نام کافی ہے ایسا ہی ذخیرہ میں ہے اور صحیح یہ ہے کہ دادا کا نام لئے بغیر چارہ نہیں ایسا ہی بحرالرائق میں ہے۔

یہاں تک عالمگیری کی پوری عبارت تھی جس میں صرف باپ کے نام تک نقل فرماکر باقی چھوڑ دی اب اگر ولدیت کی حاجت نہ بھی ہو تو عبارت مذکورہ کا صاف ارشاد ہے کہ ایک تقیید کافی نہیں دو ضرور ہیں یہی ہمارے امام مذہب کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے تو ان گواہان مدعی نے کہ فقط مدن میاں کی بی بی اچھی بیگم نے کہا ایک ہی تقیید ہوئی اور تعیین کے لئے ناکافی ہو کر صحیح مذہب امام اعظم میں شہادتیں مردود ہوئیں جب آدمی اور اس کے باپ کا نام کافی نہیں کہ دو تک شرکت نادر نہیں، ممکن کہ اور شخص بھی اس نام کا ہو جس کا باپ بھی اس کے باپ کا ہمنام ہو لہذا نام جد ضروری ہے عورت اور اس کے شوہر کا نام کیوں کافی ہونے لگا، یہاں بھی ممکن کہ اور عورت بھی اس نام کی ہو جس کا شوہر بھی اس کے شوہر کا ہمنام ہو، لہذا تقیید دیگر بھی ضروری ہے۔ تو سید وزیر علی انھوں نے ضرور دو نام لئے شوہر کے ساتھ اچھی بیگم کے باپ کا نام ایوب شاہ بھی بتایا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

[2] " " " " " " " "

مگر افسوس کہ شوہر کا نام ودن میاں لیا اور شاہ حیدر علی کے بیان میں بھی یونہی کہا کہ مکان اچھی بیگم ودن میاں کی بی بی نے خرید لیا، یہ نام لینا نہ لینے سے بدرجہا بدتر ہوا نہ لیا جاتا تو مدعا علیہا میں ایک نوع جہالت رہتی اور نام بدل دیا تو مدعا علیہا خود بدل گئی کہ وہ اچھی بیگم بنت ایوب شاہ جو مدن میاں کی بی بی ہے یقیناً اس اچھی بیگم بنت ایوب شاہ کی غیر ہے جو اسی وقت میں ودن میاں کی بی بی ہو، اس کے بیان کو بھی یہی فتوائے مدخلۂ مدعی کافی ہے، مدعا علیہا کے گواہ محمد شاہ خاں کے بیان میں یہ جملہ واقع ہوا مظہر اچھی بیگم مدعا علیہا کو جانتا ہے اس کے باپ کا نام ایوب علی ہے، اس پر فتوے نے اعتراض فرمایا کہ ان کے بیان میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انھوں نے ولدیت مدعا علیہا کی غلط بیان کی ہے کہ جس کا یہ شاہد ہے اس کو خود تسلیم ہے لہذا اس کی گواہی کیونکر قابل قبول ہوسکتی ہے اور اس پر عالمگیری کی سند دی، یونہی یہاں بھی سید وزیر علی کی نسبت کہا جائے گا کہ ان کے بیان میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انھوں نے زوجیت مدعا علیہا کی غلط بیان کی ہے کہ جس کا یہ شاہد ہے اس کو خود تسلیم ہے لہذا اس کی گواہی کیونکر قابل قبول ہوسکتی ہے بلکہ انصافاً ایوب شاہ و ایوب علی میں وہ تباین نہیں جو مدن میاں و ودن میاں میں ہے ممکن کہ نام ایوب علی شاہ ہو اور اختصاراً کسی نے ایوب شاہ کہا کسی نے اخیر کا کلمہ تعظیمی کم کرکے ایوب علی، بخلاف مدن و ودن کہ قطعاً دو متغایر نام ہیں بہرحال اسی وجہ ششم پر بھی پانچوں شہادات مدعی رد ہیں۔

وجہ ہفتم: مدعی کے فتوائے اولیٰ نے جملہ شہادات مدعی کو ان چھ وجوہ سے باطل کیا نہ یوں کہ مجموع پر چھ ہوں بلکہ ہر گواہی چھ وجہ سے مردود ہے، اب اس فتوے میں بعض شہادتوں پر دو اعتراض اور ہیں کہ وہ بھی مدعی کی بعض شہادات پر وارد ہیں یونہی بعض دیگر کا ابطال مدعی کے فتوائے دوم سے ہے یوں مل کر ان فتووں نے ساتویں وجہ سے جملہ شہادات مدعی باطل کی ہیں ان کا بیان سنئے:

اوّل شہادت محمد شاہ خاں پر تبدیلی نام کا اعتراض کہ اس سے سخت تر شہادت سید وزیر علی پر وارد ہے۔

دوم: شہادت منور حسین پر اس کا جزو بیان غلط ہونے سے اعتراض کہ اس نے کہا مجھے ثمن وصول ہوگیا تھا حالانکہ واقع میں اس وقت تک وصول نہ ہوا تھا فتوے نے اس کی نسبت

کہا تھا کہ عدالت کو بھی تسلیم ہے ہم نے فیصلہ میں کہیں اس کی صریح تسلیم نہ پائی بلکہ جواب وہ دیا ہے کہ بر تقدیر وقوع بھی شہادت سے دفع مضرت کرے جس کا بیان عنقریب آتا ہے بہرحال یہ اعتراض گواہ مدعی احسان خاں بلکہ ننھے مرزا پر بھی ہے ان کے کلام میں بھی تناقض ہے ننھے مرزا نے کہا مظہر گل نور خاں کے چبوترہ پر قریب مکان متنازعہ بیٹھا ہوا تھا اس کو عرصہ کوئی ڈھائی مہینہ کا ہوا پھر کہا مظہر چبوترہ کے نیچے بیٹھا تھا اور آدمی چبوترہ پر تھے اسے اگر استدراک ہی کہئے تو احسان خاں نے اولاً کہا جب سے مظہر اس جلسہ میں آیا اور جب تک گیا مظہر سے کسی کی بات نہ ہوئی، بعد کو لکھا یا مظہر گل نور خاں سے باتیں کر رہا تھا یہ ضرور تناقض ہے اور تناقض میں کذب سے مفر نہیں کہ دونوں باتیں سچی نہیں ہو سکتیں عالمگیری میں مبسوط سے ہے:

لم تقبل شہادتھما لانا نتیقن بکذب احد ھما۔[1] دونوں کی گواہی قبول نہ ہوگی دونوں میں سے ایک کے جھوٹا ہونے کا ہمیں یقین ہے۔(ت)

فیصلہ نے منور حسین خاں کی طرف سے وہ جواب دیا کہ وہی احسان خاں اور ننھے مرزا پر سے اس اعتراض کا جواب ہوتا یعنی یہ امر صلب شہادت سے خارج ہے اور شرعاً نقص غیر مشہود بہ مضر شہادت نہیں اور اس پر یہ عبارت شرح وقایہ تحریر فرمائی:

الاکذاب فی غیر المشھود بہ لا یمنع القبول۔[2] مشہود بہ کے غیر میں جھٹلانا قبولیت کے لئے مانع نہیں ہے۔(ت)

یہ عبارت اگرچہ چنداں متعلق نہ ہو کہ کلام کذب میں ہے نہ اکذاب میں بلکہ اس کے لئے یہ عبارت خلاصہ و ہندیہ ہے کہ:

التناقض فیما لا یحتاج الیہ لا یضر۔[3] غیر ضروری معاملہ میں تناقض مضر نہیں ہے۔(ت)

مگر فتوائے مدعی نے خود بھی کذب و اکذاب میں فرق نہ کرکے اس کا یہ رَد کیا کہ بصورت منسوب ہونے گواہ کے صریح جھوٹ کے ساتھ گواہی اس کی نامقبول ہے خواہ یہ لغو بیانی اس کی مشہود بہا سے خارج ہو یا نہ ہو اور اس پر یہ عبارت عالمگیری پیش کی:

فی العیون شھد الرجلان علی اٰخر عیون میں ہے کہ دو گواہوں نے ایک شخص کے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

[2] شرح الوقایۃ " " باب قبول الشہادۃ وعدمہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۶۹

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الخلاصۃ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰

بالف وانه قد قضاه خمسمائة وقال الطالب لی علیه الف وما قضانی شیئا والشهود اوهموا فی الشهادة علی القضاء تقبل شهادتهما ان عدلا ولو قال شهادتهم بالالف حق وبالقضاء باطل لاتقبل شهادتهما لانه نسبهما الی الفسق کذا فی المحیط[1] (ملتقطا)۔

ذمہ ہزار کی گواہی دی اور کہا کہ پانصد اس نے ادا کر دئے ہیں جبکہ مدعی کہتا ہے کہ میرا اس کے ذمہ پورا ہزار ہے ابھی اس نے کچھ بھی ادا نہیں کیا اور گواہوں کو ادائیگی کے متعلق شہادت میں وہم ہوا ہے تو ان کی شہادت قبول ہوگی بشرطیکہ دونوں گواہوں کو عادل قرار دیا گیا ہو، اور اگر طالب یعنی مدعی نے کہا ان گواہوں کی ہزار کے متعلق گواہی حق ہے اور ادائیگی کے متعلق شہادت باطل ہے تو گواہوں کی شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس نے گواہوں کی نسبت فسق ظاہر کیا ہے، محیط میں ایسے ہی ہے (ملتقطاً)۔ (ت)

مگر نہ جانا کہ صورت عالمگیری کو یہاں سے کچھ علاقہ نہیں جب مدعی ہزار روپے کا مطالبہ بتاتا ہے اور گواہ کہتے ہیں ہزار تھے پانسو ادا ہو چکے ہیں تو وہ صراحۃً ہزار کے مطالبہ کو غلط اور صرف پانسو کا مطالبہ بتا رہے ہیں اسے مشہود بہ سے خارج ماننا عجیب ہے۔

سوم: یہاں تک فتوائے اولٰی کے حرف حرف پر کلام ہولیا اب دوسرا سنئے:

فتوائے ثانیہ مدعی کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اولاً مدعا علیہا کا بیان تھا کہ ۵ ار نومبر یعنی تاریخ بیع ہی ہی بی ٹی کو علم بیع ہوا، مدعی شریک مشورہ تھا، اس نے بعد البیع تسلیم کی ان میں پہلے دو فقرے کسی گواہ مدعا علیہا نے بیان نہ کئے تو شہادت مطابق دعوٰی نہیں لہذا نامقبول، عینی میں ہے:

موافقة الشهادة للمدعی ان تتحد انواعا وکما وزمانا[2]

مدعی کے لئے شہادت کی موافقت یوں ہے کہ وہ نوع، مقدار اور زمانہ کے اعتبار سے متفق ہوں۔ (ت)

ثانیاً گواہان مدعا علیہا میں محمد سعید خاں، محمد صدیق خاں، محمد علی خاں جن کی شہادت ۲۳ اپریل کو ہوئی اس وقت سے چار مہینے پہلے مدعی کا وہ قول بتاتے ہیں کہ مکان اچھی بیگم نے مول لیا، میں خوش ہُوا تو حساب سے اس قول کا وقت اواخر دسمبر آتا ہے اور منور حسین خاں، محمد شاہ خاں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادت الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۹۵

[2] البنایۃ فی شرح الہدایۃ للعینی کتاب الشہادات المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۳/ ۳۴۷

سید اچھے میاں شروع جنوری روز جمعہ کو مدعی کا یہ کہنا بیان کرتے ہیں اور خود مدعا علیہا ۱۵ نومبر ہی کو وقوع تسلیم بتاتی ہے اب بیان گواہان کو موجب تسلیم مانیے یا تسلیم گزشتہ کی خبر۔ برتقدیر اول جبکہ حسب بیان مدعا علیہا شفعہ ۱۵ نومبر کو تسلیم وساقط ہوچکا تھا، پھر دسمبر و جنوری میں مکرر سقوط کیسا، الساقط لا یعود (ساقط شدہ بحال نہیں ہوتا۔ت) برتقدیر ثانی خبر کے لئے مخبر بہ کا ثبوت لازم، مخبر بہ قول مدعا علیہا ہے بیان گواہان سے جس کا ثبوت نہیں لہٰذا یہ خبر تسلیم مثبت تسلیم نہیں۔

ثالثاً مدعا علیہا ۱۵ نومبر کو تسلیم بتاتی ہے گواہ بعد کو، تو دونوں بیان متعارض ہوکر ساقط ہوں گے اور حق شفعہ جو طلبین سے مستقر ہوچکا ہے ثابت رہے گا۔ قاضیخاں میں ہے:

المدعی اذا اکذب الشھود فی ما شھد والہ او فی بعضہ لا تقبل شھادتھم[1]

مدعی جب گواہوں کو اپنے حق میں کل بیان یا بعض کو جھٹلادے تو شہادت قبول نہ ہوگی (ت)

یہ حاصل ہے تمام تطویل فوائے ثانیہ کا، بلکہ زیادتِ ضبط و ایضاح کے ساتھ، مگر افسوس کا محل ہے کہ اس میں ایک حرف بھی صحیح نہیں،

اولاً مدعی علیہا کا دعوٰی تسلیم شفعہ بعد العلم بالبیع ہے اس کے سوا تعیین وقت نہ اس کے دعوٰی کا حقیقۃً جُز ہے نہ مدار، نہ اس کے بیان کی حاجت نہ اس میں اختلاف سے مضرت تسلیم یہاں بالقول ہوئی، اور قول قابل تکرر ہے، اور شہود ایک جلسۂ خاصہ کا بیان نہیں کرتے بلکہ صراحۃً جدا جلسوں کا ذکر کرتے ہیں، قول محض میں اگر شہادتیں یا شہادت و دعوٰی دربارۂ زمانہ ایسا اختلاف کریں اصلاً کچھ مضر نہیں، نہ ہرگز اسے شہادت و دعوٰی یا باہم دو شہادتوں کی عدمِ مطابقت کہہ سکیں، عالمگیری میں ہے:

ان کان المشھود بہ قولا محضا کالبیع والاجارۃ والطلاق والعتاق والصلح والابراء، واختلفا فی البلدان او فی الشھور جازت شھادتھما ولا تبطل الشھادۃ باختلاف الشاھدین فی الایام والبلدان الا ان یقولا کنا مع الطالب

جس چیز کی شہادت ہے وہ اگر خالص گفتگو ہے مثلاً بیع، اجارہ، طلاق، عتاق، صلح اور بَری کرنا، جن کا تعلق زبان سے ادائیگی کے ساتھ ہے، اور گواہوں نے ان امور میں علاقے یا مہینے کے بیان میں اختلاف کیا تو دونوں کی شہادت قبول ہوگی، اور دونوں گواہوں کا ایام، شہروں کا اختلاف شہادت کو باطل نہ کرے گا، مگر اس صورت میں

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشہادات فصل فی تکذیب المدعی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۰۵

فی موضع واحد فی یوم واحد ثم اختلفا فی الایام والمواطن والبلدان فان اباحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال انا اجیز الشہادۃ وعلیھم ان یحفظوا الشہادۃ دون الوقت وقال ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی الامر کما قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی القیاس وانا استحسن وابطل ھذہ الشہادۃ بالتھمۃ الاان یختلفا فی الساعتین من یوم واحد فیجوز کذا فی فتاوٰی قاضیخان[1] (ملتقطاً)۔

جب دونوں یہ کہہ چکے ہوں کہ ہم دونوں ایک جگہ ایک وقت میں طالب کے ہمراہ تھے پھر اس کے بعد ایام، مقامات اور شہروں کا اختلاف بیان کریں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں میں اس شہادت کو جائز قرار دوں گا کیونکہ گواہوں کے ذمہ اصل شہادت کو محفوظ کرنا ہے نہ کہ وقت کو، اور امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد قیاس کے مطابق ہے میں استحسان کرتا ہوں اور میں اس شہادت کو تہمت کی بناء پر باطل کہتا ہوں، ہاں اگر دونوں کا اختلاف صرف ایک دن میں مختلف گھنٹوں کے متعلق ہو تو شہادت جائز ہوگی، فتاوٰی قاضیخاں میں یونہی ہے (ملتقطاً)۔

ثانیاً اعتراض دوم عجیب مشکل ہے اس شہادت میں موجب و مخبر کی تردید کیسی؟ شہادت ہمیشہ مخبر ہی ہوتی ہے اس کی تعریف ہی میں اخبار بحق داخل ہے اور مخبر بہ صرف قول مدعا علیہا ہونے سے ایراد اس سے بھی عجیب تر مخبر بہ ہمیشہ دعوٰی ہوتا ہے اور دعوٰی ہمیشہ قول صرف مدعی۔ اسی کے اثبات کے لئے شہادت ہوتی ہے شہادت سے پہلے اس کا ثبوت درکار ہو تو شہادت لغو ہے کہ امر ثابت کیا محتاج اثبات ہے اور اگر یہ مقصود کہ اس کا دعوٰی اور ان کا بیان زماناً مختلف ہے تو یہ وہی پہلا اعتراض ہے جس کا رد ہوچکا۔

ثالثاً یہی حال تعارض کا ہے نفس تسلیم میں دعوائے مدعا علیہا وجملہ شاہدان مدعا علیہا متفق ہیں، اختلاف اگر ہے تو زمانہ کا، اور وہ قول محض میں مضر نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے:

شھدا ان فلانا طلق امرأتہ فشھد احدھما انہ طلقھا بالبصرۃ والاٰخر انہ طلقھا بالکوفۃ، لو شھدا بذٰلک فی یومین متفرقین من الایام

دونوں گواہوں نے شہادت دی کہ فلاں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے ایک نے کہا بصرہ میں دوسرے نے کہا کوفہ میں دی ہے، اگر دونوں نے متفرق دنوں کی بات کی ہے جن میں کوئی شخص اپنی سواری

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸-۵۰۷

وبینهما قدرما یسیرالراکب من الکوفة الی مکة جازت شهادتهما[1] (ملتقطا)۔

کے ذریعے ان دونوں شہروں میں سے ایک سے دوسرے میں پہنچ سکتا ہو مثلاً کوفہ سے مکہ تک ان دونوں میں جاسکتا ہے تو شہادت جائز ہوگی (ت)

یہ رَد ہے اس تمام فتوائے ثانیہ کا اور شفعہ بہ ثبوت طلبین مستقر ہولینے کا روی حال ہمارے بیانات سابقہ لاحقہ سے واضح۔ خیر یہ تو اس فتوے کی حالت تھی، کہنا یہ ہے کہ لفور علم بالبیع طلب مواثبت و اشہاد بجالانا قطعاً ایسی چیز ہے کہ دوبار نہیں ہوسکتی کہ علم بالبیع متکرر نہیں ہوسکتا تو مدعی اور اس کے شاہدان کا بیان وقت میں بھی یقیناً متفق چاہیے، اگر زمانہ اس کے زمانہ سے آگے پیچھے بتائیں تو شہادت و دعوٰی ضرور مختلف ہیں اور وہی عبارات ہدایہ و عینی کہ فتوائے ثانیہ نے ردِّ شہادات مدعا علیہا کے لئے زعم کی تھیں، ردِ شہادات مدعی کو کافی و وافی ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مدعی نے علم بالبیع اور بفور علم طلب کی تاریخ ۸ر جنوری بتائی اس کی گواہیاں ۲۰ر مارچ کو گزریں کہ اکہتر دن یا دو مہینے گیارہ دن کا فاصلہ ہے، لیکن سیّد گوہر علی کے بیان میں ہے کہ کوئی مہینہ سے کم ہوا ہوگا لہٰذا شہادت مخالف دعوٰی و مردود، رحمت علی خاں بالتعیین بلاتخمین کہتا ہے عرصہ دو ڈھائی ماہ کا ہوا جس کے پچھتر دن ہوئے، بیان مدعی سے چار دن زیادہ۔ احسان خاں اگرچہ تخمینہ کرتا ہے مگر زائد کا اور اس سے بھی زیادہ کی طرف بڑھتا ہے، وُہ زائد دن میں تردّد کرتا ہے کہ کوئی عرصہ تخمیناً ڈھائی پونے تین مہینے کا ہو یعنی پچھتّر یا بیاسی یا تراسی دن ہُوئے اور مدعی کے قول سے اکہتر ہی ہیں تو دو گواہ وجوہِ خاصہ سے فتوائے اولٰی نے رَد کئے تھے تین فتوائے ثانیہ نے رَد کئے، پانچوں رد ہوگئے بلکہ عند التحقیق خود یہ فتوائے ثانیہ ہی پانچوں کو رَد کر دے گا، سیّد وزیر علی اور ننھے مرزا نے اگرچہ عرصہ تخمیناً ڈھائی ماہ کا کہا جو بیانِ مدعی سے موافقت کو بھی محتمل، مگر امر محتمل شہادت میں نہیں لیا جاتا کہ احتمال جانب مخالفت کا بھی رہا اور موافقت دعوٰی کی شرط قبول شہادت بھی ثابت نہ ہوئی ولہٰذا اگر گواہ زمانہ مرور بیان کرے بوجہ جہالت مردود ہے، جہالت تخمینہ میں بھی موجود ہے، یہ متحقق نہ ہوا کہ یہ واقعہ آٹھ ہی جنوری کا ہے ممکن ہے کہ قبل کا ہو، تو دعوٰی سے مطابقت کب ہوئی۔ عالمگیری میں ہے:

شهد الشهود ان لهذا المدعی علی هذا المدعی علیه ده دوازده درم لاتقبل لمکان الجهالة، وکذلك اذا ادعی ده دوازده

گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے فلاں مدعا علیہ پر دس بارہ درہم ہیں، شہادت قبول نہ ہوگی، اور یونہی جب مدعی نے اپنے دعوٰی میں دس بارہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

37

درم لاتسمع دعواہ وکذٰلك اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی ھذا الوجہ بان قال ایں عین ملك من ست از دہ دوازدہ سال فانہ لاتسمع دعواہ، وکذٰلك اذا ذکر الشھود التاریخ فی شھادتھم علی ھذا الوجہ لاتقبل شھادتھم کذا فی الذخیرۃ۔[1]

درم کہا تو دعوٰی قابلِ سماعت نہ ہوگا، اور یوں جب تاریخ کو دعوٰی میں اس انداز سے بیان کرتے ہوئے کہا دس بارہ سال سے اس چیز کا مالک ہوں تو سماعت نہ ہوگی اور یونہی گواہوں نے اگر تاریخ کو اسی انداز سے بیان کیا تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ ذخیرہ میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

وجہ ہشتم: یہاں تک گواہان مدعا علیہا پر تمام اعتراضات کا رَد ہوگیا۔ ہر دو فتوائے مدعی کا ایک ایک فقرہ مسترد ہوگیا اور روشن ہوا کہ وہ فتوے اگرچہ بظاہر تائید مدعی کے لئے ہیں حقیقۃً ابطال دعوی شفعہ کررہے ہیں ان سے ایک ایک گواہی مدعی سات سات وجہ سے مردود ہے۔ اب ہم وہ وجہ ذکر کریں جس کا وعدہ کیا تھا ثبوتِ شفعہ کے لئے لازم ہے کہ دار مشفوع بہا جس کے ذریعہ سے شفیع دعویٰ شفعہ کرے قبل بیع سے وقت حکم تک ملک شفیع میں رہے کہ وقت بیع اس کی ملک شرط شفعہ ہے اور بعد بیع قبل حکم اس کا اپنی ملک سے اخراج دلیل اعراض ہے ولہذا اگر مشتری مشفوع بہا میں ملک شفیع تسلیم نہ کرے شفیع کی طرف سے اس مضمون کی شہادت لازم ہے کہ مشفوع بہا قبل بیع مشفوعہ سے اس وقت تک ملک شفیع ہے ہمارے علم میں اس کی ملک سے خارج نہ ہوئی، اگر گواہوں نے صرف اتنا کہا کہ مشفوع بہا ملک شفیع ہے کافی نہ ہوگا۔ عالمگیریہ شرائط شفعہ میں ہے:

منھا ملك الشفیع وقت الشراء فی الدار التی یاخذ بھا الشفعۃ۔[2]

شرائط میں سے شفعہ کرنے والے کی سودے کے وقت اس مکان کی ملکیت ہے جس کی بناء پر شفعہ کررہا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یبطلھا بیع مایشفع بہ قبل القضاء

شفعہ کے فیصلہ سے قبل شفعہ کا سبب بننے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴۶۲/۳

[2] ؍؍ ؍؍ کتاب الشفعۃ الباب الاول ؍؍ ؍؍ ۱۶۱/۵

بالشفعة مطلقا علم ببیعها ام لا وکذا لوجعل مایشفع به مسجدا[1]۔

والی زمین کو فروخت کرنا مطلقاً شفعہ کو باطل کردے گا اس کی بیع کا علم ہو یا نہ ہو اور یُوں ہی اگر اس زمین کو مسجد بنادیا ہو۔(ت)

نیز درمختار میں ہے :

واذا طلب الشفیع سأل القاضی الخصم عن مالکیۃ الشفیع لما یشفع به فان اقر بھا او نکل عن الحلف علی العلم او برھن الشفیع انها ملکه سأله عن الشراء[2] الخ۔

جب شفعہ والا مطالبہ کرے تو قاضی دوسرے فریق سے اس مکان کی ملکیت کے متعلق سوال کرے جس کے سبب شفعہ کا دعوٰی کیا ہے اگر وہ فریق مدعی کی ملکیت کا اقرار کرے یا اپنے علم سے متعلق قسم دینے سے انکار کردے یا مدعی اس کی اپنی ملکیت پر شہادت پیش کردے تو پھر قاضی اس مکان کے سودے کے متعلق سوال کرے الخ۔(ت)

ردالمحتار میں زیر قولہ برھن الشفیع (شفعہ والا گواہ پیش کرے۔ت) محیط سے اور عالمگیریہ میں محیط و ذخیرہ سے ہے :

فی الاجناس بین کیفیۃ الشھادۃ فقال ینبغی ان یشھدوا ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعۃ ملک ھذا الشفیع قبل ان یشتری ھذا المشتری ھذہ الدار وھی له الی ھذہ الساعۃ لا نعلمھا خرجت عن ملکه فلو قال ان ھذہ الدار لھذا الجار لا یکفی[3]۔

اجناس میں شہادت کی کیفیت کے بیان میں ہے، تو فرمایا کہ گواہوں کو چاہئے کہ وہ یہ بیان کریں کہ مدعی فروخت شدہ مکان کے پڑوس والے مکان کا اس مکان کی فروخت سے قبل تاحال مالک چلا آرہا ہے اور مدعی ہی مالک ہے اس کی ملکیت سے خارج ہونے کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے اگر گواہوں نے صرف اتنا کہا کہ پڑوس کا یہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو کافی نہ ہوگا۔(ت)

یہاں مشتریہ نے مشفوع بہا میں ملک مدعی تسلیم نہ کی تو مدعی پر اقامت بینہ بوجہ مذکور لازم تھی پانچ

---

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵
[2] ؍؍ ؍؍ باب طلب الشفعہ ؍؍ ۲/ ۲۱۲
[3] فتاوٰی ہندیہ ؍؍ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۹
ردالمحتار ؍؍ باب طلب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۴

گواہوں میں سے تین نے تو اس کا نام ہی نہ لیا، ننھے مرزا نے یوں کہا "مدعی جس مکان میں رہتا ہے وہ ملکیت سولہ برس سترہ برس سے گویا کہ مدعی کی اب تک ہے" گویا کو شہادت سے کیا علاقہ۔ اور آگے چل کر اور بھی تخریب کر دی کہ مظہر نے محلہ میں مظفر شاہ کی زبانی سُنا کہ مدعی کا مکان جس میں مدعی رہتا ہے ملک کی گواہی اور ایک شخص کی سماعی، ہاں صرف برادر مدعی سید وزیر علی نے کہا ہے کہ جس مکان کے ذریعہ سے مدعی نے مکان کے شفعہ کا دعوٰی کیا ہے وُہ مکان قبل بیع سے اب تک ملک مدعی میں ہے یہ شہادت بھی باطل ہے،

اوّلاً ملک مکان پر شہادت کے لئے ضرور ہے کہ یا مکان حاضر کی طرف اشارہ ہو جیسا ابھی عبارت عالمگیری سے گزرا کہ ؛

ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعۃ۔[1] بیشک یہ مکان جو فروخت شدہ مکان کے پڑوس میں ہے۔ (ت)

یا غائب ہے تو اس کے حدود کا بیان ہو، عالمگیریہ میں ہے :

فی الشھادۃ علی المحدود لابد من ذکر الحدود وکذا فی الخلاصۃ۔[2] محدود چیز کے متعلق شہادت میں اس کے حدود کو بیان کرنا ضروری ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے (ت)

یہاں دونوں مفقود، لہذا شہادت مردود۔

ثانیاً یہ وہی گواہی ہے جس میں تبدیل نام واقع ہوئی ہے جس کا بیان وجہ ششم میں گزرا۔

ثالثاً کچھ نہ ہو تو تنہا ایک کی گواہی ہے ملک ثابت نہیں ہوسکتی لہذا سرے سے مبنائے شفعہ پایہ ثبوت کو نہ پہنچا اور دعوٰی بے ثبوت رہا، رہا یہ کہ خود اسی مکان متنازعہ فیہ کے بیعنامہ اسمی مدعا علیہا میں حد شمالی مکان مولوی شجاعت علی تحریر ہے اور بیعنامہ عاقدین پر حجت ہوتا ہے لہذا یہ مدعا علیہا کی طرف سے مکان مشفوع بہ میں ملک مدعی کی تسلیم ہے ذی علم فاضل مفتی صاحب نے اسی بنا پر تنقیح بحق مدعی فیصل فرمائی مگر ہماری تقریر سابق سے واضح ہے کہ صرف وقت بیع مشفوع بہا میں ملک شفیع کافی نہیں بلکہ جب سے وقت حکم تک ملک مستمر درکار ہے بیعنامہ سے ثابت ہوا تو اتنا کہ وقت بیع مذکور مکان مشفوع بہ ملک مدعی تھا اس سے وقت طلب اول حسب بیان مدعی بھی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱۷۹/۵
[2] " کتاب الشہادۃ الباب الخامس " " " ۴۸۵/۳

ملک مدعی ثابت نہیں ہوتی نہ کہ اب تک کہ بیع ۵ ار نومبر کو ہوئی اور مدعی نے وقتِ طلب ۸ر جنوری بیان کیا، ممکن ہے کہ اس بیع میں اس کی ملک سے نکل گیا ہو اور یہاں استصحاب یعنی اس وقت ملک ثابت تھی اور زوال معلوم نہیں تو اب تک ملک مانی جائے گی کافی نہیں کہ یہ ظاہر ہے اور ظاہر حجت دفع ہے نہ کہ حجت استحقاق، اور شفیع کو منظور استحقاق ہے تو استصحاب بکار آمد نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

الظاھر لایصلح للاستحقاق فلابد من ثبوت ملکہ بحجۃ لاستحقاق الشفعۃ۔[1]

ظاہر حال کسی استحقاق کو ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو ثبوت ملکیت کے لئے اس کے پاس شفعہ کے استحقاق کی دلیل کا ہونا ضروری ہے (ت)

اگر کہئے یہ تنقیح تو فیصلہ میں بحق مدعی فیصل ہوچکی تو اس کا جواب بھی فتوائے اولیٰ مدخلہ مدعی دے گا کہ تجویز عدالت بلادلیل وحجت ہے جو شرعاً ہرگز قابلِ نفاذ نہیں۔ اشباہ میں ہے:

والحکم اذا کان لادلیل علیہ لم ینفذ انتھی۔[2]

جب حکم کی دلیل نہ ہو تو وہ نافذ نہیں ہوتا انتہی (ت)

بالجملہ ہر وجہ ہر جہت ہر پہلو سے دعوٰی مدعی باطل اور شریعت مطہرہ کے حکم سے فیصلہ بحق مدعا علیہا ہونا لازم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۶ تا ۱۱۸

ازضلع بجنور قصبہ نگینہ محلہ میر سرائے مسئولہ جلال الدین عطار بروز یکشنبہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام سوالاتِ مندرجہ ذیل میں:

(۱) حافظ جلال الدین و نظام الدین و لدمولا بخش بھائی علاتی ہیں ان کو ترکہ میں نزاع ہے، اول یہ کہ دو دکانیں جن میں ان کے والد نشست و برخاست کرتے تھے حافظ جلال الدین مدعی ہیں کہ یہ ملک والد صاحب مرحوم سے ہے، اور نظام الدین کہتا ہے کہ والد صاحب کی نہیں بلکہ والدہ صاحبہ کو یہ ملی ہیں حافظ جلال الدین اپنے مدعا کے ثبوت میں منجملہ شہادتوں کے ایک شہادت حدود سے کرتے ہیں یعنی ان دکانوں کی جن کے مکانات سے حدود ملتے ہیں ان کے بیعنامہ کے حدود میں ملک والد صاحب کہتے ہیں اور لکھنے والے والد صاحب کی ملک بتلاتے ہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ شہادت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱۷۴/۵

[2] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الاولٰی الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۳/۱

باوجود اس کے کہ سبب ملک والد صاحب نہیں بیان کرتے عندالشرع معتبر ہے یا نہیں، اگر معتبر ہے تو ناشی حکم (اس امر کا کھوج لگانا اور جرح کرنا کہ تم کو کس ذریعہ سے ملک مولا بخش معلوم ہوئی، یا تم نے بیعنامہ دیکھا ہے یا تمھارے سامنے بیع ہوئی ہے) حق حاصل ہے یا نہیں؟

(۲) اور نیز حافظ جلال الدین اپنے مدعا میں ایک شہادت یہ گزرانتا ہے کہ ایک شاہد یہ بیان کرتا ہے کہ ان دکانوں کا بیعنامہ میرے سامنے ہوا اور بائع نے میرے سامنے بیع کی، اور دوسرا شاہد بیان کرتا ہے کہ مشتری نے میرے سامنے اس کی بیع لینے کا اقرار کیا کہ میں نے فلاں سے یہ دکانیں خریدی ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ شہادت عندالشرع معتبر ہے یا نہیں؟

(۳) حافظ جلال الدین کہتا ہے کہ ایک مکان والد صاحب نے مجھ کو ہبہ کیا تھا جس میں میں نے ان کی زندگی میں ہی چھپر کا دالان بنالیا تھا اور تقریباً اس میں بیس پچیس سال رہا، بعد میں مجھ کو اس میں تنگی ہوئی اور دوسری دکان کرایہ پر لے کر اس صورت سے رہنے لگا کہ مکان موہوبہ میں اپنا تصرف وقبضہ بالکل رہا، اس کے بعد والد صاحب نے دوسری دکان جو دکان موہوبہ سابق کے بغل میں ایک جانب کو واقع اور ملکیت میں اپنی زوجہ یعنی میری سوتیلی مادر کے تھا مجھ کو ملا کر دے دیا اور مادر صاحبہ سے بھی کہلا دیا کہ میں نے دے دیا جیسا میرا بیٹا نظام الدین ہے ویسا ہی جلال الدین ہے چنانچہ میں نے اس دوسری دکان کو بھی لے کر اپنے والد اور مادر کی زندگی میں اپنی سابق دکان کے ساتھ ملحق کرلئے درمیان کی دیوار نکال دی اور اس کے سامنے ہی ایک دالان بنالیا اب سوال یہ ہے کہ عندالشرع ان دونوں دکانوں کا میرے لئے ہبہ درست ہوا یا نہیں، اور میرے شاہدان دونوں مکانوں کی بابت دینا والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی جانب سے بیان کرتے ہیں یہ شہادت فقط دینے کی ہبہ پر محمول ہوگی یا عاریۃً پر اور اس میں قاضی یا حکم کو شاہدان سے یہ حق دریافت کرنے کا حاصل ہے یا نہیں کہ دکان جلال الدین کو ہبہ دیا گیا تھا یا عاریۃً۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب وباللہ التوفیق

(۱) اگر شاہدان نے صرف اس پر اکتفا کیا کہ یہ دکانیں مولا بخش کی ہیں اور سبب ملک نہ بیان کیا تو یہ شہادت منجملہ عندالشرع معتبر ہے اور دکانیں مولا بخش کی ہی مانی جائیں گی اور قاضی یا حکم

کو اس کا حق حاصل نہیں ہے کہ گواہان سے تفتیش کرے کہ تم کو کس سبب اور ذریعہ سے ملکِ فلاں ہونا ثابت ہوا،

ومن فی یدہ شئ فلك ان تشهد انه له ان وقع فی قلبك ذلك والا لا[1] الخ تنویر الابصار، وفی الهداية ومن کان فی یدہ شئ سوی العبد والامة وسعك ان تشهد انه له لان الید اقصی ما یستدل به علی الملك اذ هی مرجع الدلالة فی الاسباب کلها[2]، قال فی نهاية انه لادلیل لمعرفة الملك فی حق الشاهد سوا الید لان اکثر ما فی الباب ان یعاین اسباب الملك من الشراء و نحوہ الا ان الشراء انما یفید الملك اذا کان المبیع ملکا للبائع و ذلك لا یعرف الا بالید فلولم یجز اداء الشهادة بحکم الید لسد باب الشهادة حتی حل للقاضی ان یقضی بحکم الید کما یحل للشاهد[3] انتهی۔

اور اگر کوئی شئی کسی کے قبضہ میں بطور ملکیت ہو دل پر گزرے تو تجھے جائز ہے کہ اس چیز کی اس کے لئے شہادت دے ورنہ نہیں الخ تنویر الابصار۔ اور ہدایہ میں ہے غلام اور لونڈی کے علاوہ کوئی چیز کسی کے قبضہ میں ہو تو تجھے گنجائش ہے کہ تو یہ شہادت دے کہ یہ چیز اس کی ہے کیونکہ قبضہ ملکیت کی دلیل کے لئے فیصلہ کن ہے کیونکہ یہ تمام اسباب میں دلالت کا مرجع ہے۔ نہایہ میں فرمایا، گواہ کے پاس ملکیت کی معرفت کے لئے قبضہ کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس باب میں اکثر طور نظر آنے والے اسباب خریداری وغیرہ ہیں لیکن خریداری بھی اس وقت مفید ملک ہے جب یہ معلوم ہو کہ مبیع بائع کی ملکیت تھا اور بائع کی ملکیت اس کے قبضہ سے ہی معلوم ہوسکتی ہے اور اگر قبضہ کی بناء پر ملکیت کی گواہی جائز نہ ہو تو شہادت کا دروازہ ہی بند ہو جائے، حتی کہ قاضی کو جائز ہے کہ وہ قبضہ کی بناء پر ملکیت کا فیصلہ دے جس طرح گواہ کو یہ شہادت دینا جائز ہے اھ (ت)

(۲) یہ شہادت معتبر ہے

کما فی فوائد السمیة فی باب الاختلاف

جیسا کہ فوائد السمیہ کے اختلاف شہادت کے باب

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار — کتاب الشہادات — مطبع مجتبائی دہلی — ۲/ ۹۲
[2] الہدایہ — ″ ″ — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۳/ ۱۵۹
[3] النہایہ شرح الہدایہ

بالشھادۃ ناقلا علی صاحب الدرر ولو شھد احدھما ان فلانا باع منہ و اٰخران فلانا اقر بالبیع منہ تقبل الخ۔

میں صاحب دُرَر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اور گواہوں میں سے ایک نے شہادت دی کہ فلاں نے یہ چیز اس کو فروخت کی ہے اور دوسرے نے شہادت دی کہ فلاں نے اس کے پاس فروخت کرنے کا اقرار کیا ہے، تو مقبول ہوگی الخ (ت)

(۳) حافظ جلال الدین کے لئے ان دونوں مکانوں کا ہبہ عندالشرع درست ہوگیا اور باپ کا دینا قرائن ہبہ اور تملیک کے موجود ہوتے ہوئے ہبہ ہی مانا جائے گا اور اتنی مدت دراز تک تصرف مالکانہ اور عدم تعرض والد کا واضح قرینہ تملیک ہے لہٰذا شاہدین کی شہادت میں لفظ دینا ہبہ ہی پر محمول ہوگا عاریت پر نہیں ہوسکتا اور قاضی یا حکم کو شاہدین سے یہ استفسار کرنا کہ عاریۃً دیا تھا یا ہبۃً عندالشرع کوئی حق نہیں بلکہ یہ شہادت ہبہ ہی پر محمول ہوگی، ردالمحتار میں ہے:

وفی خزانۃ الفتاوی اذا دفع لابنہ مالا فتصرف فیہ الابن یکون للاب الا اذا دلت دلالۃ التملیک بیری[1] الخ۔

خزانۃ الفتاوی میں ہے اگر کسی نے بیٹے کو مال دیا جس میں بیٹا باپ کی دی ہوئی اجازت سے تصرف کرتا ہو وہ مال باپ کا ہوگا مگر جب باپ کی طرف سے تملیک کا واضح قرینہ موجود ہو تو بیٹے کا تصور ہوگا، بیری الخ (ت)

وفی فوائد السمیۃ صحت بمثل قولہ نحلت وھبت کذا لہ جعلت، اما وھبت فانہ صریح فیہ واما نحلت وھی بمعنی اعطیت فلانہ مستعمل فیہ واما جعلت لہ فلان اللام للتملیک، واللہ اعلم بالصواب، راقم بشیر احمد عفی عنہ۔

فوائد السمیہ میں ہے میں نے اس کو عطیہ دیا، اس کو ہبہ کیا۔ یونہی اس کے لئے کر دیا، میں نے اسے ہبہ کیا۔ ان الفاظ سے ہبہ صحیح قرار پائیگا وھبت سے تو اس لئے کہ اس میں تملیک کی تصریح ہے نحلت سے اس لئے کہ یہ اعطیت (میں نے عطا کیا) کے معنی میں ہے کیونکہ یہ اسی معنی میں مستعمل ہے، لیکن "جعلت لہ" سے اس لئے کہ اس میں لام تملیک کے لئے ہے، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، راقم بشیر احمد عفی عنہ۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

الجواب

(۱) بیعناموں کی حدود میں ملک فلاں لکھا ہونا حجت نہیں،

فان القاضی انما یقضی بالبینۃ اوالاقرار او النکول اما الکتاب فلیس من الحجۃ فی شیئ کما فی الخانیۃ والخیریۃ[1] وغیرھما۔

کیونکہ قاضی صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار پر فیصلہ دیتا ہے لیکن تحریر کوئی حجت نہیں ہے جیسا کہ خانیہ اور خیریہ میں ہے۔ (ت)

اس کے ساتھ اگر کاتبان بیعنامہ کی زبانی شہادتیں یوں ہی کہ یہ بیعنامے ہم نے لکھے اور ان کے حدود میں فلاں مکان ملکِ فلاں لکھا تو یہ بھی کوئی چیز نہیں کہ یہ شہادت ملک پر نہیں بلکہ اپنے ایک فعل پر ہے اور اگر وہ یوں گواہی دیتے ہیں کہ یہ مکان ملکِ مولا بخش ہے کہ حدود بیعنامہ میں اس کی ملک لکھا ہے تو یہ بھی اصلاً مسموع نہیں کہ کتابت صک غیر مقر پر حجت نہیں، ہاں اگر وہ مطلقاً یہ مکان ملکِ مولا بخش ہونے کی گواہی دیتے ہوں اور تحریر حدود کو اس کا متبع بتاتے ہوں تو گواہی مسموع ہے، اور اگر وہ عادل شرعی ہیں تو حکم یا قاضی کو اس جرح کا کوئی حق نہیں کہ تم نے کیونکر اس کی ملک جانی، ہاں اگر مستور ہوں اور حکم کو شبہہ گزرے تو سوال کرے والمسئلۃ توخذ من جامع الفصولین وغیرہ (یہ مسئلہ جامع الفصولین وغیرہ سے لیا گیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) یہ شہادت اگر پوری تعیین بائع ومشتری کے ساتھ ہو بھی کہ ایک گواہ گواہی دے کہ میرے سامنے یہ مکان زید بن بکر نے مولی بخش بن فلاں بن فلاں کے ہاتھ بیع کیا، اور دوسرا گواہ گواہی دے کہ میرے سامنے مولی بخش بن فلاں بن فلاں نے کہا کہ میں نے یہ مکان زید بن عمرو بن بکر سے خرید کیا جب بھی اصلاً مسموع نہیں کہ دونوں شہادتیں کسی امرِ واحد پر وارد نہیں، نہ کسی کا بیان کہ میں نے خرید کیا دوسرے پر حجت ہو سکے، اور اسے شہادت علی الاقرار سمجھنا محض بے معنی ہے کہ یہ کہنا کہ میں نے خرید کیا اقرار نہیں دعوٰی ہے، اقرار و دعوٰی میں زمین آسمان کا بل ہے، اقرار مقر پر کوئی حق لازم کرتا ہے بخلاف اس صورت کے کہ ایک گواہ گواہی دے کہ اس بائع نے میرے سامنے اس مشتری کے ہاتھ یہ چیز بیع کی، دوسرا گواہی دے کہ میرے سامنے اس بائع نے اقرار کیا کہ میں نے یہ چیز اس مشتری کے ہاتھ بیع کی یہ ضرور اقرار کی شہادت ہے اور دونوں شہادتوں سے واحد پر وارد کہ بیع میں صیغہ انشاء وصیغہ اقرار دونوں یکساں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب القضاء باب خلل والمحاضر والسجلات دار الفکر بیروت ۲/۱۹و۲۳

(۳) فرق ہے اس میں کہ زید عمرو سے کہے کہ یہ مکان میں نے تجھے دیا اور اس میں کہ بکر گواہی دے یہ مکان زید نے عمرو کو دیا تھا دینا ہبۃً بھی ہوتا ہے عاریۃً بھی اجارۃً بھی، مدار قرائن پر رہتا ہے اگر دلالتِ تملیک پائی جائے ہبہ سمجھا جائے گا ورنہ نہیں، دلائل قرائن قول معطی کے ساتھ مقترن ہوتے ہیں یہ جو حکایت کر رہا ہے کہ زید نے دیا تھا اس کے ساتھ کون سا قرینہ مقترن ہے لہذا شہادت محض مہمل و ناکافی ہے، ایسی مبہم بات میں قاضی استفسار کر سکتا ہے اور مدعی کو اس سے روکنے کا حق نہیں کہ اگر استفسار نہ ہوگا شہادت مبہم ہو کر لغو و بیکار جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۹ از گوالیار محمود الحسن ہادی ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ روز شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحماۃ الشرع المتین کسی معاملہ متنازعہ فیہ میں کسی شخص قرار دادہ احد المتخاصمین کو حکم قرار دے دیں اور وہ حکم ولایت شرعیہ میں نہ فیصلہ کرے تو کیا شرعاً اس کی منسوخی کے واسطے احد المتخاصمین باب القضاء میں یا کسی دیگر طریقہ سے چارہ جوئی کر سکتا ہے؟

الجواب

حکم کا ولایت شرعیہ میں فیصلہ نہ کرنا دو معنی رکھتا ہے، ایک یہ کہ اسے اس فیصلہ کی شرعاً ولایت نہ تھی عام ازیں کہ وہ خود اہل ولایت نہ تھا یا اس خاص فیصلہ کی اسے ولایت نہ تھی جیسے قود و حدود میں تحکیم جائز نہیں، دوسرے یہ کہ حکم کو فی نفسہ اور اس خاص مقدمہ کے اعتبار سے بھی ولایت شرعیہ تھی مگر اس نے اس ولایت کے حدود میں فیصلہ نہ کیا اس سے باہر گیا یعنی خلافِ شرع حکم دیا بہر حال کچھ بھی معنی ہوں وہ فیصلہ مردود و باطل ہے اور کسی طرح نافذ نہیں ہو سکتا منسوخ تو وہ کیا جائے جو کچھ وجود بھی رکھتا ہو، ہاں اگر فریق ثانی نہ مانے تو اس کے اظہار بطلان کیلئے دار القضاء میں رجوع کی جائے اور قاضی پر واجب کہ اسے رد کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۰ مسئولہ محمد حسن صاحب تحصیلدار بجنور ۴ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مورث نے کچھ زیور نقرئی وطلائی برتن وغیرہ کے اس نیت سے تیار کرائے کہ بوقت شادی اپنی فلاں لڑکی کو بطور جہیز دینگے وقتاً فوقتاً کسی کسی زیور کو جو تیار ہو کر آتے رہے اپنے اعزا و احباب کو یہ کہہ کر دکھایا بھی کہ فلاں لڑکی کو بطور جہیز بوقت شادی دینے کے لئے بنوایا ہے، منجملہ اشیاء مسطور بالا بعض اشیاء دختر مذکورہ کے زمانہ عدم بلوغ میں تیار ہوتے تھے اور بعد بلوغ قطعی طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کون کون سے قبل از بلوغ تیار ہوتے تھے اور کون سے بعد بلوغ۔ بعد بلوغ دختر مذکورہ مورث زائد

ازیک سال زندہ رہے اور کل اشیاء بدستور بحالت موجودہ بہ قبضہ مورث رہیں۔ مورث نے دختر مذکورہ کی شادی سے قبل انتقال کیا، اس صورت میں اشیاء متذکرہ بالا شرعاً متروکہ متوفی قابلِ ورثہ ہیں یا تنہا ملکِ دختر متصور ہوں گی اور مورث کی محض نیت ہبہ وصیت کی حد تک پہنچتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

کسی مال سے مالک کی ملک بے کسی دلیل ثابت واضح کے منتقل نہیں مانی جاسکتی۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں:

لاینزع شیئ من ید احد الا بحق ثابت معروف۔

مشہور طور پر حق کے ثبوت کے بغیر کسی کے قبضہ سے چیز کو چھڑانا صحیح نہیں ہے۔ (ت)

یہ پہلے فتوٰی میں بیان ہولیا کہ اگر لڑکی نابالغہ تھی جو کچھ اس کی نیت سے بنوایا ملکِ دختر ہوگیا باپ کا اس نیت سے یہ تصرف ہی اس وقت قائم مقام ہبہ ہے اور باپ کا قبضہ ہی نابالغ کا قبضہ ہے ہبہ تام و کامل ہوگیا اور بالغہ تھی تو قبل تسلیم موت واہب سے ہبہ تھا بھی تو باطل، رہا یہ کہ بعض نامعلوم اشیاء قبل بلوغ اس کے لئے بنوائی تھیں اس کا ثبوت درکار، دختر اگر خود یونہی مجہول دعوٰی کرتی ہے کہ کچھ میری نابالغی میں بنوایا تھا تو دعوٰی ہی مسموع نہیں کہ دعوی مجہول نامقبول۔ درمختار میں ہے:

شرط جواز الدعوی معلومیة المال المدعی اذ لا یقضی بمجھول[1]

دعوٰی کے جواز کے لئے مال مدعٰی کا معلوم ہونا شرط ہے کیونکہ مجہول چیز کا فیصلہ درست نہیں۔ (ت)

اور اگر وہ معین اشیاء کا دعوٰی کرے مگر گواہ تعین نہ کریں تو گواہان نامسموع کہ شئے مجہول پر شہادت مردود۔ عالمگیری میں ہے:

شرائطھا منھا ما یرجع الی المشھود بہ وھو ان یکون بمعلوم فان کان بمجھول لاتقبل[2]

اس کی شرائط میں سے ایک یہ ہے جو مشہود بہ سے متعلق ہے کہ وہ معلوم ہو تو اگر مجہول ہو تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۱

ہاں اگر دختر دعوٰی بالتعیین کرے اور گواہان اشیاء معینہ نہ دے سکے اور دیگر ورثہ پر حلف رکھے اور وہ حلف کرلیں دعوٰی رَد ہوجائے گا اور حلف سے انکار کردیں تو دعوٰی ثابت ہوجائے گا اور وُہ اشیاء بعینہ دختر کو دلادی جائینگی ـــــــــــــــــــ

کما ھو الحکم المعروف فی النکول۔ (جیساکہ قسم کے انکار میں حکم معروف ہے۔ ت)

اور اگر صورت یہ ہے کہ ورثہ خود اقرار کرتے ہیں کہ مورث نے بعض اشیاء اس دختر کی نابالغی میں اس کے لئے بنوائی تھیں تو جو شے معین کریں وہ ملکِ دختر ہوں گی ورنہ کچھ نہیں،

فان الھبۃ تملیك وتملیك المجھول لایجوز فالاقرار بھبۃ مجھولۃ لایجوز۔

کیونکہ ہبہ تملیک کا نام ہے جبکہ تملیک مجہول ناجائز ہے، تو مجہول چیز کے ہبہ کا اقرار جائز نہیں۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

قال لاخر انت فی حل مما اخذت لم یحل لہ الاخذ[1]

ایک نے دوسرے کو کہا کہ جو تُو نے لیا وہ تجھے حلال ہے تو اسکو وُہ لینا حلال نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

جھالۃ المقر بہ لاتضر الا اذا بین سببا تضرہ الجھالۃ کبیع واجارۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جس چیز کا اقرار کیا گیا اس کا مجہول ہونا مضر نہیں لیکن جب اقرار میں ایسے سبب کو بیان کرے جس میں جہالت مضر ہو جیسے بیع اور اجارہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱: از رام پور محلہ پل پختہ متصل زیارت بھورے میاں مسئولہ عبدالحکیم ۹ صفر ۱۳۳۲ھ دوشنبہ

رشوت کی تعریف اور اس کی وعید۔

الجواب

رشوت کے لئے فرمایا:

الراشی والمرتشی کلاھما فی

رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنّم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳۸۲/۴

[2] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰/۲

النار[1] میں ہیں۔ (ت)

یہ اس صورت میں ہے کہ دینے والا مستحق رہے گا کسی کا حق چھپانا اور اپنا حق نکالنے کیلئے جو دیا جائے وہ رشوت ہے اور اپنے اوپر سے دفع ظلم کر دیا جائے تو رشوت نہیں، ہاں ظالم کے حق میں وہ بھی رشوت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲ مسئولہ رحمت علی خاں از بجے پور سالگانیر دروازہ جوہری بازار دکان عبدالرحمن و عبدالغنی خیاط ۹ رجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی رحمت علی خاں اور اس کی زوجہ مسماۃ آبادی بیگم کے باہمی نااتفاقی تھی چنانچہ مسماۃ کی جانب سے دعوی واپسی جہیز عدالت میں دائر ہو کر دس پانچ اشخاص اہل ہنود متخاصمین کی جانب سے پنچ مقرر ہوئے اور عدالت سے پنچان ہنود کے سپرد فیصلہ کے لئے کہا گیا، پنچان نے بجائے اس کے کہ مقدمہ واپسی جہیز میں فیصلہ دیتی یہ فیصلہ صادر کیا کہ رحمت علی خاں اپنی زوجہ کو نہ طلاق دے سکے اور نہ دوسری شادی کر سکے اور نان ونفقہ میں نصف جائداد مسماۃ کو دی جائے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بروئے شرع شریف اس فیصلہ کی پابندی رحمت علی خاں پر لازم ہے یا نہیں؟

الجواب

وہ فیصلہ محض مردود و باطل اور خلاف شرع و ناقابل قبول ہے، اس کا کوئی اثر فریقین میں سے کسی پر نہیں پڑ سکتا، علاوہ بریں وہ پنچایت سرے سے مردود و باطل ہے،

کما فی الھدایۃ والدرالمختار والعالمگیریۃ وغیرھا عامۃ الکتب۔ قال اللہ تعالٰی ولن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا۔[2]

جیسا کہ ہدایہ، درمختار اور عالمگیریہ وغیرہا عام کتب میں ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مومنوں پر راہ نہ دے گا۔ (ت)

ہاں شرعاً رحمت علی خاں پر یہ فرض ہے کہ یا تو عورت کو اچھی طرح رکھے یا اچھی طرح طلاق دے دے، قال تعالٰی فامسکوھن بمعروف او

اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو بھلائی کے ساتھ پاس

---

[1] الترغیب والترھیب ۳/ ۱۸۰ - مجمع الزوائد باب فی الرشا ۴/ ۱۹۹ - کنز العمال حدیث ۱۵۰۷۷، ۶/ ۱۱۲

[2] القرآن الحکیم ۴/ ۱۴۱

فارقوھن بمعروف[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

روک لو یا ان کو بھلائی کے ساتھ جدا کردو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۳: مسئولہ غلام گیلانی از شمس آباد کیمل پور ۱۰ رشعبان ۱۳۳۴ھ سہ شنبہ

مدعی بینہ آورد امانزد قاضی بکسے وجہ مقبول نشد نداز وجہ فسق یا عدم توافق شہادت بادعوی یا یک گواہ موافق بود دیگر مخالف مدعی دریں صور ایں بینہ را کالعدم تصور بدہ برمنکر حلف عائد خواہد شد یا نہ فقط۔

مدعی نے گواہی پیش کی لیکن فاسق ہونے یا شہادت کے دعوٰی کے موافق نہ ہونے یا ایک گواہ موافق اور دوسرا مخالف میں سے کسی وجہ سے قاضی کے ہاں گواہی مقبول نہ ہوئی ان صورتوں میں مدعی نے گواہی کو کالعدم قرار دیا تو کیا منکر پر قسم عائد ہوگی یا نہیں، فقط۔ (ت)

الجواب الملفوظ

پیداست کہ دریں صورت مدعی از اقامت بینہ عاجز ماند ہرچہ برسم گواہان پیش کنند بینہ نہ باشد بینہ آنست کہ ہمچو اسم خود بینہ باشد پس بطلب مدعی بلاشبہہ حلف بر مدعی علیہ عائد گردد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس صورت میں ظاہر ہے کہ مدعی گواہی پیش کرنے سے عاجز رہا اس نے گواہی کے طور پر جن کو پیش کیا وہ بینہ نہ ہوئے، بینہ اپنے نام کی طرح واضح کرنے والا ہوتا ہے، پس مدعی کے مطالبہ پر مدعی علیہ پر قسم عائد ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۴: مسئولہ شمس الدین از نصیر آباد ضلع اجمیر شریف مسجد گودام چرم ۱۷ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ دوشنبہ

فتوٰی دینے کے لئے مفتی کو کتنا علم پڑھنا ضروری ہے اور کتنی مہارت علوم دینیہ میں ہونی چاہئے فقط۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۵

الجواب

حدیث وتفسیر واصول وادب وقدر حاجت ہیأت وہندسہ وتوقیت اور ان میں مہارت کافی اور ذہن صافی اور نظر وافی اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغال دُنیویہ سے فراغ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ اللہ اور ان سب کے ساتھ شرطِ اعظم توفیق من اللہ، جو ان شروط کا جامع وہ اس بحر ذخار میں شناوری کرسکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے ورنہ اگر خواہی سلامت برکنار است۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۵: مسئولہ محمد سلیمان طالب علم مدرسہ فیض احمدی کانپور ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ زید صاحب جائداد کے انتقال کے قریب اس کی زوجہ مسماۃ ہندہ سے لوگوں نے کہا کہ زید کے انتقال کا وقت قریب ہے اپنا دین مہر زید کو معاف کردو تاکہ آخرت میں اس کو مواخذہ نہ ہو، مسماۃ ہندہ مذکور نے کہا کہ اگر میں اپنا مہر معاف کردوں تو زید کا بھائی بکر اس جائداد میں سے اپنا حصہ لے گا اور بقیہ جائداد مجھ کو اور میری دونوں لڑکیوں کو کافی نہ ہوگی اور ہم لوگ سخت تکلیف اٹھائیں گے، لوگوں نے کہا کہ تم معاف کردو اور ہم ذمہ داری کرتے ہیں کہ یہ جائداد تمہارے ہی قبضہ میں رہے گی اور بکر کو ہرگز قابض نہ ہونے دینگے، چنانچہ مسماۃ ہندہ نے جس قدر مہر کہ قیمتِ جائداد سے زائد تھا اسی وقت زید کو معاف کردیا، بعد اس کے زید نے انتقال کیا اور بعد انتقال زید کے جائداد زید پر قابض ہوئی اور اپنی باقی عمر اس پر مالکانہ تصرف کرتی رہی، چنانچہ دونوں لڑکیوں کی شادی کے وقت کچھ جائداد کو متفرق طور پر بقدر ضرورت بیع ڈالا اور بکر برادر زید مرحوم کچھ نہیں بولا اور جب تک مسماۃ ہندہ زندہ رہی بکر نے کبھی کوئی دعوٰی کچہری میں اپنے حق پانے کا نہیں کیا اور نہ کبھی ہندہ سے کہا کہ میرا حق مجھ کو دے دو البتہ اور لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ میرا بھی اس جائداد میں حق ہے، اب ہندہ نے بعد وفات زید کے تخمیناً پندرھویں سال انتقال کیا اور بعد انتقال ہندہ کے بکر دعوٰی کرتا ہے کہ جائداد زید میں میرا حق میراث مجھ کو ملنا چاہئے اور منافع جائداد مذکور ہندہ کی دونوں لڑکیوں کو لینے نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ جب تک میرا حق مجھ کو نہ دو گی تم لوگوں کو لینے نہ دوں گا۔ اس صورت میں جائداد متروکہ زید میں سے کہ جس پر اس کی زوجہ ہندہ بعوض بقیہ مہر کے چودہ پندرہ برس قابض ومتصرف مالکانہ رہی ہے شرعاً بکر کو حق مل سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالسند والکتاب توجروا من رب الارباب (سند اور کتاب سے بیان کیجئے، رب الارباب سے اجر دئے جاؤ گے۔ت)

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں بکر کا دعوٰی مدفوع اور اصلاً نامسموع، شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد عبداللہ غزی تمرتاشی نے اپنے فتاوٰی میں تصریح فرمائی ہے کہ،

لاتسمع الدعوی بعد ثلث سنین قطعاً للحیل والتزویر والاطماع الفاسدۃ[1] (ملتقطا)۔ حیلہ سازی، جھوٹ اور فاسد لالچ کے احتمال کی وجہ سے تین سال کے بعد دعوٰی قطعاً قابلِ سماعت نہ ہوگا (ملتقطاً)۔ (ت)

اسی طرح خیریہ وعقود الدریہ و ردالمحتار وغیرہا میں ہے، والتفصیل فی فتاونا (اور اس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۶: مرسلہ ناصر الدین خاں ساکن پیلی بھیت محلہ بشیر خاں ۲ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو کے دروازوں کے سامنے ایک اراضی چودہ فٹ چار انچ طویل اور پانچ فٹ نو انچ عریض بغرض مرور کے ہے، عرصہ پندرہ سولہ سال سے زید نے بجائے دروازہ کے کھڑکی کرلی اور اس سے آمدورفت جاری رکھی، پھر زید نے اس کو تقریباً ایک سال تک بند رکھا اور اسی حالت میں اپنے مکان کا بیعنامہ مع جملہ حقوق داخلی وخارجی کے بکر کو کردیا اور اس بیعنامہ میں اس کھڑکی کا ذکر نہیں اور اس بیعنامہ میں دوسری کھڑکی کا بھی ذکر نہیں ہے جو اس مکان میں دوسری طرف لگی ہوئی ہے بکر نے مکان خریدنے کے بعد کھڑکی کھول لی جس کو تقریباً تیرہ چودہ سال ہوئے اب عمرو نے اس اراضی کو اپنے گھر میں عرصہ تین ماہ سے ڈال لیا ہے اور ایک دروازہ جدید اراضی مرور میں لگایا ہے جو ملاحظہ نقشہ سے ظاہر ہوگا، آیا زید کو اپنی کھڑکی کھولنے کا حق تھا یا نہیں اور اگر حق حاصل تھا تو وہی حق مشتری بکر کو حاصل ہے یا نہیں اور عمرو اس اراضی کو اپنے مکان میں الحاق کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب

عمرو کو کوئی استحقاق اس زمین کے الحاق کا نہیں، یہ سراسر ظلم ہے اور اس سے باز آنا اس پر

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۴
العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳
فتاوٰی خیریۃ " دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۴۹

واجب اور بکر اس کھڑکی کے کھولنے کا اختیار رکھتا ہے مکان مع جمیع حقوق اس نے خریدا ہے حقوق میں یہ مرور بھی ہے عمرو و بکر دونوں کو یکساں اس میں حق مرور حاصل ہے عمرو کا اس میں دیوار قائم کرنا تصرف باطل ہے اور اس کا انہدام لازم۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، لیس لعرق ظالم حق[1] (ظالم کے دخل کا کوئی حق نہیں۔ ت) دروازۂ جدید کہ عمرو نے نکالا ہے اس کے نکالنے کا اس کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اندر کی جانب نہیں باہر کی طرف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۷: مرسلہ اکبر خاں ساکن ریاست رامپور محلہ جھنڈا بڑے پیر صاحب

۲۶ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

مقدمہ عباسی بیگم زوجہ عنایت احمد خاں و عنایت احمد خاں ولد عبدالرحیم خاں بنام کریم بخش ولد رحیم بخش، دعوٰی یہ کہ مدعا علیہ نے مدعیہ کی اراضی مرور ۱۲ گرہ عرض اور ۸ گز ۲ گرہ طویل دبا کر دیوار بنالی محکمہ دیوانی نے گواہان مدعی کا بیان ناقص و مجہول و باہم مختلف و نیز مخالف دعوٰی مان کر بکسر خارج کیا محکمہ ججی سے صرف چار گرہ کی ڈگری ہوئی کہ اس قدر میں مدعیہ کو مردہ نکالنے کی وسعت ہوجائے گی محکمہ عالیہ اپیل نے شہادت مدعیہ راجح ٹھہرا کر کل دعوی ڈگری فرمایا یہ تمام تجویزیں مع نقول باضابطہ گواہان فریقین دارالافتاء میں حاضر کرکے استدعا ہے کہ اس صورت میں جو حکم شرعی ہو ارشاد ہو۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ان الحکم الا للہ[2] (حکم صرف اللہ تعالٰی ہی کا ہے۔ ت) حکم اگر شریعت کے لئے ہے اور بیشک حکم شریعت ہی کے لئے ہے حکام اگر اس لئے مقرر ہوتے ہیں کہ مطابق شرع فیصلہ کریں اور بیشک وہ اسی لئے مقرر ہوتے ہیں اور یہی ان کا فرض ہے تو شریعت مطہرہ نے قاضی کے حضور ثبوت دعوی کے صرف تین طریقے رکھے ہیں: بینہ، اقرار، نکول۔ اور جہاں تینوں معدوم ثبوت معدوم، اور قضا بحق مدعی ناممکن۔ فتاوٰی امام اجل قاضیخاں میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ وھی البینۃ او الاقرار او النکول[3]

قاضی صرف حجت کی بنا پر فیصلہ کرے گا اور حجت صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے (ت)

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الغصب باب لیس لعرق ظالم الخ دار صادر بیروت ۶/ ۹۹
صحیح البخاری کتاب الحرث ۱/ ۳۱۴ و سنن ابی داؤد کتاب الخراج ۲/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۵۷

[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲
فتاوٰی خیریہ کتاب القاضی الی القاضی باب خلل المحاضر والسجلات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹ و ۵۱

محکمہ دیوانی نے شہادات مدعیہ کو مجروح کیا محکمہ ججی نے اول جروح کو مقبول رکھا کہ مفتی صاحب نے گواہان مدعی پر اعتبار نہیں کیا ہے جتہائے معقولہ و روایات شرعیہ سے مؤکد اپنی رائے کو فرمایا ہے ظاہراً دیوار کا بڑا ہونا اگر معلوم ہو تو یہ مدعیہ کو کچھ نافع نہیں۔ ائمہ دین ہدایہ وغیرہ عامہ کتب میں فرماتے ہیں :

الظاھر یصلح حجۃ للدفع لا للاستحقاق۔[1] ظاہر حال دفاع کے لئے حجت بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے استحقاق کے لئے نہیں۔ (ت)

یہ مصلحت کہ مدعیہ مردہ نکال سکے کوئی حجت شرعیہ تو شرعیہ عرفیہ بھی نہیں کوئی اپنی مصلحت کے لئے بلا ثبوت شرعی پرایا مال نہیں لے سکتا یہ فرمانا کہ گواہان ثبوت سے کم از کم جس قدر زمین کا ڈال لینا پایا جائے اس قدر تخلیہ کرا دینا چاہئے حکم شریعت سے اصلاً مطابق نہیں جس کا بیان ابھی آتا ہے پھر فیصلہ خود بھی اس کے خلاف ہے ہمارے سامنے سات گواہان مدعی کے اظہار ہیں بشیر حسن خاں، رفیق محمد خاں، ممتاز الدین خاں، عطاء اللہ خاں، مشتاق حسین خاں، ممتاز علی خاں، غفور حسن خاں، اور آٹھواں عاشق حسین خاں جس کا بیان نہ ہوا، ان میں سے ممتاز الدین خاں نے تو کوئی مقدار بیان ہی نہ کی اور اس کی نسبت محکمہ عالیہ اپیل نے بھی اسی قدر لکھا کہ ممتاز الدین خاں کی شہادت مجہول ہو بھی تو اور بہت سی شہادت موجود ہے باقی کسی کے بیان میں دس گرہ سے کم عرض نہیں اور ڈگری صرف چار گرہ پر دی گئی جس سے صاف ظاہر کہ محکمہ ججی نے بھی وہ شہادتیں قبول نہ فرمائیں جیسا کہ ان کی بے اعتباری کو جتہائے معقولہ و روایات شرعیہ سے مؤکد ہوتا فرمایا ہے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ثابت دس گرہ ہو اور ڈگری چار گرہ کی۔ لاجرم وہی لحاظ مصلحت ہوتی ہے کہ مردہ نکل سکے یہ ایک نیک صلاح ہے کہ کسی طرح حکم کی حد میں نہیں آسکتی، یہیں سے تجویز محکمہ عالیہ اپیل کے اس جملہ کا جواب واضح ہوگیا کہ ظاہر ہے کہ صاحب جج بہادر نے مدعیان کی شہادت کو مانا ہے محکمہ عالیہ نے خود جانب شہادات توجہ فرمائی محکمہ دیوانی کے اعتراضات میں بعض کے جواب دیئے بعض کے جواب سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا کہ اور بہت سی شہادت موجود ہے ان تمام اعتراض وجواب اور ان کے مالہ و ماعلیہ پر بحث موجب طول ہے اور بیان حکم محکم شرع مطہر کے لئے اس کی حاجت نہیں یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ محکمہ دیوانی نے شہادتوں کو ناقص و مجہول و مختلف و مخالف دعوٰی فرمایا اور وہ بیشک ایسی ہی ہیں ان کے وجوہ

---

[1] در مختار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶
الہدایہ کتاب ادب القاضی ؍؍ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷

اختلال کثیرہ وافر ہیں جن کی تفصیل موجب تطویل۔ ہم صرف اس قدر پر اقتصار کریں کہ ان میں سے کسی نے بھی ایک شے معین اور ایک شخص معین پر شہادت نہ دی جس پر قضا ممکن ہو لہذا یکسر مہمل و نامسموع ہیں۔

بیان بشیر حسن خان کچھ نالہ تھا کچھ زمین ہے چوڑاؤ دونوں کا تخمیناً دس یا بارہ گرہ ہے اور وہ زمین آٹھ یا نو گز لمبی ہے پوٹھیا کریم بخش نے اپنے مکان میں داب لی ہے، کریم بخش کی ولدیت نہیں معلوم۔ اراضی مذکور کریم بخش نے اپنے مکان میں اندر تین پونے تین برس ہوئے مظہر کے سامنے ڈالی ہے۔

بیان ممتاز الدین خان مدعی کی چوکھٹ کے برابر دو پوٹھے تھے، بائیں ہاتھ کا پوٹھا دس بارہ گرہ چوڑا ہے اس میں سے نکل کر مدعی کا پرنالہ آیا ہے مدعا علیہ ہیں وہ دبا کیا جن کا نام اور ولدیت مظہر کو نہیں معلوم مظہر ان کو پہچانتا ہے ان کے مکان کی دیوار گرتی جاتی تھی اور وہ بڑھاتے جاتے تھے انھوں نے مذکور پوٹھا دبالیا۔

بیان رفیق محمد خان عباسی بیگم کی مملوکہ مقبوضہ زمین تخمیناً دس یا بارہ گرہ عرضاً اور طولاً تخمیناً آٹھ نو گز کریم بخش نے دبالی ہے، کریم بخش کے باپ کا نام یاد نہیں مظہر اس کو پہچانتا ہے۔

بیان عطاء اللہ خان عباسی بیگم کے مرور کی اراضی میں سے آٹھ گرہ اور چار گرہ نالی کی کل دس یا بارہ گرہ اراضی چوڑی اور نو یا پونے نو گز لمبی کریم بخش مدعا علیہ نے اپنے مکان میں ڈال کر دیوار بنالی ہے جس کی وجہ سے دکھن رُخ کا پاکھا پھر کہا پوٹھا مدعیہ کے دروازے کا دیوار میں دب گیا ہے مذکورہ زمین عباسی بیگم اور ان کے شوہر عنایت احمد خاں کی ہمیشہ سے مملوکہ مقبوضہ چلی آتی ہے کریم بخش مدعا علیہ کے باپ کا نام نہیں معلوم، مظہر اس کو پہچانتا ہے، اراضی مذکور کو ڈالے ہوئے تخمیناً تین سال کا عرصہ ہوا مدعا علیہ نے اراضی مذکور کو ایک وقت میں نہیں ڈالی تھوڑی تھوڑی ڈالی، آخری مرتبہ کو مدعا علیہ نے جو اراضی ڈالی ہے اس کو تین سال ہوئے۔

بیان مشتاق حسین خان کوئی عرصہ تین یا چار سال کا ہوا تخمیناً کریم بخش مدعا علیہ نے تین یا چار گرہ تخمیناً نالے اور سات یا آٹھ گرہ راستہ میں سے کل دس یا بارہ گرہ چوڑی اور آٹھ یا نو گز لمبی زمین ڈال کر دیوار بنالی ہے مذکورہ نالی اور زمین مملوکہ و مقبوضہ عنایت احمد خاں اور ان کی زوجہ عباسی بیگم مدعیان کی ہے، کریم بخش کی ولدیت نہیں معلوم، مظہر اس کو پہچانتا ہے، پہلی مرتبہ جو مظہر کے سامنے دیوار بنی اس کو تخمیناً چار برس کا عرصہ ہوا دوسری بار بننے کو تخمیناً سال بھر ہوا۔

بیان ممتاز علی خاں عرصہ تخمیناً تین چار برس کا ہوا کہ کریم بخش مدعا علیہ جس کے باپ کا نام نہیں معلوم، مظہر اس کو پہچانتا ہے، اس نے چار گرہ نالی کی زمین اور آٹھ گرہ راستہ کی زمین چوڑی اور نو یا آٹھ گز لمبی لے کر اپنے مکان میں ڈال لی ہے۔

بیان غفور حسین خاں عرصہ تخمیناً تین چار سال کا ہوا کہ تین چار گرہ نالی کی زمین اور سات آٹھ گرہ راستہ کریم بخش نے اپنے مکان میں ڈال لیا، مظہر کریم بخش کی ولدیت نہیں جانتا کریم بخش کو پہچانتا ہے، جو زمین کریم بخش نے ڈال لی ہے یہ مولوی عنایت احمد خاں مدعی کے تصرف میں تھی۔ یہ ان تمام بیانوں کا خلاصہ ہے ان میں جو وجوہ اختلال ہیں خادمِ فقہ پر مخفی نہیں مگر یہ دو اجمال ان سب کو شامل ہیں کہ ان میں کسی نے نہ شخص معین پر شہادت دی ہے نہ شے معین پر،

اول اس لئے کہ مدعا علیہ کی طرف نہ اشارہ کیا نہ ولدیت بتائی، ولدیت بتانی درکنار بالاتفاق سب نے ولدیت جاننے ہی سے انکار کیا ایسی شہادت مجہول اور محض ناقابل قبول۔ عالمگیریہ میں ہے:

شرط الخصاف ذکر الجد للتعریف و ھکذا ذکر فی شروط، ومن مشایخنا من قال ھذا قول ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعالٰی اما علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی فذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرۃ والصحیح ان النسبۃ الی الجد لابد منھا کذا فی البحر الرائق[1]

امام خصاف نے شناخت کے لئے جد کے ذکر کو شرط قرار دیا ہے اور شروط میں یُوں ذکر فرمایا ہے، اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا قول ہے جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر شناخت کے لئے باپ کا ذکر کافی ہے، ذخیرہ میں یوں ہے اور صحیح یہ ہے کہ دادے کی طرف نسبت شناخت کے لئے ضروری ہے، بحرالرائق میں یونہی ہے (ت)

دوم جس نے کہے متردد لفظ کہے دس یا بارہ گرہ، آٹھ یا نو گز یا پونے نو گز، تین یا چار گرہ، سات یا آٹھ گرہ۔ یہ نفس مشہود بہ میں جہالت و موجب رد و بطلان شہادت ہے۔ یہ نہیں کہ ایسی جگہ کم سے کم مان لیں گے، نہیں بلکہ بالکل رد کردیں گے۔ عالمگیری میں ہے:

اذا ادعی بالفارسیۃ دوازدہ درم و شھد الشھود ان لھذا المدعی علی ھذا

جب کسی نے فارسی میں بارہ درم کا دعوٰی کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے

---

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

المدعی علیه دہ دوازدہ درہم لاتقبل لمکان الجہالۃ، وکذٰلک اذا ادعی دہ دوازدہ درم لاتسمع دعواہ وکذالک اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی ھذا الوجہ بان قال ایں عین ملک من ست از دہ دوازدہ سال فانہ لاتسمع دعواہ، وکذٰلک اذ ذکر الشہود التاریخ فی شہادتھم علی ھذا الوجہ لاتقبل شہادتھم کذا فی الذخیرۃ[1]۔

مدعی علیہ پر دس بارہ درہم ہیں جہالت کی وجہ سے یہ شہادت مقبول نہ ہوگی، اور یوں ہی اگر مدعی نے دس بارہ درہم کا دعوٰی کیا تو اس کا دعوٰی قابلِ سماعت نہ ہوگا، اور یونہی اگر گواہوں نے اپنی شہادت میں ایسی تاریخ ذکر کی تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ ذخیرہ میں یوں ہے۔ (ت)

لہذا شہادتیں سب مردود اور دعوٰی محض بے ثبوت وواجب الرد، اور فیصلہ مفتی صاحب لازم القبول، حکم شرعی یہ ہے اور حکم نہیں مگر شرع کے لئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸: ۲۵ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اور نصیبہ نے اپنے ترکۂ پدری کے تقسیم کا دعوٰی عمرو برادر خورد اور مسماۃ زبیدہ خاتون بیوہ اور بکر پسر زید برادر کلاں کے نام دائر کچہری کیا۔ زبیدہ خاتون بیوہ اور بکر پسر مدعا علیہما مجیب ہُوئے کہ ترکہ مظہرۂ مدعیات غلط اور غیر صحیح ہے جس قدر جز ہمارے مورث زید کا مملوکہ مقبوضہ چالیس سال کا ہے وہ مستثنٰی ہو کر جس قدر متروکۂ پدری مدعیات ثابت کریں اس کے تقسیم میں کچھ عذر نہیں ہے۔ عمرو برادر خورد مدعا علیہ بوجہ سازش مدعیات ضمناً مقبل دعوی اور ظاہر ایک جزو کا بذریعہ خریدار مدعیات و مدعا علیہما ۲ و ۳ کا دعویدار رہا کچہری سے مطابق تنقیحات ہر ایک سے بقدر دعوٰی کے ثبوت و تردید طلب ہوا۔ مدعیات نے ایک مرتبہ گواہ طلبی بذریعہ کچہری کرا کر بعذر عدم تعمیل سمن ثبوت داخل کرنے سے گریز کیا مگر بذریعہ سمن طلبی گواہان کرا کر تاریخ موعود پر گواہان حاضر کو ہدایت حاضری تاریخ ثانی بعذر عدم حاضری جملہ گواہان کچہری سے رخصت کرا دیا۔ سہ بارہ بذریعہ سمن جملہ گواہان حاضر کچہری کرائے گئے اور باوجود حاضری گواہان بہ کچہری بدیں مضمون درخواست پیش کی کہ گواہان کا اعتماد نہیں ہے لہذا جملہ مدعا علیہم مجیب سے حلف لے لیا جائے، پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ بحالت موجودگی گواہان در مجلس قضا مدعیات کا انحصار بحلف مدعا علیہم مجیب شرعاً صحیح ہے یا

---
[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۶۲

غیر صحیح، اور صورت مسئولہ میں مدعاعلیہما مجیب پر حلف متوجہ ہوتا ہے یا نہیں، دوسرے جبکہ مدعیات اپنے دعوٰی کو ثابت نہ کرسکیں تو اب مدعاعلیہما ع۲ و ع۳ کو اپنی جوابدہی کے موافق ثبوت دینے کی ضرورت باقی رہی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں مدعیات کا مدعاعلیہم سے حلف طلب کرنا صحیح نہیں نہ مدعاعلیہم پر حلف متوجہ ہو۔ بحرالرائق میں ہے:

ان لم تکن للمدعی بینۃ حلف القاضی المدعی علیہ بطلب المدعی لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للمدعی الك بینۃ قال لا فقال لك یمینہ سأل ورتب الیمین علی فقدان البینۃ[1]

اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو پھر قاضی مدعی علیہ سے قسم کا حلف لے اگر مدعی طلب کرے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدعی کو فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں، اس نے کہا نہیں، فرمایا تجھے اس کی قسم لینی ہوگی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود سوال فرمایا اور مرتب فرمایا کہ قسم گواہ نہ ہونے پر ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

ثبوت الحق فی الیمین مرتب علی العجز عن اقامۃ البینۃ بما رویناہ فلایکون حقہ دونہ[2]

قسم کا حق گواہ پیش کرنے سے عاجز ہونے پر مرتب ہوتا ہے اس حدیث کے سبب جو ہم نے روایت کی ہے تو اس عجز کے بغیر قسم کا حق نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لو حاضرۃ فی مجلس الحکم لم یحلف اتفاقا[3]

اگر وہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو بالاتفاق قسم لینا جائز نہیں (ت)

جب مدعی اثبات دعوٰی سے عاجز ہو، منکر کو ثبوت دینے کی حاجت نہیں،

---

[1] بحرالرائق | کتاب الدعوٰی | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۷/۲۰۳
[2] " " | " | " " | ۷/۲۱۰
[3] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۱۱۹

فان البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ گواہ پیش کرنا مدعی پر اور قسم مدعٰی علیہ پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹: از سہسرام ضلع گیا مدار دروازہ مرسلہ قادر بخش صاحب ۳ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک مسجد محلہ مدار دروازہ میں واقع ہے جس کے اُترجانب کی دیوار اسے ایک ہندو حلوائی نے اپنا مکان مسجد مذکور کی دیوار سے دیوار ملا کر اس طرح اٹھایا کہ جس سے مسجد کے اُترجانب ایک فرخانہ جھنجری نما ہوا کے لئے ایک کھڑکی تھی اس کو اپنی نو دیوار سے بند کردیا ہے جس سے ہوا بالکل بند ہوگئی ہے اب نمازیوں کو بسبب بند ہوجانے ہوا کے ازحد تکلیف ہے اور جانب اتر و پورب کچھ اینٹ دیوار جدید فصیل مسجد پر زیادہ کرکے بنالیا ہے جو قریب دو انچ کے ہوگی مسجد کی فصیل پر اس کی اینٹ چڑھی ہوئی ہے اور ایک جانب پورب سے وہ ناگ[عہ] معلوم ہوتی ہے یہ مسجد زمانہ چھپن برس کی بنی ہوئی ہے اس نے آج یہ نیا کام بنایا ہے، از رُوئے شرع شریف اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر کوئی شخص دیوارِ مسجد کے متصل اور اسی کی ہوا میں دیوار اٹھائے تو کتنی ہی بلند کرے اسے ممانعت نہ ہوگی کہ خاص اپنی ملک میں تصرف کررہا ہے اور مسجد کا کوئی ضرر نہیں، نمازیوں کے لئے ایک طرف کی ہوا رکنا کوئی ضرر نہیں جس کے سبب کسی شخص کو اپنی ملک میں تصرف سے روکا جائے۔

جامع الفصولین میں ہے:

ارادذوالساحۃ ان یبنی فیھا ویرفع بناءہ فقال ذوالبناء انک تسد علی الریح والشمس فلا ادعک ترفع البناء فلہ منعہ لا فی ظاھر الروایۃ لان ذاالساحۃ منعہ عن الانتفاع بملکہ ولم یتلف علیہ ملکا

خالی جگہ پر مالک تعمیر کرنا چاہتا ہے اور عمارت بلند کرتا ہے تو دوسری عمارت والا اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے تو ہوا اور دھوپ کو مجھ پر بند کررہا ہے اس لئے میں تجھے عمارت بلند نہ کرنے

[عہ] اصل میں اسی طرح ہے۔

---

[1] صحیح البخاری	کتاب الرہن	قدیمی کتب خانہ کراچی	۱/۳۴۲
جامع الترمذی	ابواب الاحکام	امین کمپنی دہلی	۱/۱۶۰
السنن الکبرٰی	کتاب الدعوات	دار صادر بیروت	۱۰/۲۵۲

ولا منفعة فلا یمنع کرجل له شجرة یستظل بها جاره اراد قلعها لا یمنع منه ولو تضرر به جاره، اذ ذھاب الشجرة بالقلع یمنعه عن الانتفاع بملکه[1]

دوں گا تو اس کو منع کرنے کا حق نہیں ہے ظاہر روایت میں، کیونکہ یہ خالی جگہ والے کو اپنی ملکیت سے انتفاع منع کرتا ہے جبکہ عمارت والے کی ملکیت اور اس کے انتفاع میں نقصان نہیں، لہذا جگہ والے کو عمارت بلند کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ ایک آدمی کا درخت جس سے پڑوس والے کو سایہ حاصل ہوتا ہو درخت والے کو اس کے اکھاڑنے سے نہیں روکا جاسکتا حالانکہ پڑوسی کو اس سے ضرر ہے، کیونکہ درخت کا مالک اکھاڑ کر اپنی ملکیت سے دوسرے کے نفع کو روک رہا ہے۔ (ت)

فتح القدیر و ردالمحتار میں ہے:

والحاصل ان القیاس فی جنس ھذہ المسائل ان یفعل المالك ما بدا له مطلقا لانه متصرف فی خالص ملکه لکن ترك القیاس فی موضع یتعدی ضررہ الی غیرہ ضررا فاحشا وھو المراد بالبین وھو ما یکون سببا للھدم، او یخرج عن الانتفاع بالکلیة وھو ما یمنع الحوائج الاصلیة کسد الضوء بالکلیة واختاروا الفتوی علیه فاما التوسع الی منع کل ضرر ما فیفسد باب انتفاع الانسان بملکه کما ذکرنا قریبا۔[2]

اور حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں قیاس یہ ہے کہ مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے کیونکہ وہ اپنی خالص ملک میں تصرف کررہا ہے لیکن بعض ایسے مقامات میں جہاں مالک کا تصرف دوسرے کے لئے فحش ضرر پیدا کرے وہاں یہ قیاس متروک ہوگا اور فحش ضرر سے ایسا تصرف ہی مراد ہے جو دوسرے کے مکان کے گرنے کا سبب ہو یا دوسرے کو اپنی ملکیت میں انتفاع سے مکمل طور پر محروم کردے وہ یوں کہ اس کے حوائج اصلیہ کو ختم کردے مثلاً کلیۃً روشنی کا ختم کردینا، اور اسی پر فتوٰی کو فقہاء نے پسند کیا ہے لیکن ہر قسم کے ضرر کی وجہ سے منع کو وسیع کرنا اس سے تو انسان کا اپنی ملکیت سے انتفاع کا دروازہ بند ہوجائے گا، جیسا کہ قریب ہم ذکر کرچکے ہیں۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۲۶۶

[2] فتح القدیر مسائل شتّی من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۴۱۵

ردالمحتار کتاب القضاء مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۶۱

جامع الفصولین میں ہے :

الضوء من الحوائج الاصلیة والشمس والریح من الحوائج الزائدة[1]

روشنی حوائج اصلیہ میں سے ہے اور دھوپ اور ہوا حوائج زائدہ میں سے ہے۔ (ت)

البتہ اگر دیوار مسجد کا کوئی حصہ اگرچہ جو بھر اس کی دیوار نے دبا لیا ہے تو اس جزء دیوار کا ازالہ و ہدم لازم ہے، درمختار میں ہے :

یجب ھدمه ولو علی جدار المسجد[2]

اس کا گرانا واجب ہے اگرچہ مسجد کی دیوار پر ہو۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے :

اذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فمن بنی بیتا علی جدار المسجد وجب ھدمه[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

جب یہ حکم واقف میں ہے تو غیر میں کیسے نہ ہو، تو جس نے مسجد کی دیوار پر کمرہ بنایا اس کا گرانا واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰ از چاچڑاں ریاست بہاولپور تحصیل خان پور مرسلہ مولوی محمد یار صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

چہ فرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ زید در قطعہ اراضی بعد ثبوت استحقاق شفعہ با عمرو چنیں اظہار کرد مصرفہ اراضی را براں قدر کہ صرف کردی ازیں جانب وصول کردہ ازیں قطعہ اراضی بیزار شو۔ عمرو ازیں دعوی زید انحراف کلی ورزیدہ انکار قطعی نمود پس زید بعد ادائے فیس کہ شرط استماع دعوی ست دعوی خود بعرض عدالت کردہ پس از حصول مدعا دربارہ فیس ہذا کہ وقت عرضی دعوی ادا ایش ساخت ازروئے قانون گورنمنٹی مطالبہ اش

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے لئے شفعہ اراضی کے استحقاق کے بعد عمرو خریدار سے کہا کہ تُو نے جو کچھ اس زمین پر صرف کیا ہے اتنا مجھ سے وصول کرکے زمین چھوڑ دے، عمرو نے زید کے دعوی کو تسلیم نہ کرتے ہوئے زید کے مطالبہ سے قطعی انکار کردیا تو زید نے فیس کورٹ وغیرہ ادا کرکے جو کہ دعوی کے لئے شرط تھی اپنا دعوی عدالت میں پیش کردیا زید نے اپنا مدعٰی عدالت سے حاصل کرلینے یعنی اپنے حق ڈگری ہوجانے کے بعد عمرو پر مقدمہ کی فیس کا دعوی کردیا جس کا گورنمنٹ کے

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتبخانہ کراچی ۲/۲۶۷

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

[3] بحرالرائق " فصل احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۵۱

برعمرو قائم نمود پس این چنین مطالبہ فیس کہ جوازش منسوب برواج ست عندالشرع صحیح ست یا نہ۔ بینوا توجروا۔

قانون کے مطابق عمرو کو ادا کرنا لازم آتا ہے تو کیا ایسے مروج قانون کے مطابق زید کو عمرو سے یہ فیس وصول کرنا درست ہے یا نہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا (ت)

الجواب

آنرا کہ حکم شرع مطہر درکارست نزد شرع شریف خرچہ مدعی بر مدعی علیہ عائد نتواں شد گو مدعی محق باشد اگر بے رضایش گیرد مدعا علیہ از و واپس تواں گرفت اگر نہد مواخذہ ومطالبہ برگردنش ماند در عقود الدریہ فرمود رجل کفل آخر عند زید بدین معلوم ثم طلبه زید به والزمه به لدی القاضی، فطلب الرجل من زید ان یمهله به فابی الا ان یدفع له الرجل قدر ما صرفه فی کلفة الالزام فدفعه له ثم دفع له المبلغ المکفول به ویرید الرجل مطالبة زید بما قبضه زید منه من کلفة الالزام فهل له ذلك[1] (الجواب) نعم حیث الحال ما ذکر۔ واللہ تعالٰی اعلم

شرعی حکم یہ ہے کہ شرع شریف میں مدعی کا خرچہ مدعٰی علیہ پر عائد نہیں ہوتا اگرچہ مدعی حق پر ہو، اگر مدعی نے مدعٰی علیہ سے اس کی رضامندی کے بغیر خرچہ وصول کرلیا ہو تو مدعٰی علیہ اس سے واپس لے سکتا ہے، اگر واپس نہ دے تو شرعاً مدعی کی گردن پر یہ مطالبہ ومواخذہ باقی رہے گا، عقود الدریہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو زید کے دین معلوم کا کفیل بنایا، پھر زید نے کفیل سے مطالبہ کرتے ہوئے قاضی کے ہاں اس پر دین کی ادائیگی لازم کردی تو اس کفیل شخص نے زید کو مہلت کے لئے کہا تو زید نے مہلت دینے سے انکار کردیا مگر یہ کہا اگر تو قاضی کے ہاں دعوی الزام پر خرچ شدہ رقم ادا کردے تو تجھے مہلت دے دوں گا، اس پر کفیل شخص نے خرچہ کی رقم ادا کردی پھر مہلت کے مطابق وہ رقم جس کی کفالت تھی زید کو ادا کردی اس موقعہ پر کفیل نے زید سے مطالبہ کیا کہ مقدمہ کے خرچہ کی رقم جو تونے وصول کی وہ مجھے واپس کرے، آیا اس واپسی کے مطالبہ کا کفیل شخص کو حق ہے؟ جواب دیا گیا مذکورہ حال پر حق حاصل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۱: از ریاست رامپور محلہ محل موتی خاں ۲۷ شوال ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنے نابالغ بچے بکر کے مقدمہ میں پنچوں کو حکم کردیا تو آیا باپ بیٹے کے مقدمہ میں کسی کو حکم کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور فیصلہ پنچایت قابلِ پابندی ہے یا نہیں؟

---

[1] العقود الدریة کتاب الکفالة ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۳۰۸

الجواب

باپ کا اپنے نابالغ بچے کے مقدمہ میں کسی کو حکم کرنا جائز ہے مگر وہ فیصلہ اگر خلافِ شرع ہو جیسا کہ مقدمہ متعلقہ سوال میں ملاحظہ فیصلہ سے ظاہر ہوا تو وہ اصلاً قابلِ پابندی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲ از رامپور

چندا نے وحیدی پر دعوی حق زوجیت کا کیا، وحیدی کو زوجہ چندا ہونے سے انکار ہے، مدعی کی طرف سے جو گواہان گزرے ہیں ان میں سے احسان الحق و اشتیاق احمد اپنے آپ کو گواہانِ نکاح قرار دیتے ہیں جن کے بیان شامل سوال ہذا ہیں مفتی صاحب دیوانی نے مدعا علیہا کا اجازت دینا قرار نہیں دیا ہے تجویز مفتی صاحب بھی ہمراہ سوال ہے بعض علمائے رامپور نے مفتی صاحب کی تجویز فیصلہ کے خلاف فتوٰیؑ دیا ہے اس

ؑ نقل فتوٰی علمائے رامپور: کیا فرماتے ہیں علمائے دین، زید نے اپنی بیوی ہندہ کے رخصت کرا پانے کی نالش عدالت میں بربنائے نقل رجسٹر نکاح خواں و گواہی گواہان دائر کی اور گواہان نے یہ بیان کیا کہ جلسۂ نکاح منعقد ہوا اور ہندہ نے ہم سے یہ کہا کہ میرا نکاح زید کے ساتھ پڑھوا دو اور ہم کو اپنے نفس کا اختیار دیا ہم لوگ نکاح کے گواہ تھے اور غلام سرور وکیل تھے چنانچہ ہم نے وکیل سے کہہ دیا اور وکیل نے قاضی سے کہہ دیا قاضی نے نکاح پڑھا دیا اور بعد نکاح چھوہارے اور شیرینی تقسیم ہوئی اور ہندہ زید کے یہاں بعد نکاح کے حسبِ رواج زمانہ رہی، پس ایسی حالت میں نکاح صحیح شرعی ہندہ کا زید کے ساتھ ہو گیا یا کہ نکاح فضولی ہے بوجہ عدمِ اجازت ہندہ کے صحیح نہیں ہوا بینوا توجروا۔

الجواب: سبحانہ الموفق بالصدق والصواب (وہ پاک ذات صدق وصواب کی توفیق دینے والی ہے۔ ت) صورتِ مسئلہ میں نکاح صحیح و شرعی ہندہ کا زید کے ساتھ ہو گیا اس لئے کہ بیانِ گواہان سے معلوم ہوتا ہے کہ جلسۂ نکاح منعقد ہوا اور حسبِ قاعدہ رواج نکاح ہوا اگر نکاح بطور فضولی کے منعقد ہوا ہے تو اجازت ہندہ کی بعد نکاح کے ثابت ہے اس لئے کہ جلسۂ نکاح کا منعقد ہونا اور کثیر لوگوں کا جمع ہونا اور ہندہ کا اجازت دینا نکاح پڑھوانے کی یہ دلیل اس امر کی کافی ہے کہ ہندہ کو علم نکاح کا ہوا اور بعد نکاح کے ہندہ کا بمکان زید رہنا یہ فعل ضرور دلیل اجازت ہندہ بعد نکاح کے ہے، اور برائے اجازت یہ ضروری نہیں ہے کہ اجازت قول سے ہی ہو بلکہ فعل سے بھی اجازت ہونا کافی ہے وہ یہاں متحقق ہے لہذا نکاح صحیح و شرعی زید کے ہندہ کا ہو جانا یقینی ہے۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ویثبت الاجازۃ لنکاح الفضولی بالقول و | فضولی کے نکاح کی اجازت قول اور فعل سے ثابت

(باقی برصفحہ آئندہ)

کی نقل بھی حاضر کی جاتی ہے، اب علمائے محققین سے عرض ہے کہ آیا تجویز مفتی صاحب دیوانی صحیح ہے یا استغفاء۔ اور جزئیاتِ فقہ کس رائے کے مثبت ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ گواہان مذکور سے مسماۃ وحیدی بیگم کا کوئی بھی رشتہ نہیں ہے جس سے کہ مابین گواہ مذکورین وحیدی بیگم کا نکاح ناجائز ہو پس گواہان مذکور ذی رحم محرم نہ ہونے کے باوجود اپنا بے پردہ ہونا بیان کرنا موجبِ فسق ہے یا نہیں؟ فاسق کی شہادت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، فیصلہ جناب مفتی صاحب و اظہار ہر شش گواہ مدعی کی باضابطہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والفعل کذا فی البحر الرائق[1] انتھی بقدر الحاجۃ ھذہ صورۃ الجواب، واللہ تعالٰی اعلم۔

ہوجاتی ہے، ایسے ہی بحرالرائق میں ہے اھ بقدر حاجت یہ جواب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

العبد المجیب
محمد ہدایت اللہ عفرلہ

محمد عنایت اللہ
ولد
محمد ہدایت اللہ

العبد

محمد حسیب اللہ خاں
ولد
محمد عنایت اللہ خاں

برتقدیر صدق مقال نکاح ثابت ہے فقط
محمد عبدالغفار خاں عفی عنہ

الجواب الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب
محمد فضل حق عفی عنہ

الجواب صحیح
مخدوم علی عفی عنہ

جواب صحیح ہے
احمد امین عفی عنہ مدرس دوم مدرسہ عالیہ

المجیب صحیح واللہ اعلم بالصواب
الراجی الی اللہ محمد خلیل اللہ عفا عنہ اللہ

محمد خلیل اللہ عفا عنہ اللہ
الراجی الی اللہ

قد صح الجواب
محمد عبدالوہاب عفی عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد مرتضٰی حسن عفی عنہ

ان النکاح صحیح ولا شریک لہ
قاسم علی عفی عنہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹۹

نقلیں اور فتوائے رامپور ملاحظہ ہوئے تفصیل موجب تطویل اور فرصت قلیل اور سائل کو تعجیل، لہذا اجمالاً مدارکِ عالیہ فقہیہ کی طرف اشارت کریں و باللہ التوفیق، فتوائے رام پور محض باطل و بے شعور، عقل و نقل دونوں سے دور، اور حکم مفتی صاحب کہ دعوٰی نامسموع ضرور صحیح اور طریق حکم میں مسلک صحیح کی یہ تصریح۔

مدعی نے چھ گواہ پیش کئے:

(۱) عنایت احمد ولد عبدالرحیم خاں جس کی شہادت ہے کہ ۸ر جون میں مظہر نے چند آمدعی حاضر عدالت کا نکاح وحیدی بنت قمرالدین خاں کے ساتھ پڑھایا۔ ذی علم مجوز نے ایک اسی گواہ کی تعدیل فرمائی ہے کہ بہت اچھے نہایت عمدہ آدمی ہیں باقی سب کو مستور لکھا ہے جوان کی اصطلاح میں فاسق بلکہ کافر کو شامل، یہ گواہ کتنا ہی عمدہ ثقہ ہو مگر اپنے فعل پر گواہی دے رہا ہے کہ میں نے پڑھایا لہذا اس کی شہادت مسموع نہیں، البتہ صرف نکاح ہونے کی گواہی دیتا اور اپنا نکاح پڑھانا نہ بیان کرتا تو سُنی جاتی۔ فتاوٰی خانیہ و فتاوی عالمگیریہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

اذا ادعت امرأۃ علی ورثۃ الزوج مھرھا فانکرت الورثۃ نکاحھا وکان الشاھد تولی تزویجھا قال یشھد علی النکاح ولایذکر العقد عن نفسہ[1]

جب عورت نے خاوند کے ورثاء پر اپنے مہر کا دعوٰی کیا تو ورثاء نے اس کے نکاح کا انکار کر دیا ہو جبکہ اس عورت کے نکاح کا گواہ خود اس کے نکاح کا ولی تھا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ گواہ نکاح کی شہادت دے اور یہ ذکر نہ کرے کہ میں نے اس کا نکاح پڑھایا ہے۔ (ت)

تاتارخانیہ و ہندیہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

لو ان رجلا حلف بطلاق امرأتہ ثلثا ان ضرب ھذین الرجلین فضربھما وسعھما ان یشھدا علیہ بطلاق امرأتہ ثلثا ولا یخبران کیف کان وان اخبرا لا تقبل شھادتھما کذا فی التاتارخانیۃ[2]

اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ اگر میں ان دو مردوں کو ماروں تو میری بیوی کو تین طلاق، تو اس نے دونوں کو مارا تو ان دونوں مردوں کو جائز ہے کہ وہ اس شخص پر بیوی کی تین طلاقوں کی شہادت دیں اور یہ نہ بتائیں کہ طلاق کیسے ہوئی، اور اگر طلاق کی وجہ بتائی تو شہادت قبول نہ ہوگی۔ تاتارخانیہ میں یونہی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب الشہادات الباب الرابع، الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۳

[2] " " " " " " " " " "

فتاوٰی بزازیہ و عالمگیریہ میں ہے

شھدا علی رجل انه قال ان مسست جسدک فامرأته کذا او عبدہ حر و مس جسدنا لا تقبل و لو شھدا انه قال ان مسست ثیابکما و فعل تقبل و فی فتاوی القاضی لو اراد الشھود ان یشھدوا فی ھذہ المسائل یشھدون بالطلاق والعتاق مطلقا بلا بیان السبب[1]

دو گواہوں نے یہ شہادت دی کہ فلاں شخص نے کہا تھا کہ اگر میں تم دونوں کے جسم کو مس کروں تو میری بیوی کو طلاق یا میرا عبد آزاد ہے جبکہ اس شخص نے ہمارے جسم کو مس کرلیا ہے تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی، اور اگر گواہوں نے اپنے جسم کی بجائے کپڑوں کا ذکر کرتے ہوئے شہادت دی اور کہا اس نے ایسا کرلیا ہے تو شہادت مقبول ہوگی، اور فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ اگر گواہ حضرات ان مسائل میں گواہی دینا چاہیں تو سبب بیان کے بغیر مطلقاً طلاق وعتاق کی شہادت دیں۔ (ت)

(۲) یٰسین خاں ولد قسیم خاں یہ کہتا ہے عرصہ تخمیناً سات یا ساڑھے سات ماہ کا ہُوا کہ منظر جیندا ولد کلن مدعی حاضر عدالت کے مکان پر گئے وحیدی بنت قمر الدین خاں نے زور سے آواز دی کہ جیندا ولد کلن سے میرا نکاح پڑھوا دو، وحیدی نے گواہان کو اجازت دی گواہان نے نکاح پڑھوا دیا فیصلہ میں اس پر ایک اعتراض یہ فرمایا ہے کہ اس نے گواہوں کے نام ظاہر نہیں کیے کہ کس کو اجازت دی مگر شہادت بالنکاح بیان نام مزوج و وکیل و شہود کی محتاج نہیں۔ ایک یہ اعتراض ہے کہ وحیدی کی اجازت بذریعہ سماع آواز بیان کرتا ہے اور خود کہتا ہے کہ اندر اور عورتیں بھی تھیں اس سے ثبوتِ توکیل میں خلل آیا نہ نفس انعقادِ عقد میں کہ بذریعہ فضولی بھی ممکن۔ ہاں ایک اعتراض یہ ہے کہ جیندا کی ولدیت غلط بیان کی، واقعی اگر عبدالکریم کا عرف کلن نہ ہو تو یہ بھاری اعتراض ہے اور کچھ نہ ہو تو اس کی شہادت میں ذکرِ زوج مجمل ہے گواہان نے نکاح پڑھوا دیا، کس سے پڑھوا دیا اسی سے جس کی نسبت وحیدی نے اجازت دی تھی یا دوسرے سے، شہادت میں ایسی محتمل بات نہیں لی جاتی،

کما یشھد به من شاھد کلمات العلماء فی باب خلل المحاضر والسجلات وغیر ذٰلک۔

جیسا کہ علمائے کرام کے مقالوں اور کاغذی ریکارڈ وغیرہ میں خلل سے متعلق کلام کا مشاہدہ کرنے والا گواہی دے گا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی بزازیہ کتاب الشہادات الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۳

نیز اس کی شہادت میں ایک خلل بھی ہے جس کا بیان آگے آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ

(۳) غلام صمدانی خاں ولد صاحبزادہ افتخار علی خاں فیصلہ کہ اس پر یہ اعتراض ہیں اس نے وحیدی کا کوئی لفظ کہنا بیان نہ کیا نہ وکیل کا ذکر کیا۔ یہ وہی بات ہے کہ اس سے توکیل بے ثبوت ہوگی نہ کہ نفس انعقاد۔ اس شہادت میں پورا خلل یہ ہے کہ چندا مدعی حاضر عدالت کا نکاح وحیدی بنت قمر الدین خاں کے ساتھ ہوا قمر الدین خاں شاید وحیدی کے باپ ہیں ان کا نام ہے، اس شاید نے مشہود علیہا کو مشکوک و محتمل و مجہول کردیا۔ شہادت و شاہد میں بین تنافی ہے۔

(۴) احسان الحق ولد غلام سرور، اس کا بیان ہے کہ عرصہ سات ساڑھے سات سال کا ہوا کہ چندا ولد کریم اللہ کا نکاح وحیدی بنت قمر الدین خاں کے ساتھ ہوا، وحیدی نے مظہر کو اپنے نفس کا اختیار دیا اور اشتیاق احمد کو کہ میرا نکاح پڑھوادو، مظہر نے چندا کے ساتھ پڑھوادیا، غلام سرور وکیل سے مظہر نے کہہ دیا اور غلام سرور نے خود سُن لیا، وکیل اور گواہان کے کہنے کے بموجب قاضی نے نکاح پڑھادیا۔ نکاح ملحق بالافعال ہے کہ بے فعل تمام نہیں ہوتا تو اس میں اختلاف زمانہ مسقط شہادت ہے اور ایسی جگہ قول مردود مثلاً سات یا ساڑھے سات مقبول نہیں۔ عالمگیریہ وخانیہ وغیرہما میں ہے:

ان کان المشھود بہ قولا لایتم الا بفعل کالنکاح واختلف الشھود فی المکان اوالزمان اوفی الانشاء والاقرار لاتقبل شہادتھم[1]

جس چیز کی گواہی دی جارہی ہے وہ ایسا قول ہو جو فعل وعمل سے تمام ہو جیسے نکاح وغیرہ اور گواہوں کا مکان یا زمان یا انشاء اور اقرار میں اختلاف ہو تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

عالمگیریہ و ذخیرہ میں ہے:

اذا ادعی دہ دوازدہ درھم لاتسمع دعواہ وکذٰلک اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی ھذا الوجہ بان قال این عین ملک من ست از دہ دوازدہ سال فانہ لاتسمع دعواہ وکذٰلک اذا ذکر الشھود التاریخ فی شھادتھم علی ھذا

جب دعوٰی دس بارہ درہم کا کرے تو وہ قابلِ سماعت نہ ہوگا اور یوں ہی اگر دعوٰی میں تاریخ کو اس طرح ذکر کرے مثلاً یوں کہے یہ چیز دس بارہ سال سے میری ملک ہے تو بھی دعوٰی مسموع نہ ہوگا، اور یونہی اگر گواہوں نے شہادت میں مہینہ اور تاریخ کو اس طرح ذکر کیا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

الوجہ لا تقبل شہادتہم[1] تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

اس کی رد شہادت کی ایک وجہ تو یہ ہے جو شہادت آسین خاں میں بھی تھی دوسری اور بھاری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو وکیل بالنکاح بتاتا اور اپنے فعل سے کار نکاح تمامی کو پہنچا بیان کرتا ہے ایسی شہادت مردود ہے۔ خلاصہ میں ہے:

الوکیلان بالنکاح او الخلع اذا شہدا باثبات ذٰلك النکاح او ذٰلك الخلع لاتقبل[2]

نکاح یا خلع کے دو وکیل اگر اس نکاح یا خلع کے اثبات میں شہادت دیں تو مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

رجلان شہدا علی رجل انہ قال لہما ان مسست جسدکما فعبدی ھذا حر فشہدا انہ مس جسدھما لایقبل لانہما شہدا فی امرتم بہا بخلاف شہدا انہ قال ان مسست ثیابکما و قد مس انہ یقبل ویعتق الغلام لان الثیاب غیرھما[3]

دو مردوں نے ایک شخص کے متعلق گواہی دی کہ اس نے کہا تھا اگر میں تمہارے جسم کو چھوؤں تو میرا غلام آزاد ہے، اور پھر شہادت دی کہ اس نے ہمارے جسم کو مس کیا ہے تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ انھوں نے ایسی چیز کی شہادت دی ہے جس کا اتمام خود ان سے ہوا ہے بخلاف جب جسم کی بجائے اپنے کپڑوں کو چھونے کا ذکر کریں اور پھر اس کے مس کرلینے پر شہادت دیں تو مقبول ہوگی اور غلام آزاد قرار پائے گا کیونکہ ان کے کپڑے ان کا غیر ہیں۔ (ت)

(۵) اشتیاق احمد ولد کریم اللہ برادر مدعی، اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں عرصہ تخمیناً ساڑھے سات ماہ کا ہوا قمر الدین کی بیٹی وحیدی اس کا نام اس کا نکاح چندا ولد کریم اللہ کے ساتھ ہوا وحیدی نے مجھ سے اور احسان الحق سے کہا کہ میں نکاح چندا کے ساتھ کرتی ہوں میرا نکاح کرادو میں اجازت دیتی ہوں، حافظ غلام سرور نے نکاح پڑھوایا ہمارے دو گواہوں کے ساتھ، اس کے بیان میں یہ جملہ کہ قمر الدین کی بیٹی وحیدی اس کا نام مستقل جملہ ہے جس نے مابعد کے بیانِ نکاح کو اس

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۶۲
[2] خلاصۃ الفتاوٰی 〃 الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۶۹
[3] 〃 〃 〃 〃 ۴/۷۰

لفظ سے کہ گواہی دیتا ہوں الگ کر دیا کہ وہ بلا عطف مستقل جملہ منفصلہ ہے کہ اس کا نکاح الخ ہاں اگر یوں ہوتا کہ گواہی دیتا ہوں کہ اتنا عرصہ ہوا کہ قمرالدین کی بیٹی کا جس کا نام وحیدی ہے چندا سے نکاح ہوا تو یہ جملہ گواہی دیتا ہوں کے تحت میں ہوتا اب محتمل رہ گیا کہ اس نے سب سے اشد و اعظم حلف گواہی دیتا ہوں صرف اتنے جملہ کی نسبت کہا کہ قمرالدین کی بیٹی کا وحیدی نام ہے باقی بیان اس حلف اعظم سے جدا رکھا تو یہ نکاح پر شہادت نہ ہوئی محتمل بیان شہادت میں نہیں لیا جاتا فیصلہ نے ان دونوں شہادتوں پر اختلاف سے اعتراض فرمایا کہ احسان الحق کہتا ہے میں نے نکاح پڑھوادیا، اشتیاق احمد کہتا ہے غلام سرور نے پڑھوادیا یہ کوئی اختلاف نہیں نکاح پڑھایا یعنی خود متولی عقد ہوا اور پڑھوایا یعنی دوسرے سے اور اس میں واسطہ و واسطہ در واسطہ سب یکساں ہیں، وحیدی نے ان دونوں سے کہا ان دونوں نے غلام سرور سے کہا غلام سرور نے نکاح خواں سے کہا تو نکاح خواں نے پڑھایا اور ان سب نے پڑھوایا، ہاں ان کے بیانوں میں اور اختلافات ہیں، احسان الحق کہتا ہے وحیدی نکاح سے اول بھی جایا آیا کرتی تھیں۔ اشتیاق احمد کہتا ہے اس سے اول نہیں آئی گئی تھیں، احسان الحق کہتا ہے نکاح خواں نے آواز دے کر دریافت کیا کہ یہ لڑکی بیوہ ہے، آواز آئی کہ بیوہ ہے، اشتیاق احمد کہتا ہے قاضی صاحب نے اندر کسی سے دریافت نہیں کیا تھا احسان الحق کہتا ہے قاضی صاحب میرے بعد آئے تھے اشتیاق احمد کہتا ہے احسان الحق دس سے اول نہیں آئے تھے قاضی صاحب قریب دس بجے تشریف لائے تھے، ہم نے ایسے زوائد پر التفات نہ کیا، فیصلہ نے دوسرا اعتراض یہ فرمایا کہ یہ دونوں وکیل بالنکاح ہیں اور وکیل بالنکاح کی شہادت ناجائز نہیں، خلاصہ میں بعد عبارت مذکورہ اولاً ہے:

اما اذا شهد الوکیلان بالبیع انه ملك المشتری او شهد الوکیلان بالنکاح انها منکوحته یقبل فی الاجناس[1]

لیکن اگر بیع کے دو وکیلوں نے یہ شہادت دی کہ اس چیز کا خریدار مالک بن گیا ہے یا نکاح کے دو وکیلوں نے یہ شہادت کہ بطور فلاں کی منکوحہ ہے تو شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

بلکہ اس اعتراض کی تحقیق وہ ہے جو شاہد چہارم میں ہم نے ذکر کی۔ وکلائے نکاح کی ایسی گواہیاں ضرور مردود ہیں۔

(۶) سجاد علی خاں ولد منور علی خاں، اس کا بیان متناقض ہے کہتا ہے وحیدی نے اپنے نفس کا اختیار گواہوں کو دیا، گواہ چوکھٹ پر تھے وکیل چوکھٹ کے اندر تھا، جو الفاظ وحیدی نے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الشہادات الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۶۹

گواہان سے کہ مظہر کو یاد نہیں وہ الفاظ مظہر نے سُنے بھی نہیں، پہلا فقرہ توکیل پر شہادت ہے اور پچھلا اس شہادت سے صاف برائت، نیز کہتا ہے وحیدی اور چندا کا رسم تھا اسی وجہ سے چندا مدعی کے مکان پر نکاح ہُوا یہ ان کے مکان میں جاتے تھے وہ ان کے مکان میں آتے تھے اس سے اول وحیدی کے آنے جانے کا حال مجھ کو معلوم نہیں، اس گواہ کو نہیں معلوم ہوتا کہ ابھی کیا کہہ چکا تھا اور اب کیا کہتا ہے، ایسے مغفل کی کیا شہادت، اور رہوتی بھی تو وہ تنہا تھا ایک کی شہادت ان حقوق میں مسموع نہیں، فیصلہ نے اسی گواہ اور نکاح خواں عنایت احمد کی شہادتوں پر نکاح فضولی منعقد ہونا تسلیم فرمایا ہے اور ازاں کہ وحیدی کی اجازت درکنار اسے نفس نکاح سے انکار ہے فرمایا پس یہ نکاح شرعًا باطل ہے ہم ان دونوں شہادتوں کا حال بیان کر آئے تو ہرگز نکاح فضولی بھی ثابت نہیں اور بالفرض ثابت ہوتا تو نکاح فضولی ہرگز باطل نہیں بلکہ منعقد موقوف علی الاجازۃ ہوتا ہے وحیدی کا اس وقت نفس نکاح سے انکار بعد نکاح اجازت قولی یا فعلی کا کب مبطل ہو سکتا ہے ممکن کہ اس وقت سن کر جائز کیا ہو اب کسی نااتفاقی کے باعث سرے سے وقوع نکاح کی منکر ہو گئی تو دعوی نکاح ثابت کرنا تھا اور اجازت وحیدی کا مدعی سے ثبوت مانگنا کہ حق ظاہر ہو اور ہوا ہے تو حقدار کو پہنچے کہ قاضی کا نصب اسی ایصال حقوق و ابطال عقوق کے لئے ہوتا ہے مگر ہم ثابت کر آئے کہ اصلًا وقوع نکاح ہی ثابت نہیں، نہ اصیل سے نہ وکیل سے نہ فضولی سے، نکاح خواں کا رجسٹر کوئی چیز نہیں، حروف صامت ہیں جن کی زبان ناطق وہی نکاح خواں جس کی شہادت یہاں اصلًا مسموع نہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولا یعمل بہ فلا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضین لان القاضی لا یقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار او النکول کما فی وقف الخانیۃ۔[1]

لکھائی اور خط پر نہ اعتماد ہوگا نہ عمل، تو ماضی کے دور کے قاضی حضرات کے مکتوب وقف پر اب عمل نہ ہوگا کیونکہ کوئی قاضی حجت کے بغیر فیصلہ نہیں دے سکتا بلکہ حجت صرف گواہی، اقرار یا قسم سے انکار ہے جیسا کہ خانیہ کے وقف میں ہے (ت)

یہیں فتوائے رام پور کا بطلان واضح ہوا **اولًا** اس نے انھیں نامقبول و نامسموع شہادتوں پر بنا کی کہ بیاناتِ گواہان سے ثابت ہوتا ہے کہ جلسۂ نکاح منعقد ہوا اور حسب قاعدہ و رواج

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۳۸

نکاح ہوا حالانکہ نکاح ہونے پر اصلاً ایک شہادت معتمدہ بھی نہیں جیسا کہ اوپر مفصلاً معلوم ہوا۔

ثانیاً خود سمجھا کہ صرف اتنی بات دعوی مدعی مطالبہ رخصت کا اثبات نہ کرے گی لہذا اس میں یہ پیوند لگایا کہ اگر نکاح بطور فضولی کے منعقد ہُوا تو اجازت ہندہ بعد نکاح ثابت ہے اجازت کے لئے دو امر درکار تھے عورت کو اطلاع ہونا اور اس کا جائز رکھنا اول کے ثبوت کو یہ بے معنی دلیل گھڑی کہ اس لئے کہ جلسہ نکاح کا منعقد ہونا اور کثیر لوگوں کا جمع ہونا اور ہندہ کا اجازت دینا نکاح پڑھوانے کے لئے دلیل کافی ہے کہ ہندہ کو علمِ نکاح ہُوا یہ اس پر موقوف ہے کہ ہندہ کا وہاں ہونا ثابت ہو کہ کثیر لوگ نکاح کے لئے جمع ہونے سے اس کی اطلاع پر استدلال کیا جائے یہاں سرے سے جلسہ نکاح کا انعقاد ہی ثابت نہیں کہ شہادتیں سب مختل و مہمل ہیں۔

ثالثاً نکاح خواں کہتا ہے نکاح میں ١٥ یا ٢٠ آدمی سے کم نہ تھے، اشتیاق احمد کہتا ہے جلسہ نکاح میں ٢٥ یا ٣٠ آدمی ہوں گے، احسان الحق بھی یہی کہتا اور لفظ اندازاً اور اضافہ کرتا ہے، اسی طرح لیسین خاں تخمیناً کہتا ہے، قطع نظر اس سے کہ یہ شہادتیں شرعاً مردود ہیں، ١٥، ٢٠ یا ٢٥، ٣٠ کیا ایسا کثیر مجمع ہے جس کی اطلاع گھر کے اندر پہنچنی ضرور ہے خصوصاً اس حالت میں کہ نکاح خواں کہہ رہا ہے کسی عورت سے دریافت کا قاعدہ نہیں گواہان کے اعتبار پر نکاح پڑھوا دیا' کسی عورت سے کچھ دریافت نہ کیا۔ غلام صمدانی کہتا ہے نکاح رات کے ساڑھے دس بجے ہوا تھا جلسہ نکاح میں مظہر نو بجے پہنچا تھا، قاضی صاحب میرے سامنے آئے تھے، قاضی جی نے میرے سامنے عورتوں سے کچھ نہیں پوچھا، اشتیاق احمد کہتا ہے قاضی صاحب نے گواہوں سے دریافت کیا تھا انھوں نے کہا بیوہ ہیں اندر کسی سے دریافت نہیں کیا تھا صرف ایک احسان الحق کہتا ہے کہ نکاح خواں نے ہم سے بھی دریافت کیا اور آواز دے کر دریافت کیا کہ یہ لڑکی بیوہ ہے آواز آئی کہ بیوہ ہے یہ مستوران ثقہ نہایت عمدہ آدمی کی تکذیب کرتا ہے اور نہ سہی تو کیا ہے اور نہ سہی تو آواز آئی سے کیا ثابت ہوا اور اس سے کیونکر معلوم ہوا کہ وحیدی کو اطلاع ہوئی۔

رابعاً اطلاع درکنار سرے سے وحیدی کا اس مکان میں ہونا ہی ثابت نہیں اس کا وہاں آنا ایک تو احسان الحق و اشتیاق احمد نے بیان کیا یہ دونوں اپنے لئے مدعی توکیل ہیں ان کو تو اس کے بیان کی ضرورت ہی لاحق تھی مگر کسی وکیل کا ادعائے وکالت بحال انکار موکل مسموع نہیں ہوسکتا۔ باطل ست انچہ مدعی گوید (مدعی جو کچھ کہتا ہے باطل ہے۔ ت) لیسین خاں کہتا ہے وحیدی نے زور سے آواز دی کہ میرا نکاح پڑھوا دو، یہ اس کی تراشش باقی سب گواہوں سے

جُدا ہے پھر خود کہتا ہے کوٹھی میں اور بھی عورتیں تھیں اس نے تو آواز کا دروازہ بند کیا آگے کہتا ہے یہ نہیں بتا سکتا کہ کوٹھی میں کون کون عورتیں تھیں یہاں سے اس علم کا بھی سدِباب ہُوا کہ وحیدی تھی کیونکہ اس کا وہاں موجود ہونا جانا لاجرم سُنی سنائی کسی کی بتائی یا محض جزافاً اڑائی۔ سجاد علی خاں صاف تر کہتا ہے کہ وحیدی پردہ نشین ہے مظہر بے پردہ ہے وحیدی کوٹھڑی میں تھی اول تو یہی نہیں معلوم کہ کہاں کی کوٹھری میں تھی پھر یہ کیونکر جانا کہ وہاں تھی یہی گواہ توکیل گواہان پر شہادت بھی دے رہا ہے اور اسی منہ میں کہتا ہے کہ میں نے وہ الفاظ سُنے تک نہیں تو جس طرح کسی کی تعلیم سے توکیل پر گواہی دے دی یونہی وہاں وحیدی کے ہونے کے۔ کیا ایسے مہمل و بے سروپا بیانوں سے عورت کا وہاں موجود ہونا ثابت ہوسکتا ہے حاشا۔

خامسًا طرفہ تر فتوٰی کا یہ قول ہے کہ ہندہ کا اجازت دینا نکاح کے لئے دلیل کافی ہے کہ ہندہ کو علم ہوا اجازت دینے کا حال تو اوپر معلوم ہوا کہ دو مدعیان توکیلی اور تیسری اس غیبی آواز پر شہادت اور چوتھی ہیں آواز تک نہیں یونہی ایمان بالغیب کے سوا کہیں اس کا پتہ نہیں، مگر لطف یہ ہے کہ جب ہندہ کا قبل عقد اجازتِ نکاح دینا ثابت ہے تو نکاح فضولی کب رہا جس کے لئے اجازت فعلی گھڑنے کو آپ یہ دردِسر اٹھا رہے ہیں۔ سبحان اللہ! خود نکاح کی اجازت دینا مانئے اور اس سے صرف اتنا نتیجہ نکالئے کہ اسے نکاح کی خبر ہوئی، رہی اجازت وہ آگے فعل سے ہو رہے گی ایسے اجتماع ہوش وحواس کی حالت میں افتاد تصدیقات کی تکلیف اٹھائی نہ تھی مگر ہے یہ کہ خود سمجھا کہ جلسہ کا انعقاد اور آدمیوں کا اجتماع ہندہ کی اطلاع کو کافی نہیں، ناچار اجازت کا شگوفہ بڑھایا اگرچہ اس نے ساری تقریر کو عقل سے بیگانہ کر دکھایا۔

سادسًا اب دعوٰی کے دوسری شق کا ثبوت دینے کی طرف توجہ ہُوئی کہ بعد نکاح ہندہ کا بمکان زید رہنا یہ فعل ضرور دلیل اجازت ہندہ بعد نکاح ہے لہذا نکاح صحیح شرعی زید کے ساتھ ہندہ کا ہوجانا یقینی ہے، ہم بیان کر آئے کہ وحیدی کا وہاں جانا ہی ثابت نہیں نہ کہ دو ایک روز رہنا۔ اس شگوفے کا ذکر ان دو مدعیان وکالت کے سوا کسی کے بیان میں نہیں۔ یٰسین خاں نے اتنا کہا ہے کہ ہم نکاح کے بعد مدعی کے مکان پر وحیدی کو چھوڑ آئے تھے اس سے رہنا ثابت نہیں ہوتا، ہاں احسان الحق نے کہا ہے بعد نکاح ایک آدھ روز وہاں رہی پھر اپنی والدہ کے گھر چلی آئی، اشتیاق احمد نے ایک یا ڈیڑھ دن اور بڑھایا کہ بعد نکاح کے ایک دو دن اسی مکان میں رہی ظاہر ہے کہ رہنا وہاں ہونے کی فرع ہے اور وہاں ہونے کا اظہار یہ اپنے دعوی وکالت وگواہی نکاح کے لئے کر رہے ہیں جس میں وہ متہم ہیں۔

سابعًا خود احسان الحق کہتا ہے کہ نکاح ہونے کے بعد سب چلے گئے اس کے بعد دو ایک یا ایک آدھ روز وحیدی کے وہاں رہنے کا علم اسے کیونکر ہوا اپنا معاینہ بیان نہیں کرتا، نہ یہ ان مواقع میں ہے جن میں سماع پر شہادت روا ہو تو بیان بے ثبوت ہے یہی حال اشتیاق احمد کا ہے اگر وہ چندا ہی کے مکان میں نہ رہتا ہو۔

ثامنًا اگر نکاح فضولی وحیدی کے مکان پر ہوتا اور وہ بعد علم نکاح حسب دستور رخصت ہو کر چندا کے یہاں جاتی تو یہ ضرور اجازت فعلی کی حد میں آسکتا، یہاں تو یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ نکاح چندا ہی کے مکان پر ہوا اور وحیدی کو اطلاع کا کوئی ثبوت نہیں معدود اشخاص کا باہر جمع ہونا اور اندر سے کچھ دریافت کرنا کیا موجب اطلاع زناں ہے اسی زخم نامندمل کے بھرنے کو فتوائے رامپور نے وہ فقرہ اضافہ کیا جس نے اس فتوے کو نقل کے ساتھ عقل سے بھی بعید کر دیا اور جب اس وقت اطلاع نہ ہوئی بعد نکاح معًا ہوئی کیا ضرور، اور اس کا کیا ثبوت۔ ممکن کہ ایک آدھ یا دو ایک روز کے بعد ہی اسے خبر دی ہو جس پر وہ فورًا اپنی ماں کے یہاں چلی گئی۔

تاسعًا منصب استحقاق سخت دشوار ہے اس میں شاید ولعل سے کام نہیں چلتا بلکہ احتمال دافع استحقاق وقاطع استدلال۔ شہادت میں کہاں ہے کہ یہ رہنا بالاختیار تھا ممکن کہ مجبورًا بطور حبس رہی ہو اگرچہ اسی قدر کہ وہ پردہ نشین تھی اور سواری نہ ملنے دی۔

عاشرًا بالفرض باختیار رہی رہی مگر لڑنے جھگڑنے میں وقت گزارا اور چلی آئی اور اپنے نفس پر قدرت نہ دی تو اجازت فعلی کس گھر سے آئیگی، وہ پانچ ادعائے اطلاع پر بچھے یہ پانچ اجازت پر تلک عشرۃ کاملۃ جن سے آفتاب کی طرح واضح ہوگیا کہ یہاں وحیدی کی طرف سے اجازت فعلی ماننا محض سفسطہ ہے اور وہ بھی اس جوش سے کہ نکاح صحیح شرعی ہوجانا یقینی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی لئے سوال میں یہ لفظ اضافہ کیا کہ ہندہ زید کے یہاں بعد نکاح حسب رواج زمانہ رہی مگر اس لفظ حسب رواج زمانہ کا ان بیچارے دونوں مدعیان توکیل کے بیان میں بھی پتہ نہیں حتی المقدور اجازت فعلی بنانے کے لئے از پیش خویش اضافہ ہوا ہے، ناراض ہونے کی بات نہیں، اسلامی خیرخواہی کے لئے عرض ہے کہ اتنے علم وعقل والوں کو امور شرعیہ میں دخل دینا، فتوی لکھوانا، تصدیق کرنا شرعًا حرام حرام حرام سخت کبیرہ ہے۔ ابن عساکر امیر المؤمنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم لعنتہ ملٰئکۃ السماء والارض[1] — جس نے بغیر علم کے فتوٰی دیا اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت۔ (ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی

---

[1] الفقیہ والمتفقہ باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷
کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

احسان الحق واشتیاق احمد کا وحیدی سے پردہ نہ ہونا جبکہ سامنے آنا بے ستری کے طور پر ہو مثلاً سر کے بال یا گلے یا پیٹ یا بازو یا کلائی کا کوئی حصہ کھلا ہوا یا باریک کپڑے پہنے جن سے بدن چمکے اور یہ اس پر راضی ہوں، مانع نہ ہوں، نگاہ پھیر نہ لیتے ہوں، ضرور ان کے لئے بھی موجب فسق ہے ورنہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

یقبل تعدیل المرأۃ لزوجہا وغیرہ اذا کانت امرأۃ برزۃ تخالط الناس وتعاملھم کذا فی محیط السرخسی[1]

عورت کا اپنے خاوند کو عادل قرار دینا مقبول ہوگا جبکہ یہ عورت باہر نکل کر لوگوں میں اختلاط اور ان سے معاملات کرتی ہو۔ جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔ (ت)

حدیث میں ہے:

النظرۃ الاولٰی لک والثانیۃ علیک[2]

پہلی نگاہ تجھے معاف ہے اور دوسری نگاہ پر تجھ پر گناہ ہے۔ (ت)

کلام کریم میں ہے:

لاتزر وازرۃ وزر اخری[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۳: از علی گڑھ مدرسۃ العلوم مرسلہ مولوی عبد اللہ صاحب ناظم دینیات و محمد نصرت شیر خاں محرر دینیات ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی والدہ محترمہ کی ملک میں ایک کھیت تھا اس کو فروخت کردیا اس کے روپے سے ایک مکان خریدنے کا ارادہ کیا جب مکان تجویز ہوگیا اور قیمت کا معاملہ بائع سے طے ہوگیا اس وقت زید نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ اس مکان کا بیعنامہ آپ کے نام کرادوں یا جس کے نام ارشاد فرمائیں زید کی والدہ کے بجز زید کے اور کوئی فرزند و دختر نہ تھی اس وجہ سے زید کی والدہ نے فرمایا کہ تو ہی اپنے نام کرالے چنانچہ زید نے بموجب حکم اپنی والدہ کے اپنے نام مکان کا بیعنامہ کرالیا اور اس بیعنامہ کو عرصہ چالیس سال کا تخمیناً ہوا ہے اس وقت زید کی زوجۂ اولٰی مع بعض اولاد کے موجود تھی اس مکان کے خریدنے کے پہلے اور بعد کو بھی زید نے چند جگہ اپنے خاندان میں کسی عورت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۸
[2] شرح معانی الآثار کتاب النکاح باب حلۃ النظر قبل التزوج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۰
[3] القرآن الکریم ۷/ ۱۶۴

سے عقدِ ثانی کا ارادہ بزمانۂ حیات اپنی والدہ اور زوجہ کے پختہ طور سے کرلیا اور دونوں کو اس کا علم قطعی طور سے ہوا لیکن اس پر بھی زید کی والدہ نے زید سے یہ نہیں فرمایا کہ تو اس مکان کو اپنی زوجہ یا اپنی اولاد کے نام منتقل کردے بلکہ زید کی ماں نے اسی مکان میں سالہاسال تک سکونت فرما کر وفات پائی آخر دم تک کوئی بات اس مکان کی نسبت نہیں فرمائی، زید نے بعد وفات اپنی زوجۂ اولٰی کے تخمیناً عرصہ بیس سال کا ہوا ایک عورت سے نکاح کرلیا زید اس مکان کو جس کو اس کی والدۂ مرحومہ نے زید کے نام کرادیا تھا اسے زوجۂ ثانیہ کے مہر میں دینا چاہتا ہے اور ایک دوسرا مکان جو اس مکان کے محاذ میں زید نے خریدا ہے اس کو اپنی زوجۂ اولٰی متوفیہ کے اولاد کو تبرعاً دینا چاہتا ہے اس حالت میں زید کی بڑی لڑکی خالدہ یہ دعوٰی کرتی ہے کہ جس مکان کو آپ مہر میں ہماری مادر صاحبہ کے دینا چاہتے ہیں وہ مکان ہماری والدۂ مرحومہ کا اور ہمارا ہے کیونکہ ہماری دادی صاحبہ مرحومہ کی دلی نیت یہ تھی کہ ہماری والدہ صاحبہ اور ہم آپ کے ساتھ اس مکان میں رہیں اور ہماری دادی صاحبہ نے آپ کا نام بیعنامہ میں فرضی طور پر کرادیا تھا۔

دوسرا دعوٰی خالدہ کا یہ ہے کہ جب یہ مکان خریدا گیا تو صرف اس میں ایک کوٹھا بہت نیچا تھا اس کو آپ نے اونچا کرایا اور اس کے آگے سہ دری مرتب کرائی اور دروازہ مسقف بنوایا اور باسٹھ گز زمین پچاس روپے کو خرید کر کے آپ نے اس مکان میں شامل کی یہ سب روپیہ آپ نے ہماری والدہ سے لیا اور وہ سب روپیہ ہماری والدہ کا تھا کیونکہ جس قدر روپیہ آپ اپنی چالیس روپے کی تنخواہ میں سے بچا کر ماہ بماہ ہم کو روانہ کرتے تھے وہ ہماری والدہ کے نان ونفقہ اور ہمارے اخراجات کا تھا علاوہ بریں ہماری والدہ صاحبہ مع ہمارے دوسرے تیسرے سال نانی صاحبہ کے گھر جاتی تھیں اور وہاں دو دو مہینے یا تین تین مہینے رہنا ہوتا تھا اور ہمارا سب کا کھانا نانی صاحبہ کے ذمہ ہوتا تھا اس عرصہ میں جس قدر روپیہ ماہواری آپ روانہ کرتے تھے وہ بچتا تھا وہ سب روپیہ ہماری والدہ کا اور ہمارا تھا اس کے سوا ہمارے نانا صاحب کے مرید اور رشتہ دار نانا صاحب کے مکان پر آتے تھے وہ ہماری والدہ صاحبہ یا ہم کو کچھ روپیہ دیتے تھے وہ ہماری والدہ صاحبہ کا اور ہمارا ہوتا تھا۔

زید خالدہ کے اول دعوٰی ملکیت مکان کا یہ جواب دیتا ہے کہ اصل مکان جبکہ میری والدۂ مرحومہ نے اپنی ذاتی رضامندی سے میرے نام کرادیا تو اس کے بعد یہ کہنا سراسر فضول ہے کہ ان کی دلی نیت تمہاری ملک میں دینے کی نہ تھی اور آپ کا نام فرضی تھا کیونکہ بیع وشراء میں باعتبار شریعت کے دلی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ ظاہری الفاظ یا تحریر کا اعتبار ہوتا ہے، اور زید خالدہ کے دوسرے دعوٰی مالکیت روپے کا یہ جواب دیتا ہے کہ جو کچھ تمہاری والدہ کے پاس پس انداز روپیہ تھا وہ میری ہی

کمائی کا روپیہ تھا اور جس وقت میں نے تمہاری والدہ سے زمین کے خریدنے اور دکان کے مول لینے کو یا مرمت مکان کو یا درمیانی دیوار بنانے کو روپیہ طلب کیا اس مرحومہ نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ اس وقت آپ کا ذاتی روپیہ تو میرے پاس نہیں، ہاں میرا ذاتی روپیہ موجود ہے یا کسی کی امانت میرے پاس رکھی ہے اس وقت آپ لے کر اپنا کام چلالیں بعد کو بتدریج ادا کردیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ روپیہ میری کمائی کا پس انداز تھا جو میں نے اس مرحومہ سے لیا۔

دوسرا جواب شرعی طور پر یہ ہے کہ اس مرحومہ نے مرتے دم تک اس روپے کی نسبت کبھی یہ نہیں کہا کہ جو روپیہ آپ نے فلاں فلاں وقت مجھ سے لے کر مکان میں لگایا تھا وہ میرا ذاتی روپیہ تھا اس کو آپ نے مجھ کو واپس نہیں دیا اب آپ اس روپے کو میری طرف سے کسی مدرسہ اسلامیہ یا مسجد یا کسی اور کار خیر میں لگادیں تاکہ مجھ کو اس کا ثواب پہنچتا رہے، اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو روپیہ میں نے اس سے لیا میرا ہی مملوک تھا۔

اور تیسرا جواب زید کا یہ ہے کہ اگر بالفرض محال یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ انھوں نے اپنا مملوک ہی روپیہ مجھ کو دیا تھا جب کہ آخری دم تک اس کو مجھ سے طلب نہ کیا اور نہ اس کی نسبت بوقت وفات مجھ کو کچھ وصیت کی تو وہ روپیہ انھوں نے مجھ کو بخش دیا یعنی وہ روپیہ مجھے واپس لینے کی غرض سے نہیں دیا بلکہ اس روپیہ کا مجھ کو مالک بنا دیا تھا، پس علمائے دین سے استفسار ہے کہ زید کی خالدہ بیٹی کے دونوں دعوی ازروئے شرع شریف حق ہیں یا زید کے جوابات حق ہیں؟

الجواب

خالدہ کا پہلا دعوی محض باطل و نامسموع ہے اعتبار لفظ کا ہے نہ کہ محض نیت کا، فقد نصوا ان العبرۃ بما تلفظ لا بما نوی (فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ لفظ کا اعتبار ہے نیت کا نہیں۔ ت) روپیہ زوجہ کو خرچ کے لئے دیا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ زن و شو و عیال ایک جگہ رہتے ہیں ایک خرچ ہے شوہر سب آمدنی اسے دے دیتا ہے وہ اپنے اور شوہر اور سب گھر کے مصارف اس سے اٹھاتی ہے، اس صورت میں وہ روپیہ تمام و کمال ملک شوہر پر رہتا ہے، عورت کا خرچ بھی ملک شوہر پر ہوتا ہے اسے شرع میں تموین کہتے ہیں، عقد نکاح کا اصل موجب یہی ہے، ظاہر ہے کہ اس میں جو کچھ پس انداز ہوگا شوہر کا ہے۔ دوسری صورت یہ کہ زن و شو جدا ہیں شوہر اسے نفقہ بھیجتا ہے یا ایک ہی جگہ ہیں مگر عورت کے خرچ کا اسے جدا دیتا ہے، عام ازیں کہ وقت معین پر مثلاً ماہوار رقم معین مثلاً دس روپے خاص بحکم قاضی خواہ بتراضی، یا تعیین کچھ نہیں وقتاً فوقتاً مختلف مقدار میں اس کے

خرچ کے لئے بھیجتا یا اسے دیتا ہے، اس صورت میں جو کچھ اسے دیا وہ ملکِ زن ہوگیا، اس میں سے جو کچھ بچے گا، خواہ عورت کی جزرسی سے یا یوں کہ وہ مہینوں اپنی ماں کے یہاں رہی اور مصارف ماں نے کئے بہرحال عورت ہی اس کی مالک ہے۔ بحرالرائق و ردالمحتار میں ہے:

المفروضة او المدفوعة لها ملك لها فلها الاطعام منها والتصدق وفی الخانية لو اكلت من مالها او من المسألة لها الرجوع عليه بالمفروض۔[1]

عورت کے لئے مقرر شدہ یا اس کو ادا شدہ کی وہ مالک ہے تو اس میں سے اس کو کھلانے اور صدقہ کرنے کا حق ہے، اور خانیہ میں ہے اگر عورت اپنے مال میں سے کچھ کھائے یا وصول کردہ سے مقرر شدہ کیلئے عورت خاوند سے رجوع کرسکتی ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ یہاں واقع صورت ثانیہ ہے کہ زید اسے خرچ بھیجا کرتا تھا تو چاہئے کہ عورت ہی اس کی مالکہ ہو

اقول مگر یہاں ایک نکتہ اور ہے زن وولد کے نفقہ میں فرق ہے وہ جزائے احتباس ہے اور جبکہ نفقہ اسے دیا گیا اس کی ملک ہوگیا اگر وہ نہ اٹھائے بلکہ دوسری جگہ سے اپنا خرچ چلائے تو اس سے واپس نہیں لے سکتا اور اگر اس نے مثلاً مہینے یا سال بھر کا اسے دے دیا اور اس کے پاس سے چوری گیا وہ اس سے اور نہیں مانگ سکتی اور نفقہ ولد وغیرہ دفعِ حاجت کے لئے ہے وہ اگر اسے خرچ نہ کریں اپنی حاجت دوسرے طور پر روا کرلیں تو اس مدت کا ان کا نفقہ ذمہ پدر نہیں، اس صورت میں اگر ان کا نفقہ مثلاً کچھ ماہوار بحکم حاکم مقرر ہوا ہو جب بھی آئندہ کے لئے اس سے نہیں لے سکتے جب تک یہ خرچ نہ ہوجائے کہ پہلی حاجت دفع ہوگئی اور اگر اس نے دیا اور ان کے پاس سے چوری ہوگیا اسے دوبارہ دینا ہوگا کہ حاجت دفع نہ ہوئی تو اس میں سے جو کچھ پس انداز کریں وہ ان کی ملک نہیں ملکِ پدر ہے کہ معلوم ہوا کہ حاجت سے زائد ہے مگر یہ کہ ان کو ہبۃً دے تو البتہ وہ مالک ہوں گے، ذخیرہ پھر بحرالرائق میں ہے:

فرق بين نفقة الزوجات وكسوتهن و بين نفقة المحارم وكسوتهم، فان فی الاقارب اذا مضى الوقت

بیویوں کے لئے نفقہ ولباس میں اور ذی محرم کیلئے نفقہ اور لباس میں فرق ہے کیونکہ اقارب کے نفقہ ولباس میں سے کچھ باقی ہو اور وقت گزر جائے

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۹

بحرالرائق " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/۱۴۴

وبقی شیئ من الدراھم والکسوۃ فان القاضی لایقضی باخری فی الاحوال کلھا لانھا باعتبار الحاجۃ فی حقھم، وفی حق المرأۃ معاوضۃ عن الاحتباس ولھذا اذا ضاعت النفقۃ اوالکسوۃ من ایدیھم یفرض لھم اخری لماذکرنا[1]

تو قاضی اس کے عوض کچھ اور کسی حالت میں دینے کا حکم نہیں کرسکتا کیونکہ ان کے لئے یہ خرچہ حاجت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور بیویوں کے حق میں ان کو محبوس رکھنے کا معاوضہ ہوتا ہے اس لئے ان کے خرچہ میں سے اگر ان کے پاس ضائع ہوجائے تو قاضی اسکے عوض کیلئے حکم نافذ کرے گا جیسا کہ ہم نے ذکر کردیا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

النفقۃ فی حق القریب بقدر الحاجۃ والکفایۃ وفی حق الزوجۃ معاوضۃ عن الاحتباس ولذالومضی الوقت وبقی منھا شیئ یقضی باخری لھا لالہ وکذا لوضاعت[2]

قریبی کے حق میں نفقہ بقدر حاجت وکفایت ہوتا ہے اور زوجہ کے حق میں پابندی کا معاوضہ ہوتا ہے اس لئے بیوی کے حق میں سے کچھ بقایا ہو تو وقت گزرجانے کے باوجود مزید ادا کرنے کا حکم دے گا اور قریبی کے لئے ایسا نہیں ہے اور یونہی اگر ضائع ہوجائے (ت)

اس پر حواشی فقیر غفرلہ میں ہے:

اقول سبق قلمہ وصوابہ (وبعکسہ لوضاعت) ای یقضی باخری لہ لعدم اندفاع الحاجۃ لالھا لوصول العوض الیھا[3]

اقول (میں کہتا ہوں) یہ قلم کی سبقت ہے، ورنہ درست اس کا عکس ہے، اگر ضائع ہوجائے یعنی قریبی کے لئے نفقہ ضائع ہوجائے تو قاضی اس کے لئے مزید کا حکم دے گا کیونکہ اس کی حاجت پورا کرنا ہے، بیوی کے لئے ایسا نہیں کیونکہ وہ عوض کی حقدار ہے جو اسے مل گیا ہے (ت)

یہاں سے خالدہ کے اس دعوٰی کا کہ جس قدر بچتا تھا ہمارا اور ہماری والدہ کا تھا اپنی نسبت بطلان توظاہر ہوگیا اس کی ماں کی نسبت بھی صحیح نہ رہا۔ سوال سے ظاہر کہ زید تنہا عورت کا نفقہ اسے نہ بھیجتا تھا بلکہ مع اولاد، اور اس میں کوئی تفصیل نہ تھی کہ اتنا زوجہ کے لئے اتنا اولاد کے واسطے بلکہ مجملاً بغرض صرف

---

[1] بحرالرائق کتاب الطلاق باب النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۷۸

[2] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۲

[3] جدالممتار علی ردالمحتار

ارسال ہونا تھا تو اسے عورت کے لئے تملیک نہیں کہہ سکتے کہ علاوہ شیوع مجہول القدر ہے مقصود یقیناً یہ ہے کہ جتنا عورت کے صرف میں آئے وہ اٹھائے جتنا بچوں کے خرچ میں آئے ان پر صرف کرے نہ یہ کہ عورت اور ہر بچے کو بحصہ مساوی مالک کیا اور جہالت قدر مبطل ہبہ ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

یشترط فی صحۃ ہبۃ المشاع الذی لایحتمل القسمۃ ان یکون قدرا معلوما[1] مشاع یعنی جو تقسیم نہ ہو سکے ایسی چیز کے ہبہ کی صحت کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کی قدر معلوم ہو۔ (ت)

تو ثابت ہوا کہ وہ بھیجنا بھی تموین ہی تھا نہ کہ تملیک، لہذا جو کچھ بچا ملک زید ہی تھا ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا ولی ہے۔ ت) یہاں سے ظاہر ہوا کہ دوسرے دعوٰی خالدہ کے تین جواب جو زید نے دئے اگرچہ ان میں دو پچھلے صحیح نہیں، زن و شو کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ شرف و شرم والیاں اس میں تقاضائے دین پسند نہیں کرتیں تو نہ مانگنا یا وصیت نہ کرنا دلیل تملیک نہیں ولاینسب الی ساکت قول (خاموش کی طرف بات منسوب نہیں ہوتی۔ت) مگر پہلا جواب کہ وہ میری ہی ملک تھا صحیح ہے، نہ اس طور پر کہ زید نے کہا، بلکہ جس طرح ہم نے تقریر کی۔ رہا خالدہ کا بیان کہ اس کے نانا کے مریدین و تلامذہ اسے اور اس کی ماں کو کچھ دیتے تھے اس کا ثبوت اس کے ذمہ ہے کہ اس روپے میں سے اس کی ماں نے زید کو دیا اگر بتعین مقدار اسے شہود عدول سے ثابت کردے تو اس کا حاصل اس قدر ہوگا کہ زید اتنے روپے کا مدیون ہے، مکان پر خالدہ وغیرہا کسی کو دعوٰی نہیں پہنچتا کہ روپیہ قرض دیا ہے نہ کہ مکان کا کوئی حصہ مول لیا ہے والدیون تقضی بامثالہا (قرضی دین کی ادائیگی ہم مثل سے ہوتی ہے۔ ت) خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[2] والد کے مال سے خریدی گئی چیز کو یہ لازم نہیں کہ وہ باپ کی ہوجائے۔ (ت)

تعین و مقدار کی ضرورت یہ ہے کہ بے اس کے دعوٰی مسموع نہیں مثلاً خالدہ کہے اس میں کچھ روپیہ زر نذور کا تھا نہ سُنا جائے گا، ہندیہ میں ہے:

لوکان المدعی بہ مجہولا فان القاضی جس چیز کا دعوٰی ہے وہ اگر مجہول ہو تو قاضی اس

---

[1] بحرالرائق کتاب الہبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۸۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

لایسمع دعواہ ھکذا فی النھایۃ[1] دعوٰی کو نہ سُنے گا، نہایہ میں ایسے ہی ہے (ت)

یہ حکم قضا ہے دیانۃً اگر زید جانتا ہو کہ اس میں زر نذر بھی تھا تو اس پر لازم ہے کہ واپس دے اور مقدار نہ معلوم ہو تو آسان طریقہ یہ ہے کہ جو مکان ان کو تبرعاً دینا چاہتا ہے اس روپے کے عوض میں دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۴ تا ۱۳۷: از دیوی تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی مرسلہ میر غلام اول مدرس ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قاضی قضا کرتا ہے لیکن قضا بالکل ہی واقع کے خلاف ہے قاضی کو یقین دے دیا جاتا ہے کہ آپ کا فیصلہ بالکل خلاف واقع ہے اس میں حق شناسی نہیں ہوتی تو قاضی کہتا ہے کہ جاؤ جی جو کچھ ہُوا ہُو ہولیا، اب قضا پر قضا نہیں ہوتی نصاب سے زیادہ گواہ نہیں لئے جاسکتے حالانکہ قاضی صرف دو گواہ لیتا ہے اور ایک گواہ کی رائے پر فیصلہ کر دیتا ہے چونکہ اس کی دلی منشا بھی اسی فیصلہ پر ہے اور واقعہ یوں ہے ایک آدمی اپنا گاؤں چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں جا رہتا ہے وہاں جس کے مکان میں رہتا ہے اس کے ساتھ اپنی نابالغہ لڑکی کا عقد شرعی روبرو گواہان کر دیتا ہے شادی نہیں ہوتی یعنی روٹی وغیرہ نہیں کی جاتی اور ڈھول وغیرہ نہیں بجایا جاتا اس کا گھر بار کھالیتا ہے گاؤں کے سب لوگوں کو پتہ ہوجاتا ہے کہ نکاح ہوگیا کچھ عرصہ کے بعد ناچاقی ہوجاتی ہے لڑکی کا خاوند لاہور ملازم ہے اس کی عدم موجودگی میں اس کا گھر چھوڑ کر لڑکی کے والدین لڑکی کو لے کر اپنے اصلی گاؤں میں آجاتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ طلاق دلاکر لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا جائے لڑکی کا باپ کئی مسلمانوں کو کہتا ہے جو ابھی زندہ ہیں کہ طلاق لے دو وہ اس کے ساتھ لاہور جانے پر تیار ہوتے ہیں بلکہ اسے یقین دلاتے ہیں کہ طلاق لے دیں گے چونکہ جس اصلی گاؤں میں اب لڑکی کے والدین ہیں اس گاؤں کے لوگوں کی مرضی تھی کہ یہ اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دے ان کی شہ وغیرہ سے وُہ بغیر طلاق لئے نکاح کر دینے پر آمادہ ہوجاتا ہے اس گاؤں کے نکاح خوانوں کی مرضی نہیں یہ نکاح پر نکاح ہو، پھر اس حالت میں کہ پہلا نکاح اس نکاح خواں کے لڑکے نے ہی پڑھا تھا جو اب فوت ہوگیا ہے اس مجبوری کو دیکھ کر لڑکی کا باپ تیسرے گاؤں کے قاضی کے پاس جاتا ہے کہ شاید اس کے طفیل کام بن جائے خاوند لاہور رہے بغیر اس کے علم کے ایک تیسرا آدمی اس بات کو سُن کر اس قاضی کے پاس جاتا ہے کہ یہ آگے نکاح ہوا ہوا ہے قاضی نے پُوچھا کہ کوئی گواہ موجود میں جواب ملا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲

کہ گو نکاح خواں اور چند گواہ مرگئے ہیں لیکن پھر بھی کئی گواہ موجود ہیں قاضی نے کہا کہ زیادہ گواہوں کی ضرورت نہیں صرف دو گواہ میرے پاس لے آؤ، اس بیچارے کو پتہ نہ لگا کہ قاضی صرف دو گواہ کیوں مانگتا ہے اس کی حکمت آگے ظاہر ہو جائے گی کہ منسلق پڑھتے ہوئے قاضی نے کیوں دو گواہ مانگے جب دو گواہ قاضی کے پاس آئے تو ان میں سے ایک نے پورے طور پر بیان کیا کہ نکاح ہوا اور ایجاب وقبول ہوا ہے قاضی نے کوئی سوال نہ کیا دوسرے گواہ نے جب ٹھیک طور پر گواہی دینی شروع کی تو قاضی نے جھٹ سوال کیا کہ شادی ہوئی تھی یا ناتا، اس نے کہا ناتا، قاضی جی کی چاندی ہوگئی، وہ چاہتا بھی یہی تھا، یہ سن کر بغیر مزید سوالات فیصلہ دے دیا کہ نکاح ثابت نہیں ہوا شہادت نہیں ہے حالانکہ ناتا کہنے والے نے اسی وقت کہا کہ میری مراد یہ تھی کہ شادی نہیں ہوئی بلکہ ناطہ میں ضرور ایجاب وقبول ہوا ہے اس واسطے شادی کے مقابلہ میں میں نے ناتا کہا، مگر قاضی نے باور نہ کیا اور پھر کہا گیا اور بھی کتنے آدمی ہیں جو اس نکاح کے وقت موجود تھے، قاضی نے کہا کہ نصاب ہو چکا ہے اس سے زیادہ گواہ نہیں لینا چاہتا قاضی کے لئے راہ بن گیا فوراً اس گاؤں میں جا کر لڑکی کا نکاح دوسرے آدمی سے کر دیا حلوے مانڈے کھا چلتا بنا۔ اس قضا سے مسلمانوں میں عجیب حیرت ہے خاص کر اس گاؤں اور گرد و نواح کے لوگوں کو جن کو اس نکاح کی خبر تھی ان گواہوں کو جو نکاح میں موجود تھے ان معتبر مسلمانوں کو جن کو لڑکی کا باپ کہتا تھا کہ طلاق دلوا دو کہ قاضی جی نے خوب قضا کی خاوند کو خبر ہی نہیں دو سو میل پر بیٹھا ہے قاضی بغیر طلاق کے اس عورت کا نکاح دوسرے آدمی سے پڑھ دیتا ہے، عجب عجب عجب، پتہ کے گاؤں کے لفظ ناطہ ایک ایسا مل گیا ہے جو سب باتوں کو رد کر دیتا ہے اس بات پر غور کرنے نہیں دیتا کہ اگر معاملہ صاف ہوتا تو طرفین کے آدمی میرے پاس کیوں آتے کیا میرے بغیر اس گاؤں میں نکاح کوئی نہیں پڑھ سکتا، جب گواہ پیش کرنے کو کہا جاتا ہے تو قاضی کہتا ہے کہ نصاب پورا ہو گیا، جب شریعت کی طرف رجوع کرنے کو کہا جاتا ہے تو یہ کہہ کر چپ کر دیا جاتا ہے کہ قضا پر قضا نہیں ہوتی لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ دو گواہوں میں سے ناطہ کہنے والے کو کیوں سچا سمجھا جاتا ہے اور دوسرے کو جھوٹا اور کیوں قاضی نے بغیر مزید تحقیقات نکاح پر نکاح پڑھ دیا۔ قاضی کے اس مسئلہ نے تمام عورت والوں کو ڈرا دیا ہے جس کا جی چاہے خاوند کی عدم موجودگی میں دو گواہ پیش کر دے جن میں سے ایک کہہ دے کہ اس عورت کا نکاح نہیں ہوا پس عورت کے ساتھ قاضی جی سے نکاح پڑھوا لے اور عورت والا بیچارہ منہ دیکھتا کا دیکھتا رہ جائے۔ جناب من! اب خوب تحقیق کے جواب سے سرفراز فرما دیں کیونکہ قاضی جی کی اس قضا سے اس علاقے کے مسلمانوں میں عجیب ہلچل اور کھلبلی پڑی ہوئی ہے اور حیران ہیں کہ جیتے خاوند

کی عورت بلا طلاق کیونکر دوسرے مرد پر حلال ہوگئی، اگر یہ تمام باتیں درست ہیں تو مہربانی فرما کر فتوٰی دیں:

(۱) عام مسلمانوں کے واسطے کیا حکم، آیا وہ اس قضا کو مان لیں جو ان کے خیال میں بالکل ناجائز ہے کیونکہ وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ یہ نکاح پہلے ہوا ہے بعض نکاح کے موقع پر موجود تھے بعض وہ ہیں جن کو لڑکی کا باپ طلاق کے واسطے کہتا تھا۔

(۲) قاضی کے واسطے کیا حکم ہے جس نے دانستہ دو گواہ لئے گو ان گواہوں کے مطلب میں کوئی فرق نہ تھا مگر خود قاضی نے ناتا کا لفظ نکلوا کر پہلے گواہ کو جھوٹا جانا اور دوسرے گواہ کی شہادت پر جاکر اس عورت کا نکاح دوسرے آدمی سے پڑھ دیا جس گاؤں میں اس کا نکاح پہلے ہوا تھا وہاں کے کسی بھلے مانس نے پوچھا تک نہیں۔

(۳) لڑکی کے والدین کے لئے کیا حکم ہے جنھوں نے نکاح پر نکاح بنوایا ان سے بعد میں پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا حالانکہ تم پہلے طلاق لینے پر تیار تھے تو کہتے ہیں کہ قاضی جی نے بغیر طلاق حلال کردیا۔

(۴) لڑکی کے خاوند کے لئے کیا حکم ہے جس کو اب تک لاہور سے رخصت ہی نہیں ملی ادھر قاضی جی اس کی عورت دوسرے کو دلوا چکے ہیں کیا وہ قاضی جی کی قضا کو مان کر اپنی عورت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

الجواب

ایسا شخص قاضی نہیں ابلیس ہے اور اس کا ناتے اور شادی میں فرق کرنا شیطانی تلبیس ہے ناتا ہی اصل نکاح ہے تو عورت کا منکوحۂ غیر ہونا انھیں دونوں گواہوں سے ثابت ہو لیا تھا قاضی نے ہٹ دھرمی سے اسے نہ مانا اور گواہوں کے سننے سے انکار اس کی خباثت قلبی تھی نصاب کے بعد اور گواہوں کی حاجت نہ ہونا اس صورت میں ہے جب کہ نصاب سے ثبوت ہوجائے اس کے نزدیک ابھی ثبوت نہ ہوا تو اور گواہ سننا فرض تھا مگر اس نے قصداً نہ چاہا اسے تو حرام قطعی کو حلال کرنا اور خود زنا کا دلال بننا تھا وہ اور گواہ کیسے سنتا اور یہ جواب کہ قضا پر قضا نہیں ہوتی اس کی تیسری شیطنت ہے اول تو یہ نکاح خواں شرعاً قاضی نہیں ہوتے ان کو قاضی کہنا ایسا ہے جیسے لونڈوں کے میاں جی بے علم کو مولوی صاحب کہنا اور ہو بھی تو اس نے کون سی قضا کی تھی جو بدل نہ سکے اتنا ہی تو تھا کہ اس کے نزدیک نکاح ثابت نہ ہوا عدم ثبوت کوئی قضا نہیں۔

(۱) اس ناپاک حکم کا ماننا مسلمانوں پر حرام ہے۔

(۲) قاضی سزائے شدید کا مستحق ہے مگر یہاں کون سزا دے، حاکم اسلام سزا دیتا ہے بلکہ وہ اس ناپاکی پر قتل تک کر سکتا ہے کہ ایسا شخص یسعون فی الارض فسادا[1] (زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ ت) میں داخل ہے۔

(۳) لڑکی کا باپ دیوث ہے جس نے اپنی بیٹی زنا کے لئے دی بلکہ والدین کا یہ کہنا کہ قاضی نے بغیر طلاق حلال کر دیا کلمہ کفر ہے کہ انھوں نے قاضی کے کہنے سے زنا کو حلال جانا واستحلال المعصیۃ کفر (گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ ت) ان کا آپس میں نکاح نہ رہا دونوں نئے سرے سے مسلمان ہو کر پھر آپس میں نکاح کریں۔

(۴) لڑکی اپنے خاوند کی منکوحہ ہے وہ اسے لے اور یوں نہ ملے تو لڑکی کے باپ اور قاضی پر ازدواجِ مکرر کا دعوٰی کرکے لے سکتا ہے۔ معاذ اللہ کیا کیا فساد کا زمانہ آگیا ہے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۸: از رامہ تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ تاج محمود صاحب ۵ محرم ۱۳۳۹ھ

اگر ایک نکاح خواں بغیر دعوٰی مدعی کے کہہ دے کہ مدعی علیہ نے دختر معلومہ نابالغہ کا نکاح مدعی کے فلاں بیٹے کو کر دیا ہے، مدعی نے بیٹے معلوم کے لئے قبول کیا ہے حالانکہ یہ نکاح خواں بہت جاہل اور دائمی دشمن مدعی کا ہے، آیا یہ شہادت قابلِ اعتبار ہو گی یا نہیں؟

الجواب

جب دعوٰی نہیں تو مدعی کیسا، اور اگر یہ مطلب ہو کہ مدعی نے اسے گواہ نہ لکھایا تو یہ شرطِ شہادت نہیں اس نے اگر شہادت میں اپنا نکاح پڑھانا ذکر کیا تو مقبول نہیں لانہ شہادۃ علی فعل نفسہ (کیونکہ یہ اپنے خلاف شہادت ہے۔ ت) ورنہ اگر گواہ ثقہ ہے قابلِ قبول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹: از ضلع دربھنگہ مقام مدھوبنی محلہ جولاہہ ٹولہ متصل جامع مسجد مرسلہ خان محمد صاحب ۱۱ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

نوری مومن اور اس کے ساتھی نے مسجد میں بیان کیا کہ ہم خان محمد کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے کیونکہ اس کی ماں کو اس کے پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی تھی کہ اس کے والد نے اس سے نکاح کر لیا چونکہ یہ نکاح صحیح نہ ہوا اس لئے اس کے ماں باپ دونوں زانی اور یہ لوگ ولد الزنا ہوئے اور ولد الزنا کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ کئی دفعہ کہنے پر خان محمد نے اس پر پنچایت بٹھائی جس میں چند معزز اشخاص کے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳۳

سامنے نوری سے ثبوت طلب کیا گیا اور کہا گیا کہ خان محمد کے والد کو چالیس برس ہوئے اب تک تم لوگ کیوں نہ بولے، اتنے دن تک خان محمد کے پیچھے نماز کیوں پڑھتے رہے، خان محمد اور اس کے بھائی کی شادی اپنے خاندان میں کیوں کی؟ نوری نے کوئی گواہی پیش نہیں کی بلکہ اقرار کیا کہ ہم نے رنج اور غصہ کی وجہ سے ایسا کہا ہے، ہم سے قصور ہوا، اب ہم خان محمد اور اس کے بھائی کو ولد الزنا نہیں کہیں گے اور برابر ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اب عرض یہ ہے کہ نوری اور اس کے ساتھی کا اگر پنچایت والا بیان صحیح ہے تو وہ لوگ حد قذف کے قابل ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو خود ان لوگوں کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے، ان لوگوں کی گواہی ہمیشہ مردود ہوگی یا نہیں، اگر پہلا بیان سچ ہے تو چالیس برس نہ بولنے خان محمد کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کے شادی بیاہ اپنے خاندان میں کرنے سے نوری اور اس کے ساتھی کس سزا کے مستحق ہیں اور کس حکم کے قابل ہیں؟

الجواب

ان لوگوں کا پہلا بیان جھوٹا اور سراسر جھوٹ ہے،

قال اللہ تعالٰی اذلم یأتوا بالشھداء فاولٰئک عند اللہ ھم الکٰذبون[1]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب وہ گواہ پیش نہ کریں تو وہ اللہ تعالٰی کے ہاں جھوٹے ہیں۔ (ت)

اور وہ اس بیان کے سبب ضرور حد قذف کے مستحق ہیں۔

قال اللہ تعالٰی فاجلدوھم ثمانین جلدۃ[2]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو اسّی کوڑے مارو۔ (ت)

گواہی کا وہ مردود ہونا کہ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا[3] (اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو۔ ت) اس حالت میں ہے کہ حد قذف لگ جائے یہاں نہیں ہوسکتا البتہ وہ مردود ہونا حاصل ہے جو جھوٹے کذاب کی گواہی کے لئے ہے جبکہ وہ بار بار یہ جھوٹ بک چکے ہوں۔ عاجز آکر خان محمد نے پنچایت کی ہو یا اس کے سوا اور جھوٹوں کے ساتھ معروف ومشہور ہوں کہ جھوٹ ان کی عادت ہو تو کبھی ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی اگرچہ توبہ کرلیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۳

[2] " ۲۴/ ۴

[3] " ۲۴/ ۴

المعروف بالکذب لاعدالۃ لہ فلا تقبل شہادتہ ابدا وان تاب بخلاف من وقع فی الکذب سہوا او ابتلی مرۃ ثم تاب کذا فی البدائع[1]

جھوٹ میں مشہور شخص عادل نہیں ہے تو اس کی شہادت کبھی مقبول نہ ہوگی اگرچہ وہ توبہ بھی کرلے بخلاف اس شخص کے جو بھول کر جھوٹ میں مبتلا ہوا یا کبھی ایک مرتبہ جھوٹ بولا ہو پھر توبہ کرلے، تو اس کی شہادت قبول ہوگی، ایسے ہی بدائع میں ہے۔ (ت)

ایسے لوگ فاسق معلن ہیں اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ ہے، اور جو نماز اس کے پیچھے پڑھی جائے اس کا پھیرنا واجب، ہاں اگر توبہ کرلیں اور ان کا حال صلاح کے ساتھ بدل جائے تو اس وقت ان کے پیچھے نماز میں حرج نہ ہوگا جبکہ باقی شرائط جواز و حلت امامت کے جامع ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۰: از بسی ضلع پشاور مدرسہ قادریہ محمودیہ واقع مسجد جھل گزی مولوی حمداللہ صاحب قادری محمودی ۲ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ماموں عمرو پر اپنے نانا کے متروکہ سے جو عمرو کے قبضے میں ہے اپنی ماں متوفاۃ کے حق میراث کا دعوٰی کیا، عمرو جواب دہ ہوا کہ یہ مال ۳۶ برس سے میرے قبضے میں ہے دعوٰی میں تمادی عارض ہے نیز تیری ماں نے اپنا حصہ میراث اپنی حیات میں مجھے ہبہ کردیا تھا جس کے گواہوں میں اب کوئی زندہ نہیں، زید کہتا ہے یہ مال تجارت کا ہے اب تک میرے نانا کا نام مندرج کاغذات رہا میں نے اور ماں نے تمہیں امین جانا اور بنظر تجارت ترقی کا خیال رہا، امید تھی کہ جب داخلخارج ہوگا حصہ مادری میں میرا نام درج کراؤ گے ڈیڑھ سال سے تم نے داخلخارج کرایا اور صرف اپنا نام مندرج کرایا لہذا میں مدعی ہوا گواہان مردہ سے ثبوت ہبہ کیسے ہوسکتا ہے، نہ مال مشترک کا ہبہ صحیح نہ میراث میں تمادی مانع۔ نیز تمہارے دعوٰی میں تناقض ہے کہ ہبہ کا بھی ادعا کرتے ہو اور تمادی عذر بھی۔ اس صورت میں زید حق پر ہے یا عمرو؟ عبارات عربی کا اردو ترجمہ فرمادیا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

زید کا دعوٰی صحیح و مقبول ہے اور عمرو کے عذر باطل و مخذول۔ ہبہ صرف اس کی زبان سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے، اموات کو گواہ قرار دینا عجب جہل بے مزہ ہے، ایسی شہادت لبی ہو تو چاہیے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۸

جس کا مال چاہے چھین لے کہ تُو نے یا تیرے باپ نے مجھے ہبہ کر دیا یا میرے ہاتھ بیچا اور ثمن پالیا تھا بیس پچیس معززین اس کے گواہ تھے جو سب مرچکے، اور بالفرض باطل اگر ہبہ ہوتا بھی تو مال مشترک صالح قسمت قبل تقسیم ہبہ کرنا اگرچہ شریک کے لئے ہو محض ناتمام ہے جسے موت واہبہ قبل تسلیم نے باطل کر دیا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(لا) تتم بالقبض (فیما یقسم و) لو وھبه (لشریکه) لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامة الکتب فکان ھو المذھب[1]

قابلِ تقسیم چیز کا ہبہ قبضہ کے بعد بھی ناتمام رہتا ہے اگرچہ اپنے شریک کو ہبہ کیا ہو کہ اس میں بلاتقسیم قبضہ کامل متصور ہی نہیں جیسا کہ عام کتب میں تصریح ہے تو یہی مذہب حنفی ہے۔

اُسی میں ہے:

(والمیم موت احد العاقدین) بعد التقسیم فلو قبله بطل[2]

موہوب لہ کو قبضہ کاملہ دینے کے بعد واہب یا موہوب لہ کا مرجانا ہبہ میں رجوع کا مانع ہے

اور اگر قبضہ کاملہ سے پہلے ان میں سے کوئی مرجائے گا تو ہبہ سرے سے باطل ہوجائے گا۔

بلکہ اس کے دعوٰی ہبہ نے اسی کو ضرر دیا اس سے صاف ظاہر ہوا کہ مال کو وہ متروکہ پدر مانتا اور اپنی بہن کا اس میں حق ارث جانتا ہے جب تو اپنے لئے ہبہ از جانب خواہر کا مدعی ہے اور اس صورت میں چھتیس نہیں سو برس گزر جائیں دعوٰی ساقط نہیں ہوسکتا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فیما اذا ادعی زید علی عمرو محدودا انه ملکه ورثه عن والده فاجابه المدعی علیه انی اشتریته من والدك وانی ذویدعلیه من مدة تزید علی اربعین سنة وانت مقیم معی فی بلدة ساکت من غیر عذر یمنعك عن الدعوی، ھل یکون ذلك من باب الاقرار

سوال ہوا کہ زید نے عمرو پر ایک زمین کا دعوٰی کیا کہ میری ملک ہے باپ کے ترکہ سے میں اس کا وارث ہوں عمرو نے جواب دیا کہ میں نے تیرے باپ سے خرید لی تھی اور چالیس برس سے زائد ہوئے کہ میں اس پر قابض ہوں اور تو ایک شہر میں میرے ساتھ ساکن اور بلاعذر ساکت ہے آیا اس صورت میں کیا عمرو مورث زید سے بذریعہ

---

[1] درمختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[2] ؎ ؎ کتاب الہبہ باب الرجوع فی الہبہ ؎ ۲/ ۱۶۱

بالتلقی من مورثیه فیحتاج الی بینة تشهد له بالشراء ولاینفعه کونه واضعا یده علیه المدة المذکورة **اجاب** نعم دعوی ذٰلک التلقی عن ابی المودع ودعوی تلقی الملک من المورث اقرار بالملک له ودعوی الانتقال منه الیه فیحتاج المدعی علیه الی بینة وصار المدعی علیه مدعیا وکل مدع یحتاج الی بینة ینور بها دعواه ولاینفعه وضع الید المدة المذکورة مع الاقرار المذکور لیس من باب ترک الدعوی بل من باب المؤاخذة بالاقرار ومن اقر بشیئ لغیرہ اخذ باقرارہ ولوکان فی یدہ احقابا کثیرة لاتعد وھذا مالا یتوقف فیه۔[1]

شرا ملک حاصل کرنے کا مدعی ہوگا اور اسے اس انتقال پر گواہ دینے ہوں گے اور چالیس برس سے زائد اس کا قبضہ اور زید کا سلوک عمرو کو کچھ نفع نہ دے گا، جواب: فرمایا ہاں یہ عمرو کا دعوٰی ہے کہ مجھے دعوٰی ہے کہ مجھے تیرے مورث سے ملی ہے اور ارث زید سے ملنے کا اقرار تو اس کی ملک کی اوپر سے اقرار ہے اور اس کا دعوی کہ بذریعہ انتقال شرعی مجھے ملی تو اب عمرو اس پر گواہ دینے کا محتاج ہے کہ یہ مدعی ہوگیا اور ہر مدعی کو شہادت پیش کرنی لازم ہے جس سے اس کا دعوٰی ثابت ہو اور وہ چالیس برس سے زائد کا قبضہ اسے اقرار مذکور کے ساتھ کچھ بھی نافع نہیں، نہ یہ تمادی کے باب سے ہے بلکہ باب اقرار سے کہ ہر مقر اپنے اقرار پر ماخوذ ہے اگرچہ وہ شیئ بے شمار قرنوں جگوں سے اس کے قبضہ میں ہو، یہ ایسی واضح بات ہے جس میں شبہہ کو دخل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۱: از ریاست رامپور موٹے کلن کی کنیان مرسلہ مولوی محمد عنایت اللہ خان صاحب
۲۰ صفر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ ہندہ نے دعوٰی تفریق از زوجیت بجہت وقوع سہ طلاق مغلظہ بنام عباس علی خاں[عہ] نے مجھ کو بتاریخ فلاں بہ داون سہ طلاق مغلظہ حبالہ نکاح اپنے سے آزاد کیا عباس علی خاں کو دینے طلاق سے ہندہ کے انکار ہے اور

عہ: عباس علی خاں بعدالت دیوانی محکمہ ابتدائی میں رجوع کیا اور دعوی اپنے میں بصراحت لکھا۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۸۰ و ۸۱

کہتا ہے کہ میں بتاریخ مذکورہ شہر میں موجود نہ تھا، ہندہ نے چار مرد مسمیان تفضل حسین خاں و غلام ناصر خاں و غلام محی الدین خاں و کلن خاں اور دو عورتیں مسماتان ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم بہ ثبوت وقوع طلاق پیش کئے، ان میں سے پانچ نے ہنگام ادائے شہادت بمواجہ خود عباس علی خاں کا طلاق دینا عندالعدالت بیان کیا اور ایک نے یعنی کلن خاں نے ادائے شہادت اقراری کی اور نیز جانب ہندہ سے ہنگام تحقیقات محلہ کے تین شخصوں نے اوپر موجودگی عباس علی خاں کے شہر ہذا میں بتاریخ مذکورہ ادائے شہادت کی، عدالت نے دعوی ہندہ کو بے اصل اور شہادت شہود کو غیر مقبول قرار دے کر دعوی ہندہ کو نامسموع فرمایا اور وجہ بے اصلیت دعوے اور نامقبولی شہادت شہود پیش کردہ ہندہ اپنے فیصلہ میں تحریر فرمائیں، پہلی وجہ نامقبولی شہادت وشہود کی ان الفاظ پر قائم کی کہ جملہ گواہوں نے بالاتفاق اپنے اظہاروں میں بیان کیا کہ اشہد باللہ گواہی دیتے ہیں کہ عرصہ چھبیس ۲۶ ستائیس ۲۷ دن کا ہوا کہ خالی کا مہینہ تھا ساتویں تاریخ بدھ کا روز تھا آٹھ بجے دن کے تھے کہ عباس علی خاں نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں یہ کہ جملہ گواہان بجمال اناث مدعیہ مسموعہ عدالت نے دینا طلاق بمرور چھبیس ۲۶ ستائیس ۲۷ روز لکھایا ہے اور اس قسم کا بیان بیان زمان خواہ بدعوی ہو خواہ بشہادت بوجہ جہالت تاریخ شرعاً بموجب روایت ہذا کے نامقبول ہے

ادعی بالفارسیۃ دوازدہ درہم وشہد الشہود ان لہذا المدعی علی ہذا المدعی علیہ دوازدہ درہم لاتقبل لمکان الجہالۃ، وکذلک اذا ادعی دہ دوازدہ درہم، لاتسمع دعواہ وکذلک اذا ذکرت التاریخ فی الدعوی علی ہذا الوجہ بان قال این عین ملک من است از دہ دوازدہ سال فانہ لاتسمع دعواہ و کذلک اذا ذکر الشہود التاریخ فی شہادتہم کذا فی الذخیرۃ، عالمگیریۃ[1]

فارسی میں دس گیارہ درہم کا دعوی کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے اس مدعی علیہ پر دس بارہ درھم ہیں تو شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ مجہول ہے اور یوں ہی دس بارہ کا دعوٰی بھی مسموع نہ ہوگا اور یوں ہی اگر دعوٰی میں تاریخ مجہول ذکر کی یوں کہ یہ چیز دس بارہ سال سے میری ملکیت میں ہے تو بھی دعوٰی مسموع نہ ہوگا اور ایسے ہی اگر گواہوں نے اپنی شہادت میں ایسی تاریخ بیان کی تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی، ذخیرہ میں یونہی ہے، عالمگیریہ (ت)

وجہ دوم عدم مقبولی شہادت تفضل حسین خاں و غلام ناصر خاں و غلام محی الدین خاں پر

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

قائم کی ان الفاظ پر جو ان کے اظہاروں سے نقل کئے جاتے ہیں تفضل حسین خاں اپنے اظہاروں میں بیان کرتا ہے اس طلاق دینے کے بعد سے اب تک میری اور عباس علی خاں کی بات چیت نہیں ہے اور نہ سلام علیک بگاڑ ہے نہ میں بات چیت اور سلام علیک مدعا علیہ سے کرتا ہوں اور مدعا علیہ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیتا ہے ،
غلام ناصر خاں اپنے اظہار میں لکھایا ہے کہ مدعیہ کا اگر کسی سے جھگڑا ہو تو مظہر اس میں کوشش و طرفداری کریگا جو عزیز ہوتا ہے وُہ طرفداری کرتا ہے مظہر مدعیہ کا عزیز ہے اس واسطے میں بھی طرفداری کروں گا ، اس بیان پر عدالت نے بوجہ نامقبولی شہادت شہود قائم کی کہ منجملہ گواہان تفضل حسین خاں سے عداوت دنیوی مدعا علیہ ثابت ہے اور اثبات عداوت خود باقرار گواہ ظاہر ہے کہ وہ باظہار خود لکھاتا ہے کہ روز طلاق سے مظہر کا مدعا علیہ سے بگاڑ ہے نہ بات چیت ہے نہ سلام علیک ، غلام ناصر خاں و غلام محی الدین خاں پیروکار مقدمہ اور مثل مدعیہ ہیں کہ ان دونوں نے بھی باظہار خود لکھایا ہے کہ اگر مدعیہ سے کسی کا تنازعہ ہو تو ہم کوشش و طرفداری مدعیہ کی کریں گے اور گواہی مخاصم مقدمہ اور عدوی دنیوی شرعاً بموجب روائت ہذا نامقبول ہے ،

ولاشهادة عدواذا كانت العداوة لاجل الدنيا لان العداوة لاجل الدنيا حرام فمن ارتكبها لايؤمن من التقول عليه۱ ۱۲ عيني -	دشمن کی شہادت قبول نہ ہو گی جب یہ دشمنی دنیاوی ہو کیونکہ دنیا کی خاطر دشمنی حرام ہے تو جس نے یہ ارتکاب کیا اس کے جھوٹ بولنے کا خطرہ رہتا ہے ۱۲ اعلیٰ (ت)

تیسری وجہ عدم مقبول شہادت شہود قائم کی کہ باہم شہادت شہود میں اختلاف ہیں وہ الفاظ کہ جن میں عدالت نے اختلاف ثابت کیا ہے اظہاروں سے نقل کئے جاتے ہیں کہ تفضل حسین خاں بیان کرتا ہے کہ اس لڑکی کو میں نے پرورش نہیں کیا میری بیوی نے پرورش کیا ہے اور سامانِ شادی بھی اسی نے دیا ہے ، اور غلام ناصر خاں نے کہا کہ تفضل حسین خاں نے پرورش کیا ہے اور سامان شادی بھی اسی نے دیا ہے اور درمیان غلام ناصر خاں و غلام محی الدین خاں یہ اختلاف ہے کہ غلام ناصر خاں اپنے بیان میں لکھاتا ہے کہ پہلی مرتبہ جو طلاق دی تو یوں کہا تھا کہ بگا میں نے تجھ کو طلاق دی ، اور غلام محی الدین خاں نے بیان کیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اس کی طرف نسبت کرکے ، اور غلام محی الدین خاں اور تفضل حسین خاں میں یہ اختلاف ہے کہ غلام محی الدین خاں نے بیان کیا کہ مدعا علیہ جو آیا تھا تو امراؤ بیگم زوجہ تفضل حسین خاں کو سلام علیک کی تھی اور سب سے ، اور تفضل حسین خاں کہتا ہے کہ نہیں کی تھی اور بیان کرتا ہے کہ جس

---

۱ البنایۃ فی شرح الہدایۃ

وقت مدعا علیہ آیا تھا تو میں دروازہ میں بلانے کو گیا تھا اور درمیان غلام ناصر خاں و غلام محی الدین خاں کے بیان میں یہ فرق ہے کہ غلام ناصر نے بیان کیا ہے کہ میں غلام محی الدین خاں سے پہلے چلا گیا تھا اور غلام محی الدین خاں کہتے ہیں کہ میں نے غلام ناصر خاں کو وہاں ہی چھوڑا تھا، ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم و کلن خاں کے بیان میں یہ فرق ہے کہ ہر دو مسماتان کہتی ہیں کہ عباس علی خاں مدعا علیہ کے جانے کے بعد بگا بیگم نے دالان میں سے کہا تھا کہ تم سب اور کلن خاں کو گواہی دینی ہوگی اور دروازہ میں کچھ نہیں کہا تھا اور کلن خاں کہتے ہیں کہ مجھ سے بگا بیگم نے دروازہ میں کہ دالان سے تین چار گز کے فاصلہ پر واقع ہے یہ مضمون کہا تھا کہ کلن خاں تم کو گواہی دینی ہوگی کہ عباس علی خاں نے تم سے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دی، ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم اپنے اظہار میں بیان کرتی ہیں کہ مدعیہ نے بجواب مدعا علیہ کے کہا کہ اب میں نہیں جاؤں گی جب تک کہ وہ لوگ جو پہلے مجھ کو ضمانت کر کے لے گئے تھے نہ آئیں گے، اس پر مدعا علیہ نے کہا کہ تو میری جورو نہ ہوئی ان لوگوں کی ہوئی، پھر طلاق دے دی، اور تفضل حسین خاں لکھتا ہے کہ مدعا علیہ نے کہا کہ ابھی لے جاؤں گا، بجواب علیہ مدعیہ نے کہا کہ جو لوگ مجھ کو پہلے ضمانت کر کے لیگئے تھے اگر وہی آئینگے تو میں جاؤنگی اس پر مدعا علیہ نے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، اور غلام محی الدین خاں لکھتا ہے کہ مدعا علیہ نے مدعیہ زوجہ اپنی سے کہا کہ میں نے نائن کو اور ڈولی بھیجی تھی تو کیوں نہیں آئی، اس پر بگا بیگم نے کہا کہ مجھ کو جانے میں کچھ عذر نہیں ہے مگر جو لوگ مجھ کو پہلے ضمانت کر کے لے گئے تھے وہی آکر لے جائیں گے تو میں جاؤں گی ان سوالات جرح وکلاء مدعا علیہ از گواہان مدعیہ سے اکثر اختلاف بگواہی گواہان مدعیہ اس قسم کے پائے گئے جو باعث بے اصلیت شہادت و نامقبولی عدالت پائے گئے گو یہ اختلافات بحالت ہونے گمان غالب صداقت دعویٰ شہادت مانع قبول نہ تھی لیکن چونکہ مقدمہ ہذا حل و حرمت کا ہے اور عدالت ایسے محل پر کہ شادی فریقین کو صرف چھ سات ماہ گزرے ہیں کہ وصال میں انفصال سر پر آیا مدعا علیہ باوجود گوارہ نہ ہونے بودوباش سہ چار روزہ مدعیہ بخانہ والدین صرف انکار مدعیہ پر نہ آئی اپنے سے ہنوز بخانہ شوہر طلاق دے کر چلا گیا بہت شبہات واقع ہیں اس بنا پر بمذہب ابی یوسف وہ اختلافات بالضرورۃ اس زمانے میں کہ اکثر مخلوق نے پیشہ ادائے شہادت زور اختیار کر لیا ہے مانع قبول شہادت شہود ہیں بموجب روایت ہذا کے؛

اذا ارتاب القاضی فی امر الشہود فرق بینہم ولا یسعہ غیر ذلک و یسألہم ایضا این کان ہذا و متی

جب قاضی کو گواہوں کے متعلق شک ہو تو ان کو علیحدہ علیحدہ کر دے اس کے علاوہ قاضی کو اختیار نہیں ہے اور قاضی ہر ایک سے جگہ اور وقت کا

كان هذا ويكون هذا السوال بطريق الاحتياط وان كان لايجب هذا على الشهود فى الاصل، فاذا فرقهم فان اختلفوا فى ذلك اختلافا يفسد الشهادة ردها وان كان لايفسدها لايردها وان كان يتهمهم فالشهادة لا ترد بمجرد التهمة فى نوادر ابن السماعة عن ابى يوسف رحمه الله تعالٰى قال ابو حنيفة اذا اتهمت الشهود فرقت بينهم ولا التفت الى اختلافهم فى لبس الثياب وعدد من كان معهم من الرجال والنساء ولا الى اختلافات المواضع بعد ان تكون الشهادة على الاقوال وان كان الشهادة على الافعال فالاختلاف فى المواضع اختلاف فى الشهادة قال ابو يوسف اذا اتهمتهم ورأيت الريبة فظننت انهم شهود الزور فرقت بينهم و اسألهم عن المواضع والثياب ومن كان معهم فاذا اختلفوا فى ذلك فهذا عندى اختلاف ابطل به الشهادة كذا فى المحيط۱۲ [1]۔

سوال کرے کہ واقعہ کب اور کہاں ہوا، یہ سوال بطور احتیاط ہوگا اگرچہ گواہوں پر یہ بیان کرنا لازم نہیں ہے، تو جدا کرنے پر جگہ اور وقت میں دونوں کا بیان ایسا مختلف ہو جس سے شہادت میں فساد ہو تو اس کو رَد کردے اور وہ اختلاف ایسا ہو جس سے شہادت فاسد نہ ہوتی ہو تو رَد نہ کرے اور اگر گواہوں میں اتفاق پایا جائے تو محض تہمت کی بناء پر رَد نہ کرے۔ ابن السماعۃ کے نوادر میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے جب گواہوں پر تہمت پاؤں تو ان میں تفریق کردوں گا اور ایسے اختلاف کی طرف التفات نہ کروں گا کہ ان کا لباس کیا اور ان کے ساتھ کتنے مرد اور عورتیں تھیں اور نہ ہی جگہوں کے اختلاف کی طرف التفات کروں گا بشرطیکہ شہادت اقوال پر ہو اور اگر شہادت افعال پر ہو تو جگہوں کا اختلاف شہادت کا اختلاف قرار پائے گا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جب مجھے شک ہو اور میں گمان کروں کہ گواہ جھوٹے ہیں تو میں دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرکے ان سے مواضع اور لباس کے کپڑوں اور واقعہ میں موجود مرد و عورتوں کی تعداد کے متعلق سوال کروں گا اگر وہ ان امور میں اختلاف کریں تو میرے نزدیک یہ ایسا اختلاف ہوگا جس کی بناء پر میں شہادت کو باطل قرار دوں گا، محیط میں یونہی ہے ۱۲۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المحیط کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

چہارم یہ کہ معاملہ ہذا اقسام دعاوی حلال وحرام سے ہے ایسے محل پر واجبات سے ہے کہ تا وقتیکہ گواہان ثقات ومعتمد سے وقوع طلاق متحقق نہ ہو اور پر بیان مجرد ایسے اشخاص کے حکم تفریق بین الزوجین دینا بجز اس کے کہ اپنی جان کو ماخوذ بہ گناہ کیا جائے کوئی نتیجہ نہیں عدالت کی رائے میں کوئی گواہان میں سے ایسا نہیں کہ جس کی شہادت کے اطمینان پر حکم تفریق بین الزوجین دیا جائے اس لئے کہ غلام ناصر خاں مردمان گواہی پیشہ سے ہے اکثر مقدمات میں گواہیاں اس کے وقت تلاش موجود نکل سکتی ہیں اور صدہا مخبریان دروغ لوگوں پر کرنا شروع کی تھیں کہ عند التحقیق سرکار اصل ان کی نہ نکلی گواہی مخبر بوجہ فسق قابل قبول نہیں، تفضل حسین خاں پیشتر ازیں بمقدمہ جعل سازی سزایاب ہوچکا ہے غلام محی الدین خاں عرف ننھے خاں اور کلن خاں جن کا حال ہم کو نہیں معلوم تھا ان کا حال ہم نے خفیہ طور پر بذریعہ آدم معتبر و معتمد خود دریافت کرایا یہ ہر دو گواہ بھی عند الدریافت آدم معتمد ثقات اور مقبول الشہادۃ نہ پائے گئے بناء بر روایت شامی کے کہ جو ذکر کی جائے گی اور بعض گواہ ان میں سے مستور الحال ہیں اور بعض فاسق ہیں اور گواہی مستور و فاسق کی جب تک تحری صدق نہ ہو اور عدالت ظاہر نہ ہو قابل اعتماد نہیں،

كما قال في الدر الفاسق اهل فيكون اهله لكنه لايقلد وجوبا ويأثم مقلده كقابل شهادته به يفتى وقيده في القاعدية بما اذا غلب ظنه صدقه فليحفظ، درر[1] ومقتضى الدليل ان لايحل ان يقضى بها فان قضى جاز ونفذ اھ ومقتضاه الاثم وظاهر قوله تعالٰى ان جاءكم فاسق بنبا فتبينوا انه لايحل قبولها قبل

جیسے در میں فرمایا کہ فاسق شہادت کا اہل ہے تو وہ قضاء کا اہل ہے لیکن اس کا تقرر نہ کیا جائے یہ لازمی بات ہے اور اس کی تقرری منظور کرنیوالا گنہگار ہوگا جیسا کہ اس کی شہادت قبول کرنے والا گنہگار ہے اسی پر فتوٰی ہے۔ فتاوٰی قاعدیہ میں فاسق کے متعلق اہل قضاء و شہادت ہونے کو اس قید سے مقید کردیا کہ جب تقرر کرنیوالے کو فاسق کے صدق کا گمان ہو، اس کو محفوظ کرلو، درر۔ اور دلیل کا مقتضٰی یہ ہے کہ فاسق کو فیصلہ دینا حلال نہیں تو اگر اس نے کوئی فیصلہ کردیا تو جائز اور نافذ ہوگا اھ اس کا

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

تعرف حالہ وقولھم بوجوب
السؤال عن الشاھد سرا و
علانیۃ طعن الخصم
اولا فی سائر الحقوق
علی قولھما المفتی بہ
یقتضی الاثم بترکہ لانہ
للتعریف عن حالہ حتی لا یقبل
الفاسق وصرح ابن الکمال
بان من قلد فاسقا
یاثم واذا قبل القاضی
شھادتہ یاثم اھ وفی
الفتاوی القاعدیۃ ھذا
اذا غلب علی ظنہ
صدقہ وھو مما
یحفظ اھ قلت والظاھر
انہ لا یاثم ایضا
لحصول التبیین المامور
بہ فی النص تامل،
قال ط فان لم یغلب
علی ظن القاضی صدقہ
فان غلب کذبہ عندہ
او تساویا فلا یقبلھا
ای لا یصح قبولھا

مقتضٰی یہ ہے کہ گناہ ہوگا، اور اللہ تعالٰی کے
ارشاد "اگر فاسق کوئی خبر دے تو اس کی وضاحت
طلب کرو" کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ اس کی
شہادت کا قبول کرنا اس کے حال کی تحقیق سے قبل
حلال نہیں ہے جبکہ فقہاءِ کرام کا گواہ کے متعلق
فرمانا کہ خفیہ طور پر اور اعلانیہ بھی اس کی تفتیش
کی جائے فریق مخالف کا اس پر طعن ہو یا نہ ہو خواہ
تمام حقوق میں ہو، صاحبین کے مفتی بہ قول کے مطابق تو فقہاء
کرام کی اس بات کا تقاضا ہے یہ کام ترک کرنے
پر گناہ ہوگا کیونکہ یہ کام گواہ سے متعلق معلومات
کے لئے ہے حتی کہ فاسق ہو تو گواہی قبول نہ کی جائیگی،
اور ابن کمال نے تصریح کی ہے کہ جس نے فاسق
کی تقرری کی وہ گناہگار ہوگا اور جب قاضی
فاسق کی شہادت قبول کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔
فتاوٰی قاعدیہ میں ہے یہ جب ہے کہ تقرری
اور شہادت قبول کرنے والے نے فاسق کے صدق کا
گمان کیا ہو، یہ بات محفوظ رکھنے کے قابل ہے اھ
قلت (میں کہتا ہوں) ظاہر یہ ہے کہ گنہگار
نہ ہوگا، کیونکہ نص میں بیان کردہ حکم کے مطابق
تفتیش ہو چکی ہے، غور کرو۔ ط نے کہا اگر قاضی کو گواہ
فاسق کے صدق پر غلبہ ظن ہو خواہ اس کذب پر
غلبہ ظن ہو یا اس کا صدق وکذب قاضی کے نزدیک
مساوی ہو تو شہادت کو قبول نہ کرے یعنی قبول

؎ ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۹۹

اصلا ھذا ما یعطیه المقام
شامی[1] ولا یقبل قول المستور فی
فی ظاھر الروایة وعن ابی حنیفة
انه یقبل قوله فیها جریا
علی مذھبه یجوز القضاء به
وفی ظاھر الروایة ھو و
الفاسق سواء حتی یعتبر
فیھما اکثر الرای ۱۲ ھدایة[2]
ولھذا اجوز ابوحنیفة رحمه الله
تعالٰی القضاء بشھادة المستور
فیما یثبت بشبھات اذا لم یطعن
الخصم قال ولکن ما ذکره
فی الاستحسان اصح فی
زماننا فان الغالب فی اھل
الزمان الفسق فلا تعتمد
روایة المستور مالم یتبین عدالته
کما لا تعتمد شھادته فی
القضاء قبل ان یظھر
عدالته وفی ظاھر الروایة ھو والفاسق
سواء حتی یعتبر فیھما ای فی المستور والفاسق اکبر
رای فان کان غالب الرای صدقھما یقبل
قولھما والا فلا عینی[3] ۱۲۔

کرنا بالکل صحیح نہ ہوگا، یہ مقام کی بحث ہے، شامی
اور مستور الحال کی بات ظاہر روایت کے مطابق
قابل قبول نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ
تعالٰی سے مروی ہے کہ اس کی بات قبول ہوگی
جیسا کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے
جب شہادت قبول ہوگی تو قضاء بھی جائز ہوگی
اور جبکہ ظاہر الروایت میں مستور الحال اور فاسق
کا حکم مساوی ہے حتی کہ ان دونوں میں رائے
کے غلبہ کا اعتبار رہے، ہدایہ۔ اور اس لئے امام
ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مستور الحال کی قضا
کو ایسے معاملات میں جائز قرار دیا ہے جو شبہات
کے باوجود مخالف فریق کے طعن نہ کرنے پر ثابت
ہوجاتے ہیں، فرمایا، لیکن آپ نے استحسان میں
جو فرمایا ہمارے زمانے میں وہ اصح قول ہے کیونکہ
اس زمانہ میں فسق غالب ہے تو مستور الحال کا
معاملہ جب تک واضح نہ ہوجائے اس پر اعتماد نہ
کیا جائے گا جیسا کہ قضاء کے معاملہ میں اس
کی شہادت پر اعتماد ظہور عدالت کے بغیر نہیں
کیا جاتا تو ظاہر روایت میں اس کا اور فاسق کا
حکم مساوی ہے حتی کہ ان دونوں کے متعلق غلبہ
رائے میں ان کا صدق ہو تو ان کی بات
مقبول ہوگی ورنہ نہیں، عینی ۱۲۔ (ت)

---

[1] رد المحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۰
[2] الہدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۲
[3] البنایۃ " " " " " المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۲۰۰

اور جن گواہوں کی نسبت عدالت نے نامقبول شہادت پر وجوہات قائم کئے ہیں اور فاسق اور مستور الحال لکھا ہے بہت تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ عدالت نے ان میں سے اکثر کی گواہی قبول کی ہے اور بعد اس کے کوئی امر ان سے ایسا سرزد نہیں ہوا ہے کہ جس سے فاسق اور مستور الحال ہوگئے ہوں اور ان کی گواہی پر اعتماد نہ رہا ہو اور بابت تفضل حسین خاں کے لکھا ہے کہ یہ مقدمہ جعل سازی میں سزایاب ہوچکا ہے یہ صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ عدالت ماتحت نے اس پر جعل سازی قائم کی تھی حالانکہ وُہ بری تھا اسی واسطے وہ مرافعہ میں بری ہوگیا اس کی سند اس کے پاس موجود ہے اور غلام ناصر خاں کو عدالت نے اپنے فیصلہ میں گواہی پیشہ اور مخبر قرار دیا ہے اور اس کو اس سے انکار ہے اور کہتا ہے کہ یہ امر بالکل بے ثبوت ہے اگر عدالت کے پاس کوئی ثبوت ہو بیان کرے۔ اب علمائے دیندار سے استفسار اس امر کا ہے کہ دعوٰی ہندہ کا ثابت ہے یا نہیں؟ اور شہادۃ شہود کافی ہے یا نہیں؟ اور عدالت نے جو وجوہات نامقبولی شہادت شہود بیان کئے ہیں صحیح ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں اگر دو۲ مرد یا ایک مرد دو عورتیں ثقہ عادل شرعی ہیں اور انھوں نے شہادت بروجہ شرع ادا کی تو دعوٰی طلاق ضرور ثابت ہے اور فیصلہ بحق مدعیہ کرنا واجب، عامہ وجوہ نامقبولی شہادات کہ فیصلہ میں مذکور ہوئیں اصلاً بے اصل و ناقابلِ قبول ہیں (جہالت تاریخ) شہود کے چھبیس۲۶ ستائیس۲۷ دن کہنے کو جہالت تاریخ قرار دینا **اوّلاً** سخت عجب ہے جبکہ صراحۃً تعیین تاریخ و یوم و ماہ سب کچھ ان کے کلام میں مذکور۔

ثانیاً روایت منقولہ فیصلہ دعوٰی ملک میں ہے طلاق کا اس پر قیاس باطل و مہجور۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر ایک شاہد نے کہا آج طلاق دی دوسرے نے کہا کل، طلاق ثابت ہے اور شہادت متقبل، بحرالرائق و اشباہ والنظائر و زواہر الجواہر و درمختار وغیرہا میں ہے،

قال احدھما طلقھا الیوم والاٰخر انھا طلقھا امس یقع الطلاق[1]

ایک گواہ نے کہا اس نے بیوی کو آج طلاق دی ہے دوسرے نے کہا اس نے گزشتہ روز طلاق دی ہے، تو طلاق ثابت ہوگی۔ (ت)

فتاوٰی صغرٰی و فصول عمادی و خزانۃ المفتین و جامع الفصولین و غایۃ البیان و فتاوی القرویہ

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۹۸

وردالمحتار آخر الوقف میں ہے:

لواختلف الشاهدان فی زمان او مکان او انشاء او اقرار او کان هذا الاختلاف فی قول محض کبیع و طلاق و اقرار و ابراء لایمنع القبول[1]

اگر دونوں گواہوں کا اختلاف زمان، مکان، انشاء اور اقرار میں ہوا اور گواہی کا تعلق کلام والے معاملہ سے جیسے بیع، طلاق، اقرار اور بری کرنے سے ہو تو یہ اختلاف گواہی کی قبولیت سے مانع نہ ہوگا۔ (ت)

خلاصہ و جامع الفصولین و بحرالرائق والقرویہ میں ہے:

الاختلاف فی زمان او مکان او انشاء و اقرار فی القول المحض لا یمنع قبولها مطلقا[2] اھ مختصرین۔

زمان، مکان یا انشاء و اقرار کا محض کلام والے معاملہ میں یہ اختلاف شہادت کی قبولیت کیلئے مانع نہ ہوگا اھ مختصرین (ت)

کافی ولسان الحکام و بحرالرائق میں ہے:

اذا اختلف الشاهدان فی الزمان او المکان فی البیع والشراء والطلاق والعتاق والوکالة والوصیة والرهن والدین والقرض والبراءة والکفالة والحوالة والقذف تقبل[3]

بیع شراء، طلاق، عتاق، وکالت، وصیت، رہن، دین، قرض، براءت، کفالہ، حوالہ اور قذف میں جب گواہوں کا اختلاف زمانہ یا مکان میں ہو تو شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۴۴
فتاوٰی القرویہ کتاب الشہادات الفصل الثامن دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/۳۹۹
جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۳

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/۱۶۴
فتاوی القرویہ کتاب الشہادات الفصل الثامن دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/۳۹۹
بحرالرائق 〃 باب الاختلاف فی الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۱۲

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
لسان الحکام الفصل الثالث فی الشہادات نوع فی الاختلاف فی الشہادۃ مصطفی البابی مصر [illegible]

معین الحکام میں ہے:

لو شھدا بالخلع او البیع او الھبۃ او الصدقۃ او الرھن او الصلح واختلفا فی المکان او الزمان قبلت[1]

اگر گواہی کا تعلق خلع، بیع، ہبہ، صدقہ، رہن یا صلح سے ہو اور دونوں گواہ مکان یا زمان میں اختلاف کریں تو شہادت مقبول ہوگی (ت)

جامع الفصولین و الفقرویہ میں دربارۂ اختلافِ تاریخ ہے:

الاختلاف فی القول لایمنع[2]

قولی معاملہ میں تاریخ کا اختلاف گواہی کی مقبولیت کے لئے مانع نہیں ہے (ت)

(عداوت دنیویہ) تفضل حسین خاں کا مدعا علیہ سے ترک سلام وکلام اولاً مہاجرت ہے اور مہاجرت وعداوت میں عموم وخصوص من وجہ، باپ اپنے بیٹے اور بھائی بھائی اور دوست دوست سے کسی بات پر کشیدہ ہوکر ترک سلام وکلام کرتا ہے مگر عداوت نہیں ہوتی ولھا نظائر فی عھد الصحابۃ بل و عھد النبوۃ مع قولہ تعالٰی رحماء بینھم (اللہ تعالٰی کے فرمان کہ "آپس میں رحم کرنے والے ہیں" کے باوجود صحابہ کرام بلکہ زمانۂ نبوت میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ ت) تو عام کو ایک خاص پر بلا دلیل حمل کردینا کیونکر صحیح، لاجرم شرح وہبانیہ لمصنف و لابن الشحنہ والشرنبلالی و لسان الحکام و درمختار وغیرہا میں ہے:

مثال العداوۃ الدنیویۃ ان یشھد المقذوف علی القاذف والمقطوع علیہ الطریق علی القاطع الطریق والمقتول ولیہ علی القاتل والمجروح علی الجارح وقد یتوھم بعض المتفقھۃ والشھود ان کل من خاصم شخصا فی حق یصیر عدوا ولیس کذلک بل العداوۃ تثبت

دنیاوی عداوت کی مثال متہم ہونے والے کی تہمت لگانے کے خلاف، ڈکیتی سے متاثر ہونے والے کی ڈاکو کے خلاف، مقتول کے ولی کی قاتل کے خلاف، مجروح ہونے والے کی جارح کے خلاف شہادت ہے، بعض فقیہ بننے والے اور بعض گواہ لوگوں کا خیال ہے کہ ہر مخاصمت والے کی ایک دوسرے کے خلاف عداوت قرار پاتی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ عداوت کا ثبوت ان صورتوں

---

[1] معین الحکام الباب الثالث عشر مصطفی البابی مصر ص ۱۰۷

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۴
فتاوی القرویۃ کتاب الشہادات الفصل الثامن دارالاشاعت العربیۃ قندھار افغانستان ۱/۳۹۹

بنحو ما ذکرت[1] اھ ملتقطا۔ کے سبب ہوتا ہے جیسے میں نے ذکر کی ہیں اھ ملتقطا (ت)

ثانیاً مہاجرت کو عداوت ہی مانئے تو دنیویہ کا کیا ثبوت۔ مسلمان کے اقوال افعال کو مہما امکن محمل حسن پر اتارنا واجب کما نطقت بہ الاٰیات والاحادیث (جیسا کہ آیات واحادیث نے اسے بیان کیا ہے۔ت) کیا یہ مہاجرت اس بناء پر ناممکن کہ مدعا علیہ نے تین طلاقیں دفعۃً دیں اور یہ شرعاً حرام، تو بوجہ ارتکاب معصیت اس سے مہاجرت کی فیکون من الدین لا للدنیا وھو لایمنع القبول کما نص الفحول (تو وہ دین کے متعلق ہوگی نہ کہ دنیوی، جبکہ یہ مانع نہیں ہے جیسا کہ بڑوں نے اس پر نص کی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

تقبل من عدو بسبب الدین لانھا من التدین[2]۔ دین کے سبب عداوت والے کی شہادت مقبول ہے کیونکہ یہ دین پسندی ہے۔(ت)

ثالثاً دنیویہ ہی سہی مگر ہمارے تمام ائمہ کے اصل مذہب منصوص علیہ میں ہر عداوت دنیویہ مطلقاً مانع شہادت نہیں جب تک موجب فسق نہ ہو منع مطلق امام شافعی کا مذہب ہے نہ کہ ہمارے ائمہ کا، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ وقتِ اختلاف ترجیح ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب کما فی البحر والدر والخیریۃ ورد المحتار وغیرھا من معتمدات الاسفار (جیسا کہ بحر، در، خیریہ، رد المحتار وغیرہا قابل اعتماد کتب میں ہے۔ت) نہ کہ جہاں روایت وہی ہو وہاں غیر کی طرف کیونکر مصیر، رد المحتار میں ہے:

بقی ھنا تحقیق وتوفیق وھو انہ ذکر فی القنیۃ ان العداوۃ الدنیویۃ لاتمنع قبول الشہادۃ ما لم یفسق بھا وانہ الصحیح وعلیہ الاعتماد وان ما فی المحیط والواقعات من ان شہادۃ العدو علی عدوہ لاتقبل اختیار المتاخرین والروایۃ

یہاں تحقیق اور توفیق باقی ہے وہ یہ کہ قنیہ میں مذکور ہے کہ عداوت دنیوی میں جب تک فاسق نہ ہوجائے اس کی شہادت قبول ہوگی، اور کہا کہ یہ صحیح ہے اور اس پر اعتماد ہے، جبکہ محیط اور واقعات میں یہ بیان ہے کہ دشمنی والے کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت قبول نہ ہوگی یہ متاخرین کا

---

[1] لسان الحکام الفصل الثالث مصطفی البابی مصر ص ۲۴۳-۲۴۴

[2] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

المنصوصة تخالفها وانه مذهب الشافعی وقال ابوحنیفة رحمه الله تعالٰی تقبل اذاکان عدلا وفی المبسوط ان کانت دنیویة فھذا یوجب فسقه فلا تقبل شهادته اھ ملخصاً والحاصل ان فی المسألة قولین معتمدین احدھما عدم قبولها علی العدو وھذا اختیار المتاخرین وعلیه صاحب الکنز و الملتقی، ثانیهما انها تقبل الا اذا فسق بها واختارہ ابن وھبان وابن الشحنة اھ مختصراً۔

کا مختار ہے حالانکہ منصوص روایت اس کے خلاف ہے، اور کہا کہ یہ امام شافعی کا مسلک ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ شہادت قبول ہوگی جب وہ عادل ہو، اور مبسوط میں ہے کہ جب دنیوی عداوت ہو تو یہ موجب فسق ہے تو مقبول نہ ہوگی اھ ملخصاً، اور حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دو معتمد قول ہیں، ایک یہ کہ عدالت والوں کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت نامقبول ہے اور یہ متاخرین کا مختار ہے اور اسی پر صاحبِ کنز و ملتقٰی کا اعتماد ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ عداوت والوں کی شہادت مقبول ہے تاوقتیکہ وہ فاسق نہ ہوجائیں، اور اس کو ابن وہبان اور ابن شحنہ نے اختیار کیا ہے اھ مختصراً۔ (ت)

کنزالروس میں ہے:

شهادة العدو علی عدوہ لا تقبل لانه متهم وقال ابوحنیفة تقبل اذا کان عدلا قال استاذنا وھو الصحیح و علیه الاعتماد لانه اذا کان عدلا تقبل شهادته وان کان بینهما عداوة بسبب امر الدنیا اھ[2] اثرہ فی البحر۔

عداوت والے کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت مقبول نہیں کیونکہ وہ محلِ تہمت ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جب عادل ہوں تو مقبول ہے، اور ہمارے استاد نے فرمایا یہی صحیح ہے اور اسی پر اعتماد ہے کیونکہ جب عادل ہو تو اس کی شہادت مقبول ہے اگرچہ ان میں دنیوی عداوت ہو اھ، اور بحر میں اسے نقل کیا ہے (ت)

شرح وہبانیہ ولسان الحکام میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۱
[2] بحرالرائق بحوالہ کنزالروس کتاب الشہادات باب من تقبل شہادتہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۸۶

شهادة العدو على عدوه الصحيح انها تقبل سواء کانت العداوة دینیة او دنیویة فانها لاتقدح فی العدالة[1]

صحیح یہ ہے کہ عداوت والے کی شہادت مقبول ہے خواہ یہ عداوت دینی ہو یا دنیوی، کیونکہ یہ عدالت کو متاثر نہیں کرتی۔ (ت)

رابعاً وباللہ التوفیق، نظر تدقیق میں تحقیق یہ ہے کہ علمائے متاخرین بھی مطلقاً رنجش کو مسقط شہادت نہیں کہتے جب تک اس حد تک نہ پہنچے کہ قلب وعقل ایمانی پر مستولی ہو کر عدالت انسان عادل پر غالب آجائے جس کے باعث باآنکہ اس کی عدالت ثابت، یہاں جھوٹی گواہی دینے کا مظنہ پیدا ہوا اور اس شخص کے معاملۂ خاص میں اس کے صدق وعدالت پر اطمینان نہ رہے، ان کی تعلیلات اس معنی پر شاہد عدل ہیں، خود فیصلہ میں امام عینی سے نقل کیا:

لایؤمن من التقول علیہ[عـہ]۔

جھوٹ والے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ (ت)

اسی طرح بحرالرائق و درمختار وغیرہما میں ہے، اور اب یہ مذہب منصوص سے چنداں بعید نہیں وہاں فسق حاضر و ظاہر پر بنائے کار ہے یہاں فسق مظنون وخفی وارتفاع امان پر، اور اس کی نظیر اس کی ضد یعنی محبت ہے کہ وہ بھی جب اس درجہ تک بالغ ہو کہ اس کے معاملہ میں متہم ہو جائے تو اس کے نفع میں اس کا قول مقبول نہیں اصل محبت بالاجماع مانع شہادت نہیں کما سیأتی (جیسا کہ آگے آئے گا۔ ت) یونہی اصل عداوت تو حاصل حکم یہ ٹھہرا کہ اگر عداوت نے بالفعل فاسق کردیا تو بالاتفاق اس کی شہادت اس دشمن اور اس کے غیر سب کے معاملہ میں مطلقاً مردود، اور اگر اس مرتبہ قوت پر ہے کہ گو فی الحال مرتکب فسق نہ ہوا مگر اس کے معاملہ میں عداوت کا پلہ عدالت پر غالب ہے تو غیر عدو کے بارے میں بالاتفاق مسموع، اور خاص عدو کے ضرر پر اختیار متاخرین میں نامقبول، اور اگر ایسا نہیں تو مطلقاً اتفاقاً مقبول،

ھذا ھو التحقیق الذی یعطیہ کلامھم ویشدہ الدلیل فعلیہ فلیکن التعویل۔

تحقیق یہی ہے جو ان کے کلام سے حاصل ہوئی اور دلیل اس کی تائید کرتی ہے اس پر اعتماد چاہئے۔ (ت)

عـہ یہ عبارت اندازہ سے بنائی گئی۔

---

[1] لسان الحکام الفصل الثالث مصطفی البابی مصر ص ۲۴۳

تو عند التحقیق مجرد اس اظہار تفضل حسین خاں سے عداوت بالغہ مان لینا کسی قول پر صحیح نہیں جب تک اس کی ترجیح جانب عدالت پر ثابت نہ کی جائے ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق (تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت)

(طرفداری) غلام ناصر خاں کا کہنا جو کچھ کوشش اور پیروی ہوسکے گی کروں گا اگر اس بناء پر مانع قبول مانئے کہ جو کسی کام میں کوشش و پیروی کرے مطلقاً مردود و مثل نفس مخاصم ہے تو بداہۃً باطل کہ اس میں سرے سے شہادت کا دروازہ ہی بند ہوتا ہے نفس شہادت ہی مشہود لہ کیلئے کوشش اور اس کے کام کی پیروی ہے کما تشھد بہ اللام فی شھد لہ (جیسا کہ "شھد لہ" کا لام اس کی گواہی دیتا ہے۔ت) اور اگر اس بناء پر کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خواہ مدعیہ حق پر ہو یا باطل پر، ہر طرح میں اسی کا ساتھ دوں گا، تو کلام میں ہرگز اس کا ذکر نہیں اور از پیش خویش معنی فاسد پر حمل کرکے جو اعتراض ہو وہ اپنے حمل پر ہے نہ کہ اصل قول پر، کیوں نہ کہئے کہ ہو سکنے سے اس کے کلام میں امکان شرعی مراد، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ۔[1] رواہ الامام احمد ومسلم فی صحیحہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

تم میں سے جس سے ہوسکے کہ اپنے بھائی کو نفع دے تو دینا چاہئے (اسے امام احمد و مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

جو معنی "ہوسکنے" کے یہاں ہیں وہی وہاں۔ لفظ طرفداری کلام غلام ناصر خاں میں ہے بھی نہیں، کلام غلام محی الدین خاں میں ہے، عندالانصاف وہ بھی اسی قیاس پر ہے اس نے ہرگز نہ کہا کہ مدعیہ حق پر ہو یا ناحق پر، میں ہر طرح اس کا طرفدار ہوں گا، اور امر حق میں طرفداری نہ ممنوع نہ مانع قبول، ورنہ وہی سدباب شہادت لازم آئے۔ علماء جو مخاصم مقدمہ کی شہادت نامقبول بتاتے ہیں جسے مجوز فیصلہ نے ایک روایت محض بیگانہ پر محمول کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود فریق مقدمہ ہو جیسے شریک یا وکیل یا نابالغ کا وصی، نہ یہ کہ مطلقاً معین کو مخاصم و فریق مقدمہ بنا دیجئے، بدائع پھر بحر پھر ردالمحتار میں ہے:

شرط اداء الشہادۃ ان لایکون خصما

شہادت ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس معاملہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۲۴

فلا تقبل شہادۃ الوصی للیتیم والوکیل لموکلہ[1]

میں گواہ کی مخاصمت نہ ہو، تو وصی کی یتیم کے حق میں اور وکیل کی موکل کے حق میں شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

شرح وہبانیہ للمصنف و لسان الحکام و بحرالرائق میں ہے:

لوخاصم الشخص آخر فی حق لا تقبل شہادتہ علیہ فی ذٰلک الحق کالوکیل لا تقبل شہادتہ فیما ھو وکیل فیہ، و الوصی لا تقبل شہادتہ فیما ھو وصی فیہ والشریک لا تقبل شہادتہ فیما ھو شریک فیہ و نحو ذٰلک[2]

اگر کوئی کسی حق میں دوسرے سے مخاصم ہے تو اس حق میں ایک دوسرے کے خلاف شہادت مقبول نہ ہوگی، جیسا کہ وکیل کی شہادت اس کی وکالت والے معاملہ میں اور وصی کی جس معاملہ میں وہ وصی ہے اور شریک کی جس میں اس کی شرکت ہے، قبول نہ ہوگی۔ (ت)

ہر ذی عقل جانتا ہے کہ ایک دوست خالص اپنے سچے دلی دوست کا ضرور طرفدار ہوتا ہے خصوصاً حقیقی بھائی پھر باتفاق علماء دوست و برادر کی شہادت یقیناً مقبول و مسموع ہے جب تک دوستی اس حد کو نہ پہنچے کہ ایک دوسرے کے مال میں نہ صرف زبانی بلکہ واقعی اپنے مال کی طرح جو چاہے بے تکلف تصرف کرے۔ معین الحکام و فتاوٰی تمرتاشی و درمختار میں ہے:

اما الصدیق لصدیقہ فتقبل الا اذا کانت الصداقۃ متناھیۃ بحیث یتصرف کل فی مال الاٰخر[3]

لیکن دوست کی دوست کے حق میں شہادت مقبول ہوگی بشرطیکہ وہ دوستی انتہائی جس میں وہ ایک دوسرے کے مال میں بلا اجازت تصرف کرتے ہوں، نہ ہو۔ (ت)

کنز وغیرہ عامہ متون میں ہے:

تقبل لاخیہ وعمہ و ابویہ رضاعا و ام امرأتہ و بنتھا و زوج بنتہ و

بھائی، چچا، والدین رضاعی، بیوی کی ماں، بیوی کی پہلے خاوند سے بیٹی، داماد، والد کی بیوی

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

[2] لسان الحکام الفصل الثالث مصطفی البابی مصر ص ۲۴۴

[3] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

امرأة ابنه وابيه[1]

اور والد کے بیٹے (علاتی بھائی) کے حق میں شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر گواہ مقدمہ میں مدعا علیہ سے لڑیں جھگڑیں شہادت کو ضرر نہیں جبکہ عادل ہوں اس سے زیادہ اور کیا طرفداری ہوگی۔ خزانۃ الفتاوٰی و بحرالرائق و درمختار میں ہے:

تخاصم الشهود والمدعى عليه تقبل لو عدولا[2]

مدعٰی علیہ اور گواہوں کی مخاصمت ہو تو گواہی مقبول ہے بشرطیکہ گواہ عادل ہوں۔ (ت)

تنبیہ: مسئلہ برادر تمام متون وعامہ شروح وفتاوٰی میں یونہی اطلاق وارسال پر ہے قنیہ میں اسے اس قید سے مقید کیا کہ ایسا نہ ہو کہ مقدمہ نے بہت طول کھینچا اور یہ بھائی اپنے بھائی کی حمایت میں برسوں سے اس مقدمہ کی پیروی وکوشش ومخاصمہ وکاوش میں رہا، اب اگر اس مقدمہ میں بھائی کیلئے گواہی دے گا مقبول نہ ہوگی کہ اس ممتد کارروائی نے گویا اسے مثل مخاصم کردیا۔ علامہ ابن وہبان نے نظم الفرائد میں اسے بلفظ قیل نقل کیا اور شرح میں قیاسًا فرمایا کہ باقی اقارب واجانب کا بھی یہی حکم ہو جبکہ برسوں پیروی مقدمہ کرچکے ہوں۔ بحرالرائق میں ہے:

فی القنیة امتدت الخصومة سنین ومع المدعی اخ وابن عم یخاصمان له مع المدعی علیه ثم شهدا له فی هذه الخصومة بعد هذه الخصومات لاتقبل شهادتهما اھ وذکر ابن وهبان وقیاس ذلك ان یطرد ذلك فی کل قرابة وصاحب تردد مع قرابته او صاحبه الی المدعی فی الخصومة سنین و یخاصم له

قنیہ میں ہے کئی سال تک مدعی کی حمایت میں اس کا بھائی اور چچازاد، مدعٰی علیہ کے خلاف مخاصمت میں شریک ہیں پھر وہ بھائی اور چچازاد اسی مخاصمت کے مقدمہ میں مدعی کے حق میں گواہی دیں تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی اھ، ابن وہبان نے ذکر کیا ہے کہ یہ قاعدہ ہر قرابت میں جاری ہوگا اور اپنے قریبی کے تردد اور مدعی کی مصاحبت میں کئی سال سے شامل ہے اور مدعی کے حق میں مدعی کے ساتھ

---

[1] کنز الدقائق کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۰

[2] بحرالرائق کتاب الشہادات باب من تقبل شہادتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۹۳

درمختار " " باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

ومعه على المدعى ثم يشهد له بعد ذلك فانه ينبغى ان لا تقبل والفقه فيه انه لما طال التردد مع المخاصم والمخاصمة له مع المدعى عليه صار بمنزلة الخصم للمدعى عليه اھ[1]۔

مدعا علیہ کے خلاف مخاصمت کر رہا ہے پھر وہ مدعی کے حق میں اس تردد اور مخاصمت میں گواہی دے تو اسے قبول کرنا مناسب نہیں اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب مدعی کے حق میں مدعی علیہ کے خلاف طویل مدت شریک رہا تو وہ گویا خود مدعی علیہ کے خلاف مخاصم بن گیا اھ (ت)

وہبانیہ میں ہے:

وقد قیل لابن العم والاخ لم یجز
اذا خاصما معه سنینا واخروا[2]

(چچازاد اور بھائی کے متعلق بیشک یہ کہا گیا ہے کہ جب مدعی کے حق میں کئی سال کے بعد تک وہ مدعا علیہ کے خلاف مخاصم رہے ہوں تو ان کی گواہی مدعی کے حق میں جائز نہیں ہے۔ ت)

پر ظاہر کہ یہاں یہ صورت بھی نہیں تو صرف اتنی بات پر شہود کو خصم ٹھہرا دینا محض بے اصل ہے۔

(**اختلافات**) کہ بیان شہود میں پیدا کئے ان میں کوئی اصلاً صالح التفات نہیں۔

اولاً تفضل حسین خاں نے اپنی بی بی کا پرورش کرنا بتایا غلام ناصر خاں نے تفضل حسین خاں کا یہ کیا اختلاف ہوا ممکن کہ تربیت مباشرۃً امراؤ بیگم نے کی اور مال ورضا جانب تفضل حسین خاں سے، تو بلحاظ مباشرت اس سے نفی اور بنظر مال و اجازت اس کے لئے اثبات دونوں حق ہیں۔

قال الله تعالٰی وما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمٰی[3] فتح الامیر الحصن ولم یفتح ھو بل العسکر کل صحیح کما قد علم فی محله۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب آپ نے مارا آپ نے نہ مارا لیکن اللہ تعالٰی نے مارا۔ امیر نے قلعہ فتح کیا، اس نے فتح نہ کیا بلکہ لشکر نے فتح کیا، یہ کلام ہر طرح صحیح ہے، جیسا کہ وہ اپنے محل میں معلوم ہے۔ (ت)

ایسے امور کا صاحب خانہ کی طرف نسبت کرنا شائع و ذائع ہے لانه الاصل وعن رأیه یصدر (کیونکہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۹۳

[2] الوہبانیۃ

[3] القرآن الکریم ۸/ ۱۷

صاحب خانہ اصل اور صاحب رائے ہے۔ت) اور اختلاف غلام ناصر خاں و غلام محی الدین خاں کا ادعا سخت ہی تعجب خیز ہے کلام محی الدین میں بگا کو ندا کی نفی بھی تو نہیں صرف عدم ذکر ہے وہ ذکر عدم کیونکر ہوا، رب العزت جل وعلا نے سورۂ نمل میں فرمایا:

یٰموسٰی لاتخف انی لا یخاف لدی المرسلون[1]	اے موسٰی علیہ وعلٰی نبینا الصلوٰۃ والسلام، مت خوف کرو، میں وہ ذات ہوں کہ میرے ہاں رسولوں کو خوف نہیں ہوتا۔ (ت)

اور سورۂ قصص میں ہے:

یٰموسٰی اقبل ولا تخف انک من الاٰمنین[2]	اے موسٰی علیہ السلام! آگے بڑھو اور خوف نہ کرو، آپ امن والوں میں سے ہیں۔ (ت)

اور سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا:

قال خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولٰی[3]	فرمایا اسے پکڑو اور خوف نہ کرو ہم اس کو عنقریب پہلی حالت پر پھیریں گے۔ (ت)

ان دونوں سورتوں میں ذکر ندا ہے، یہاں نہیں بلکہ جملہ لاتخف کے سوا ہر جگہ نیا کلام نقل فرمایا ہے، کلن خاں اور ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم کے بیانوں میں اختلاف گمان کرنا محض قلت تدبر سے ناشی ہے۔ سائل سے استفسار پر واضح ہوا کہ کلن خاں غیر شخص ہے بگا بیگم اس سے چھپتی ہے وہ دالان میں تھی اور یہ دروازے میں۔ اب دونوں بیان صاف صاف حق و صحیح ہیں بے غوری کے باعث یہ گمان ہُوا کہ دروازے کا لفظ دونوں کلام میں بگا بیگم سے متعلق ہے یعنی کلن خاں کہتا ہے بگا بیگم نے دروازے میں آکر مجھ سے کہا ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم کہتی ہیں بگا بیگم نے دالان میں سے کہا دروازے میں کچھ نہ کہا حالانکہ حقیقۃً عورات کے بیان میں تو یہ لفظ بگا بیگم کی طرف ناظر ہے جس طرح مجوز نے سمجھا اور کلن خاں کے کلام میں خود کلن سے متعلق ہے یعنی میں دروازے میں تھا کہ بگا بیگم نے مجھ سے کہا ایسی ظرف متکلم و مخاطب دونوں کے لئے محتمل و مستعمل ہوتی ہے زید نے مجھ سے مسجد میں کہا اس کے یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ زید مسجد میں تھا جو اس نے مجھ سے

---

[1] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۰
[2] " " ۲۸/ ۳۱
[3] " " ۲۰/ ۲۱

کہا اور یہ بھی کہ میں مسجد میں تھا کہ اس نے کہا و لہذا قرائن سے ایک معنی کی تعیین کرتے ہیں مثلاً قسم کھائی کہ تجھے مسجد میں گالی نہ دُوں گا، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں جس وقت مسجد میں ہوں گا تجھے گالی نہ دوں گا و لہذا اگر وہ شخص مسجد میں ہُوا اور اس نے باہر سے گالی دی حانث نہ ہوگا اور اگر قسم کھائی کہ تجھے مسجد میں ماروں گا تو اس کے یہ معنی کہ جب تُو مسجد میں ہوگا تجھے نہ ماروں گا و لہذا اگر وہ شخص بیرونِ مسجد ہے اور اس نے مسجد میں سے اسے مارا قسم نہ ٹوٹے گی۔ اشباہ میں ہے:

قال ان شتمته فی المسجد او رمیت الیه فشرط حنثه کون الفاعل فیه وان ضربته او جرحته او قتلته او رمیته کون المحل فیه۔[1]

اگر کسی نے کہا میں اسے مسجد میں گالی دُوں یا مسجد سے اسے تیر ماروں، اس کی قسم ٹوٹنے کی شرط یہ ہے کہ فاعل مسجد میں ہو اور اگر کہا میں اس کو ضرب لگاؤں یا زخمی کروں یا قتل کروں یا تیر ماروں تو پھر شرط یہ ہے کہ مفعول مسجد میں ہو۔ (ت)

ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم کے بیان میں احتمال اول مقصود ہے اور کلن خاں کے بیان میں دوم و لہذا اس نے دالان و دروازہ کا فاصلہ بتایا کہ تین چار ہی گز ہے جس کے سبب بگا بیگم نے دالان میں سے جو بات کی میں نے دروازے میں سُنی۔ یہ توجیہ تحقیق ہے اور بالفرض اس سے قطع نظر بھی کیجئے اور دونوں کلام میں ظرف کو بگا بیگم ہی کے واسطے قرار دیجئے تاہم وہ دونوں بیان بداہۃً بگا بیگم کے دو کلاموں کے حکایت ہیں ایک میں کلن خاں مخاطب تھا کہ تم کو گواہی دینا ہوگی دوسرے میں اور لوگ کہ تم سب اور کلن خاں کو گواہی دینی ہوگی وہ کلن خاں سے کہا تھا یہ اس کے جانے کے بعد تو ایک کا دروازہ دوسرے کا دالان میں ہونا کیا محال ہے نہ ہرگز شرط شاہد ہے کہ اس تمام جلسے میں جس سے جو بات اصل امر سے زائد بھی کہی جائے اس سب کو اس کا علم محیط اور اس کے حفظ میں حاضر ہو، یہیں سے سلام علیک کہنے نہ کہنے کا جواب ظاہر معہذا ممکن کہ تفضل حسین خاں جب دروازے پر مدعا علیہ کو بلانے گیا اس نے اس سے سلام علیک نہ کی پھر یہ اس کے بعد مکان میں آیا اس نے سلام علیک کرتے نہ دیکھا اپنے عدم علم کی بناء پر نفی کی اور غلام محی الدین خاں نے دیکھا لہذا اپنے علم کی بنا پر اثبات، ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم و تفضل حسین خاں و غلام محی الدین خاں کے بیان میں جو مکالمۂ زن وشو کے حکایات ہیں ان کا حاصل کہیں مختلف و متنافی نہیں اسے اختلاف بتانے کے رد میں وہی تین آیتیں کہ ابھی تلاوت کی گئیں

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الایمان ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۷۷

اور قرآن عظیم کے عامۂ قصص اور تمام احادیث منقولہ بالمعنی و بزیادت ونقص رواۃ جن کے تودہ تودہ نظائر صحیح بخاری کے اور ابواب اور صحیح مسلم کے ایک ہی سیاق میں مل سکتے ہیں کافی ووافی ۔ کوئی عاقل اسے اختلاف نہیں کہہ سکتا۔ رہا غلام ناصر خاں وغلام محی الدین خاں کا اختلاف، ممکن کہ واقع میں غلام ناصر خاں پہلے چلاگیا ہو غلام محی الدین خاں نے اسے جاتے نہ دیکھا استصحاباً کہا وہیں چھوڑ آیا تھا۔

ثانیاً بالفرض اگر یہ سب اختلاف مسلّم بھی ہوں تو زائد وفضول ولغو وبیکار باتوں میں تفاوت اصلاً لائق التفات نہیں بگا بیگم کو تفضل حسین خاں نے پرورش کیا یا اس کی زوجہ نے مدعا علیہ نے طلاق دینے میں "اے بگا" کہا یا بے ندا اس سے خطاب کیا، اس نے امراؤ بیگم وغیرہا سے سلام علیک کی یا نہ کی، غلام محی الدین خاں پہلے اٹھ گیا یا غلام ناصر خاں، بگا بیگم نے کلن خاں سے دروازے میں کچھ کہا یا نہیں، بجواب عباس علی خاں جب تک ضامن نہ آئیں جانے سے انکار ان لفظوں سے ادا کیا یا ان سے ان میں کون سی بات کی نفی یا اثبات طلاق دینے نہ دینے سے تعلق یا معاملہ پر کچھ اثر رکھتی ہے تو ایسی مہملات پر نظر کے کوئی معنی نہیں ۔ وجیز امام کردری میں ہے :

التناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر اصلہ فی الجامع الصغیر الخ[1]

غیر ضروری کے متعلق تناقض مضر نہیں، اس کی اصل جامع الصغیر میں ہے الخ (ت)

جامع الفصولین فصل ۱۱ میں ہے :

القاضی لوسأل الشھود قبل الدعوی عن لون الدابۃ فقالوا کذا، ثم عند الدعوی شھدا بخلاف ذٰلک اللون تقبل لانہ سأل عما لایکلف الشاھد بیانہ فاستوی ذکرہ وترکہ ویخرج منہ مسائل کثیرۃ[2]۔

قاضی نے اگر دعوٰی سے قبل گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا تو انھوں نے کوئی رنگ بتایا پھر قاضی نے دعوٰی کے موقعہ پر ان سے سوال کیا تو انھوں نے دُوسرا رنگ بتایا یہ شہادت مقبول ہوگی کیونکہ قاضی نے ان سے ایسی چیز کا سوال کیا جس کے بیان کے وہ پابند نہیں تو ایسی چیز کا ذکر کرنا نہ کرنا مساوی ہے اس ضابطہ سے بہت سے مسائل کی تخریج ہوئی ہے ۔ (ت)

خلاصہ وہندیہ میں ہے :

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۵۱

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۰

لوسأل القاضی الشهود عن لون الدابة وذکروا ثم شهدوا عند الدعوٰی و ذکروا الصفة علی خلافه تقبل و التناقض فیما لایحتاج الیه لایضر[1]

اگر قاضی نے گواہوں سے جانور کے رنگ کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کوئی رنگ بتایا پھر دعوٰی کے موقعہ پر انھوں نے کوئی دوسرا رنگ بتایا تو شہادت مقبول ہوگی کیونکہ غیر ضروری چیز میں تناقض مضر نہیں ہے (ت)

خانیہ و بحرالرائق و ظہیریہ و عالمگیریہ میں ہے:

لواختلفا فی الثیاب التی کانت علی الطالب والمطلوب اوالمرکب اوقال احدھما کان معنا فلان وقال الاٰخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انه یجوز لاتبطل ھذہ الشھادة[2]

اگر گواہوں نے طالب، مطلوب یا سواری کے جانور پر کپڑے میں اختلاف کیا یا ایک نے کہا فلاں ہمارے ساتھ تھا اور دوسرے نے کہا وہ ہمارے ساتھ نہ تھا اصل (مبسوط) میں مذکور ہے کہ یہ شہادت جائز ہے اور اسے باطل نہ کہا جائیگا (ت)

فتاوٰی قاعدیہ و فتاوٰی القرویہ میں ہے:

قال الشھادة لوخالفت الدعوٰی بزیادة لایحتاج الی اثباتھا او بنقصان کذلك فان ذٰلك لایمنع قبولھا مثاله لوشھدا علی اقرارہ بمال فقالا اقر فی یوم کذا والمدعی لم یذکر الیوم اوشھدا ولم یؤرخا والمدعی ارخ، اوشھدا انه اقر فی بلد کذا وقد اطلق المدعی، اوذکر المدعی المکان ولم یذکراہ

فرمایا اگر شہادت کسی غیر ضروری اضافہ یا نقصان کی وجہ سے دعوٰی سے مختلف ہوجائے تو گنجائش ہے کہ اس کی قبولیت سے انکار نہ کیا جائے مثلاً گواہوں نے ایک شخص کے اقرار بالمال کی شہادت دیتے ہوئے کہا اس نے فلاں روز اقرار کیا حالانکہ مدعی نے اس دن کا ذکر نہ کیا یا یوں کہ مدعی نے اپنے دعوٰی میں کوئی تاریخ ذکر کی اور گواہوں نے وہ تاریخ نہ ذکر کی یا یہ کہ گواہوں نے کسی شہر کا ذکر کیا حالانکہ مدعی نے کسی شہر کو ذکر نہ کیا یا یہ کہ مدعی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰

[2] بحرالرائق " " باب الاختلاف فی الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۳

فتاوٰی ہندیہ " " الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

او ذکر المدعی مکانا وھما سمیا غیر ذلک المکان، اوقال المدعی اقر وھو راکب فرس اولابس عمامۃ، وقالا اقر وھو راجل اوراکب حمار اولابس قلنسوۃ واشباہ ذلک فانہ لایمنع القبول لان ھذہ الاشیاء لایحتاج الی اثباتھا فذکرھا والسکوت عنھا سواء وکذا لووقع مثل ھذا التفاوت بین الشھادتین لایضر[1]

نے جگہ کا ذکر کیا اور گواہوں نے وہ جگہ ذکر نہ کی، یا یہ کہ مدعی نے جگہ کا ذکر کیا اور گواہوں نے کسی دوسری جگہ ذکر کیا یا یہ کہ مدعی نے دعوٰی میں کہا کہ گھوڑے پر سواری کی حالت میں اقرار کیا یا عمامہ پہنے ہوئے اقرار کیا اور گواہوں نے پیدل یا گدھے پر سواری کی حالت میں یا ٹوپی پہننے کی حالت وغیرہ کا، تو ان غیر ضروری امور میں اختلاف گواہی کی قبولیت کے لئے مانع نہ ہوگا، کیونکہ یہ چیزیں وُہ ہیں جن کا اثبات ضروری نہیں ہے تو ان کا ذکر اور عدم ذکر مساوی ہے اور یونہی اگر اس قسم کا اختلاف دونوں گواہوں کی شہادت میں ہو تو مضر نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ علماء تو معاملہ طلاق وعتاق میں نفس الفاظ ایقاع کے اختلاف لسانی کو نظر انداز کرتے ہیں ایک گواہ کہے زید نے اپنی زوجہ سے کہا انت طالق یا غلام سے انت حر، دوسرا کہے طلاق دادمت کہا یا آزادت کردم، یا ایک کہے زید نے اس وقت عربی میں کلام کیا تھا دوسرا کہے کہ فارسی میں، ان سب صورتوں میں شہادت مقبول ہے اور طلاق وعتاق ثابت، پھر ان بالائی لغویات کا لحاظ یعنی چہ۔ درمختار میں ہے:

شھد احدھما انہ قال لعبدہ انت حر والاٰخر انہ قال آزادی تقبل[2]

اگر ایک نے شہادت دی کہ اس نے اپنے غلام کو "انت حرٌ" (عربی) اور دوسرے گواہ نے کہا کہ اس نے غلام کو فارسی میں آزاد کہا گواہی قبول ہوگی۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

شھد احدھما انہ اعتق بالعربی والاٰخر بالفارسی تقبل[3]

ایک نے شہادت دی کہ اس نے غلام آزاد کرتے ہوئے عربی میں اور دوسرے نے شہادت میں کہا کہ اس نے فارسی میں کہا، شہادت مقبول ہوگی (ت)

---

[1] فتاوٰی القرویۃ بحوالہ الفتاوی القاعدیۃ کتاب الشہادات دارالاشاعۃ العربیہ قندھار ۱/ ۹۵-۲۹۴

[2] درمختار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۸

[3] البحرالرائق کتاب الشہادات باب الاختلاف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱-۱۱۰

اشباہ میں ہے :

شهد احدهما انه اعتقه بالعربية والأخر بالفارسية تقبل بخلاف الطلاق والاصح القبول فيهما[1]

ایک نے شہادت دی کہ اس نے عربی میں، اور دوسرے نے شہادت دی کہ اس نے فارسی میں آزاد کہا، مقبول ہوگی بخلاف طلاق کے، لیکن صحیح یہ ہے کہ عتاق وطلاق دونوں میں مقبول ہے۔ (ت)

ثالثاً اصل شہادت میں اتفاق شافی ووافی کے بعد بعض فضولیات میں ایسے مؤثر ہلکے آسان اختلافوں کو جنھیں معاملے سے کچھ تعلق نہ ہو دستاویز بناکر شہادت متفقہ کو رد کر دینے کا اگر فتح باب ہو تو عامۂ حقوق ضائع ہوجائیں، ظالمین اموال وفروج پر دسترس پائیں، مظلوم اپنے حق سے محروم رہ جائیں، کچہریاں صرف اعانت ظلمہ کے صیغے نظر آئیں کہ انسان نسیان کے لئے ہے اور زوائد ضائعہ کی طرف نہ ذہن ابتداءً التفات تام کرتا ہے نہ حافظہ انتہاءً ان کا اہتمام ایسی کسی بات میں ایک آدھ اختلاف ہوجانا نادر نہیں بلکہ کثیر و غالب ہے خصوصاً اس بدعت شنیعہ کے ہاتھوں جو آجکل کے وکلائے اتلاف حقوق وتکذیب صدوق کے لئے تراشی اور قضاۃ نے اس پر تقریر کی کہ محض براہ مغالطہ شہود کا بیان متزلزل کر دینے کے لئے صدہا سوالات فضول ومہملات سُوسُو طرح کے پیچ دے کر کرنے اور شرع نے جن کے الزام کا حکم دیا جنھیں ذریعہ دادرسی مظلوم بنایا ان کے اغواو تضلیل وازلال وتذلیل میں کوئی دقیقہ نامرعی نہیں رکھتے اس بیہودہ بے معنی کشاکش پریشان کن میں آدمی کے آئے جو الس جاتے ہیں خصوصاً نساء وضعفا وارباب سلامت صدر اور وہ لوگ جنھیں کچہریوں کا اتفاق کم ہوا کہ یہ تو ان حضرات کے مسخرہ ودستمال ہیں جب فہرست شہود میں ایسوں کا نام پاتے ہیں براہِ تفاخر فرماتے ہیں وہ بہت سیدھے مسلمان ہیں دیکھنا دو سوالوں میں بول جائیں گے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بھولا راستباز جھوٹا ٹھہرتا ہے اور جھوٹا فسوں کار سچا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

المؤمن غر كريم والفاجر خب لئيم[2]۔ رواه ابوداؤد والترمذی والحاكم بسند جيد عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه۔

مومن کریم ہونے کی بناء پر دھوکا کھاتا ہے اور فاجر شخص قابلِ ملامت ہونے کی وجہ سے دھوکا باز ہوتا ہے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور حاکم نے جید سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الدعوٰی والشہادات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۴۵

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۶۰

وہاں ایسے کسی اختلاف یسیر کا بھی اصلاً واقع نہ ہونا ہے تعجب ہے تو ان پر نظر کا حاصل سوا اضاعت حقوق و اعانت عقوق کے اور کیا قرار پا سکتا ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی، پُرظاہر کہ اس میں حرج صریح ہے اور حرج بنص قطعی مدفوع۔ جامع الفصولین میں ہے:

عدم القبول فی امثالہ یفضی الی الحرج والتضییق وتضییع کثیر من الحقوق وامرنا بیسر لا بعسر والحرج مدفوع شرعاً[1]

ایسی صورتوں میں قبول نہ کرنا حرج، تنگی اور بہت سے حقوق کے ضیاع کا سبب بنتا ہے جبکہ ہمیں یُسر کا حکم ہے تنگی اور دشواری پیدا کرنے کا حکم نہیں نیز حرج شرعاً مدفوع ہے۔ (ت)

(روایت نادرۂ ابی یوسف) کو مذہب امام ابویوسف کہنا کس قدر خلاف فقاہت ہے نہ قاضی و مفتی کو اس پر عمل و حکم کی اجازت۔ جامع صغیر و مبسوط امام محمد و بحرالرائق و اشباہ والنظائر و زواہر الجواہر و درمختار و فتاوٰی صغرٰی و فصول عمادی و خزانۃ المفتین و جامع الفصولین و غایۃ البیان و فتاوٰی القرویہ و ردالمحتار و فتاوٰی خلاصہ و کافی و لسان الحکام و معین الحکام و عقود الدریہ و وجیز کردری و فتاوٰی خانیہ و فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی قاعدیہ وغیرہا کتب معتمدہ مذہب کی عبارات کثیرہ اور برگزریں کہ اس روایت نادرہ کے صراحۃً خلاف ہیں اور انھیں پر انحصار نہیں، عامۂ کتب مذہب میں اس کا خلاف موجود اور اس روایت کا مخالف ظاہر الروایت ہونا خود عبارت منقولہ فیصلہ سے ثابت۔ فیصلہ سے جس قدر سائل نے نقل کیا وہ یہیں سے ہے کہ اذا ارتاب القاضی (جب قاضی کو شک ہو۔ ت) حالانکہ اصل عبارت محیط ان الفاظ سے شروع ہے، قال فی الاصل اذا ارتاب القاضی[2] الخ (اصل (مبسوط) میں فرمایا جب قاضی شک میں مبتلا ہو الخ۔ ت) جس سے صاف ظاہر کہ محرر المذہب امام محمد نے کتاب الاصل میں کہ کتب ستۂ ظاہر الروایۃ سے ہے بے حکایت خلاف تصریح صاف فرمائی کہ شاہدوں کا زمان و مکان میں بھی اختلاف مطلقاً مضر شہادت نہیں جہاں ہے "ہے" یعنی افعال نہ طلاق و عتاق و بیع وامثالہا اقوال چہ جائے اختلاف ثیاب و مراکب و حضار واقعہ نساء و رجال' اور صاف یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ مجرد تہمت و ریب کی بناء پر شہادت رَد نہ کی جائے گی، نیز اسی عبارت سے یہ بھی ثابت کہ نوادر میں بھی یہ صرف روایت ابی یوسف ہے برخلاف امام اعظم و ہمام اقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المحیط کتاب ادب القضاء الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۲۵

تو جماہیر کے خلاف، امام کے خلاف، ظاہر الروایۃ کے خلاف، دلیل کے خلاف، بے تصحیح صریح و ترجیح رجیح ائمہ افتا، ایک روایت شاذہ نادرہ پر فیصلہ کیونکر روا، ائمہ وعلماء کی روشن تصریحات ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں وہ مرجوع عنہ ہے قول مرجوح پر افتاء وقضاء جہل وخرق اجماع ہے نہ کہ مرجوع عنہ کہ سرے سے قول ہی نہ رہا، لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کردینے کا حکم فرمایا اور اگر والی مولی جس نے قاضی کو عہدۂ قضا دیا تصریح کردی کہ مذہب امام یا قول مصحح پر عمل کرنا جیسا کہ غالباً یونہی ہوتا ہے جب تو ایسا فیصلہ قطعاً اجماعاً سرے ہی سے باطل ونامعتبر ومحض بے اثر جسے منسوخ کرنے کی بھی حاجت نہیں کہ قاضی اب ماورائے مذہب میں معزول ومثل احد من الناس ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قد صرحوا بان العمل بما علیہ الاکثر[1]	فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عمل اکثریت کے موقف پر ہوگا۔ (ت)

امداد الفتاح علامہ شرنبلالی میں ہے:

القاعدۃ العمل بما علیہ الاکثر[2]	قاعدہ ہے کہ عمل اکثریت کے موقف پر ہوگا۔ (ت)

شرح الاشباہ للعلامۃ البیری وعقود الدریہ میں ہے:

المقرر عند المشایخ انہ متی اختلف فی مسألۃ فالعبرۃ بما قالہ الاکثر[3]	مشائخ کے ہاں ثابت شدہ ہے کہ جب مسئلہ میں اختلاف ہو تو اکثریت کے قول کا اعتبار ہوگا۔ (ت)

تنویر الابصار و درمختار وملتقی وسراجیہ وغیرہا میں ہے:

یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق[4]	مفتی کی طرح قاضی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو علی الاطلاق لے گا۔ (ت)

ثلثہ اخیرہ میں ہے: ھو الاصح[5] (وہی اصح ہے۔ ت) بحرالرائق میں ہے: یجب علینا الافتاء

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ قبل باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۵۱
[2] العقود الدریۃ بحوالہ الشرنبلالی مسائل وفوائد من الحظر والاباحۃ الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۳۵۶
[3] " " بیری " " مقدمۃ الکتاب " " ۱/۳
[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مجتبائی دہلی ۲/۷۲
[5] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۲

بقول الامام[1] (ہم پر امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر فتوٰی دینا واجب ہے۔ ت) خیریہ میں ہے:

المقرر ایضا عندنا انہ لا یفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم[2] الخ۔

ہمارے ہاں یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے بغیر نہ فتوٰی دیا جائے اور نہ عمل کیا جائے الخ (ت)

ردالمحتار صدر کتاب احیاء الموات میں ہے:

وذٰلک عجیب لما قالوا ان ماخالف ظاھر الروایۃ لیس مذھبا لاصحابنا۔[3]

یہ امر عجیب ہے کیونکہ ان فقہاء کرام نے فرمایا کہ جو ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہے۔ (ت)

بحرالرائق کتاب القضا میں ہے:

ماخرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ لما قررہ فی الاصول من عدم امکان صدور قولین مختلفین متساویین من مجتھد والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ۔[4]

جو ظاہر الروایت سے خارج ہے وہ مرجوع عنہ ہے کیونکہ انھوں نے اصول میں یہ امر ثابت شدہ قرار دیا ہے کہ مجتہد سے دو مساوی مختلف قول صادر ہونا ممکن نہیں اور جس قول سے رجوع کرلیا ہو تو وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا۔ (ت)

خیریہ اواخر شہادات میں ہے:

ھذا ھو المذھب الذی لا یعدل عنہ الی غیرہ وما سواہ روایات خارجۃ عن ظاھر الروایۃ وماخرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ۔[5]

مذہب یہی ہے جس سے غیر کی طرف عدول نہیں کیا جاسکتا اور اس کے ماسوا روایات ظاہر الروایۃ سے خارج ہیں اور جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہے اور جو مرجوع عنہ ہو وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۷۰-۲۶۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

[3] ردالمحتار کتاب احیاء الموات داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۸

[4] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۰

[5] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

تصحیح القدوری و درمختار میں ہے :

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل و خرق للاجماع [1]

کوئی حکم یا فتوٰی مرجوح قول پر ہو تو وہ جہالت اور اجماع کے مخالف ہے ۔ (ت)

حواشی ثلٰثہ سادات ثلٰثہ ابراہیم حلبی و احمد مصری و محمد شامی میں ہے :

اولٰی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاھر الروایۃ اذا لم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنہ [2]

اس سے زیادہ باطل یہ ہے کہ فتوٰی دینا ظاہر الروایہ کے خلاف جس کی تصحیح نہ ہو، اور مرجوع عنہ قول پر فتوٰی دینا ہے ۔ (ت)

تنویر و شرح علائی میں ہے :

لا یخیر اذا لم یکن مجتھدا بل المقلد متی خالف معتمد مذھبہ لاینفذ حکمہ وینقض ھو المختار للفتوی کما بسطہ المصنف فی فتاویہ غیرہ [3]

مجتہد کے غیر کو اختیار نہ ہوگا بلکہ مقلد جب اپنے معتمد علیہ مذہب کے خلاف فیصلہ دے تو وہ نافذ نہ ہوگا اور اس کو کالعدم قرار دیا جائے گا، یہی فتوٰی کیلئے مختار ہے جیسا کہ مصنف نے اپنے دوسرے فتاوٰی میں اس کو بسط سے بیان کیا ہے ۔ (ت)

اسی میں ہے :

(قضی فی مجتھد فیہ بخلاف رأیہ) ای مذھبہ مجمع وابن کمال (لاینفذ مطلقا) ناسیا او عامدا عندھما والائمۃ الثلٰثۃ (وبہ یفتی) مجمع ووقایۃ وملتقی، وقیل بالنفاذ یفتی وفی شرح الوھبانیۃ للشرنبلالی قضی من لیس مجتھد اکحنفیۃ زماننا

قاضی نے مجتہد فیہ مسئلہ میں اپنی رائے یعنی اپنے مذہب کے خلاف، مجمع اور ابن کمال (مطلقاً نافذ نہ ہوگا) خواہ قصداً ہو یا سہواً، صاحبین اور ائمہ ثلٰثہ کے ہاں (اسی پر فتوٰی ہے) مجمع و ملتقٰے اور وقایہ، اور بعض نے کہا نفاذ پر فتوٰی ہے ۔ علامہ شرنبلالی کی شرح وہبانیہ میں ہے ہمارے زمانہ کے حنفی قاضی کی طرح غیر مجتہد

---

[1] درمختار | مقدمۃ الکتاب | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۵

[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۱/ ۵۱

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء | | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۷۲

بخلاف مذھبه عامدا لاینفذ اتفاقا وکذا ناسیا عندھما، ولو قیدہ السلطان بصحیح مذھبه کزماننا تقید بلاخلاف لکونه معزولا عنه اھ وقد غیرت بیت الوھبانیة فقلت ؎

ولو حکم القاضی بحکم مخالف
لمذھبه ماصح اصلا یسطر[1]

نے اپنے مذہب کے خلاف قصداً فیصلہ دیا تو بالاتفاق نافذ نہ ہوگا، اور یوں ہی بھول کر دیا تو صاحبین کے ہاں وہ بھی نافذ نہ ہوگا، اور اگر سلطان نے قاضی کو اپنے مذہب کے صحیح پر فیصلہ کا پابند کیا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں پابند کیا جاتا ہے تو بغیر اختلاف وہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ قاضی کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے اھ، اور میں نے وہبانیہ کے شعر کو تبدیل کرتے ہوئے یوں کہا ہے: اگر قاضی نے اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دیا تو قطعاً صحیح نہ ہوگا یوں لکھا جائے۔ (ت)

ردالمحتار میں قبیل باب التحکیم ہے:

القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذا حکم بغیرہ لم یصح[2]

جو قاضی امام صاحب کے اقوال میں سے اصح قول پر فیصلہ کا پابند بنایا گیا ہو جب وہ اس کے غیر پر فیصلہ دے تو صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

اما المقلد فانما ولاہ لیحکم بمذھب ابی حنیفة فلا یملك المخالفة فیکون معزولا بالنسبة الی ذلك الحکم[3]

اگر مقرر کرنے والے نے قاضی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب کا پابند کیا ہو وہ مخالفت کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ وہ ایسے حکم کا مجاز نہ تھا۔ (ت)

برہان شرح مواہب الرحمٰن پھر غنیۂ ذوی الاحکام شرح دررالحکام میں ہے:

ھذا صریح الحق الذی یعض علیه بالنواجذ[4]

یہ صریح حق ہے جس کو دانتوں سے مضبوط پکڑنا چاہئے۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویرالابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۰
[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۶
[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی فصل آخر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۹۷
[4] غنیۂ ذوی الاحکام شرح دررالاحکام کتاب القضاء میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱۰

فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا میں ہے:

لیس للقاضی المقلد ان یحکم بالضعیف لانہ لیس من اھل الترجیح فلایعدل عن الصحیح الا لقصد غیرجمیل ولو حکم لاینفذ لان قضاءہ قضاء بغیرالحق لان الحق ھو الصحیح وما وقع من ان القول الضعیف یتقوی بالقضاء المراد بہ قضاء المجتہد کما بین فی موضعہ[1]۔	مقلد قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ ضعیف قول پر فیصلہ دے کیونکہ وہ اہل ترجیح میں سے نہیں ہے تو وہ صحیح قول سے عدول نہیں کرسکتا سوائے کسی غیرپسندیدہ وجہ کے، اگر اس نے ایسا فیصلہ دیا تو وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ یہ فیصلہ ناحق ہے کیونکہ صحیح قول پر ہی حق ہے، اور یہ قول کہ ضعیف کو فیصلہ قوی بنادیتا ہے تو اس سے مراد مجتہد کا فیصلہ ہے جیسا کہ اس کے مقام پر واضح کیا گیا ہے۔ (ت)

فواکہ بدریہ علامہ ابن الغرس میں ہے:

واما المقلد المحض فلایقضی الابما علیہ العمل والفتوی[2]۔	لیکن خالص مقلد تو وہ صرف اس پر فیصلہ دے سکتا ہے جس پر فتوٰی اور عمل ہو۔ (ت)

رسائل علامہ زین بن نجیم میں ہے:

اما القاضی المقلد فلیس لہ الحکم الا بالصحیح المفتی بہ فی مذھبہ ولاینفذ قضاؤہ بالقول الضعیف[3] اھ اثر ھذہ الخمس جمیعا فی ردالمحتار۔	لیکن خالص مقلد تو وہ صرف اپنے مذہب کے صحیح مفتٰی بہ قول پر فیصلہ دے سکتا ہے ضعیف قول پر فیصلہ دے تو وہ نافذ نہ ہوگا اھ ان پانچوں عبارات کو ردالمحتار میں نقل کیا ہے (ت)

ان روایات صحیحہ صریحہ کثیرہ شہیرہ متوافرہ متظافرہ سے شمس وامس کی طرح واضح ہوا کہ مجوز نے اس روایت پر فیصلہ کرنے میں سراسر خلاف حکم کیا اس بنا پر فیصلہ واجب النقض بلکہ سرے سے باطل محض ہے یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ فیصلہ کو اس روایت نادرہ کے موافق فرض کرلیجئے ورنہ انصاف یہ کہ وہ اس کے بھی موافق نہیں، یہ روایت نادرہ مطلقاً ایسے اختلافات یسیرہ کو مانع شہادت نہیں ٹھہراتی بلکہ اس حالت میں جب قرائن صحیحہ امارات صریحہ سے قاضی کو مرتبہ ظن حاصل ہو کہ یہ گواہ جھوٹی گواہی دے رہے ہیں کہ اس میں صاف

---

[1] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی قاسم بن قطلوبغا کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۲۵
[2] ردالمحتار " فواکہ بدریۃ ابن الغرس " " " " "
[3] ردالمحتار " رسائل ابن نجیم کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵

شرط مذکور:

اذا اتھمتھم ورأیت الریبۃ فظننت انھم شھود الزور[1]	جب میں ان کو متہم پاؤں اور مشکوک معاملہ دیکھوں تو میں گمان کرتا ہوں کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں (ت)

صرف تہمت پر بھی قناعت نہ فرمائی بلکہ زیادہ کیا کہ میں ان میں ریب دیکھ لوں مجھے ان کی شاہد کذب ہونے پر گمان غالب حاصل ہوجائے یہاں مجوز نے ان تمام شہادات میں کیا ریب دیکھ لیا کس بنا پر ان کی یہ گواہی جھوٹ ہونے پر ظن ہاتھ آیا۔

(ریب وتہمت) اس بنا پر کہ اکثر مخلوق نے پیشۂ شہادت زُور اختیار کرلیا ہے محض بے اصل ہے شیوع کذب وعدم اعتماد خود زمانہ امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی میں کہ قرون خیر منقضی ہو چکے تھے شہادت احادیث صحیحہ متحقق ہولیا تھا ولہذا صاحبین نے برخلاف مذہب صاحب مذہب رضی اللہ عنہم ظاہر عدالت پر اطمینان نہ رکھا خفیہ وآشکارا تحقیق وتزکیہ لازم کیا علماء نے تصریح فرمائی کہ یہ اختلاف اختلاف برہان نہیں اختلاف زمان ہے۔ درمختار میں ہے:

لایسأل عن شاھد بلاطعن من الخصم الافی حد وقود وعندھما یسأل فی الکل ان جھل بحالھم، بحر، سرا وعلنا، بہ یفتی وھو اختلاف زمان لانھما کانا فی القرن الرابع ولو اکتفی بالسر جاز، مجمع، وبہ یفتی، سراجیۃ[2]	قاضی فریق مخالف کے اعتراض کے بغیر گواہوں کی تفتیش نہ کرے ماسوائے قصاص اور حد کے اور صاحبین کے نزدیک تمام مقدمات میں تفتیش کرسکتا ہے اگر قاضی گواہوں کے حال سے ناواقف ہو، بحر، خفیہ اور اعلانیہ بھی۔ اسی پر فتوٰی ہے اور یہ زمانہ کے اختلاف کا معاملہ ہے کیونکہ صاحبین قرن رابع میں تھے، اگر خفیہ تفتیش کرے تو بھی صحیح ہے، اسی پر فتوٰی ہے، سراجیہ۔ (ت)

تو اس روایت میں یہ شیوع کذب کی عام بے اطمینانی قطعاً مراد نہیں ورنہ قید وشرط کی حاجت نہ تھی بلکہ بالخصوص ان گواہوں میں کوئی ریب واضح پیدا ہونا مقصود ہے ولہذا "رأیت الریب" فرمایا، پُر ظاہر کہ اس عام احتمالی بات سے ان شہود کے کاذب ہونے پر ظن نہیں ہوسکتا اور روایت میں صراحۃً فرمایا فظننت انھم شھود الزور[3] (تو میں گمان کرتا ہوں کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں۔ ت) شادی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۴۵

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۴۵

کے چھ سات مہینے بعد طلاق ہونا بھی کچھ موجب ریب نہیں جس طرح تین چار دن بھی والدین کے یہاں نہ چھوڑنے کو مجوزنے فرطِ محبت پر محمول کرکے اسے مبنائے ریب ٹھہرایا ہے یُوں ہی برابر کا احتمال یہ بھی موجود کہ یہ بربنائے خشونت وشدت وسخت گیری ہو جس کا خاتمہ تین طلاق پر ہوا، عورتیں مردوں کے ہاتھ میں قیدی ہیں، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

42

اللہ اللہ فی النساء فانھن عوان بین ایدیکم[1]

اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو عورتوں کے حق میں کہ وہ تمھارے ہاتھ میں قیدی ہیں۔

بدمزاج لوگ عورت کو دو دن بھی والدین کے یہاں بخوشی نہیں چھوڑتے نہ بربنائے کمال انس ومحبت بلکہ شدت وغلظت واظہارِ حکومت، بلکہ یہاں یہی احتمال زیادہ راجح تھا **اولًا** عورات کا ضعف الرجال قوامون علی النساء[2] (مرد عورتوں پر قوی منتظم ہیں۔ ت) سرکشی زناں بہ نسبت سخت گیری مرداں نادر ہے۔

ثانیًا برخلاف معتاد جملہ بلاد اول بار بھی عورت کا لیضانت جانا تندمزاجی شوہر سے ترس شدید کا پتہ دے رہا ہے۔

ثالثًا نام طلاق جس قدر عورتوں کو سخت شدید ناگوار ہے مردوں کو نہیں کہ اس میں انھیں اپنی بدنامی کا بھی زیادہ لحاظ ہوتا ہے' لوگ کیا کہیں گے کیا سمجھیں گے، کیوں چھوڑ دیا' اور اس کے ساتھ اپنے عیش باقی اور آنے والی عمر کا خیال کہ زنانِ ہند میں نکاح ثانی عار ہے۔ تو بے طلاق دیئے از پیش خویش چھوٹنا مشغلہ بنانے اور اس پر مقدمہ لڑانے کی جرأت تو کتخدا عورت سے بہت بعید اور سخت محل شبہات ہے، ہاں جاہل مرد جب جوشِ حکومت میں غضب پر آتے ہیں کبھی ایک طلاق پر نہیں رکتے بلکہ تین پر بھی اتفاقًا ٹھہرتے ہیں پھر جب غصہ اترتا اور نادم ہوتے ہیں لاعلاج مرض کا علاج ڈھونڈھتے ہیں ایسا ہی خوفِ خدا ہوا تو صبر کر بیٹھے ورنہ انکارِ طلاق سہل نسخہ ہے بہرحال اس قدر میں شک نہیں کہ ایسے ضعیف احتمالات بنائے ظننت انھم شھود الزور (تجھے گمان ہو کہ گواہ جھوٹے ہیں۔ ت) نہیں ہوسکتے تو صاف واضح ہوا کہ فیصلہ اس روایت کے بھی موافق نہیں محض اوہام پر مبنی ہے۔

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب النکاح دارالفکر بیروت ۵/۳۵۲
احیاء العلوم کتاب آداب النکاح الباب الثالث مطبعۃ المشہد القاہرہ ۲/۴۲
[2] القرآن الکریم ۴/۳۴

(معاملۂ حلال وحرام) ضرور محل احتیاط شدید ہے، مگر یہاں حلت وحرمت کا پلّہ دونوں طرف یکساں اگر واقع میں طلاق نہ ہوئی اور مطلقۂ ثلاث ٹھہرا کر اجازت نکاح ثانی دیں تو معاذ اللہ اجازت زنا ہے اور واقع میں ہوگئی اور بدستور زوجہ بنا کر قبضۂ طلاق دہندہ میں رکھیں تو عیاذاً باللہ اجازت زنا ہے۔ دونوں طرفین کانٹے کی تول برابر ہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ شوہر کی طرف وہ شبہات ہیں جو ابھی مذکور ہوئے اور مدعا علیہ کا کذب کچھ مستبعد نہیں کہ اس کا اپنا نفع ذاتی ہے خصوصاً عوام سے ایسے مواقع میں کما قد علمت (جیسا کہ آپ معلوم کرچکے۔ت) اور شہود کثیر و متعدد ہیں اور ان کا اپنا ذاتی معاملہ نہیں ایک خود غرض کا کاذب ہونا بہت مسلمانوں کے پرائے پیچھے اپنا دین بیچنے سے آسان ہے۔ غایۃ البیان میں ہے:

الشھادۃ تحمل علی الصحۃ ما امکن[1]
شہادت کو ممکن حد تک صحت پر محمول کیا جائے۔ (ت)

عنایہ میں ہے:

عند المخالفۃ تعارض کلام المدعی و الشاھد فما الرجح لصدق الشاھدات الاصل فی الشھود العدالۃ لاسیما علی قول ابی یوسف و محمد رحمھما اللہ تعالٰی، ولایشترط عدالۃ المدعی لصحۃ دعواہ فرجحنا جانب الشھود عملا بالاصل اھ کذا رأیتہ ماثورا عنھا فی بعض منقولاتی۔

مدعی کی بات اور گواہوں کے بیان میں تعارض ہو تو ہم گواہوں کی بات کو ترجیح دیں گے کیونکہ گواہوں میں عدالت اصل ہے خصوصاً امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر، جبکہ مدعی کا صحتِ دعوٰی کے لئے عادل ہونا شرط نہیں ہے تو ہم اصل پر عمل کرتے ہوئے گواہوں کے موقف کو ترجیح دینگے اھ، میں نے اپنے بعض منقولات میں یوں مذکور پایا ہے۔ (ت)

(جرحِ شہود) کثرتِ شہادت کوئی قدحِ شرعی نہیں، احکامِ الٰہیہ دو قسم ہیں: تکوینی و تشریعی، کسی کے سامنے وقوعِ وقائع متعلق بہ اول ہے اور ان میں اس کی شہادت کا قبول متعلق بہ ثانی، کیا تکوین نے کوئی حد مقرر فرمادی ہے کہ اتنے سے زائد وقائع ایک شخص کے سامنے واقع نہ ہوں گے یا تشریع نے کوئی تحدید بتادی ہے کہ اتنے بار سے زیادہ شہادت شاہد مقبول نہ ہوگی، صکاک کو دیکھئے جس کا واقعی پیشہ ہی تحریر دستاویزات ہے سال میں سیکڑوں لکھتا اور وہ ہر ایک کا گواہ ہے پھر مذہب صحیح میں

---

[1] غایۃ البیان

[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۵۰۱

یہ کثرت شہادت اس کی گواہی میں خلل انداز نہیں، خلاصہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

شهادة الصكاكين تقبل على الاصح[1] — وثیقہ نویس کی شہادت مقبول ہے اصح قول کے مطابق۔ (ت)

بزازیہ والقرویہ میں ہے:

شهادة الصكاكين تقبل فی الصحیح[2] — صحیح قول کے مطابق وثیقہ نویس کی شہادت مقبول ہے (ت)

ذخیرہ وغیاثیہ وفتح القدیر وہندیہ میں ہے:

اما شهادة الصكاكين فالصحیح انها تقبل اذا کان غالب حالهم الصلاح[3] — لیکن وثیقہ نویسوں کی شہادت، توصحیح یہ ہے کہ مقبول ہے بشرطیکہ ان کا غالب حال درست ہو۔ (ت)

مخبری بروجہ مذکور ضرور فسق ہے مگر غلام ناصر خاں کو اس سے انکار بحت ہے اور جرح تفضل حسین خاں کا جواب سوال میں مذکور، مجوز نے روایت مذکورۂ شامی پر محول کرنے سے ننھے خاں کلن خاں کے فسق کی طرف اشارہ کیا مگر سبب نہ بتایا اور ظہوران بیگم و فاطمہ بیگم مستورات کو شاید پردۂ مستوری میں رکھا حالانکہ بعد تحقیق کے ذمہ قاضی لازم وضوح حال ممکن تھا۔

بالجملہ فیصلہ کے بیانات بالامحض باطل ومختل اور روایت نادرہ ضعیفہ پر بنائے حکم رکھنے سے فیصلہ خود ناجائز ومہمل۔ اور مدار حکم صرف اسی قدر پر ہے جو ابتداءً گزرا کہ ان میں کوئی بھی نصاب شہادت بروجہ کفایت موجود تو بلاشبہہ تین طلاقیں ثابت اور فیصلہ بحق مدعیہ ہونا لازم۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۴۲: از ریاست رامپور مرسلہ مولوی مفتی عبدالقادر خاں صاحب صدر الصدور ۴ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے سہ قطعہ مکانات وغیرہا پاس مسماۃ ہندہ بالعوض مبلغ صمنے ۵۰۰ بیع بالوفا کرکے مسماۃ کا قبضہ بعد تحریر وتصدیق کردینے دستاویز بیع بالوفانامہ،

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الشہادات قلمی نسخہ ۲/ ۱۰۷
[2] فتاوٰی القرویہ بحوالہ بزازیہ الفصل الاول دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۶۸
[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الذخیرۃ والغیاثیہ وفتح القدیر کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۹

کی معرفت عمر برادر مسماۃ ہندہ بعد فراغ از اسباب خود مکانات مرہونہ پر کرادیا۔ من بعد مسماۃ ہندہ نے جائداد مرہونہ کرایہ پر مسمی خالد کو ذریعہ کرایہ نامہ مصدقہ کے دے کر قبضہ کرایہ دار مسمی مذکور کا جائداد مرہونہ پر کرادیا، چنانچہ روزِ رہن سے تخمیناً پندرہ سال تک مسمی زید راہن برابر بہ صورت دیکھتا رہا اور عقد مذکور کی صحت کا مقر رہا بالآخر راہن مذکور نے انتقال کیا اور وقتِ فوت تک اس نے کسی قسم کا عذر نہیں کیا ہندہ نے بعد فوت راہن کچہری میں دلاپانے زر رہن کا دعوٰی کرنا چاہا اس ارادہ ہندہ سے ورثائے راہن مطلع ہوئے تو بطور پیش بندی ورثائے راہن خلاف مضمون دستاویز اور خلاف قول راہن بنام مرتہنہ و شوہر مرتہنہ اس بیان سے کچہری میں دعویدار ہوئے (کہ پدر مدعیان نے مبلغ صمہ شرح سود ۱۲ ار ۱۱ پائی فیصدی ماہوار بہ تحریر دستاویز تمسک کفالتی باستغراق جائداد بکر (شوہر مرتہنہ) سے قرض لینا چاہا جس کو مسمی بکر مذکور نے قبول و منظور کیا اور بوقت تکمیل معاہدہ دستاویز سودی کو اپنے حق میں تحریر کرانا خلاف شان ثقاہت سمجھ کر بجائے دستاویز تمسک کفالتی کے دستاویز بیع بالوفاء بجائے اپنے نام کے اپنی زوجہ (مرتہنہ) کا نام تحریر کرایا اور واسطے اخفاء لفظ سود کے رقم سود قرار یافتہ کی بابت ایک دوسری دستاویز بنام نہاد کرایہ نامہ پدر مدعیان راہن سے تحریر کرائی جس میں للعہ رقم سود قرار یافتہ کو بلفظ کرایہ تحریر کرایا قبض و دخل مرتہنہ و شوہر مرتہنہ یا کرایہ دار مذکور کا کبھی نہیں ہوا چنانچہ مبلغ صمہ لعہ بابت سود بحساب للعہ ماہوار اور مبلغ الہ منجملہ زر اصل ذریعہ تمسک نوشتہ (بکر) شوہر مرتہنہ من بعد عہ بشرح سود عہ ماہوار بہ منہائی رقم سود الہ مودی اصل کی پدر مدعیان نے (بکر) کو ادا کئے علاوہ الہ مندرجہ بالا کے سہ لعہ بابت سود بکر کے پاس پہنچی کل مقدار رقم ادا کردہ کی سہ لعہ ہے بموجب شرع شریف معاملہ بیع بالوفا حکم رہن میں ہے اور رہن میں قبضہ لازمی ہے اور موافق مذہب اسلام سُود کا لینا قطعاً ناجائز ہے اور رقم کرایہ بابت مرہونہ راہنان سے لینا بھی نادرست ہے اس لئے جس قدر رقم بنام نہاد کرایہ راہن سے وصول کی ہے وہ کل رقم لائق مجرائی و محسوبی باصل زر رہن ہے اور زر فاضل کی واپسی کے مستحق ہم وارثان راہن ہیں لہذا اصل دستاویز بیع بالوفانامہ و کرایہ نامہ بالیفائے کل زر مندرجہ بیعنامہ بالوفا یعنی صمہ بتجویز انفکاک رہن و مبلغ اعلعہ زر فاضل مسماۃ ہندہ و بکر سے مدعیان کو دلائے جائیں بتردید دعوی مدعیان از جانب بکر شوہر مرتہنہ جواب دیا گیا کہ پدر مدعیان سے جو معاہدہ ہوا تھا وہ مسماۃ ہندہ سے ہوا تھا اصل فریق معاملہ مسماۃ مرتہنہ مذکورہ ہے زرثمن بھی ملک اسی کا ہے من مدعا علیہ نے کوئی رقم کرایہ یا زر اصل وصول نہیں کی نہ رسیدات دیں، مدعیان کو بوجہ عروض تمادی شش سالہ حق دعوی حاصل نہیں ہے

اور از جانب مرتہنہ (مدعا علیہا) بتردید دعوی مدعیان مذکور کو جواب دیا گیا کہ زر ثمن ملک مجھ مدعا علیہا ہے دستاویز اقراری مورث مدعیان میں عقد بیع بالوفا، مجھ مدعا علیہا سے ہونا تحریر ہے شرعاً اس سے انکار کرنے کا حق مورث مدعیان کو بحیات خود نہیں تھا نہ مدعیان کو خلاف قول مورث خود ایسا حق حاصل ہے کیونکہ انکار بعد اقرار شرعاً درست نہیں ہے اور مکانات مرہونہ پر قبضہ مجھ مرتہنہ کا ہو گیا تھا اور کرایہ دار شخص ثالث کے پاس منجانب مجھ مرتہنہ کرایہ پر تھے جس سے قطعہ کلاں بضرورت خود واپس لے لیا گیا ہے مدعیان یا پدرِ مدعیان سے ایک حبہ وصول نہیں ہوا اگر کرایہ دار شخص ثالث سے کچھ وصول ہوا تو اس کے مجرا پانے کا کوئی حق شرعاً مدعیان کو نہیں ہے کیونکہ وہ شخص غیر اور مدعا علیہا کا کرایہ دار ہے بعد کارروائی ہائے مذکور کچہری نے تنقیحات ذیل وضع کیں ؛

(۱) گنیشی لال (زید) مورث مدعیان نے مدعا علیہ ع۱ (بکر) سے مبلغ صمــــ بطور قرض لینا چاہا جس کو مدعا علیہ مذکور نے شرح سود ۱۳ ر ۱۱ پائی فیصدی ماہوار بہ تحریر دستاویز تمسک کفالتی باستغراق جائداد دنیا قبول کیا، ثبوت ذمہ مدعیان و تردید ذمہ مدعا علیہما ع۱ و ع۲ ۔

(۲) مدعا علیہ مذکور نے وقت تکمیل معاہدہ کے اظہار اخذ ربا و دستاویز سودی کو خلافِ شان سمجھ کر دستاویز بیعنامہ بالوفا میعادی دس سال تحریر کرایا۔ ثبوت ذمہ مدعیان و تردید ذمہ مدعا علیہما ع۱ و ع۲ ۔

(۳) مدعا علیہ ع۱ (بکر) نے بوجہ مذکورہ بالا دستاویز میں بجائے نام اپنے کے مدعا علیہا ع۲ (ہندہ مشتریہ) کا نام بحیثیت راہن درج کرایا اور واسطے اخفائے سود کے رقم سود قرار یافتہ کی بابت دوسری دستاویز کرایہ نامہ باسم فرضی مول چند عم حقیقی مدعیان سے نمائشی طور پر تحریر کرائی جس میں للعہ رقم سود قرار یافتہ ماہواری کو بہ لفظ کرایہ تبدیل کرکے درج کرایا ثبوت ذمہ مدعیان و تردید ذمہ مدعا علیہا ع۱ و ۲ ۔

(۴) حسب قرارداد مذکورہ مِن ابتدائے ۱۷ دسمبر ۱۹۰۱ء لغایۃ دسمبر ۱۹۱۲ء مبلغ صمللعہ بابت سود بشرح للعہ ماہوار باخذ رسید نوشتہ مدعا علیہ مذکور کو ادا کئے گئے اور ۲ جنوری ۱۹۱۳ء کو الــــ باخذ ٹومہ اور سماعہ بحساب ــــ ماہوار مِن ابتدائے جنوری ۱۹۱۳ء لغایۃ اپریل ۱۹۱۵ء مدعا علیہ مذکور بکر کو ادا کئے گئے ثبوت ذمہ مدعیان و تردید ذمہ مدعا علیہا ع۱ و ۲ ۔

(۵) جائداد مندرجہ دستاویز موروثی ہے جس میں مدعیان بحیات گنیشی لال (زید راہن)

پدر مدعیان اس کے حصہ دار تھے، ثبوت ذمہ مدعیان و تردید ذمہ مدعا علیہما ع۱ و ۲۔

(۶) جو رقم مدعا علیہ ع۱ نے مورث مدعیان سے بنام نہاد کرایہ وصول کی ہے وہ لائق محسوبی و مجرائی باصل زرِ رہن ہے اور زر فاضل قابل واپسی مدعیان ہے، ثبوت ذمہ مدعیان و تردید ذمہ مدعا علیہما ع۱ و ۲۔

(۷) دستاویز بیعنامہ برضا و رغبت مورث مدعیان بنام مدعا علیہا ع۲ (ہندہ) تحریر ہوئی ہے پس مدعیان کو اپنے مورث کے قول کے خلاف دعویٰ کرنے کا حق بمقابلہ مدعا علیہ ع۱ نہیں رہا۔ ثبوت ذمہ مدعا علیہا ع۱ و ع۲ و تردید ذمہ مدعیان۔

(۸) دعویٰ مدعیان کو تمادی عارض ہے۔ ثبوت ذمہ مدعا علیہما ع۱ و ۲ و تردید ذمہ مدعیان۔

(۹) مورث مدعیان نے جو مکانات متنازعہ مدعا علیہا ع۲ ہندہ کے ہاتھ بیع بالوفا کئے ہیں زر ثمن اس کا مالک مدعا علیہا ع۲ ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا و تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۰) مکانات مندرجہ بیعنامہ بالوفا پر قبضہ حسب قاعدہ شرعی مدعا علیہا ع۲ ہندہ کا ہوگیا تھا اور موہن چند کے پاس منجانب مدعا علیہا ع۲ ہندہ کرایہ پر ہے جس میں سے ایک قطعہ گودام واپس لے لیا گیا ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا ع۲ ہندہ و تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۱) دعویٰ مدعیان کو دفعہ ۱۵ قانون رجسٹری و دفعہ ۹۲ قانون شہادت عارض ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا ع۱ و ۲ و تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۲) جو تحریر بنام نہاد رسید ایک کتاب مدعیان نے داخل کی ہے وہ بے ضابطہ و خلافِ قانون قابلِ ضبطی ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہما ع۱ و ع۲ و تردید ذمہ مدعیان، بعدہ کچہری نے اپنی تجویز نسبت ہر امر تنقیح کے بطریق مندرجہ تحت صادر کی۔

(تجویز)

تنقیح ع۱ کے بارہ میں میری رائے یہ ہے کہ موتی شاہ اور روزیر خاں کی شہادت میں حسب مراد تنقیح ع۱ کے گنیشی لال (زید راہن) مورث مدعیان اور عبدالغفار خاں کے مابین معاہدہ قرضہ صمن ۵۰۰ کا بشرح سود للعہ ماہوار اور جائداد مندرجہ دستاویز کی کفالت کیلئے دینا بحق مدعیان ثابت ہے۔

تنقیح ع۲ و ۳ درحقیقت ایسے امور میں جن کا شہودی ثبوت ناممکن ہے البتہ امور مذکورہ کا ثبوت نیت میں ہوتا ہے اور نیت مذکورہ حالاتِ ذیل میں ثابت ہوتی ہے یعنی مدعا علیہ ع۱ (بکر شوہر مرتہنہ) مسلمان ہے اور پیشکار کچہری بھی ہے اس لئے بڑے معاملات میں اس کو خود معاہدہ کرنا اور دستاویز زوجہ

کے نام لکھنا عین مصلحت ہے اسی طرح سود کا لینا کسی مسلم اور خاص کر ذی علم شخص کو سراسر معیوب ہے لہذا رقم سود کا نام بدل کر کرایہ کا نام لکھنا ایک حیلہ ضرور ہے۔ دوسرے رقم الــــ عہ کو خود وصول کرنا (جس کی بابت آئندہ تصریح کی جائے گی) اور رقم کرایہ مندرجہ کتاب کا خود وصول کرکے اپنے دستخط کرنا اور مدعا علیہا عہ۲ (دہندہ مرتہنہ) کا نام نہ لکھنا صاف طور پر اس نیت کو جو تنقیحات عہ۲ و ۳ کا ماحصل ہے ثابت کر رہا ہے اس لئے میں ان دونوں تنقیحوں کو بحق مدعیان قرار دیتا ہوں۔

تنقیح عہ۴ کے متعلق میری تجویز ہے کہ (محمد رضا خاں و مظہر حسین خاں) کی شہادت سے اعہ للعہ کے پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ عہ۱ اور لالعہ روبرو گواہان مذکور گنیشی لال (زید راہن) کا مدعا علیہ عہ۱ کو دینا جملہ سمہ ساعہ کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور عبدالعزیز و سید عبدالعزیز کی شہادت سے سمہ ساعہ کے پہلے پہنچنے کا اقرار اور مالعہ گواہان کی موجودگی میں دیا جانا جملہ سمہ ملعہ للعہ کا پاس مدعا علیہ عہ۱ کے پہنچنا اور (عجائب الدین و احمد نبی خاں ولد سیتا خاں) کی شہادت سے عہ للعہ کے پہلے پہنچنے کا اقرار اور ساعہ کا نقد روبرو گواہان مذکور دیا جانا جملہ سمہ للعہ کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (حیدر علی خاں و عبدالرحیم خاں) کی شہادت سے سمہ للعہ کے پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ مذکور اور المعہ کا نقد گواہان مذکور کے روبرو دیا جانا جملہ صمہ معہ کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (الطاف علی خاں و محمد بشیر و انور بیگ) کی شہادت سے صمہ معہ کا پہلے پہنچنے کا اقرار اور المعہ ۳ پائی کا نقد گواہان مذکور کے روبرو دیا جانا جملہ سمہ للعہ کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (بخن ولد غلام محی الدین و حید حسین) کی شہادت سے سمہ للعہ ۳ پائی کا پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ عہ۱ اور مالعہ ۹ پائی کا بمواجہہ گواہان مذکور نقد دیا جانا سمہ لعہ پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا ثابت ہے مضمون شہادت مصرحہ بالا میں ثابت ہے کہ بعض حصہ کل رقم موصولہ کا اقرار اور بعض حصہ مشاہدہ گواہان (جنکے روبرو رقوم دیگئی ہیں ثابت ہوتا ہے جن رقوم کے اقرار کی شہادت ہے ان کی صداقت کا یہ قوی قرینہ ہے کہ دیگر شہادتیں اس کی بالترتیب تائید کرتی ہیں اور اس کے متعلق رسیدات مدعا علیہ مذکور مشمولہ کتاب رسیدات ہے جس کی بابت ہم آئندہ تفصیلی بحث کریں گے) پیش ہوئی ہیں جو شہادت اقرار کی کامل تائید کرتی ہیں اس لئے اس رقم اقراری کے ایصال کو بوجہ تائید شہادت تحریری میں ثابت قرار دیتا ہوں، لیکن منجملہ سمہ لعہ کل رقم مودی بنام نہاد کرایہ کے عمامہ کی ایسی رقم ہے جس کے متعلق مدعیان نے کوئی رسید پیش نہیں کی اور تحریر کرتے ہیں کہ مدعا علیہ عہ۱ کے براہ بدنیتی اس رقم کی رسیدات نہیں دیں بوجہ نہ ہونے شہادت تحریری کے قابل منہائی جانتا ہوں جس کے منہا ہونے کے بعد صمہ لعہ باقی رہتے ہیں اس لئے باتفاق شہادت مدعیان و

تحریرات مدعا علیہ عا رقم صمہ لاسے عہ کا پاس مدعا علیہ مذکور حسب اطمینان کچہری پہنچنا ثابت ہے ایصال رقوم مندرجہ بالا کے ثبوت میں جو کتاب رسیدات مدعیان نے پیش کی اس کتاب میں سوائے رقم سماصلہ کے باقی جملہ رقوم درج ہیں جن کی وصول کے بابت مدعا علیہ کے دو قسم کے دستخط ہیں ایک بنام عبدالغافر خاں دوسرا بنام دولہ خاں جو دستخط بنام عبدالغافر خاں تحریر ہیں ان کے ثبوت میں مدعیان نے متعدد گواہان عہدہ داران متعلق شناخت تحریر خط و دستخط طلب کرائے ہیں اور واسطے مطابقت دستخطوں کے پندرہ قطعہ ثمن وغیرہ مجریہ کچہری دیوانی اور بیس قطعات اطلاعنامجات مجریہ کچہری فوجداری پیش کئے جن پر مدعا علیہ عا کے مسلم دستخط ثبت ہیں شہادت عہدہ داران مذکور اور مطابقت و معائنہ دستخطہائے مثبتہ کاغذات مذکور دوئم مثبت پشت ثمن ابتدائی مثل ہذا و دستخطہائے اطلاعیابی و نیز احکام کچہری میں باطمینان کچہری ثابت ہے کہ کتاب رسیدات پر جس قدر دستخط بنام عبدالغافر خاں تحریر ہیں وہ یقیناً مدعا علیہ عا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور تحریر بھی اسی کے ہاتھ کی ہے اور جس جگہ دستخط بنام دولہ خاں تحریر ہیں ان کی طرز تحریر اور شان خط اور روشن قلم سے ثابت ہے کہ وہ بھی مدعا علیہ عا کے ہاتھ کی ہیں اور اکثر شہادتوں سے یہ امر ثابت ہے کہ مدعا علیہ عا کا عرف دولہ خاں بھی ہے۔ واسطے ثبوت اور جانچ اس امر کے کہ دستخط مثبتہ کتاب رسیدات فی الواقع مدعا علیہ مذکور کی ہیں دو طریقے ہیں، ایک تو شہادت ایسے اشخاص کی جو مدعا علیہ مذکور کے دستخط پہچانتے ہیں، دوسرے مطابقت ان دستخطوں سے جو تحقیقی طور پر مدعا علیہ مذکور کی ہیں، پس دونوں طریقوں مصرحہ بالا سے کچہری کو اطمینان اس امر کا ہوگیا کہ دستخطہائے مثبتہ کتاب رسیدات یقیناً مدعا علیہ مذکور کے ہیں۔

فقرہ ثانی تنقیح عہ یعنی رقم الـــہ کی ادائیگی اور رقعہ کی تحریر کی بابت میری یہ رائے ہے کہ شہادت شیخ غفران و محمد علی خاں سے الـــہ کا پاس مدعا علیہ عا پہنچنا ثابت ہے اور منشی فدا علی خاں پیشکار دیوانی اور منشی گوری سہائے ناظر فوجداری و منشی فیاض علی خاں پیشکار کچہری ججی بابو شمس الدین سب انسپکٹر پولیس و سید فرزند علی ناظر مجسٹریٹ و منشی شکیل احمد اہلمد فوجداری و منشی سید احمد وکیل کی شہادت سے بخوبی ثابت ہے کہ رسید الـــہ کی مدعا علیہ عا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور اسی کے دستخط اس پر ثبت ہیں اس کے علاوہ دیگر دستخطہائے مدعا علیہ مذکور مثبتہ کاغذات ثمن و اطلاعنامجات و پشت ثمن و نیز احکام کچہری کے معائنہ و مطابقت سے حسب اطمینان کچہری ثابت ہے کہ دستخط مثبتہ رقعہ الـــہ کے اور تحریر خاص مدعا علیہ عا کے ہاتھ کی اور اسی کی دستخطی ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہا لیکن یہ رقم منجملہ زر رہن

کے ہے اور رقعہ میں حوالہ ضمن ۔۔ زر رہن کا دیا گیا ہے لہذا بمنشاء ۹۲ دفعہ ۱۷ قانون رجسٹری ریاست کے
رسید مذکور کا رجسٹری ہونا لازمی ہے اور چونکہ وہ رجسٹری نہیں کرائی گئی اس لئے بمنشاء دفعہ ۴۹ قانون
رجسٹری مذکور ثبوت میں لینے کے قابل نہیں ہے بناء براں اس رقم الـ۔۔ کا ادا ہونا بوجہ نقص قانونی کے
غیر ثابت قرار دیا جاتا ہے۔

تنقیح ۵ یعنی جائداد مرہونہ کا موروثی مدعیان ہونا اور بحیات گنیشی لال مدعیان کا حصہ دار ہونا
کسی شہادت سے ثابت نہیں ہے اس لئے اس تنقیح کو میں خلاف مدعیان فیصل کرتا ہوں۔

تنقیح ۶ کے بارہ میں میری یہ رائے ہے کہ جو رقم مدعا علیہ ۱ نے (بحق شوہر مرتہنہ) مورث مدعیان
(زید راہن) سے بنام نہاد کرایہ وصولی کی ہے اور جس کے ایصال کو کچہری نے ثابت قرار دیا ہے بقدر
ضمن ۔۔ حسب تصریحات صدر رہوتی ہے میرے نزدیک وہ رقم بوجوہ قابل مجرائی بہ زر اصل ہے اول
یہ کہ کچہری دیوانی سے یہ امر طے ہو چکا ہے کہ بیع بالوفا بمذہب حنفی حکم رہن میں ہے اور شئی مرہونہ کا
کرایہ اور دیگر محاصل حق راہن اور قابل مجرائی بہ زر رہن ہے جیسا کہ نقول فیصلجات پیش کردہ مدعیان
سے ثابت ہے، دوم یہ کہ شہادت اشرف علی خاں و دیگر گواہان سے یہ امر ثابت ہے کہ کرایہ نامہ برضامندی
و اجازت گنیشی لال (زید راہن) لکھا گیا حتی کہ رقم کرایہ خود گنیشی لال نے وقتاً فوقتاً ادا کی جیسا کہ تجویز
تنقیح ۴ سے ثابت ہے اس رضامندی و اجازت راہن سے حسب فتوی مدرسہ اہلسنت بریلی پیش کردہ
خود مدعا علیہما رہن باطل ہو گیا اور رقم زر رہن قرضہ خالص ہو گیا پس بلا اختلاف وہ رقم جو بنام نہاد
کرایہ وصول ہوئی ہے وہ لائق مجرائی بہ زر رہن ہے، سوم یہ کہ حسب تصریح مندرجہ تجویز تنقیح ۱
قبضہ مرتہن ثابت نہیں ہوا تو اس صورت میں بھی قرضہ سادہ اور رقم مودی بنام نہاد کرایہ ضرور لائق
محسوبی و مجرائی بہ زر اصل رہن ہے۔

تنقیح ۷ و ۸ کے متعلق کوئی ثبوت قانونی پیش نہیں کیا گیا اس لئے وہ بحق مدعا علیہما
غیر ثابت ہے۔

تنقیح ۹ کے متعلق صرف حافظ عثمان خان نے شہادت دی ہے مگر وہ مثبت اس تنقیح کی
نہیں ہے۔

تنقیح ۱۰ بوجوہ ذیل میرے نزدیک بحق مدعا علیہما ۲ ثابت نہیں ہے، اول یہ کہ جس قدر گواہان
جانب مدعا علیہما ۲ (ہندرہ مرتہنہ) میں پیش ہوئے ہیں ان کی شہادت سے پورے طور پر فارغ ہونا
کل مکانات کا اسباب و سامان راہن سے ثابت نہیں ہے اس لئے کہ کل گواہان مدعا علیہ ۲ بیان

کرتے ہیں کہ مکانات مذکور میں اوپر بھی درجات ہیں اور اوپر کے درجات میں ہم نہیں گئے، پس ظاہر ہے کہ جب اوپر کے درجوں میں ان گواہوں نے خود جاکر نہیں دیکھا تو ان گواہوں کی شہادت سے فارغ ہونا کل مکانات کا اسباب و سامان راہن سے جو شرط ضروری قبضہ مرہونہ کی ہے کس طرح ثابت مانا جاسکتا ہے۔

ثانیاً یہ کہ شہادت مذکور سے تعلق عمر خاں قبضہ گیرندہ کا بھی نہیں ہوتا، چونکہ وہ فوت ہوگیا ہے اس لئے اس کا یعنی واسطے حصول قبضہ کے موجود ہونا ضروری تھا۔

ثالثاً اہم وجہ بے اثری قبضہ محمد عمر خاں یہ ہے کہ بضمن تجویز تنقیح ع۹ اصل صاحب معاملہ ہونا مدعا علیہا ع۲ (ہندہ مرتہنہ) کا غیر ثابت ہے اور بضمن تجویز تنقیح ع۱ مابین مولوی عبدالغفار خاں و گنیشی لال کے معاہدہ ہونا ثابت ہے، ایسی حالت میں منجانب مدعا علیہ ع۲ محمد عمر خاں (عمر برادر مرتہنہ) کا قبضہ کب مفید ہوسکتا ہے۔

رابعاً یہ کہ مدعیان نے نقل فیصلہ اجلاس عالیہ جوڈیشل بمقدمہ جانی بیگم اپیلانٹ بنام نایاب بیگم رسپانڈنٹ مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۱۴ء میں اس امر کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ اجازت دینا قبضہ کی ثابت نہیں ہے جو باتباع حکم موصوف مبطل رہن ہے، اس میں شک نہیں کہ فیصلہ موصوفہ میں یہ امر تجویز فرمایا گیا ہے کہ راہنہ کی اجازت قبضہ دینے کی مرتہنہ کو ثابت نہیں جو ضروری ہے اور اس مقدمہ میں مدعا علیہا ع۲ (ہندہ مرتہنہ) کا عمر خاں (عمر برادر ہندہ) کو قبضہ لینے کی اجازت لینا کسی شہادت سے ثابت نہیں ہے، پس بہ تقلید فیصلہ اجلاس اعلیٰ اگر اجازت راہنہ پر اجازت مرتہنہ قیاس کی جائے تو بلا شبہ قبضہ زیر بحث میں اجازت مرتہنہ ثابت نہ ہونے سے رہن باطل ہوتا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ جب رہن میں اجازت قبضہ دینے کی امر ضروری ہے تو قبضہ کے لئے اجازت دینا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا کیونکہ اسی پر مدار قبضہ مرتہنہ ہے۔

خامساً یہ کہ شہادت مدعا علیہا ع۲ (ہندہ مرتہنہ) میں نسبت ثبوت مکانات و خلو مکانات اختلاف بین ہے۔

تنقیح ع۱۱ کے متعلق کوئی ثبوت قانونی یا نظیر ایسی پیش نہیں ہوئی جس سے میں تنقیح مذکور کو ثابت قرار دوں میرے نزدیک اس مقدمہ میں دفعہ ۱۵ قانون رجسٹری ریاست اور دفعہ ۹۲ قانون شہادت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

تنقیح ع۱۲ بھی غیر ثابت ہے بلکہ تردید اس کی ثابت ہے کیونکہ رسید کرایہ کے لئے بمنشاء دفعہ ۱۴

قانون رجسٹری کے رجسٹری ہونا ضروری نہیں ہے البتہ ٹکٹ رسید کی ضرورت ہے چونکہ اس پر ٹکٹ رسید نہیں تھا اس کا تاوان ایک روپیہ وصول ہوگیا ہے اس لئے بمنشا مد ب دفعہ ۵۲ قانون اسٹامپ ریاست قابل قبول ہے اور حسب اعتراض مدعا علیہا لائق ضبطی و خلاف قانون و بے ضابطہ نہیں ہے بوجوہات بالا حکم ہوا کہ دعوی مدعیان بتجویز انفکاک رہن مجرائی کل زر مندرجہ بیعنامہ بالوفا و والپسی لہ امنتشہ زر فاضل بوالپسی دلائی جاتی بیعنامہ بالوفا و کرایہ نامہ اقراری مول چند بنام مدعا علیہا ع اوا ۲ ڈگری ہوا اور دعوی مدعیان والپسی المعاملہ کی خارج ہوا، لہذا اب سوالات مندرجہ تحت جواب طلب ہیں:

(۱) آیا وارث کو اپنے مورث کے اقرار کے خلاف ایسے ادعا کا حق شرعاً حاصل ہے یا نہیں ؟

(۲) آیا قاضی کو بلا موجودگی بینہ و اقرار و نکول کے محض اپنے قیاس کی بناء پر دستاویز مصدقہ سرکاری کے فرضیت کا حکم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور ایسا حکم قابل بحالی ہے یا منسوخی ؟

(۳) آیا شرعاً قاضی کو عمل بالخط بصورت انکار مدعا علیہ از تحریر خود الخط یشبہ الخط[1] (خط خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ ت) کے خلاف جائز ہے یا نہیں ؟ اور رسید پیش کردہ مدعی بصورت موجودہ جس کی بابت کوئی گواہ شہادت ادا نہیں کرتا ہے کہ ہمارے سامنے رسید لکھی گئی ہے صرف قیاساً شناخت خط کے گواہ پیش ہوئے ہیں قابلِ قبول ہے یا نہیں ؛

(۴) آیا بیع بالوفا میں غیر بائع یعنی کرایہ دار سے بعد قبضہ شرعی جو روپیہ بذریعہ کرایہ وصول کیا جائے وہ زر اصل میں قابل مجرائی ہے یا نہیں ؟

(۵) اگر خود بائع بالوفا کا یہ ادعا ہو کہ میں نے فرضی کرایہ نامہ از غیر تحریر و تصدیق کرایا تھا درحقیقت کرایہ من بائع بالوفا نے ادا کیا ہے تو یہ صورت اجارہ باذن راہن کی ہے یا نہیں ؟

(۶) آیا شہادت گواہان معمولی وغیر ثقہ مدعیان سے بمقابلہ مدعا علیہا مقر لہا دستاویزات و اقرارات گنیشی لال (زید راہن) کی فرضیت ثابت بھی ہوسکتی ہے اور ایسی فرضیت کی شرعاً کوئی سند ہے ؟

(۷) آیا محض دو گواہوں کے (جس میں ایک سزا یافتہ ہے اور دوسرا گواہ جہاں ملازم ہے وہاں

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹

مدعی تحویلدار ہے) اور مدعی کا اس پر ہر وقت اثر ہے اس قدر بیان سے کہ گفتگوئے معاہدہ شوہر مرتہنہ اور بائع بالوفا کے درمیان میں ہمارے سامنے صمہ قرض دینے کے متعلق ہوئی تھی تو ایسی صرف دو شہادتوں کی بنیاد پر کہ جو دستاویزات کی تصدیق ہونے سے بیشتر کی شہادت خلاف دستاویزات مصدقہ ادا کریں اور نہ اپنی موجودگی ہنگام تصدیق دستاویزات بیان کریں اور نہ مسماۃ ہندہ مشتریہ بیع بالوفا کے کسی اقرار کے متعلق شہادت ادا کریں کچہری دستاویزات مصدقہ کو شرعاً فرضی قرار دے سکتی ہے اور مدعاعلیہا ۲ (مشتریہ بیع بالوفا) کا حق شرعاً ضائع ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسی شہادت مدعاعلیہا مذکورہ کی مقابلہ میں شرعاً کیا اثر رکھتی ہے؟ جس قدر گواہ منجانب مدعیان پیش ہوئے ہیں وہ سب مستور الحال اور غیر ثقہ ہیں کچہری نے کسی گواہ کی حیثیت تحت اظہار تحریر نہیں کی ہے کہ یہ گواہ کیسی حیثیت کا ہے حالانکہ حکم ریاست جاری و نافذ ہے کہ ہر گواہ کے ختم بیان پر کچہری کی جانب سے نوٹ حیثیت گواہ کا لکھا جائے کہ گواہ کچہری کے نزدیک کیسی قسم کا ہے آیا ثقہ یا غیر ثقہ یا مستور الحال ہے جس سے گواہ کی معتبری کا اندازہ ہوسکے۔ پس ایسی حالت میں شہادت گواہان مدعیان پر حاکم اسل کو شرعاً کیا حکم دینا چاہئے؟

(۸) آیا مدعیان حسب قول خود بشرح سود ۱۳؍ ۱۱ پائی سو فیصدی ماہوار رقم سود صمہ قرار داد ہونا بیان کرکے للعہ ماہوار میزان قائم کرکے ادائیگی بیان کرتے ہیں اور نیز گواہ بھی اسی طرح شہادت ادا کرتے ہیں لیکن بحساب ۱۳؍ ۱۱ پائی فیصدی ماہوار کی رقم صمہ پر سود للعہ ۱؍ پائی ہوتا ہے تو ایسی تناقض عرضی دعوی وشہادت علی الزیادات پر کچہری مقدمہ کی ڈگری شرعاً کرسکتی ہے اور اگر کچہری ڈگری ایسی صورت میں صادر کرے تو وہ ڈگری شرعاً قابل بحالی ہے یا منسوخی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اللّٰھم لك الحمد یا وھاب اسئلك ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حمدیں تیرے لئے ہیں، اے عطا کرنے والے! میں تجھ سے حق اور ہدایت کی رہنمائی چاہتا ہوں۔ ت)

کلام طویل اور فرصت قلیل اور طبیعت علیل اور سائل کو تعجیل، لہذا چند مفید و کافی کلمات پر اقتصار اور انھیں کے ضمن میں جواب سوالات ضروریہ کا اظہار ہو وباللہ التوفیق سائل نے دار الافتا میں عرضی دعوٰی و بیان تحریری و فیصلہ و عبارت رسیدات مندرجہ بہی اور بیعنامہ و کرایہ نامہ اور مدعی کے بینس گواہان توقی شاہ، وزیر خاں، محمد رضا خاں، منظر حسین، عبدالعزیز خاں، سید عبدالعزیز،

حافظ عجائب الدین خاں، احمد خاں ولد میاں خاں، حیدر علی خاں، عبدالرحیم خاں، الطاف علی، محمد بشیر، انور بیگ، نجن، حیدر حسین، اشرف علی خاں، احمد خاں ولد عبدالنبی خاں، نجف علیخان، محمد غفران، ولی خاں کے اظہارات کی نقول پیش کیں جبکہ رسیدات و بیانات موتی شاہ و وزیر خان کی باضابطہ باقی سادہ، ان کے ملاحظہ سے واضح ہوا کہ نہ دعوٰی صحیح نہ شہادتیں نہ فیصلہ۔ منصب افتا شرع مطہر کا حکم بتانا ہے اور زمانہ حسب ارشاد حدیث وہ کہ معروف منکر ہے اور منکر معروف۔ اہلِ اسلام حکم شرع پر گردن رکھیں اگرچہ غلط رواج سے بیگانہ نظر آئے۔

دعوٰے

دعوٰی تین وجہ سے باطل ہے:

اوّل وارث و مورث مثل شخص واحد ہیں، مورث کے اقرار ثابت کے خلاف وارث کا دعوٰی تناقض ہے اور غیر محل خفا میں تناقض مبطل دعوٰی۔ وجیز امام کردری پھر بحرالرائق جلد ہفتم ص ۳۹ پھر فتح اللہ المعین جلد ۳ ص ۲۴۴ پھر طحطاوی علی الدرالمختار جلد ۳ ص ۲۱۶ میں ہے:

اعلم ان التناقض کما یکون من متکلم واحد یکون عن متکلمین کمتکلم واحد حکما کوارث ومورث۔[1]

معلوم ہونا چاہئے کہ جس طرح تناقض ایک متکلم کے کلام میں ہوتا ہے اسی طرح ایسے دو متکلم حضرات کے کلاموں میں جو ایک متکلم کے حکم میں ہوں، مثلاً وارث اور مورث دونوں کا کلام ایک متکلم کے حکم میں ہے۔ (ت)

فتح المعین وطحطاوی صفحات مذکورہ میں اس کے بعد ہے:

وفی ھذا دلالۃ ظاھرۃ علی ما نقلہ الشیخ حسن (یعنی العلامۃ الشرنبلالی) فی رسالۃ الابراء عن فتاوی الشیخ الشلبی حیث حکی الاجماع علی ان دعوی الوارث لاتسمع فی شیئ لاتسمع فیہ دعوی مورثہ ان لوکان حیا فادعی۔[2]

اور اس میں شیخ حسن یعنی علامہ شرنبلالی کی رسالہ الابراء میں شیخ شلبی کے فتاوٰی سے منقول کلام پر ظاہر دلالت ہے جہاں انہوں نے یہ اجماع ذکر کیا ہے کہ جہاں مورث اپنی زندگی میں کوئی دعوٰی کرتا تو اس کا دعوٰی وہاں مقبول نہ ہوتا وارث کا ایسا دعوٰی قابلِ سماعت نہ ہوگا۔ (ت)

دوم واپسی دستاویزات کے دعوٰی میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کاغذ دستاویز ملک مدعا علیہ ہے

---

[1] و [2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب القضاء مسائل شتی دارالمعرفۃ بیروت ۳/۲۱۶

تو دعوی راساً باطل، صرف رسید پانے کا دعوی کر سکتا ہے اگر نہ پائی ہو اور اگر مالک مدعی ہے تو ضرور ہے کہ دعوٰی میں کاغذ کی مقدار اور اس کی صفت بیان کرے ورنہ دعوی بوجہ جہالت نامسموع، یہاں مدعیوں نے ان میں سے کچھ نہ بیان کیا لہذا دعوٰی مدفوع۔ حاوی زاہدی وقنیہ باب المداینات وعقود الدریہ جلد دوم صفحہ ۲۰۸؛

طلب القبالة من رب الدین بعد القضاء فللمدیون طلبها منهم ان کانت الکاغذة مملوکة له وان کانت مملوکة للدائن فله طلب وثیقة القضاء منه ولابد فی صحة دعوی القبالة من بیان قدر الکاغذة وصفتها وبیان قدر المال المکتوب فیها[1] (ملخصاً)

قرض کی ادائیگی کے بعد قرضخواہ سے دستاویزات طلب کرنا مقروض کا حق ہے بشرطیکہ وہ دستاویزات مقروض کی ملکیت ہوں، اور اگر وہ قرض خواہ کی ملک ہوں تو پھر مقروض کو صرف ادائیگی کی رسید کے مطالبہ کا حق ہے اور دستاویزات کے دعوٰی میں مدعی پر لازم ہے کہ وہ ان دستاویزات کی مقدار اور ان کی صفت اور ان میں درج شدہ مال کی مقدار کو بیان کرے (ملخصاً)۔ (ت)

ریاست رامپور میں علاقہ قدیم پر اسٹامپ کی قید بہت جدید ہے اگر ان دستاویزوں تک نہ تھی جب تو ظاہر اور تھی تو جب بھی اس قدر تعیین مدعی بہ کے لئے کافی نہیں کبھی کاغذ کم قیمت کا پیش ہوتا ہے جس پر تاوان لے کر رجسٹری کر دیتے ہیں کبھی جتنی قیمت کا قانوناً چاہئے خزانے میں نہیں ہوتا تو دو قطعے دئے جاتے ہیں کبھی عبارتِ دستاویز قطعاً اسٹامپ پر پوری نہیں آتی سادہ ضمیمہ لگاتے ہیں تو صرف اس قدر کہ اس نوعیت کی دستاویز پر اتنے کا اسٹامپ ہوگا، تعیین کاغذ نہیں کر سکتا بلکہ دعوٰی میں اس کا بیان ضرور ہے کہ کاغذ کس قیمت کا ہے، ایک قطعہ ہے یا دو، تنہا ہے یا مع ضمیمہ، ضمیمہ ہے تو کس مقدار و صفت کا ہے، یہاں ان میں سے کچھ مذکور نہیں لہذا دعوٰی مسموع نہیں۔

سوم دعوی زر کے ساختہ پرداختہ ہونے پر ایک اور قرینہ واضحہ بھی ہے، بنیوں کو حساب خصوصاً سود کے محاسبات میں کمال مشق و مہارت ہوتی ہے لیکن عرضی دعوی نیز شہود مدعی کے بیانوں پر حساب بہت گندا ہے اوّلاً مدعیوں نے پانچ ہزار پر شرح ماہوار فیصدی ۱۳ ر ۱ پائی بتائی پھر سب نے ماہوار ۔۔۔ حالانکہ شرح مذکور سے پانچ ہزار پر ۔۔۔ ۱۰ ر ۱ پائی ماہوار ہوتا ہے بننے کا ہر مہینے

---

[1] العقود الدریۃ کتاب المداینات ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۰

سود میں آٹھ آنے ماہوار سے زیادہ دینا اور پندرہ برس تک اسی غلطی پر جاری رہنا اور کبھی متنبہ نہ ہونا عادۃً معقول نہیں۔

ثانیاً ۱۷ دسمبر سنہ ۱ سے ختم ماہ تک پندرہ دن ہوتے ہیں مدعیوں نے ان کی بابت بائیس روپے رکھے اور یہی رسید میں دکھائے۔ دسمبر ۳۱ دن کا ہے اس کے ۱۵ دن کے شرح مذکور پر لہ عہ ۱ ۲۳/۳۱ پائی ہوئے کہ اکیس روپے سے تین پیسے بھی زائد نہیں نہ کہ پورے بائیس اور اگر للعہ ہی شرح لیں تو ان پندرہ دن کے لہ عہ ۲۳/۳۱ پائی ہوئے اب بھی بائیس روپے میں ۱۱ روپے سے زائد زیادہ گئے، کیا بنیا ۱۱ یا ۱۵ آنے سود کے حساب میں زیادہ دیگا۔

ثالثاً ایک ہزار زر اصل سے ادا ہونے کے بعد حسب شرح اقراری مدعیان للعہ ۸ پائی ماہوار رہا نہ کہ صہ جو مدعیوں نے لکھا کہ ہر مہینے پر ۶ ر ۲ پائی زائد ہے اور اگر چالیس ہی روپے لیں تو صہ ۲ ر ۳ ۲/۵ پائی ہوا اب بھی ۳/۵ پائی کی زیادت ہے حساب میں اسے بھی غلطی کہیں گے اور مرور زمان سے اس کی مقدار روپوں کو پہنچے گی۔

رابعاً یہ ہزار کی ادا ۳ جنوری سنہ ۱۳ کو بتائی اور جب سے آخر اپریل سنہ ۱۵ تک ماہوار لعہ پہنچی صہ کے حساب سے صرف عہ ۱۲ ر ۲ کے حساب سے یہ رقم یکم جنوری سے پورے ۲۸ ماہ کی ہوئی حالانکہ ان کے زعم پر جنوری کے پہلے دو دن تک للعہ کی پوری رقم باقی تھی اس پر جنوری کے دو یوم کے عا ۱۲ ر ۱۰ ۲۲/۳۱ پائی ہوتے اور صہ کے حساب سے صرف عہ ۴ ر ۲/۳۱ پائی رہ گئے ساڑھے آٹھ آنے سے زیادتی کی کمی ہے، یہ سب اغلاط دعوے پر ہے شرح اقراری مدعیان ۱۷ دسمبر سنہ ۱ سے آخر اپریل سنہ ۱۵ تک حساب یہ ہوا۔

ایام	روپے	آنے	پائی	ایام	روپے	آنے	پائی
۱۵ ایام دسمبر سنہ ۱ بشرح للعہ ۱۰ پائی	۲۱	۰	۸ ۱۰/۳۱	۲۹ جنوری سنہ ۱۳ بشرح للعہ ۸ پائی	۳۲	۸	۹ ۱/۳۱
از جنوری سنہ ۲ لغایۃ دسمبر سنہ ۱۲ گیارہ سال	۵۷۷	۱۰	۰	از فروری سنہ ۱۳ لغایۃ اپریل سنہ ۱۵ ۲ سال ۳ ماہ	۹۳۹	۶	۰
یکم و دوم جنوری سنہ ۱۳	۲	۱۲	۱۰ ۲۲/۳۱				
				مجموع	۶۷۳۶ R	۶ A	۳ ۲/۳۱ P

کل ۶ر۴ر ۲۳/۳۱ پائی دینے تھے لیکن مدعی اور گواہ اور رسیدات سب ۱۱ر عــہ دینا بتاتے ہیں محال عادی ہے کہ ہوشیار بنیا تیرہ چودہ برس غلطی میں پیچاں رہ کر ۹، روپے ۴ آنے، $\frac{۲۹}{۳۱}$ پائی حساب سے زیادہ دے دے یہ ہرگز معقول نہیں اور ایسا دعوٰی کہ ظاہر حال مدعی جس کی تکذیب کرے مقبول نہیں، بحرالرائق میں ہے:

ان من شرط سماع الدعوی ان لایکذب المدعی ظاھر حالہ ثم رأیت ابن الغرس فی الفوائد الفقھیۃ (صرح بہ فقال) ومن شروط صحۃ الدعوی ان یکون المدعی بہ مما یحتمل الثبوت بان لایکون مستحیلا عقلا اوعادۃ، فان الدعوی والحال ماذکر ظاھرۃ الکذب لان المستحیل العادی کالمستحیل العقلی[1] (ملخصا)

دعوٰی کے قابلِ سماعت ہونے کے لئے شرائط میں سے ہے کہ مدعی کا ظاہر حال اس دعوٰی کی تکذیب نہ کرتا ہو، پھر میں نے فوائد فقہیہ میں ابن الغرس کی تصریح دیکھی تو انھوں نے کہا کہ دعوٰی کی صحت کیلئے شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز کا دعوٰی کیا ہو وہ قابلِ ثبوت بھی ہو یُوں کہ وہ عقلاً یا عادۃً محال نہ ہو کیونکہ اگر دعوٰی ایسا ہو کہ وہ ظاہراً جھوٹ ہو تو قابلِ سماعت نہ ہوگا کیونکہ محال عادی محال عقلی کی طرح ہوتا ہے (ملخصاً)۔ (ت)

غایت درجہ یہاں عذر خطا ہوگا یعنی مدعیوں نے براہِ غلط اس شرح کا اقرار کیا مگر بعد اقرار ادعائے خطا مردود وبیکار۔ فتاوٰی قاضیخاں واشباہ والنظائر وقنیہ و درمختار وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

اقر بشیئ ثم ادعی الخطا لم تقبل[2]

ایک چیز کا اقرار کرکے پھر اس کی خطا کا دعوٰی کرے تو قبول نہ ہوگا۔ (ت)

شہادات

ان شہادتوں کے بطلان پر کچھ وجوہ عامہ ہیں کہ ہر وجہ سب کو شامل اور کچھ خاصہ کہ بعض سے خاص مگر ان سے بھی کوئی گواہی خالی نہیں لہذا وہ بھی وجہ عام ہیں، وجوہِ عامہ سات ہیں:

اول حقوق العباد میں صحتِ دعوٰی شرطِ شہادت ہے اگر دعوٰی صحیح نہیں اس پر کوئی شہادت کیسے ہی اعلٰی درجۂ وثوق کی ہو اصلاً مسموع نہیں اذفات الشرط فات المشروط (جب شرط فوت ہوجائے تو مشروط فوت ہوجاتا ہے۔ ت) تنویر الابصار میں ہے:

---

[1] بحرالرائق کتاب الدعوی باب التحالف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۲۶

[2] درمختار کتاب الاقرار فصل مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

43

تقدم الدعوی فی حقوق العباد شرط قبولها[1]

حقوق العباد کے متعلق پہلے دعوٰی ہونا شہادت کی قبولیت کے لئے شرط ہے۔ (ت)

اور ہم ثابت کرچکے کہ یہ دعوٰی صحیح نہیں لہٰذا تمام شہادتیں یہ اور ان کے سوا اور جس قدر ہوں سب باطل۔

دوم حقوق العباد میں شرط شہادت وہ لفظ ہے جو انشاء گواہی کے لئے ہو بلفظ اخبار کچھ بھی کہا جائے ہرگز قبول نہیں۔ معین الحکام میں ہے:

اعلم ان اداء الشھادۃ لایصح بالخبر البتۃ فالخبر کیف تصرف لایجوز الاعتماد علیہ[2]

واضح ہو کہ خبر کے طور پر شہادت کی ادائیگی ہرگز صحیح نہیں کیونکہ خبر جیسی بھی ہو وہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لابد من انشاء الاخبار عن الواقعۃ المشھود بھا والانشاء لیس بخبر فاذا قال الشاھد اشھد کان انشاء ولو قال شھدت لم یکن انشاء[3]

جس واقعہ کی شہادت دی جائے وہ بطریقہ انشاء ہو کیونکہ وُہ خبر نہ ہوگی جب گواہ اشھد (گواہی دیتا ہوں) کہے تو یہ انشاء ہے اور اگر اس نے شھدت (میں نے شہادت دی ہے) کہا تو انشاء نہ ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایقع الانشاء باسم الفاعل نحو انا شاھد عندك بکذا فھذا لیس انشاء[4] ملخصًا

اسم فاعل کے صیغہ سے مثلاً "میں گواہی دینے والا ہوں" کہا تو یہ انشاء نہیں ہے۔ ملخصاً (ت)

گواہ پر قسم خلافِ مذہب و خلافِ شرع ہے بعض متاخرین نے نظر بضرورت جو اس بدعت کو گوارا کیا تھا کہ لوگ جھوٹی شہادت پر جری ہیں جھوٹی قسم سے بچیں گے اب وہ بھی باقی نہیں قسم پر شہادت سے زیادہ جرأت ہے اس سے قطع نظر ہو تو قسم مشہود بہ پر ہوتی تھی مثلاً خدا کی قسم اس زید پر اس عمرو کا اتنا روپیہ فلاں سبب سے آتا ہے یہاں اس کے خلاف تمام اظہاروں میں قسم شہادت دینے پر کھائی ہے کہ خدا کی قسم سچ گواہی دیتا ہوں اس نے "گواہی دیتا ہوں" کو انشائے شہادت نہ رکھا بلکہ اخبار کے لئے متعین کردیا کہ قسم داخل نہیں ہوتی مگر جملہ خبریہ پر، ولہٰذا اگر کہے خدا کی قسم میری زوجہ نہیں اگرچہ اس سے طلاق کی نیت بھی کرے طلاق

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

[2] و [3] و [4] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص ۸۹

نہ ہوگی کہ طلاق انشاء ہے اور قسم نے اس جملے کو خاص خبریہ کردیا، درمختار میں ہے:

لست لك بزوج او لست لی بامرأة لو اکدہ بالقسم لا تطلق اتفاقا لان الیمین قرینۃ ارادۃ النفی[1]

میں تیرا خاوند نہیں ہوں یا تُو میری بیوی نہیں ہے، اگر اس کلام کو قسم سے مؤکد کردیا تو بالاتفاق طلاق نہ ہوگی کیونکہ قسم اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں نفی کا ارادہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان الیمین لتاکید مضمون الجملۃ الخبریۃ فلایکون جوابہ الا اخبارا[2]

کیونکہ قسم جملہ خبریہ کے مضمون کی تاکید کے لئے ہے تو اس کا جواب صرف خبر ہوگا۔ (ت)

سراج وہاج و عالمگیریہ میں ہے:

اتفقوا جمیعا انہ لوقال واللّٰہ ما انت لی بامرأۃ لایقع شیئ وان نوی[3]

سب نے اتفاق کیا ہے کہ اگر خاوند نے کہا خدا کی قسم تُو میری بیوی نہیں ہے، تو ارادہ طلاق کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

واللّٰہ ما انت لی بامرأۃ لایقع عند الکل و ان نوی[4]

خدا کی قسم تُو میری بیوی نہیں ہے کہا تو سب کے نزدیک طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت ہو (ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

اذا قال واللّٰہ ما انت لی بامرأۃ لایقع الطلاق وان نوی بالاتفاق لان الیمین علی النفی تتناول الماضی وھو کاذب فی ذالك فلایقع بہ شیئ[5] (ملتقطا)۔

جب کہے خدا کی قسم تُو میری بیوی نہیں ہے تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت کی ہو یہ بالاتفاق ہے کیونکہ نفی پر قسم ماضی کو شامل ہے جبکہ یہ جھوٹ ہے تو اس سے کچھ نہ واقع ہوگا (ملتقطا)۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲
[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۵۳
[3] فتاوٰی ہندیہ " الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵
[4] بحرالرائق کتاب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۳۰۵
[5] بدائع الصنائع کتاب الطلاق فصل واما الکنایۃ " " " ۳/۱۰۷

تو ثابت ہوا کہ ان میں کوئی شہادت ہرگز شرعاً شہادت ہی نہیں سب افسانہ گوئی وقصہ خوانی ہیں۔

سوم اشھد، گواہی میدہم، گواہی دیتا ہوں سب سے سخت تر قسم ہے اور مشہود بہ مقسم علیہ یعنی وہ بات جس پر یہ شدید قسم کھائی۔ درمختار میں ہے:

رکنھا لفظ اشھد لاغیر لتضمنہ معنی مشاھدۃ وقسم واخبار للحال فکانہ یقول اقسم باللہ لقد اطلعت علی ذلک وانا اخبر بہ وھذہ المعانی مفقودۃ فی غیرہ فتعین[1]

اس کا رکن صرف اشھد کا لفظ ہے اور کچھ نہیں کیونکہ یہ لفظ مشاہدہ اور قسم اور حال کی خبر ہے گویا اس نے یوں کہا خدا کی قسم میں نے اس پر اطلاع پائی اور اس کی خبر دے رہا ہوں جبکہ یہ معانی اس لفظ کے غیر میں مفقود ہیں، تو یہی متعین ہے۔ (ت)

جامع الفصولین جلد اول ص ۱۲۱:

فی لفظ الشھادۃ من التاکید مالیس فی لفظ الخبر لانہ یمین باللہ تعالٰی معنی[2]

لفظ شہادت میں جو تاکید ہے وہ خبر کے لفظ میں نہیں ہے کیونکہ اشھد معناً اللہ تعالٰی کی قسم ہے۔ (ت)

تبیین امام زیلعی ج ۴ ص ۲۱۰:

النصوص ناطقۃ بالاستشھاد فلا یقوم مقامھا غیرھا لما فیھا من زیادۃ توکید لانھا من الفاظ الیمین فیکون معنی الیمین ملاحظا فیھا[3]

تمام نصوص شہادت کے مطالبہ پر ناطق ہیں تو کوئی دوسرا لفظ اس کے قائم مقام نہ ہوگا کیونکہ اس میں تاکید زیادہ ہے اس لئے کہ اس میں قسم کا معنی ملحوظ ہے لہذا یہ قسم کے الفاظ میں ہے (ت)

ہدایہ میں فرمایا:

النصوص نطقت باشتراطھا ولان فیھا زیادۃ توکید فان قولہ اشھد من الفاظ الیمین فکان الامتناع عن

تمام نصوص اس کی شرط پر ناطق ہیں اور اس لئے کہ اس میں تاکید زیادہ ہے تو اس کا اشھد کہنا قسم کے الفاظ میں سے ہے تو اس لفظ سے

---

[1] درمختار | کتاب الشہادات | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۹۰
[2] جامع الفصولین | الفصل التاسع | اسلامی کتب خانہ کراچی | ۱/ ۲۲-۱۲۱
[3] تبیین الحقائق | کتاب الشھادۃ | المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر | ۴/ ۲۱۰

الکذب بھذہ اللفظۃ اشد[1] | کذب کا امتناع شدید ہے۔ (ت)

اور قسم، مقسم علیہ کا اتصال شرط ہے جب ان میں وہ چیز فاصل ہو کہ نہ قسم ہے نہ اس کی تاکید، تو قسم اس سے بے تعلق و بے اثر ہو جاتی ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو قال خدائے راو پیغمبر را پذیرفتم کہ فلاں کار نہ کنم لایکون یمینا لان قولہ پیغمبر را پذیرفتم لایکون یمینا فاذا تخلل بین ذکر اللہ تعالٰی وبین الشرط مالایکون یمینا یصیر فاصلا فلایکون یمینا[2]

اگر یوں کہے میں خدا تعالٰی اور پیغمبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو قبول کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ فلاں کام نہ کروں گا تو قسم نہ ہوگی کیونکہ پیغمبر کو قبول کرتا ہوں کہنا قسم نہیں ہے تو جب اللہ تعالٰی اور شرط کے ذکر میں کوئی غیر قسم والے الفاظ فاصل بن جائیں تو قسم نہ ہوگی۔ (ت)

انہیں میں ہے:

لو قال باللہ العظیم کہ بزرگتر از باللہ العظیم نیست کہ ایں کار نہ کنم یکون یمینا کما لو قال باللہ العظیم الاعظم وھذہ الزیادات تکون للتاکید فلا یصیر فاصلا[3]۔

اگر کہا اللہ عظیم کی قسم، اللہ تعالٰی سے بزرگ تر کوئی نہیں، میں فلاں کام نہ کروں گا تو یہ قسم ہوگی کیونکہ یہ ایسے ہے جیسے کہ اللہ تعالٰی العظیم الاعظم کی قسم، تو یہ زیادتی عظمت کی تاکید ہے تو وہ فاصل نہ ہوگی۔ (ت)

اسی طرح فتاوٰی سمرقند و فتاوٰی خلاصہ میں ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

ویشترط عدم الفاصل من سکوت و نحوہ ففی الصیرفیۃ لو قال علی عھد اللہ وعھد الرسول لا افعل کذا لایصح لان عھد الرسول صار فاصلا اھ ای لانہ لیس قسما

سکوت اور ایسی دوسری چیز کا فاصل نہ بننا قسم میں شرط ہے تو صیرفیہ میں ہے اگر کہا اللہ تعالٰی کے عہد اور رسول کے عہد پر میں ایسا نہ کروں گا" یہ صحیح نہیں کیونکہ "رسول کا عہد" درمیان میں فاصل بن گیا ہے اھ یعنی یہ قسم نہیں ہے بخلاف

---

[1] الہدایہ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۵۸

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/۵۷ و ۵۸

بخلاف عھد اللہ[1] (ملتقطا)

عہداللہ کے (ملتقطا)۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

رجل اخذہ السلطان واراد ان یحلفہ فقال لہ قل بایزد قال بایزد قال کہ بروز آدینہ بیائی قال بروز آدینہ بیایم فلم یأت لایحنث علیہ لانہ لما قال لہ قل بایزد وسکت صار فاصلا فلا یصیر یمینا[2]

ایک شخص کو سلطان نے پکڑلیا اور اس سے قسم لیتے ہوئے سلطان نے کہا، تو کہہ کہ اللہ تعالٰی کی قسم، اس نے کہا اللہ کی قسم تو کل آئے گا" تو گرفتار ہونے والے نے کہا میں کل آؤں گا، وُہ اگر نہ آئے تو اس پر وُہ حانث نہ ہوگا، کیونکہ جب سلطان نے اس کو کہا تو کہہ اللہ کی قسم، پھر سلطان خاموش ہوا، تو یہ خاموشی فاصل بن گئی، تو قسم نہ ہوئی۔ (ت)

اسی طرح بزازیہ وغیرہا میں ہے، اور شک نہیں کہ کلام دیگر بھی مثل سکوت ہے بلکہ اس سے زائد کما فی البحر وقد عرفت المسائل فی الشفعۃ وخیار البکر۔

جیسا کہ بحر میں ہے جبکہ تو شفعہ اور باکرہ کے خیار کی بحث میں مسائل معلوم کرچکا ہے (ت)

اور ظاہر کہ مشہود بہ وہ چیز ہے جس کی نزاع ہے مدعی جس کا مدعی ہے مدعا علیہ جس کا منکر ہے مدعی جسے شہادت سے ثابت کیا چاہتا ہے ان تمام گواہیوں میں "گواہی دیتا ہوں" کے بعد اس کا ایک حرف نہیں، بالائی جملے ہیں۔ محمد رضا خاں گواہی دیتا ہوں ۵ شہ میں مظہر جمعہ خاں کے یہاں ملازم تھا، مظہر حسین گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا میں گنیشی کے مکان پر بیٹھا تھا، عبدالعزیز خاں گواہی دیتا ہوں نو سال ہوئے مظہر گنیشی کے مکان پر تھا، سید عبدالعزیز گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر لیسر گنیشی کو لکھنے کی مشق کرارہا تھا، عجائب الدین خاں گواہی دیتا ہوں مئی کا مہینہ تھا میں دکان عطاری کرتا ہوں گنیشی کا آدمی دوا لینے نسخہ لایا، احمد خاں ولد میاں خاں گواہی دیتا ہوں مئی ۹ شہ کو میں رام پور آیا تھا، حیدر علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا میں گنیشی کے پاس چاول لینے گیا، عبدالرحیم خاں گواہی دیتا ہوں مظہر گنیشی کو بلانے گیا ناظم صاحب نے بلوایا تھا، سید الطاف علی گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کی دکان پر تھا، محمد بشیر گواہی دیتا ہوں بعد

---

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۶

[2] فتاوٰی قاضیخاں " نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۸۲

ظہر کے منظر اپنے گھر کو جارہا تھا، انور بیگ گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا منظر گنیشی کے یہاں بیٹھا تھا، نجن خاں گواہی دیتا ہوں منظر رگناتھ پرشاد کا ملازم تھا، سید حیدر حسین گواہی دیتا ہوں میں خان بہادر کو بلانے گنیشی کے یہاں گیا، احمد خاں ولد عبدالغنی گواہی دیتا ہوں منظر گنیشی کے یہاں نوٹ تڑانے گیا، نجف علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا منظر گنیشی کی بیٹھک میں تھا، محمد غفران گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا منظر عبدالغافر خاں کے مکان پر تھا، اشرف علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنے سال ہوئے دولھا صاحب اور ایک منشی جی گنیشی کی بیٹھک میں آئے، موتی شاہ گواہی دیتا ہوں منصور خاں نے میرے گھر آکر مجھ سے کہا میرا زیور گروی رکھا دو۔ وزیر خاں گواہی دیتا ہوں اتنا زمانہ ہوا میرے ہاتھ میں چوٹ لگ گئی تھی۔

کیا یہی فقرے ما بہ النزاع ہیں کیا انھیں جملوں کا دعوٰی ہے کیا انھیں کو مدعی ثابت کرانا چاہتا ہے ہرگز نہیں تو یہ قطعاً مشہود بہ نہیں، مشہود بہ وہ حق ہے جسے شاہد مشہود علیہ پر بتاتا ہے، شلبیہ علی الزیلعی میں بنایہ سے ہے:

فی الشرع الشھادۃ اخبار بحق لشخص علٰی غیرہ عن مشاھدۃ الخ۔[1]

شریعت میں مشاہدہ کی بنا پر کسی حق کی خبر دینا کہ یہ فلاں کا غیر کے ذمہ ہے الخ (ت)

ظاہر ہے کہ یہ جملے وہ حق نہیں اور ان کا قسم یا تاکید قسم نہ ہونا بدیہی، تو شہادت و مشہود بہ یعنی قسم و مقسم علیہ میں فاصل اور قسم و شہادت کے مبطل ہیں۔ گواہی ان فقروں سے متصل ہوئی نہ کہ مقصود و مشہود سے، معاملہ شہادت و دعوی بس نازک ہے، ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ اگر یوں دعوی کرے کہ یہ چیز میری ملک ہے اور میرا حق، یا گواہ شہادت دے کہ یہ چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق، یہ دعوی و شہادت کافی نہ مانیں گے کہ ممکن ہے کہ میرا یا اس کا حق کہنے کے بعد آہستہ سے لفظ "نہیں" ملالے بلکہ یوں کہنا لازم کہ میرا یا اس کا حق ہے۔ فتاوٰی امام نسفی و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہم میں ہے:

ینبغی للشاھد ان یقول فی شھادۃ این عین ملک این مدعی ست وحق وے ست حتی لایمکن ان یلحق بہ وحق

گواہ کو چاہئے کہ وہ شہادت میں یوں کہے یہ اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق ہے تاکہ اس کو نفی لاحق نہ ہوسکے یعنی صرف اس کا حق "ہے"

---

[1] حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الشہادات المطبعۃ الکبری الامیریہ مصر ۴/ ۲۰۶

وے نے نفی وکان الشیخ الامام فخر الاسلام علی البزدوی یقول اذا قال المدعی فلاں چیز ملک من ست وحق من لایکتفی بہ وینبغی ان یقول وحق من ست ویقول فی قولہ وبدست فلاں بناحق بدست فلاں بناحق ست وکذلک فی نظائرہ حتی لایلحق بہ کلمۃ النفی[1]

نہ کہے، ایسا نہ ہو کہ حق کے ساتھ "نہ ہے" لاحق ہو جائے، امام شیخ فخر الاسلام بزدوی فرماتے تھے کہ اگر گواہ نے یہ کہا فلاں چیز میری ملک ہے اور میرا حق، تو کافی نہ ہوگا، بلکہ "میرا حق ہے" کہے، اور فلاں کا قبضہ ناحق کی بجائے "فلاں کا قبضہ ناحق ہے" یوں ہی اس کے نظائر میں، تاکہ اس کو نفی لاحق نہ ہو سکے۔ (ت)

جب اسے نہ مانا کہ کہیں چپکے سے لفظ "نفی" نہ بڑھا لے تو یہاں تو کسی حرف کے بڑھانے گھٹانے کی حاجت ہی نہیں فقط نیت کافی ہے "گواہی دیتا ہوں" کو صرف ان فقروں سے متعلق کیا جو اس کے متصل ہیں باقی داستان گو تی کر دی۔ معین الحکام میں ہے،

اذا قال الحاکم للشاھد بای شیئ تشھد؟ فقال حضرت عند فلان فسمعتہ یقر بکذا، او اشھد فی علی نفسہ بکذا، او شھد بینھما بصدور البیع او غیر ذلک من العقود لایکون اداء شھادۃ، و لایجوز للحاکم الاعتماد علی شیئ من ذلک[2]

جب حاکم نے گواہ سے پوچھا تو کس چیز کی گواہی دیتا ہے؟ تو اس نے کہا میں فلاں کے پاس حاضر تھا تو میں نے اسے فلاں چیز کا ذکر کرتے ہوئے سنا، یا اس نے مجھے اپنی چیز کا گواہ بنایا، یا کہا میں دونوں فریقوں کے درمیان بیع صادر ہونے کی گواہی دیتا ہوں یا اس کے علاوہ کسی سودے کی، تو یہ شہادت کی ادائیگی نہ ہوگی اور نہ ہی حاکم کو اس بیان پر اعتماد ہوگا۔ (ت)

ہمارے نزدیک اس کی بہتر تعلیل یہی ہے کہ حضرت عند فلان شہادت و مشہود بہ میں فاصل ہو گیا

ولامحل لان یقال لم یقل اشھد لان السوال معاد

یہ محل ایسا نہیں کہ اشھد نہ کہنے کو وجہ بنایا جائے کیونکہ (قاضی کا یہ کہنا تو کیا شہادت دیتا ہے)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۶۱-۴۶۰

[2] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص ۸۹

في الجواب ولذا لم يبنيه عليه العلامة
الطرابلسي وانما علله بانه خبر عن
ماض ويحتمل التغير **اقول** وفيه
نظر ويرده فروع جمة لاتحصى قال
في جامع الفصولين (مش) لو
شهدا انه كان ملكه فكانما شهدا انه
ملكه في الحال ولا يجوز للقاضي ان
يقول امروز ملک وے دانید فعلى هذا
لوادعى دينارا شهدا انه كان
له عليه كذا او قالا او را ایں قدر
زر در ذمه ایں بود ینبغی ان تقبل كما
في العين وفي (ط) ما يدل على
قبولها وفيه وكذا لو شاهد
احدهما انه ملكه والآخر انه
كان ملكه تقبل شهادتهما
لاتفاقهما انه له في الحال
معنى لما مر وكذا الشهادة على
النكاح والاقرار به ففي (فش)
ادعت نكاحه فشهد احدهما انه
اقر انها امرأته والآخر انه اقر انها
كانت امرأته تقبل، لان الشهادة
باقراره بنكاح كان شهادة باقراره
بنكاح حالي لان ما ثبت يبقى
وكذا لو ادعى انها امرأتي
او منكوحتي وشهدا انه

سوال کا جواب میں اعادہ ہوتا ہے اسی لئے
علامہ طرابلسی نے اس کو بنیاد نہیں بنایا اور
وجہ یہ بتائی کہ یہ ماضی سے خبر ہے جو خلاف کا
احتمال رکھتی ہے **اقول** (میں کہتا ہوں کہ)
ماضی والی وجہ قابل غور ہے بہت سے مسائل
اس کو رد کرتے ہیں۔ جامع الفصولین میں فرمایا
(مش) اگر دونوں گواہوں نے شہادت دی کہ
یہ اس کی ملک تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ
فی الحال اس کی ملک ہے اور قاضی کو یہ حق
نہیں کہ وہ کہے کہ کیا آج ملک مانتے ہو، تو اس
بنا پر اگر مدعی دینار کا دعوٰی کرے اور گواہ شہادت
دیں کہ اس کا دین مدعی علیہ کے ذمے تھا یا یوں
کہیں کہ اتنی مقدار زر اس کے ذمہ تھا گواہی قبول
کی جائے گی جیسا کہ عین چیز میں مقبول ہوگی، اور
طحطاوی میں ذکر کردہ اس کی قبولیت پر دال ہے
اور اس میں ہے اور یونہی اگر ایک گواہ نے کہا
یہ اس کی ملک ہے، اور دوسرے نے کہا اس کی
ملک تھی، دونوں کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ معنًی
دونوں کا اتفاق ہے کہ فی الحال ملک ہے جیسا کہ
گزرا، اور یونہی نکاح اور نکاح کے اقرار کی
شہادت کا معاملہ ہے (فش) میں ہے کہ عورت
نے ایک مرد سے نکاح کا دعوٰی کیا، ایک گواہ نے
کہا کہ مرد نے اس کے بیوی ہونے کا اقرار کیا ہے
اور دوسرے نے کہا کہ یہ اس کی بیوی تھی، تو شہادت
مقبول ہوگی، کیونکہ نکاح کے متعلق اقرار کی شہادت

كان تزوجها ولم يتعرض للحال تقبل، ولو ادعى انه كان له لا تقبل لان اسناد المدعى يدل نفى الملك فى الحال اذ لا فائدة للمدعى فى الاسناد مع قيام ملكه فى الحال بخلاف الشاهدين لو اسندا ملكه الى الماضى لا يدل على النفى فى الحال لانهما لا يعرفان بقاءه الا بالاستصحاب والشاهد قد يحترز عن الشهادة بما ثبت باستصحاب الحال لعدم تيقنه بخلاف المالك لانه كما يعلم ثبوت ملكه يقينا يعلم بقاءه يقينا اھ[1] ببعض اختصار، وفى الدرر والغرر وتنوير الابصار والدر المختار ادعى الملك فى الحال و شهد الشهود ان هذا العين كان ملكه تقبل لان ما ثبت فى زمان يحكم ببقائه ما لم يوجد

موجودہ نکاح کے اقرار کی شہادت ہے کیونکہ ثابت شدہ چیز باقی رہتی ہے، اور یوں ہی اگر مرد نے دعویٰ کیا کہ یہ میری بیوی ہے یا منکوحہ ہے اور دونوں گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے اس عورت سے نکاح کیا تھا اور انھوں نے حال کو بیان نہ کیا تو شہادت مقبول ہوگی، اور اگر مدعی نے کہا ہو کہ نکاح تھا تو پھر یہ گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ مدعی کا ماضی کی طرف منسوب کرنا دال ہے کہ فی الحال ملک نہیں کیونکہ فی الحال ملک ہو تو پھر ماضی کی طرف منسوب کرنا مدعی کو مفید نہیں ہے اس کے برخلاف گواہوں کا ماضی کی طرف منسوب کرنا حال کی نفی پر دال نہیں کیونکہ ان کو بقا کا علم صرف استصحاب حال سے ہو سکتا ہے جبکہ بعض اوقات گواہ استصحاب سے ثابت شدہ چیز کی گواہی سے احتراز کرتا ہے کیونکہ وہ یقینی نہیں ہے جبکہ مالک خود اپنی ملکیت کے ثبوت کو جانتا ہے اسی طرح وہ بقاء ملکیت بھی یقینی طور پر جانتا ہے، بعض اختصار کے ساتھ عبارت ختم ہوئی۔ درر، غرر، تنویر الابصار اور درمختار میں ہے اگر مدعی نے اپنی حالیہ ملکیت کا دعویٰ کیا اور گواہوں نے یہ شہادت دی کہ یہ چیز اس کی ملک تھی تو یہ شہادت مقبول ہوگی کیونکہ جب کوئی چیز ایک زمانہ میں ثابت ہو تو جب تک اس کے ثبوت کا زوال ثابت نہ ہوجائے اس وقت

---

[1] جامع الفصولين الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۲

المزیل[1] فالوجه فی تعلیله ما ذکرنا وباللّٰہ التوفیق وللّٰہ الحمد ، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

تک اس کی بقاء کا حکم دیا جائے گا اھ ، تو اس کی علت کی وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے، توفیق اللہ تعالٰی سے اور تمام حمدیں اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ولی خاں کی گواہی بھی اسی بحث کا محل ہے مگروہ اپنے فعل پر شہادت ہے اور خود مجوز نے اسے قبول نہ کیا لہذا اس کی طرف زیادہ توجہ کی حاجت نہیں۔

چہارم حاضر پر شہادت میں مدعی و مدعا علیہ دونوں کی طرف اشارہ ضرور ہے اور غائب و میت کا نام و نسب بتانا جس میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ذکرِ جد بھی لازم، اور اسی پر فتوٰی ہے مگر جب غناء ہے، ذخیرہ و ہندیہ وغیرہما میں ہے:

یحتاج فی الشہادۃ علی الحاضر الی الاشارۃ الی المدعی علیہ والمدعی ویحتاج الی تسمیۃ الشہود اسم المیت والغائب وابیہما وجدہما[2]

حاضر شخص کے خلاف شہادت میں مدعی اور مدعی علیہ کی طرف اشارہ کی ضرورت ہے، اور گواہوں کا میت اور غیر حاضر اور ان کے والد اور دادا کا نام لینا ضروری ہے۔ (ت)

بحر میں ہے:

والصحیح ان النسبۃ الی الجد لابد منہ[3]

صحیح یہی ہے کہ دادے کی طرف نسبت ضروری ہے۔ (ت)

شہادات تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(ھی) ان (علی حاضر یحتاج الشاھد الی الاشارۃ (الی) ثلثۃ مواضع اعنی (الخصمین و المشھود بہ لوعینا) لادینا (وان علی

شہادت اگر حاضر کے خلاف ہو تو گواہ کو تین چیزوں کی طرف اشارہ کی ضرورت ہوگی، مدعی، مدعی علیہ اور مشہود بہ اگر وہ عین چیز ہو، نقد نہ ہو، اور اگر غائب کے خلاف ہو جیسے

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی باب دعوی الرجلین مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

[3] بحرالرائق باب الشہادۃ علی الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۲۵

غائب) کمافی نقل الشھادۃ (او میت فلابد) لقبولھا (من نسبتہ الی جدہ فلایکفی ذکر اسمہ واسم ابیہ وصناعتہ الااذاکان یعرف بھالامحالۃ) بان لایشارکہ فی المصر غیرہ[1]

نقل شہادت کی صورت ہو، یا میت کے متعلق ہو تو اس وقت شہادت کی قبولیت کے لئے ان کو دادے کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے تو اس کا اور اس کے باپ کا اور پیشہ کا نام ذکر کرنا کافی نہیں ہے ہاں اگر ان کے ذکر سے لازمی طور پر معرفت ہوجائے مثلاً اس نام کا شہر میں کوئی دوسرا نہ ہو۔ (ت)

فتاوٰی ابن رشید الدین وجامع الفصولین میں ہے:

لوکانت الشھادۃ علی الحاضر یحتاج الشاھد الی الاشارۃ الی ثلثۃ مواضع الی الخصمین والمشھود بہ ولوعلی غائب اومیت فسماہ ونسبہ الی ابیہ فقط لاتقبل حتی ینسبہ الی جدہ[2]

شہادت اگر حاضر کے خلاف ہو تو تین چیزوں کی طرف اشارہ ضروری ہے، مدعی، مدعٰی علیہ اور مشہود بہ کی طرف۔ اور غائب اور میت سے متعلق ہو تو ان کا نام اور ان کے باپ کا نام کافی نہ ہوگا بلکہ ان کے دادے کا نام ذکر کیا جائے تو شہادت قبول ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

اماالغائب فلابد من ذکر جدہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی وھو الصحیح والفتوی علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی[3]

لیکن غائب شخص کے متعلق ہو تو اس کے دادے کا ذکر بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ضروری ہے یہی صحیح ہے اور فتوٰی امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔ (ت)

اسی طرح عامہ کتب مذہب میں ہے **اقول** پر اس میں یہ ہے کہ حاضر پر شہادت میں شاہد کا اسے پہچاننا ضرور ہے جبکہ اصل شاہد ہو نہ کہ شاہد علی الشاہد، کماافادہ العلامۃ ابن قاضی سماوۃ (جیسا کہ علامہ ابن قاضی سماوۃ نے اس کا افادہ فرمایا ہے۔ ت) محیط پھر جامع الفصولین

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱
[2] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۹
[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/ ۱۱۹

میں ہے :

یحتاج الی اداء الشھادۃ بمحضر منہ فلابد من معرفتہ بوجہ لیمکنہ الشھادۃ علیہ وعند غیبتہ او موتہ یحتاج الی الشھادۃ باسمہ ونسبہ فلابد من معرفۃ اسمہ ونسبہ[1]

حاضر کے متعلق شہادت اس کے سامنے ضروری ہے تاکہ ضروری شناخت ہوسکے اور غیب ہونے کی صورت میں یا موت کی صورت میں اس کے نام اور اس کے نسب کو بیان کرنے کی ضرورت ہوگی تاکہ اس کے نام اور نسب کی ضروری معرفت ہوسکے۔ (ت)

ولہذا اگر گواہ حاضر کا پورا نام ونسب بیان کریں اور اسے پہچانتے نہ ہوں گواہی مردود ہے۔ جامع الفصولین میں ہے :

شھدا علی امرأۃ باسمھا ونسبھا وھی حاضرۃ فقال القاضی للشھود ھل تعرفون المدعی علیھا فقالوا لا لاتقبل شھادتھم[2]

دو گواہوں نے عورت کے خلاف شہادت دیتے ہوئے اس کا نام ونسب بیان کیا اور وہ موجود تھی، تو قاضی نے گواہوں سے پوچھا کہ تمھیں اس عورت کی شناخت ہوگئی ہے؟ تو انھوں نے کہا نہیں، تو ان گواہوں کی شہادت قبول نہ ہوگی (ت)

اور حاضر میں معرفت شاہد کا بتانے والا یہی اشارہ ہے نام ونسب سیکھ کر بھی کہہ سکتے ہیں جیسے ابھی اسی فرع میں گزرا تو حاضر پر گواہی بے اشارہ قبول نہیں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کی طرف اشارہ لازم ہے اور یہ سب گواہیاں اس سے خالی ہیں مدعیوں کی طرف اشارہ اصلاً کسی میں نہیں۔

پنجم یوں ہی مدعا علیہ کی جانب سوائے شہادت وزیر خاں کہ محض مہمل وبے معنی ہے کما یأتی (جیسا کہ آگے آئے گا۔ ت) بلکہ اس کا اشارہ بھی شہادت میں نہیں اس سے خارج وجدا ہے، اس نے یہ نہ کہا کہ یہ دولھا خاں آئے بلکہ "دولھا خاں صاحب پیشکار آئے" تو کلام میں اشارہ نہیں اگرچہ اس کے ساتھ ہو شہادت کلام ہے کہ زبان سے ادا ہوتا ہے نہ کہ ہاتھ سے، تو شہادت اشارہ سے خالی ہے جس طرح اپنی زوجہ سے کہے تجھ پر اتنی طلاق اور تین انگلیاں

---

[1] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] " " " " " ۱/ ۲۱-۱۲۰

اٹھائے تین طلاق ہوجائیں گی کہ اس اشارے سے کلام متعلق ہوا۔ بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

کذا اذا اشار الی عدد الثلاث بان قال لہا انت طالق ھکذا یشیر بالابہام والسبابۃ والوسطی لان الاشارۃ متی تعلقت بہا العبارۃ نزلت منزلۃ الکلام اذا اقامت الاشارۃ مع تعلق العبارۃ بہا مقام الکلام صار کانہ قال انت طالق ثلثا[1]

یُوں ہی جب تین عدد کا اشارہ کرتے ہوئے خاوند نے کہا تجھے یہ طلاق۔ انگوٹھا، شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی سے اشارہ کیا کیونکہ اشارہ کے ساتھ عبارت ہو تو اس اشارہ کو کلام کے قائم مقام کیا جاتا ہے تو جب اشارہ عبارت سے متعلق ہو تو "تجھے تین طلاق" جیسی کلام کی طرح ہوجائیگا (ت)

ردالمحتار میں فتاوٰی امام قاضیخاں سے ہے:

قال انت طالق واشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانہ فانہا تطلق واحدۃ[2]

خاوند نے "تجھے طلاق" کے ساتھ تین انگلیوں کا اشارہ کیا اور تین طلاقوں کی نیت کی اور زبان سے اشارہ ذکر نہ کیا تو ایک طلاق ہوگی کیونکہ اشارہ کا تعلق عبارت سے نہیں ہے۔ (ت)

اور اگر کہے "تجھ پر طلاق" اور تین انگلیاں اٹھائے دل میں بھی تین ہی کی نیت کرے ایک ہی طلاق پڑے گی کہ اس اشارے سے کلام کا تعلق نہ ہوا۔

ششم گنیشی مردہ ہے اس کے نہ دادا کا نام اصلاً کسی نے لیا نہ باپ کا، بلکہ بعض نے صراحۃً اس کے باپ کا نام معلوم ہونے سے انکار کیا تو شہادتیں سب مختل و پُرقصور ہیں۔ ناظر یہاں تعجب کرے گا کہ سید عبدالعزیز نے شہادت اور محمد رضا خاں نے جواب جرح میں بتایا ہے کہ گنیشی کے باپ کا نام رام چندر ہے اور ولی خاں نے شہادت میں کہا ہے عبدالغافر نے رسید لکھ دی میں نے کہا گنیشی کی ولدیت رامچندر لکھ دیجئے تو ان تین نے تو باپ کا نام بتایا مگر اس کا یہ تعجب دوسرے سخت استعجاب سے بدل جائیگا جب اسے معلوم ہوگا کہ گنیشی کا باپ رامچندر نہیں بلکہ للہ مل ہے جیسا کہ خود اس نے اسی بیعنامہ بنام نوشان بیگم کے عنوان میں لکھا ہے وہ رامچندر کا متبنی تھا اور متبنی کو بیٹا بتانا قرآن عظیم کے خلاف ہے۔

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الطلاق فصل واما بیان صفۃ الواقع بہا الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰-۱۰۹

[2] ردالمحتار باب الصریح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۴۸

قال تعالیٰ وما جعل ادعیاء کم ابناء کم ذٰلکم قولکم بافواھکم واللّٰہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل ¹ ادعوھم لاٰبائھم ھو اقسط عند اللّٰہ ²

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہ ٹھہرایا، یہ تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے اور اللہ حق بات فرماتا اور وہی راہ دکھاتا ہے۔ انھیں ان کے اصل باپوں کی طرف نسبت کرو، یہ اللہ کے یہاں زیادہ انصاف کی بات ہے۔

تو یہ ان شاہدوں کا کذب ہوا اور قرآن عظیم کی مخالفت اور نہ بتانے سے اُلٹا بتانا بدتر، اور اگر بفرضِ باطل رامچندر ہی اس کا باپ ہوتا تو یہ نام سید عبدالعزیز نے شہادت میں یُوں نہ لیا کہ گنیشی ابن فلاں پر شہادت دی ہو بلکہ ختمِ شہادت پر ایک مستقل جملہ کہا کہ گنیشی کے باپ کا نام رامچندر ہے اس میں بھی لفظ مذکور تک نہ کہا معلوم نہیں کون سے گنیشی کا باپ۔ یونہی محمد رضا خاں نے ایسا ہی مستقل جملہ کہا ہے وہ بھی جواب جرح میں جو ختمِ شہادت کے بعد ایک مبتدع طریقہ ہے ولی خاں نے اسے اخبار بھی نہ کہا بلکہ استدعا کی کہ یہ ولدیت لکھ دو، اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ واقع میں یہی ولدیت ہو، اس نے ہاتھی خانے کا تحویلدار بھی کہا مگر کہاں کا ہاتھی خانہ، یہ نہ بتایا، شہادت میں ذہنی تصورات سے کام نہیں چلتا کہ مقصود ہے تعریف، و تعریف تعریف ہے یعنی یہ بتانا کہ شاہد اسے پہچانتا ہے، یہ تعریفیں الفاظ سے ہوں گی نہ کہ قائل کے مافی الذہن سے لہٰذا سب شہادتیں مہمل ہیں۔

ہفتم عبدالغافر خاں پر دعویٰ عائد ہونے کی بنا اس پر ہے کہ بیعنامہ و کرایہ نامہ میں زوجہ عبدالغافر خاں کا نام فرضی ہو حقیقۃً یہ عقد عبدالغافر خاں سے ہوئے ہیں شہادتوں سے اس کا ثبوت دو ہی صورتوں میں منحصر، ایک یہ کہ گواہ اپنے ذاتی علم سے اس پر شہادت دیں، دوسرے یہ کہ ان کے سامنے عبدالغافر خاں نے زوجہ کا نام فرضی اور اپنا واقعی ہونے کا اقرار کیا ہو اس کی گواہی دیں لیکن تمام شہادات ان دونوں وجہ سے خالی ہیں اپنا ذاتی علم تو کسی نے بیان نہ کیا بلکہ بعض مثل حیدر علی خاں و محمد شبیر وغیرہما نے اپنے علم کی صاف نفی کی ہے، اکثر نے گنیشی کا قول بیان کیا ہے کہ میں نے عبدالغافر خاں سے پانچ ہزار قرض لئے اور اپنے مکان دکان رہن یا مکفول کئے ان کا کرایہ یا سُود دیتا ہوں گنیشی یہاں بجائے مدعی ہے، باطل ست آنچہ مدعی گوید (باطل ہے جو کچھ مدعی کہتا ہے۔ ت) اگر مدعی کے کہنے سے ثبوت ہو جائے تو گنیشی کا بیان تو گواہوں سے سنا مدعیوں کا بیان تو خود مجوز کے سامنے ہوا بس اس قدر

---

¹ القرآن الکریم ۳۳/۴
² القرآن الکریم ۳۳/۵

پر فیصلہ ہو جاتا شہادتوں کی کیا حاجت تھی، عبد الغافر خاں کا جو قول شاہدوں نے بیان کیا وہ پانچ قسم ہے:

(۱) محمد رضا خاں و منظر حسین "بہت دن ہوگئے روپیہ کرایہ کا دو" کس کا کرایہ کا ہے کا کرایہ، یہ محض مجمل و مہمل۔

(۲) محمد رضا و منظر حسین "کرایہ ہمارا چاہیے" عبد العزیز خاں "ہمارا کرایہ دلوائیے" احمد خاں ولد میاں خاں "ہمارا کئی مہینے کا کرایہ دلوائیے" حیدر علی خاں "ہمارا کرایہ بہت عرصہ سے نہ پہنچا" عبد الرحیم خاں "کرایہ کا روپیہ بہت دنوں سے نہیں دیا ہے ہم کو دو" سید الطاف علی "آپ نے ہمارا تین سال کا کرایہ ادا نہیں کیا ہے" محمد بشیر "ہمارا کرایہ بہت دنوں کا" انور بیگ "ہمارا کرایہ تین سال سے" حیدر حسین "کئی مہینے سے ہمارا کرایہ نہ دیا" ان میں اپنی طرف اضافت ہے مگر یہ نہیں کہ کس چیز کا کرایہ۔

(۳) سید عبد العزیز "۸ مہینے کا مکان کا کرایہ دیجئے" یہ دوم کا عکس ہے کرایہ مکان کا بتایا اور اضافت نہیں۔

(۴) عجائب الدین خاں "کرایہ مکانوں کا جو میرا ہے تم نے نہ دیا" نجن "ہمارا سات مہینے کرایہ مکانوں کا" ان دو میں دونوں ہیں مگر مکان مبہم مکان انھیں میں منحصر نہیں جن کا معاملہ زوجہ عبد الغافر خاں سے ہوا ہے اس سے اتنا سمجھا گیا کہ عبد الغافر خاں نے کچھ اپنے مکان کنیشی کو کرائے پر دئے ان کا کرایہ مانگا۔

(۵) وہ الفاظ جن میں خاص غرض پر روشنی ڈالنی چاہی ہے، سید الطاف علی "ایک دن میں نے مولوی عبد الغافر خاں سے دریافت کیا، فرمایا اگر جائداد رہن رکھ کر منافع لیا جائے خصوصًا ہنود سے سود تو جائز ہے" یہ مثل قسم اول ہے ایک عام بات بطور مسئلہ ہے خاص اپنا ذکر نہیں۔ محمد رضا خاں "یہ بھی وجہ ہے کہ ہمارے رہن میں خلل کرے گا" حیدر علی خاں "میں نے بیع الوفا کرالیا ہے بیع الوفا سے نفع اٹھانا جائز ہے" محمد بشیر "دکانیں اور گودام کنیشی کے میرے پاس رہن ہیں یہ اس کا کرایہ ہے" ان تین بیانوں میں ہرگز اس کا اقرار نہیں کہ زوجہ کا نام فرضی ہے حقیقۃً معاملہ میرا ہے صرف اپنی طرف اضافت ہے مجرد اضافت دستاویز اقراری کنیشی و مصدقہ رجسٹری و مسلمہ فریقین کو کیونکر باطل کردے گی زوج و زوجہ میں ایسا ہی انبساط ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے مال کو بلا تکلف اپنی طرف اضافت کرتا ہے و لہذا ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا کہ یہ دینا نہ ہوا بلکہ گویا خود لینا۔ فتح القدیر میں ہے:

للاشتراك فی المنافع فکان الدافع الی | منافع میں اشتراک کی بنا پر ان کو دینا گویا

هٰؤلاء کالدافع لنفسه من وجه[1] خود کو دینا ہوا۔ (ت)

وکیل خصومت مِلک موکل کو اپنی طرف نسبت کرتا ہے بلکہ ایک خدمتگار اپنے آقا کی مِلک کو، بلکہ وصی مالِ یتیم کو بلکہ موقوف علیہ بلکہ متولی مالِ وقف کو، حالانکہ وقف خالص ملکِ الٰہی عزوجل ہے کسی مخلوق کا اصلاً مملوک نہیں، یہ سب یک گونہ بوجہ اختصاص انھیں اپنی جانب اضافت کرتے اور اپنی مِلک کہتے ہیں تو شوہر نے معاملۂ زوجہ کو اگر اپنا کہا کیا بعید کہا، بلکہ شرفا میں قطعاً یہی معہود ہے عورت کا کوئی مطالبہ کسی اجنبی پر آتا ہو یا عورت نے رہن کیا ہو تو اجانب میں بیٹھ کر یہ نہ کہیں گے کہ ہماری بی بی کا اتنا روپیہ دے دو ہماری بی بی نے یہ رہن کیا ہے بلکہ یوں ہی کہ ہمارا اتنا دے دو ہم نے رہن لیا ہے۔ وجیز امام کردری میں ہے:

ادعی انہ وکیل عن فلان بالخصومۃ فیہ ثم ادعاہ لنفسہ لایقبل لان ماھو لہ لایضیفہ الی غیرہ بخلاف ما اذا ادعاہ لنفسہ ثم ادعی انہ وکیل لفلان بالخصومۃ لعدم المنافاۃ فان الوکیل بالخصومۃ قد یضیف الی نفسہ یکون المطالبۃ لہ[2]

کسی نے کہا کہ میں فلاں کی طرف سے اس معاملہ کی جواب دہی کا وکیل ہوں پھر اسی چیز کو اپنی ملکیت ہونے کا دعوٰی کرے تو یہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ اپنی چیز کو دوسرے کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا، اس کے برعکس پہلے اپنی ملکیت کا دعوٰی کیا، پھر بعد میں یہ دعوٰی کرے کہ اس چیز کی جواب دہی کے لئے میں فلاں کی طرف سے وکیل ہوں تو جائز ہوگا، اس صورت میں منافات نہیں ہے کیونکہ وکیل بالخصومۃ کبھی چیز کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کو مطالبے کا حق ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

ادعی علیہ انہ الہ ثم ادعی انہا وقف علیہ یسمع لصحۃ الاضافۃ بالاخصیۃ انتفاعاً[3]

پہلے دعوٰی کیا کہ یہ میری ملکیت ہے، پھر دعوٰی کیا کہ یہ مجھ پر وقف کی گئی ہے تو دعوٰی مقبول اور قابلِ سماعت ہوگا کیونکہ اپنے لئے انتفاع کی خصوصیت کی بنا پر اپنی طرف منسوب کرسکتا ہے (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ نوع فی التناقض نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

[3] " " " " " " " " " ۵/ ۳۱۸

44

ادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح من الجواب ان کان دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادة یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة [1]

دعوٰی کیا یہ محدود جائداد میری ہے پھر دعوٰی کیا کہ یہ وقف ہے، تو صحیح جواب یہ ہے کہ اگر اس وقف کی تولیت کی وجہ سے اپنی طرف منسوب کیا تو دونوں دعووں میں موافقت ہوسکتی ہے کیونکہ عادۃً متولی کو تصرف اور خصومیت کی ولایت ہوتی ہے اس کی بنا پر اس کی طرف منسوب ہوتی ہے (ت)

رب عزوجل فرماتا ہے:

ولا تؤتوا السفهاء اموالکم التی جعل الله لکم قیٰما [2]

اپنے وہ مال جن کا اللہ تعالٰی نے تمھیں منتظم بنایا ہے بے سمجھ لوگوں کو نہ دو۔ (ت)

امام سعید بن جبیر تلمیذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

هو مال الیتیم یکون عندك یقول لا تؤته ایاه وانفقه علیه حتی یبلغ وانما اضاف الی الاولیاء فقال اموالکم لانهم قوامها ومدبروها [3]

یتیم کا مال ہے جو تیرے پاس ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ مال یتیم کو نہ دو اور اس پر خرچ کرو حتی کہ بالغ ہوجائے، اس مال کو اللہ تعالٰی نے اولیاء کی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ وہ اس کے نگران اور منتظم ہیں۔ (ت)

یہی تفسیر عکرمہ سے منقول کما فی المعالم وغیرها (جیسا کہ معالم وغیرہ میں ہے۔ ت) بلکہ رب العزت نے فرمایا:

ووجدك عائلا فاغنیٰ [4] (اور آپ کو محتاج پایا تو اس نے غنی کردیا۔ ت)

یہ مال ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ہے جسے مولٰی تعالٰی نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف والشہادۃ علیہ قلمی نسخہ ۱/۲۲۵

[2] القرآن الکریم ۴/۵

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۴/۵ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

[4] القرآن الکریم ۹۳/۸

کا مال فرمایا کہ غنا بمال غیر نہیں۔ محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا،

قال الله تعالٰی ووجدك عائلا فاغنی ای بمال خدیجة وانما کان منها ادخاله علیه الصلٰوة والسلام فی المنفعة علی وجه الاباحة والتملیك احیانا[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپ کو اس نے محتاج پایا تو اس نے غنی کردیا، یعنی حضرت خدیجہ کے مال سے، اور اس لئے کہ آپ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی طرف سے ان کے مال میں دخل اختیار تھا یہ اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مباح اور کبھی ملک کے طور پر تھا۔ (ت)

بالجملہ ان میں کوئی صرف مثبت دعوٰی نہیں، ہاں موتی شاہ و وزیر خاں کی کوشش مدعیوں کو قابلِ مشکوری تھی کہ وہ صراحۃً ساری گفتگو عبدالغفار خاں و گنیشی میں بتاتے ہیں ان کی مہمل و متناقض گواہیوں کا حال آئندہ آتا ہے مگر انھوں نے نری ناتمام گفتگو پر خاتمہ کردیا وقوعِ عقد سے صراحۃً انکار کیا، موتی شاہ "میرے سامنے کچھ اور معاملہ نہیں ہوا لکھت پڑھت کچھ نہ ہوئی زبانی بات تھی" وزیر خاں "پھر مجھے کچھ نہیں معلوم، میرے سامنے کچھ دستاویز کی تکمیل نہ ہوئی" اشرف علی خاں "اس کاغذ کا لکھا جانا بتاتا ہے جس میں قصر یکجا زوجہ عبدالغفار خاں کا نام ہے" عبدالغفار خاں کا گھر آنا اور روپیہ کچہری کو لے جانا بلکہ دستاویزیں اپنے نام چھڑانا کسی طرح زوجہ کا اسم فرضی ہونے کا شبہ بھی نہیں دلاتا نہ کہ دلیل ہو۔ ولی خاں و عقران خاں ہزار روپے زر اصل سے عبدالغفار خاں کو دئے جانے اور ان کی رسید لکھنے کے گواہ ہیں،

اوّلاً ان دونوں کی گواہی خود مجوز نے نہ مانی اور اس ہزار کی ڈگری نہ دی۔

ثانیاً تقریر سابق اس وہم کے دفع کو بس ہے، مخدرات کا روپیہ ان کے ازواج ہی کو دیا جائیگا اور وہی رسید دیں گے۔ احمد خاں ولد عبدالغنی خاں و نجف علی خاں اس مد کے گواہ ہیں کہ عبدالغفار خاں نے گنیشی سے گودام کا ایک حصہ پندرہ روپے ماہوار کرائے پر مانگا۔ ان گواہیوں نے تو روشن طور پر ثابت کردیا کہ یہ مکان عبدالغفار خاں سے بیع یا رہن نہ ہوئی ورنہ کرائے پر لینے نہ جاتا، غایت یہ کہ حسبِ زعم مدعیان خلاف اقرار صریح مورث قبضہ نہ ہوا تھا تو بذریعہ نالش قابض ہوجاتا نہ کہ ایک چیز کا پندرہ روپے مہینہ کرایہ دینا چاہتا، بالجملہ کوئی شہادت اس دعوٰی کا اثبات نہیں کرتی کہ اصل معاملہ

---

[1] فتح القدیر باب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقۃ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۰۹

عبدالغافر خاں سے ہے اور زوجہ کا نام فرضی ہے بلکہ یہ دو شہادتیں اس کا رد ہیں۔

وجوہِ خاصہ وجوہِ عامہ کے بعد ان کی طرف زیادہ توجہ کی حاجت نہیں، نہ وقت میں وسعت، مگر بعض کا تذکرہ کریں۔

(اختلافِ شہادت و دعوٰی) اوّل مدعی کہتا ہے قبض و دخل مدعا علیہما کا جائداد مرہونہ پر کبھی ایک منٹ کے لئے نہیں ہوا۔ محمد بشیر "قبضہ جائداد پر عبدالغافر خاں کا تھا اب تک گودام پر عبدالغافر خاں اور رام کنور کا ہے دونوں کے قفل پڑے ہیں عبدالغافر خاں کا کچھ غلہ وغیرہ گودام میں ہے مجھے نہیں معلوم کہ روپیہ لینے سے قبضہ جائداد پر پیشتر ہوا تھا یا بعد، گودام پر اب تک قبضہ عبدالغافر خاں کا ہے اور گنیشی کا بھی قبضہ ہے" یعنی مردے کا۔

دوم مدعی کہتا ہے اصل معاملہ عبدالغافر خاں سے ہے زوجہ کا نام فرضی، احمد خاں ولد عبدالغنی خاں ونجف علی خاں کی شہادتیں صراحۃً اس کا رد کر رہی ہیں کما مر آنفا۔

سوم مدعی کہتا ہے حقیقۃً سود لیا اور اس کے اخفاء کے لئے کرایہ نامہ فرضی لکھوایا۔ انور بیگ "گنیشی نے بچا کر سود کی کارروائی فرضی ہے گودام اور مکان میرا رہن ہے۔"

چہارم مدعی کہتا ہے بشرح سود ۱۳ ؍ ۱۱ پائی سیکڑہ ماہواری موتی شاہ ۱۴ کا سود ٹھہرا تھا۔

پنجم حسب دعوائے مدعیان رسید بہی پیش کردہ میں صرف اس سود کی رقوم ہیں جو گنیشی نے مدعا علیہ کو دیا لیکن سید الطاف علی کا بیان ہے "میں نے گنیشی سے دریافت کیا یہ کتاب کس بابت ہے کہا میں نے مولوی عبدالغافر خاں سے کچھ روپے قرض لئے تھے اس کے کچھ سود وغیرہ کا حساب ہے" گنیشی کا یہ "وغیرہ" دعوی مدعیان کا نقض ہے۔

ششم یہ رسید بہی بھی شاید بنا کر پیش کی ہے وہ مدعیوں اور شاہدوں کی تکذیب کرتی ہے مدعیوں کا بیان ہے کہ "ابتدائے ۱؍ دسمبر سنہ لغایۃ دسمبر سنہ ۱۲ صہ بشرح للعہ ماہوار مدعا علیہ کو باخذ رسیدات نوشتہ نامبردہ ادا کی گئی، لیکن رسید بہی میں نومبر سنہ میں للعہ للعہ کی دو رقمیں درج ہیں تو آخر دسمبر سنہ ۱۲ تک صہ للعہ پہنچی۔

(اختلافِ شاہدان) ہفتم بیان مدعیان کے سلسلے کو تمام گواہوں نے اول سے آخر تک نباہا ہے کہ ۱۵ یوم دسمبر سنہ کے عہ پھر ختم سنہ ۱۲ تک ہر مہینے کے للعہ انھیں کے لحاظ سے اخیر رقم سہ عہ رکھی ہے اور شاہدوں کے مشاہدے سے جولائی سنہ ۶ تک پہنچی ہوئی اعامہ للعہ حالانکہ رسید بہی سے یہ رقم اعامہ ہے اور رقم اخیر سہ للعہ۔

ھشتم موتی شاہ و وزیرخاں دونوں ایک جلسے کے گواہ ہیں قول محض میں اختلاف زمان ومکان مضر نہیں اس لئے کہ وہ مکرر ہوسکتا ہے مگر یہ طویل تقریر اور ابتدائی مول تول کے دونوں نے بیان کئے عادۃً ہرگز دوبار نہیں ہوتے کہ ایک بار گنیشی عبدالغافر خاں کو بلائے، عبدالغافر خاں آپ نے مجھے بلایا تھا، گنیشی بلایا تھا مجھے پانچ ہزار روپے کی ضرورت ہے، عبدالغافر خاں میں دوں گا میرا اطمینان کیا ہوگا، گنیشی زنانہ مکان گودام دکان ضمانت میں دوں گا اس روپے کا نفع کیا لیا جائیگا، دولھا خاں ڈیڑھ روپیہ کا قاعدہ رام پور میں ہے وہی لیا جائیگا، گنیشی آپ میرے مہربان ہیں کچھ کم کرکے کہہ دیجئے، دولھا خاں ایک روپیہ، گنیشی میں عرض کرتا ہوں اس کو منظور کرلینا ۱۴؍ للعہ ماہوار آپ لے لیا کریں، دولھا خاں ذرا چُپ ہوئے پھر کہا یہ تو ۱۴؍ سے بھی ایک پائی کم ہوتا ہے، گنیشی اب آپ اسے ہی منظور کرلیں ہماری آپ کی محبت ہے، دولھا خاں آپ کاغذ کی تکمیل کریں روپیہ تیار ہے دوں گا، پھر فریقین سورہے اور ۲۱ دن بعد گنیشی پھر عبدالغافر خاں کو بلائے اور اول تا آخر سب وہی گفتگو پیش آئی فریقین اس پہلی گفتگو کو ایسا بھول جائیں کہ خواب فراموش ہوجائے اور از سرِ نو آغاز کریں مگر تمام سوال جواب وہی رہیں ترتیب تک نہ بدلے، وہی بلانے کی وجہ پوچھنی وہی پانچ ہزار کی ضرورت وہی اطمینان کا سوال وہی انھیں کفالتوں کا بیان وہی سود کا سوال وہی حسبِ قاعدہ شہر ڈیڑھ روپیہ وہی تخفیف چاہنا وہی اس پر ایک روپیہ پھر وہی کہ میری مانئے ۱۴؍ للعہ ماہوار اس پر وہی تامل اور وہی جواب کہ ۱۴؍ سے بھی ایک پائی کم ہوا اور بالآخر وہی قبول کہ روپیہ تیار ہے کاغذ لکھواؤ اسے ہرگز عقل سلیم قبول نہیں کرتی تو ضرور جلسۂ واحدہ کے گواہ ہیں لیکن یہ انھیں کے بیان سے محال ہے موتی شاہ کی شہادت ۹؍ اکتوبر ؁ کو ہوئی اور وہ بالجزم کہتا ہے "عرصہ اسکو سولہ برس کا ہوا" تو روز گفتگو ۱۳؍ اکتوبر ؁ ہوا اور وزیر خاں کی شہادت ۱۳؍ مارچ ؁ کو ہوئی اور وہ بالجزم کہتا ہے کہ "سولہ برس پانچ مہینے ہوئے" تو روز گفتگو ۱۳؍ اکتوبر ؁ ہوا، ۹ و ۳۱ دونوں ایک ہوجائیں تو یہ شہادتیں دائرۂ امکان میں آئیں لیکن وہ محال تو یہ بھی باطل و واجب الاہمال۔ خانیہ وہندیہ میں ہے:

لا تبطل الشھادۃ باختلاف الشاھدین فیما بینھما فی الایام والبلدان الا ان یقولا کنا مع الطالب فی موضع واحد فی یوم واحد[1]۔

دونوں گواہوں کا زمانہ اور شہروں میں اختلاف شہادت کو باطل نہ کرے گا ماسوائے اس کے کہ وہ دونوں ایک جگہ ایک دن میں طالب کے ساتھ ہونے کی بات کریں۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن فی الاختلاف بین الشاہدین نورانی کتب خانہ پشاور ٢/ ٥٠٦

مبسوط و عالمگیریہ میں ہے،

شھد احدھما انہ طلقھا یوم الجمعۃ بالبصرۃ و الاٰخر انہ طلقھا فی ذٰلک الیوم بعینہ بالکوفۃ لم تقبل شھادتھما لانا نتیقن بکذب احدھما فان الانسان فی یوم واحد لایکون بالبصرۃ والکوفۃ بخلاف ما اذا شھد احدھما انہ طلقھا بالکوفۃ والاٰخر انہ طلقھا بالبصرۃ ولم یوقتا وقتا فھناک الشھادۃ تقبل[1]

ایک گواہ نے کہا اس نے بصرہ میں جمعہ کے روز بیوی کو طلاق دی، اور دوسرے نے کہا کہ اس نے اُسی جمعہ کے روز کوفہ میں طلاق دی تو دونوں کی یہ شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ ہمیں ان میں سے ایک کے جھوٹا ہونے کا یقین ہے کیونکہ ایک ہی روز میں انسان کوفہ اور بصرہ میں نہیں ہوتا اس کے برخلاف جب ایک نے کہا کہ اس نے بصرہ میں اور دوسرے نے کہا کوفہ میں طلاق دی اور دونوں نے کوئی وقت نہ بتایا تو اس صورت میں شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

نہم سید عبدالعزیز و عبدالعزیز خاں ایک جلسے کے گواہ ہیں ان کے بیان میں شروع ستمبر ہے اس کے بیان میں ۳۰ ستمبر۔

دہم سید عبدالعزیز کا بیان ہے مظہر لیسر گنیشی کو لکھنے کی مشق کرا رہا تھا اتنے میں مولوی عبدالغافر خاں تشریف لائے گنیشی کے پاس، اور کہا پانچ مہینے کا مکان کا کرایہ دو سوبیس روپے دیجئے، اس پر گنیشی نے رام کنور سے کہا کتاب حساب کی لے آؤ، وہ لے گئے، گنیشی نے مولوی عبدالغافر خاں کو کتاب دی، بعد مولوی عبدالغافر کے چلے جانے کے مجھ سے گنیشی نے کہا اس کتاب میں کیا لکھا ہے، تو اس میں یہ لکھا تھا کہ آخر اگست ۱۸۰۸ء تک کرایہ وصول ہوا یعنی پانچ ماہ کا مطالبہ آتے ہی کیا کتاب سے دیکھنے سے پہلے، لیکن عبدالعزیز خاں کہتا ہے "عبدالغافر خاں تشریف لائے اور گنیشی سے کہا ہمارا کرایہ دلوائیے، گنیشی نے کہا حساب کرلیجئے، اور رام کنور سے کہا کتاب لے آؤ، وہ کتاب حساب کی لائے، عبدالغافر نے دیکھ کر کہا پانچ مہینے کا ہمارا کرایہ بقدر دو سوبیس کے واجب ہے وہ دیدیجئے۔

یازدہم عبدالعزیز خاں کہتا ہے" اس کے بعد گنیشی نے وہ کتاب ایک شخص کو جو گنیشی کے لڑکے کو پڑھا رہا تھا بلاکر دکھائی، اس نے پڑھا، میرے کان تک آواز آئی "یہ شخص وہی عبدالعزیز ہیں" لیکن ان کا بیان ہے" اس وقت آٹھ سات آدمی تھے ایک مظہر اور عبدالغافر خاں مسلمان باقی ہندو"،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۵۰۸

قوان کو وہاں عبدالعزیز خاں کے ہونے ہی سے انکار ہے۔

دوازدہم حیدر علی و عبدالرحیم ایک جلسے کے گواہ ہیں حیدر علی خاں کا بیان ہے "عبدالغافر چلے گئے اس کے بعد گنیشی نے حساب کی کتاب مجھے دی اور کہا پڑھ کر سُنا دیجئے کہ عبدالغافر خاں نے کیا لکھا ہے میں نے گنیشی سے پوچھا یہ کیسا روپیہ ہے کہاں مکان اور گودام رہن ہے اس کے سود کا ہے اس کے بعد میں چلا آیا چاولوں کے واسطے روپیہ دے کے۔ عبدالرحیم خاں کہتا ہے "عبدالغافر خاں جب چلے گئے گنیشی نے کتاب ایک آدمی کو جوان کے پاس بیٹھا تھا دکھائی کہ اس میں کیا لکھا تھا اس نے سنایا پھر انھیں صاحب نے پوچھا یہ روپیہ کیسا عبدالغافر خاں کو دیا گنیشی نے کہا مکان اور گودام اور دکان رہن ہے اس کا کرایہ ہے اس پر اس شخص نے کہا کرایہ بہت ہوگا، گنیشی نے کہا للعہ ماہوار دیتا ہوں انھیں صاحب نے چلتے وقت گنیشی کو عہ دے کہ چاول بھجوا دینا" ان اختلافوں کو جانے دیجئے کہ **اولاً** حیدر علی نے دو چیزیں بتائیں مکان اور گودام، اور عبدالرحیم نے دکان بھی بڑھائی۔

ثانیاً گنیشی کا جواب حیدر علی نے یہ بتایا کہ سود کا ہے عبدالرحیم نے یہ کہ کرایہ ہے۔

ثالثاً ایسا ہی اختلاف یہ ہے کہ حیدر علی خاں کہتا ہے "گنیشی نے اپنے پسر سے کہا حساب کی بہی لے آؤ، وہ لے کر آیا اور عبدالغافر خاں کو دی، عبدالرحیم خاں کہتا ہے گنیشی کو دی۔"

رابعاً حیدر علی خاں کہتا ہے "گنیشی نے کہا پہلے کتنی رقم آپ کے پاس پہنچی" عبدالغافر خاں نے کہا "سما للعہ" اس پر گنیشی نے اپنے بیٹے سے کہا عبدالغافر خاں کو کرایہ کا روپیہ دو، کوٹھری سے لاکر الامعہ دے دے، عبدالرحیم خاں اس کا عکس بیان کرتا ہے کہ الامعہ دے دئے، پھر گنیشی نے کہا اس سے پہلے رقم کس قدر گئی ہے، کہا سما للعہ۔

خامساً تخالف شدید یہ ہے کہ عبدالرحیم کہتا ہے "اس شخص یعنی حیدر علی خاں نے کرایہ پوچھا، گنیشی نے للعہ ماہوار بتایا، حیدر علی خاں کہتا ہے "تعداد ماہواری کرایہ کی مجھے گنیشی نے نہیں بتائی۔"

سیزدہم محمد رضا خاں کہتا ہے "عبدالغافر خاں نے کتاب پر وصول ڈال دیا اور پڑھ کر سنایا کہ آخر مارچ ۲۸ء تک کا کرایہ معرفت مولچند کے وصول پایا" جس کا حاصل یہ کہ کرایہ کسی اور پر ہے اس نے مولچند کے ہاتھ بھیجا لیکن کتاب یعنی رسید بہی کی عبارت یہ ہے "آخر مارچ ۲۸ء تک کرایہ مولچند سے وصول ہوا۔"

چہار دہم سب شاہد للعہ ماہوار کے حساب پر چلے ہیں جس کے فیصدی ۱۴ ار ۱۱ ۲۴/۱۸ پائی

ہوئے لیکن موتی شاہ کہتا ہے "سم ار کا سود ٹھہرا تھا" یہاں یا وجہ چہارم میں مجاز کا عذر کہ بقاعدۂ رفع واسقاط موتی شاہ نے سم ار ایک پائی کم یا زائد کو مجاز سم ار کہا مقبول نہیں کہ شہادت میں مجاز نہیں لے سکتے۔

وجیز امام کردری جلد ۵ ص ۳۲۲ میں ہے:

الحکم لما اتصل بالشھادۃ وشرط فیھا العلم مثل الشمس لم یحتمل فیھا المجاز الذی یصح نفیہ واما الدعوی فاخبار مجرد لایتصل بہ الحکم فاتسع فیہ لدفع المناقضۃ عند الافصاح بالتوفیق۔[1]

حکم جب شہادت سے متصل ہو اور شہادت میں شرط ہے کہ واقعہ کا سورج کی طرح واضح علم ہو اور اس میں مجاز کا احتمال نہ ہو جس کی نفی کرنا پڑے لیکن دعوٰی تو وہ خالص خبر ہے جس میں فیصلہ نہیں ہو سکتا تو اس میں وسعت ہے کہ تناقض کو ختم کرنے کے لئے موافقت کو ظاہر کیا جائے۔(ت)

پانزدہم احمد خاں ولد میاں خاں اور عجائب الدین خاں ایک جلسے کے گواہ ہیں احمد خاں مئی سنہ ۹ کا واقعہ بتاتا ہے کہ عبدالغافر خاں نے کہا کہ آٹھ مہینے کا کرایہ چاہیے جس کے ساعہ ہوتے ہیں، گنیشی نے کہا اس سے پہلے کتنی رقم پہنچی، کہا سم عاء للعہ حسب رسید بہی وشہادت سید عبدالعزیز اگست سنہ ۸ تک تھی جب سے ختم اپریل سنہ ۹ تک ۵ مہینے ہوتے ہیں تو اسی وقت تک کا کرایہ ہوا لیکن عجائب الدین خاں یہی شروع مئی سنہ ۹ لکھا کر کہتا ہے" مولوی عبدالغافر خاں نے جواب دیا سم عاء للعہ اول پہنچی اور ساعہ۔ اب گنیشی نے پوچھا یہ سب کتنے ہوئے، عبدالغافر خاں نے کہا سم لما للعہ بابت کرایہ کے ہمارے پاس پہنچی اکتوبر تک کا" یہ اکتوبر سنہ ۸ کا ہے تو ستمبر سنہ ۸ سے اس تک دو ہی مہینے ہوئے اور ماہوار ماعہ ٹھہرا اور سنہ ۹ کا ہے تو چودہ مہینے ہوئے اور ماہوار کچھ اوپر پچیس ہی رہے۔

شانزدہم محمد رضا خاں و مظہر حسین ایک جلسے کے گواہ ہیں وہ گنیشی کا کہنا یہ بتاتا ہے "کل تم آنا تمھیں بھی روپیہ دوں گا" یہ کہتا ہے "کل ہم روپیہ پہنچا دیں گے"۔

ہفدہم نجن و حیدر حسین ایک جلسہ کے گواہ ہیں نجن کہتا ہے کہ کتاب اس وقت نہیں ملتی کل آکر آپ روپیہ لے لیں، سید حیدر حسین کا بیان ہے عبدالغافر خاں سے گنیشی نے کہا

عہ خط کشیدہ عبارت اندازہ سے درست کی اصل میں پڑھی نہیں گئی۔

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی نوع فی التناقض نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲

کتاب تلاش کرکے میں روپیہ خود بھیج دوں گا یا آپ آکر لے جائیں۔ تجن کہتا ہے عبدالغفار خاں نے کہا کاغذ پر آپ رسید لے لیں کل کچہری سے آؤں گا تو کتاب پر جب مل جائے گی دستخط کردوں گا" حیدر حسین کا بیان ہے کہ کتاب کل میرے پاس بھیج دینا وصول لکھ دوں گا۔

ہیجدہم احمد خاں ولد میاں خاں گنیشی کو کہتا ہے "گورے چٹے تھے" موتی شاہ کا بیان ہے "گندمی رنگ تھا" جب گواہوں کی حالت قابلِ اطمینان نہ ہو جیسی یہاں ہے تو اس قسم کے اختلافات پر بھی نظر کی جاتی ہے، محیط و ہندیہ میں ہے:

قال ابو یوسف اذا رأیت الریبة فظننت انهم شهود الزور فرقت بینهم واسألهم عن المواضع والثیاب ومن کان معهم فاذا اختلفوا فی ذٰلک فهذا عندی اختلاف ابطل به الشهادة۔[1]

امام ابویوسف رحمہ اللہ نے فرمایا، جب شک کی بنا پر مجھے یہ گمان ہو کہ گواہ جھوٹے ہیں تو ان دونوں کو جدا کرکے ان سے جگہ اور لباس کے متعلق اور ان کے ساتھ موجود لوگوں کے متعلق سوال کروں گا اگر وہ ان امور میں اختلاف کریں تو میرے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہے کہ میں شہادت کو باطل کردوں گا۔ (ت)

(تناقض شاہد) نوزدہم محمد رضا خاں نے پہلے "معرفت مولچند" بتایا پھر کہا "ص ۹ پر یہ عبارت لکھی تھی "مولچند سے وصول ہوا"۔

بستم موتی شاہ نے للعہ ماہوار بتایا پھر کہا ۴ر سود۔

بست و یکم سید الطاف علی نے خود اپنی شہادت نقض کردی رقوم سابق و لاحق و مجموعی بیان کرکے کہا "میں نے اس کو نوٹ کرلیا تعداد رقم کی پرسوں میں نے دیکھی ہے اگر نہ دیکھتا تو اس وقت رقم کی شہادت نہ بیان کرسکتا" شاہد کو جب شہادت یاد نہ ہو تو اپنی لکھی یادداشت کی بنا پر گواہی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مطلقاً باطل ہے۔ متن تنویر میں ہے:

لایشهد من رأی خطه ولم یذکرها۔[2]

جس نے خط دیکھا اور اس کا مضمون یاد نہ ہو تو وہ اس کی شہادت نہ دے۔ (ت)

بزدوی وغیرہ نے اسی کو قول امام محمد بتایا تقویم میں اسی کو صحیح کہا، ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب القضاء الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۴۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۲

فی البزدوی الصغیر اذا استیقن انه خطه وعلم انه لم یزد فیه شیئ بان کان مخبوأ عندہ وعلم بدلیل اٰخر انه لم یزد فیه لکن لایحفظ ما سمع فعندھما لایسعه ان یشھد، وعند ابی یوسف یسعه وما قاله ابو یوسف ھو المعمول به وقال فی التقویم قولھما ھو الصحیح، جوھرۃ[1]

بزدوی صغیر میں ہے جب اس کو یقین ہو کہ یہ خط اس کا ہے اور یہ معلوم ہو کہ اس میں کوئی زیادتی نہیں کی گئی اور وُہ خط اس کے پاس بند تھا اور دیگر دلائل سے بھی معلوم ہوا کہ اس میں کوئی زیادتی نہیں کی گئی لیکن خط کا سُنا ہوا مضمون یاد نہیں تو طرفین کے نزدیک اس صورت میں شہادت دینے کی گنجائش نہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اسے شہادت دینا جائز ہے، اور ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے جو فرمایا وہی معمول بہ ہے اور تقویم میں فرمایا کہ طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول صحیح ہے، جوہرہ (ت)

قول امام ثانی پر اگرچہ فتوٰی دیا گیا مگر وہ اس صورت میں ہے کہ گواہ حاکم کے سامنے یہ ظاہر نہ کرے کہ اپنا لکھا دیکھ کر گواہی دے رہا ہوں اس اظہار کے بعد بالاتفاق اس کی شہادت مقبول نہیں۔

بحرالرائق وطحطاوی علی الدرالمختار و عالمگیریہ میں ہے:

ثم الشاھد اذا اعتمد علٰی خطه علی القول المفتٰی به و شھد فللقاضی ان یسأله ھل تشھد عن علم اوعن خط ان قال عن علم قبله وان قال عن الخط لا[2] (ملخصًا)

پھر گواہ کو جب اپنے خط پر اعتماد ہے کہ اسی کا ہے اور گواہی دی تو مفتٰی بہ قول میں جائز ہے، لیکن قاضی اس سے سوال کرے کہ تو اپنے علم کی بناء پر شہادت دے رہا ہے یا خط کی بناء پر اگر وہ یہ کہے کہ اپنے علم کی بنا پر شہادت دے رہا ہوں تو شہادت کو قبول کرلے، اور اگر وُہ کہے کہ خط کی بنا پر دے رہا ہوں تو قبول نہ کرے (ملخصًا)۔ (ت)

تنبیہ: یہاں جو نقول سادہ اظہار محمد رضا خاں، منظر حسین آئیں ان میں اظہار محمد رضا

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۷۵

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار " دارالمعرفۃ بیروت ۳/۲۳۶

بحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۷۲

فتاوٰی ہندیہ " الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۵۶

خاں میں سابق پہنچی ہوئی رقم اعماط للعہ لکھی ہے اور لمالسہ حال کی ملاکر سماعت یہ دعوٰی و دیگر شہادات ورسید بھی سب کے خلاف ہے اور اظہار منظہر حسین میں اولاً رقم سابق اعماط للعہ اور چند سطر کے بعد اعماط للعہ ہے یہ تناقص ہے اگران رقوم میں خطائے نقل ہو تو یہ تین وجہیں اختلاف دعوٰی وشہادت، واختلاف شاہدین، وتناقض شاہد میں اور اضافہ ہوں گی۔

بست و دوم (حالت گواہان) (۱) موتی شاہ (۲) عنفران اقراری سزا یافتہ ہیں (۳) عجائب الدین خاں پتنگ ساز پتنگ فروش گواہی پیشہ ہے (۴) حیدر علی خاں گواہی پیشہ ہے (۵) احمد خاں ولد میاں خاں باجہ فروش ہے (۶) محمد رضا خاں (۷) منظہر حسین بنیوں کے یہاں سود کے تقاضے اور وصول کرکے لانے پر کم درجے کے نوکر ہیں (۸) عبدالعزیز خاں وثائق نویس ہیں، اور صحیح مسلم شریف میں امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربا و مؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[1]

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سُود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ (ت)

(۹) ولی خاں (۱۰) عبدالرحیم خاں (۱۱) اشرف علی خاں (۱۲) محمد بشیر (۱۳) منظہر حسین (۱۴) نجف علی خاں سب جاہل وناخواندہ ہیں بلکہ اظہر یہ کہ ان میں اکثر یا سب اپنے ضروری فرائض سے آگاہ نہ ہوں اور جو اس قدر بھی فقہ نہ سیکھے اس کی شہادت مردود ہے۔ مجتبٰی شرح قدوری و نہر الفائق ودرمختار باب التعزیر میں ہے:

من ترك الاشتغال بالفقہ لا تقبل شھادتہ والمراد ما یجب علیہ تعلمہ[2]

جس نے فقہ سے مشغولیت ختم کردی اسکی شہادت مقبول نہیں یعنی جس نے واجبی حد تک فقہ سے بھی تعلق نہ رکھا۔ (ت)

(۱۵) سید الطاف علی (۱۶) عبدالرحیم خاں (۱۷) نجن (۱۸) اشرف علیخاں (۱۹) منظہر حسین (۲۰) نجف علی خاں (۲۱) وزیر خاں سب بلا سمن کچہری کے ناخواندہ مہمان ہیں عرف حال میں اہل حیثیت

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷
[2] درمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

اسے بے عزتی سمجھتے ہیں (۲۲) ولی خاں درگاہ اس کے یہاں چار روپے کا ملازم ہے (۲۳) عبدالرحیم خاں ایک چپراسی ہے۔(۲۴) محمد بشیر ایک مذکوری (۲۵) اشرف علی خاں (۲۶) نجف علی خاں دونوں گاڑی بان (۲۷) احمد خاں ولد عبدالنبی خاں ۶ روپے کا فیلبان (۲۸) وزیر خاں یہ بھی ہاتھی بان ہے (۲۹ و ۳۰) جہاں یہ دونوں فیلبانی پر نوکر ہیں اس کارخانے کا تحویلدار مدعی ہے اور وہی انھیں تنخواہ دیتا ہے۔

(**تحری صدق**) ایسی جگہ تحری صدق لازم تھی اس کی حالت سخت عجیب ہے مدعیوں نے پیش خویش ایک نہایت مرتب منتظم سلسلہ وصول کرایہ پر شہادتوں کا مسلسل کیا کہ ۱۷ دسمبر ۱۸ءسے چار برس ، ماہ تک تو گنیشی ایسا خوش دہندرہا کہ مہینے کے مہینے للعہ دیتا رہا بلکہ بکمال فیاضی نومبر ۱۸ء میں دوہرے دئے یہاں تک کا وصول اقرار عبدالغافر خاں سے رکھا آگے گنیشی کی یہ حالت ہے کہ تین تین برس گزر جائیں ایک پیسہ بے تقاضا نہیں دیتا مگر ہر تقاضے پر اگرچہ ہزاروں کا مطالبہ ہو روپیہ برابر تیار رکھتا ہے کبھی یہ نہیں کہتا کہ آج اتنی کمی ہے کل پوری کردوں گا پھر روپیہ تیار ہے تو مہینوں برسوں رکھ کیوں چھوڑتا ہے اور عبدالغافر خاں کو برسوں ماہ بماہ لیتا رہا اب مدتہائے مدت تک کیوں ساکت رہتا ہے اس کی حکمت وہ دونوں جانتے ہوں گے ، پھر ہر تقاضے پر گنیشی کے مسلمان بیٹھے ہوتے ہیں نہ نوکر جن کا ہزار ہا ہونا معتبر نہیں کہ نوکر کی کون سنتا ہے بلکہ اجنبی اگرچہ وہ جو نہ کبھی پہلے گئے نہ بعد کو۔ یہ اس لئے کہ مسلم پر کافر کی شہادت مقبول نہیں ، پھر کئی دفعہ اس وقت دو سے کم مسلمان حاضر نہیں ہوتے کہ نصاب کامل رہے اور وہ ہر بار پہلے سے جا بیٹھتے ہیں یا عبدالغافر خاں کے ساتھ کہ سرے سے گفتگو سنیں اور ہر بار عبدالغافر خاں کو اٹھا کر اٹھتے ہیں کہ پوری گفتگو کے شاہد رہیں برسوں کے متفرق جلسے ہیں کبھی اس انتظام میں فرق نہیں آیا ، اب دنیا بھر کا قاعدہ ہے کہ جس حساب کے لئے کتاب موجود ہے اس پر رقم کا وصول دائن کے ہاتھ کا لکھا ہوا دستخط کیا ہوا ہے اس میں ماضی کا اطمینان کافی ہے؛ اسے دہرانے کی کیا حاجت ، اب جو دینا ہو اگر معلوم نہیں اس کا پوچھنا اور دے کر رسید لینا ہی ہوتا ہے مگر گنیشی ہر مطالبہ پر پوچھتا ہے کہ پہلے کتنا پہنچا رقم حال دے کر پھر پوچھتا ہے اب تک کل کتنا ہوا یہ اس لئے کہ ہر بار کے حاضرین کہ رقم حال کے شاہد معاینہ ہوں گے ہر رقم سابق کے شاہد اقرار ہو جائیں ، پھر مجموعہ پوچھنے کی بھی حاجت ہے کہ رقم حال پر بھی اقرار ہو جائے ، یوں ہر رقم سابق و سابق بر سابق سب کا ہر بار اقرار ہوتا رہا

عہ خط کشیدہ جملے اندازے سے بنائے گئے کہ جلد بندی میں کٹ گئے تھے۔ عبدالمنان

کہ افزوں کا سلسلہ منتظم رہے اور ہر رقم حال پر معاینہ بھی اقرار بھی اور ماہ [illegible] رقم اخیر کے سوا سب کی گواہ رسید بھی بھی، پھر تحریر رسید بھی پڑھوا کر سننا بعید نہیں، جاہل ناخواندہ کو ایسا ہی چاہئے کہ نوشتۂ دائن پر اطمینان ہو مگر ہوشیار بنیا کسی اپنے قریب یا نوکر یا دوست ہندو پر اعتماد نہیں کرتا التزام کے ساتھ مسلمان ہی سے پڑھواتا ہے اگرچہ اس سے شناسائی نہ ہو یہ اُسی شہادت علی المسلم کے لئے ہے، پھر یہ حضرات اگرچہ اپنے ذاتی معاملات اگرچہ بہت قریب کے بالکل بھولے ہوئے ہوں ہر بات کا جواب یاد نہیں سے ہو لیکن اس اصول کا معاملہ مدت تک پورا یاد رکھتے ہیں سابق کی رقم الگ، حال کی الگ، مجموعہ کی الگ، وقت الگ۔ پھر جو کوئی پوچھتا ہے کہ یہ روپیہ کیسا دیا اور بنیا سود بتاتا ہے یہ سوال جواب عبد الغافر خاں کے چلے جانے کے بعد ہی ہوتا ہے کسی نے اس کے سامنے نہ پوچھا یہ اس لئے کہ سامنے میں اگر عبد الغافر خاں اس کا رد کرتا بات بگڑتی اور اگر قبول کرتا یا ساکت رہتا کہ وہ بھی قبول ہے تو اس کا خلاف ہوتا کہ تحفظ شان علم کے لئے اخفا چاہا، اہل انصاف دیکھیں ایسی ہوشیاری کے ساتھ سلسلہ بہ سلسلہ ایک سلک میں منسلک کی ہوئی ترتیب وار گواہیاں کبھی سنی ہیں جن کی لائن چپراسی، مذکوری، فیلبان، گاڑی بان، باجہ فروش، کنکیا ساز، محصلان سود، بنیوں کے خدمتی، چار چار چھ چھ روپے کے نوکر جاہل ناخواندے مل کر اس خوبصورتی سے بنا رہے ہیں اس سے بڑھ کر تری صدق اور کیا ہوگی اور اس پر پوری رجسٹری اس نے کردی کہ رقومات میں جو اغلاط مدعیوں سے واقع ہوئے سب گواہ اسی ڈگر پر چلے ہیں غلطی کے لئے کوئی معیار نہیں ہوتا مدعیوں سے غلطیاں ہوئی تھیں اور بالفرض سب شاہد بھی غلطی کرتے تو جدا جدا اغلاط ہوتے، کسی نے کہیں غلطی کی کسی نے کہیں، یہاں یہ نہیں بلکہ وہی غلطیاں انھیں مواقع پر ہیں جس کے ظاہر کہ سب ایک سانچے کے ڈھلے ہوئے ہیں، لطف یہ کہ پانچ ہزار کب کے ادا ہو چکے اس کے بعد بنیا برسوں نئی رقمیں خوشی خوشی دے رہا ہے یہاں تک کہ [illegible] تقریباً تین ہزار روپے زیادہ پہنچا تا ہے ستمبر [illegible] تک ہی پانچہزار سے مامعہ زیادہ جا چکے تھے زر اصل سے ایک حبہ باقی نہ رہا تھا مگر جنوری [illegible] میں ایک ہزار منجملہ زر اصل بھیجتا ہے مگر اسے معلوم نہ تھا کہ نوشان بیگم کے نام اور موتیچند کے کرایہ کی آڑ میں فرضی ہیں میرا اصل معاملہ عبد الغافر خاں سے ہے وہ سود لے رہے ہیں اور سود ناجائز ہے جو دیا جائے رقم اصل میں مجرا ہونا لازم ہے اب میں کا ہے کے ہزار بھیجتا ہوں اور ان کو بھی منجملہ کہتا ہوں اور کاہے پر اور رقمیں دئے چلا جاتا ہوں اگر مدعیوں اور گواہوں کے بیان سچ ہوتے تو ضرور پانچہزار پہنچتے ہی بنیا ہاتھ روک لیتا مدعا علیہ نہ مانتا تو کچہریوں کے دروازے کھلے تھے جو نالش اب ہوئی وہی کرتا اور دستاویزیں واپس لیتا اور ایک پیسہ زیادہ نہ دیتا مگر وہ عمر بھر غفلت میں لٹتا رہتا اور بحکم آنکہ پدر اگر نتواند پسر تمام کند یہ تمام تحقیقیں تدقیقیں پچھلی مت میں اپنے بیٹوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے،

جو یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ان کا باپ احمق تھا عقل ان کو ہے، یہ ہے دعوٰی اور یہ ہیں گواہیاں۔

تجویز و فیصلہ

اس کی نسبت کچھ کہنے کی حاجت نہیں **اوّلاً** سرے سے دعوٰی ہی صحیح نہیں، اور جب دعوی صحیح نہ ہو تو مدعا علیہ سے جواب بھی نہیں لیا جاتا، نہ کوئی کارروائی چلے، شہادتیں گزریں اور غیر صحیح دعوٰی کی ڈگری ہو یہ سراسر باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

یسأل القاضی المدعی علیہ عن الدعوی بعد صحتہا والا تصد صحیحۃ لایسأل[1]

صحتِ دعوٰی کے بعد قاضی مدعا علیہ سے پوچھے اور اگر دعوٰی صحیح نہیں تو مدعا علیہ سے کچھ نہ پُوچھے۔ (ت)

ثانیاً گواہیاں باطل ہیں اور مدعا علیہ کا اقرار یا نکول نہ ہونا بدیہی تو قضا کی راہ مسدود اور حکم باطل ہیں۔ فتاوی امام قاضیخاں و اشباہ والنظائر میں ہے:

القاضی لایقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ اوالاقرار والنکول[2]

قاضی صرف حجت و دلیل کی بناء پر فیصلہ دے سکتا ہے اور حجت تین چیزیں ہیں، گواہی، اقرار اور قسم سے انکار۔ (ت)

بایں ہمہ اجمالاً دو ایک حرف اس کے متعلق بھی لکھنا مناسب کہ تفصیل ایک مستقل رسالہ ہو گی، دُو وجہیں یہ ہوئیں۔

سوم تنقیح ۱ کو بربنائے شہادت موتی شاہ و وزیر خاں بحق مدعیان ثابت ماننا صراحۃً باطل ہے، ردِ شہادات میں اس کا بیان مفصل گزرا۔

چہارم تنقیح ۲ و ۳ کی نسبت تجویز کو خود اقرار ہے کہ شہادت سے اس کا ثبوت ناممکن ہے پھر محض اس بنا پر کہ مدعا علیہ مسلمان معزز ذی علم ہے ان کو بحق مدعیان مان لینا سراسر خلافِ انصاف ہے یوں تو اہل علم و معززین پر کفار و فجار کے دعوی سود ہمیشہ بے شہادت مسموع ہوجائیں گے زید کو ہزاروں روپے دے دیں اور خالد مسلمان ذی علم پر دعوی کردیں کہ زید اس کا علاقہ دار ہے اصل میں سود خالد نے لیا اور مسلم و

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۱۶

[2] الاشباہ والنظائر بحوالہ الخانیہ الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۳۸

عالم ہونے کے سبب نام دوسرے کا کیا۔

پنجم رسید بھی خود ہی ثابت نہیں،

اولاً آئندہ اس کی تصریح کی جائے گی۔

ثانیاً اس کے اختراعی ہونے پر ایک واضح قرینہ نومبر ۱۹۳۸ء میں دو بار للعہ کا اقرار ہے رسید بھی میں مذکور نہیں کہ یہ کس مہینے کا مطالبہ ہے کسی مہینے میں وصول ہونا اُسی مہینے کے مطالبہ ہونے پر دلیل نہیں پہلے کا بھی ہوتا ہے پیشگی بھی ہوتا ہے اگر یہ رسیدات عبدالغافر خاں کی ہوتیں یوں مبہم و مجمل مکرر نہ ہوتیں۔

ثالثاً رسید بھی انھیں اغلاط پر مرتب ہُوئی ہے جو مدعیوں نے دعوے میں کیں جن کا بیان وجوہ ابطال دعویٰ میں گزرا اگر رسیدات واقعی ہوتیں حساب صحیح پر ہوتیں، اور بالفرض اگر مسلم ہو تو ہم وجہ ہفتم عام میں ثابت کر چکے کہ مطالبہ زوجہ کو شوہر کا اپنے دستخط سے وصول کرنا بیجا نہیں۔

ششم ایک ہزار کی رقم منجملہ زر اصل کو عبدالغافر خاں کا وصول کرنا ماننا اور اس کی ڈگری نہ دینا تجویز کا صریح تناقض ہے اگر پہنچنا ثابت ہے تو حقدار کو حق سے محروم کرنا کار قضا نہیں قاضی اس لئے مقرر ہوتا ہے کہ حقدار کو حق دلائے، نہ اس لئے کہ حق مانے اور محروم کردے، اور اگر ثابت نہیں تو اس کے وصول کرنے سے استدلال کیا معنی۔

ھفتم رسیدات پر دستخط کرنے اور ہزار کی رقم خود وصول کرنے کو تنقیحات ۲ و ۳ کے حاصل کا مثبت ماننا الٹی منطق ہے بلکہ یہ ان کا صریح رَد ہے کہ اس میں اس امر شنیع کی اپنی نسبت اعلان ہے جس کا اخفاء چاہا تھا اگر واقعی یہ سُود کی رقمیں ہوتیں عبدالغافر خاں جس طرح دستاویز میں الگ رہا ان وصولوں میں بھی خود نہ پڑتا مسماۃ کے بھائی وغیرہ کسی اور کا پردہ رکھتا۔ کیا فقط دستاویز میں نام ہونے سے اعلان ہوتا ہے جس پر گواہان حاشیہ یا اہل رجسٹری ہی واقف ہوتے اور یہ سالہا سال تک بارہا علانیہ برملا مسلمانوں ہندوؤں سب کے سامنے وصول کرنا باعث اعلان نہیں، کیا گواہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ وہ اور دیکھنے والے ہندو تک متعجب ہُوئے کہ یہ مسلمان ہو کر کیونکر سُود لیتے ہیں نوٹ کرنے والوں نے اسے نوٹ کیا مولویوں سے مسئلہ پوچھا ہاتھیوں پر بیٹھ کر تذکرہ کیا خود ایک ہندو نے اپنے نوکر سے نوٹ کرنے کو کہا اور ان سب سے زائد موتی شاہ و وزیر خاں کی شہادتیں ہیں کہ علانیہ سود کی گفتگو مول تول کرنا بتاتے ہیں موتی شاہ کہتا ہے "فریقین کی گفتگو میں آدمی ہندو مسلمان بہت تھے" وزیر خاں کہتا ہے "مسلمان زائد تھے ہندو کم تھے" موتی شاہ کہتا ہے "وقت گفتگو دن کے دس بجے

کا تھا، اس واقعہ کے یاد رکھنے کا ذریعہ یہ ہے کہ ۱۳ کا سود ٹھہرا تھا حالانکہ مسلمان کبھی سود نہیں لیتے ہیں" جو ایسا بیباک ہو اُسے اخفا کیا معنی، لہٰذا یہ تمام بیانات تصنیف شدہ ہیں۔

ہشتم تنقیح ۸ کے متعلق جن شہادتوں اور ان کے بالترتیب بیانوں سے استدلال کیا ان کے بکثرت ابطال مباحث سابقہ میں گزرے حاجتِ اعادہ نہیں، اس تنقیح کا ایک حرف بھی بحق مدعیان ثابت نہیں مگر غنیمت ہے کہ تجویز نے ان تمام شہادتوں کو خود ہی ناکافی مانا کہ" اس رقم اقراری کے ایصال کو بوجہ تائید شہادت تحریری کے میں ثابت قرار دیتا ہوں" یعنی وہ نہ ہوتی تو میں ان گواہیوں کو نہ مانتا' معلوم ہوا کہ سب گواہیاں ناکافی ہیں، شہادت تحریری کیا ہے، وہی رسید بہی جس کی رَدّی حالت اوپر گزری اور پوری تفصیل بعونہٖ تعالیٰ آگے آتی ہے تو مؤید رہا نہ مؤیَّد اور ثبوت تنقیح باطل و مسترد۔

نہم ذی علم مجوز نے مدعیوں اور شاہدوں اور رسید بہی جن کے کاذب ہونے کی ایک اور دلیل ظاہر کی جو ہمارے خیال میں بھی نہ تھی فرمایا" منجملہ رقم مودی بنام کرایہ کا صلہ ۱۱/ کی ایسی رقم ہے جس کے متعلق مدعیان نے کوئی رسید پیش نہ کی، اور تحریر کرتے ہیں کہ مدعا علیہ نے براہِ بدنیتی اس رقم کی رسیدات نہ دیں، جو کتاب رسیدات مدعیان نے پیش کی اس میں سوائے رقم کا صلہ ۱۱/ کے باقی رقوم درج ہیں" لیکن مدعیان و گواہان و رسید بہی صرف اخیر ۷ ماہ کی رقم مار للعہ ۲/ کی رسید نہ دینی بتاتے ہیں تو بیان ذی علم مجوز کے مقابل سب جھوٹے ہیں، یہاں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تجویز کس اعلیٰ درجۂ بیداری مغزی پر ہے جس نے ان سب کے ایسے اغلاط پر مفید[عہ] روشنی ڈالی۔

دہم رسیدات جن پر بلفظ عبدالغفار خاں دستخط ہیں ان کے نوشتۂ عبدالغافر ہونے کا یہ ثبوت کہ اتنے گواہوں نے ان دستخطوں کا خط پہچانا اور اتنے کاغذات کچہری کے دستخطوں سے دستخط ملے لہٰذا یقیناً مدعا علیہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، محض خلافِ شرع باطل ہے کتبِ مذہب میں تصریحات قاہرہ ہیں کہ خط مشابہ خط ہوتا ہے اور بن سکتا ہے اور یہ کہ اس پر اعتماد جائز نہیں اور یہ کہ قاضی اس پر فیصلہ نہیں دے سکتا۔ بنانے والوں کا جسے تجربہ ہو اور وہ جانتا ہے کہ ایسا بنا لیتے ہیں کہ خود صاحبِ خط کو دیکھ کر اشتباہ ہو جاتا ہے اور وہ تمیز نہیں کر سکتا کہ میرا لکھا ہے یا دوسرے کا، پھر اوروں کی شناخت کیا چیز ہے۔ ہدایہ میں ہے: الخط یشبہ الخط فلا یعتبر[1] (خط ایک دوسرے

عہ خط کشیدہ لفظ اندازہ سے بنایا گیا۔

---

[1] الہدایہ کتاب الشہادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/۱۵۷

کے مشابہ ہوتا ہے لہذا معتبر نہیں۔ت) فتح القدیر میں ہے:

الخط لاینطق وھو متشابہ[1] خط بولتا نہیں وہ متشابہ چیز ہے۔(ت)

درمختار میں ہے: لایعمل بالخط[2] (خط پر عمل نہ ہوگا۔ت) فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

لایصلح حجۃ لان الخط یشبہ الخط[3] چونکہ خط ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے وُہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا(ت)

نیز خانیہ میں ہے:

اخرج المدعی خطا باقرار المدعی علیہ بذلك فانکران یکون خطہ فاستکتب وکان بین الخطین مشابہۃ ظاھرۃ لایقضی بہ ھو الصحیح[4] مدعی نے مدعا علیہ کے اقرار کا خط پیش کیا تو مدعا علیہ نے اپنا خط ہونے سے انکار کردیا تو قاضی مدعا علیہ سے تحریر لکھوائے اور دونوں تحریروں میں واضح مشابہت پائی جائے اس کے باوجود صحیح یہ ہے کہ قاضی اس خط پر فیصلہ نہ دے۔(ت)

اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولا یعمل بہ[5] خط پر نہ اعتماد کیا جائے نہ عمل۔(ت)

کافی شرح وافی میں ہے:

الخط یشبہ الخط وقد یزور ویفتعل[6] خط ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے اور جھوٹا اور جعلی ہوتا ہے۔(ت)

عینی علی الکنز میں ہے:

الخط یشبہ الخط فلا یلزم حجۃ لانہ خط چونکہ ایک دوسرے کے مشابہ اور من گھڑت

---

[1] فتح القدیر

[2] درمختار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۳

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲

[4] ؍؍ ؍؍ کتاب الدعوی والبینات باب الدعوٰی ؍؍ ۴/ ۴۶۶

[5] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

[6] کافی شرح وافی

يحتمل التزوير[1] | ہو سکتا ہے لہذا حجت ہونا لازم نہ آئے گا۔ (ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

الکتاب قد یزور ویفتعل والخط یشبه الخط والخاتم یشبه الخاتم[2] مختصرا۔	مکتوب کبھی جھوٹا اور جعلی ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے اور مہر ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہے، مختصراً (ت)

ظہیریہ وشرح الاشباہ للعلامۃ البیری وردالمحتار میں ہے:

لا یقضی القاضی بذٰلك عند المنازعة لان الخط مما یزور ویفتعل[3]	قاضی کسی نزاع میں مکتوب پر فیصلہ نہ دے کیونکہ خط جعلی اور من گھڑت ہو سکتا ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام ظہیر الدین مرغینانی وغمز العیون میں ہے:

العلة فی عدم العمل بالخط کونه مما یزور ویفتعل ای من شانه ذٰلك وکونه من شانه ذٰلك یقتضی عدم العمل به وعدم الاعتماد علیه وان لم یکن فی نفس الامر کما هو ظاهر[4]	خط پر عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جعلی اور منگھڑت ہو سکتا ہے۔ اور جب وہ ایسا ہو سکتا ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ اس پر عمل اور اعتماد نہ کیا جائے اگرچہ نفس الامر میں وہ ایسا نہ ہو جیسا کہ وہ ظاہر ہے۔ (ت)

یازدہم جن پر بلفظ دولھا خاں دستخط ہیں اور اکثر وہی ہیں ۹۳ رسیدوں میں صرف ۴ پر عبدالغفار خاں ہے اور ۸۹ پر دولھا خاں، ان کی نسبت اتنا بھی نہیں پہچاننے والوں نے شان خط پر گواہی دی یا کسی کاغذ کچہری پر یہ دستخط ملے یہاں صرف اس قدر سے کام لیا گیا کہ اس کی شان شان دستخط سابق سے ملتی ہے یعنی ظن در ظن قیاس در قیاس اور اس پر حکم یہ کہ "دستخط یقیناً مدعا علیہ کے ہیں" انا للہ وانا الیہ راجعون ○

---

[1] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الشہادات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب القضاء فصل فی کتاب القاضی الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۶-۱۶۵

فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

[3] ردالمحتار بحوالہ البیری کتاب القضاء باب کتاب القاضی الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۲

[4] غمز عیون البصائر بحوالہ الفتاوی الظہیریہ مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۹

دوازدہم یہ کہ مدعا علیہ کا نام تو عبدالغافر خاں ہے اور ان میں دولھا خاں، اسے یوں پورا فرمایا کہ "اکثر شہادتوں سے ثابت کہ مدعا علیہ کا عرف دُولھا خاں بھی ہے" شہادتوں کا رَدی حال اوپر گزرا اگر ان کے علاوہ اور شہادتیں مراد ہیں تو انھوں نے یہ شہادت دی کہ عبدالغافر خاں کو دولھا خاں بھی کہتے ہیں یا یہ کہ دولھا خاں جہاں لکھا اس سے یہی عبدالغافر خاں مراد ہیں، اور اگر یہی شہادتیں مراد تو سخت عجب۔ شہادتوں پر اعتماد تو بذریعہ شہادت تحریری یعنی رسیدات مذکورہ ہوا، اب ان رسیدات پر اعتماد ان شہادتوں سے ہو کھلا دَور ہے۔

سیزدہم منجملہ زر اصل ایک ہزار کا عبدالغافر خاں کو پہنچنا ولی خاں وغیرہ ان کی شہادتوں سے (جن کا حال اوپر گزرا) ثابت ماننا اور رسید ورقعہ یقیناً تحریر عبدالغافر خاں جاننا مگر اس بنا پر کہ رقعہ بے رجسٹری ہے لہٰذا بموجب فلاں دفعہ قانون رجسٹری ریاست ثبوت میں لینے کے قابل نہیں اس کی ڈگری نہ دینا سخت عجب ہے بحکم دفعہ رقعہ ثبوت میں لیا جانا نہ سہی شہادتوں کا ثبوت کدھر گیا اگر شہادتیں قابل قبول نہ تھیں ان سے ثبوت ماننا کیا معنی، اور مقبول تھیں تو ان پر عمل نہ کرنا یعنی چہ، یہ شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف ہے، ہاں یوں کہنا تھا کہ شہادتیں ان وجوہ سے (کہ ہم نے فتوٰی میں بیان کیں) باطل ہیں اور کوئی رقعہ بے شہادت نہیں لیا جا سکتا خصوصاً اس میں نقص قانونی بھی ہے لہٰذا ہزار کا پہنچنا اصلاً ثابت نہیں تو بات صحیح ہوتی۔

چاردہم تنقیح ۵ خود فیصلہ نے بحق مدعیان ثابت نہ مانی، تنقیح ۲ کو تین دلیلوں سے ثابت گمان کیا جن میں دو بے علاقہ محض ہیں اور ایک باطل، اول بیع وفا حکم رہن میں ہے اور مرہوں کا کرایہ اور دیگر محاصل حق راہن اور قابل مجرائی بزر رہن ہے، حکم شرع یہ ہے کہ مرتہن بے اجازت راہن شخص ثالث کو کرایہ دے تو کرائے کا مالک مرتہن ہے ہرگز وہ ملکِ راہن نہیں، ہاں اس کے حق میں خبیث ہے تصدق کردے یا راہن کو دے دے اگر حق راہن ہوتا تصدق کا حکم کیونکر ہو سکتا۔ فتاوٰی قاضیخاں و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

ان اٰجر المرتھن من اجنبی وکانت الاجارۃ بغیر اذن الراھن یکون الاجر للمرتھن یتصدق بہٖ[1] (ملخصاً)

رہن لینے والے نے مکان کو رہن رکھنے والے کی اجازت کے بغیر کسی تیسرے شخص کو کرایہ پر دے دیا تو اجرت و کرایہ مرتہن (رہن لینے والے) کا ہوگا اور اس کو صدقہ کردے گا (ملخصاً)۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ قاضیخاں کتاب الرھن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۶۴

وجیز کردری وحموی علی الاشباہ میں ہے:

أجرالمرتھن الرھن من اجنبی بلا اجازۃ الراھن فالغلۃ للمرتھن ویتصدق بھا عند الامام ومحمد کالغاصب یتصدق بالغلۃ اویردھا علی المالک[1] اھ قلت ای ویطیب لہ لانہ نماء ملکہ اخص الطرفین لانھا تطیب للمرتھن عند الامام الثانی رضی اللہ تعالٰی عنھم فلا یتصدق بشیئ۔

کسی رہن چیز کو مرتہن نے راہن کی اجازت کے بغیر اجنبی شخص کو کرایہ پر دے دیا تو کرایہ کی آمدن مرتہن کی ہوگی اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ اسے صدقہ کرے گا جیسا کہ غاصب مغصوبہ چیز کی آمدن کو صدقہ کرتا ہے یا مالک کو واپس ادا کرتا ہے اھ، میں کہتا ہوں یہ آمدن مالک کے لئے طیب ہے کیونکہ اس کی ملکیت کی آمدن ہے۔ مصنف نے طرفین رحمہما اللہ تعالٰی کا خصوصیت سے اس لئے ذکر کیا ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ آمدن مرتہن کے لئے طیب ہے لہذا صدقہ نہ کرے (ت)

یہاں اگر ہے تو یہی صورت ہے اس میں زرکرایہ اصل میں مجرا کرنے کا حکم ایسا ہے کہ زید نے عمرو سے پانچہزار قرض لئے عمرو نے شخص ثالث بکر سے کچھ ناجائز رقمیں حاصل کیں اب زید کہے میرا قرض ادا ہوگیا کیونکہ تو ایک راہ چلتے سے ناجائز رقم لے چکا اس میں زید کو مجنوں نہ کہا جائے گا، اگر یہ وجہ اول اس صورت کو شامل تو حکم یقیناً باطل، اور اگر یہ مراد کہ یہ اجارہ باذن راہن تھا لہذا وہ مالک اجرت ہوا اور لی مرتہن نے، تو زر اصل میں محسوب ہونی چاہئے، تو یہ وجہ نہ رہی بلکہ وجہ دوم ہوگئی، وجہ دوم یہی ہے کہ اجارہ باذن راہن تھا لہذا "رہن باطل اور کرایہ لائق مجرائی، یہ انھیں شہادات باطلہ اشرف علی وغیرہ پر مبنی ہے جن کے وجوہ بطلان روشن ہوگئیں اور جن کو خود مجوز نے ناکافی جانا جیسا کہ ابھی رد ۱۳ میں گزرا۔ سوم یہ کہ قبضہ مرتہن ثابت نہیں، اس کی بحث ابھی آتی ہے، قبضہ یقیناً ثابت ہے، اور بالفرض نہ سہی تو اس سے کرایہ اصل میں کیوں مجرا ہونے لگا، غایت یہ کہ یہ غاصب ہوا اور غاصب کہ مغصوب کو کرایہ پر دے مالک کرایہ خود غاصب ہوگا نہ کہ مغصوب منہ جیسا کہ ابھی گزرا، ہاں اجارہ باذن راہن ثابت ہونا درکار تھا تو یہ بھی وجہ دوم ہے کہ باطل ہے، بالجملہ اصلاً کوئی تنقیح بحق مدعیان ثبوت کا نام بھی نہیں رکھتی۔

پانزدھم تنقیح، بلاشبہہ بحق مدعا علیہ ثابت ہے جس کا بیان ابطال دعوٰی کی وجہ اول

---

[1] غمز عیون البصائر بحوالہ البزازیۃ مع الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، کتاب الرہن ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۴۳، ۱۱۲

میں گزرا۔

شانزدہم تنقیح ۹ قابل بحث نہیں، نہ اس کا ثبوت شرعاً کچھ نافع مدعا علیہا تھا نہ عدم ثبوت کچھ مضر، تنقیح ۱۰ وہ قطعاً بحق مدعا علیہ ایسے قطعی ثبوت سے ثابت ہے کہ ٹالے ٹل نہیں سکتا تجویز میں اس پر ایک طویل بحث ہے کہ قبضہ مرتہنہ اس کی شہادتوں سے ثابت نہیں مگر یہ بحث محض بیہودہ و دور از کار ہے شہادتوں سے قبضہ مرتہنہ کا ثبوت نہ سہی بلکہ یہ فرض کر لیجئے کہ شہادتوں سے راہن کا مرتے دم تک ان مکانوں پر قابض رہنا ثابت ہو جب بھی قبضہ مرتہنہ یقیناً ثابت ہے اور ورثۂ راہن کا اس سے انکار مسموع نہیں وہ قبضہ راہن عاریۃً باجازت مرتہنہ سمجھا جائیگا جو ہرگز رہن میں مخل نہیں، وجہ یہ کہ گنیشی صراحۃً بیعنامہ میں اقرار کرتا ہے کہ "بدست نوشان بیگم بیع کیا میں نے" اور زرثمن تمام وکمال بعد صحت عقد بیع ایجاب وقبول طرفین کے مجھ بائع نے مشتریہ مذکورہ سے وصول پاکر قبض و دخل مشتریہ کا مبیعہ مذکورہ پر کرادیا اور قبضہ ملکیت اپنی سے خارج کرلیا اور مشتریہ نے باداے کل زرثمن مجھ بائع سے قبضہ مالکانہ اپنا مبیعہ مذکورہ پر کرلیا"، بعد اس اقرار قطعی کے قبضہ مرتہنہ میں کلام کی گنجائش نہ رہی، نہ اسے کوئی شہادت دینے کی اصلاً حاجت، نہ شہادت سے ثابت نہ ہونا اسے کچھ مضر، بلکہ قبضہ راہن ثابت ہو تو وہ بھی منجانب مرتہنہ ہے۔ جواہر الفتاوٰی امام کرمانی وعقود الدریہ علامہ شامی میں ہے:

رهن داره واعترف بالقبض الا انه لم يتصل به القبض فاذا تصادقا على القبض والاقباض يؤخذ باقراره[1]

کسی نے اپنا مکان رہن رکھا اور مرتہن کے قبضہ کا اعتراف کیا لیکن عملاً مرتہن کا قبضہ نہ ہوا تو دونوں نے جب قبضہ لینے اور دینے پر اتفاق کرلیا تو اب راہن کے اقرار کو لیا جائیگا۔ (ت)

نیز ہر دو کتاب مذکور میں ہے:

رجل رهن داره والراهن متصرف فيه حتى مات ثم اختلف المرتهن وورثة الراهن انه كان مقبوضا ام لا فان اقام المرتهن البينة على اقرار الراهن بالرهن و

ایک شخص نے اپنا مکان رہن رکھا اور خود راہن ہی اپنی موت تک اس میں تصرف کرتا رہا پھر مرتہن اور راہن کے ورثاء میں مرتہن کے قبضہ میں ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہوا اگر مرتہن نے راہن کے اس اقرار پر کہ اس نے رہن رکھا اور

---

[1] العقود الدریۃ بحوالہ جواہر الفتاوٰی کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۲۵۹

التسلیم یحکم بصحۃ الرھن ودعوی فساد الرھن لاتقبل بظاھر ما کان فی ید الراھن لانہ لما حکم علیہ باقرارہ بالرھن حمل علی ان الید کانت ید العاریۃ[1]

مرتہن کو سونپ دیا ہے، گواہ پیش کردیئے تو رہن کے صحیح ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا، اور ظاہراً راہن کے قبضہ کی بناء پر فسادِ رہن کا حکم نہ ہوگا کیونکہ راہن کے اقرار پر جب حکم ہوا اس کے ظاہری قبضہ کو عاریۃً قبضہ پر محمول کیا جائیگا (ت)

غرض تجویز میں ۱۲ تنقیحیں ۶ جانب مدعا علیہا جن میں چار بیکار اور ۲ یقیناً بحق مدعا علیہا ثابت ہفتم بحق مدعا علیہ و دہم بحق مدعا علیہا۔

ہفدھم تنقیح ۹ بے معنی ہے وہ قائم کرنے ہی کی نہ تھی جس کے ثبوت یا عدم سے کسی فریق کو کچھ نفع نہ ضرر، خصوصاً مدعا علیہا پر اس کا بار ثبوت رکھنا تو سخت عجیب تر۔ بیع مسماۃ کے نام ہوئی اس کے شوہر نے روپیہ اس کی طرف سے دیا، گنیشی نے زر ثمن تمام وکمال مشتریہ سے وصول پانے کا اقرار لکھا اب اس بحث کا کیا محل رہا کہ روپیہ مسماۃ کی ملک تھا یا نہیں یہ دلیل ملک ہے جو خلاف کا مدعی ہو ثبوت اس کے ذمہ ہے نہ کہ مدعا علیہا پر، ورنہ تمام بیوع واجارات سخت دقت میں پڑجائیں ہر مشتری اور ہر مستاجر پر یہ ثبوت پیش کرنا لازم ہو کہ روپیہ اس کی ملک تھا اور یہ لازم بھی کیوں ہو، بالفرض روپیہ اس کی ملک نہ تھا دوسرے کے روپے سے باجازت یا بلا اجازت اس نے خریدی تو اس سے شرا اس کا کیوں نہ رہا، قاعدہ شرعیہ ہے کہ:

الشراء اذا وجد نفاذا علی المشتری نفذ[2]، کما فی الدرالمختار وغیرہ۔

خریداری جب خرید کرنے والے کے حق میں پائی جائے تو اس پر خریداری کا حکم دیا جائے گا، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتہا من مال ابی اذ لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع

بیٹے کے اس کہنے پر کہ میں نے باپ کے مال سے خریدا ہے باپ کی ملکیت مکان پر ثابت نہ ہوگی کیونکہ باپ کے مال سے خریدنے پر یہ لازم نہیں آتا

---

[1] العقود الدریۃ بحوالہ جواہر الفتاوٰی کتاب الرھن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰

للاب لانه یحتمل القرض والغصب[1] کہ بیع باپ کے لئے ہوتی کیونکہ باپ کے مال کو بطور قرض یا غصب استعمال کرنے کا احتمال موجود ہے۔ (ت)

ہیجدہم تنقیح ۱۱ و ۱۲ شرعاً بیکار ہیں قانونی باتیں ہیں کہ ثابت ہوتیں تو مدعا علیہ کو قانوناً مفید تھیں، نہ ثابت ہوتیں تو اس کا کچھ ضرر نہیں، اب نہ رہی مگر تنقیح ۸، یہ قابل بحث نہیں، نہ اس کا ثبوت شرعاً کچھ نافع مدعا علیہ تھا، نہ عدمِ ثبوت کچھ مضر۔ یہ پچاس وجوہ ہیں، تین سے دعوے باطل ہے، ۲۹ سے شہادتیں ۱۸ سے تجویز۔ اور انھیں کے ضمن میں مراتب سوال کا جواب مع زیادت کثیرہ آگیا اور حکم اخیر یہ ہے کہ فیصلہ جج سراسر بے اصل و واجب الرد ہے اور مدعا علیہا دعوائے باطلہ مدعیان سے یکسر بری۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۳: مسئولہ حافظ محمود حسن صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ

زید نے عمرو عطار کو ایک نسخہ دکھلایا کہ اس کی قیمت کیا ہے، اس نے کہا آٹھ آنے، زید نے کہا بنا دو آج تیار کردو، عطار نے کہا دو تین روز میں ہوگا، زید نے کہا تو مجھ کو بذریعہ پارسل بھیج دینا، پارسل جو بیرنگ آیا اس میں قیمت للعہ لکھی ہے محصول ۱۲، بالجملہ اختلاف قیمت کے مقدار میں ہے، زید کہتا ہے ۸ قیمت کہی گئی جس پر میں نے تیاری کے لئے حکم کیا اور عمرو فرماتا ہے میں نے للعہ کہے تھے، پس قول عندالشرع کس کا معتبر ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جو گواہان شرعی سے اپنا دعوٰی ثابت کردے اسی کے حق میں حکم کیا جائے گا، اور اگر دونوں طرف شہادت کافیہ ہو تو عمرو بائع کے گواہ معتبر ہونگے کہ وہ مثبت زیادت ہے، اور اگر کوئی گواہان شرعی نہ دے سکے تو زید مشتری سے پہلے حلف لیا جائے کہ واللہ میں نے عمرو سے للعہ کو یہ دوا نہ خریدی ۸ر کو خریدی تھی، اگر مشتری قسم کھانے سے انکار کرے فیصلہ بحق بائع ہے، اور قسم کھالے تو اب بائع سے حلف لیا جائے کہ واللہ میں نے یہ دوا زید کے ہاتھ ۸ر کو نہ بیچی للعہ کو بیچی تھی اگر بائع حلف سے انکار کرے فیصلہ بحق مشتری ہوا اور اگر وہ بھی قسم کھالے تو چیز واپس دی جائے اور باہم وہ دونوں مل کر بیع فسخ کرلیں یا حاکم درخواست پر فسخ کردے،

فی الدرالمختار اختلف المتبایعان فی درمختار میں ہے فروخت کرنے والے اور خریدار کے

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۱۹

قد رشمن حکم لمن برھن وان برھنا فلمثبت الزیادۃ ، وان عجزا ولم یرض واحد منھما بدعوی الاٰخر تحالفا و بدئ بیمین المشتری لو بیع عین بدین ویقتصر علی النفی فی الاصح وفسخ القاضی البیع بطلب احدھما اوطلبھما ولا ینفسخ بالتحالف ولا بفسخ احدھما بل بفسخھما بحرو من نکل منھما لزمہ دعوی الاٰخر بالقضاء اھ[1] مختصرا و فی ردالمحتار فی الزیادات یحلف البائع واللہ ما باعہ بالف ولقد باعہ بالفین و یحلف المشتری باللہ ما اشتراہ بالفین ولقد اشتراہ بالف[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمیان طے پانے والی رقم میں اختلاف ہوگیا تو دونوں میں سے جو بھی گواہ پیش کرے اس کے حق میں حکم ہوگا، اور اگر دونوں نے گواہ پیش کردئے تو رقم میں زیادتی والے کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اگر دونوں گواہ نہ پیش کرسکیں اور کوئی بھی دوسرے کے حق میں دست بردار نہ ہو تو دونوں سے قسم لی جائے اور قسم میں پہل مشتری سے کی جائے جبکہ یہ بیع مال کی نقد کے بدلے ہو، اور قسم نفی پر کافی متصور ہوگی اصح قول کے مطابق، اور ایک یا دونوں کے مطالبہ پر قاضی بیع کو فسخ کردے، اور اگر دونوں قسم دیں تو اس سے بیع خود بخود فسخ نہ ہوگی، دونوں فریقوں میں سے ایک کے فسخ کرنے پر فسخ نہ ہوگی بلکہ دونوں کے اتفاق سے فسخ ہوگی، بحر۔ اور دونوں میں سے کوئی قسم سے انکار کرے تو دوسرے کا دعوٰی قضاءً لازم ہوجائیگا اھ مختصراً۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ زیادات میں فرمایا کہ بائع یوں قسم کھائے خدا کی قسم میں نے اس کو ایک ہزار میں نہیں دوہزار میں فروخت کیا ہے، اور مشتری یوں قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں نے دوہزار میں نہیں خریدی میں نے تو ایک ہزار میں خریدی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۲: از ریاست رامپور محلہ گھیر شرف الدین خاں مرسلہ اسمٰعیل خاں ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ عرضی دعوی اور اظہار محمد نبی خاں اور محمد حسن شاہدین ہمرشتہ آیا شہادت دونوں گواہوں کی مطابق دعوٰی و مثبت دعوٰی ہے یا نہیں، اور دونوں شہادتیں باہم مطابق ہیں یا نہیں اور محمد نبی خاں کا ایک جگہ یہ کہنا کہ مدعی نے کہا کہ ان پنج قطعات کو جس قیمت کو پرتہ سے

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی باب التحالف مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۲۱
[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۴۳۰

پڑے میں نے اپنے حقِ شفعہ میں لیا اور مدعی عرضِ دعوٰی میں لکھتا ہے کہ پنج قطعات میں سے جو سہام مبیعہ از روئے پرتہ کے پڑیں گے میں نے اُسی قیمت کو بحقِ شفعہ لئے ہر دونوں بیان مخالف ہیں یا نہیں، اور یہ خلاف بیانی محمد نبی خاں کی مبطلِ شہادت ہے یا نہیں، دوسرے محمد نبی خاں نے طلب شفعہ کرنا عند المبیع اور موجودگی مشتری بیان کی ہے اور مدعی طلب عند المشتری تحریر کرتا ہے آیا دونوں میں مخالفت ہے یا نہیں، اور محمد حسن کی شہادت خلاف اس سبب سے ہوسکتی ہے یا نہیں کہ بلحاظ اندراج عرضی دعوی مدعی کا طلب شفعہ کرنا نسبت سہام مبیعہ پنج قطعات مندرجہ میں سے دریافت ہوتا ہے اور شہادت محمد حسن سے بلحاظ خبر دینے علی گوہر خاں کے طلب شفعہ کرنا نسبت ایک غیر معین کے پنج قطعات مکانات سے معلوم ہوتا ہے اور نیز شہادت مذکور محمد حسن مجہول شہادت ہے اس کے بیان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ حصہ کون سے قطعہ سے ہے یا ہر ایک قطعہ سے، اور نیز یہ اعتراض کہ شاہدین کا بیان باہم مختلف ہے محمد نبی خاں طلب شفعہ کرنا نسبت مجموعہ پنج قطعات مکانات کے اور محمد حسن خاں طلب شفعہ نسبت ایک حصہ کے بیان کرتا ہے شرعاً عائد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

اور کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے اپنا ایک سہم منجملہ دس سہام چھ قطعات مکانات سے جو اس کو وراثۃً پہنچا تھا بدست بکر بیع کیا عمرو نے نسبت پانچ مکانات کے کہ عمرو کا شفعہ انھیں پانچ قطعات میں تھا طلب مواثبت و اشہاد کرکے دعوٰی دائر عدالت کیا، اب سوال یہ ہے کہ بوجہ تفریق صفقہ یہ دعوٰی جائز ہوگا یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

اور کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مکان مذکورہ میں دسواں حصہ زید کا تھا وہ اس نے بدست بکر بیع کیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض شاہد نے دسواں حصہ بیع کرنا بیان کیا اور بعض نے یہ کہا کہ زید نے اپنے حصص چھ قطعہ مکانات سے گویا ہر ایک قطعوں میں دس دس سہام قرار دے کر ایک ایک سہم کا بیع کرنا اور طلب شفعہ کرنا بیان کیا یہ اختلاف موجب سقم شہادت ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

کاغذات نظر سے گزرے، ابحاثِ فقہی پر یہاں سے کچھ کہنا ہے مگر نہ تفصیل کی فرصت نہ تطویل کی ضرورت، لہٰذا چند اجمالی جملوں اشعاری اشاروں پر قناعت عرضی دعوی میں محمد اسمٰعیل خاں بنام محمد اکبر خاں دعوی دہانید، ایک ایک سہام منجملہ دس دس سہام از پنج منزل مکانات مندرجہ بیع نامہ بحق شفعہ محدود ذیل واقع رامپور گھیر شرف الدین خاں حسب مرسوم عام محاکم زمانہ دعوی تام و واضح ہے جس میں نہ کوئی ابہام منافی صحت، نہ بیان شاہدین کو اس سے مخالفت، آگے بیان تفصیل میں یہ لفظ حکایات طلب میں

واقع ہوئے کہ پنج قطعہ مکانات میں سے جو سہام مبیعہ ازروئے پرتے کے پڑیں گے میں نے اسی قیمت کو بحق شفعہ خود لئے اسے وجہ مخالفت دعوی وشہادت ٹھہرایا ہے حالانکہ یہ دعوٰی نہیں حکایت الفاظ طلب ہے اور اس میں بھی جو ابہام واقع ہوا ایک ہی سطر بعد اُسے واضح کر دیا ہے کہ فدوی سہام مبیعہ پر پنج قطعات میں سے مدعا علیہ سے بدون قیمت اصلی ازروئے پرتہ کے بحق شفعہ کے طلب کرتا ہے کھل گیا کہ پرتہ ناظر بقیمت ہے نہ کہ ناظر بہ سہام۔ معہذا یہاں ابہام سہام تعیین دعوی وطلب کے منافی ہی نہیں تعیین دو قسم ہے؛ تعیین ذات کہ شَی فی نفسہٖ محدود ومفرز و متمیز ہو اور تعیین قدر کہ اگرچہ مشاع ومخلوط ہے مگر اس کی مقدار معلوم ومعہود ہے۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ شے مشاع میں تعیین دوم ہو سکتا ہے تعیین اول بے دفع شیوع ناممکن ہے اور بیع صرف تعیین ثانی چاہتی ہے نہ تعیین اول کہ بیع مشاع جائز بالاجماع، اور شفعہ مبیع پر اُسی حیثیت موجودہ سے وارد ہوگا مفرز ہے تو مفرز اور مشاع ہے تو مشاع۔ شیوع جب کہ مانع بیع نہیں، مانع طلب ودعوٰی شفعہ بھی نہیں وکل ذٰلک واضح جلی عند کل طالب فضلا عن عالم (یہ طالب علم پر واضح اور روشن ہے چہ جائیکہ فاضل ہو۔ ت) مدعی نے ازروئے پرتہ تو باعتبار ثمن کہا اور جو سہام کا ابہام بنظر ابہام ذات رکھا کہ مشاع ضرور مبہم الذات ہوتا ہے نہ کہ بنظر ابہام قدر بلکہ خود اس کا تعیین لفظ مبیعہ سے بتا دیا کہ بیع نہ ہوئی مگر معلوم القدر کی، پھر دعوٰی وشہادت میں تخالف کدھر سے آیا، غایت یہ کہ شہود نے ابہام ذات کا جُدا ذکر نہ کیا، نہ اس کی حاجت تھی کہ وہ خود شیوع سے مستفاد۔ اظہار محمد نبی خاں میں کہیں نہیں کہ مدعی نے مکانات مبیعہ کے پاس جا کر شفعہ طلب کیا بلکہ لکھا ہے کہ فوراً مدعی نے کہا کہ ان پنج قطعات کو (اشارہ مدعی نے کیا تھا) میں نے شفعہ میں لیا اس وقت عبدالرحمٰن خاں بھی موجود تھا اس کی موجودگی میں یہ سب گفتگو ہوئی تو صاف طلب عند المشتری بتاتا ہے نہ کہ عند المبیع۔ کیا فقط اشارہ اگرچہ دور سے ہو عندیت ہے اس نے تو آگے چل کر اور صاف تر کہا ہے کہ اسمٰعیل خاں نے زیر درخت نیب سڑک پر کھڑے ہو کر طلب شفعہ کیا مکانات متنازعہ متفرق ہیں جہاں طلب شفعہ کیا تھا اس جگہ سے سب مکانات دِکھتے تھے مدعی نے کل مکان کی جانب اشارہ کیا تھا اور بالفرض اس بیان سے طلب عند المبیع بھی ثابت ہو تو کیا طلب عند المشتری کی اس میں صریح تصریح نہیں پھر بیان مدعی وشاہد میں کیا تخالف ہوا۔ کیا مدعی کے کلام میں کوئی حرف طلب عند المبیع سے انکار کا ہے یا طلب عند المشتری بے طلب عند المبیع یا دونوں کا اجتماع مسقط شفعہ ہے یا ذکر اول بے ذکر ثانی مخل دعوی ہے یا عند المبیع طلب میں حق زیادہ ملتا عند المشتری طلب میں کم ہو جاتا ہے پھر اسے شہادۃ علی الزیادۃ سے کیا علاقہ، یا عدمِ ذکر و ذکرِ عدم میں

فرق نہ کرنے کا منشا کیا ہے۔ شہادت محمد حسن پر جملہ اعتراضات اس کا تمام کلام نہ دیکھنے سے ناشی، اس کی صدر عبارت یہ ہے: علی گوہر خاں نے کہا اکبر خاں نے دس حصوں سے ایک حصہ چھ قطعہ مکانات میں سے دولھا خاں کے ہاتھ بیچا ہے اس پر فوراً اسمٰعیل خاں نے کہا ان پنج قطعات مکانات میں سے (مکانات کی جانب اشارہ کیا) جس قیمت کو وہ پڑتے میں آئے میں نے شفعہ میں لیا ایک حصہ کہنے سے ضرور یہ معنی بھی محتمل کہ مجموع مکانات سے صرف ایک حصہ بیع ہوا اب نہیں معلوم کہ وہ حصہ کس مکان کا ہے تو اس خبر پر جو طلب ہوئی طلب مجہول ہوئی اور اب یہ یہاں بیان مدعی و بیان شاہد دیگر سب کے خلاف ہوا مگر اتفاقاً اس عبارت سے یہ بھی محتمل کہ ہر مکان کے دس حصوں سے ایک ایک حصہ بیع ہوا اور وہی مدعی نے طلب کیا ایک ایک میں سے ایک ایک کا حذف کر دینا مستبعد نہیں ۔ اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

لانفرق بین احد من رسلہ[1] ای بین احد و احد۔

ہم رسولوں میں سے کسی ایک کا فرق نہیں کرتے یعنی اللہ تعالٰی کے رسولوں میں ہر ایک ایک میں فرق نہیں کرتے۔ (ت)

عبارت مظہر صرف اسی قدر رہتی جب بھی اسے مخالف بیان مدعی و بیان گواہ آخر کہنا ٹھیک نہ تھا، غایت یہ کہ بوجہ احتمال ناکافی ہوتی مگر محمد حسن خاں نے صرف اسی قدر بیان نہ کیا بلکہ آگے چل کر مطلب صراحۃً کھول دیا جس سے وہ احتمال اُٹھ گیا اور کلام بلا شبہہ بیان مدعی و شاہد آخر کے مطابق ہو گیا وہ کہتا ہے سوا ایک ایک سہام مبیعہ کے باقی جملہ مکانات میں سے نو نو سہام اسمٰعیل خاں و غلام جعفر خاں کے ہیں یہ دعوی اسمٰعیل خاں نے پنج قطعات میں سے ایک ایک سہام مبیعہ کا کیا ہے ان تصریحات کے بعد اعتراضات ابہام و جہالت و مخالفت مدعی و مخالفت شاہد سب خلاف انصاف ہیں۔ شفعہ میں تفریق صفقہ مضر نہیں جبکہ مدعی کا حق صرف بعض مبیع میں ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

لوکان شفیعا لاحدھما یاخذ التی ھو شفیعھا اتفاقا لان الصفقۃ وان اتحدت فقد اشتملت علی ما فیہ الشفعۃ وعلی ما لیست فیہ

اگر دو رقبوں میں سے ایک میں شفعہ رکھتا ہو تو بالاتفاق اس رقبہ کو ہی لے سکے گا جس میں اس کو شفعہ کا حق ہے، سودا اگرچہ ایک ہے مگر اس کا ایک حصہ شفعہ والا ہے اور دوسرا حصہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

فحکم بھا فیما تثبت فیہ اداء لحق العبد کذا فی درر البحار و شرح المجمع[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شفعہ والا نہیں ہے تو جس حصہ میں شفعہ ہے اس میں شفعہ کا حکم کیا جائے گا تاکہ بندے کا حق ادا ہو سکے۔ درر البحار اور شرح المجمع میں یونہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۵ از ریاست رامپور جھولوں والی املی مسئولہ سید محمد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹران اسپ دربریلی غرہ شعبان ۱۳۳۰ھ

علمائے کرام سے سوال ہے کہ جو اقرار نسبت بیع کسی شے کے محکمہ رجسٹری میں روبرو ایسے رجسٹرار کے جو فقیہ متقی اور قاضی شہر بھی ہو بمعہ گواہان حسب قاعدہ کرکے تصدیق کرادے، اس کے خلاف بعد اس کے انتقال کے اُس کے ورثہ شرعًا یہ کہنے کے مجاز ہیں کہ وہ اقرار غیر صحیح اور فرضی تھا یا نہیں، اور ان کا یہ قول شرعًا معتبر ہوگا یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں ان کا قول معتبر نہیں بلکہ مشتری کہ بیع فرضی ہونے کا منکر ہے اُس کا قول معتبر ہے، وارثان بائع کو گواہان شرعی عادل ثقہ سے ثبوت دینا ہوگا کہ بیع فرضی تھی اگر ثبوت دے دیں فبہا ورنہ مشتری سے حلف چاہیں تو اس سے قسم لی جائے اگر وہ قسم کھالے کہ بیع فرضی نہ تھی تو ورثاء کا دعوٰی فرضیت رَد کردیا جائیگا اور بیع ثابت رہے گی، اور اگر مشتری قسم کھانے سے انکار کردے تو بیع فرضی ثابت ہوگی اور مشتری کو مبیع پر دعوٰی نہ رہے گا۔ جامع الفصولین وطحطاوی و ردالمحتار میں ہے:

اقر ومات فقال ورثتہ انہ اقر تلجئۃ حلف المقرلہ باللہ لقد اقر لك اقرارا صحیحا[2]۔

اقرار کرکے فوت ہوگیا تو اس کے وارثوں نے کہا کہ میت کا یہ اقرار فرضی تھا تو اس صورت میں مقرلہ یعنی جس کے حق میں اقرار ہے سے قاضی حلف لے کہ کیا تیرے حق میں اسکا اقرار صحیح تھا۔(ت)

پھر ورثاء بائع اگر صرف اس مضمون کی گواہی دیں کہ قبل بیع بائع و مشتری میں قرارداد ہولیا تھا کہ ہم فرضی

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب ما یبطلہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۵۷

[2] ؍؍ ؍؍ کتاب الاقرار ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۴/۴۵۸

بیع کرینگے تو یہ شہادت کافی نہیں کہ ممکن کہ اس قرارداد کے بعد پھر بیع قطعی پر راضی ہولئے ہوں، تو جب تک بعد بیع فریقین متفق نہ ہوں کہ بیع اسی قرارداد فرضی پر ہوئی صرف ایک فریق کے کہنے سے فرضی نہ مانی جائے گی۔ یونہی اگر یہ گواہی دیں کہ بعد بیع بائع نے کہا تھا کہ میں نے بیع فرضی کی تو یہ بھی کافی نہیں کہ خود بائع اگر موجود ہوتا اور یہ ادعا کرتا مسموع نہ ہوتا جب کہ مشتری اسے تسلیم نہ کرتا خصوصًا جب کہ پیش از بیع قرارداد فرضی کا ثبوت نہیں، ہاں اگر بعد بیع مشتری کے اقرار فرضیت کو گواہان ثقہ عادل سے ثابت کریں تو مشتری پر حجت ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لو ادعی احدھما بیع التلجئۃ وانکر الآخر فالقول لمدعی الجد بیمینہ ولو برھن احدھما قبل ولو برھنا فالتلجئۃ[1]

اگر ایک نے فرضی بیع کا دعوی کیا اور دوسرے نے فرض ہونے کا انکار کیا تو صحیح بیع کہنے والے کی بات اس سے قسم لے کر تسلیم کی جائے گی، اور اگر دونوں میں سے ایک نے گواہی پیش کی تو قبول ہوگی اور اگر دونوں نے گواہی پیش کی تو پھر فرض کہنے والے کی گواہی معتبر ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لو برھن احدھما الاظھر قول الخانیۃ لو برھن مدعی التلجئۃ قبل لان مدعی الجد لایحتاج الی برھان لان البرھان یثبت خلاف الظاھر[2]

اس کا قول کہ اگر ایک گواہی پیش کرے تو قبول ہوگی" کا مطلب بقول خانیہ اظہر یہ ہے کہ وہ گواہی والا فرضی بیع کا مدعی ہو تو قبول ہوگی کیونکہ صحیح بیع کے مدعی کو دلیل کی ضرورت نہیں اس لئے کہ دلیل سے خلافِ ظاہر کو ثابت کیا جاتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی المنار فان تواضعا علی الھزل باصل البیع واتفقا علی بناء العقد علی المواضعۃ یفسد

منار میں ہے کہ دونوں فریق اصل بیع کے فرضی ہونے پر متفق ہوئے اور دونوں سودے کے وقت بھی اسی فرض ہونے پر متفق رہے تو بیع

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۵

البیع فلا یملك بالقبض وان اتفقا علی الاعراض بان قالا بعد البیع اعرضنا وقت البیع عن الھزل الی الجد فالبیع صحیح والھزل باطل وان اختلفا فی البناء علی المواضعة والاعراض عنھا فالعقد صحیح عندہ خلافا لھما فجعل صحة الایجاب اولٰی لانھا الاصل وھما اعتبرا المواضعة الا ان یوجد ما یناقضھا کما اذا اتفقا علی البناء[1] انتھی مختصرا، اقول ولا یذھب عنك ان قولھما فی ما علم تقدم تواضعھما علی الھزل فالمواضعة الثابتة باتفاقھما لا تزول بادعاء احدھما الاعراض عندھما وھو الذی رجحه المحقق فی التحریر بخلاف ما اذا عقدا عقدا ثم ادعی احدھما المواضعة فلا تقبل اتفاقا ما لم یبرھن لانه یسعی فی نقض ما تم من جھته[2] اھ من حاشیتنا علی رد المحتار۔

فاسد ہوگی اور قبضہ کے باوجود مالک نہ ہوں گے اور اگر انھوں نے اپنے طے شدہ سے اعراض کرتے ہوئے سودے کے صحیح بیع کا ارادہ کرلیا اور دونوں نے بیع کے بعد کہا کہ ہم نے سودے کے وقت طے شدہ فرضی کے بجائے قطعی بیع کرلی تھی تو بیع صحیح ہوگی اور فرض و مذاق باطل قرار پائیگا، اور اگر اس معاملہ میں اختلاف ہوجائے کہ طے شدہ کی بجائے صحیح اور قطعی بیع کا ارادہ کیا تھا یا نہیں تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک بیع صحیح قرار دی جائے گی، صاحبین کا اس میں خلاف ہے امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیع کی صحت کو ترجیح دی کیونکہ بیع میں اصل صحت ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے دونوں کے طے کردہ کو اس وقت تک معتبر قرار دیا جب تک اس کا مناقض نہ پایا جائے جس طرح کہ طے کردہ پر بنا کرنا پایا گیا اھ مختصراً۔ میں کہتا ہوں یہ بات پیش نظر رہے کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک دونوں کا باتفاق طے کردہ فرضی منصوبہ ایک فریق کے اعراض سے ختم نہ ہوگا کیونکہ وہ دونوں کا طے کردہ ہے، اسی کو محقق صاحب نے تحریر میں ترجیح دی ہے اس کے برخلاف وہ صورت کہ دونوں نے مطلق سودا کرلیا، پھر ایک یہ کہے کہ ہم نے فرضی طے کیا تھا تو اسکی بات بالاتفاق قبول نہ کی جائیگی کیونکہ وہ اپنی تام کی ہوئی بیع کو ختم کرنا چاہتا ہے الّا یہ کہ وہ اس پر گواہ پیش کرکے اس کو ثابت کردے۔ ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ کی عبارت ختم ہوئی۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۵

[2] جدالممتار علی ردالمحتار " "

درمختار میں ہے :

اقر بمال فی صك واشهد علیه به ثم ادعی ان بعض هذا المال ربا علیه فان اقام علی ذلك بینة تقبل، وان كان متناقضا لانا نعلم انه مضطر الی هذا الاقرار شرح وهبانیة وحرر شارحها الشرنبلالی انه لا یفتی بهذا الفرع لانه لاعذر لمن اقر غایته ان یقال بانه یحلف المقرله علی قول ابی یوسف المختار للفتوی فی هذه ونحوها[1] اھ قلت وبه جزم المصنف۔

ایک شخص نے رسید میں درج مال کا اقرار کیا اور اس پر گواہی پائی گئی پھر اقرار کرنیوالے نے دعوی کر دیا کہ اس میں سے کچھ مال مجھ پر سُود ہے اگر اس نے اس دعوی پر گواہ پیش کر دئے تو یہ شہادت قبول کی جائیگی اگرچہ یہ دعوی اس کے اقرار سے متناقض ہے کیونکہ ہمیں واضح طور پر معلوم ہے کہ اسکو اس اقرار کے بغیر چارہ نہیں تھا شرح رہبانیہ میں جس کو اس کے شارح شرنبلالی نے تحریر کیا ہے کہ اس پر فتوی نہ دیا جائے کیونکہ اقرار کرنے والے کو کوئی عذر نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ جس کے حق میں اس نے اقرار کیا ہے اس سے قسم لی جائے. امام ابو یوسف کے قول پر جو کہ اس جیسے مسئلہ میں فتوی کے لئے مختار ہے. میں کہتا ہوں اسی پر مصنف نے جزم فرمایا ہے. (ت)

ردالمحتار میں نورالعین سے ہے :

فی دعوی التلجئة یدعی الوارث علی المقرله فعلا له وهو تواضعه مع المقر فی السر فلذا یحلف[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

فرضی بیع کے دعوی میں مقرلہ کے خلاف وارثوں کا دعوی ہوجاتا ہے کہ اس نے اقرار کرنیوالے سے خفیہ سمجھوتہ کیا ہے اس لئے اس سے قسم لی جائیگی واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۶ تا ۱۴۹ : از ریاست رامپور مرسلہ سید صاحب موصوف غرہ شعبان ۱۳۳۰ھ

استفتاء بخدمت فضائل منزلت اعلحضرت مولانا المولوی حافظ حاجی احمد رضا خاں صاحب عم فیضھم !

ہندہ نے بنام سعیدالنساء وغیرہا پانچ کس ورثاء زید وخلیا بی مکان کا یوں دعوی کیا کہ ہندہ نے

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۸

مکان متنازعہ زید سے خریدا ہے، زید فوت ہوگیا ہے، ورثاء زید مکان پر قابض ہیں، دخل ولایا جائے، مدعا علیہم کو بیعنامہ مکان مذکور کا تصدیق کرا دینا تسلیم ہے مگر کہتے ہیں کہ بیع فرضی ہوئی تھی، زید نے سعید النساء اپنی زوجہ کے دین مہر اور نان نفقہ کے خوف سے بیعنامہ فرضی کر دیا تھا زر ثمن کا داد وستد نہیں ہوا نہ مدعیہ کا قبضہ مکان متنازعہ پر ہوا، مدعیہ کی جانب سے پانچ مرد اور چار عورتوں نے قطعیت بیع اور زر ثمن ادا کرنے کی بابت شہادت دی ہے مگر عدالت نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ صرف دو گواہ مدعیہ کی طرف سے پیش ہوئے ہیں ان کی شہادت خلاف قیاس ہے اور مستور ہونے کے سبب ناقابل التفات خلاف قیاس ہونے کی اور بھی وجوہ لکھی ہیں جو نقل فیصلہ میں مذکور ہیں یہ نقل فیصلہ ملاحظہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے اب سوال یہ ہے:

(۱) بیع فرضی ہونے کے لئے شرعاً کچھ شرائط ہیں محض اس قدر شہادت دلوا دینے سے کہ عاقدین نے بیع کے بعد اقرار فرضی ہونے کا کیا تھا بیع فرضی ثابت ہو جائیگی، جن جن گواہوں نے یہ شہادت دی ہے ان کو عدالت نے خود مستور الحال لکھا ہے لیکن بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جن کو اپنی سزا یابی سابقہ اور بالفعل اپنی داڑھی منڈوانا تسلیم ہے۔

(۲) جو وجوہ شہادت مدعیہ کی نسبت عدالت نے خلاف قیاس ہونے کے لکھے ہیں کیا وہ شرعاً ایسے ہیں جن سے شہادت ناقابل تسلیم ہو جائے۔

(۳) کیا قاضی کا یہ فعل اس کے فیصلہ پر مؤثر ہوگا کہ بجائے چھ مرد اور چار عورتوں کے صرف دو کا پیش ہونا اپنے فیصلہ میں ظاہر کرے حالانکہ مسل میں سب کے بیان موجود ہیں۔

(۴) کیا ایسا فیصلہ حاکم مرافعہ کی عدالت میں شرعاً قابل بحالی ہو سکتا ہے؟

نقل فیصلہ اور نقول بیانات گواہان فریقین عدالت سے باقاعدہ حاصل کرکے پیش کئے جاتے ہیں جواب مرحمت ہو۔ والاجر عند اللہ۔

الجواب

جواب سوال اول

فیصلہ و اظہارات فریقین تمام وکمال ملاحظہ ہوئے تنقیحات فقہیہ کے اعتبار سے تو یہاں بہت کچھ کہنا ہے مگر بتوفیقہ تعالٰی چند مختصر افادات پر اقتصار کریں کہ بعونہ تعالٰی اظہار صواب و ایضاح جواب کے لئے اسی قدر بس ہے۔

(۱) اس مقدمہ میں فریقین کو اتفاق ہے کہ زید یعنی سید صادق شاہ نے مکان متنازع فیہ کا

بیع نامہ اپنی بھاوج ہندہ یعنی فاطمہ بیگم کے نام کیا اور اس کی رجسٹری کرادی، حاکم شہر قاضی مفتی فقیہہ متقی نے اس کی تصدیق فرمائی، اختلاف جد وہزل میں ہے یعنی آیا یہ بیع صحیح قطعی تھی یا محض نمائشی فرضی۔ سعیدہ بیگم زوجہ وغیرہا پانچ کس ورثائے سید صادق شاہ فرضی بتاتے ہیں اور فاطمہ بیگم مشتریہ قطعیہ۔ اس صورت میں شرعًا سعیدہ بیگم وغیرہا مدعی ہیں کہ ایک امر ظاہر الثبوت کا مٹانا چاہتے ہیں اور فاطمہ بیگم مدعا علیہا کہ اس کا بیان موافق ظاہر ہے لہذا بارِ ثبوت سعیدہ بیگم وغیرہا پر ہے فاطمہ بیگم کو اصلاً کسی گواہ کی حاجت نہیں اس کا صرف زبانی بیان قسم کے ساتھ معتبر ہے۔ درمختار میں ہے:

لوادعی احدھما بیع التلجئۃ وانکر الاخر فالقول لمدعی الجد بیمینہ[1]۔

ایک فریق کا دعوٰی ہے کہ بیع فرضی ہے دوسرا منکر ہے تو صحیح بیع کے مدعی کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

مدعی الجد لایحتاج الی برھان لان البرھان یثبت خلاف الظاھر[2]۔

قطعی ہونے کی مدعی کو دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ دلیل خلافِ ظاہر کو ثابت کرتی ہے۔ (ت)

توفاطمہ بیگم پر بارِ ثبوت رکھنا اور اس کے گواہوں سے بحث اور ان پر اعتراض سب بلاوجہ وبیکار وخلاف ضابطہ فقہیہ ہے۔

(۲) ورثائے صادق شاہ کو بیع فرضی ثابت کرنے کے لئے صرف دو گواہ ثقہ متقی عادل شرعی اس مضمون کے دینا کافی کہ بعد بیع نامہ فاطمہ بیگم نے ہمارے سامنے اقرار کیا کہ یہ بیع میرے نام فرضی ہوئی ہے اس کے سوا نہ اور کچھ شرائط درکار، نہ اور کسی بیان سے ان کو نفع۔

اب ہم گواہانِ ورثہ پر نظر کرتے ہیں ان کی طرف سے بانکے میاں، چھٹن میاں، سید مجیب شاہ، حاجی محمد رضا خاں، شاہنواز خاں، نیاز احمد خاں، محمد یوسف خاں، بنا خاں، سید محمد شاہ نومرد اور صغرٰی وعجوبہ دو عورتیں، جملہ گیارہ گواہ پیش ہوئے، ان میں یوسف خاں کا بیان تو اتنا ہے کہ یہ مکان میاں صادق شاہ کا تھا وہ اس میں مرتے دم تک رہے، پچھلے فقرہ سے اگر ثابت ہے

---

[1] درمختار | کتاب البیوع | باب الصرف | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۵۷
[2] ردالمحتار | " | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/ ۲۴۵

تو اتنا کہ فاطمہ بیگم کا قبضہ نہ ہوا پھر بیع کے لئے قبضہ کیا ضرور، بیع ہبہ نہیں کہ بے قبضہ تمام نہ ہو، اور پہلے فقرہ سے فاطمہ بیگم کو بھی انکار نہیں جب وہ صادق شاہ سے خریدنا بتاتی ہے تو خود مقر ہے کہ مکان صادق شاہ کا تھا پھر اس سے کیا ثابت ہوا، اس گواہ نے یہ بھی کہا ہے کہ سننے میں آیا کہ انھوں نے بھاوج کے نام مکان کردیا یہ اگر سماعی نہ ہوتا تو فاطمہ بیگم کا کچھ مؤید ہوتا، مشہود لہم یعنی ورثہ کو اس سے کچھ فائدہ نہیں، نباخاں اور سید محمد شاہ کی گواہیاں یہ ہیں کہ مکان متنازعہ میاں صادق شاہ کا ہے یہ صریح غلط و باطل ہے، سید صادق شاہ کا انتقال ہوگیا اور میت کسی شئے کا مالک نہیں تو اب مکان ان کا کسی طرح نہیں۔ غرض "ہے" کہنا تو یوں باطل ہے اور "تھا" کہنے سے دمِ مرگ تک ان کی ملک رہنا ثابت نہیں کہ انتقال، بیع کا منافی ہو لہذا یہ تینوں شہادتیں محض مہمل ہیں بلکہ بالفرض اگر ان کے بیان یوں ہوتے کہ یہ مکان سید صادق شاہ کا تھا دمِ مرگ تک وہی اس کے مالک رہے اور وقت انتقال اسے اپنے وارثوں کے لئے میراث چھوڑا جب بھی مفید نہ ہوتے کہ اس شہادت کا مبنی استصحاب ہوتا یعنی ان کی ملک معلوم تھی اور انتقال تک بیع پر علم نہ ہوا لہذا اپنے علم کی بناپر تادمِ مرگ ان کی ملک کہا مشتریہ نے جب کہ بیع تامہ مصدقہ و مسلمہ فریقین سے انتقال ثابت کردیا وہ گواہیاں بے سود ہوگئیں۔

جامع الفصولین میں ہے:

ادعی دارا انی اشتریتہ من ابیك و برھن ذو الید انہ ملك ابیہ الی یوم موتہ و مات، و ترکہ میراثا لاتقبل بینتہ لانھم شھدوا باستصحاب الحال والمدعی اثبت الزوال[1]

ایک شخص نے یہ دعوٰی کیا کہ یہ مکان میں نے تیرے والد سے خریدا ہے اور قابض نے گواہ پیش کردئے کہ یہ مکان میرے والد کی موت تک اس کی ملک رہا ہے اور اس نے اپنی موت پر اس کو بطور میراث چھوڑا ہے تو قابض کی طرف سے یہ گواہی قبول نہ کی جائے گی کیونکہ گواہوں کی یہ شہادت استصحاب حال کی بنا پر ہے جبکہ مدعی اس سابقہ ملکیت کے زوال کو ثابت کررہا ہے۔ (ت)

نیاز احمد خاں فقط اتنا کہتا ہے اور وہ بھی اہل محلہ سے سنا ہوا کہ صادق شاہ اور ان کی بی بی میں نا اتفاقی تھی پھر اس سے کیا ہوا۔ حاجی محمد رضا خاں بھی نا اتفاقی کا گواہ ہے اور یہ کہ جب بی بی کا نان نفقہ مقرر ہوا صادق شاہ نے نوکری چھوڑ دی پھر اس سے بیع کیونکر فرض ہوگئی دنیا میں لاکھوں

---

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۰

آدمی اپنی عورتوں سے ناراض ہوتے ہیں کیا اس سے ان کے تمام انتقالات فرضی ٹھہر جاتے ہیں۔ یہ پانچوں فیصلہ میں اصلاً قابلِ ذکر بھی نہ تھیں یا ں مذکور ہوتیں تو اس طرح کہ فلاں فلاں اظہار محض مہمل و بیکار ہیں۔

(۳) شاہنواز خاں نے بیعنامہ فرضی ہونے کی گواہی دی مگر اس طرح کہ مظہر سے صادق شاہ نے خود اقرار فرضی ہونے کا کیا تھا، اس سے ہرگز فرضی ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ تو اقرار بائع کا گواہ ہے، اگر خود صادق شاہ بعد تحریر و تصدیق بیعنامہ دعوٰی کرتا کہ میں نے تو محض فرضی بیع نامہ کر دیا ہے کیا قابلِ سماعت ہوتا، ورنہ ہر شخص بیع کرکے پھر جاتے اور اس کے فرضی کہہ دینے سے بیع فرضی ٹھہر جائے، یہاں اقرار مشتری کا درکار تھا بائع کا اقرار اقرار نہیں بلکہ دعوٰی ہے کہ بے گواہان ہرگز مقبول نہیں بلکہ اکثر صورتوں میں اس کے گواہ بھی مسموع نہیں کہ بیع کرکے فرضیت کا ادعا تناقض ہے اور تناقض والے کا دعوٰی سنا نہیں جاتا۔ درمختار میں ہے: لاعذر لمن اقر[1] (اقرار کرنے والے کا عذر معتبر نہیں۔ ت) اشباہ وغیرہا میں ہے:

من سعی فی نقض ما تم من جہتہ فسعیہ مردود علیہ[2]

جو شخص ایسی کارروائی کو ختم کرنے کی کوشش کرے جو اس کی طرف سے تام ہوئی ہے تو اس کی یہ کوشش مردود ہوگی۔ (ت)

لہذا یہ شہادت بھی ساقط محض ہے۔

(۴) اب رہے تین مرد اور دو عورتیں جن کے بیان میں فاطمہ بیگم کی طرف سے فرضی کا لفظ آیا ہے اگرچہ محض بے علاقہ، اس کا حال یہ ہے کہ ان میں عورتوں کی گواہی تو صرف ہوا پر ہے جسے انھوں نے محلِ تنازع سے اصلاً متعلق نہ کیا، پہلے اتنا تو کہا کہ یہ مکان صادق شاہ کا ہے اس کا حال اوپر سن چکے کہ یہ شہادت باطلہ بلکہ کاذبہ ہے اور قرینہ کی ہوتی جب بھی نامسموع تھی، آگے چل کر انھوں نے میاں بی بی اور ساس داماد کا جھگڑا بیان کرکے صرف اتنا کہا کہ صادق شاہ نے آکر فرضی کاغذ اپنی بھاوج فاطمہ بیگم کے نام کر دیا، کس چیز کا کاغذ کر دیا، کیا کاغذ کر دیا، مکان یا دکان یا کچھ اسباب، یا کیا، فرضی بیع کر دیا یا ہبہ یا رہن یا اجارہ یا کیا، اس کا کچھ پتا نہیں، پھر کہتی ہیں ہم نے فاطمہ بیگم سے پوچھا تو اس نے کہا کہ

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۴۰

[2] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۷۰

بوجہ اپنی بی بی کے ہمارے نام فرضی بیعنامہ کردیا ہے سچا نہیں ہے یہاں سوال دوم کا جواب تو کھلا ہے کہ ہبہ رہن اجارہ نہیں بلکہ بیعنامہ کیا مگر سوال اول کا جواب اب بھی محض غائب، کچھ نہ کہا کہ مکان کا بیعنامہ کیا ہے یا دکان کا یا اسباب یا کاہے کا، ایسی گول ناصاف، مجمل، مہمل باتیں گواہی میں سن لینا کس شریعت کا حکم ہے حاشا وکلا۔ اس کے جواب میں اگر فاطمہ بیگم کہے کہ صغری وغیرہ سچ کہتی ہیں صادق شاہ نے ایک گھوڑے کا بیعنامہ فرضی میرے نام کردیا تھا سچا نہ تھا میں عورت ذات گھوڑا لے کر کیا کرتی میں نے اس بیعنامہ کا ان سے ذکر کیا تھا تو یہ گواہ یا انھیں پیش کرنے والے ورثاء یا انھیں قبول فرمانے والے اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔

(۵) اب باقی مردوں کی سنیے ان میں چھٹن میاں علاوہ اور وجوہ کے خود کہتا ہے کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے جب سے داڑھی منڈاتا ہوں کبھی کھونٹی بھی آنے ہی نہیں دی تو باقرار خود فاسق معلن بلکہ فسق بالاعلان پر مصر ہے ایسے شخص کی گواہی اگر ایک کوڑی کے معاملہ پر ہو مردود ہے پھر اس کا بیان بھی ساختہ ہونے کا شبہہ دلاتا ہے جیسا کہ ملاحظہ اظہار سے واضح ہے۔

(۶) رہ گئے بانکے میاں اور سید مجیب شاہ، ان دونوں نے اگرچہ بیعنامہ مکان فرضی ہونے کی نسبت فاطمہ بیگم کا اقرار بیان کیا مگر اول سے آخر تک سارے اظہار میں کچھ پتہ نہیں کہ کس کا گھر، یہاں تک کہ مکان متنازعہ کا بھی کہیں لفظ نہیں، ہاں بانکے میاں نے اتنا کہا ہے کہ نشاندہی محلہ پر کرادونگا اور سید مجیب شاہ نے یہ کہ مکان بنادوں گا، دونوں نے بتایا یا نہیں اور بتایا تو کیا بتایا، کیا لفظ کہے، وہ کہاں تک کافی تھے پھر ان دونوں گواہوں کو بھی ذی علم مجوز نے مستور لکھا ہے اور وہ فاسق معلن مصر کو بھی مستور لکھتے ہیں معلوم نہیں کہ یہ مستور کس معنی پر ہیں اگر ویسے ہی مستور ہوئے جب تو ظاہر ہے اور اگر حقیقۃً مستور الحال ہوئے تو مستور کی گواہی بھی مردود ہے مگر یہ کہ دلائل واضحہ سے اس کے صدق پر غلبۂ ظن حاصل ہو اور یہاں ان کے صدق پر کوئی دلیل مفید ظن بھی نہیں غلبۂ ظن تو بڑی چیز ہے تجویز میں ان پر اعتماد کرنا تھا تو واجب ہوتا کہ انکے صدق کے غلبۂ ظن پر واضح دلائل قائم فرماتے مگر کوئی دلیل نہ دی محض ان کے بیان کا حوالہ دیا کہ ان کی شہادتوں سے فرضی ہونا بخوبی ثابت ہے یہ ہرگز قابل قبول نہیں بلکہ دلائل صدق درکنار ذی علم مجوز نے جو دلائل رد گواہان فاطمہ بیگم کے لئے تحریر فرمائے بعینہا ان گواہوں میں جاری ہیں، جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا تو غایت یہ کہ دونوں شقیں محتمل ہو کر صدق وکذب مساوی رہے اور اس صورت میں شہادت مستورین ہرگز مقبول نہیں، ردالمحتار میں ہے:

فان لم یغلب علی ظن القاضی صدقہ بان   اگر قاضی کو اس کی سچائی کا ظن غالب نہ ہو بلکہ اس کے

غلب کذبہ عنہ او تساویا فلا یقبلہا ای لا یصح قبولہا اصلاً[1]

کذب کا ظن ہو یا دونوں پہلو مساوی جانتا ہو تو اس کی شہادت کو قبول نہ کرے یعنی اس کا قبول کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ (ت)

لاجرم ظاہر ہوا کہ ورثائے بائع بیع فرضی ثابت نہ کر سکے اور اس مقدمہ میں صرف اتنا ہی دیکھنا تھا اس کے علاوہ باقی سب بحثیں زائد و دور از کار ہیں۔

جواب سوال دوم

(۱) ہم اوپر ثابت کر آئے کہ فاطمہ بیگم اس مقدمہ میں اصلاً محتاج گواہان نہیں، نہ اس کے گواہوں سے بحث کی حاجت خلاف قیاس درکنار اگر ان کی گواہیاں بدیہی البطلان ہوتیں مثلاً کہتے سو برس ہوئے یہ بیع ہوگئی یا کل ہوئی تھی جب بھی فاطمہ بیگم کو اس سے نقصان نہ تھا کہ اس کا دعوٰی بیعنامہ مصدقہ مسلمہ فریقین سے آپ ہی ثابت ہے۔

(۲) ذی علم مجوز نے ان کی شہادتیں قابلِ لحاظ نہ ہونے کی چھ وجہیں ذکر فرمائیں،

(۱) وہ مستور الحال ہیں۔

(۲) کل زرثمن ایک مفلس کو قبل تحریر و تصدیق بیعنامہ گھر میں بیٹھ کر دیا گیا۔

(۳) مقر نے دستاویز اپنے نام چھڑائی۔

(۴) وصول ثمن کا اقرار کیا رجسٹرار کے سامنے نہ دیا گیا۔

(۵) فاطمہ بیگم کا قبضہ نہ ہوا۔

(۶) مکان دونی قیمت کو بیچا لکھا۔

ان میں کوئی وجہ بھی ایسی نہیں جس سے شہادتیں قابلِ لحاظ نہ ہوں یا حسب بیان فیصلہ بطلان دعوٰئے مدعیہ بتائیں، وجہ اول تو خود کوئی چیز نہیں، مستور الحال کی گواہی مطلقاً مردود ہے یا جب خلافِ قیاس ہو۔ بر تقدیر اول سعیدہ بیگم وغیرہا کے گواہوں کو بھی فیصلہ میں مستور فرمایا ہے ان کی گواہی کیوں نہ مردود ہوئی اور بر تقدیر ثانی اس کے لئے وہ وجوہ درکار ہیں جس سے شہادت کا خلافِ قیاس ہونا ثابت ہو تو وجوہِ آئندہ پر مدار کار رہا اور وجہ اول نے کچھ فائدہ نہ دیا، ہاں یہ کہ وہ ان کی متمم یعنی عادل کی گواہی اگرچہ خلافِ قیاس ہو مقبول ہے نہ مستور کی تو مدار اسی خلاف قیاس ہونے کے ثبوت پر رہا اور وہ

---

[1] ردالمحتار

ثابت نہیں۔

(۳) وجہ ششم اگر قرینہ ہے تو ثمن مقدار واقعی سے زیادہ لکھنے کا نہ اس کا کہ اصل بیع ہی فرضی ہے، زوجہ کے خوف سے بیع فرضی کرنے کو قیمت بڑھا کر لکھنا کیا ضرور تھا کیا اگر سو کا مال سو کو بیچا لکھتا تو اس کا مقصود حاصل نہ ہوتا، ہاں اگر کسی شفیع کا خوف ہوتا تو اس کے سبب زیادہ قیمت لکھی جاتی ایسا زیادہ لکھنا رات دن حقیقی قطعی بیعوں میں ہوتا رہتا ہے تو یہ فرضیت بیع کا کیا قرینہ ہوئی۔

(۴) وجہ دوم عجیب ہے زرِ ثمن گواہوں کو بلا کر ان کے سامنے دیا جانا بیان ہوا ہے نہ کہ تنہائی میں، پھر اس سے کیا شبہہ پڑسکتا ہے ان کو بناوٹ منظور ہوتی تو رجسٹرار کے سامنے دیتا اور زیادہ ان کے مقصود کا مؤید ہوتا نہ کہ گھر میں بیٹھ کر دینا۔ بیع فرضی والے چالاک اکثر یہی طریقہ پسند کرتے ہیں کہ رجسٹری میں دیا اور گھر جا کر واپس لے لیا۔

(۵) وجہ چہارم بھی اسی دوم پر مبنی ہے جب روپیہ گواہوں کے سامنے پہلے مل چکا تو رجسٹرار کے سامنے اقرار کے سوا کیا ہوتا، نمائشی بناوٹ چاہتے تو رجسٹرار کے سامنے ہی دینے میں زیادہ تھی نہ کہ گھر میں۔ نمائش والا وُہ طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں اعلان زیادہ ہو یا وہ جس میں کم ہو۔

(۶) وجہ سوم کی نسبت گزارش کہ دستاویز فاطمہ بیگم نے پیش کی ہے تو صادق شاہ نے چھڑا کر ضرور اُسے سپرد کردی پھر اپنے نام چھڑانے نے فرضیت کا کیا ثبوت دیا بلکہ انصافاً واقعیت کا پتہ دیا کہ فرضی نمائشی کارروائی تو رجسٹری تک ختم ہوگئی تھی اگر واقع میں بیع نہ ہوئی تھی تو دستاویز خود اپنے نام چھڑا کر فاطمہ بیگم کو دینے کی کیا حاجت تھی، فاطمہ بیگم ایک پردہ نشین شریف زادی بیوہ اور صادق شاہ کی بھاوج ہے بھائیوں میں اتحاد کی حالت میں ان کی زندگی میں ان کی زوجات کے ایسے کام جیٹھ دیور کر دیا کرتے ہیں نہ کہ بعد بیوگی۔

(۷) وجہ پنجم اجنبی اشخاص میں کچھ شبہہ ڈالتی باہم اتحاد کی حالت میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ زید کو روپیہ درکار ہے بیع ہوگئی تصدیق وغیرہ سے تکمیل ہوگئی اطمینان کافی ہولیا بائع کو مکان کی حاجت ہے مشتری اور مکان میں رہتا ہے تبرعاً خالی نہ کرایا پھر بیع و موت بائع میں ایسا کوئی طویل فاصلہ بھی نہیں، قبضہ لینا چاہا، اس نے فکر مکان میں آج کل کیا اتنے میں وہ بیمار ہوگیا انتقال کرگیا، اس میں پانچ چھ مہینے گزر جانا کیا دُور از قیاس ہے جس کی بناء پر شہادت باطل کردی جائے اور بیعنامہ مصدقہ مسلّمہ فریقین غلط قرار پائے۔

(۸) اب ہم ایک تقریر جامع بیان کرتے ہیں کہ سب وجوہ کو شامل ہو۔ وجہ ششم کو تو معلوم کرچکے کہ وہ وجوہ فرضیت میں نام لئے جانے کے بھی قابل نہیں، اور وجہ اول نہ خود وجہ ہے نہ گواہان فاطمہ بیگم کے ساتھ

خاص بلکہ وہی علت مستوری گواہانِ سعیدہ بیگم میں بھی موجود۔ بیچ کی چار وجہیں رہیں، نہیں بلکہ تین ہی کہ چہارم خود دوم پر مبنی ہے اب وجہ شبہہ اتنی رہی کہ روپیہ گھر میں بیٹھ کر دیا اور دستاویز مقر کے نام واگزاشت ہوئی اور مشتریہ نے قبضہ نہ لیا ہم پوچھتے ہیں کہ یہاں عاقدین میں باہم ایسا اتحاد مانئے گا کہ ایک کو دوسرے پر کافی اطمینان ہے یا اجنبیت کہ ایک دوسرے پر مطمئن نہیں۔ شق ثانی خود گواہان سعیدہ بیگم و خود فیصلہ مجوزہ سے صریح البطلان ہے جب یہ ٹھہراتے ہو کہ واقع میں نہ بیع تھی نہ ثمن ملا، یونہی فرضی بیعنامہ اس کے نام لکھ دیا اس پر گواہیاں کرادیں اُسے رجسٹری کراکر پکا کردیا رجسٹرار کے سامنے روپیہ ملنے کا اقرار کردیا ہر طرح بائع نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تو کیا یہ معاملہ بے اطمینان اجنبی کے ساتھ ہوسکتا ہے حاشا بلکہ اعلیٰ درجہ کا باہم اطمینان واتحاد چاہئے اور جب اس نہایت درجہ کا ان میں اتحاد مجوزہ و گواہانِ سعیدہ وسعیدہ وغیرہا سب کو خود مسلّم ہے تو گھر میں بیٹھ کر روپیہ دینا یا دستاویز مقر کو ملنا یا مشتریہ کا قبضہ نہ لینا اس اعلیٰ اتحاد کی حالت میں کیا بعید از قیاس ہے۔ بالجملہ اتحاد ہو تو یہ کچھ بھی بعید از قیاس نہیں، اور بے اطمینانی ہو تو ایسے کے ہاتھ فرضی بیع کرکے رجسٹری کرادینا اور وصول ثمن کہہ دینا اور بھی زیادہ بعید از قیاس ہے اور اس کے گواہ بھی مستور ہی ہیں تو ان وجوہ سے انھیں کیوں نہیں رد کیا جاتا۔

جواب سوال سوم

بنظر ظاہر میں یہ اعتراض ہوسکتا کہ فیصلہ میں سعیدہ بیگم وغیرہا کے سب گواہوں کے بیان کا خلاصہ فرمایا گیا یہاں تک کہ وہ بھی جو محض بے علاقہ تھے اور فاطمہ بیگم کے اتنے گواہوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا بلکہ صراحۃً تحریر فرمادیا کہ مدعیہ کی جانب سے صرف دو گواہ پیش ہوئے ہیں مگر نظر دقیق میں اس کی توجیہ قریب ممکن ہے، فاطمہ بی بی کی طرف سے دس گواہ پیش ہوئے چھ مرد ضامن شاہ، غلام ناصر خاں، قاسم خاں، محمد علی خاں، احمد شاہ خاں، عنبر شاہ خاں، اور چار عورتیں، اشرف بیگم، نازنین بیگم، آبادی، انتظام بیگم۔ ان میں قاسم خاں تو محض اپنی ناواقفی بیان کرتا ہے اور کچھ شہادت نہ دی محمد علی خاں نے لوگوں کی زبانی سننا بتایا اور وُہ بھی یوں کہ پہلے کہا بہن کے ہاتھ بیچ ڈالا، پھر کہا بیگم کے ہاتھ۔ احمد شاہ خاں کا اتنا بیان ہے کہ بھاوج کے نام بیعنامہ لکھ دیا اس سے کسے انکار ہے، یونہی عنبر شاہ خاں نے بائع کی زبانی سننا بیان کیا کہ میں نے یہ مکان بیگم سیدانی کے ہاتھ دوسو روپے کو بیچ ڈالا جس نے بیعنامہ رجسٹری کرادیا اس نے اگر اس گواہ کے سامنے اتنا کہا تو اس سے بیع کی قطعیت نہیں سمجھی جاتی، لہٰذا چاروں گواہ بیکار تھے صرف دو مرد اور چار عورتیں باقی رہیں ان کی گواہی ضرور عام مروج طور پر مفید فاطمہ بیگم واقع ہوئی ہے، ذی علم مجوز کی رائے میں دونوں مردوں کی گواہی مخدوش تھی تو باقی سب عورتیں رہ جائیں گی اور تنہا عورت کی شہادت مقبول

نہیں، لہٰذا ان کے ذکر کی حاجت نہ جانی اور صرف دو کے بیان پر اقتصار فرمایا ایسی کمی سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔

جواب سوال چہارم

فیصلہ قابل منسوخی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۵۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لطافت حسین نے شمس النساء سے ایک لاکھ اسی ہزار ٹکے کا دینار سرخ پر جس کے سکہ وقت سے پانچ ہزار چھ سو بیس روپے ہوتے ہیں نکاح کیا، ۲۳ سال کے بعد اپنی ہمشیر مصاحب جان کے پاس ایک جزو مکان رہن رکھ کر دو ہزار دو سو اکتالیس روپے قرض لئے اور رہن نامہ میں لکھا کہ مکان اپنے قبضہ سے نکال کر قبضہ مرتہنہ میں دیا حالانکہ مکان ایک لمحہ کو بھی خالی نہ کیا، دو سال کے بعد لطافت حسین نے نومبر ۱۸ میں دو سو کے قرضے اپنے ذمے چھوڑ کر وفات پائی، جائداد حسب رواج برادری کے متوفی کی اولاد ذکور نہ ہو تو زوجہ قابض و متصرف ہوتی ہے قبضہ شمس النساء میں آئی، اب مصاحب جان اپنے دین کی مدعی ہے اور زوجہ دین مہر کے مطالبہ میں اپنے قبضہ و رواج مذکور سے استناد کرتی ہے، اس صورت میں کس کا دین شرعاً مقدم رہے گا، اور دین مہر کو دیگر دیون پر ترجیح ہے یا نہیں اور شمس النساء کے بربنائے رواج مذکور قبض و تصرف ہونا یا اس کا دین دین مصاحب جان سے پیشتر کا ہونا دعوی مصاحب جان کا مانع سماعت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر مصاحب جان نے رہن مع القبض کا دعوٰی کیا یعنی دعوی اس بیان سے واقع ہوا کہ وہ جزو مکان لطافت حسین نے میرے پاس رہن رکھا اور مجھے قبضہ دلادیا تھا پھر ثبوت میں لطافت حسین کے اس اقرار قبضہ پر جو رہن نامہ میں مذکور ہے گواہ شرعی دے دے اگرچہ خاص قبضہ کا ثبوت نہ دے سکے تو اس کا دعوٰی بیشک ثابت ہے، رہن صحیح و تام و نافذ مانا جائے گا اور مکان پر اس کا قبضہ رہنا مرتہنہ کی طرف سے بطور عاریت خیال کریں گے۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں فرماتے ہیں:

رھن دارہ واعترف بالقبض الا انہ لم یتصل بہ القبض فاذا تصادق علی القبض والاقباض یؤخذ باقرارہ من رھن جواھر الفتاوی

مکان رہن رکھا اور قبضہ دینے کا اعتراف کیا مگر عملاً قبضہ نہ ہوا تو جب دونوں فریق قبضہ لینے اور دینے پر متفق ہیں تو راہن کے اقرار کو لیا جائے گا، ایک شخص نے مکان رہن رکھا اور خود راہن ہی اس میں

وفیھا من الباب الخامس رجل رھن دارہ والراھن متصرف فیہ حتی مات ثم اختلف المرتھن وورثۃ الراھن انہ کان مقبوضا ام لا فان اقام المرتھن البینۃ علی اقرار الراھن بالرھن والتسلیم یحکم بصحۃ الرھن ودعوی فک الرھن لاتقبل بظاھر ما کان فی ید الراھن لانہ لما حکم علیہ باقرارہ بالرھن حمل علی ان الید کانت ید العاریۃ اھ[1]

اپنی موت تک تصرف کرتا رہا پھر مرتہن اور راہن کے ورثاء میں قبضہ کے متعلق اختلاف ہوکہ مرتہن کا قبضہ تھا یا نہیں، اگر مرتہن نے راہن کے اس اقرار کہ اس نے رہن رکھا اور قبضہ دے دیا پر گواہ پیش کردئے تو اس رہن کی صحت کا حکم کیا جائیگا اور رہن کے قبضہ کی بنا پر فسادِ رہن کا دعوٰی درست نہ ہوگا کیونکہ جب اس کے اقرار کی بنا پر فیصلہ ہوا ہے تو اس کے قبضہ کو عاریت متصور کیا جائیگا اھ (ت)

پس رہن مرہون میں مصاحب جان کا استحقاق شمس النساء وغیرہا سب قرضخواہوں پر مقدم ہے پہلے اسی کا قرض اس سے ادا کریں گے اگر کچھ بچا مہر وغیرہ دیون کی طرف مصروف ہوگا ورنہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا مات الراھن وعلیہ دیون کثیرۃ کان المرتھن احق بالرھن کذا فی المحیط[2]

راہن نے اپنی موت پر اپنے ذمہ کثیر دیون (قرضے) چھوڑے تو مرتہن اس رہن کا حقدار ہوگا جیسا کہ محیط میں ہے (ت)

اسی میں ہے کہ:

فلیستوفی منہ دینہ فما فضل یکون لسائر الغرماء والورثۃ[3]

مرتہن اپنی رقوم وصول کرلے باقی زائد دوسرے حق داروں اور ورثاء کا ہوگا۔ (ت)

اور یہاں مرہون کا مشاع یعنی جز غیر منقسم ہونا اس حکم کا مانع نہ ہوگا کہ رہن مشاع مذہب صحیح پر فاسد ہے اور رہن میں فاسد وصحیح کا حکم واحد ہے۔ درمختار میں ہے:

لایصح رھن مشاع لعدم کونہ ممیزا

غیر منقسم چیز کا رہن صحیح نہیں کیونکہ رہن ممتاز نہیں ہے

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الراہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۵۶

[3] " " الباب الاول الفصل الاول " " ۴/ ۴۳۳

ثم الصحیح انه فاسد[1]۔

پھر صحیح قول پر یہ رہن فاسد ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

کل حکم عرف فی الرھن الصحیح فھو الحکم فی الرھن الفاسد کما فی العمادیۃ وفی کل موضع کان الرھن مالا والمقابل بہ مضمونا الا انہ فقد بعض شرائط الجواز کرھن المشاع ینعقد الرھن لوجود شرط الانعقاد، ولکن بصفۃ الفساد کالفاسد من البیوع فمن مات ولہ غرماء فالمرتھن احق بہ کما فی الرھن الصحیح[2] اھ ملخصین۔

جو حکم صحیح رہن میں معلوم ہوا وہی حکم فاسد رہن میں جاری ہوگا جیسا کہ عمادیہ میں ہے اور ہر وہ صورت جس میں رہن مال ہو اور اس کا مقابل مضمون چیز ہو مگر وہاں جواز کے بعض شرائط مفقود ہوں جیسے غیر منقسم کا جز کا رہن رکھا جائے تو رہن منعقد ہوجائے گا کیونکہ انعقاد کی شرط پائی گئی ہے لیکن فاسد صفت کی وجہ سے بیع فاسد کی طرح ہوگی تو راہن اگر فوت ہوجائے اور کئی قرض خواہ ہوں تو مرتہن اس رہن کا زیادہ حقدار ہوگا جیسا کہ صحیح رہن میں ہوتا ہے اھ دونوں عبارتیں ملخص ہیں۔ (ت)

اور اگر مصاحب جان نے صرف رہن کا دعوٰی کیا نہ قبضہ پانے کا، تو دعوٰی رہن اصلاً مسموع نہ ہوگا اگرچہ اس کے گواہوں نے لطافت حسین کے اقرار مذکور بلکہ خود معاینہ قبضہ پر گواہی دی ہو۔ عقود الدریہ میں ہے:

ان ادعی المرتھن الرھن مع القبض یقبل برھانہ علیھما وان ادعی الرھن فقط لایقبل لان مجرد العقد لیس بلازم ولا تسمع البینۃ اذا شھدوا بمعاینۃ القبض او اقرار الراھن بہ لانھم شھدوا بشیئ زائد علی الدعوی لان

مرتہن اگر رہن مع قبضہ کا دعوٰی کرے تو اس پر شہادت قبول کی جائے گی، اور اگر صرف رہن کا دعوٰی کرے تو اس پر شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ محض عقد لازم نہیں ہوتا اور اگر گواہوں نے قبضہ کے معاینہ کی شہادت دی یا رہن کے اقرار کی کہ میں نے دیا ہے، کی شہادت دی تو یہ گواہی قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ یہ زائد چیز کی شہادت ہے

---

[1] درمختار کتاب الرھن باب مایجوز ارتہانہ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۸
[2] " " فصل فی مسائل متفرقۃ " " ۲/ ۲۶۹

فرض المسئلۃ ان المرتھن لم یذکر القبض فی دعواہ وایضا فان الصحۃ الدعوی شرط صحۃ الشھادۃ[1] اھ ملخصًا۔

اس لئے کہ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ مرتہن نے اپنے دعوٰی میں قبضہ کو ذکر نہ کیا ہو اور نیز اس لئے کہ دعوٰی کا صحیح ہونا شہادت کی صحت کے لئے شرط ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

اور اگر دعوٰی میں قبضہ پالینے کا ذکر تو کیا مگر حصول قبض یا لطافت حسین کے اقرار مذکور پر گواہ نہ دے سکے تو بھی اس کا استحقاق مرتہنانہ نہ ثابت ہوگا اور اب مکان کا خالی نہ کیا جانا بیشک اُس کے دعوٰی رہن پر ضرر کا اثر ڈالے گا کہ رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔ ردالمحتار میں عنایہ سے ہے: القبض شرط تمام العقد[2] (رہن میں قبضہ عقد کے تام ہونے کے لئے شرط ہے۔ ت) تو قبل قبضہ مرتہن کا حق مرہون میں حاصل نہ ہوا۔ عالمگیریہ میں ہے:

مالم یقبضہ المرتھن لایثبت حکم ید الرھن لہ[3]

جب تک مرتہن اس پر قبضہ نہ کرلے اس وقت تک رہن کو اس کا مقبوض نہیں قرار دیا جاسکتا۔ (ت)

ولہذا راہن کو قبل تسلیم اختیار رہتا ہے کہ رہن سے رجوع کرجائے اور مرتہن کو مرہون پر قبضہ نہ دے۔ درمختار میں ہے:

ینعقد بایجاب وقبول حال کونہ غیرلازم فللراھن تسلیمہ والرجوع عنہ کما فی الھبۃ[4]۔

رہن کا انعقاد ایجاب وقبول سے ہوتا ہے جبکہ وہ ابھی غیر لازم ہوتا ہے تو راہن کو ابھی حق ہے کہ وہ مرتہن کو سونپ دے یا رجوع کرلے جیسا کہ ہبہ کا حکم ہے۔ (ت)

اور صرف دستاویز میں لطافت حسین کا اقرار مزبور لکھا ہونا ثبوت کے لئے کافی نہ ہوگا جب تک اس اقرار پر گواہانِ شرعی نہ پیش کرے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل مات مدیونا للغرماء

ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو مقروض

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الرھن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۲۵۹
[2] ردالمحتار بحوالہ العنایۃ〃 باب مایجوز ارتھانہ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۱۵
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۹۲
[4] درمختار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۶۵

متعددين وقد كان راهن بدين احدهم مشاعا واظهر المرتهن محضرا وفيه الحكم بصحته ولزومه هل يختص المرتهن به فى وفاء دينه ام لا اجاب المقرر عند علماء الحنفية انه لا اعتبار بمجرد الخط ولا التفات اليه اذ حجج الشرعية ثلثة وهى البينة والاقرار والنكول كما صرح به فى اقرار الخانية فلا اعتبار بمجرد المحضر المذكور ولا التفات اليه الا اذا ثبت مضمونه بالوجه الشرعى اعنى باحدى الحجج الشرعية المشار اليها[1] (ملتقطا)

تھا اس کے متعدد لوگ قرض خور تھے جبکہ ان میں سے ایک کا قرضہ غیر منقسم رہن کے بدلے میں تھا تو اس مرتہن نے محضرنامہ دکھایا جس میں رہن کی صحت اور اس کے لزوم کا حکم تھا تو کیا اس مرتہن کو حق ہے کہ رہن کو اپنے قرض کے عوض اپنے لئے مختص کرلے یا اس کو یہ حق نہیں، تو جواب دیا کہ علمائے احناف کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ محض خط قابلِ اعتبار اور قابلِ التفات نہیں ہے کیونکہ شرعی حجت تین چیزیں ہیں: گواہی، اقرار اور قسم سے انکار جیساکہ خانیہ میں اقرار کی بحث میں تصریح ہے لہٰذا مذکور محضرنامہ اعتبار و التفات کے قابل نہیں جب تک اس کے مضمون کو کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ کردیا جائے (ملتقطا)۔ (ت)

ان دونوں صورتوں میں مصاحب جان کا دین مثل باقی دیون کے سمجھا جائے گا اور اس کو استحقاق تقدم شمس النساء پر نہ ہوگا کہ ذریعۂ تقدم استحقاق مرتہن ہی تھا اور وہ پایۂ ثبوت کو نہ پہنچا، مگر جس طرح شمس النساء پر ترجیح نہیں شمس النساء کو بھی اس پر کوئی تفضیل نہیں کہ آخر جائداد و مہر میں بھی رہن نہ تھی اور مصاحب جان کا دین بھی دین صحت ہے اور مہر کو کسی دین صحت پر تقدم نہیں کہ وہ بھی مثل سائر دیون کے ایک دین ہے، درمختار کے باب نکاح الرقیق میں ہے:

وساوت المرأة الغرماء فى مهر مثلها[2]

بیوی اپنے مہر مثل کی حد تک دیگر قرضخواہوں کے مساوی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فيه تصريح بان المهر كسائر

اس میں یہ تصریح ہے کہ مہر بھی دوسرے

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲
[2] درمختار کتاب النکاح الرقیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۵

الدیون[1]

مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں ہے:

سئل فی رجل مات عن زوجتہ وعلیہ دیون لجماعۃ استدان فی صحتہ فھل تکون ھی اسوۃ الغرماء اجاب نعم[2] اھ ملخصًا۔

قرضوں کی طرح ہے۔ (ت)

ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے متعدد قرضخواہ چھوڑے اور فوت ہونے پر بیوی کا مہر بھی اس کے ذمہ تھا جبکہ دیگر قرض اس نے زندگی اور صحت میں لئے تھے تو بیوی دیگر قرضخواہوں کے مساوی ہوگی یا نہیں، تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں مساوی ہوگی اھ ملخصا (ت)

نہ کسی دین کا پہلے ہونا دوسرے پر باعثِ رجحان ہوسکے، نہ ایک قرضخواہ کے لیطور خود جائداد مدیون پر قبضہ کرلینا دوسرے دائنوں کا حق ساقط کرسکے، نہ برادری کا وہ اختراعی رواج حقوق شرعیہ کا مزاحم بن سکے۔ یہ سب امور واضحاتِ جلیلہ میں جنھیں ادنٰی فہم وتمیز رکھنے والا آفتاب کے مثل ظاہر وروشن جانتا ہے۔ پس اس تقدیر پر تمام متروکہ سے بعد صرف تجہیز وتکفین مصاحب جان کا قرض اور شمس النساء کا مہر اور ان کے سوا اور جو دین ذمہ لطافت حسین ہو سب ایک ساتھ حصہ رسد ادا کیے جائیں گے ایک کو دوسرے پر ترجیح ہوگی مثلاً قرض کے لطافت حسین پر بس یہی دو دین ہیں اور جائداد ان کو کافی خواہ ان سے زائد ہے تو دونوں دائنہ پورا پورا اپنا اپنا دین وصول کرلیں ورنہ قیمتِ ترکہ کو ۸۶۱ سہام پر منقسم کرکے ۵۶۲۰ سہام شمس النساء اور ۲۴۱ سہم مصاحب جان کو دیں کہ دونوں اس نسبت سے اپنے اپنے حق کو پہنچیں۔ بالجملہ حق شمس النساء کو بجہت مہریت خواہ تقدم وقوع خواہ رواج برادری اصلاً تقدم نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: از شہر کہنہ بریلی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان کے سمت جنوب زیر دیوار خام پشتہ عرض میں سہ گرہ قدیم الایام سے واسطے حفاظتِ دیوار کے بنا ہوا ہے اور اسی دیوار میں ایک سمت کو بدررو کہ جس میں ہمیشہ سے پانی پاخانے اور بارش مکان خود ومکان برادر خود کا نکلتا ہے۔ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ متصل پشتہ دیوار قدیم مذکورہ بالا کے اراضی افتادہ ہے جس پر ہمیشہ یہ گزرگاہ عام تھی عمرو نے

---

[1] ردالمحتار باب نکاح الرقیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۵

[2] مغنی المستفتی عن سوال المفتی۔

اس کو اپنا مقبوضہ کرکے باغیچہ لگایا ہے اب عمرو نے تھوڑا حصہ پشتہ مذکور کا غیبت میں زید کے کاٹ ڈالا اور بقیہ پشتہ موجود ہے اس میں ایک درخت ناشپاتی کا عمرو نے پشتہ مذکور کھود کر نصب کیا ہے۔ صرف غرض عمرو کی ان تصرفات سے یہ ہے کہ پشتہ مذکور کھود کر بدررو مذکور بند کرکے ایک مکان دیوارِ زید سے ملاکر بنایا جائے، آیا یہ تصرفات مذکورہ عمرو کے جائز ہیں یا ناجائز، حق ہیں یا ناحق ؟ اور پشتہ ملکیتِ زید میں داخل ہے یا نہیں ؟ اور آب جاری بدررو کو عمرو بند کرسکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

پشتہ قبضہ ہے اور قبضہ دلیلِ ملک، عمرو جب تک گواہان عادل شرعی ثابت نہ کرے کہ زمین پشتہ اس کی ملک ہے اُسے اس کا کھودنا جائز نہیں اور جب کہ بدررو قدیم سے ہے اور مکان کا ڈھال اس طرف ہمیشہ سے، تو زید کے لئے اس زمین میں پانی بہانے کا حق حاصل ہے، عمرو کو ہرگز جائز نہیں کہ دیوار بناکر بدررو بند کردے اور کسی طرح اُسے پاٹ دے یا اجرائے آب سے منع کرے اس کے یہ سب تصرفات ناحق ہوں گے،

فی الھندیۃ عن محیط الامام شمس الائمۃ السرخسی عن الامام الفقیہ ابی اللیث عن مشائخنا قدست اسرارھم انھم استحسنوا ان المیزاب اذا کان قدیما وکان تصویب السطح الی دارہ وعلم ان التصویب قدیم ولیس بمحدث ان یجعل لہ حق التسییل[1] اھ وفیھا عن البدائع لواراد اھل الدار ان یبنوا حائطا لیسدوا مسیلہ اوارادوا ان ینقلوا المیزاب من موضعہ او یرفعوہ او یسفلوہ لم یکن لھم ذلک ولو بنی اھل الدار بناء لیسیل میزابہ

ہندیہ میں امام شمس الائمہ سرخسی سے انھوں نے امام فقیہ ابو اللیث سے انھوں نے ہمارے مشائخ قدست اسرارھم سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے قدیم پرنالہ جس کا پانی دوسرے کی حویلی کی چھت پر گرتا ہے اور واضح طور پر معلوم ہو کہ یہ پرنالہ قدیم ہے جدید نہیں ہے، کے متعلق استحسان کے طور پر فرمایا کہ اس پرنالہ والے کو حق ہے کہ وہ اس کو بہاؤ کے لئے قائم رکھے اھ، اور اس میں بدائع سے منقول ہے کہ اگر حویلی والے اس پرنالہ کا پانی روکنے کے لئے دیوار بنانا چاہیں یا اس پرنالہ کو وہاں سے ہٹانا چاہیں یا اونچا نیچا کرنا چاہیں تو ان کو یہ اختیار نہیں ہوگا ہاں اگر حویلی والے کوئی ایسی عمارت بنائیں جس کا پرنالہ اس کی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴

علی ظهرہ لهم ذٰلک[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

چھت پر گرے تو ان کو جائز ہو گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۲: از ریاست رامپور محلہ چاہ شور مرسلہ جناب مولٰنا مولوی محمد سلامت اللہ صاحب ۲۳ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان مع چند دکاکین منجملہ مکانات اپنے کے بتعیین ہر چہار حدود جس کے سمت شرق و سمت شمال میں دیگر مکانات واقف تحریر ہیں وقف کیا اور متولی اس کا بکر کو کردیا، بکر کی جانب سے کرایہ دار موقوفہ میں کرایہ پر رہتے ہیں اور بکر بوصولی زر کرایہ مصرف خیر کرتا ہے ایک جزو مکان منجملہ موقوفہ کے کرایہ پر عمرو کو بکر متولی نے بوساطت خالد کے دیا اس نے سات مہینے کا کرایہ ادا نہ کیا تو بکر نے دعوی تخلیہ کا کیا، عمرو منکر ہوا اور ظاہر کیا کہ زینب و کلثوم سے کرایہ پر لیا ہے، عدالت نے حکماً زینب و کلثوم کو بھی بکر متولی سے مدعا علیہما بنوایا۔ زینب و کلثوم کا بیان یہ ہے کہ یہ مکان متنازعہ متروکہ محسن پدر واقف کا ہے، بعد فوت محسن مذکور کے ایک زید اور دوسرا حسن پدر مایاں دو ابن اور مسماۃ ہندہ زوجہ سہ کس وارث مع الحصر رہے، اول حسن فوت ہوا اس کے وارث زید اخ اور ہندہ ام و مایاں دو بنات۔ پھر ہندہ فوت ہوئی زید پسر اس کا وارث رہا، شیئ متروکہ وقف مشاع ہوا کہ وہ کسی طرح جائز نہیں، اور عمرو ہمارا کرایہ دار ہے، بجواب اس کے متولی نے لکھا کہ مورث مدعا علیہما مقر بملکیت واقف رہا ہے اور مدعا علیہما کو بھی وقف اور دیگر مکانات واقف تسلیم ہیں، زینب و کلثوم سے ثبوت طلب ہوا مدعا علیہما نے ایک بیعنامہ اسمی محسن پیش کیا جو مدعی کو تسلیم نہیں ہے اور جو گواہ پیش کئے ہیں وہ سماعی ہیں۔ مدعی نے ثبوت تسلیم وقف و ملکیت واقف جو مکانات جانب شرق و شمال بعد فوت واقف کے وعزیز عم و وارث بالحصر واقف سے مدعا علیہما نے خریدی ہیں جس کے بیع نامہ کے حد غرب میں مکان موقوفہ تحریر ہے پیش کیا اور گواہ جن کو عدالت نے بھی ثقات تسلیم کیا ہے بر ثبوت دادن مکان متنازعہ پر کرایہ بہ عمرو و اقرار حسن پدر مدعا علیہما بملکیت واقف قبل از وقف سماعت کرائے ہیں جس کے بیان سے ثبوت بخوبی ہے جب کہ مکانات ملحقہ موقوفہ مدعا علیہما نے بہ تسلیم ملک واقف و تسلیم وقف حسب صراحت حد خریدے ہیں جن کا بیع نامہ متولی نے پیش کیا ہے اور گواہان متولی سے کرایہ پر دینا اور اقرار پدر مدعا علیہما بملک و وقف ثابت ہے اور کاغذ وقف جو مسلمہ مدعا علیہما ہے وہ بھی موجود ہے ایسی حالت میں عدالت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۲

بموجب مسائل شرعی بجواز تخلیہ مکان کا کرایہ دار سے کرائے گی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں عمرو مستاجر کی بدنیتی اور اس سے وقف کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ صاف ظاہر ہے یہاں تک کہ اُس نے اپنے بیان سے یہ چاہا کہ سرے سے وقف ہی کو معدوم کرے، لاجرم حاکم پر فرض قطعی ہے کہ فوراً فوراً بلاتوقف مکان اس سے خالی کرا کر متوفی کو سپرد کرے اگرچہ ہنوز مدت اجارہ کتنی ہی باقی ہو کہ ایسی صورت میں فسخ اجارہ لازم ہے۔ الاسعاف فی احکام الاوقاف میں ہے:

لوتبین ان المستاجر یخاف منہ علی رقبۃ الوقف یفسخ القاضی الاجارۃ ویخرجہ من یدہ۔[1]

اگر مستاجر سے یہ خطرہ واضح ہو کہ وہ وقف جائداد کو نقصان پہنچائے گا تو قاضی اس اجارہ کو فسخ کردے اور اس کے قبضہ کو ختم کردے۔(ت)

بلکہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر اجرت مثل زائد ہوجائے اور مستاجر کرایہ بڑھانے سے انکار کرے تو اجارہ فسخ کردیا جائیگا نہ کہ جب اصلاً کرایہ دینا ہی نہ چاہے۔ درمختار میں قبیل مایجوز من الاجارۃ ہے،

وان کانت لزیادۃ اجرالمثل فالمختار قبولھا فیفسخھا المتوفی فان امتنع فالقاضی ثم یؤجرھا ممن یزاد۔[2]

اگر زائد کرایہ ملتا ہو تو دوسرے کو کرایہ پر دینا جائز اور مختار ہے، متولی پہلے اجارہ کو فسخ کردے اگر وہ نہ کرے تو قاضی فسخ کرکے زائد دینے والے کو اجارہ پر دے۔(ت)

غرض یہاں حکم اس قدر تھا کہ اجارہ فسخ اور تخلیہ لازم، اس سے زائد جو کارروائیاں اس مقدمے میں ہوئیں کہ عمرو کے مجرد بیان پر زینب وکلثوم کو اس دعوٰی کا مدعا علیہ بنوایا گیا اُن کا جواب داخل ہوا متولی سے اس کا رد لیا گیا سب محض لغو وفضول وبے معنی ہیں ان کی طرف توجہ اصلاً روا نہ تھی نہ اُن کے سبب متولی کو ڈگری دینے میں ایک منٹ کی تاخیر حلال تھی نہ ہے۔ مدعا علیہ کا صرف زبانی بیان کہ میں نے فلاں سے اجارہ لیا ہے اصلاً قابلِ سماعت نہیں ہوتا، نہ اُس کے سبب خصومت اُس سے چھوڑ کر فلاں کی طرف متعدی ہوسکتی ہے بلکہ وہی مدعا علیہ رہتا ہے اور جب مدعی اُس پر

---

[1] الاسعاف فی احکام الاوقاف

[2] درمختار کتاب الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۷۱

اقامت بینہ کرے جیسا کہ یہاں واقع ہوا فوراً مقدمہ اپنی نہایت کو پہنچا اور حاکم پر فرض ہوتا ہے کہ مدعی کو ڈگری دے۔ درمختار میں ہے :

قال ذوالید ھذا المدعی بہ منقولا کان اوعقارا اودعنیہ اواعارنیہ او اجرنیہ اورھننیہ زید الغائب وبرھن علی ماذکر، دفعت خصومۃ المدعی للملک المطلق۔[1] (ملخصاً)

قابض نے کہا کہ مدعی جس چیز کا دعوٰی کر رہا ہے اس کو میرے پاس زید نے جو غیر حاضر ہے نے امانت رکھا یا کہے اس نے عاریتاً یا اجرت پر دیا یا رہن رکھا ہے وہ چیز منقولہ ہو یا غیر منقولہ، اور مدعی نے گواہی پیش کی ہو تو اس چیز میں مدعی کا دعوٰی ملکِ مطلق کے طور پر ثابت رہے گا (ملخصاً) (ت)

ہندیہ میں ہے :

وان لم یقم البینۃ فھو خصم فی ظاھر الروایۃ عن اصحابنا رحمھم اللہ تعالٰی کذا فی المحیط۔[2]

اگرچہ مدعی گواہی پیش نہ کرے تب بھی ظاہر روایت کے مطابق وہ فریق ہوگا جیسا کہ ہمارے اصحاب سے مروی ہے، محیط میں یوں ہے (ت)

اس فلاں کو (کہ زینب وکلثوم ہیں) مدعا علیہ بنانا اور اس کے لئے مقدمے کو روکنا صراحۃً شرع مطہر کے خلاف وگناہ ہوا۔ غمزالعیون میں ہے :

یجب علی القاضی الحکم بمقتضی الدعوی عند قیام البینۃ علی سبیل الفور فلو اخر اثم لترکہ الواجب وھو قضاؤہ بھا ویعزل ویعزر کما فی جامع الفصولین۔[3]

دعوٰی پر جب گواہی ہوگئی تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ فوراً دعوٰی کے مطابق فیصلہ دے اگر وہ تاخیر کرے تو گنہگار رہوگا اور وُہ قابل معزولی وتعزیر ہوگا جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے۔ (ت)

طرہ یہ کہ زینب وکلثوم اس دعوٰی تخلیہ کی مدعا علیہ بن نہیں سکتیں کہ مکان اُن کے قبضہ میں نہیں، غیر قابض سے تخلیہ چاہنا کیا معنی، نہ غیر ذی الید پر غیر فعل کا دعوٰی ہو سکے۔ اشباہ میں ہے :

الدعوی علی غیر ذی الید لا تسمع

غیر قابض پر دعوٰی قابلِ سماعت نہ ہوگا اِلّا

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی فصل فی دفع الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ " الباب السادس نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۴۴

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۰

الافی دعوی الغصب فی المنقول واما فی الدور والعقار فلا فرق کما فی الیتیمیۃ[1]۔

یہ کہ دعوٰی منقولہ چیز کے غصب کا ہو، لیکن مکانات اور پراپرٹی میں کسی طرح بھی قابلِ سماعت نہ ہوگا جیسا کہ یتیمیہ میں ہے۔ (ت)

اور جب سرے سے زینب وکلثوم اس دعوی کے احاطے میں آہی نہ سکیں تو اُن کا جواب ان کی گواہیاں اور جو کچھ کارروائیاں اس پر ہوئیں اس وجہ پر سب محض مہمل وپا در ہوا ہیں کہ دفع دعوی صحیحہ پر مرتب ہوتا ہے جب دعوی مفقود تو دفع مردود، وھذا کلہ ظاھر غیر مستنکر ولا مجحود (یہ تمام بیان ظاہر ہے جس کا انکار نہیں ہوسکتا۔ ت) اس کے بعد اُن خللوں پر بحث کی حاجت نہیں جو زینب وکلثوم کے لئے بے حاصل ثبوتوں میں واضح طور پر موجود ہیں اور اگر کچھ نہ ہوتا تو شہادت ملک کا سماعی ہونا اور محض کاغذ بیع نامہ بے شہادت کافیہ سے استدلال کرنا ہی ان کے ردِ مزعومات کو بس تھا خصوصاً جبکہ اُن کے مورث کا اقرار ثابت ہے کہ مکان مذکور پیش از وقف ملکِ واقف نہ تھا، درمختار میں ہے:

لایشھد احد بما لم یعاینہ بالاجماع الافی عشرۃ[2] الخ ولیس ھذا منھا۔

بالاجماع بغیر دیکھے کوئی بھی شہادت نہیں دے سکتا ماسوائے دس چیزوں کے الخ۔ اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔ (ت)

خانیہ وخیریہ وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ او الاقرار واما الصك فلا یصلح حجۃ[3]۔

قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ دے گا اور حجت صرف شہادت، اقرار اور قسم سے انکار ہے لیکن رسید تو وہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۸۹
[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲
[3] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹
فتاوٰی خیریہ باب خلل المحاضر والسجلات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹ و ۲۳
الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸
فتاوٰی قاضیخاں کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲

جامع الفصولین فصل عاشر میں ہے:

ادعی ارثا فبرھن المدعی علیہ ان مورثہ اقران المدعی لیس لہ اوھو ملک المدعی علیہ کان دفعا۔[1]

ایک نے وراثت کا دعوٰی کیا تو مدعا علیہ نے گواہی پیش کردی کہ اس شخص کے مورث نے اقرار کیا تھا کہ یہ چیز میری نہیں ہے یا یہ کہ یہ چیز مدعا علیہ کی ملکیت ہے تو اس شہادت سے دعوٰی کا دفاع ہوجائے گا۔ (ت)

کلام یہاں تطویل ہے اور اسی قدر میں کفایت۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم عزشانہ احکم۔

نوٹ

اٹھارھویں جلد کتاب القضاء والدعوٰی پر ختم ہوئی
انیسویں جلد کا آغاز کتاب الوکالۃ سے ہوگا۔

---

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۰

العقائد والمسائل

جس میں درج ذیل مسائل کا اثبات قرآن وحدیث اور ائمہ دین کے دو سو اقوال سے کیا گیا ہے

فهرس الكتاب

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مکتبہ تنظیم المدارس لاہور پاکستان